لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم ثم رددنٰه اسفل سافلین

الارشاد الحقیقت فی تبیان الطریقت

فقیر اعجاز احمد قادری

لقد خلقنا الانسان في احسن تقويم ثم رددنه اسفل سافلين

الارشاد الحقیقت

في

تبیان الطریقت

مصنف:
فقیر اعجاز احمد قادری

نوریہ رضویہ پبلی کیشنز

نام کتاب .... الارشاد الحقیقت فی تبیان الطریقت

مصنف .... فقیر اعجاز احمد قادری

تعداد صفحات 840

اشاعت اوّل .... ذوالحجہ ۱۴۲۸ھ/ دسمبر ۲۰۰۷ء

کمپوزنگ .... ورڈ میکر

سرِورق .... باھو گرافکس لاہور

طابع .... سیّد محمد شجاعت رسول قادری

مطبع .... عظیم علیم پرنٹرز لاہور

نوریہ رضویہ پبلی کیشنز

11- گنج بخش روڈ، لاہور 042-7313885

اللہ جل شانہٗ

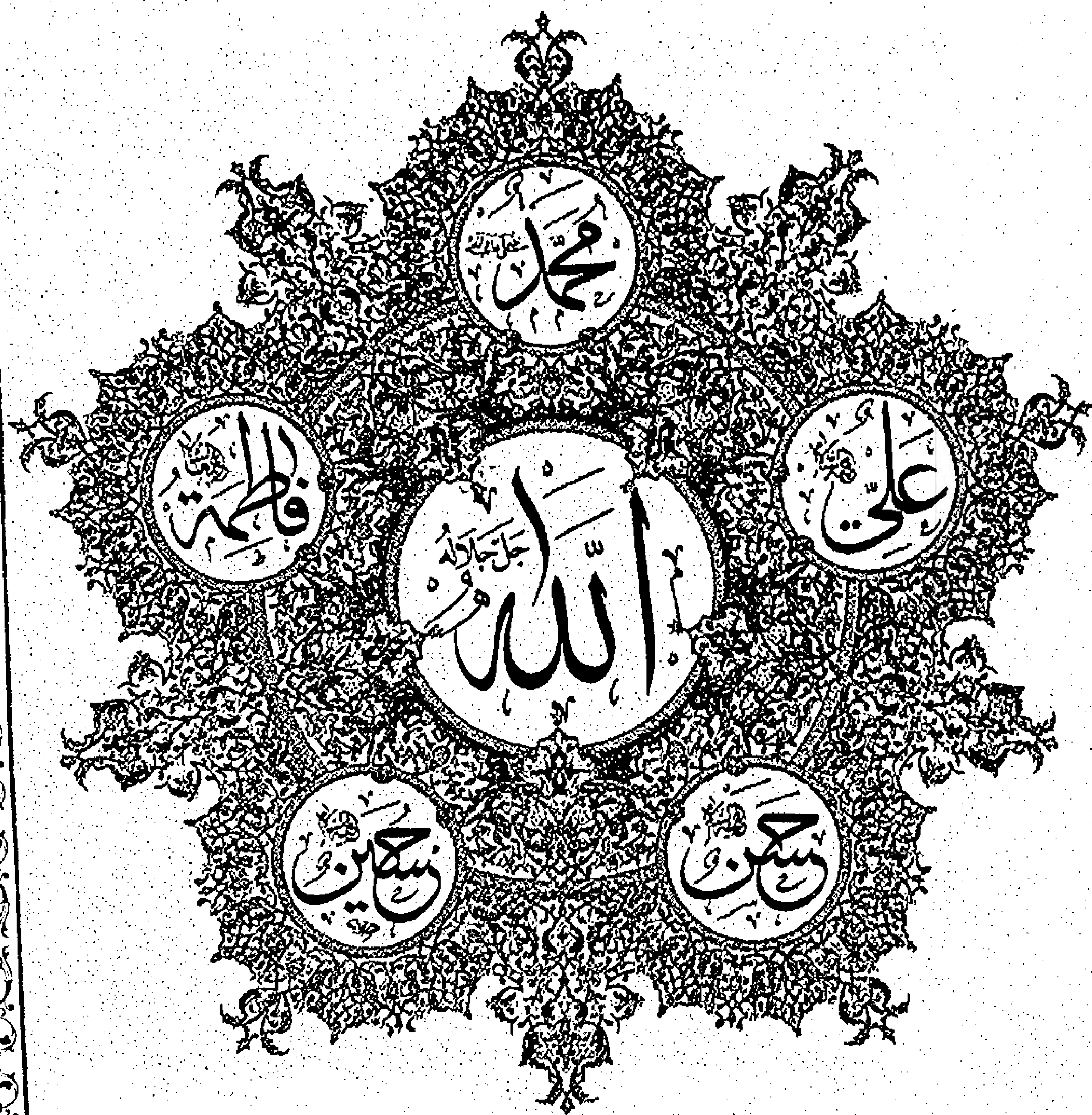
غالب علیٰ امرہٖ کل شیءٍ قدیر

قل لو کان البحر فعال لما یرید

سبحان اللہ سبوح قدوس علی العظیم

سبحان ربی الاعلیٰ و سبحان ربی العظیم

سید افتخار احمد حسین


محمد
فاطمه
الله
علی
حسین
حسن

بفیضانِ کرم



گلِ گلشنِ رسالت مہتابِ ولایت شافعِ مریداں دستگیرِ طالبانِ راہِ حق

حضرت سیّد احمد حسین شاہ گیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ محبوبِ ذات

شرفِ انتساب

شہزادگان حضرت محبوبِ ذات قدس سرہ العزیز



حضرت سیّد افضال احمد حسین شاہ گیلانی القادری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سیّد افتخار احمد حسین شاہ الگیلانی القادری رحمۃ اللہ علیہ

کے نام

بفیضانِ نظر



حضرت ڈاکٹر سید مسعود السید شاہ غوث الگیلانی القادری دامت برکاتہم العالیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریظ

از۔حضرت ڈاکٹر سیّد مسعود السیّد شاہ غوث الگیلانی القادری دامت برکاتہم العالیہ
سجادہ نشین درگاہ حضرت محبوبِ ذات منڈیر سیّداں شریف سیالکوٹ

زیر نظر کتاب ''الارشاد الحقیقت فی تبیان الطریقت'' میرے محبّ اور عزیز دوست برادرم محترم جناب فقیر اعجاز احمد قادری صاحب کی تصانیف میں سے ایک تصنیف ہے جس کا مکمل مطالعہ میں وقت کی کمی کی وجہ سے نہ کرسکا بہرحال اس کا کچھ حصہ میری نظر سے گزرا جس کو میں نے برادرانِ طریقت کی اصلاح کے لئے بہت مفید پایا۔

کتاب کی ضخامت اور مضامین کا انتخاب مصنف کی محنتِ شاقہ کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

تصوف، روحانیت، طریقت، معرفت اور حقیقت کی اصطلاحات نئے قاری کے لئے یقیناً مشکل الفاظ ہیں، لیکن مراکزِ طریقت و روحانیت سے منسلک احباب کے لئے کوئی نئی بات نہیں۔

''الارشاد الحقیقت فی تبیان الطریقت'' میں روح اور نفس کی بار بار بحث اور اقسام دلچسپ اور فکر انگیز موضوعات ہیں۔ قلب کا معاملہ اور آجکل کے حالات میں مرشدِ کامل اور مرشدِ ناقص کی پہچان یقیناً انتہائی نازک مسئلہ ہے۔

حقیقت میں قلب کا معاملہ اور ہے جبکہ اکثریت خود فریبی کے جال میں الجھ چکی ہے۔ جس کو مصنف نے گڑیوں کی شادی کے کھیل سے تشبیہ دی ہے کہ جس طرح بچیاں اسی کو اصل شادی سمجھتی ہیں اور اس سے دل لبھاتی ہیں آج کے دور کے طالبانِ مجازی اور

مرشدانِ ناقص اسی کھیل مین خوش ہیں۔

شعبۂ طبّ سے تعلق رکھنے والے لوگ یہ جانتے ہیں۔ کہ انسانی دل زیادہ بائیں طرف اور تھوڑا دائیں طرف ہوتا ہے اور کافی بڑا ہوتا ہے جو تقریباً چھاتی کے سامنے کا کافی حصہ گھیرے ہوئے ہے۔ جبکہ وہ قلب جو اللہ کا گھر ہے۔ وہ چھاتی کے درمیان سے اگر انگلی کو نیچے تک لائیں تو جہاں ہڈی ختم ہوتی ہے اُس کے دو انگلی فاصلے پر بائیں جانب ہے۔ جبکہ روح اسی ہڈی کے ختم ہونے پر دائیں جانب دو انگلی کے فاصلے پر ہے۔

اس دل کی آواز جب ''اللہ ھو'' کی آئے تو یہ قلب کی آواز ہے۔ ورنہ وہ کلب ہے۔

کتاب میں ایک ہی موضوع پر مختلف شیوخ کا کلام اور ایک ہی کلام کا بار بار آنا قاری کی یاددھانی کراتا ہے۔ جبکہ دیگر موضوعات مثلاً ذکر، خلوت، خواب، کشف، تجلیات، وصال، انوازات اور مشاہدات بھی قابل غور اور قابل فکر موضوعات ہیں۔

لیکن جس طرح تیراکی پر کتاب پڑھ کر کوئی تیرنا نہیں سیکھ جاتا اور آم کے بارے میں کتاب پڑھ کر کوئی آم کا ذائقہ نہیں بتا سکتا۔ اسی طرح صرف کتاب پڑھ کر کوئی طالب اپنی منزل کو نہیں پہنچ سکتا۔

بقول اقبالؔ۔

گذر جا عقل سے آگے کہ یہ نور
چراغِ راہ ہے منزل نہیں ہے

محترمی محبی و مشفقی فقیر اعجاز احمد قادری صاحب نے والدی مرشدی کے ساتھ قربت کے بہت لمحے گذارے اور اُن سے خصوصی طور پر فیض یاب ہوتے رہے۔ اِن کے مشاہدات مرشدِ کامل کے زیرِ سایہ پروان چڑھے اور ان کی منازل غوثِ زماں کی خصوصی توجہ سے طے ہوئیں۔ آج بھی ان کو حضرت محبوبِ ذات حضور سرکارِ عالی مدظلہ العالی اور حضرت نقشِ محبوبِ ذات حضور غوثِ زماں رحمۃ اللہ علیہ کی رہنمائی حاصل ہے۔

اللہ تبارک تعالیٰ جل شانہٗ اپنے محبوبِ پاک و رسولِ کریم رؤف الرحیم ﷺ کے طفیل اور پنجتن پاک علیہم السلام اور حضور غوث الثقلین غوث الاعظم محبوبِ سبحانی قطب ربانی شیرِ یزدانی قدس سرہ العزیز کے تصدق میں اور حضور سرکارِ عالی حضرت محبوبِ ذات قدس سرہ العزیز اور حضور غوثِ زماں حضرت نقشِ محبوب ذات قدس سرہ العزیز کے فیضانِ کرم سے تمام برادرانِ طریقت پر خصوصی فضل و کرم فرمائے اور مصنف کتاب ہذا کی اس سعی کو قبول فرمائے اور احسن جزاء عطا فرمائے اور علم و عمل میں مزید ترقی عطا فرمائے۔

آمین بجاہِ النبی الامین و اصحابہ
و آلہ اجمعین

والسلام

مسعود الحسن
۸-۱۲-۲۰۰۷

فہرست مضامین

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ
گر کافر و گبر و بست پرستی باز آ
ایں درگہ ما درگہ نومیدی نیست
صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

(حضرت ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ)

تو واپس آ، تو واپس آ، تو جو کچھ بھی ہے واپس آ۔ اگر تو کافر ہے اور اگر تو آتش پرست ہے اور اگر تو بت پرست ہے تو بھی تو واپس آ جا۔ ہماری یہ درگاہ نااُمیدی کی درگاہ نہیں ہے اگر تو نے سو بار بھی توبہ توڑی ہے تو پھر بھی تو واپس آ جا۔

(اقتباس: انوار العلوم اُردو نثر مثنوی مولانا رومؒ)

حضرت نوح علیہ السلام کا قوم کو ڈرانا۔ کہ مجھ سے نہ الجھو میں تو خدا کا نقاب ہوں تو تم خدا سے الجھ رہے ہو نا کہ مجھ سے

حضرت نوح علیہ السلام نے نصیحت میں قوم سے کہا کہ خدا کی عطا کو قبول کرلو۔ غور کرو ''مَیں'' میں نہیں ہوں۔ میں اپنی جان کے لحاظ سے مردہ ہوں لیکن محبوب کے ذریعے زندہ ہوں۔ میرے لئے موت نہیں ہے کیونکہ میں بشری حواس کے اعتبار سے مردہ ہوں اور اللہ تعالیٰ میرا کان اور احساس اور بینائی بن گیا ہے۔ چونکہ میں نہیں ہوں تو یہ کلام اُس کی جانب سے ہے۔ اِس کے مقابلے میں جو بات کرے گا کافر ہوگا۔

لومڑی کی اِس صورت (نوح) میں شیر (ذاتِ خدا) ہے۔ اِسی لئے اِس لومڑی کے مقابلے میں دلیر نہ ہو جانا۔ اگر حضرت نوح علیہ السلام کی مدد اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ ہوتی تو طوفان دنیا کو درہم برہم کیسے کرسکتا تھا۔ وہ ''ما'' و''من'' سے گزر کر آگ کی طرح تھے اور دنیا کھلیان کی طرح۔ جو شخص اُس چھپے ہوئے شیر کے سامنے بھیڑیئے کی طرح بے ادبی سے زبان کھولے گا شیر اسے پھاڑ ڈالے گا۔ کاش زخم جسم پر لگتا کہ دل اور ایمان تو سلامت رہتے۔

اب میں اصل راز کو ظاہر نہیں کرسکتا ہاں اشارہ کرتا ہوں شاید تم سمجھ جاؤ۔ اُس لومڑی کی طرح کم کھاؤ۔ اللہ کے سامنے حیلہ بازی نہ کرو ملک کا مالک وہ ہے۔ یہ سلطنت اُس کے

سپرد کردو۔ سیدھے راستے پر فقیر بن کر آ جاؤ تو شیر بھی اور اُس کا شکار بھی تمہارا مال ہے۔ اُس نے فرمایا: الیس اللہ بکاف عبدہٗ ''کیا خدا اپنے بندے کے لئے کافی نہیں ہے''۔ جو خدا پر بھروسہ کرتا ہے وہ اپنے ساتھ بھلائی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو کوئی لالچ نہیں ہے دنیا کی ہر چیز مخلوق کے لئے ہے۔ ملک اور دولت اللہ کے کس کام کی ہیں۔ اُس کے سامنے دل کی حفاظت رکھو۔ وہ راز۔ فکر اور طلب کو اِس طرح دیکھ لیتا ہے جس طرح دودھ میں بال۔ جو شخص بے نقش اور صاف سینہ والا ہوتا ہے وہ غیب کے نقوش کا آئینہ ہوتا ہے۔ وہ مومن ہے تو بھی مومن ہے تو اُس کا آئینہ بن جا۔ دونوں مومن ہیں لیکن دونوں میں بے انتہا فرق ہے۔ جب وہ ہمارے اعمال کو کسوٹی پر رگڑتا ہے تو یقین کو شک سے جدا کر لیتا ہے۔ مومن مومن کا آئینہ ہوتا ہے۔ مومنِ کامل کے قلب پر دوسرے مومنوں کے وسوسوں کا عکس پڑتا ہے۔

(اقتباس: انوار العلوم اُردو نثر مثنوی مولانا رومؒ)

رباعی کے معنی

گر راہروی راہ برت بکشائند
ور نیست شوی بہ ہستی ات بگرائند
ور پست شوی نگنجی در عالم
وا نگاہ ترابے تو بتو بنمائند

اگر تو راہِ طریقت پر چلے گا تو راستہ کھول دیں گے اگر تو فنا ہو جائے گا تو بقا کی طرف مائل کردیں گے۔ اگر پست ہو جائے گا تو دو عالم میں نہ سمائے گا اس وقت تجھے بغیر تیرے وجود کے کھائیں گے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے زنا سے بچنے کی کوشش کی تو زلیخا کے بند کئے ہوئے دروازے کھل گئے اور وہ زلیخا کے پھندے سے صاف بچ گئے۔ دنیا سے بچ نکلنے کے لیے اگرچہ دروازہ نظر نہیں آ رہا۔لیکن اگر انسان کوشش کرتا ہے تو راہ ضرور پیدا ہو جاتی ہے۔ اور انسان لامکان کا راستہ پالیتا ہے۔ انسان عالم بالا سے جس راستے سے آیا وہ بھی اس کی نظروں سے غائب ہے۔ اسی طرح وہ غائب راستے سے عالمِ بالا تک جا بھی سکتا ہے۔ راستہ نظر نہ آنے کی وجہ سے اس راستے کا ہی انکار نہ کر یاد رکھ اسی راستے سے واپس جانا ہے۔ انسان خواب میں راستہ کو بغیر جانے ہوئے چلتا ہے۔ اس لئے اپنی حسی آنکھ کو بند

کر کے خود کو خدا کے حوالے کر دینا چاہیے۔ تب وہ عالم آخرت کا مشاہدہ کر سکے گا۔ دنیا سے تو آنکھیں بند نہ کر سکے گا کیونکہ تری لالچ بھری نظروں نے تیری نظر بندی کر رکھی ہے۔ تو ہر وقت اپنی سرداری اور بڑائی کے خیال سے اپنے معتقدوں کا منتظر بنا ہوا ہے۔ تجھے سوتے میں بھی یہی خواب اسی طرح نظر آتے ہیں جیسے اُلو کو خواب میں ویرانہ نظر آتا ہے۔ تو اپنے خریداروں کا تو منتظر رہتا ہے لیکن تیرے پاس ان کو فروخت کرنے کے لئے کوئی سودا نہیں ہے۔ اگر تیرے پلے میں کچھ ہوتا تو پھر تو خریداروں کا منتظر ہی نہ ہوتا۔ عوام میں مقبولیت اور عوام کو گرویدہ کرنے کی وہی شخص کوشش کرتا ہے جو تہی دست ہوتا ہے۔ ایک قصہ اس معنیٰ میں سن لے۔

(اقتباس: انوار العلوم اُردو نثر مثنوی مولانا رومؒ)

شیخ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید کا قصہ

شیخ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنی بیوی کی اذیتیں برداشت کرنے سے بڑے مراتب حاصل ہوئے۔ خراسان کے نزدیک گاؤں خرقان کی نسبت سے شیخ خرقانی کہلاتے ہیں۔ ان کا ایک مرید اپنے شیخ کی زیارت کے لئے آیا۔ وہ بہت دُور کا فاصلہ طے کر کے وہاں پہنچا۔ احترام سے کنڈی بجائی۔ عورت نے سر باہر نکالا۔ اُس نے پوچھا کیا چاہتے ہو؟ وہ بولا: شیخ کی زیارت کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ عورت ہنسی اور بولی اپنی داڑھی کو دیکھ۔ اس کے ہوتے ہوئے ایسی بے وقوفی۔ تجھے اپنے گھر کوئی کام نہیں تھا کہ یہ بے ہودہ سفر اختیار کیا۔ یا تو تُو آوارہ گرد ہے۔ یا تجھے اپنا وطن کاٹتا ہے۔ اس نے اور بہت نامناسب باتیں کیں جن کی وجہ سے اسے بہت غم ہوا۔ بولا بہرحال مجھے اتنا تو بتا دے کہ شیخ کہاں ہیں؟ وہ شیخ کے بارے میں بُرے القاب سے ذکر کرتے بولی: اگر تو اسے نہ دیکھے تو تیری خیر ہے اس سے تو گمراہ نہ ہوگا۔ جو شخص بھی اس کا مرید ہے رات کو مُردہ کی طرح سویا رہتا ہے اور دن کو بھی اس کے کوئی اشغال نہیں ہیں۔ تمام صوفی ایسے ہی ہوتے ہیں کہ علم و کمال کو چھوڑ کر کہتے ہیں کہ یہ ایک باطنی حال ہے۔ ان صوفیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی سنت کو ہٹا دیا اور نماز روزہ ختم کر دیئے ہیں۔ شریعت اور تقویٰ کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ اس وقت حضرت سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے شخص کی ضرورت ہے کہ ان کو راہِ راست پر ڈالے۔

مرید کا جواب دینا اور اس کو طعنہ زنی پر جھڑکنا

جوان کہنے لگا بس کر تو بزرگوں اور صوفیوں کو بُرا کہہ رہی ہے۔ حالانکہ ان کی شان یہ ہے کہ مشرق و مغرب ان کے نور سے منور ہیں۔ ان کی عظمت کے سامنے آسمان کا سر جھکا ہوا ہے۔ جب میرے یہ عقیدے ہیں تو تجھ شیطان کے بہکانے سے میں شیخ کے در کو کب چھوڑ سکتا ہوں۔ سن لے شیخ میں جو نور ہے وہ نورِ حق ہے اور اگر وہ نور بچھڑے میں نمودار ہو جائے تو وہ قبلہ بن جائے اور اگر وہ نور قبلہ سے مفقود ہو جائے تو پھر اس کو سجدہ کرنا کفر اور صنم پرستی بن جائے۔ تو کہتی ہے کہ اس گرویدہ سے اباحت پیدا ہوئی ہے تو سمجھ لے اباحت کی دو قسمیں ہیں: ایک اباحت تو وہ ہے جسے اہلِ کلام اباحت کہتے ہیں یعنی حرام کو حلال سمجھ لینا۔ یہ خواہشِ نفسانی سے پیدا ہوتی ہے اور گمراہی ہے۔ ایک اباحت وہ ہے جو غلبۂ حال سے پیدا ہوتی ہے جیسے سماع اور وجد۔ یہ خدا کی جانب سے ہے اور کمال ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میرے ساتھ بھی ایک شیطان ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے برخلاف میری مدد کی اور وہ مسلمان ہو گیا۔ جس طرف بھی وہ نورِ حق چمکتا ہے وہ مظہرِ عشق بن جاتا ہے۔ اور خدا کا محبوب اور فرشتوں سے افضل ہوتا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں سے سجدہ کرانا اسی فضیلت کی وجہ سے تھا۔ تیرے برا کہنے سے شیخ برا نہیں ہو جائے گا۔ تو اُن کے باطنی اوصاف کو نہیں دیکھ سکتی اور ظاہر پر حکم لگاتی ہے۔ تو بتا ان کے ظاہر سے زیادہ کس کا ظاہر روشن ہے۔ تمام انسانوں کے ظاہری اعمال شیخ کے اعمال کے مقابلے میں ہیچ ہیں۔ روح کے دریا کی موجیں طوفانِ نوح کی موجوں سے تیز ہوتی ہیں۔ ان سے ڈرتی رہ۔ حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے نے ان کی کشتی کو چھوڑ کر کہا کہ میں پہاڑ پر چڑھ جاؤں گا۔ ایک معمولی موج نے اسے غرق کر دیا۔ رات کے مسافر چاند کی روشنی سے فائدہ اٹھا کر سفر کرتے رہتے ہیں۔ کتوں کے بھونکنے سے نہیں رُکتے۔

ایک عارف باللہ شریعت اور تقویٰ کا خلاصہ ہوتا ہے۔ اس کو معرفتِ خداوندی حاصل ہوتی ہے جو کہ تقویٰ سے پیدا ہوتی ہے۔ زُہد وتقویٰ کھیتی کرنے کی کوشش کی طرح ہے اور معرفتِ خداوندی اس کھیتی کا اگنا ہے۔ مجاہدہ یعنی عمل صالح اور عقیدہ جسم کی طرح ہوئے اور عقیدہ اور عمل کی جان کھیتی کا اگنا اور کاٹنا ہے۔ تو کہتی ہے حضرت سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کہاں ہیں جو بھلائی کا حکم دیں یعنی شیخ میں بھلائی نہیں ہے تو سمجھ لے وہ تو خود بھلے ہیں۔ ان کا باطن کاشفِ اسرار ہے۔ وہ ظاہراً اور باطناً مکمل ہیں۔ ہم لوگ پوست ہیں اور وہ مغز ہیں اس لئے ہم ان کے غلام ہیں۔ اگر وہ انا الحق کہیں اور ظاہر بینوں کے نزدیک حد سے تجاوز کر جائیں اور اس کی وجہ سے ظاہر بین غصہ میں مبتلا ہوں تو وہ بھی خلافِ شرع نہیں ہے۔ جب بندے کی اپنی ہستی اس کے ذہن سے فراموش ہو جاتی ہے تو پھر وہ خود نہیں رہتا اور تب سوائے خدا کے کچھ نہیں رہتا۔ اگر تیرے پاس حقیقت بین آنکھ ہے تو غور کر لے۔ اگر اب بھی کوئی انا الحق پر اعتراض کرے تو آسمان کی طرف تھوکنا ہے جس کی برائی خود اسی پر آئے گی۔

بزرگوں کی تکفیر کرنے والوں پر خدا کی تُف قیامت تک رہے گی۔ جس طرح ابولہب کے بارے میں سورۃ لہب میں بددعا مسلسل برس رہی ہے۔ جبکہ شیخ شاہ ہیں اور شاہ جھنڈے اور نقارے کا مالک ہوتا ہے تو ان کو پیٹو وہی کہے گا جو خود کتا ہوگا۔ شیخ تو نورِ حق ہے اور بقائے کائنات اس کے طفیل ہے۔ اسی لئے تو چونکہ وہ نور ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں تھا اور جس کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ اگر تم نہ ہوتے تو میں زمین و آسمان کو پیدا نہ کرتا۔ اگر شیخ کو وہی نور حاصل ہوا ہے تو پھر اب تمام عالم اسی کے طفیل ہے۔ چونکہ اس میں وہی نور ہے کہ اگر وہ نور نہ ہوتا تو زمین و آسمان نہ ہوتے لہٰذا آسمانوں کی گردش سمندروں اور زمین کی یہ رونقیں سب اسی کے طفیل ہیں۔ رزق خوروں کا رزق اور پھلوں کی بارش ان کے طفیل ہے۔ فقراء کو جو صدقہ وغیرہ دینے کا حکم ہے تو یہ عجیب لطیفہ ہے کہ فقراء اور مشائخ ہی کے طفیل ہمیں یہ دولت ملی ہے تو گویا انہوں نے ہی عطا کی۔ اب ہم سے کہا جا رہا ہے کہ جن لوگوں نے تمہیں

صدقہ دیا ہے تم ان کو دو یعنی ہم فقیروں سے کہا جا رہا ہے کہ تو غنی فقیر کو صدقہ دے۔

مرید بولا ایسے شیخ کے گھر میں تجھ جیسی عورت ہے۔ مجھے شیخ سے نسبت ہے ورنہ میں تیرے ٹکڑے کر ڈالتا۔ تجھے بھی شیخ سے ایک نسبت ہے اس لئے تو میرے ہاتھ سے بچ گئی۔ بیوی کو ملامتیں کرنے کے بعد مرید شیخ کی جستجو میں لگ گیا۔ کسی نے اسے بتایا کہ شیخ جنگل میں لکڑیاں لینے گئے ہیں۔ شیطان نے شیخ کی بیوی کے سلسلے میں مرید کے دل میں وسوسے پیدا کرنے شروع کر دیئے کہ ایسی بدزبان عورت کو شیخ نے اپنی بیوی کے طور پر کیوں رکھا ہوا ہے۔ شاید شہوت سے مغلوب ہے۔ یاد رکھو! اِس قسم کی بدعورت کا شیخ کی بیوی ہونا بھی خدائی تصرف ہے۔ وہ خود مصلحت جانتا ہے ہمیں اعتراض کرنے کا حق نہیں ہے۔ وہ لاحول پڑھتا لیکن نفس پھر اس کے دل میں وسوسہ پیدا کر دیتا۔ مرید اسی ادھیڑ بُن میں تھا کہ شیخؒ کو ایک شیر پر سوار آتے دیکھا۔ اس نے دیکھا کہ شیر غرا رہا ہے اور اس کی کمر پر لکڑیاں لدی ہیں اور شیخ ان لکڑیوں پر بیٹھے چلے آ رہے ہیں اور ہاتھ میں ایک سانپ ہے جس سے کوڑے کا کام لے رہے ہیں۔ شیخ ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ ہی نہیں بلکہ ہر شیخ مست شیر پر سوار ہے فرق صرف اتنا ہے کہ شیخ ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ کا شیر نظر آ رہا ہے۔ دوسرے شیوخ کے شیر عوام کو نظر نہیں آتے صرف ان لوگوں کو نظر آتے ہیں جن کو چشمِ بصیرت حاصل ہے۔ بزرگوں کی سواری میں لاکھوں شیر ہیں جو ان کی خدمت کرتے ہیں وہ شیر اُن کے نفسِ امارہ ہیں جو ان کے غلام بن گئے ہیں۔

شیخ نے مرید کو دیکھا تو ہنس پڑے۔ ان کو اس کے دل کے وسوسے کا علم ہو گیا تھا۔ انہوں نے تمام وسوسے اس پر ظاہر کر دیئے اور اس کا جواب دیا کہ اس کو میں نے نفسانی خواہش کے لئے بیوی نہیں بنا رکھا بلکہ اپنے نفس کی اصلاح اور صبر کی طاقت بڑھانے کے لئے رکھا ہوا ہے۔ ہماری مثال بختی اونٹوں کی سی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلوں کا بوجھ مستی اور بے خودی سے برداشت کرتے ہیں۔ میں بھی خدا کے احکام کے بارے میں کچا نہیں کہ کسی معاملے میں عام بدنامی اور خاص بدنامی سے ڈروں۔ ہمارا واسطہ فرمانِ خداوندی سے ہے عوام یا خواص سے

نہیں۔ مجھے لوگوں کی تعریف کی پرواہ ہے نہ ذلت کی۔ کسی سے علیحدگی یا کسی کے ساتھ رہنا اپنی خواہش سے نہیں ہے بلکہ منشائے خداوندی کے مطابق ہے۔ اس بے وقوف بیوی کا کیا ہے اس جیسے سینکڑوں کا بوجھ محض رضائے خداوندی کے لئے برداشت کرتا ہوں۔

جس قدر تعلق مع اللہ اور اس کے احکام کے اتباع کا ذکر ہے یہ تو ہمارے شاگردوں کو بھی حاصل ہے۔ اللہ رب العزت کے کرم سے ہمارا مرتبہ تو ان سے بہت بلند ہے۔ ہم ذاتِ لامکانی کے مشاہدے میں رہتے ہیں جہاں نور ہی نور ہے اور تصور اور خیال سے بالاتر ہے۔ یہ ساری گفتگو اپنے مقام سے بہت نیچے آ کر کی ہے تاکہ تو سمجھ سکے اور صبر کی عادت ڈال لے جب تو کمینوں کی کمینگی کو برداشت کرے گا تو رسولوں کی سنت کا حامل بن جائے گا۔ رسولوں اور نبیوں نے کمینوں کے ہاتھوں بڑی تکلیفیں اٹھائی ہیں اور صبر کیا ہے۔ ابرار اور اشرار کی یہ آویزش آج کی نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے نظام میں ہر چیز کی ضِد پیدا کی گئی تاکہ ہر چیز کا پورا اعلیٰ ظہور ہو سکے۔

(اقتباس: انوار العلوم اُردو نثر مثنوی مولانا رومؒ)

پیش لفظ

ہر طرح کی حمد و ثنا اللہ رب العزت کی ذات کے لئے مخصوص ہے۔ کہ جس نے عارفین کے قلوب کو توحید کے اسرار و رموز اور دقائق کی دولت سے سرفراز کیا۔ اور واصلین کی ارواحِ مقدسہ کو تنزیہہ کے انوار سے منور کیا۔ اور جس نے اپنے سب سے پیارے۔ برگزیدہ اور محبوب رسول خاتم الانبیاء۔ رحمت اللعالمین۔ سرکار دو عالم۔ شفیع معظم۔ نور مجسم۔ سرورِ قلب و سینہ کائنات اور سید دو عالم حضور اقدس ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ اور ہمیں آپ ﷺ کی امت سے پیدا کر کے آپ ﷺ کے ساتھ نسبت کا شرف عطاء فرمایا۔

ہمارے آقا۔ مولیٰ۔ سردار۔ پیشوا۔ ہادیٔ اکبر۔ محسن اعظم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر درود و سلام نازل ہو۔ اور ان کے ہمراہ ان کے اہل بیت علیہم السلام۔ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کی امت کے علماء (باعمل) کرام اور مشائخ حضرات پر اللہ رب العزت کی رحمتیں نازل ہوں۔

اگر آپ اسلام کی دعوت۔ تبلیغ کی تاریخ کا اجمالی جائزہ لیں۔ تو آپ اس حقیقت سے بہت جلد آگاہ ہو جائیں گے، کہ اس بارے میں صوفیائے کرام نے نمایاں خدمت سر انجام دی ہیں۔ بالخصوص برصغیر پاک و ہند۔ بنگلہ دیش۔ افغانستان۔ اور وسطی ایشیائی ریاستوں حتیٰ کہ کاشغر تک اسلام کی دعوت و تبلیغ میں ان کی خدمات نا قابلِ فراموش ہیں۔ لہٰذا سید علی

الہجویری المعروف حضرت داتا گنج بخش قدس سرہ العزیز کی آمد سے شروع ہونے والا یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔ اور اگر اللہ ربّ العزت نے چاہا تو قیامت تک جاری رہے گا۔

ہر کام بلکہ ہر شعبہ کے اپنے قواعد وضوابط اور آداب و روایات ہوتے ہیں۔ صوفیائے کرام نے اپنے اخلاق۔ رویے۔ انسان دوستی۔ شفقت اور محبت کے ذریعے لوگوں کے قلوب فتح کئے۔ اور ان کے دلوں کی سرزمین پر ایمان اور اخلاص کے جھنڈے گاڑ دیئے۔ کیونکہ وہ اس حقیقت سے آشنا تھے کہ فلسفہ اور منطق انسان کے ذہن کو شکست سے دوچار کر سکتا ہے۔ لیکن دل کو فتح ہرگز نہیں کر سکتے۔ اسی لیے انہوں نے دلوں کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا اور دلوں کو روشن کیا۔ اور انہیں ایمان کی روشنی سے نکھارا۔

صوفیائے کرام کے اسی مقدس جماعت سے تعلق رکھنے والی ایک انتہائی اہم شخصیت میرے پیر و مرشد۔ شیخ کامل اور آقائے نعمت ہیں۔ کہ جنہیں زمانہ حضرت سید احمد حسین شاہ گیلانی القادری رحمۃ اللہ علیہ المعروف حضرت محبوب ذات کے نام سے جانتا ہے۔ اور جن کا روضۂ مبارک منڈیر سیّداں شریف سیالکوٹ میں ہے۔

اللہ ربّ العزت اور اس کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو فضل و کرم میرے شیخ کامل کے وسیلہ سے مجھ پر ہوا ہے۔ اسے الفاظ کے محدود دامن میں سمویا نہیں جا سکتا۔ یہ میرے شیخِ کامل کی روحانی توجہ اور دستگیری کا نتیجہ ہے۔ کہ مجھ جیسا عاجز۔ نکما انسان اسلام کی تحریری۔ دعوتی اور تبلیغی خدمات کے قابل ہو سکا۔

برصغیر پاک و ہند میں اسلام کی تبلیغ۔ دعوت اور تصوف کی تعلیمات کی ترویج اور اشاعت کی تصنیف و تالیف کا آغاز حضور داتا گنج بخش قدس سرہ العزیز نے کیا۔ اور آپ کی تصنیف لطیف ''کشف المحجوب'' سالکانِ طریقت کے لیے مشعل راہ۔ بلکہ مینارۂ نور ہے۔ پھر اس کے بعد آنے والے دیگر صوفیائے کرام نے بھی اپنے اپنے زمانوں کے مخصوص تقاضوں اور ضروریات کو سامنے رکھتے ہوئے تصانیف کی ہیں۔ کہ جن میں اکابرینِ قادریہ

کی تحریرات خواجگان چشت کے ملفوظات اور مشاہیر سہرورد کی تصنیفات شامل ہیں۔ کہ جن کی تفصیل کے لئے ایک الگ تصنیف درکار ہے۔

اس عاجز فقیر نے اپنے ان اکابرین سے نسبت کے تحت اور ان کے روحانی تصرف اور دستگیری کی بدولت اپنے عہد کی ضروریات کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کتاب ''اسرار الحقیقت فی تبیان الطریقت'' تصنیف کی ہے۔ کہ جس میں تصوف۔ روحانیت۔ طریقت۔ معرفت اور حقیقت کے بارے میں بہت سے مسائل اور نکات کی نشاندہی کی گئی ہے۔ اس سلسلہ میں متقدمین۔ متاخرین صوفیائے کرام کی تحریرات بالخصوص اپنے پیر و مرشد اور شیخ کامل کے ملفوظات سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔

میرے شیخ کامل اور پیر و مرشد حضرت محبوب ذاتِ قدس سرہ العزیز اللہ ربّ العزت کے بارے میں ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ کہ: قرآنِ مجید میں وارد ہے کہ:

''وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ''

''موجودات میں کوئی چیز ایسی نہیں جو کہ اللہ ربّ العزت کی تحمید و تسبیح بیان نہ کرتی ہو''

وہ ایسا خالق ہے۔ کہ جس نے اپنی عجیب فطرۃ اور صنعِ حکمت سے محض اپنے فضل و کرم کے قلم سے نفوس کے نقوش کو عدم کے صحیفہ سے وجود کے صفحہ پر بنایا۔ اور معرفت کے آبِ حیات کو انسانی خلقت کی صفات کی ظلمت میں رکھا۔ اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے کہ:

''وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ''۔ (ذریات: ۲۱)

''وہ خود تمہارے نفوس میں موجود ہے۔ کیا تم اسے دیکھتے نہیں''

اور پھر طلب کے جنگل کے پیاسوں کے لئے جو کہ قلندروں کی طرح ہیں۔ سکندر کی طرح صدق قدم سے صفات بشری کی راہ کو طے کرنا آسان فرمایا۔ اور ان گنت عنایات

سے جو حضرت خضر علیہ السلام کی صفت والوں کو جو آتشِ محبت کے جلے ہوئے ہیں۔ معرفت کے آب حیات کے چشمے پر پہنچایا۔

جیسا کہ اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ:

"اَوَ مَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ"۔

(انعام:۱۲۲)

"وہ شخص جو کہ کفر۔ گمراہی اور جہل کے سبب مردہ تھا۔ اِسے ہم نے علمِ اسلام اور ہدایت سے زندہ کیا۔ اور ہم نے اسے نور دیا۔ تا کہ وہ اس نور کے ذریعے لوگوں میں چل پھر سکے"

بہت سے درود اور بے انتہا رحمتیں تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی ارواحِ مقدسہ اور جان بے آلائش پر ہوں۔ جو کہ جوانمردی کے عنصر اور نبوت کے منتظر تھے۔ اور جو حقیقت کے راستوں پر چلنے والے اور شریعت کے مسائل کے مقتداء تھے۔

کیونکہ اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے کہ:

"اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ"۔ (انعام:۸۹)

"یہ وہ لوگ ہیں۔ کہ جنہیں ہم نے کتابِ حکمت اور نبوت عنایت فرمائی"

بالخصوص انبیائے کرام علیہم السلام کی مسند کے سردار اور اولیائے کرام کے قافلوں کے سالار محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی آل۔ اصحاب۔ ازواج۔ اولاد اور خلفائے راشدین اور مہتدین اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جملہ اصحاب پر بار بار تا قیامت درود سلام جاری و ساری رہے۔

اے ہدایت میں میرے بھائیو! اور تقویٰ میں میرے مددگارو! اللہ ربّ العزت مجھے اور آپ تمام کو ناسوتی صفات سے خالی ہونے کی توفیق عنایت فرمائے۔ اور لاہوتی صفات کی تجلی مرحمت فرمائے۔

ایک بات اچھی طرح ذہن نشین کر لیں۔ کہ تمام موجودات اور مخلوقات کا خلاصہ اور

مقصود انسان کا وجود ہے۔ اور اس کے علاوہ جو چیز موجود ہے۔ وہ دونوں عالم سے انسانی وجود کی تعبیت میں ہے۔ لہٰذا اگر غور سے دیکھا جائے۔ تو سب کچھ انسانی وجود ہی تو ہے۔

پناہ بلندی و پستی توئی
ہمہ نیستند آنچہ ہستی توئی

اور انسان کے وجود سے مراد حضرت خداوند کریم کی ذات صفات کی معرفت مراد ہے۔ جیسا کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے پوچھا تھا کہ:

"یا رب لما ذا خلقت الخلق"

''اے باری تعالیٰ تو نے خلقت کو کیوں پیدا کیا؟''

تو جواب میں اللہ ربّ العزت نے فرمایا تھا کہ:

"کنت کنزًا مخفیًا فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق لاعرف"۔

(حدیث قدسی)

''میں ایک مخفی خزانہ تھا۔ اور میں چاہتا تھا۔ کہ میں پہچانا جاؤں۔ میں نے مخلوق کو اس لئے پیدا کیا کہ وہ مجھے پہچانیں اور معلوم کریں''۔

میرے نزدیک حقیقی معرفت انسان کے علاوہ اور کسی کے مناسب نہیں۔ کیونکہ گو عبادت میں فرشتے اور جنات بھی انسان کے ساتھ عبادت میں شامل تھے۔ مگر معرفت کی امانت کا بوجھ اٹھانے میں یہی سب سے ممتاز رہا۔ جیسا کہ اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے کہ:

"اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ"۔ (احزاب: ۷۲)

''بے شک ہم نے امانت کو آسمانوں اور زمینوں اور پہاڑوں کے پیش کیا۔ تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا۔ اور ڈر گئے۔ لیکن انسان نے اسے اٹھا

لیا۔ بے شک وہ وارفتگی میں اپنی جان کو مشقت میں ڈالنے والا ہے''۔

حضور سرکارِ عالی حضرت محبوبِ ذات لفظ ظلوما جھولا کی تشریح فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے کہ انسان اللہ کی محبت میں اتنا وارفتہ ہو گیا کہ اتنا بڑا بوجھ اُٹھا لینے کی حامی بھر گیا ایسا بوجھ جس کو تمام کائنات نے اٹھانے سے انکار کر دیا۔ لیکن یہ اللہ کی محبت میں اللہ کے عشق میں عقل کا دامن چھوڑ بیٹھا۔ یہ نادانی نہیں بلکہ عشق میں کمال ہے۔ محبت میں وارفتگی ہے۔

یہاں آسمان سے مراد اہل آسمان یعنی فرشتے اور زمین سے مراد اہل زمین یعنی حیوانات۔ جن اور شیاطین اور پہاڑ سے مراد اہل پہاڑ یعنی وحشی درندے اور پرندے وغیرہ تھے۔ کہ ان میں سے کوئی بھی امانت کے بوجھ کو نہ اٹھا سکا۔ مگر انسان نے اٹھا لیا۔

اس لئے کہ سب کی پیدائش انسانی نفس سے تھی۔ کیونکہ انسانی وجود اللہ ربّ العزت کا جمال نما آئینہ تھا۔ اور تمام صفات الٰہی کا مظہر ہے۔ جب کہ حضور اقدس ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

"ان اللہ خلق ادم علٰی صورتہ"۔

''بے شک اللہ رب العزت نے آدم کو اپنی صورت پر بنایا''۔

اور انسانی نفس کا خلاصہ آئینہ ہے۔ اور دونوں جہان اس آئینے کا غلاف ہیں۔ اور حضرت الوہیت کی جلالی اور جمالی صفات کا ظہور اسی آئینے سے ہوتا ہے۔ جیسا کہ اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ:

"سَنُرِيهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ"۔ (حم السجدہ:۵۳)

''عنقریب ہی ہم اپنی قدرت انہیں آسمان کے کناروں اور خود ان کے نفوس میں دکھائیں گے''۔

چونکہ انسانی نفس آئینہ بننے کے لائق ہے۔ اس لئے اس کی تربیت ہونی چاہئے۔ تاکہ یہ اپنے کمال کو پہنچ جائے۔ اور تمام صفات کے ظہور کا اپنے آپ میں مشاہدہ کر سکے۔ اور اپنے نفس کو پہچان سکے۔ کہ وہ کس لیے پیدا کیا گیا ہے۔ اور جب اسے:

"من عرف نفسہٗ فقد عرف ربہٗ"۔

''جس نے اپنے نفس کو پہچانا۔ اس نے اپنے رب کو پہچانا''۔

کی حقیقت معلوم ہو جاتی ہے۔ اور پھر اسے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ وہ کیا ہے۔ اور کون ہے۔ اور کس بھید کی وجہ سے اسے کرامت اور فضیلت حاصل ہوئی ہے۔

لیکن انسانی نفس کو صفا آئینے کے کمال مرتبے تک پہنچنے کے لئے بہت سے خطرناک اور مہلک مقامات طے کرنے پڑتے ہیں۔ اور یہ بات سوائے شریعت۔ طریقت۔ معرفت اور حقیقت کی سیدھی راہ کے حاصل نہیں ہو سکتی۔ اور یہ بتدریج حاصل ہوتی ہے۔

جیسا کہ لوہے کو جب کان سے نکالتے ہیں۔ تو اس کو طرح طرح کی پکاوٹیں دیتے ہیں۔ لہٰذا اسے کبھی آگ میں ڈالتے ہیں۔ اور کبھی پانی میں بجھاتے ہیں۔ تب کہیں آئینہ بنتا ہے۔

اسی طرح انسانی وجود بھی شروع میں لوہے کی کان کی طرح ہوتا ہے جیسا کہ:

''انسان سونے چاندی کی کانوں کی طرح ہیں''۔

لہٰذا اس لوہے کو انسانی وجود کی کان سے بڑی عمدہ تدبیروں سے نکالنا چاہئے۔ اور تربیت کرنی چاہیے۔

پس اس کتاب میں راہِ دین کے سلوک عالمِ یقین ترہیب نفسِ انسانی کے وصول اور صفاتِ ربانی کو بیان کیا گیا ہے۔

جیسا کہ اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ:

"فَاِنَّمَا یَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِیْنَ وَ تُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا"۔

''سوائے اس کے نہیں۔ کہ ہم نے قرآن مجید کو تیری زبان میں آسان کر دیا۔ تا کہ تو پرہیز گاروں کو اس کے ذریعے خوش خبری دے۔ اور جھگڑالو لوگوں کو خوف دلائے''

جبکہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

"كلمة الحكمة ضاله"۔

''حکمت کے کلمات گمراہ نہیں''۔

نیز واضح رہے۔ کہ حقیقت کی باتوں اور راہ طریقت کے سلوک کے بیان سے صادق

مریدین اور محقق طالبین کے باطن میں طلب کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ اور صدیقین کے دل میں محبت کی آگ شعلہ زن ہوتی ہے۔ خاص کر اس وقت۔ جبکہ یہ محقق کاملین اور صادق عاشقین کی نظر کی منشاء سے ظاہر ہوں۔

نیز ان بے خبر حضرات کو اس حدیث شریف سے انتباہ حاصل ہوتا ہے۔ کہ جن کو یہ معلوم نہیں ہے۔ کہ اس سعادت کا قفل کس چابی سے کھل سکتا ہے۔

کیونکہ حضور سیّد عالم ﷺ کا فرمان ہے کہ:

"وللاذن تعشق قبل العين احيانا"۔

''بسا اوقات سننے سے بغیر دیکھے عشق پیدا ہو جاتا ہے''۔

لہٰذا ان لوگوں کو کہ جنہوں نے پہلے یہ کہا۔ جیسا کہ اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے کہ:

"اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا"۔ (آل عمران: ۱۹۳)

''بے شک ہم نے مناد کو یہ کہتے سنا۔ جو لوگوں کو ایمان کی طرف بلا رہا تھا۔ (یہ مناد محمد رسول ﷺ ہیں۔ یا قرآن مجید) پس اس منادی کو ہم نے قبول کیا اور ایمان لائے''

یہ حدیث شریف کی دولت کانوں نے سنی۔ بلکہ ابتداء میں ان کے دلوں میں ''اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ'' کے خطاب کی دستکاری سے عشق کا بیج بویا گیا۔ لیکن اس بیج کی تربیت کی توفیق صاحبِ دولت کے سپرد کی۔ اور وہ حضور سیّد عالم ﷺ تھے۔ کیونکہ عشق کی جاودانی سلطنت دنیاوی بادشاہوں کو تو عطا نہیں ہو سکتی۔

لیکن ہر خواہشمند کا ہاتھ اس دولت پر نہیں پہنچ سکتا۔ کیونکہ:

"ليس الذين بالتمنى"

''دین خواہش سے ہاتھ نہیں آتا''

سلوک کے بیان سے ایک اور غرض یہ ہے۔ کہ جھوٹے خواہش پرست اور جانوروں کی سی صفات پر جنہوں نے اپنی ساری ہمت چوپائیوں اور حیوانات کی خواہشات۔ لذات۔ اور شہوات پر صرف کر دی ہے۔اور چوپائیوں کی طرح اسی وقت کی عیش کو ہی غنیمت سمجھتے ہیں۔ اور مردانِ خدا کے مشربوں کے ذوق اور مقربین کے مقامات کے شوق سے محروم رہ گئے ہیں۔ اور دینی کمالات ااور اہل یقین کے درجات سے نماز اور روزہ کی صورت میں غافل ہوکر بے شمار آفات کی آسودگی پر قناعت کر لی ہے۔

اور ان کے لئے یہ دلیل ثابت ہو جائے۔ تا کہ قیامت کے دن یہ نہ کہہ سکیں۔ کہ ہم اس حدیث شریف کی دولت سے محروم تھے۔ اور یہ کہیں کہ۔ جیسا کہ اللہ ربّ العزت قرآن میں ارشاد فرماتا ہے کہ:

”وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ“۔ (الملک:۱۰)

”اگر ہم سنتے یا غور کرتے۔تو آج دوزخیوں کے ہمراہ دوزخ میں نہ ہوتے“

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا: کہ مرید کو کلمات مشائخ اور ان کی حکایات سے کیا فائدہ حاصل ہوسکتا ہے؟

آپ نے فرمایا! اس سے مجاہدہ پر ثابت قدمی اور عہد طلب کی تجدید ہوتی ہے۔ پھر لوگوں نے پوچھا: کیا اس فرمان کی تائید قرآن مجید سے ہوتی ہے؟

آپ نے قرآن مجید کی درج ذیل آیت بیان فرمائی۔ کہ اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ:

”وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ“۔ (هود:۱۲۰)

”جو چیز پیغمبروں کے احوال سے سناتا ہوں اس لئے سناتا ہوں کہ اس سے تیرا دل اطمینان حاصل کر لے۔ اور تیرا یقین بڑھ جائے“۔

اور اس صورت میں جو کچھ نازل ہوا۔ وہ سب درست اور بالکل ٹھیک ہے۔ اور اس میں پرہیزگاروں کے لئے نصیحت اور ذکر ہے۔

نیز بزرگانِ دین نے فرمایا ہے کہ:

"کلمات المشائخ جنود اللّٰه فی ارضه"۔

"یعنی مشائخ کی باتیں طالبین کی مددگار ہیں"۔

تا کہ جس عاجز کا کوئی شیخ کامل نہ ہو۔ اور شیطان چاہتا ہو کہ طلب ریاضات اور مجاہدات کے اثناء میں کسی شبہ یا بدعت میں ڈال کر اس کی راہزنی کر لے۔ تو اس کے لئے مناسب ہے۔ کہ کلمات شیخ سے مدد لے۔ اور اپنی دریافت کی نقدی کو ان کے شافی بیان کی گھسوٹی پر پرکھے۔ تا کہ شیطانی وساوس اور نفسانی خطرات سے بچ جائے۔ اور سیدھے اور دین کی راہ پر قائم ہو جائے۔ کیونکہ اس راہ میں انسانوں کے شیطان اور جنات بہت سے ہیں۔ جو کہ بے راہنما اور بدرقہ (محافظ۔ قافلہ کا راہنما) کے چلنے والوں کو جلد ہی ہلاکت کی وادی میں لا ڈالتے ہیں۔ اس کی بہت سی اقسام ہیں۔

"وکم مثلها فارقتها وهی یصفر"۔

"بہت سی ایسی چیزیں بھی ہیں۔ کہ جن سے تو جدا ہو کر چلا آتا ہے۔ تو وہ تجھے پیچھے سے آواز دیتی ہیں"۔

شیخ ابو سعید ابو الخیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ مرید کو ہر روز حسبِ فرصت اس حدیث شریف کو ضرور سننا یا کہنا چاہیئے۔ اور ویسے بھی بزرگان دین کا قول ہے کہ:

"من احب شیئا اکثر ذکره"۔

"جو شخص جس چیز سے زیادہ محبت رکھتا ہے۔ اکثر اسی ہی کا ذکر کرتا ہے"۔

لہٰذا انہی مقدمات کے بموجب راہ طریقت کے بعض سالکین اور عالمِ حقیقت کے بعض راہ گیروں نے جو اسی دولت سے صاحبِ نصاب تھے۔ اور اس راہ میں راہِ راست پر تھے۔

کیونکہ:

"اِنَّ لِکُلِّ شَیْءٍ زَکوٰۃ"۔

''ہر شے کی زکوٰۃ ہوتی ہے''۔

کے بموجب اور:

"اولکل ذی حق حقه"۔

''ہر ایک ذی حق کو اس کا حق دے''۔

کے مطابق اپنے اوپر واجب سمجھ کر حق مستحقین کو دیا۔ اور معرفت کے آبِ حیات کے چشمہ سے بادیہ طلب کے پیاسوں کو شربت پلایا۔ تا کہ ان کا درد طالبین کی پیاس اور شوق اور بھی زیادہ کرے۔

اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے کہ:

"وَهُوَ الَّذِیْ یُبْدِءُ و الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُہٗ" (الروم:۲۷)

''وہ ذات ہے۔ جو خلقت کو پیدا کرتا ہے۔ اور پھر اسے لوٹاتا ہے''۔

جبکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

"یموت الناس علی ماعاش و یحشر علی ما مات علیه"۔

''انسان جس طرح زندگی بسر کرتا ہے اسی طرح مرتا ہے۔ اور اسی حالت میں اس کا حشر ہوتا ہے''۔

اس آیت اور اس حدیث شریف سے تین باتیں ثابت ہوتی ہیں۔

۱- فطرت کا شروع جسے مبدا کہتے ہیں۔

۲- زندگی کا عرصہ جسے معاش کہتے ہیں۔

۳- روح کا قالب سے جدا ہونا۔ اضطرار سے یا صفاتِ قالب سے اختیار کے ساتھ اس کا معاد کہتے ہیں۔

پس یہ کتاب ''اسرارالحقیقت فی تبیان الطریقت'' بھی تین اصولوں پر مبنی ہے۔ یعنی مبداء۔ معاش اور معاد۔

اور ہر ایک اصول الگ الگ باب میں بیان کیا جائے گا۔ کہ جس میں چند ایک الگ حصے ہوں گے اور ہر ایک مقام پر اس مختصر کے موافق انسانی احوال کا کچھ بیان کروں گا۔

چنانچہ مبداء کے باب میں ہدایتِ فطرت سے ارواح۔ اشباح۔ ملک اور ملکوت کی مختصر شرح بیان کروں گا۔

اور معاش کے باب میں انسانی تربیت اور اس کا سیر و سلوک۔ بشریت کے طور۔ روحانیت کے انوار۔ اخلاق کی تبدیلی۔ صفات کا تغیر اور دیگر مختلف احوال جو کہ اثنائے روش میں پیش آتے ہیں۔ اور اس کے علاوہ اثنائے تربیت کی ضرورت کا بیان ہوگا۔

اور معاد کے باب میں انبیائے کرام علیہم السلام اور اولیائے کرام رحمہم اللہ کے سلوک کے قوانین کے موافق نیک بخت اور بد بخت حضرات کے نفوس کی واپسی اور بازگشت اور ہر ایک قسم کی مرجع و معاد کا بیان ہوگا۔ اور ایک باب مختلف طائفوں کے سلوک کے بیان میں ان کے ساتھ ملایا جائے گا۔ تا کہ ہر ایک جماعت اس کتاب کے فوائد سے محفوظ اور بہرہ مند ہو سکے۔

اس ساری کتاب میں پانچ ابواب اور ان کے کل چالیس حصے کئے گئے ہیں۔

اور پانچ ابواب میں اسے بطور تبرک اور یمن تقسیم کیا گیا ہے۔ وہ اس لئے کہ اسلام کی بنیاد پانچ اراکین پر مشتمل ہے۔

۱- شہادت: ''اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ''۔

۲- نماز

۳- زکوٰۃ

۴- ماہ رمضان کے روزے

۵- بشرطِ استطاعت حج کرنا

اور ان پانچ ابواب کے بعد ان ابواب کو مزید چالیس حصوں میں تقسیم کرنے کی یہ وجہ ہے۔ کہ انسان کی تربیت میں چالیس کے عدد کو خاص دخل حاصل ہے۔ جیسا کہ اللہ ربّ العزت ارشاد فرماتا ہے کہ:

"وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰی اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً"۔ (بقرۃ:۵۱)

''جب ہم نے موسیٰ سے چالیس راتوں کا وعدہ کیا''۔

اور اللہ ربّ العزت کے پیارے حبیب ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

"من اخلص للّٰہ اربعین صباحاً ظہرت ینابع الحکمت من قلبہ علی لسانہ"

''جو شخص چالیس روز صبح کو اللہ ربّ العزت سے اخلاص سے پیش آئے۔ تو حکمت کے چشمے اس کے دل سے اس کی زبان پر جاری ہو جاتے ہیں''۔

اس کے علاوہ ہر ایک حصہ کے شروع میں قرآن مجید کی ایک آیت اور حضور اقدس ﷺ کی ایک حدیث شریف اس حصہ کی مناسبت سے بیان کی جائے گی۔ تاکہ کتاب اور سنت کا وسیلہ ہو جائے گی۔ اور چونکہ اس میں ابتداء سے لے کر انتہا تک انسانی کمالات اور نقصانات کی شرح اور ایک حالت سے دوسری حالت میں اور ایک مقام سے دوسرے مقام میں اس کی پرورش اور روش کا حال بیان کیا جائے گا۔

اس لئے یہ کتاب راہ حقیقت اور طریقت کے مدعیوں اور سلوک۔ معرفت والوں کے لئے بمنزلہ کھسوٹی کے ہوگی۔

تاکہ اپنے وقت کی نقدی کو اس پر پرکھ سکیں۔ اگر ان مقامات میں سے کسی ایک مقام کی علامات اور نشانات اپنے آپ میں معلوم کریں۔ تو اس راہ کے امیدوار بنیں اور پناہ جوئی بھی کریں۔ کیونکہ وہ حق کی راہ پر ہیں۔ اور یہی ''صراط مستقیم'' ہے۔ اور اگر ان باتوں میں

سے اپنے تئیں (آپ) میں کچھ نہ پائیں۔ تو شیطانی غرور اور پسلاوٹ میں نہ آجائیں۔ اور مغرورانہ خیال اپنے دل و دماغ سے بالکل نکال دیں۔ اور راہ طلب میں سچی راہ پر قدم رکھیں۔ اور بوسیدہ خرقوں پر مغرور نہ ہوں۔

اس کتاب کا نام ''اسرار الحقیقت فی تبیان الطریقت'' اس کتاب کے احوال کے مطابق رکھا گیا ہے۔ اور اللہ رب العزت سے دعا ہے۔ کہ اس کتاب کو اخلاص کے ساتھ پڑھنے۔ اور اس پر عمل کرنے والوں کو اپنے خاص بندوں میں سے بنائے۔ اور نیکی کی راہ کا سلسلہ بنائے۔ اور قوم ثمود و عاد کی طرح اس کے دشمنوں کو ہلاک کرے۔

جب سچا مرید اور عاشق طالب از روئے صدق و تحمل نہ کہ از روئے حرص و خواہش اس کا مطالعہ کرے گا۔ تو اس پر واضح ہو جائے گا۔ کہ وہ کون ہے۔ اور کہاں سے آیا ہے۔ اور کہاں جائے گا۔ اور کس طرح جائے گا۔ اور اس کا مقصد اور مقصود کیا ہے؟

اور اسے یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ نورانی اور اعلیٰ اور پاک ارواح کو تاریک سفلی اور خاکی قالب کی صورت میں لانے میں کیا حکمت ہے۔ اور پھر روح کو قالب سے جدا کرنے اور صورت کو بگاڑنے کا کیا مطلب ہے۔ اور پھر حشر میں قالب کو نشر کرنا اور اس کو روح کا لباس بنانا کس لئے ہے۔ اس کتاب کے پڑھنے سے جیسا کہ اللہ رب العزت قرآنِ مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ:

''اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ''۔ (الاعراف:۱۷۹)

''یہ لوگ چوپائیوں (جانوروں) کی طرح ہیں۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ گمراہ ہیں''

کے زمرہ سے نکل کر انسانی مرتبہ کو پہنچے گا۔ اور جیسا کہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ:

''يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ''۔ (الروم:۷)

''یہ لوگ صرف دنیا کی ظاہری باتوں کو جانتے ہیں۔ اور آخرت سے بالکل غافل ہیں''۔

کی غفلت کے حجاب سے خلاصی پائے گا۔ اور ذوق اور شوق سے راہ سلوک میں قدم رکھے گا۔ اور یہاں تک کہ جو آنکھوں سے دیکھے گا۔ اسے طے بھی کر لے گا۔ نظر کا ثمرہ ایمان ہے۔ اور قدم کا ثمرہ عرفان ہوتا ہے۔

بے چارے فلسفی۔ دہریے۔ اور طبائعی ان دونوں مقامات سے محروم ہیں۔ بلکہ سرگشتہ اور گم گشتہ ہیں۔ اور کسی ایک فاضل کے پاس جو فضیلت۔ حکمت اور دانائی میں معروف اور مشہور ہے۔ وہ حضرت سلطان باہو۔ بلھے شاہ اور عمر خیام جیسے ہیں۔ جا کر ان کے اشعار کی جنس کو کہنا چاہئے۔ اور اپنے اندھے پن کا اظہار کرنا چاہئے۔ کیونکہ اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ:

"فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ".

(الحج: ٤٦)

''ان کی ظاہری آنکھیں اندھی نہیں۔ بلکہ سینوں کے اندر دل اندھے ہیں''۔

کی نابینائی کے سرگشتہ کو یہ خبر ہی نہیں کہ اللہ رب العزت کے ایسے بندے بھی ہیں۔ کہ جنہوں نے سید اوّلین و آخرین کی مطابعت میں ساری کائنات کا عبور حاصل کیا ہے۔ اور ''قاب قوسین'' سے گزر کر ''اوادنیٰ'' کے سرّ میں اپنی تمام ہستی کو گم کر دیا ہے۔ اور بصیرت کی آنکھوں میں۔ جیسا کہ اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے کہ:

"مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی". (النجم: ١٧)

''نہ آنکھ بہکی اور نہ بے راہ چلے''

کا سرمہ لگا کر

"لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰی". (النجم: ١٨)

''بے شک اس نے اپنے پروردگار کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں''۔

کا مطالعہ کر کے

"یَهۡدِی اللّٰهُ لِنُوۡرِهٖ مَنۡ یَّشَآءُ"۔ (النور:۳۵)

"اللہ رب العزت اپنے نور کی ہدایت جسے چاہتا ہے۔ کرتا ہے۔"

کے انوار میں سے ایک نور سے فائدہ اٹھا کر اس نور سے "لی یبصر بی" (مجھ سے دیکھتا ہے) کے مقام میں عالم امر کا جو کہ ارواح کا مبداء ہے۔ مشاہدہ کیا ہے۔ اور پھر یہ بھی دیکھا ہے۔ کہ کس طرح ہر چیز عدم کے پردہ سے وجود کے صحرا میں ظاہر ہوتی ہے۔ اور ہو گی۔ پھر جہان کے دیدار اور ہر ایک کے وجود کا سرّ معلوم کیا۔ اور موجودات کی ہر قسم کی انتہا کو پہچانا۔ اور ہر ایک جماعت کے مرجع۔ معاد کا معائنہ کیا اور ابد کی کھڑکی سے ازل کو دیکھا۔ اور پرکار کی طرح ازل اور ابد کے دائرہ کے گرد پھرے۔ اور کئی مرتبہ وجود سے عدم کو گئے۔ اور عدم سے وجود میں آئے۔ کبھی موجود سے معدوم ہوئے۔ اور کبھی معدوم سے موجود ہوئے۔ اور کبھی موجود رہے۔ اور نہ ہی معدوم رہے۔

ان بے نواؤں کے پردے کے نیچے بہت اسرار ہیں۔ لہٰذا ان باتوں کو وہ عقل جو کہ حرص و ہوا سے آلودہ ہے۔ کبھی بھی نہیں سمجھ سکتی۔ بلکہ زیادہ تر خلقت اسے وہم و خیال ہی جانتی ہے۔ اور ہر ایک میں بہت ہی بھاری سربستہ بھید ہے۔ کہ جس کو اھلِ غیب کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں دیکھ سکتا ہے۔ کیونکہ "گونگے کے اشارے گونگے کی ماں ہی جانتی ہے"۔

روح را تاثیر آگاہی بود
ہر کرا ایں بیش الٰھی بود

(رومی)

"روح کی تاثیر باخبری ہوتی ہے۔ جس کو یہ زیادہ حاصل ہے۔ وہ اللہ والا ہے"۔

تن ز جاں و جاں ز تن مستور نیست
لیک کس را دیدِ جاں دستور نیست

(رومی)

''بدن روح سے ہے۔ اور روح بدن سے دور نہیں۔ لیکن کسی کے لئے روح کو دیکھنے کا دستور ہی نہیں ہے''۔

لہٰذا اب وہ اندھے اور گمراہ کہاں ہیں۔ اگر ان میں بینائی کی طلب کچھ بھی باقی ہوتی۔ اور تائید الٰہی سے تھوڑے ہی عرصے میں طریقت کی مدد سے ان کی حقیقت بین آنکھ کے سامنے سے خود بینی کا پردہ اٹھ جاتا۔ اور بشرطِ تسلیم۔ جیسا کہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے کہ:

''صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ''۔ (سورۃ بقرہ)

''وہ بہرے۔ گونگے اور اندھے ہیں۔ اسے لئے وہ نہیں سمجھتے''۔

کے کفر کے اندھے پن سے خلاصی پا جاتے۔ اور بعد ازاں۔

''لو كشف الغطاء ما ازددت يقيناً''۔

''اگر پردہ بھی اٹھ جاتا۔ تو بھی یقین زیادہ نہ ہوتا''

کی ساری لافیں مارتے۔

چونکہ میرا مدعا یہ ہے۔ کہ اس کتاب کے فائدے کے دستر خوان پر خواص و عام سبھی بیٹھیں۔ اور مختلف طبقات کی طرح طرح کی خلقت مقربین کے مقامات سے محروم نہ رہ جائے۔ اور اولیائے کرام کے مشارب سے بے چاشنی نہ رہ جائے۔

پانچویں باب میں ہر طرح کی جماعت کے سلوک کا بیان کیا جائے گا۔ کیونکہ کوئی ایسی جماعت نہیں۔ کہ جس کے اعمال کی بدولت اس کی راہ اللہ ربّ العزت یا دوزخ کی طرف نہ جاتی ہو۔ بلکہ ہر شخص کے قدم سے تین راہیں نکلتی ہیں۔ لیکن صراط مستقیم صرف وہی راہ ہے۔ جو صرف اللہ ربّ العزت کی طرف جاتی ہے۔

جبکہ جنت کی راہ اس راہ سے دائیں طرف ہے۔ اور دوزخ کی راہ اس راہ سے بائیں طرف ہے۔ جیسا کہ اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے کہ:

"اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ○ فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ مَا اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ○ وَاَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ مَا اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ○ وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ○ اُوْلٰئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ○".

(الواقعه:۷تا۱۱)

''اور تم لوگوں کی بھی تین اقسام ہوں گی۔ ایک تو داہنے ہاتھ والے۔ سو داہنے ہاتھ والوں کا کیا کہنا۔ اور ایک بائیں ہاتھ والے اور بائیں ہاتھ والوں کا کیا ہی برا ٹھکانہ۔ اور تیسرے جو سب سے آگے اور سامنے بٹھائے گئے ہیں۔ سو یہ آگے ہی بٹھانے کے لائق ہیں۔ کیونکہ یہ بارگاہ الٰہی کے مقرب ہیں''۔

اور بزرگان دین رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں! کہ:

الطرق الی اللّٰه بعدد انفاس الخلائق"۔

''اللہ رب العزت کی طرف اتنی راہیں ہیں کہ جتنے خلقت کے سانس''۔

اور یہی انفاس سے خلق سے مراد قدمگاہ ہے۔ کہ جہاں وہ سانس لیتے ہیں۔ اور اس کی مثال کعبہ کے راستہ کی سی ہے۔ کہ جہاں کہیں لوگ ہوتے ہیں۔ سب کعبہ کی طرف آتے ہیں۔ کیونکہ اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے کہ:

"وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ"۔ (البقرۃ:۱۵۰)

''جہاں کہیں سے تم نکلو۔ مسجد حرام کی طرف رخ کرو''۔

لیکن پہلا خروج بہت بھاری شرط ہے۔ جب یہ ہو چکے۔ تو دوسری شرط کعبہ کی طرف توجہ کرنا ہے۔ تاکہ نماز درست ہو سکے۔ لیکن حج اس وقت تک ٹھیک نہیں ہوتا۔ جب تک کہ تیسری شرط پوری نہ ہو جائے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ دور کی مسافت کو طے کر لے۔ لہٰذا جب یہ تینوں شرائط بجا لائی جائیں۔ تو حج نصیب ہوتا ہے۔

لہٰذا ہر صادق مرید اور طالب راہ حق کو چاہئے۔ کہ پہلے اپنے حظِ نفس اور اپنے حصے کو چھوڑ دے۔ اور ہر کام میں اللہ ربّ العزت کی طرف کامل توجہ کر لے۔ اور سچے قدموں

سے ہستی کی مسافت کو طے کرنا واجب سمجھے۔ تا کہ وہ وصال کے کعبہ تک پہنچ سکیں۔ جیسا کہ اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

"فَاَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ"۔ (البقرۃ:۱۱۵)

''جس طرف رخ کرو اسی طرف اللہ رب العزت کا چہرہ ہے''۔

لہٰذا ہر ایک جماعت کے معاملہ کا حق اختصار کے طور پر ذکر کیا جائے گا۔ اور پیچیدہ عبارات۔ اور عجیب وغریب الفاظ اور مسجّعات اور تکلفات وغیرہ سے بچنے کی کوشش کروں گا۔ تا کہ مبتدی اور منتہی دونوں کے لئے مفید ثابت ہو سکے۔ اور خاص و عام کے لئے بھی کارآمد ثابت ہو سکے۔ اور میری دعا ہے کہ:

"رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ○ وَيَسِّرْلِيْٓ اَمْرِيْ ○ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ○ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ"۔ (طٰہٰ:۲۸)

''اے پروردگار! میرے سینے کو کھول دے۔ میرے کام کو آسان کر دے۔ اور میری لکنت کو دور کر دے۔ تا کہ وہ میری بات سمجھ سکیں''۔

کے مطابق ہو۔

آمین

فقیر اعجاز احمد قادری

ارواح کی فطرت

القرآن: لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ○ ثُمَّ رَدَدْنٰہُ اَسْفَلَ السٰفِلِیْنَ ○

ترجمہ: ''بے شک ہم نے انسان کو بہتر ساخت میں پیدا کیا۔ پھر ہم نے اس کو سب سے نچلے طبقہ میں لوٹا دیا''۔

الحدیث: اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ الْاَرْوَاحَ قَبْلَ الْاَجْسَادَ اَرْبَعَۃَ الْاٰفَ سَنَۃٍ۔

ترجمہ: ''بیشک اللہ تعالیٰ نے ارواح کو اجسام کی نسبت چار ہزار سال پہلے پیدا فرمایا''۔

ایک اور روایت میں ہے ''کہ دو ہزار سال پہلے پیدا فرمایا''۔ مگر درج بالا حدیث شریف سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ پہلے انسانی ارواح کو پیدا کیا گیا اس کے بعد اجسام اور وجود کو پیدا کیا گیا۔

اوپر درج بالا آیت میں اللہ رب العزت فرماتا ہے! کہ میں نے انسان کو بہترین تقویم میں پیدا فرمایا ہے۔ لیکن اگر انسان میری توحید پر ایمان نہ لایا۔ اور میرے رسولوں کی تصدیق نہ کی۔ تو میں انسانوں کو دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ میں ڈال دوں گا۔ اور جو لوگ میری توحید اور میرے رسولوں پر ایمان لائے۔ اور انہوں نے نیک اور صالح اعمال اختیار کیے تو میں انہیں لامتناہی اَجر عطا فرماؤں گا۔

الحدیث: اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ آدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ

ترجمہ: ''بیشک اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا''۔

اس حدیث شریف میں صورت صفت کے معنی میں ہے۔ ''کیونکہ اللہ ربّ العزت صورت کے معروف معنی سے بالکل پاک ہے۔ اور کوئی چیز اللہ تعالیٰ کی مثل نہیں ہوسکتی۔ اور انسان عالم صغیر ہے۔ اور عالم کبیر کی ہر نشانی اس عالم صغیر میں موجود ہے''۔

واضح رہے۔ کہ تمام مخلوقات اور موجودات کا آغاز اور شروع انسانی ارواح تھیں۔ اور انسانی ارواح کا آغاز اور شروع یعنی مبداء حضور آقائے دو جہاں ﷺ کی روح پاک ہے۔ جیسا کہ حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں:

اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ تَعَالٰی رُوْحِیْ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے جو چیز سب سے پہلے پیدا فرمائی وہ میری (ﷺ) روح تھی۔

ایک اور روایت کے مطابق یہ تھا۔ ''کہ وہ میرا نور تھا''۔ چونکہ حضور اقدس ﷺ کل موجودات کا خلاصہ اور تمام کائنات کے درخت کا پھل ہیں۔ جیسا کہ

لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ

ترجمہ: ''یعنی اے محمد ﷺ! اگر تجھے پیدا نہ کرتا۔ تو آسمانوں کو بھی پیدا نہ کرتا''۔

درج بالا دو احادیث قدسیہ سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ حضور اقدس ﷺ ہی تمام موجودات کا مبداء ہوئے۔ اور سرکار دو عالم ﷺ کے سوا کوئی اور ہو بھی نہیں سکتا۔ کیونکہ تمام پیدائش درخت کی طرح ہے۔ اور حضور اقدس ﷺ اس درخت کا پھل ہیں۔ اور درخت درحقیقت بیج سے پھل لاتے ہیں۔ لہٰذا جب اللہ ربّ العزت نے مخلوق کو پیدا کرنا چاہا تو سب سے پہلے احدیت کے نور کے پرتو سے روح محمدی ﷺ کے نور کو پیدا فرمایا۔ جیسا کہ خود حضور اقدس ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

''اَنَا مِنَ اللّٰہِ وَالْمُؤْمِنُوْنَ مِنِّیْ''

ترجمہ: ''میں اللہ تعالیٰ سے ہوں۔ اور مؤمن مجھ سے ہیں''۔

اور بعض روایات کے مطابق یوں بھی ہے۔ کہ ''جب اللہ ربّ العزت نے محبت کی نگاہ سے نورِ محمدی ﷺ کو دیکھا۔ تو اس نور پر حیا نے غلبہ کرلیا۔ اور اس سے پسینے کے قطرے گرے۔ جن سے باقی انبیاء علیہم السلام کی ارواح پیدا فرمائی گئیں۔ پھر انبیاء علیہم السلام کی ارواح کے نور سے اولیاء کرام کی ارواح پیدا فرمائی گئیں۔ پھر اولیائے کرام کی ارواح کے نور سے باقی مؤمنین کی ارواح پیدا فرمائی گئیں۔ اور پھر مؤمنین کی ارواح کے نور سے عاصیوں اور گنہگاروں کی ارواح پیدا فرمائی گئیں۔ اور پھر عاصیوں اور گنہگاروں کی ارواح سے کافروں کی ارواح پیدا فرمائی گئیں۔ پھر کافروں کی ارواح سے منافقین کی ارواح پیدا فرمائی گئیں''۔

اسی طرح پھر انسانی ارواح کے انوار کے بعد ''فرشتوں کی ارواح پیدا فرمائی گئیں۔ اور فرشتوں کی ارواح کے نور سے جنات کی ارواح پیدا فرمائی گئیں۔ اور جنات کی ارواح سے شیاطین کی ارواح کو پیدا فرمایا گیا۔ پھر اس کے بعد مردود وغیرہ کی ان کے حسب حال اور دیگر مراتب کے لحاظ سے پیدا فرمائی گئیں۔ اور ان کی ارواح کے تلچھٹ یا گاد سے مختلف حیوانات و جانوروں کی ارواح کو پیدا فرمایا۔ پھر اس کے بعد طرح طرح کی ملکوتیات و نباتات کے نفوس کو پیدا فرمایا گیا۔ پھر اس کے بعد مفرد، مرکب اور عنصر وغیرہ کو پیدا فرمایا گیا۔ اس کے بعد پورے عالم اجسام کے مراتب مقرر فرمائے گئے''۔ جن کی تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ آگے آئے گی۔

درج بالا مراتب کی مثال ایسی ہے۔ ''جیسے کوئی کسان یا حلوائی پہلے گنے سے سفید گڑ نکالے۔ پھر اسے پہلی بار جوش دے کر اس سے سفید شکر بنائے۔ پھر دوسری بار جوش دے کر کھانڈ بنالے۔ پھر تیسری بار جوش دے کر سرخ شکر بنالے۔ اور چوتھی بار جوش دیتا ہے۔ تو

نیچے تلچھٹ یا گادسی رہ جاتی ہے جسے قطارہ (شیرہ) کہتے ہیں۔ جو کہ نہایت ہی سیاہ اور میلا ہوتا ہے۔ لہٰذا قند سے لیکر قطارہ تک صفائی اور سپیدی بتدریج گھٹتی چلی آتی ہے۔ حتیٰ کہ سیاہ سا قوام باقی رہ جاتا ہے۔ لہٰذا اب اگر کسی شخص کو محنتی کسان یا حلوائی کے کام سے واقفیت نہ ہو۔ تو وہ صرف گڑ سے اس قدر چیزیں ہرگز نہیں نکال سکتا۔ بلکہ وہ صاف صاف انکار کر جائے گا۔ اور کہے گا کہ قند سفید سے قطارہ (شیرہ) ہرگز نہیں نکلتا۔ مگر اسے یہ ہرگز معلوم نہیں کہ قند سفید کے اجزاء میں یہ سیاہی اور تاریکی رکھی گئی ہے۔

زاں مے خوردم کہ یار من زاں میخورد
ازرا رُخ سرخ گشت و مارا رُخ زرد

(عمر خیام)

اور حقیقت میں مناسب بھی یہی ہے۔ کہ گڑ کے وجود میں تاریکی اور سیاہی رکھی گئی ہو تا کہ قند اپنے قند کے مرتبہ پر اس خاصیت سے جو کدورت اور تاریکی کی رکھی گئی ہے بقدر ضرورت اپنا حصہ لے۔ اور پھر جب مصریٰ کے مرتبہ کو پہنچے تو مصری اس میں سے اپنا حصہ لے لے۔ اور اسی طرح اگر شکر کے مرتبہ کو پہنچے تو شکر اس میں سے اپنا حصہ لے لے۔ اور اسی طرح ہر ایک مقام پر اپنے حال کے مناسب اور بقدر ضرورت سیاسی اور کدورت کا حصہ ہر ایک لے لیتا ہے۔ جو کہ گڑ کے وجود میں رکھی گئی ہے۔ اور باقی حصہ چھوڑ دیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ قطارہ میں سفیدی اور صفائی بہت تھوڑی اور باقی سب سیاہی اور کدورت رہ جاتی ہے۔ اب جس طرح مصری میں تاریکی اور کدورت کو ظاہری آنکھ سے تو نہیں دیکھ سکتے۔ مگر فی الحقیقت اس میں تاریکی اور کدورت موجود ہوتی ہے اسی طرح قطارہ میں بھی سفیدی اور صفائی دکھائی نہیں دیتی حالانکہ اس میں ہوتی ضرور ہے۔ لہٰذا قند سے لے کر قطارہ تک کے تمام مراتب میں یہ فرق سفیدی۔ صفائی اور میل کا ضرور ہوتا ہے۔ اور ہر ایک میں خاص خاصیت بھی ضرور ہوتی ہے۔ اور اس میں کمال ہوتا ہے۔ جو کہ اسی فرق کی وجہ سے

ہوتا ہے۔ اور وہ کسی اور میں نہیں پایا جاتا اور جس جگہ پر ایک درکار ہوتی ہے۔ وہاں پر دوسری کام نہیں دے سکتی۔ جیسا کہ جہاں مصری کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہاں کوئی حکیم یا ڈاکٹر مصری کی جگہ کھانڈ یا چینی کا نہیں بتاتا اور جہاں کھانڈ درکار ہوتی ہے۔ وہاں ہرگز مصری نہ بتائے گا۔ اور ان میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کا قائم مقام نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ ہر ایک کو بذات خود ایک خاص کمال حاصل ہے۔ جو کہ کسی دوسرے میں نہیں پایا جاتا۔ جیسا کہ اللہ ربّ العزت خود فرماتا ہے!

اَلَّذِیْ اَحْسَنَ کُلَّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِیْنٍ

ترجمہ: ''اسی نے ہر چیز کو حسین بنایا۔ اور انسان کی تخلیق مٹی سے کی''۔

اب اس درج بالا مثال سے ایک بات اچھی طرح سمجھ لیں۔ ''کہ صاف ترین قند تو۔ حضور اقدس ﷺ کی روح مبارک ہے۔ جو کہ حقیقت میں ارواح کی آدم ہے۔ جس طرح کہ ''حضرت آدم علیہ السلام ابو البشر'' ہیں اسی طرح ''سرکار دو عالم ﷺ ابو الارواح'' ہیں۔ جیسا کہ خود حضور سرور کائنات ﷺ ارشاد فرماتے ہیں!

نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ السَّابِقُوْنَ

ترجمہ: ''گو ہم بعد میں ظاہر ہوئے۔ لیکن ہیں پہلے''۔

یعنی اگرچہ ہماری صورت اور جسم وغیرہ بعد میں بنے، لیکن میری روح تمام تر ارواح سے پہلے پیدا ہوئی۔ اور انبیاء علیہم السلام کی ارواح حضور اقدس ﷺ کی روح مبارک سے اس طرح نکلیں۔ جس طرح کہ قند سے نبات اور اولیاء کرام کی ارواح کو سفید شکر کی طرح نکالا۔ اور مؤمنین کی ارواح کو سرخ شکر کی طرح نکالا گیا۔ اور مسلمانوں کی ارواح کو طبرزد کی طرح نکالا گیا۔ اس کے بعد کافروں اور منافقین کی ارواح کو سیاہ قوام کی طرح نکالا گیا۔ اور اسی طرح فرشتوں کی ارواح سے جن اور شیاطین وغیرہ کی ارواح کا نکلنا قیاس کرلیں۔ اب جو تلچھٹ باقی رہ گئی ہے۔ جسے قطارہ کہتے ہیں۔ جو اس میں سے لطیف حصہ

تھا۔ اس سے حیوانی اور نباتی ارواح بنائی گئیں۔اور جو تاریک حصہ تھا۔ اس سے مفرد۔ مرکب اور عنصر وغیرہ بنائے گئے۔

یہاں سے ایک غیبی لطیفہ ظاہر ہوتا ہے۔ جو کہ نہایت ہی لطیف ہے۔ اور غالباً پہلے کسی نے بھی اسے نہ دیکھا ہو وہ یہ ہے۔ کہ تاریکی اور میلا پن۔ جو کہ قند میں رکھے گئے ہیں ان میں تاریکی حرارت کی وجہ سے ہے۔ اور میلا پن کثافت کی وجہ سے ہے۔ پھر قند سے بنائی ہوئی مختلف صورتوں یعنی نبات۔ شکر۔ طبرزد۔ قوالب اور قطارہ وغیرہ میں یہ پائی جاتی ہیں۔ شکر میں نبات کی نسبت حرارت اور کثافت زیادہ ہے۔ اس لئے وہ نبات کی نسبت ایک درجہ کم ہے۔ اور زیادہ کثیف ہے۔ لہٰذا باقی دیگر کو بھی اسی طرح قیاس کر لیں۔ جبکہ حرارت آگ کی صفت ہے۔ اور آگ ہی محبت کا سرمایہ ہے۔ جبکہ کثافت خاک کی صفت ہے۔ اور خاک عاجزی اور حلیمی کا سرمایہ ہے۔ اور آگ کی خاصیت سرکشی اور علو مرتبہ کی خواہش کرنا ہے یہی وجہ ہے۔ کہ شیطان نے سرکشی کی اور یہ کہا کہ میں آدم سے بہتر ہوں اور خاک کی خاصیت عاجزی اور فروتنی ہے۔ اسی لئے حیوانات رقیق طبع اور کم ہمت ہوتے ہیں۔ اور فانی اور سفلی غذاؤں کی خواہش کرتے ہیں جن کی اصل خاک سے ہوتی ہے۔ اور آتش صفت سے ظلم پیدا ہوتا ہے۔ اور خاکی صفت سے جہالت' اور جب دونوں ہی حد درجہ کو پہنچ جاتی ہیں۔ تو ظلومی اور جہولی شروع ہو جاتی ہے جو دونوں مبالغے کے الفاظ ہیں۔ پس اگرچہ یہ دونوں صفات یعنی ظلمت۔ کدورت قند میں موجود تھیں۔ مگر بظاہر دکھائی نہ دیتی تھیں۔ لہٰذا انہوں نے قند میں ظہور پایا۔ نہ مصری وغیرہ میں اور بالآخر قطارہ میں دونوں آ ظاہر ہوئیں۔ جو کہ آخری تلچھٹ تھی۔ اور جس میں صفائی اور سفیدی بہت ہی کم تھی۔ جبکہ صفائی اور سفیدی نبات میں بدرجہ کمال تھی۔ اور ظلمت اور کدورت بہت کم تھی ارواح نورانی میں تھوڑی سی حرارت تھی۔ جو کہ محبت کا سرمایہ ہے۔ اور تھوڑی سی کدورت بھی تھی۔ جو کہ تواضع اور فروتنی کا سرمایہ ہے۔ مگر چونکہ یہ دونوں صفات اس میں بدرجہ کمال نہ تھیں۔ اس لئے معرفت کی

امانت کے بوجھ کا متحمل نہ ہوا اور قطارہ میں حیوانی آب وگل زیادہ تھی۔ اور روحانیت کا نور اور صفائی کم تھی اس لئے۔ چونکہ دونوں صفات بدرجہ کمال نہ تھیں۔ اس لئے یہ بھی بار امانت کا متحمل نہ ہوسکا اب روحانی اور جسمانی دو عالم کا ایک ایسا مجموعہ چاہیے۔ جو کہ محبت کا آلہ بھی ہو۔ اور بندگی بھی بدرجہ کمال اس میں پائی جاتی ہو۔ اور جبکہ علم و معرفت کا آلہ بھی ہو۔ تا کہ امانت کے بوجھ کو بہادروں اور عاشقوں کی طرح اپنی جان پر برداشت کر سکے۔ اور یہ بات انسانی دورنگی ولایت کے علاوہ اور کہیں بھی نہ تھی۔ جیسا کہ اللہ رب العزت نے خود فرمایا ہے!

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ط اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ○ (احزاب:۷۲)

ترجمہ: ”بے شک ہم نے آسمانوں پر اور زمینوں پر اور پہاڑوں پر (اپنے احکام کی) امانت پیش کی تو انہوں نے اس امانت میں خیانت کرنے سے انکار کیا۔ اور اس میں خیانت کرنے سے ڈرے۔ اور انسان نے اس امانت میں خیانت کی۔ بے شک وہ بہت ظلم کرنے والا بڑا جاہل ہے“۔

اس لئے ظلومی اور جہولی انسان کے لازم حال ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ امانت کے بوجھ کو ظلومی اور جہولی کی قوت کے بغیر اٹھا ہی نہیں سکتے۔ اگرچہ اسے روحانی صفائی اور نور کے علاوہ نہیں دیکھ سکتے۔ جبکہ فرشتوں نے روحانی صفائی اور نور سے اسے دیکھ تو لیا تھا۔ لیکن ان میں جسمانی استعداد اور قوت نہ تھی۔ اس لئے بار امانت نہ اٹھا سکے۔ جبکہ حیوانات میں جسمانی قوت اور استعداد تو تھی۔ مگر روحانی صفائی اور نور نہ تھا۔ اس لئے ان کو بھی یہ شرف حاصل نہ ہوا۔ چونکہ انسان روحانی اور جسمانی دونوں عالم کا مجموعہ تھا۔ اس لئے اسے اس شرف سے مشرف کیا گیا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔

”وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ اٰدَمَ“

ترجمہ: ”ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی“۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ ماہیت روح کی معرفت سے متعلق۔ اگرچہ متقدمین نے زیادہ شرح نہ کی۔ لیکن یہاں کچھ تھوڑا سا اس کا ذکر بھی کروں گا۔

واضح رہے: کہ جس طرح قند میں سات صفات ہیں:

1-سفیدی	2-سیاہی	3-صفائی
4-کدورت	5-لطافت	6-کثافت
7-مٹھاس		

اسی طرح روح میں بھی۔ جو کہ ربانی لطیفہ ہے۔ اور جسے ''من روحی'' ہونے کی خصوصیت کا شرف حاصل ہے۔ حسب ذیل سات صفات رکھی گئی ہیں۔

1-نورانیت	2-محبت	3-علم
4-حلم	5-اُنس	6-بقا
7-حیات		

جب کسی روح کا قالب کے ساتھ تعلق پیدا ہوتا ہے۔ تو ان درج بالا صفات سے اور ابھی دیگر صفات پیدا ہوتی ہیں۔

1-نورانیت

نورانیت سے سمیع- بصیر اور متکلم ہونا۔

2-محبت

محبت سے شوق-طلب اور صدق۔

3-علم

علم سے ارادات اور معرفت۔

4-حلم

حلم سے وقار-حیا-تحمل اور سکون۔

5-اُنس

اُنس سے شفقت اور رحمت۔

6-بقا

بقا سے ثبات اور دوام

7-حیات

حیات سے عقل-فہم اور دوسرے ادراکات پیدا ہوتے ہیں۔

....

جبکہ ان صفات کے علاوہ اور بھی لا تعداد صفات پیدا ہوتی ہیں ان میں سے بعض روح اور قالب کے تعلق سے پہلے۔ اور بعض بعد میں پیدا ہوتی ہیں جن کی شرح انتہائی طول اور طویل ہے۔مگر ان تمام کی جڑ درج بالا سات صفات ہی ہیں۔ اور روح کی ہر ایک صفت قند کی ہر ایک صفت کے مقابلہ میں ہے۔ چنانچہ نورانیت سفیدی کی مانند ہے۔ اور محبت ظلمت کی مانند ہے۔ (جبکہ اس کی معقول شرح پہلے کر چکا ہوں)۔علم صفائی کے مشابہہ ہے' حلم کدورت کے مشابہہ ہے اُنس لطافت کے مشابہہ ہے۔ اور بقا کثافت کے مشابہہ ہے۔ اور حیا مٹھاس کے مشابہہ ہے' اب جس طرح قند میں ہر ایک صفت کا اثر تھوڑا تھوڑا ہے۔ اسی طرح روح میں بھی اس صفت کا ظہور تھوڑا تھوڑا ہے۔ لہٰذا اگر اس صفت کو بدرجۂ کمال پہنچانا چاہیں۔تو اسے کسی کان میں لے جانا چاہیے تاکہ وہ صفت بدرجہ کمال اس میں ظاہر ہو مثال کے طور پر۔ اگر مصری کو جس میں سیاہی کی صفت بہت ہی کم ہے اس صفت کو بدرجہ

کمال پہنچانا چاہیں تو اس کو قطارہ (شیرہ) میں ملانا چاہیے۔ جو کہ سیاہی کی کان ہے تاکہ نبات نسبتاً سیاہ ہو جائے پس چونکہ روح میں محبت کی صفت بہت تھوڑی تھی۔ جو کہ بمنزلہ نبات میں سیاہی کے ہے۔ اور اسے بدرجۂ کمال ظاہر کرنا چاہا۔ اس لئے روح کو قالب سے جو کہ سیاہی کی کان ہے' تعلق دیا تاکہ محبت کی صفت کی پرورش بدرجۂ کمال ہو۔ اور روح کو جسم کے ساتھ تعلق دینے کا ایک راز یہ بھی ہے۔ کہ چونکہ فرشتوں کی ارواح کو جسمانی ظلمانی قالب کا تعلق نہ تھا۔ اس لئے ان کی محبت کا بیج کمال درجے تک پرورش نہ پا سکا۔ تاکہ "یُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ" "یعنی وہ انہیں محبت کرتا ہے۔ اور وہ اسے محبت کرتے ہیں"۔

ایک اعتراض؟

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ جب راقم الحروف یہ لکھتا ہے۔ کہ محمد ﷺ کی روح پاک کے قندِ نور میں ظلمت- کدورت اور کثافت پہلے سے موجود تھی۔ اور مزید کہ انسانی ارواح کو ان صفات کی ضرورت تھی۔ کیونکہ ہر ایک نے اپنے اپنے مقام پر معرفت الٰہی چاہی تھی۔ اور یہ کہ روح محمد ﷺ نور احدیت کا پرتو ہے۔ تو پھر اس سے تو یہ لازم آتا ہے۔ کہ یہ صفات نور احدیت میں بھی موجود ہوں گی اور اگر موجود ہیں۔ تو اس کا بھی ثبوت چاہیے۔ اور اگر نہیں ہیں۔ تو اس صورت میں نور محمد ﷺ میں جو نور احدیت کا پرتو ہے کہاں سے آ گئیں؟

جواب

اس کا جواب درج ذیل تین وجوہات سے دیتا ہوں۔

1- پہلی وجہ یہ ہے۔ کہ اگرچہ روح محمد ﷺ کی قند نور احدیت کے پرتو کے گئے سے تھی۔ لیکن اس میں حدوث (نیا پیدا ہونا) کی صفت پائی جاتی تھی۔ جو کہ نور احدیت میں نہ تھی۔ کیونکہ (نور احدیت قدم ہے) اور جو کہ محدث ہے اس کے لئے تخلیق کی

ظلمت ضروری ہے۔ اور مطلق نور خاص خداوندی صفت ہے۔ جیسا کہ ''اللہ نـــور السمٰوات والارض '' سے ظاہر ہے۔ اور ظلمت خاص خلقیت کی صفت ہے۔ جیسا کہ فرمایا گیا ہے ''ان اللہ خلق الخلق فی ظلمة '' یعنی ''اللہ ربّ العزت نے خلقت کو اپنی ظلمت میں پیدا کیا'' پس ضروری ہے۔ کہ ظلمت کدورت اور کثافت خلقیت اور حدوث کی صفت ہو۔

2- دوسری وجہ یہ ہے۔ کہ چونکہ ذات احدیت جلّ و علا لطف اور قہر کی صفات سے موصوف ہے۔ اس لئے کہہ سکتے ہیں۔ کہ ارواح میں جو نورانیت اور صفائی ہے وہ لطف الٰہی کا پرتو ہو۔ اور جو ظلمت اور کدورت ہے وہ قہر الٰہی کا پرتو ہو۔

3- تیسری وجہ یہ ہے۔ کہ چونکہ ہم نے قند میں ظلمت کو روح میں آتش محبت کے بمنزلہ کہا ہے۔ اس لئے اس میں شک نہیں کہ محبت کا بیج ارواح کے وجود میں سب صفات سے پہلے رکھا گیا ہو۔

لٰہذا یہی بات یقین سے کہہ سکتا ہوں۔ کہ روح کو تمام صفات سے پہلے محبت کی صفت عطا ہوئی اس واسطے کہ روح کے لئے محبت ''یُحِبُّهُمْ '' کی تشریف ہی کا نتیجہ تھی۔ اور اگر ''یُحِبُّهُمْ '' پہلے نہ ہوتا تو کسی کی بھی جرأت نہ تھی۔ کہ ''یُحِبُّوْنَهٗ '' پر محبت کی لاف مارتا۔ لٰہذا اس معاملے کا سارا راز ''یُحِبُّهُمْ '' کے انبساط سے ظاہر ہوا۔ لٰہذا ثابت ہوا کہ یُحِبُّهُمْ قدیمی صفت ہے۔ اور ''یُحِبُّوْنَهٗ '' میں یہی ذوق ہے روح کے لئے اس صفت کا مقابلہ کوئی اور صفت کب اور کیسے کرسکتی ہے۔ کیونکہ روح میں محبت کے علاوہ اور کوئی صفت قدیمی نہیں ہے۔ بہرحال اس نکتہ میں بہت زیادہ راز پوشیدہ ہیں جن کی شرح کئی کتابوں میں بھی مکمل نہ ہوسکے گی۔ قرآن مجید میں ہے:

''فَذَرُوْهُ فِیْ سُنْبُلِهٖ '' یعنی ''اس کو سنبل میں ہی رہنے دو''۔

تمام فرشتوں نے۔ اور ارواح نے محبت کا دم نہ مارا۔ کیونکہ وہ محنت و مشقت کا بوجھ نہ

اٹھا سکے اس واسطے کہ محنت اور محبت ایک ہی مقام سے ہیں۔ جبکہ محبت اور خوشی ایک دوسرے سے نا آشنا ہیں۔

''شیخ عبداللہ انصاریؒ'' فرماتے ہیں۔ کہ محنت نے محبت کی گفتگو کا جواب دیا۔ کہ میں اس شخص کی غلام ہوں جس نے اپنی ملکیت کا پانی دیا۔ اور ابن آدم نے اپنی ظلومی اور جہولی کی وجہ سے اس بوجھ کو اختیار کیا کہ جس کے اٹھانے سے دونوں جہان والے جی چرا گئے۔ اور اس نے دیدۂ دانستہ ہمیشہ ہمیشہ کی محنت اختیار کی اور دونوں جہان کی خوشی قربان کر دی۔

عشق است کہ لذت جوانی ببرد
عشق است کہ عیش جاودانی ببرد
عشق ارچہ کہ آب زندگانی دل است
لیکن ز دل آب زندگانی ببرد

(واللہ اعلم)

روح بحیثیت مخلوق

تمام ارواح مخلوق ہیں۔ کیونکہ یہ اللہ ربّ العزت کے امر سے ہیں۔ اور جس نے بھی ان کی کنہ کی معرفت میں اپنی عقل سے غور وفکر کیا۔ وہ اس سے متعلق یقین پر نہیں ہوسکتا صرف ظن اور تخمین تک محدود ہوگا۔

ایک بات اچھی طرح ذہن نشین ہونی چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی حقیقت پر کوئی کلام نہیں فرمایا۔ باوجود کہ روح سے متعلق آپ ﷺ سے سوال عرض کیا گیا تو آپ ﷺ جواب دینے سے رکے رہے۔ اور اس سے زیادہ اس کے متعلق تعبیر نہیں کی جاتی۔ جو کہ موجود ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

'روح ایک ایسی شے ہے۔ کہ جس کا علم اللہ ربّ العزت کے لئے خاص ہے۔ اور اللہ ربّ العزت نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو بھی اس کے متعلق بھید نہیں بخشا'۔

جمہور متکلمین

جمہور متکلمین کہتے ہیں۔ کہ یہ جسم لطیف ہے۔ اور بدن میں اس طرح شامل ہے۔ کہ جس طرح پانی سبز لکڑی میں شامل ہے۔ اور ان میں سے کثیر تعداد اسی کی قائل ہے۔ کہ یہ ایک عرض ہے۔ اور یہ عرض وہ حیات ہے۔ جس کے وجود کی وجہ سے بدن ذی حیات ہوا اور "حضرت قاضی ابو بکر باقلانی رحمۃ اللہ علیہ" بھی اسی نظریہ کے قائل ہیں۔ اور احادیث مبارکہ میں اس کا اترنے۔ چڑھنے۔ اور برزخ میں متردد ہونے کے ساتھ موصوف ہونا پہلے نظریہ پر دلالت کرتا ہے۔

صوفیائے کرام کی کثیر تعداد کا نظریہ

صوفیائے کرام کی ایک کثیر تعداد کا نظریہ ہے۔ کہ یہ جسم ہے۔ نہ عرض۔ بلکہ جوہر مجرد۔ قائم بنفسہ۔ غیر محصور ہے۔ اور تدبیر و تحریک کی خاطر اسے بدن کے ساتھ خاص تعلق ہے۔ اور یہ بدن میں داخل ہے۔ نہ خارج بہر حال میرے نزدیک یہ فلاسفہ رائے ہے۔ اور ایسا کلام بھی غیر معیاری ہے۔

روح کے متعلق امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے

حضرت امام سیّدی عبد الوہاب الشعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ جو میرے لئے ظاہر ہوا ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ اس تقدیر پر کہ بندہ روح کی کنہ پر مطلع ہوتا ہے اسے کسی ایسی عبارت سے تعبیر نہیں کرسکتا۔ جو کسی سننے والے کو اس کی کنہ کی معرفت تک پہنچا دے۔ کیونکہ اللہ ربّ

العزت نے اسے ہمیں عاجز کرنے کا رتبہ قرار دیا ہے تا کہ ہم میں سے کوئی اپنے آپ سے کہے کہ جب ہم اپنی ذات کی حقیقت کی معرفت سے عاجز ہیں۔ تو اللہ ربّ العزت کی ذات کے متعلق زیادہ عاجز ہیں حتیٰ کہ ہم ذات کہ متعلق غور وفکر میں مبتلا نہ ہوں بے شک ہم اپنی روح کی معرفت سے عاجز ہیں اس کے باوجود کہ وہ (روح) بھی ایک مخلوق ہے۔ اور تمام اشیاء کی نسبت ہمارے زیادہ قریب ہے۔ تو ہم اپنے خالق کو کیسے پہچان سکتے ہیں۔ لہٰذا اس درج بالا رائے کو اچھی طرح سمجھ لیں۔ اس میں بہت کچھ ہے۔

قول حضرت علی شیر خدا کرم اللہ وجہہ ''مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ'' کی توجیہہ

حضرت مولائے علی شیر خدا کرم اللہ وجہہ کے کلام

''مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ''

ترجمہ: ''یعنی جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے اپنے ربّ کو پہچان لیا''۔

اس کے بارے بعض مفسرین کا کہنا ہے۔ کہ کسی کے لئے کبھی بھی اپنے نفس کی معرفت ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ ربّ العزت نے نفس کو ہمارے درمیان اور اپنی ذات کی معرفت کے درمیان ہمارے لئے عاجز کرنے کا درجہ قرار دیا ہے گویا اللہ ربّ العزت کا فرمان ہے۔ کہ جب انسان اپنے نفس کی معرفت سے عاجز ہے۔ اور اس کے باوجود کہ نفس ایک مخلوق ہے۔ اور دیگر اشیاء میں سے اس کے سب سے زیادہ قریب تر ہے۔ تو اس کی معرفت کیونکر؟ کہ جس کی کوئی صورت ہے۔ اور نہ ہی مثال اور کسی حد اور حقیقت میں اپنے بندوں کے ساتھ جمع نہیں ہوتا۔

معرفت روح کے معنی میں غور وفکر کی وجہ

سوال: اگر کہا جائے۔ کہ لوگوں نے معرفت روح کے معانی میں غور وفکر کیوں کیا؟ جبکہ یہ ایک ایسا میدان ہے۔ کہ بڑے بڑے محدثین اور شارع حضرات نے اس سے

اعراض فرمایا؟

جواب:1- یہودیوں نے روح سے متعلق حضور اقدس ﷺ سے جب سوال کیا۔ تو حضور پُر نور ﷺ نے تفصیلاً۔ اس لئے جواب نہ دیا۔ کہ یہود آپس میں یہ بات طے کر کے چلے تھے کہ اگر آپ ﷺ نے اس (روح) کا جواب نہ دیا تو پھر آپ ﷺ سچے ہیں۔ کیونکہ یہودیوں کے نزدیک آپ ﷺ کا روح سے متعلق جواب دینے سے اعراض فرمانا۔ حضور اقدس ﷺ کی نبوت کی تصدیق تھا۔ جو کہ یہودیوں کی کتب میں آپ ﷺ کے اس وصف کے حوالے سے تھا۔

2- یہودیوں کا سوال عاجز کرنے -سختی کرنے۔ اور سرکشی کرنے کے طور پر تھا اور جب سوال اس انداز پر ہو۔ تو اس سے جواب دینا لازم نہیں ہوتا بیشک روح ایک امر الٰہی ہے۔ جو کہ روح انسان- جبرائیل اور ایک اور فرشتے کے درمیان مشترک ہے۔ جسے روح کہا جاتا ہے۔ اور اس کے علاوہ فرشتوں کی ایک صنف کو بھی' قرآن مجید کو اور حضرت عیسیٰ ابن مریم کو بھی روح کہا جاتا ہے۔ تو اگر حضور اقدس ﷺ ان میں سے کسی ایک حوالے سے بھی جواب عنایت فرماتے تو یہودی عناد کے طور پر اور حضور اقدس ﷺ کو ستانے۔ اور تنگ کرنے کے لئے کہتے کہ ہماری مراد یہ نہیں۔ لہٰذا اس لئے جواب مجمل طور پر ایسی وجہ پر آیا۔ جو کہ روح کے تمام معانی کی تصدیق کرتا ہے۔

روح سے متعلق شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کا نظریہ

1- حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں۔ کہ اللہ ربّ العزت نے حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے: کہ

''وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُّوْحِي'' (الحجر:۲۹)

(اور میں اس میں خاص روح اپنی طرف سے پھونک دوں''۔

اپنی طرف یا اضافت کے ساتھ صرف اس لئے فرمایا تا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو مقام تشریف پر تنبیہہ فرمائے۔ اور اس میں عبرت حاصل کرنا ہے گویا کہ اللہ ربّ العزت حضرت آدم علیہ السلام سے فرما رہا ہے۔ کہ آپ علیہ السلام شریف الاصل ہیں۔ پس اپنی اصل کے خلاف غیر معیاری لوگوں کے افعال کے ارتکاب سے اپنے آپ کو بچانا"۔

2- ایک بات اچھی طرح سمجھ نہیں لینی چاہیے کہ ارواح کے ہاں کوئی سرداری نہیں ہوتی اور اس کا ذائقہ بھی نہیں چکھتیں" وہ تو اپنے پیدا کرنے والے کے حضور ہمیشہ تواضع کرنے والی ہیں۔

3- روح کے لئے کمیت (یعنی گنتی) نہیں ہے۔ پس اپنے جوہر ذات میں اضافہ قبول کرے وہ تو فرد ہے۔ اور اگر یہ وہ نہ ہوتی۔ جو کہ عاقل بذاتہ ہے۔ تو اس سے اخذ میثاق کے وقت اپنے خالق کی ربوبیت کا اقرار نہ کرتیں۔ اس لئے کہ اللہ ربّ العزت خطاب نہیں فرماتا۔ مگر اس کو جو اسی سے اس کا خطاب سمجھتا ہے، اور یہ ہے "فی نفسہ انسان کی حقیقت"۔ حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی نے مزید فرمایا کہ معلوم ہوا کہ اللہ ربّ العزت نے روح کو کامل عاقل بالغ۔ اللہ ربّ العزت کی توحید کا عارف اور اس کی ربوبیت کا اقراری پیدا فرمایا ہے۔ اور یہ وہ فطرت ہے۔ کہ جس پر اللہ ربّ العزت نے لوگوں کو پیدا فرمایا جس طرح کہ اس کی طرف یہ حدیث شریف اشارہ کرتی ہے۔ کہ "ہر مولود فطرت پر پیدا کیا جاتا ہے۔ تو اس کے ماں باپ اسے یہودی نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں" اور مزید زیادہ غالب کا ذکر فرمایا۔ اور وہ ماں باپ کا پایا جانا ہے۔ اور وہ جو اسے پالتا ہے وہ اس کے لئے بمنزلہ اس کے ماں باپ کے ہے۔

4- تمام جہان سے ہر مقید بالصورت کے لئے ایک روح الٰہی ہے۔ جو کہ اس کو لازم ہے اس کی وجہ سے وہ اللہ ربّ العزت کی تسبیح کرنے والا ہے۔ اور بعض ارواح ایسی ہیں۔ جو کہ اس صورت کی مدبّر ہوتی ہیں کیونکہ وہ اپنے لئے ارواح کی تدبیر کو قبول کرتی

ہے۔ اور یہ ہر وہ صورت ہے۔ جو کہ حیات ظاہری اور موت کے متصف ہوتی ہے۔ اور حیات ظاہری اور موت کے ساتھ متصف نہ ہو۔ تو اس کی روح۔ 'روح تسبیح ہے' نہ کہ روح تدبیر۔ اور وہاں ''ان ارواح صور سے زیادہ عارف باللہ تعالیٰ کوئی نہیں کہ جن کا تدبیر میں کوئی حصہ نہیں''۔ اور یہ ارواح جمادات ہیں۔ اور رُتبہ میں ان سے کم درجہ ارواح نباتات ہوتی ہیں۔ اور پھر ان سے بھی رُتبہ میں کم درجہ 'ارواح حیوانات' ہوتی ہیں۔ اور اس کے بعد ان سے بھی کم درجہ 'ارواح سرکش انسان' ہیں۔

رہے صالحین۔ تو وہاں ان کے طبقات کے اختلاف کے مطابق ان کی ارواح سے معرفت میں کوئی بھی اعلیٰ نہیں ہے مثال کے طور پر انبیاء علیہم السلام' اولیائے کرام اور مؤمنین۔ درآں حال کہ یہ اختصاص الٰہی ہے۔

5- یہ بات بھی اچھی طرح سمجھ لیں کہ سعادت مند روح کے لئے دنیا و آخرت میں کسی بھی شقاوت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔

6- ایک جماعت کی غلطیوں میں سے ان کا یہ قول ہے۔ کہ روح نوع کے اشخاص میں ایک چشمہ ہے۔ اور یہ کہ روح زید وہی روح عمرو ہے۔ اور ان لوگوں نے اس پر تحقیقی نظر نہ کی۔ جس پر کہ امر ہے۔ اور اس کے متعلق اس بات نے شبہ میں ڈال دیا۔ کہ انہوں نے سمجھا کہ جب اللہ ربّ العزت نے جسم عالم کو درست بنایا۔ اور وہ ہبا معقول کے جوہر میں جسم کلی صوری ہے۔ تو اس نے روح الٰہی کے قبض کو قبول کیا۔ جو کہ منتشر غیر معین تھی۔ کیونکہ وہاں کوئی نہیں جو اسے معین کرے۔ اور یہ جسم عالم ہے اسی کے ساتھ اس کا جسم اس کی شخصیات کے اجسام کو ضمن میں لیتا ہے۔ لہٰذا اس نے اس پر قیاس کیا کہ اللہ ربّ العزت نے اس کی روح کو اس کی شخصیات کی ارواح کا ضامن کر دیا۔ اور بسا اوقات وہ اللہ ربّ العزت کے اس فرمان سے سند لیتا ہے۔

''هُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ'' (سورۂ اعراف آیت نمبر 189)

''وہی ہے۔جس نے تمہیں ایک نفس سے پیدا فرمایا''۔

جبکہ ان لوگوں سے یہ امر غائب رہا کہ جس طرح جسم آدم کی صورت آپ کی اولاد میں سے ہر شخص کے جسم کی صورت نہیں ہے۔ اور وہ تو آپ کی صرف فرع ہیں پس اسی طرح عالم میں ہر روح دوسری روح کا عین نہیں ہوسکتا' پھر فرمانے لگے کہ اور مخفی نہ رہے کہ جو تناسخ ارواح کا قائل ہے ہمارے نزدیک وہ کافر ہے۔(واللہ تعالیٰ اعلم)

ارواح کا باہمی تعلق

حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد میں کہ۔

"الارواح جنود مجندة فما تعارف منها ائتلف وما تنا كر منها اختلف"

ترجمہ:''یعنی ارواح لشکر ہیں جنہیں جمع کیا گیا۔تو ان میں سے جو باہم متعارف ہوئیں ان میں باہمی الفت پیدا ہوگئی اور جو بے پہچان رہیں انہوں نے اختلاف کیا''۔

یاد رکھیں! کہ ہر کوئی اس حدیث شریف کے حقیقی معانی کو نہ پہچان سکا۔''مگر جس نے بطریق کشف حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ذریت کو نکالنے کا مشاہدہ کیا۔ اور''یہ مشہد نہایت مقدس ہے''۔ اور بہت ہی کم ترین تعداد کے لوگ ہیں جو اس کا مشاہدہ کریں۔ کیونکہ یہ افراد کے ساتھ خاص ہے۔ جیسے حضرت سہل بن عبد اللہ تستری' حضرت بایزید بسطامی اور حضرت سیّد عبد القادر جیلانی قدس العزیز وغیرہ یہ حضرات فرمایا کرتے تھے کہ ہم اپنے تلامذہ کا مشاہدہ کرتے رہے ہیں حالانکہ وہ پشتوں میں نطفے تھے۔ جبکہ اللہ رب العزت نے اولاد آدم پر میثاق لیا تو اس وقت وہ حضرت آدم علیہ السلام کی پشت میں تھے۔ اور انہوں نے فرمایا کہ ہم اپنے تلامذہ کی نگہبانی کرتے رہے۔حتیٰ کہ وہ ہم تک پہنچ گئے۔ اور ہم اسے پہچانتے ہیں۔ کہ جو اس دن ہماری دائیں جانب تھا اور اسے بھی پہچانتے ہیں۔ جو کہ ہماری

بائیں جانب تھا۔ انہوں نے فرمایا کہ جب اللہ ربّ العزت نے اس دربار میں علی وجہہ التمثیل اولاد کو جمع فرمایا تو جو آمنے سامنے تھے وہ یہاں ایک دوسرے کو پہچانتے۔ اور الفت کرتے ہیں۔ اور جن کی پشتیں ایک دوسری کی طرف تھیں وہ بے پہچان رہے۔ اور ساتھ ساتھ انہوں نے اختلاف اور عداوت بھی کی اور جس کا چہرہ کسی کی پشت کی طرف تھا تو چہرے والا محبت کرتا ہے۔ جبکہ پشت والا محبت نہیں کرتا اور ایسے ہی پہلو کے لئے پہلو کسی چہرے کے لئے یا پہلو کسی پشت کے لئے تھا وہ اس جہان میں اسی حکم کے ساتھ ہیں جس طرح کہ وہاں تھے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

روح انسانی کے ازلی ہونے کی دلیل

جو لوگ اس عنصری جثّے یعنی گوشت اور ہڈیوں کے ڈھانچے کو سب کچھ سمجھتے ہیں یا پھر اربع عناصر اور ان کے لطیف بخار کو روح کہتے ہیں یا دیگر اطباء کی طرح خون کو روح بتاتے ہیں وہ لوگ سخت ترین غلط فہمی میں مبتلا ہیں نیز جو لوگ اس ترکیب مادی اور نظام عنصری کے درہم برہم ہونے کو انسانی زندگی کا خاتمہ خیال کرتے ہیں وہ انتہائی نادان قسم کے لوگ ہیں۔ کیونکہ تمام اہل مذہب اور اہل فلسفہ جدید و قدیم اور اہل علم روحانی یعنی اہل سپر چولزم اور اہل سائنس سب کا اس بات پر اتفاق ہے۔ کہ ''روح اس عنصری جثّے۔ اور مادی جسم کے ماسوائے ایک الگ اور علیحدہ خارجی چیز ہے''۔ اور اس عنصری جسم اور مادی بدن کی ہلاکت اور اس چھلکے کے اتر جانے کے بعد بھی روح زندہ اور پائندہ رہتی ہے۔ اور آج کل تو ارواح کو حاضر کرنے۔ اور ان سے بات چیت کرنے کے تجربات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکے ہیں۔ اس لئے مزید زبانی دلائل اور عقلی براہین پیش کرنے کی کوئی حاجت نہیں رہی۔

تو مے گوئی کہ من ہستم خدا نیست
جہاں آب و گل را انتہا نیست

من اندر حیرتم از دیدن تو
کہ چشمت آنچہ بیند ہست یا نیست

(زکریارازی)

''تو کہتا ہے۔ کہ میں موجود ہوں۔ مگر خدا نہیں ہے۔ اور اس مٹی اور پانی کی دنیا کو کوئی انتہا نہیں ہے میں تیرے اس مشاہدہ پر حیران ہوں۔ کہ تیری آنکھ جو کچھ دیکھ رہی ہے درحقیقت موجود ہے بھی یا کہ نہیں''۔

لہٰذا اب اگر کوئی یہ اعتراض کر بیٹھے کہ انہیں وہ علوی لطیف جثہ روح دکھایا جاوے۔ تب ہم اسے مانیں گے۔ اور ہم ایسی چیز کو جو کہ نظر نہ آئے۔ اور نہ سمجھ میں آئے۔ کیونکر مانیں؟ تو پھر اس ہٹ دھرمی کا کوئی علاج نہیں رہ جاتا۔ اور ایسا سوال۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے ان سے کیا تھا۔ کہ

''حَتّٰی نَرَی اللّٰہَ جَھْرَۃً'' (البقرہ)

کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کھلم کھلا دکھایا جائے''۔

تب ہم مانیں گے ایسے شقی مادرزاد اندھے۔ اگر اپنی ضد اور انکار پر اڑے رہیں۔ تو وہ اپنی کورچشمی کی وجہ سے بالکل معذور ہیں۔ کیونکہ ان کے دل مادے کے غلیظ غلاف اور پردے میں محصور ہو چکے ہیں۔ کیونکہ اللہ ربّ العزت فرماتا ہے:

''قَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ط بَلْ لَّعَنَھُمُ اللّٰہُ بِکُفْرِھِمْ ط'' (البقرہ)

ہزار معجزہ بنمود عشق و عقل جہول
ہنوز امت اندیش ہائے خویشتن است

(ن فقیر)

''عشق نے ہزاروں معجزے دکھلا دیئے۔ مگر جاہل عقل ابھی تک اپنے اندیشوں کی پیروی کر رہی ہے''۔

جبکہ بعض لوگ یہ کہیں گے کہ روح کوئی چیز ہے یا پھر دنیا میں آنے سے پہلے مقام ازل میں موجود تھی تو ہم کو وہ مکان اور وہ زمان اور وہ ارواح کیوں یاد نہیں۔ لہذا یاد رہے کہ روح مقام ازل میں بیدار تھی۔ اور جس وقت اس نے اس دنیا میں جنم لیا۔ اور مادی جہاں میں جسم کثیف کا لحاف اوڑھ کر خواب غفلت میں سو کر بے ہوش ہوگئی تو وہ ازل کا زندہ بیدار جہان اور وہاں کا مکان اور زمان اسی طرح فراموش کر گئی جس طرح کہ ہم خواب کے اندر اس زندہ جہان اور یہاں کے مکان اور زمان کو بھول جایا کرتے ہیں۔ اور اگر بالفرض ہمیں خواب کی دنیا میں بند کر دیا جائے۔ اور پھر سالہا سال تک بیدار بھی نہ کیا جائے تو چونکہ ہمارے سامنے خواب کی ایک خیالی اور مثالی دنیا اس زندہ دنیا کی مثل موجود ہوتی ہے ہم کبھی اس زندہ دنیا کو یاد بھی نہیں کریں گے۔ اور نہ ہی بیدار ہونے کی آرزو بھی کریں گے۔ لہذا اسی طرح نفسانی لوگوں کے قلوب اور ارواح اس مادی دنیا میں غفلت کی نیند سوئے ہوئے ازل کے زندہ اور بیدار جہان سے غافل اور بے خبر ہیں۔ چنانچہ اس دنیا میں خواب کے اندر نفس جب اپنے حواس اور قویٰ سے معطل ہو جاتا ہے گویا کہ ایک گونہ مر جاتا ہے۔ تو دل بعض دفعہ اس مقام کو اپنے باطنی حواس سے معلوم اور محسوس کرتا ہے۔ اور خواب کے اندر ایسے ایسے نادیدہ مقامات دیکھتا ہے۔ جو کہ اس نے دنیا میں پہلے کبھی نہیں دیکھے ہوتے۔ لیکن وہ ان مقامات سے اس طرح مانوس اور مالوف ہوتا ہے۔ جس طرح کہ یہ سب اس کے اپنے گھر ہوں اور انہیں گویا اس نے بہت مدت استعمال کیا ہوا ہے یا بعض اوقات خواب کے اندر ایسے لوگوں سے ملاقات ہوتی ہے جنہیں کہ دنیا میں پہلے کبھی نہیں دیکھا ہوتا۔ مگر وہ خواب میں دوست آشنا اور رشتہ دار معلوم ہوتے ہیں یا پھر کبھی کسی نبی ولی بزرگ کی خواب میں زیارت نصیب ہو جاتی ہے۔ اور ہم خواب ان شخصیات شکل وصورت اور نام وغیرہ سے اچھی طرح پہچانتے ہیں۔ اور ان سے واقف کاروں اور محرم رازوں کی

طرح بات چیت کرتے ہیں حالانکہ دنیا میں وہ ہم سے بہت زمانہ پہلے گزر چکے ہیں۔ مگر ہمارا دل اور روح اس توفیق سے انہیں اچھی طرح پہچانتے ہیں غرض اس قسم کی بہت سی باتیں ہیں۔ کہ جن سے پتہ چلتا ہے۔ کہ روح جسم سے علیحدہ اور ایک الگ وجود رکھتی ہے۔ اور اس جسم عنصری کے فنا ہو جانے کے بعد زندہ رہے گی اور جسم عنصری اختیار کرنے سے پہلے بھی مقام ازل میں موجود تھی۔ اور خواب میں جو بعض دفعہ ہم نادیدہ اور مانوس مقامات۔ یا اجنبی اشخاص کو دیکھ کر پہچانتے ہیں۔ تو وہی ازلی مقامات اور وہی ازلی آشنا اور یار دوست ہیں۔ کہ جن سے روز ازل میں روح مانوس اور مالوف رہی ہے۔ اور انسان کا عنصری ڈھانچہ اور مادی جثہ فنا پذیر ہے۔ اور موت کے بعد ہم اسے دیکھتے ہیں۔ کہ گل سڑ کر مٹی میں مل جاتا ہے۔ مگر انسان کا باقی جثہ نفس، قلب اور روح وغیرہ اور ان کے باطنی حواس اور قویٰ یعنی تصور، تفکر اور توجہ کو مٹی کھاتی ہے۔ اور نہ ہی یہ چیزیں گلنے۔ اور سڑنے والی ہیں۔ لیکن ان کا خود بخود بغیر کسی آوند اور ظرف یعنی وجود کے قائم رہنا محال ہے۔ اس لئے موت کے بعد ان باطنی حواس۔ قویٰ اور خیالات وغیرہ کو باطنی لطیف وجود عطا کیا جاتا ہے۔ لہٰذا تمام سلوک، تصوف اور روحانیت کی غرض و غایت یہ ہے۔ ''کہ انسان اسی زندگی میں ایک ایسا لطیف نوری مرکب تیار کر لے۔ جو کہ ان باطنی حواس اور قویٰ وغیرہ کا حامل ہو۔ اور دوسری ابدی لطیف دنیا میں پہنچ کر وہاں زندگی بسر کرنے۔ اور رہنے سہنے۔ اور روحانی ترقی حاصل کرنے کے قابل ہو جس کی خام اور ناتمام صورت گاہے بگاہے بطور مشتے نمونہ از خروارے ہم خواب میں پاتے ہیں۔ اور خواب میں انسان کا ایک لطیف معنوی پیکر انسانی حواس۔ قویٰ اور دیگر خیالات کا حامل اور مرکب بن جاتا ہے پھر وہ لطیف جثہ خواب کے اندر ایک لطیف دنیا کے اندر دیکھتا۔ بھالتا۔ چلتا پھرتا۔ بولتا۔ سوچتا سمجھتا اور دیگر سب کام کرتا ہے۔ اور بعض دفعہ تو خواب دیکھنے والا اتنا بھی سمجھتا ہے۔ کہ یہ جو میں دیکھ رہا ہوں یہ خواب کی حالت ہے''۔ لیکن

چونکہ نفسانی آدمی کا یہ جثہ ابھی خام اور نا تمام حالت میں ہوتا ہے۔ اس لئے اسے اس جثہ کی نسبت نہ پوری آگاہی حاصل ہوتی ہے۔ اور نہ ہی پورا شعور حاصل ہوتا ہے۔ اس لئے وہ خواب کی دنیا کو خیالی دنیا سے تعبیر کرتا ہے۔ حالانکہ خواب کی دنیا خالی اور خیالی دنیا ہی نہیں ہوا کرتی اور نہ ہی ہر خواب روزہ مرہ کے عادی دنیوی پریشانی خیالات کا مجموعہ ہوا کرتا ہے۔ بلکہ اللہ ربّ العزت کے مقبول او ر برگزیدہ بندوں کے خواب آئندہ رونما ہونے والے واقعات کے سچے نمونے۔ اور لوح محفوظ کی متحرک فلم اور ٹھوس حقائق ہوا کرتے ہیں۔ اور وہ خواب صبح صادق کی طرح درست ثابت ہوتے ہیں۔ اور عارف سالک لوگ جب مراقبہ کرتے ہیں۔ تو ہوش وحواس اور عقل وشعور کے ساتھ خواب کے لطیف غیبی جہان میں داخل ہوتے ہیں۔ اور جہاں چاہتے ہیں پہنچ جاتے ہیں۔ اور جو چاہتے ہیں کرتے ہیں۔ اور عوامی نفسانی لوگوں کا یہ لطیف جثہ چونکہ ابھی رحم کے اندر جنین کی طرح مردہ اور بے حس ہوتا ہے۔ اس لئے اسے خواب کے اندر شعور وادراک اور ہوش وحواس حاصل نہیں ہوتے۔ مگر عارف زندہ دل آدمی کا لطیفۂ قلب طفل معنوی کی طرح بطن باطن سے زندہ اور صحیح سلامت انسان کی طرح عالم غیب میں پیدا اور ہویدا ہو جاتا ہے۔ اور شعور وادراک اور ہوش وحواس کے ساتھ وہاں آمدورفت رکھتا ہے۔ اور عالم غیب و عالم آخرت کے حالات و واقعات کو اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ اور ''اصلاح تصوف'' میں اسی لطیف وجود کو ''لطیفہ'' کہتے ہیں۔

حبس دم اور ذکر قلبی کی حقیقت اور باطنی لطائف

لطیف جثہ جسد عنصری کی طرح تمام باطنی لطیف اعضاء اور حواس کا مکمل معنوی انسان ہوتا ہے۔ اور وجود عنصری کو کپڑے۔ اور چھلکے کی طرح اتار کر عالم غیب میں اپنے اختیار آتا اور جاتا ہے تصوف کی کتب میں ان لطائف کا ذکر پڑھنا اور ان کی نسبت قیل وقال اور گفت وشنید کرنا نہایت آسان کام ہے۔ لیکن خود اللہ ربّ العزت کے لُطف کا لطیف معنوی

انسان اور نوری پیکر بننا انتہائی دشوار کام ہے ''بہت سے رسمی دکاندار مشائخ تصوف اور سلوک کی کتابوں میں ان لطائف کا حال پڑھ کر طالبوں کو زبانی طور پر بتاتے ہیں۔ کہ نفس اور قلب کے دو عدد لطیفے عالم خلق سے ہیں۔ اور لطیفۂ روح سرّ، خفی، اخفی اور لطیفۂ انا یہ پانچ لطائف عالم امر کے ہیں۔ اور پھر ان لطائف کے مقام بتاتے ہیں۔ کہ سینے میں یہ مقام نفس ہے۔ اور یہ مقام قلب ہے۔ اور دماغ میں یہ مقام فلاں ہے۔ اور یہ مقام فلاں ہے۔ اور یہ مقام فلاں۔ پھر طالبین حق کو حبس دم کروا کر کہتے ہیں۔ کہ دل کی طرف فکر کرو اس میں تمہیں دل کی حرکت محسوس ہوگی اور ذکر کی آواز آئے گی جس وقت سادہ لوح طالب بیچارے حبس دم کر کے دل کی جانب خیال کرتے ہیں۔ تو اس میں واقعی خون کے دوران یعنی خون کا دل میں داخل ہونے۔ اور نکلنے کی حرکت معلوم ہوتی ہے۔ بلکہ اس کی حرکت تمام بدن اور رگ و ریشے میں معلوم اور محسوس ہوتی ہے۔ اور ساتھ ہی خون کے دھکیلنے کی ٹپ لپ کی آواز سنائی دیتی ہے۔ اس طرح یہ رسمی اور رواجی پیر حضرات۔ نادان طالبوں کو نظام دوران خون کی ان حرکات اور اصوات کو ذکر قلبی۔ روحی اور سری وغیرہ کا نام دے دیتے ہیں۔ اور سادہ لوح بدھو طالبین ان ہی حرکات کو اصلی ذکر۔ لطائف کا زندہ ہونا اور ذکر سلطانی سمجھ کر خوش ہوتے رہتے ہیں''۔ حالانکہ دوران خون کی ان حرکات اور اصوات کو ذکر الٰہی اور باطنی لطائف سے دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ اگر دوران خون کی دل اور تمام اعضاء کے اندر یہ تحریک۔ جنبش۔ اور مادی آواز ذکر قلب ہے۔ تو ایسا ذکر تو ''کلب'' یعنی کتے۔ اور بلکہ ہر جانور میں بھی موجود ہے۔ بلکہ اگر بلی کو اپنے کان کے قریب کریں گے تو اس کے سانس اور خون کی حرکت کی عجیب سی آواز آپ کو سننے کو ملے گی۔ افسوس کہ آج کل کے رسمی رواجی ریا کار دکاندار مشائخ نے تصوف اور سلوک کو بچوں کا کھیل سمجھ رکھا ہے۔ جیسے چھوٹی بچیاں گڑیا بنا کر ان سے کھیلتی ہیں۔ اور ان کی شادی اور بیاہ رچاتی حالانکہ دراصل نہ کوئی شادی ہوتی ہے۔ اور نہ ہی بیاہ کی کوئی حقیقت ہوتی ہے''۔

''قلب کا ذکر اللہ سے زندہ ہونا اور اس کی حرکت اور جنبش بہت بڑی بات ہے۔ جب قلب زندہ ہو کر حرکت اور جنبش میں آتا ہے۔ تو اللہ رب العزت کے عرش معلیٰ کو جنبش اور حرکت ہوتی ہے۔ اور حاملان عرش حیرت میں آ جاتے ہیں۔ اور سالک زندہ قلب پر چودہ طبق روشن ہو جاتے ہیں۔ اور یہ چودہ طبق اسے ایک رائی کے برابر نظر آتے ہیں''۔

دل کہ مے جنبد جنباند عرش را
عرش را دل فرش سازد زیر پائے

(رومی رحمۃ اللہ علیہ)

''یعنی دل جب جنبش میں آتا ہے۔ تو عرش کو بھی ہلا دیتا ہے۔ اور دل عرش بریں کو اپنے پاؤں تلے کا فرش بنالیتا ہے''۔

بہر حال سالک عارف کا یہ باطنی لطیف جثہ قلب جب زندہ ہو جاتا ہے۔ تو باطنی اور لطیف دنیا میں ایک لطیف نوری بچے کی طرح گویا کہ از سر نو تولد ہو جاتا ہے۔ لہٰذا سلوک اور تصوف کی غرض و غایت ان باطنی لطائف کا ذکر اللہ سے زندہ کرنا ہے۔ اس کی مثال ایسے ہے۔ کہ دنیا کے مادی شجر تن، کے ساتھ ہماری قندیل دل میں نوری چراغ اسم اللہ ذات لٹک رہا ہے۔ لیکن فنا اور موت کی تند آندھی سے درخت تن گرنے لگا۔ اور اس قندیل کے ٹوٹنے۔ اور پھوٹنے کا خطرہ لاحق تھا۔ لہٰذا اس کے ہوشیار مالک نے اس سے ایک دوسرا چراغ روشن کر دیا۔ اور اسے باطن کے لطیف۔ پر امن۔ دائم۔ استوار اور پائیدار درخت یعنی شجر طیبہ کے ساتھ نوری قندیل میں لگا دیا۔ جہاں اسے ٹوٹنے کا خطرہ ہے۔ اور نہ ہی بجھنے کا خوف۔ حضور قبلہ جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے اپنی مثنوی شریف میں یوں تحریر فرمایا:

باد تند است و چراغ ابترے
زو بگیرانم چراغ دیگرے

تابود کز ہر دو یک دانی شود
گر ببادے آں چراغ از جارود
ہم چو عارف کزتن ناقص چراغ
شمع دل افروخت از بہر فراغ
تا کہ روز ایں بمیرد ناگہاں
پیشروئے خود نہداد شمع جاں

''ہوا تیز ہے۔ اور چراغ زندگی بجھنے والا ہے۔ لہٰذا اس چراغ سے دوسرا چراغ جلا لوں، ممکن ہے۔ کہ ان دونوں میں سے ایک باقی رہ جائے اور اگر آندھی کی وجہ سے پہلا چراغ بجھ جائے۔ جیسے عارف اس ناقص جسمانی چراغ سے دل کی شمع روشن کر لیتا ہے تا کہ وہ اطمینان لے سکے۔ اور اگر کسی دن یہ جسمانی چراغ اچانک بجھ جائے تو وہ اس روحانی چراغ کو اپنے سامنے رکھے''۔

....

روح کی نسبت دور جدید کے علماء کا بدلا ہوا نظریہ

آج کل کے دور جدید میں اہل یورپ بھی روح اور روحانی دنیا کے قائل اور روحانی دنیا کی طرف مائل ہو گئے ہیں۔ اگر چہ یہ لوگ ہمارے علماء سلف صالحین اور اولیاء کرام کے مقابلہ میں ابھی محض طفل مکتب اور ابجد خواں کی حیثیت رکھتے ہیں ''نئی روشنی دلدادہ اور مغرب زدہ نوجوان طبقہ کے لئے ہمارا یہ بیان ایک زبردست حجت مضبوط برہان ثابت ہوگا جو یورپی محققین کے ہر قول کو وحی آسمانی سے بھی بڑھ کر سمجھتے ہیں۔ ہمارے روشن خیال دوستوں کو علم ہونا چاہیے کہ یورپ میں مذہب اور روحانیت کی نسبت سائنس اور جدید فلسفہ نے کچھ عرصہ پہلے جو غلط عقیدہ اور باطل نظریہ قائم کیا تھا اب وہ بالکل بدل گیا ہے۔ اور اب

وہ وحی آسمانی۔ روح کی باطنی شخصیت اور اس کے عجیب مافوق الفطرت ادراکات اور روحانی کمالات کے بالکل قائل ہو گئے ہیں۔ لہٰذا ہم یہاں آج کل کے علماء مغرب کی تحقیق اور ان کے نتائج اور استنباطات پیش کر کے اپنے نادان نوجوان دوستوں کو بتائے دیتے ہیں۔ کہ جو لوگ وحی آسمانی اور الہامات روحانی کو محض ہذیان اور وہم وگمان سمجھتے تھے۔ آخر کار ان کو بھی اس کی صداقت کا اقرار کرنا پڑا۔ لہٰذا ہم ان لوگوں کے مذہبی افکار اور روحانی ذہنیت میں اس قدر انقلاب اور تغیر وتبدل پیدا ہونے کے ثبوت میں علماء مغرب کے موجودہ افکارات اور نظریات مختصراً قلمبند کرتے ہیں ممکن ہے۔ کہ اس سے ہمارے منکرین مذہب اور روحانیت کو کچھ تنبیہہ ہو۔ اور وہ اپنے الحاد کے اصرار اور مذہب کے انکار پر نظر ثانی کرنے کی زحمت گوارا کریں۔ اور ان سچے حقائق کی مخالفت سے باز آ جائیں۔ جو کہ یورپی محققین اور ان کے ارباب علم ورائے کے نزدیک بھی مسلم ہو گئے ہیں۔

اہل مغرب تمام مذہبی اقوام کی طرح '16 ویں صدی' تک تو وحی آسمانی کے تقلیدی طور پر قائل رہے۔ کیونکہ ان کی مذہبی کتب انبیائے کرام علیہم السلام کے حالات و واقعات سے پُر تھیں۔ لیکن بعد میں جب سائنس کا دور شروع ہوا۔ اور روحانیت سے ہٹ کر لوگوں کی توجہ مادیات کی طرف زیادہ ہو گئی۔ تو اس وقت سائنس اور فلسفہ مغرب نے اعلان کیا کہ وحی کا سلسلہ بھی ان پرانے خرافات میں سے ہے جو جہالت۔ نادانی اور توہم پرستی کے باعث انسانوں کے قلب و دماغ پر اب تک مسلط رہا ہے۔ لہٰذا اس جدید فلسفہ نے ما بعد الطبیعی حقائق کے انکار میں اس درجہ غلو کیا کہ سرے سے خدا اور روح کا صاف صاف انکار کر دیا۔ پھر اس سلسلے میں وحی کے متعلق یہ کہا گیا کہ یہ نبوت کا دعویٰ کرنے والوں کی اپنی اختراع ہے۔ جو کہ انہوں نے لوگوں کی توجہ کو اپنی طرف راغب کرنے کے لئے اختیار کر لی ہے یا پھر کسی قسم کا ہذیان ہے۔ جو کہ بعض اعصابی مرض والوں کو لاحق ہو جاتا ہے۔ اور اس مرض کے دوروں میں ان کو بعض چیزوں کی صورتیں متمثل ہو کر نظر آتی ہیں حالانکہ حقیقت میں ان

کی کوئی اصلیت نہیں ہوتی۔ لہٰذا فلسفۂ یورپ نے وحی اور دوسرے مابعد الطبیعی چیزوں کی نسبت اپنے اس نظریہ کا اس زور وشور سے پراپیگنڈہ کیا کہ یہ تمام نظریہ فلسفے کا ایک مستقل عقیدہ بن گیا۔ اور ہر وہ شخص۔ جو کہ اپنے آپ کو عالم سکالر یا تعلیم یافتہ کہلانا چاہتا اس کے لئے اس نظریے کا قائل ہونا ضروری ہو گیا' چنانچہ ایک کثیر تعداد میں نادان طبقہ اس سیلاب جہالت کی رو میں بہہ کر غافل دنیا میں گزر گیا۔

لیکن 1846ء میں امریکہ کے اندر روح کے وجود کے ایسے آثار نمودار ہوئے کہ جنہوں نے امریکہ سے گزر کر تمام یورپ کے خیالات کے اندر ایک تموج اور ہیجان پیدا کر دیا۔ اور لوگوں کو ایسی باطنی دنیا۔ اور عالم روحانی کے وجود کا اقرار کرنا پڑا کہ جس میں بڑی بڑی عقلیں اور روشن افکار کارفرما ہیں تمام یورپ کے اندر اب مسائل روحانیہ میں بحث وفکر کا نقطہ نظر بالکل بدل گیا۔ اور وحی اور روح کا مسئلہ از سر نو زندہ ہو گیا ہے۔ اور علمائے مغرب نے اس پر از سر نو بحث شروع کر دی۔ اور اس کی تحقیق میں لگ گئے۔ چند سال کے بعد جب انہوں نے اپنی تحقیق کے نتائج شائع کئے۔ تو یورپ کی تمام فضا میں ایک آگ سی لگ گئی۔

1882ء میں بمقام لنڈن ایک کمیٹی بنی۔ جس کا مقصد روح اور اس کے متعلقات پر بحث کرنا۔ اور اس کی باقاعدہ تحقیق کرنا تھا۔ اس کمیٹی میں جو بھی علماء شریک تھے ان میں قابل ذکر اور نمایاں علماء یہ تھے۔

1- پروفیسر جیک: کیمبرج یونیورسٹی............ صدر کمیٹی اور انگلستان کا مشہور عالم طبیعات

2- پروفیسر اولیور لاج............ علم طبیعات کا ماہر خصوصی

3- سر ولیم کروکس............ انگلستان کا مشہور عالم کیمسٹری

4- پروفیسر فریڈرلک مایرس............ کیمبرج یونیورسٹی

5- پروفیسر ہڈسن

6- پروفیسر ولیم جیمس .... ہر فورڈ یونیورسٹی- امریکہ

7- پروفیسر بلر یوب .... کولمبیا یونیورسٹی

8- کامل فلامریون .... فرانس کا مشہور ماہر فلکیات وریاضیات

ان درج بالا اراکین کے علاوہ یورپ کے دیگر مشہور علماء بھی اس کمیٹی کے اراکین میں شامل رہے۔ اور یہ کمیٹی تیس سال تک قائم رہی۔ اس مدت میں اس کمیٹی نے ہزاروں روحانی واقعات اور حوادث کی تحقیق کی اور روح انسانی اور اس کے تصور اور قوت ادراک کے متعلق بارہا تجربات کئے۔ جو کہ چالیس ضخیم اور موٹی جلدوں میں مدون اور محفوظ ہیں اس کمیٹی نے اپنے نتائج فکر و تجربہ کی متواتر اشاعت بھی کی اور انہوں نے ثابت بھی کیا کہ ہر انسان کے لئے ایک اور باطنی شخصیت بھی ہے یعنی ہم اپنی موجودہ زندگی میں اگرچہ زندہ ہیں۔ اور ادراک بھی کرتے ہیں۔ مگر ہمارا یہ ادراک ان تمام روحانی قوتوں کی توجہ سے نہیں ہوتا۔ جو ہمارے جسم کے اندر موجود ہیں۔ بلکہ ان روحانی قوتوں کے ایک جز سے ہوتا ہے۔ جس کا اثر جسم کے حواس خمسہ کے افعال کے ذریعے ہوتا رہتا ہے۔ لیکن زندگی۔ جو کہ حواس خمسہ نے ہمیں بخشی ہے اس سے بھی کہیں زیادہ بڑھ کر ایک اور بھی زندگی ہے۔ جس کی عظمت و جلال کی کوئی نشانی اس وقت تک ظاہر نہیں ہوتی جب تک کہ ہماری یہ ظاہری شخصیت نیند یا کسی اور ذریعے سے زائل نہ ہو جائے۔ چنانچہ ان لوگوں پر جن کو ہپناٹزم یا کسی مقناطیسی نیند کے ذریعے سلا دیا گیا تھا ان کو دیکھا کہ سونے والے کو روحانی زندگی کی فراواں دولت حاصل ہو جاتی ہے۔ اور وہ اس عالم روحانی میں اپنے حواس ظاہری کے علاوہ کسی اور باطنی حاسہ کے ذریعے دیکھتا اور سنتا ہے آنکھوں سے اوجھل اور بعیدہ چیزوں کی خبریں دیتا ہے۔ اور اس وقت اس کی قوت تعقل و طاقت ادراک پورے طور پر بیدار ہو کر اپنا کام کرتی ہے بہر حال کمیٹی کے نزدیک یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ انسان کی اس ظاہری شخصیت کے علاوہ ایک اور بھی شخصیت ہے۔ جو کہ پہلی مادی شخصیت سے کہیں زیادہ ارفع و اعلیٰ ہے۔

اور وہ شخصیت موت کے بعد بھی زندہ رہتی ہے۔ اور فنا پذیر نہیں ہوتی۔ پھر ان علماء نے یہ بھی معلوم کیا کہ یہی وہ اعلیٰ شخصیت ہے۔ کہ جس کے ذریعے ماں کے رحم کے اندر بچے کے جسم کا تکوّن ہوتا ہے۔ اور اسی کے اثر اور پرتو سے جسم انسانی تیار ہوتا ہے۔ اور معدہ وغیرہ دیگر اعضاء کہ جن پر انسان کے ارادہ کو کوئی دسترس حاصل نہ ہے ان کے افعال اور حرکات بھی اسی اعلیٰ شخصیت کی بدولت ہوتی ہیں۔ بلکہ حق تو یہ ہے۔ کہ کسی انسان کا انسان ہونا اسی باطنی شخصیت پر موقوف اور منحصر ہے۔ اور اس مادی شخصیت پر ہرگز نہیں جس کا تعلق حواس خمسہ ظاہرہ کے ساتھ ہے۔ اور یہی وہ شخصیت ہے جو جسم کے کثیف حجابات کے درمیان بھی عمدہ عمدہ خیالات اور اعلیٰ ادراکات پیدا کرتی ہے۔ الہامات غیبی کا تعلق بھی اسی شخصیت سے ہے۔ اور یہی وہ قوت ہے۔ جو کہ انبیاء علیہم السلام کے قلوب میں ان چیزوں کا القا کرتی رہتی ہے۔ کہ جس کو اللہ ربّ العزت کی طرف سے بھیجی ہوئی وحی کہتے ہیں۔ پھر گا ہے گا ہے یہی وحی مجسم ہو کر نظر آتی ہے۔ کہ جس کو اللہ ربّ العزت کا فرشتہ کہتے ہیں۔ جو کہ آسمان سے نازل ہوتا ہے۔

ان علمائے محققین کی رائے ہے۔ کہ انسان کی یہ دوسری شخصیت حواس باطن کے ذریعے مدرک ہوتی ہے۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ ہپناٹزم کے ذریعے جو لوگ مقناطیسی نیند سوتے ہیں ان میں بھی پسندیدہ عقل روشن، نظر دورس اور نفوس کے پوشیدہ اسرار میں اثر و نفوذ۔ مخفی باتوں کے معلوم کرنے کی صلاحیت اور اپنی حالت حاضرہ کے اعتبار سے جاہل اور غبی ہونے کے باوجود دنیا کے وسیع اقطار و اکناف میں سیر و سفر اور یہ تمام چیزیں اور ان کے علاوہ دوسری فوق العادت قابلیتیں اس بات کی قوی دلیل ہیں۔ کہ ہر انسان کے اندر ایسی باطنی شخصیت پائی جاتی ہے۔ جو کہ جسمانی حیات کے پردوں میں مستور ہے۔ اور وہ اسی وقت ظاہر ہوتی ہے۔ جب کہ اس کا جسم عنصری طبعی یا صناعی نیند میں مصروف ہو جاتا ہے۔

پھر رویٔے صادقہ بھی جو کہ صبح صادق کی طرح وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ اور جن کے ذریعے انسان غیبی امور اور آئندہ واقعات کو دریافت کر لیتا ہے۔ یا جن سے بعض اوقات ایسے مشکل مسائل حل کر لیتا ہے جنہیں وہ حالت بیداری میں ہرگز حل نہیں کر سکتا۔ یا پھر جن میں وہ بعض اوقات ایسے اعمال کر گزرتا ہے۔ کہ جن کی وہ حالت بیداری میں کبھی ہمت اور جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ اس بات کی دلیل ہے۔ کہ انسان کے لئے اس کی ظاہری شخصیت کے علاوہ ایک اور باطنی شخصیت ہے۔ جو کہ پہلے سے کہیں زیادہ قوی۔ بلند اور ترقی یافتہ ہے اس استدلال کے علاوہ اور بھی متعدد امور ہیں جن کا اس تحقیقاتی انجمن نے نہایت دقیقہ رسی کے ساتھ عمیق مطالعہ کیا۔ پھر ساتھ ہی ان تجربات کا جائزہ بھی لیا۔ جو کہ ان سے پہلے کیے جا چکے تھے۔ اور آخر کار انہوں نے علم ارواح اور ان کے لطائف و کوائف کا کھلے دل سے اقرار کیا۔ اور یہ علم ایک روحانی سائنس کی طرح یورپ کے تمام ممالک میں مروج اور مدون ہو گیا ہے۔ اور یورپ کے ہر بڑے شہر میں اس کی روحانی یونیورسٹیاں اور باقاعدہ کمیٹیاں مقرر ہو گئی ہیں۔ اور اس روحانی علم یعنی سپر چولزم (Spiritualism) کے باقاعدہ کالج اور اس کے بے شمار مدرسے بھی کھل گئے ہیں۔ اس سلسلے میں کیمبرج یونیورسٹی کے مشہور ماہر علم النفس پروفیسر ڈاکٹر مائیرس نے۔ جو کہ اس کمیٹی یا کونسل کے بھی خاص رکن تھے نے انسانی شخصیت ہیومن پرسنیلٹی (Human Persoinaltiy) پر ایک نہایت ضخیم کتاب لکھی جس کے مختلف ابواب مقناطیسی نیند عبقریت وحی اور شخصیت باطنہ پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ لہٰذا ہم ذیل میں مذکورہ کتاب سے چند اقتباسات دیتے ہیں۔

1- مذکورہ کتاب کے صفحہ نمبر 77 اور اسکے بعد والے صفحات پر پروفیسر صاحب نے سب سے پہلے ان ریاضی دانوں کا ذکر کیا ہے۔ جو کہ مشکل سے مشکل مسائل ریاضی کا درست حل مقناطیسی نیند کے اندر فوراً بغیر کسی غور و فکر کے معلوم کر کے بتا دیتے ہیں مزید برآں یہ کہ اگر ان سے پوچھا جائے کہ تمہیں یہ جواب کیسے معلوم ہوا؟ تو وہ بجز

اس کے کچھ نہیں کہہ سکتے۔ کہ ہم نے حل کر دیا ہے۔ مگر یہ معلوم نہیں کہ کس طرح حل کرلیا ہے اس سلسلے میں پروفیسر صاحب نے اپنی کتاب میں بیدار نامی ایک شخص کا ذکر کیا ہے۔ جو کہ بڑے سے بڑے عدد کے متعلق بتا دیتا ہے۔ کہ وہ کن اعداد کے ضرب دینے سے حاصل ہوتا ہے مثلاً ایک بار اس سے پوچھا گیا کہ وہ کیا کیا اعداد ہیں۔ کہ جن کو ضرب دے دی جائے تو 17861 کا عدد حاصل ہو۔ تو اس نے کسی غور وتامل کے بغیر فوراً کہہ دیا۔ کہ 337 کو 53 سے ضرب دینے سے مطلوبہ اعداد حاصل ہو جائیں گے۔ پھر جب اس سے پوچھا گیا کہ کس قاعدہ اور حساب سے تو اس نے کہا! کہ میں یہ نہیں بتا سکتا گویا اس کا یہ جواب ایک طرح کا طبعی تقاضا تھا کہ جس میں انسان کے ارادے۔ اور فہم کو قطعاً دخل نہیں ہوتا۔

2- پروفیسر صاحب لکھتے ہیں۔ کہ میں یقین کرتا ہوں۔ کہ اس قسم کے واقعات دنیا میں پہلی بار ظاہر نہیں ہوئے۔ بلکہ اس سے پہلے بھی اس قسم کے اعلیٰ حالات اور واقعات اگلے لوگوں کے علم میں آ چکے ہیں یہ سب ہمارے وجود باطنی اور جسم روحانی کے کرشمے۔ اور کارنامے ہیں، جو کہ ہر دور اور ہر زمانہ میں موجود رہے ہیں۔

3- پروفیسر صاحب لکھتے ہیں۔ کہ اب میں پورے وثوق اور جزم سے کہہ سکتا ہوں۔ ''کہ ہر انسان میں ایک روح کا وجود یقینی ہے جو اپنے قوت و جمال کا اکتساب عالم روحانی سے کرتی ہے۔ اور ساتھ میں اس بات کا بھی یقین کرتا ہوں۔ کہ تمام عالم میں ایک روح اعظم اور نور محیط سرایت کئے ہوئے ہے۔ جس کے ساتھ انسانی روح کو اتصال ہوسکتا ہے''۔

4- اپنی اس تحقیق کے ساتھ پروفیسر مائرس نے فرانس کے ایک مشہور پروفیسر ایبو سے بھی نقل کیا ہے۔ کہ انسان کی باطنی شخصیت ہی وہ چیز ہے۔ جس کو عام لوگ وحی کہتے ہیں۔ اس حالت کے لئے طبعی صفات اور خصائص ہیں۔ جو کہ اس کے ساتھ ہی مختص

ہیں۔

5- آخر میں ہم ''رسل ویلز'' کی شہادت پر اکتفا کرتے ہیں۔ جو کہ طبیعات میں ڈارون کا ہم پلہ اور اس کا شریک خیال کیا جاتا ہے۔ اس نے عجائبات روح پر ایک مفصل کتاب لکھی۔ جس میں وہ ان الفاظ میں برملا اعتراف کرتا ہے۔ ''میں کھلا ہوا مادہ پرست اور دہریہ تھا۔ میرے ذہن میں ایک لمحہ کے لئے بھی یہ خیال نہ آ سکتا تھا۔ کہ میں کسی وقت روحانی زندگی کا اظہار کروں گا۔ جو کہ دنیا میں کارفرما ہے۔ مگر میں کیا کروں۔ میں نے پے در پے ایسے مشاہدات محسوس کئے کہ جن کو ہرگز نہیں جھٹلایا جا سکتا اور انہوں نے مجھے مجبور کر دیا ہے۔ کہ میں ان چیزوں کو حقیقی اور واقعی تسلیم کروں۔ اگرچہ مدت تک میں انہیں تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ تھا کہ یہ آثار روح سے سرزد ہوتے ہیں۔ مگر ان مشاہدات نے رفتہ رفتہ میری عقل کو متاثر کر دیا ہے نہ بطریق استدلال و حجت۔ بلکہ یہ مشاہدات کے پیہم تواتر کا اثر تھا جس سے مین بجز روح کے وجود کے اعتراف کے۔ اور طریقہ سے بچ ہی نہیں سکتا تھا۔

بہر حال یورپ کے اساتذہ اور ان کے علم جدید نے روح کے متعلق جو بھی تحقیقات کی ہیں اس سے وہ ان نتائج پر پہنچے ہیں۔ جو کہ کیمل فلا مریان کے نزدیک حسب ذیل ہیں۔

1- روح جسم سے جداگانہ ایک مستقل وجود رکھتی ہے۔

2- روح میں اس قسم کی خاصیتیں ہیں۔ جو کہ اب تک علم جدید کی رو سے غیر معلوم تھیں۔

3- روح حواس خمسہ کی وساطت کے بغیر متاثر ہو سکتی ہے یا دوسری اشیاء پر اپنا اثر ڈال سکتی ہے۔

4- روح آئندہ واقعات سے واقف ہو سکتی ہے۔

2-ملکوتیات

القرآن: فَسُبۡحٰنَ الَّذِیۡ بِیَدِہٖ مَلَکُوۡتُ کُلِّ شَیۡءٍ وَّاِلَیۡہِ تُرۡجَعُوۡنَ.
ترجمہ: ''پاک ہے۔ وہ ذات جس کے ہاتھ ہر شے کی سلطنت ہے۔ اور اسی کی طرف وہ سب چیزیں رجوع کرنے والی ہیں''۔
الحدیث: اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ تَعَالٰی اَلۡعَقۡلُ.
ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ نے جو چیز سب سے پہلے پیدا فرمائی۔ وہ عقل ہے''۔

عالم ملکوت

واضح رہے کہ جس طرح عالم ارواح کا مبداء حضور اقدس ﷺ کی روح پاک ہے۔ کہ جس کی تفصیل پچھلے باب میں درج کر چکا ہوں اسی طرح عالم ملکوت کا مبداء عقل کل ہے ایک اور بات اچھی طرح سمجھ لیں ''کہ جہان کے باطن کو ملکوت اور ظاہر کو ملک کہتے ہیں''۔

درحقیقت ہر چیز کا ملکوت اس کی جان ہوتی ہے۔ جس سے کہ وہ قائم رہتی ہے۔ لہذا تمام چیزوں کی جان بلحاظ صفت قومیت خداوند کریم قائم ہے۔ جیسا کہ خود اللہ رب العزت نے فرمایا!

''بِیَدِہٖ مَلَکُوۡتُ کُلِّ شَیۡءٍ''

اس لئے ہر چیز قائم بالذات نہیں۔ بلکہ ذات خداوندی کے ذریعے قائم ہے۔ اور ہر

چیز کا ملکوت اس چیز کے مناسب ہوتا ہے۔ جیسا کہ اللہ ربّ العزت نے ارشاد فرمایا:

القراٰن ''اَوَلَمْ يَنظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ وَّاَنْ عَسٰى اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ ج فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ''

ترجمہ: ''کیا انہوں نے نگاہ نہ کی آسمانوں اور زمینوں کی سلطنت میں اور جو چیز اللہ تعالیٰ نے بنائی۔ اور یہ کہ شاید ان کا وعدہ نزدیک آ گیا ہو۔ تو اس کے بعد اور کون سی بات پر یقین لائیں گے''۔

ملکوت کی حقیقت

ملکوت کی حقیقت کیا ہے اس مسئلہ کو سمجھانے کے لئے چند عبارات تحریر کر رہا ہوں۔ کہ

1- جو چیز کسی سے بنے وہ ملک ہے۔ اور جو بغیر کسی کے بنے یعنی صرف ''کن'' سے وہ ملکوت ہے یعنی عالم اجسام ملک ہے۔ اور عالم امر ملکوت ہے۔

2- چاند۔ سورج۔ ستارے آسمانوں کا ملکوت ہے۔ اور پہاڑ۔ دریا وغیرہ زمین کا ملکوت ہے۔

3- مخلوق کی ظاہری تکوین ملک ہے باطنی تکوین ملکوت ہے۔ لہٰذا ہمارا جسم ملک ہے۔ اور ہماری روح ملکوت ہے۔

4- عالم شہادت ملک ہے۔ اور عالم غیب ملکوت ہے۔

5- جس کی ملکیت کا انسان دعویٰ کر سکے وہ ملک ہے۔ اور جہاں کسی کا دعویٰ نہ چلے وہ ملکوت ہے مثال کے طور پر ہم جانور کے جسم کے مالک ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ ملک ہے۔ اور اس کی روح کا اللہ ربّ العزت کے سوا کوئی مالک نہیں ہے۔ لہٰذا ملکوت عالم کے ظاہری اعضاء پر ہمارا دعویٰ ہے۔ لہٰذا یہ ملک ہے اس کے دل و دماغ اور روح پر

کسی کی ملکیت نہیں۔ وہ ملکوت ہے۔

6- عشاق کی نظر میں انبیائے کرام علیہم السلام اور بالخصوص حضور پُر نور ﷺ زمین و آسمان۔ بلکہ عرش و کرسی کے ملکوت ہیں۔ اور باقی لوگ ملک۔ ''وَمَا خَلَقَ اللّٰہُ مِنْ شَیْءٍ'' لہٰذا یہ آیت یا تو ملکوت پر معطوف ہے۔ یا پھر اس کے مضاف الیہ ''السمٰوات والارض'' پر ''من شیء'' میں ساری چیزیں داخل ہیں۔ مگر چونکہ آسمان اور زمین اور ان کی ملکوت ایک امتیازی شان رکھتی ہے۔ اس لئے خصوصیت سے ان کا ذکر درج بالا آیت میں پہلے خصوصیت سے کیا گیا یعنی یہ لوگ کیا اللہ ربّ العزت کی ہر پیدا کی ہوئی چیز یا پھر ہر چیز کی ملکوت میں غور نہیں کرے۔ کیونکہ ہر چیز کا باطن ملکوت ہے۔

ضروری نوٹ

قدرت نے ہر چیز میں ظاہر رکھا ہے۔ اور باطن بھی ظاہر کو خلق اور باطن کو ملکوت کہتے ہیں۔ اور ظاہر کو ''بصارت'' سے دیکھا جاتا ہے۔ اور باطن کو ''بصیرت'' سے دیکھتے ہیں۔ عقل والے لوگ ظاہر خلق سے خالق ہستی کو استدلال سے پہچانتے ہیں۔ مگر قلب والے لوگ ملکوت کے ذریعے عالم غیب کا شہود یعنی مشاہدہ کرتے ہیں جس سے انہیں ایقان والا۔ بلکہ عیان والا ایمان نصیب ہوتا ہے۔ اللہ ربّ العزت فرماتا ہے:

''وَكَذٰلِكَ نُرِیْٓ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِیَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ''

اللہ ربّ العزت تا قیامت اپنے خاص بندوں کو عالم کا ملکوت- ناسوت- جبروت۔ بلکہ لاہوت دکھاتا ہی رہے گا۔ اور اگر یہ عطائیں نہ ہوں تو انسان اور حیوان میں پھر فرق کیا رہ جائے گا۔ بلکہ صوفیائے کرام فرماتے ہیں۔ کہ عقول والوں کیلئے استدلال ہے۔ مگر قلوب والوں کیلئے دروج ہے اللہ ربّ العزت ہم کو عقل سلیم عطا فرمائے۔ اور قلب مؤمن بھی

نصیب کرے جو ایمان سے ایقان سے محروم رہا وہ طغیان کے جنگل میں سرگرداں رہا لہٰذا ہدایت کیسے ملے گی؟

ملکوتیات کی اقسام

ملکوتیات کی دو بڑی اقسام ہیں:

1- ارواح　　　2- نفوس

i- عالم ارواح

عالم ارواح کی بھی دو اقسام مزید ہیں:

1- علوی ارواح　　　2- سفلی ارواح

علوی ارواح

علوی ارواح میں انسان اور فرشتوں کی ارواح ہیں۔

سفلی ارواح

اس میں جنات۔ شیاطین۔ اور حیوانات کی ارواح کے ساتھ ساتھ نباتات نامیہ کی ارواح شامل ہیں۔

مگر ان تمام ارواح کا مبداء ومنشاء حضور اقدس ﷺ کی روح پاک ہے۔ جیسا کہ پچھلے صفحات میں مفصل طور پر تحریر کر چکا ہوں۔

ii- عالم نفوس

ملکوتیات کی دوسری بڑی قسم نفوس اور اس کی اقسام ہیں اس کی بھی مزید دو اقسام ہیں۔

1- علوی نفوس　　　2- سفلی نفوس

علوی نفس

اس میں آسمانوں ستاروں اور بروج کے نفوس میں شامل ہیں۔

سفلی نفوس

اس میں زمینی اجسام کے نفوس وغیرہ شامل ہیں۔

ان کی مزید دو اقسام ہیں:

1-مرکب 2-مفرد

مرکب نفوس

مرکب جمادت اور نباتات پر مشتمل ہے۔

جمادات کے ملکوت کی الگ خاصیتیں اور طبیعتیں ہیں۔ جیسا کہ مختلف پتھروں کی خاصیتیں اور ان کی طبیعتیں وغیرہ اسی طرح اور جمادات کی خاصیتوں اور طبیعتوں کو قیاس کر لیں۔ اور نباتات کا ملکوت نفس نامیہ (بڑھنے والا) ہے۔ اور اس کی بھی خاصیتیں اور طبیعتیں ہیں۔

مفرد نفوس

مفرد نفوس میں اربعہ عناصر اور اس کی خصوصیات طبائع سے ملکوت ہوتی ہیں جیسا کہ

پانی:- پانی کی طبیعت۔ رطوبت اور سردی ہے۔ اور اس کی خاصیت پیاس کو دور کرنا ہے۔

آگ:- آگ کی طبیعت۔ خشک۔ اور گرم ہے۔ اور جلا دینا اس کی خاصیت ہے۔

خاک:- خاک کی طبیعت خشک اور سرد ہے اور چیزوں کا اگانا اس کی خاصیت ہے۔

ہوا:- ہوا کی طبیعت رطوبت اور حرارت ہے۔ اور اس کی خاصیت روح کو مدد دینا ہے۔

اس قسم کے عالم کا منشاء عقل ہے ارواح اور نفوس کی ملکوتیات نباتات میں جمع ہیں۔

یہی وجہ ہے۔ کہ نباتات کی ملکوت کو روح نامیہ۔ نفس نامیہ بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ وہ عالم حیوانی اور جمادی کے درمیان وسیلہ ہے اس میں نشوونما کی خاصیت۔ جو کہ حیوانات میں ہے۔ مگر جمادات میں نہیں ہوتی۔ اس لئے اسے ذوات الروح کی قسم سے شمار کرتے ہیں اور ان کی ملکوت کو روح نامیہ کہتے ہیں۔ اور چونکہ اس میں حس اور حرکت نہیں ہوتی۔ جو کہ جمادات کی خاصیت ہے۔ اس واسطے اِس کو ذوات النفوس کی قسم سے شمار کیا جاتا ہے۔ اور اس کی ملکوت کو نفس نامیہ کہتے ہیں علوی اور سفلی ارواح کی ہر طرح کی ملکوت میں دوسرے ملکوت کی خاصیتیں بھی پائی جاتی ہیں۔ جیسا کہ ارواح کی ملکوت میں ملکوت نفوس کی خاصیتیں پائی جاتی ہیں۔ اور ملکوت نفوس میں ارواح کی ملکوت کی خاصیتیں پائی جاتی ہیں۔ لیکن چونکہ ہر ایک میں وہ خاص قسم غالب ہے۔ اس لئے دوسری قسم کا خیال نہ کیا گیا۔ اگر ان میں سے ہر ایک کی شرح بیان کروں گا تو وہ بہت ہی طول اور طویل ہو جائے گی۔ آخر کار تمام اقسام کی مخلوق دو اقسام میں منقسم ہوتی ہے یعنی ملک اور ملکوت جسے خالق اور امر بھی کہتے ہیں۔ اور اللہ ربّ العزت نے ان سب کا ذکر اس ایک آیت میں کر دیا ہے۔

القران: ''اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ قف يُغْشِى الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا لا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍ م بِاَمْرِهٖ ط اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ط تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝'' (سورۂ اعراف آیت 54)

ترجمہ: ''بے شک تمہارا ربّ اللہ تعالیٰ ہے۔ جس نے آسمان اور زمین چھ دن میں بنائے۔ پھر عرش پر استوار ہوا۔ جیسا کہ اس کی شان کے لائق ہے رات دن کو ایک دوسرے سے ڈھانپتا ہے۔ کہ جلد اس کے پیچھے لگا آتا ہے۔ اور سورج اور چاند اور تاروں کو بنایا۔ اس کے حکم دبے ہوئے ہیں۔ سن لو! اسی کے

ہاتھ سے ہے۔ پیدا کرنا۔ اور حکم دینا۔ بڑی برکت والا ہے اللہ تعالیٰ ربّ سارے جہان کا''۔

اے کریم کارساز و بے نیاز
دائم الاحسان شرمندہ نواز (اعلیحضرت رحمۃ اللہ علیہ)

فقیر کی درخواست

اللہ ربّ العزت کی خالقیت کا ظہور اس سے ہے۔ کہ اس نے آسمان اور زمین بنائی۔ اور اس حکمت کا ظہور اس سے ہے۔ کہ اس نے یہ سب چھ دن میں بنائے۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں۔ کہ اللہ ربّ العزت نے چھ مختلف اقسام کی مخلوق پیدا فرمائی۔

1- ارواح۔

2- ملکوتی چیزیں مثلاً فرشتے - جنات - عقول مفرد اور عقول مرکب۔

3- نفوس: جیسے تارے۔ انسان۔ اور حیوانات کی نفوس۔

4- اجسام مفرد۔ جیسے عرش و کرسی - جنت۔ اور دوزخ۔

5- مفرد اجسام۔ جیسے آگ - پانی - ہوائیں۔ کہ جنہیں چار عناصر کہا جاتا ہے۔ اور مرکب اجسام چونکہ عرش اعظم تمام لطیف اجسام کا مبداء ہے۔ اور فیض روحانی کے قابل ہے۔ اس لئے اس پر تسلط فرمایا۔ اور یہ تسلط تمام عالم پر تسلط ہے۔ لہٰذا اے انسان ''اگر تو اپنے میں غور کرے تو سارا عالم تیرے اندر بند ہے۔

اے تن ربّ سچے دا حجرہ وچ پا فقیرا جھاتی ہو
نہ کر منت خواج خضر دی تیرے اندر آب حیاتی ہو

تیرا بدن زمین ہے۔ تیرا سر آسمان ہے۔ تیرا دل عرش الٰہی ہے۔ تیرا سرّ کرسی ہے ان سب میں روح کا حکم جاری و ساری ہے۔ اللہ ربّ العزت نے تیرے دل کو اپنی تجلی گاہ بنایا ''ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَى الْعَرْشِ'' تجھ پر کبھی نفس کی رات کی تاریکی چھا جاتی ہے۔ اور کبھی

قلب کے انوار کا دن تجلی کرتا ہے اس نے عالم ارواح میں انبیائے کرام علیہم السلام۔ اولیائے کرام اور علمائے دین گویا کہ روشنی والے چاند تارے بھیجے ہیں۔ اور سرکارِ دوعالم ﷺ سورج ہیں۔ اور یہ تمام حکم الٰہی سے اپنا اپنا کام کر رہے ہیں"۔ حاجت مندوں کو فیض بانٹ رہے ہیں۔ دنیا کے دن رات اس سورج سے بنتے ہیں دل کی دنیا کے دن اور رات ''حضور اقدس ﷺ کے نگاہ کرم سے ہوتے ہیں۔ اور ان کی نگاہ کرم سے ہی ہوتے ہیں ان کی نگاہ کرم دل پر پڑی تو دل کا دن نکل آیا بیداری آگئی ہم ان کی نگاہ سے ہٹ گئے تو دل میں رات آگئی یعنی غفلت پیدا ہوگئی اللہ کرے ہم دن یعنی بیداری میں مریں"۔ اور رات یعنی غفلت میں نہ مریں اسی لئے مرتے وقت کلمہ شریف پڑھاتے ہیں۔ کہ میت کا دن نکل آئے۔ اور بیداری میں جائے۔ ورنہ وہ کلمہ تو پڑھتا ہی تھا مخلوق دوقسم کی ہے۔ ایک وہ جو صرف امر ''کن'' سے پیدا ہوئی بلا واسطہ وہ عالم امر کہلاتی ہے۔ جیسے روح وغیرہ دوسری وہ جو امر الٰہی سے بواسطہ مادہ پیدا ہوئی وہ عالم خلق ہے گویا کہ جسمانیات خلق ہیں۔ اور روحانیات عالم امر۔ ''لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ'' اللہ ربّ العزت ان سارے عالمین کا ربّ ہے تَبَارَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ۔

آسمان زمین کو گھیرے ہوئے ہے۔ اور ہمیشہ اسے فیض دیتا ہے۔ مگر عرش معلّٰی آسمان کو گھیرے ہوئے ہے۔ اور احکام الٰہیہ کا ہیڈ کوارٹر ہے۔ اور سلطنت الٰہیہ کا دارالخلافہ کہ جہاں سے عالم میں احکامات جاری ہوتے ہیں آسمانوں اور زمینوں میں یونہی انبیائے کرام علیہم السلام گویا مختلف آسمان ہیں۔ جو کہ اپنی اپنی امتوں کو گھیرے ہوئے ہیں۔ اور ان کو ہزار ہا فیض دیتے ہیں ان کی امتیں گھری ہوئی فیض لینے والی زمین ہیں۔ اور حضور انور ﷺ گویا کہ عرش الٰہی ہیں۔ کہ جن کے گھیرے میں دیگر انبیائے کرام علیہم السلام بھی ہیں۔

عالم امر سے مراد اجسام کی ضد ہے۔ جو کہ ناپ تقسیم اور تجزی کے قابل نہیں ہے۔ اور دوسرے یہ کہ ''کن'' کے کہنے سے بے توقف موجود ہو گیا ہے۔ اور عالم خلق سے مراد وہ

لطیف یا کثیف اجسام مراد ہیں۔ جو کہ ناپ' تقسیم اور تجزی کے قابل ہیں۔ اگر چہ وہ بھی کن کے کہنے سے پیدا ہوئے ہیں۔ لیکن وسیلے۔ اور ایک مدت کے بعد پیدا ہوئے ہیں۔ جیسا کہ اللہ ربّ العزت ارشاد فرماتا ہے!

القرآن ''خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ''

ترجمہ: ''یعنی اس نے زمینوں اور آسمانوں کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا''۔

لیکن امر میں ارواح کی ملکوتیات بھی شامل ہیں۔ اور ساتھ ہی ملکوتیات نفوس بھی۔ جیسا کہ اللہ ربّ العزت فرماتا ہے:

''یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحُ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّی''

''اے محمد ﷺ! تجھ سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں سو کہہ دے کہ روح امر ربی ہے''۔

پھر مزید فرمایا کہ

''اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرَاتٌ بِاَمْرِہٖ''

''سورج چاند اور ستارے اس کے حکم سے مسخر ہیں''۔

لیکن انسانی روح ''من روحی'' کے لگاؤ کے اختصاص کے شرف سے مشرف ہے۔ اسی لئے

''وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْ اٰدَمَ وَحَمَلْنَاھُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ''

''ہم نے عزت دی بنی آدم کو اور اٹھایا اسے جنگل اور سمندر میں''۔

کرامت فرمایا۔ بہر حال ظاہری معنی تو اس آیت کے آپ نے پڑھ لئے۔

وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْ اٰدَمَ...... کے حقیقی اور باطنی معانی

یعنی ''سورۂ بنی اسرائیل آیت 15 'میں اللہ رب العزت فرماتا ہے!

''کہ ہم نے عزت دی بنی آدم کو اور اٹھایا اسے جنگل اور سمندر میں''۔

یہ تو تھا اس کا ظاہری مفہوم اب میں اس کے باطنی اور حقیقی معنی کی طرف آتا ہوں۔ کیونکہ قرآن مجید کے ظاہری معنی بھی ہوتے ہیں۔ اور کچھ باطنی معنی بھی ہوتے ہیں اللہ رب العزت اس آیت شریف میں فرماتا ہے! کہ ''ہم نے اسے اٹھایا ہے'' اس میں جنگل سے مراد عالم اجسام ہے۔ اور بحر سے مراد عالم ملکوت ہے۔ کیونکہ سمندر اور جنگل آدمی کو نہیں اٹھا سکتے۔ کیونکہ بندہ پر امانت کا بوجھ ہے۔ لہٰذا جس بوجھ کو سمندر جنگل اور پہاڑ وغیرہ نہ اُٹھا سکے۔ جیسا کہ۔ اللہ ربّ العزت خود قرآن مجید میں فرماتا ہے:

''فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ'' (سورۂ احزاب آیت 42)

''پس انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا۔ اور عاجز رہ گئے پس انسان نے اسے اٹھا لیا''۔

سے ظاہر ہوتا ہے اسے انسان نے اٹھایا۔ پھر سمندر اور جنگل انسان کو مع اس بوجھ کے کیونکر اٹھا سکتے ہیں۔ چونکہ انسان نے باوجود عاجزی اور کمزوری کے ہماری امانت کا بوجھ اٹھا لیا۔ اس لئے ہم بھی اپنی قوت۔ قدرت اور مہربانی سے اس کا بوجھ اٹھاتے ہیں وہ اس واسطے کہ ہم معشوق کے عاشق ہیں۔ جو کہ انسان کو ہم سے یا ہم کو انسان سے تعلق ہے۔ وہ نہ کسی اور کو ہم سے یا ہم کو کسی اور سے ہوا ہے۔

چونکہ عاشق اور معشوق کے درمیان کسی کی بھی رسائی نہیں ہوسکتی۔ اور معشوق کی معشوقی کے ناز کا بوجھ صرف عاشق ہی اٹھا سکتا ہے۔ اور عاشق کی عاشقی کے ناز کا بوجھ فقط معشوق ہی سہار سکتا ہے۔ جس طرح کہ معشوق عاشق کے لئے ضروری ہے۔ اور عاشق کے نزدیک معشوق کا مدعا اپنے مدعا سے بڑھ کر ہوتا ہے بہ نسبت اس کے برخلاف۔ بلکہ معشوقانہ نازو ادا عاشق کو ہی مناسب ہے۔ اس لئے کہ عاشق اپنے وجود سے پہلے معشوق کا مرید نہ تھا۔ مگر معشوق عاشق کے وجود سے پہلے عاشق تھا۔ جیسا کہ ''حضرت خرقانی قدس سرہ العزیز''

فرماتے ہیں۔ کہ اسے خواہش پیدا ہوئی تو ہمیں چاہا۔

شمعٔ ازلی دل منت پروانہ
جانی ہمہ عالمے مرا جانا نہ
از شو سر زلف چو زنجیر تو خاست
دیوانگیٔ دل من دیوان

اگرچہ۔ حقیقت میں عاشق اور معشوق کے درمیان بیگانگی اور دیوانگی نہیں۔ تُو مَیں اور مَیں تُو اور جامے کا سرتُو اور جڑ ہم۔

رفتہ رفتہ وہ میری ہستی کا ساماں ہو گئے
پہلے جاں پھر جانِ جاں پھر جانِ جاناں ہو گئے

بلکہ جامۂ عشق کا تانا ''تُحِبُّهُمْ'' اور بانا ''يُحِبُّوْنَهٗ'' ہے۔ اور اس حدیث شریف کے فساد کا رشتہ

''فاجبت ان اعرف'' ''میں چاہتا تھا کہ میں پہچان جاؤں''۔

پھر وہ فلسفہ اٹھ گیا یاد رہے کہ یہ بات اپنے ہونٹوں سے بالکل نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سی تیزی اور سختی چاہیے تا کہ

''اِنْ هِیَ اِلَّا فِتْنَتُكَ'' ''یہ تیرا ہی برپا کیا ہوا فساد ہے''۔

کہہ سکے۔ اگرچہ اسے بھی ''لَنْ تَرَانِیْ'' کی چوٹ سے سزا دی اور فرشتوں نے بھی کوہ طور پر

''یا ابن النساء الحیض مالتراب ورب الارباب''

ترجمہ (اے ناپاک عورت کے بیٹے! مٹی اور رب الارباب میں کیا نسبت) کا طعنہ دیا۔ لیکن حضرت موسیٰ بالکل خاموش رہے۔ اور یہ نہ کہا۔ کہ مجھے تو۔

''ما التراب و رب الارباب''

کہتے ہو۔لیکن کیوں نہیں کہتے۔

''ما التراب الارباب والتراب''

ربّ الارباب اور مٹی میں کیا نسبت ہے ہم خاکی مقام میں راضی تھے۔ اور پہلے ہی استغفار کہہ کر دوری کی بدبختی کے گوشے کی گودڑی کو سلامتی کے کندھوں پر رکھ کر فراغت کے کونوں میں ہمت کے پاؤں تسلیم کے دامن میں لپیٹ کر

''والحزم سوء الظن'' ''بدظنی احتیاط ہے''۔

پڑھتے تھے۔ اور جانتے تھے کہ اگرچہ بادشاہوں کے قرب میں بے شمار فائدے ہیں۔ مگر مصیبتیں بھی بے شمار ہی ہیں''۔

وما السلطان الا البحر عظما

وقرب البحر مخدور العواقب

''ازروئے عظمت بادشاہ بے شک بڑے سمندر کی طرح ہے۔ لیکن سمندر کے قرب میں انجام سے ڈر لگتا ہے''۔

اور ہم بھی اس بات سے ڈرتے ہیں۔ کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ سرمایہ بھی ہاتھ سے جاتا رہے۔ اور نفع بھی نہ ملے۔ اور آخر کار پانی میں خاکی مرتبہ نہ طلب کرنا پڑے۔ جیسا کہ ''یٰلَیۡتَنِیۡ کُنۡتُ تُرَابًا'' کاشکے میں خاک ہو۔

ہمیں اسی کی بے علت عنایت گمنامی اور بدبختی کے گوشے سے بغیر ہمارے اختیار کے نکال لائی اور ''بیدی'' کی تخمیر کی کرامت سے مخصوص کیا۔ اور ''من روحی'' کی اضافت کی خلعت ہمارے وجود کو پہنائی اور

''جَعَلۡنٰکُمۡ خَلٰٓئِفَ الۡاَرۡضِ'' ''ہم نے تمہیں زمینوں پر اپنا خلیفہ بنایا''۔

کی خلافت کے تخت پر بٹھایا۔ اور

''یُحِبُّھُمۡ'' کا تاج ہمارے سر پر رکھا۔

پھر تمام فرشتوں سے ہمارے تخت کے سامنے سجدہ کروایا۔ اور پھر ملک اور ملکوت میں ہمیں

''اَلَّذِیْنَ اَصْطَفَیْنَا مِنْ عِبَادِنَا'' ''یہ ہمارے برگزیدہ بندے ہیں''۔

کی آواز دی اور ہماری معشوقی کے جس قدر بھی سامان ہیں۔ اگر ان سب کو گنا جائے تو کس کے اندر ان کو سننے کی تاب ہے۔ پھر دونوں جہان اور مشرق تا مغرب میں ہمارے ناز کی بارگاہ کے کس قدر خزانے بھرے ہوئے ہیں۔

وَحَمَلْنَاهُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (سورۂ بنی اسرائیل آیت 70)

اب میں ''سورۂ بنی اسرائیل نمبر 70'' کی حکمت سے متعلق کچھ تحریر کرنا چاہوں گا اس آیت کریمہ میں ''بر'' سے مراد عالم ملک ہے۔ اور ''بحر'' سے مراد عالم ملکوت ہے۔ جس طرح جہاں جنگل ہے وہ ملکوت کی سطح پر ہے یعنی آدمی کو ملک اور ملکوت میں ہم نے اٹھایا۔ لہٰذا اس کے یہ معنی ہیں۔ کہ ملک ہے خواہ ملکوت ہم نے اسے اس کی عقل اور روح کے نور کے پرتو سے پیدا کیا ہے تاکہ جتنے بھی ذی روح ہیں سب اس کی روح کے نور کے پرتو سے زندگی پائیں۔ جیسے فرشتے جن۔ شیاطین۔ حیوان نباتات اور جو ذی نفوس ہیں مثلاً ستارے۔ آسمان۔عناصر جمادات۔ نباتات اور زمین وغیرہ سب کے سب اس کی عقل کے نتیجہ سے نفوس کا سرمایہ حاصل کئے ہوئے ہیں۔ مگر عقل روح کے لئے ایسی ہے۔ جیسی آدم کے لئے حوّا ہے۔ یعنی اس کے بائیں پہلو سے پیدا کی گئی ہے۔ لہٰذا اسی بات کی طرف قرآن مجید میں واضح اشارہ فرمایا گیا ہے۔ اس کے علاوہ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے:

''شادرھن وخالفوا ھن''

یعنی ''کاموں میں عورت سے مشورہ کرو۔ لیکن جو کچھ وہ کہے۔ اس کے برخلاف عمل کرو۔

کیونکہ ان کے خلاف ہی درست رائے ہے''۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ وہ پہلو کی ہڈی سے بنائی گئی ہے۔ جو کہ ٹیڑھی ہوتی ہے۔ کہ جو کچھ وہ کہیں اس کے برخلاف عین ٹھیک ہوتا ہے''یہاں پر بھی روح کی بائیں پسلی سے عقل پیدا کی گئی ہے اس کے ساتھ اللہ ربّ العزت کی ذات وصفات کے بارے میں مشورہ کرنا چاہیے۔ اور اس معاملہ میں جہاں تک اس کی رسائی ممکن ہو سکے سمجھو کہ اللہ ربّ العزت اس سے پاک ہے۔ اور اس کی رائے کے برخلاف ہے۔ جیسا کہ عقل کہتی ہے۔ بلکہ اس کی ذات کو اسی سے معلوم کر سکتے ہیں''۔

''عرفت ربی بربی ولولا فضل ربی ما عرفت ربی''

''میں نے اپنے پروردگار کو اپنے پروردگار کے وسیلہ سے پہچانا۔ اگر فضل ربی نہ ہوتا تو میں اپنے پروردگار کو نہ پہچان سکتا''۔

ایک عجیب وغریب غیبی لطیفہ

اب یہاں ایک انتہائی عجیب وغریب غیبی لطیفہ ظاہر ہو رہا ہے وہ ایسے ہے۔ کہ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ

i) اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ تَعَالٰی اَلْقَلَمَ

ii) اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ تَعَالٰی اَلْعَقْلَ

iii) اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ تَعَالٰی رُوْحِیَ

یعنی ''اللہ تعالیٰ نے جو چیز سب سے پہلے پیدا کی وہ 1- عقل تھی' 2- قلم تھا' 3- اور میری روح تھی''۔

میرے مطابق یہ تینوں بلا شک وشبہ بالکل درست ہیں۔ اور تینوں دراصل ایک ہی ہیں بہت سے لوگ اس مسئلہ میں حیرت زدہ بھی ہیں۔ کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے جو فرمایا ہے ''اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ اَلْقَلَمُ'' اس میں قلم سے مراد ہمارا قلم نہیں ہے۔ بلکہ خداوندی قلم

ہے۔ اور ظاہر ہے۔ کہ اللہ ربّ العزت کا قلم اللہ تعالیٰ ہی کی عظمت اور جلال کے مناسب ہو گا۔ اور وہ روح پاک محمدی ﷺ ہے۔ اور جس وقت روح محمدی ﷺ کے نور کو ہیبت کی نگاہ سے دیکھا۔ تو اس پر حیا کا غلبہ ہو گیا۔ اور روح حیا سے پھٹ گئی۔ پھر عقل اس کی ایک شق ہو گئی یہی سبب ہے۔ کہ جہاں عقل ہوتی ہے۔ (وہاں حیا بھی ہو گا۔ اور جہاں عقل نہیں ہو گی) وہاں حیاء بھی نہ ہو گا ''وسر الحیاء شعبة من الایمان'' یعنی حیا ایمان کی ایک شاخ ہے قلم حق کی دو شاخوں میں سے '' ایک روح پاک محمدی ﷺ تھی اور دوسری عقل اور یہ ایک ہی قلم کے دو شق تھے''۔ اور اس قلم نے قدرت خداوندی کے ہاتھ میں جو چاہا وہ ملک اور ملکوت کی نسبت لکھ دیا۔ اور پھر اسی کی قسم بھی کھائی

''نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا یَسْطُرُوْنَ'' ''اور اس قلم کی قسم ہے جو لکھتا ہے''۔

اور اسی اظہار قدرت پر اللہ ربّ العزت نے ثناء فرمائی۔

''اَوَلَیْسَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰی اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَھُمْ بَلٰی وَھُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِیْمُ ○ اِنَّمَآ اَمْرُہٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ ○ فَسُبْحٰنَ الَّذِیْ بِیَدِہٖ مَلَکُوْتُ کُلِّ شَیْءٍ وَّاِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ ○

(سورۂ یٰسین آیت نمبر 81 تا 83)

''کیا جس نے زمین اور آسمان کو پیدا کیا ہے وہ اس بات پر قادر نہیں۔ کہ ان جیسی اور پیدا کر سکے۔ اور وہ بہت بڑھ کر پیدا کرنے والا اور جاننے والا ہے۔ جس وقت کسی بات کا ارادہ کرتا ہے۔ تو اسے کہتا ہے۔ کہ ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے پس پاک ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں ہر شے کی حکومت ہے۔ اور سب اسی کی طرف لوٹ جائیں گے''۔

3- ملک اور ملکوت کے مختلف درجات

القرآن : اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ص وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ○ (البقرہ: آیت 164)

ترجمہ: ''بے شک آسمان اور زمین کی پیدائش، رات دن کا بدلتے آنا اور کشتی کہ دریا میں لوگوں کے فائدے لے کر چلتی ہے۔ اور وہ جو اللہ نے آسمان سے پانی اتار کر مردہ زمین کو اس سے جلایا۔ اور زمین میں ہر قسم کے جانور پھیلائے۔ اور ہواؤں کی گردش اور وہ بادل جو آسمان اور زمین کے بیچ میں حکم کا باندھا ہے ان سب میں عقل مندوں کے لئے ضرور نشانیاں ہیں۔''

الحدیث: حضور سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

خلق الله التراب التربة یوم البست وخلق الجبال فبها یوم الاحد وخلق الشجر یوم الاشنین وخلق المكر یوم الثلثاء وخلق النور یوم الاولیاء وبث فیها الدواب یوم الخمیس وخلق ادم بعد العصر من یوم الجمعة فی اخر ساعة فیما بین العصر والیل.

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ نے قبر کی مٹی ہفتہ کے روز پیدا کی' پہاڑ اتوار کو' درخت سوموار کو۔ منگل کو مکر۔ بدھ کو نور بنایا۔ جمعرات کو اس میں چوپائے وغیرہ پھیلائے۔ اور جمعہ کے دن عصر کے بعد دن کے آخری حصہ میں عصر اور شام کے مابین آدم کو پیدا کیا''۔

ایک بات واضح رہے'' کہ عالم ارواح کے مبداء سے لے کر عالم اجسام کی انتہا تک اللہ ربّ العزت نے دنیا و آخرت ملک اور ملکوت وغیرہ سے مختلف عالم پیدا کئے۔ اور ہر عالم میں ایک خاص قسم کی روحانی اور جسمانی مخلوق پیدا کی اور پھر ان سے علیحدہ علیحدہ اقسام بنائیں اور ان ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ خاصیتیں عنایت فرمائیں۔ جیسا کہ فرشتوں کی کئی ایک اقسام ہیں مثلاً کروبی۔ عرشی اور روحانی وغیرہ۔ اور ہر ایک آسمان کے فرشتے الگ الگ اقسام کے ہیں۔ مثلاً سفرہ۔ بررہ اور کرام کاتبین اور ہوا کے فرشتے علیحدہ علیحدہ بنائے کہ جن کے ماتحت بادل' بارش' گرج اور بجلی وغیرہ ہے۔ بلکہ یہاں تک مروی ہے۔ کہ ایک بوند پر ایک فرشتہ مؤکل ہے تا کہ اس قطرے کو اسی مقام پر پھینکے کہ جہاں پر اللہ ربّ العزت نے حکم فرمایا ہے۔ اور وہ فرشتے۔ جو کہ دریاؤں پر مؤکل ہیں زمین کے فرشتے دن اور رات کی حفاظت کے فرشتے۔ ذکر کی مجالس اور حلقوں کے فرشتے۔ رحموں کے فرشتے۔ وہ فرشتے۔ جو کہ لوگوں کے دلوں میں خطرات ڈالتے ہیں وہ فرشتے جو انسان سے شیطانوں کو دفع کرتے ہیں وہ فرشتے جو بچوں کی حفاظت کرتے ہیں منکر نکیر۔ جو کہ سوالات کرتے ہیں وہ جو خوشخبری دینے والے ہوتے ہیں وہ جو عذاب دینے والے ہوتے ہیں موت کے فرشتے۔ جو کہ روح قبض کرتے ہیں زندگی کے فرشتے جو روح پھونکتے ہیں وہ فرشتے جو روزی پر مؤکل ہیں وہ فرشتے جو ایلچی کا کام دیتے ہیں وہ فرشتے کہ جن کا صرف ایک پر ہے یا دو ہیں یا تین ہیں۔ اور یا چار پر ہوتے ہیں۔ اور وہ فرشتے۔ جو کہ بہشت کے داروغے ہیں۔ اور وہ جو جنت کے خادم ہیں۔ اور وہ جو دوزخ پر مامور ہیں۔ کہ جو دوزخ کے مالک ہیں۔ اور دوزخ کے

خدمت گار اور موکل ہیں۔ اور وہ فرشتے جو دوزخ کے مختلف طبقات پر مامور ہیں زمین کے فرشتے۔ اور وہ فرشتے کہ جن کے متعلق آسمانوں اور زمینوں کی رگیں ہیں وہ فرشتہ جس پر زمین کی گائے۔ اور مچھلی ہے۔ اور فرشتہ روح جو ایک صف میں ہوں گے۔ اور باقی دیگر تمام فرشتے جو ایک صف میں ہوں گے آسمان زمین اور دنیا و آخرت میں ان کے علاوہ اور دیگر کئی اقسام کے فرشتے ہیں۔ کہ جن کو اللہ ربّ العزت کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ لہٰذا جبکہ مختلف جہانوں میں سے ایک جہان یعنی عالم فرشتگان کی یہ کیفیت ہے۔ اور ہر ایک میں خاص خاص صفت ہے۔ تو اب قیاس کرنا چاہیے کہ باقی جتنے بھی جہان ہیں ان میں کس قدر مخلوق ہوگی مثلاً انسان بری اور بحری حیوانات اس کے بعد جن اور شیاطین کے متعلق کیا کچھ ہے۔

ابالہ- مروہ- غول- خناس- اہل جابلقا- جابلسیا- یاجوج ماجوج اور دیگر اقسام کہ جن کا ذکر لاتعداد حکایات اور روایات میں ملتا ہے۔ جبکہ ہمیں ان کی حقیقت صحیح طرح سے معلوم نہیں ہے۔ اس کے علاوہ حور- غلمان- صیفتان اور دیگر جنتی بچوں کی تفصیل اور اقسام اس کے علاوہ نباتات- جمادات اور معدنی چیزوں کی مختلف اجناس- کثیف- لطیف- بسیط اور مفرد و مرکب اور عناصری اجسام اس کے بعد نور اور تاریکی کی اقسام پھر جوہر- عرض- رنگ- طبیعتیں خواص- صفات- نتائج- شکلیں- ہیئتیں- حقیقی تصور- اسرار حقائق- لطائف اور ظاہری حواس مثلاً سونگھنا- دیکھنا- سننا چکھنا اور چھونا اس کے بعد باطنی حواس مثلاً عقل - دل- سر- روح- خفی- اخفیٰ اور بشری قویٰ۔ جیسے قوت متخیلہ متوہمہ- متذکرہ- حافظہ- مدبرہ حس مشترکہ اور دیگر دوسری اقسام کی قوتیں۔ جیسے جاذبہ- ماسکہ- ہاضمہ- دافعہ اور دیگر اقسام کی قوتیں اور عمل کہ جن کی شرح ہو ہی نہیں سکتی۔ اور علویات کی اقسام میں سے۔ عرش- کرسی- لوح- قلم- برج- آسمان- فلک افلاک- ستارے- سیارے- منزلیں- بیت المعمور- سدرۃ المنتہیٰ- قاب قوسین- لامکاں اور دیگر اقسام کی ان گنت موجودات اور مخلوقات کی کس طرح شرح بیان کرسکتے ہیں؟ کہ جن سے سوائے اللہ ربّ العزت کے۔ اور

کوئی واقف ہے ہی نہیں، جیسا کہ اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں فرماتا ہے!

''وَمَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ط

''اور تمہارے ربّ کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا''۔ سے ظاہر ہے۔

مختلف جہانوں کی تعداد روایات کے مطابق اٹھارہ ہزار ہے۔ اور بعض روایات کے مطابق ستر ہزار ہے۔ اور ایک روایت کے مطابق تین سو ساٹھ ہزار ہے۔ مگر سب کی سب دو جہانوں یعنی عالم امر اور عالم خلق میں جنہیں عالم ملک اور عالم ملکوت کہتے ہیں مندرج ہیں۔ جیسا کہ خود اللہ ربّ العزت فرماتا ہے

''اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبَارَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ''

''اسی کے واسطے خلق اور امر ہے اہل جہان کا ربّ برکت والا ہے''۔

لیکن ملک اور ملکوت کے مدارج اور مراتب سے پہلا یعنی اول درجہ اور مرتبہ ارواح انسانی کا ہے۔ جیسا کہ میں پچھلے صفحات میں تفصیلاً تحریر کر چکا ہوں اس کے بعد ارواح جن کا پھر ارواح شیاطین کا پھر ارواح حیوانات کا پھر نفوس نامیہ کی ارواح کا۔ جو کہ نباتات سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور جن کو ارواح نامیہ بھی کہتے ہیں اس کے بعد مفردات اور عناصر کی خصوصیات اور طبیعتوں کا ذکر ہے۔ مگر نفوس کے مراتب کہ جن کا مبداء عقل کل ہے۔ عقلوں کے بعد عرش و کرسی اور لوح و قلم کا مرتبہ ہے اس کے بعد نفوس سماوی۔ مثلاً افلاک اور بروج وغیرہ کا مرتبہ ہے۔ اس کے بعد ستاروں- سیاروں وغیرہ کا مرتبہ ہے۔ پھر دیگر مراکز کے نفوس کا مرتبہ ہے مثلاً مرکز اثیر۔ جو کہ آگ کا مرکز ہوتا ہے۔ اور ہوا جو بادوزاں کا مرکز ہے۔ اور سمندر۔ جو کہ پانی کا مرکز ہے۔ اور زمین۔ جو کہ خاک کا مرکز ہے۔ اس کے بعد معدنیات کے نفوس کا مرتبہ ہے۔ پھر اس کے بعد مرکبات کے نفوس کا مرتبہ ہے۔ پھر اس کے بعد عناصر اور مفردات کے نفوس کا مرتبہ ہے۔ لیکن یہ سب مختصر طور پر مختلف جہانوں کے ملکوتیات کے مراتب اور مدارج ہیں اور یہ سب وہ ہیں۔ جو کہ صاحب بصیرت سالک کو

قرآن مجید کے مطابق:

''سَنُرِیْهِمْ اٰیَاتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْ اَنْفُسِهِمْ'' (حم السجدہ-53)

''یعنی عنقریب ہم اپنی نشانیاں آفاق میں اور ان کی جانوں میں انہیں دکھائیں گے''۔

کے مقام میں کشف ہوتے ہیں اور اگر مراتب میں تقدیم اور تاخیر ہو جائے تو یہ پس و پیش عالم کشف کے سہو کے سبب نہیں ہوتی۔ بلکہ یا تو وہ غیبی معانی کے ادراک کرنے میں نفس کی نظر کی خطاء سے واقع ہوتی ہے یا پھر قوت متخیلہ کے سہو سے۔ جو کہ عالم غیب اور عالم شہادت کی سفیر ہے ہوتی ہے۔ اس لئے جو روح کی نظر کو عالم غیب میں منکشف ہوتا ہے وہ قابل فرق اور نقصان نہیں ہوتا خاص طور پر اس وقت جبکہ روح کی نظر کو نور الٰہی کی امداد حاصل ہو۔ جیسا کہ خود اللہ ربّ العزت نے فرمایا! ہے۔ کہ

''اتقوا فراسة المؤمنین فانه ینظر بنور اللّٰهِ''

''مؤمن کی فراست سے ڈرو۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے''۔

مگر چونکہ غیب کے معنوں میں جو کچھ نفس کا نصیب ہوتا ہے وہ روح کی تابعداری سے حاصل ہوتا ہے۔ اور اس کی راہ گزر قوت متخیلہ اور متوہمہ ہوتی ہے۔ اس لئے اس میں کمی و بیشی کا فرق نہیں ہے۔ اور یہی سبب ہے۔ کہ جن معنوی اور مراتب کا اوپر ذکر چکا ہوں۔ ان کی بابت اہل طریقت اور اہل حکمت کا ہر ایک گروہ مختلف الرائے ہے۔

نظارہ کناں روئے خوبت
چوں در نگرند از کرنہا
در روئے تو روئے خویش بنید
زینست تفاوت نشا نہا

(عمر خیام)

عوالم ملک کا ظہور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی نظر میں

عوالم ملک کے ظہور کے مراتب کو حضرت سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ اس طرح روایت فرماتے ہیں:

''لما اراد الله ان يخلق هذا العالم خلق جوهرا فنظر اليه بنظر الهيبة فذاب فصار نصفين من هيبة الرحمن نصفه نارو نصفه ماجرى النار على الماء مصعد منه دخان فخلق من ذالك الدخان السموات وخلق من زبدة الارض''

''جب اللہ ربّ العزت نے اس جہان کو پیدا کرنا چاہا تو پہلے جوہر کو پیدا کیا۔ اور پھر اسے ہیبت کی نگاہ سے دیکھا تو جوہر لرزا اور اس کے دو حصے ہو گئے ایک آگ اور وہ جو پانی پر ہوتا ہے پس اس سے دھواں اٹھا اس دھویں سے آسمان بنائے۔ اور اس کی جھاگ سے زمین''۔ (آسمان اور زمین ایک ہی جوہر سے اس وجہ سے۔ اور اس ترتیب سے پیدا ہوئے ہیں۔)

جیسا کہ پچھلے صفات میں ایک حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اس کا تفصیل سے تذکرہ لکھ چکا ہوں اور اس کے بعد آیت شریف میں بھی انہی معانی کا تفصیل سے بیان کیا ہے۔ لیکن قدرے مجمل طور پر۔ اور اس کی تفصیل حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یوں فرمائی ہے۔ کہ زمین کو ہفتہ کے روز پیدا کیا گیا۔ اور یہ اس کے جہاں کے دنوں میں سے پہلا دن ہے۔ اس لئے کہ دن زمانے کا نتیجہ ہے۔ اور زمانہ آسمان کی گردش کا نتیجہ ہوتا ہے لہٰذا جب آسمان بنائے۔ اور ان کو گردش دی تو پھر دن پیدا ہوئے۔ لہٰذا سب سے پہلے دن ہفتہ کو قرار دیا۔ پھر دوسرے روز یعنی اتوار کو پہاڑ بنائے تاکہ زمین پانی پر قائم رہ سکے۔ اور سوموار کے روز نباتات اور درخت وغیرہ پیدا فرمائے۔ اور منگل کے روز ہر قسم کے رنج اور مکروہ پیدا کئے

بدھ کے روز انوار پیدا کئے گئے۔ اور جمعرات کو ہر قسم کے حیوانات پیدا کئے گئے۔ اور جمعہ کے روز اخیر وقت میں حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا یہ مراتب تو ظاہری طور پر قرآن مجید میں بھی ہیں اب میں ان کی حقیقت کی طرف آتا ہوں۔

جوہر حقیقی

یہاں پر ایک بات اچھی طرح ذہن نشین کر لیں کہ محمدی ﷺ نور کے پرتو نے ارواح کی ملکوتیات کے مراتب سے لے کر آخر موجودات یعنی عناصر مفرد کے ملکوت تک گزر کیا۔ اور جس نے نفوس کی ملکوتیات پر گزر کیا وہ بھی نور محمدی ﷺ کا پرتو تھا جسے ہم نے عقل کہا ہے یہاں تک کہ وہ پرتو عناصر کے ملکوت تک پہنچ گیا۔ ''جیسا کہ پرکار جب دائرے کے گرد گھومتی پھرتی ہے۔ اور جب انتہا کو پہنچتی ہے۔ تو پھر دونوں ایک ہی نقطے پر آن ملتے ہیں اور پھر ایک ہی ہو جاتے ہیں''۔ اس طرح یہ دونوں لطیفے یعنی روح اور عقل جب ارواح کی ملکوتیات اور نفوس کی ملکوتیات کے مختلف عوالم کے گرد گھومے۔ اور پھرے۔ (تو آخر کار عناصر کے ملکوت میں آکر وہ دونوں مل گئے) اور لطائف میں جو صاف چیز تھی وہ علوی اور سفلی مراتب میں خرچ ہو چکی تھی۔ لہٰذا ٹھیک اسی طرح۔ جیسا کہ ہم قند کی مثال میں درج کر چکے ہیں اور تلچھٹ یا قطارہ (شیرے) کی مانند رہ گئی اس سے جوہر پیدا ہوا۔ جیسا کہ پہلے ذکر کر چکا ہوں کہ

''خلق جوهرا فنظر اليه بنظر الهيبة نذابه''

''پس اس جوہر کو ہیبت کی نگاہ کی تاثیر سے دو ٹکڑے کر دیئے''۔

ایک سے آگ پیدا ہوئی اور دوسرے سے پانی پھر آگ کو پانی پر غلبہ دیا تو پانی سے دھواں اُٹھا جو بسبب گرم اور لطیف ہونے کے اوپر کو چڑھ گیا۔ اور پانی سبب کثیف ہونے کے نیچے رہ گیا۔

پھر جب اس جوہر کو اللہ ربّ العزت نے اپنی نظر سے مشرف کیا تو وہ حصہ جو نور محمدی ﷺ سے اُٹھا اس جزو سے علیحدہ ہو گیا۔ جو کہ عقل سے اٹھا تھا اور اس نے اللہ ربّ العزت کی نظر سے شوق کی غذا حاصل کی اور پھر اوپر جانے کا ارادہ کیا۔ لیکن جو کچھ کہ عقل سے اٹھا وہ تر دامنی کے باعث وہیں رہ گیا۔ اور یہ اختلاف اس لئے واقع ہوا کہ روح محمدی ﷺ میں مختلف صفات پائی جاتی تھیں۔ جیسا کہ پچھلے صفحات میں تحریر کر چکا ہوں ان صفات میں سے ایک صفت محبت بھی ہے۔ اور ایک جلانے والی آگ کی صفت اور ساتھ ٹھہرا ہوا نور بھی۔ پس وہ لطیفہ جس نے روح محمدی ﷺ کے نور سے ارواح کے مراتب پر گزر گیا وہ محبت کا نتیجہ تھا اور وہ جو عقل سے اٹھا اور مراتب نفوس پر گزر گیا وہ نور تھا اسی لئے محبت اور عقل میں مخالف اور ناسازش ہے۔ اور یہ کبھی بھی آپس میں موافقت نہیں کرتے۔ اور جہاں محبت ڈیرے ڈالتی ہے۔ وہاں سے عقل کوچ کر جاتی ہے۔ اور جہاں عقل مقام کرتی ہے۔ تو محبت وہاں سے جنگل کا راہ لے لیتی ہے۔

عشق آمد و کرد عقل غارت
اے دل تو بجاں برایں بشارت
ترک عجب است عشق جاودانی
کز ترک عجب نیست غارت
مے خواست کہ درعبارت آرد
وصف رخ او با ستعارت
نور رخ او زبانہ زو
ہم عقل بسوخت وہم عبارت

(عمر خیام)

چونکہ وہاں ملکوت عناصر میں محبت کئی پردوں کے پیچھے تھی۔ اور ارواح ملکوت اور

مراتب پر گزر چکی تھی۔ اور اپنے محبوب سے دور پڑی ہوئی تھی۔ اس لئے ملکوت عناصر میں اس لطیفۂ عقل کو دیکھ کر اور اس سے آشنائی کی بوسونگھ کر کیونکہ عقل بھی اسی ولایت سے آئی تھی۔ اور اگرچہ یہ بادشاہ تھی۔ اور وہ دربان۔ لیکن آشنائی۔ اور ہم ولایت ہونے کے سبب ''حب الوطن من الایمان'' کے شوق نے اس کے وجود میں جوش مارا اور خود بخود زبان سے نکل گیا۔

بوئے جوئے مولیاں آید ہمے
بوئے یار مہربان آید ہمے
آب جیحوں از نشان روئے دوست
خنگ مارا تامیاں آید ہمے

اپنے محبوب کے غلبہ محبت کی وجہ سے ٹھٹھری ہوئی عقل کی گردن میں بازو ڈالے۔ اور پھر کہا۔

بریاد لبت لعل نگیں مے بوسم
دانم چوبدست نیست ایں مے بوسم

لیکن اس مقام میں جب حقیقی محبوب کی نظر کا ذوق اس کی جان کے حلق میں پڑا تو اس میں شوق کی آگ لگ گئی اور عقل کی گردن سے ہاتھ ہٹا لئے اب یہاں پر جوہر کے دو حصے ہو گئے۔ اور وہ حصہ کہ جو عقل کا تھا وہ ڈرا اور ڈر کے مارے پگھل گیا۔ اور پانی بن گیا۔ اور دوسرا نصف۔ جو کہ محبت کا تھا اسے محبوب کی نظر سے غذا مل گئی اور شوق نے اس پر غلبہ پایا۔ اور محبت کی آگ بھڑک اٹھی اور اس شعلہ سے آگ پیدا ہوئی اور جس طرح آگ۔ پانی میں دشمنی اور مخالفت ہے اسی طرح عقل اور عشق میں بھی ایک دوسرے کی ضد ہے پس عشق نے عقل سے موافقت نہ کی اور اسے دور پھینکا اور چھوڑ دیا۔ اور پھر اپنے محبوب کا ارادہ کیا۔

افلاک اور ستارے

پس اس حصے سے کہ جس نے اوپر کا رُخ کیا اس سے افلاک اور ستارے وغیرہ بنائے گئے۔

پہاڑ۔ دریا۔ دیگر اجناس

اور جو حصہ نیچے رہ گیا اس سے زمین پہاڑ دریا۔ اور دیگر اقسام تیار کی گئیں۔

موجودات کا بیج اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا

پس اس لطیفہ کو جو روحِ محمدی ﷺ کی محبت کی صفت سے پیدا ہوا پہلے ملکوت اور ارواح کے پاس لائے۔ اور پھر اسے جوہریت کے دروازے سے باہر لائے۔ اور پھر عالم ملک کے تمام ممالک کی سیر کروائی یہاں تک کہ ملک ملکوت اور کائنات کا کوئی ایسا ذرّہ نہ رہ جائے کہ جس میں اسرار محبت سے کوئی سرّ نہ ہو۔ اس لئے کہ کوئی مخلوق اپنے خالق کی محبت سے اپنی استعداد کے مطابق خالی نہ رہ جائے۔ اور یہ کہ اسی محبت کی وجہ سے اپنی زبان حال سے اللہ ربّ العزت کی حمد وثناء کہے

''وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰـكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ''

(سورۃ بنی اسرائیل آیت 44)

''کوئی ایسی چیز نہیں جو اس کی تعریف اور پاکی نہ بیان کرتی ہو۔ لیکن عام لوگ ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے''۔

گر عرضہ دہند عاشقان راں
ہر ذرّہ کہ ہست در شمار آید
طاؤس و مگس بیگ محل باشد
چوں باز غم تو در شکار آید

(خیام)

اے فرشتو! تم تسبیح پڑھنے کی لاف زنی نہ کرو۔ اور اپنے تئیں ہستی کے مقام میں خیال نہ کرو کہ

''نَحْنُ نُسَبِّحُ وَنُقَدِّسُ لَکَ''

''ہم ہی تیری پاکیزگی اور تسبیح بیان کرتے ہیں''۔

وہ کون اور کیا ہے جو ہماری پاکیزگی اور تسبیح بیان نہیں کرتا۔ اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں فرماتا ہے:

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ (سورۃ الحشر: 1)

''جو کچھ زمین اور آسمان میں ہے سب اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی بیان کرتے ہیں وہ پروردگار غالب اور حکمت والا ہے''

اللہ ربّ العزت فرماتا ہے! کہ ہماری غالب بارگاہ اس حمد وثناء سے کہ جو کوئی کرسکتا ہے۔ اعلیٰ و برتر ہے اہل زمین اور اہل آسمان۔ جو کہ تسبیح اور تقدیس بیان کررہے ہیں۔ اور کائنات کے ہر ایک ذرّہ سے مشاہدہ ہوتا ہے یہ سب ہماری جلالت مآب بارگاہ کی حمد وثناء کا پرتو ہے اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے!

سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّتِ عَمَّا یَصِفُوْنَ (سورۃ والصفت آیت 23)

''تیرا صاحبِ غلبہ پروردگار اس سے پاک ہے۔ جس سے وہ اسے موصوف کرتے ہیں''۔

لیکن یہ سب کچھ روحِ محمدی ﷺ کے آئینے کے وسیلے سے ہوا ہے۔ کہ جس نے کائنات کے ہر ذرّہ پر اپنا عکس ڈالا اور پھر سب کے سب تسبیح اور تقدیس کرنے والے تو ہو گئے۔ مگر سب نے یہ خیال کیا کہ یہ ثناء گوئی اس کی عبودیت کا خاصہ ہے۔ مگر انہیں یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اس حمد و ثناء کا منشاء اور منبع کہاں ہے۔ اور جب خلاصۂ موجودات حضور سرورِ کائنات ﷺ کی باری آئی تو اس کی طینت کے نقطہ کی پرورش کے بعد۔ جو کہ کائنات کے

درخت کا بیج ہے۔ پُر کار کی طرح ملک اور ملکوت کے گر پھیرایا گیا۔ اور تب کہیں جا کر درخت کی شاخ پر پھل لگا۔

قاب قوسین اور او ادنیٰ

چنانچہ ''قاب قوسین'' سے یہی مراد ہے۔ اور پھر ''اوادنیٰ'' کے تصرف سے اس کی حقیقت میں آنکھ کھولی یعنی دونوں جہاں کے غلاف سے اس کی ذات کو۔ جو کہ جمالِ حق کا آئینہ ہے باہر لائے تو اللہ ربّ العزت کی طرف سے خطاب ہوا۔ کہ اے محمد ﷺ! تو بھی باقی موجودات اور ملائکہ کی طرح ہماری بارگاہ کی ثناء کہہ۔

حضرت سیّدنا امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ کہ حضور سرکار دو عالم ﷺ نے اس آئینے کے عکس میں دیکھ لیا تھا۔ کہ اس بارگاہ سے جو ثناء گوئی تمام کائنات کو حاصل ہے یہ مستعار ہے۔ اور حضور اقدس ﷺ کی شریعت یہ ہے۔ کہ ''العارية مردودة'' (یعنی جو چیز مستعار لی جائے وہ ضرور واپس دی جاتی ہے)۔ اس لئے حضور پُر نور ﷺ قرآن مجید کی اس آیت کے مطابق

''اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا'' (سورۃ النساء آیت نمبر 58)

''اللہ تعالیٰ اس بات کا حکم کرتا ہے۔ کہ تم امانت والوں کو ان کی امانتیں واپس دو''۔

کے مطابق دو امانت واپس دیں اور عرض کی کہ لکنت والی حادث زبان سے تیرے جیسی قدیم ذات کی صفت کب ہوسکتی ہے

''لا احصی ثناء علیك''

''میں تیری صفت کماحقہ بیان نہیں کر سکتا''۔

تیری بے مثال ذات کی ثناء تیری با کمال صفات سے ہی ہوسکتی ہے۔

''انت کما اثنیت علٰی نفسك''

''تو ویسا ہی ہے۔ جیسی تو نے خود اپنی تعریف کی ہے''۔

یہاں پر نہ صرف فرشتے۔ جو کہ آدم کے مکتب کے نو آموز شاگرد ہیں۔ جیسا کہ

''یَاٰدَمُ اَنْبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ'' (سورۃ البقرہ آیت 33)

''اے آدم! انہیں ان کے نام بتاؤ''۔

سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ وہ اپنے نام تک نہیں جانتے۔ بلکہ آدم بھی۔ جو کہ ان کا معلم ہے۔ معہ اپنے تمام فرزندوں کے ثناخوانِ محمد ﷺ کے جھنڈے تلے ہوں گے

الحدیث: ''ادم ومن دونه تحت الموائی یوم القیامة ولا فخر ویهدی لواء الحمد ولا فخر''

''آدم اور اس کے سوا جتنے ہیں سب کے سب قیامت کے دن میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے یہ کوئی فخر کی بات نہیں وہ جھنڈا الحمد کا ظاہر ہوگا نہ کہ فخر کا''۔

اب یہاں یہ بات ثابت ہوتی ہے۔ کہ موجودات کا بیج بھی حضرت محمد ﷺ ہیں اور موجودات کے درخت کا پھل حضور اقدس ﷺ ہی ہیں اور حقیقت میں یہ سب کچھ وجود محمدی ﷺ ہی ہے۔

اور جو ملکوتیات ہیں۔ اگر انہیں اس درخت کی جڑیں فرض کر لیں اور جو جسمانیات ہیں ان کو تنا فرض کر لیں اور انبیاء علیہم السلام کو اس درخت کی شاخیں تصور کر لیں۔ اور فرشتے اس درخت کے پتے ہیں۔ مگر اس درخت کا پھل در حقیقت عبارت میں نہیں سما سکتا اور دو زبان قلم سے دو رخے کاغذ پر نہیں لکھ سکتے۔

لہٰذا ''جس طرح درخت پھل کے اندر بیج میں ہوتا ہے اسی طرح پھل درخت میں ہو گیا۔ اور درخت کا کوئی ذرّہ ایسا نہیں۔ جو کہ درخت کے وجود سے خالی ہو۔ اور یہ ایک بہت ہی بڑا بھید ہے۔ چونکہ بیج کا اصل (حقیقت) نور احدیت کا پرتو ہے۔ اس لئے درخت اور پھل کا کوئی ذرّہ نور احدیت کے پرتو سے خالی نہیں''۔

نحن اقرب......اور هو معكم......اور الله نور السموات...... اور

مایغرب عن ربك...... (سورۂ ق آیت 26 سورۂ نور آیت 35' سورۂ یونس)

یہاں پر

''نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدُ''

''ہم اس سے شاہ رگ کی نسبت زیادہ نزدیک ہیں''۔

اور ''هُوَ مَعَكُمْ '' ''اور وہ تمہارے ساتھ ہے''۔

کا بھید معلوم ہے۔اور

''اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ '' ''آسمانوں اور زمینوں کا نور اللہ تعالیٰ ہے''۔

کی خاصیت ظاہر ہوتی ہے۔اور

''مَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ''

'آسمانوں اور زمین کی چیزوں میں سے ایک ذرّہ بھی اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں''۔

کی حقیقت یہاں ظاہر ہوتی ہے۔

لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

واضح رہے کہ جس چیز کو اللہ ربّ العزت نے عالم معانی میں ظاہر فرمایا ہے۔تو عالم صورت میں بھی اس چیز کی ایک خاص صورت بنائی ہے پس ملک اور ملکوت کے معانی عوالم کی تمام صورت حضور اقدس ﷺ کا وجود مبارک ہے۔اور نور احدیت کے پرتو کی صورت ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ '' ہے۔اور انبیائے کرام علیہم السلام کی شریعت توحید کے بیج کو دلوں کی زمین میں بونے کے لئے ہے۔

جیسا کہ

''اَلدُّنْيَا مَزْرَعَةُ الْاٰخِرَةُ'' ''دنیا آخرت کی کھیتی ہے''۔

سے ظاہر ہوتا ہے یہی وجہ کہ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا ہے کہ

''امرت ان اقاتل الناس حتی یقولو لَآ اِلٰہَ اِلّا اللّٰہُ''

''مجھے اس بات کا حکم ہوا ہے۔ کہ لوگوں سے لڑوں، جھگڑوں، جہاں تک کہ وہ لَآ اِلٰہَ اِلّا اللّٰہُ کہہ دیں''۔۔لہٰذا یہ اشارہ ہے دلوں میں تخم توحید کے بونے کی طرف۔ جیسا کہ اللہ ربّ العزت فرماتا ہے

''ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا کَلِمَۃً طَیِّبَۃً ......'' (ابراہیم آیت 24)

''اللہ تعالیٰ نے مثال دی ہے۔ کہ کلمۂ طیبہ طیب درخت کی طرح ہے۔ کہ جس کی جڑ ثابت ہے۔ اور اس کی شاخیں آسمان میں ہیں سے کس کی طرف اشارہ ہے یہاں کلمۂ طیبہ سے مراد لَآ اِلٰہَ اِلّا اللّٰہُ ہے۔ اور شجرۂ طیب سے مراد محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم رسول اللہ ہیں۔

4-قالب انسان کی پیدائش

القرآن: اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ○ (سورۂ ص آیت 71)
ترجمہ: یعنی اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں انسان کو مٹی سے پیدا کرنے والا ہوں۔

الحدیث: قال اللّٰہُ تعالیٰ خمرت طینۃ ادم بیدی اربعین صباحا۔
ترجمہ: اللہ ربّ العزت نے آدم کی مٹی کو اپنے ہاتھ سے چالیس روز تک خمیر کیا۔

تفسیر عزیزی وغیرہ میں ہے۔ کہ اللہ ربّ العزت نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو حکم دیا۔ کہ تمام روئے زمین سے ہر قسم کی مٹی سے ایک ایک مٹھی خاک اٹھا لاؤ جب حضرت جبرائیل علیہ السلام نے زمین پر تشریف لا کر خاک اٹھانا چاہی۔ تو زمین نے سبب پوچھا حضرت جبرائیل امین نے سارا واقعہ بیان کر دیا تو زمین نے عرض کیا کہ میں اللہ ربّ العزت کی پناہ پکڑتی ہوں۔ کہ تو مجھ سے خاک اُٹھا کر انسان بنائے۔ کہ جس کی وجہ سے میرا کچھ حصہ جہنم میں پہنچ جائے جب جبرائیل علیہ السلام خالی واپس گئے۔ اور عرض کیا کہ اے باری تعالیٰ زمین نے تیری عزت کی پناہ پکڑی میں تیرے نام کی عزت اور ادب سے اس سے خاک نہ اُٹھا سکا تو اللہ ربّ العزت نے پھر حضرت اسرافیل اور میکائیل کو بھی باری باری بھیجا۔ مگر وہ بھی اسی طرح واپس آ گئے تو آخر میں حضرت ملک الموت کو بھیجا گیا انہوں نے

زمین کی ایک نہ سنی۔ بلکہ فرمایا کہ میں تو اللہ ربّ العزت کے حکم کا تابعدار ہوں۔ لہٰذا تیری عاجزی اور زاری کی وجہ سے اپنے ربّ کی اطاعت کونہیں چھوڑ سکتا اسی لئے اس کو جان نکالنے کا کام سپرد کر دیا گیا کہ تم نے ہی اس خاک کو زمین سے الگ کیا ہے۔ اور تم ہی اب اس کو ملاؤ اب انہیں حکم ہوا کہ اس خاک کو وہاں رکھو کہ جہاں آج خانہ کعبہ ہے اس کے بعد فرشتوں کو حکم ہوا کہ اس خاک کا مختلف پانیوں سے گارا تیار کرو۔ چنانچہ اس پر چالیس روز تک بارش ہوئی اور انتالیس دن تک تو غم و رنج کا پانی برسا اور ایک دن خوشی کا برسا اسی لئے انسان کو زیادہ رنج و غم رہتے ہیں اور خوشی بہت کم ہوتی ہے۔ پھر اس گارے کو مختلف ہواؤں سے اتنا خشک کیا کہ کھنکھنانے لگا۔ جیسے قرآن مجید ارشاد فرما رہا ہے ''صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ'' پھر فرشتوں کو حکم ہوا کہ اس گارے کو مکہ اور طائف کے درمیان وادیٔ نعمان میں عرفات پہاڑ کے نزدیک رکھو اس کے بعد حق تعالیٰ نے خاص اپنے دست قدرت سے اس گارے سے حضرت آدم علیہ السلام کا قالب بنایا۔ اور ان کی صورت تیار کی۔ فرشتوں نے کبھی ایسی صورت نہ دیکھی تھی۔ اور تعجب سے اس کے آس پاس پھرتے تھے۔ اور اس کی خوبصورتی سے حیران بھی تھے۔ اور ابلیس کو بھی اس سارے اعلان وغیرہ کی خبر ہو چکی تھی وہ بھی اس قالب کو دیکھنے آیا اس نے اردگرد پھر کر کہا کہ اے فرشتو! تم اسی کا تعجب کرتے ہو یہ تو اندر سے خالی جسم ہے۔ جس میں جگہ جگہ سوراخ ہیں اور اس کی کمزوری کا یہ حال ہے۔ کہ اگر بھوکا ہو تو گر پڑے۔ اور اگر خوب سیر ہو جائے تو چل پھر نہ سکے۔ لہٰذا اس قالب خالی سے کچھ نہ ہو سکے گا۔ پھر بولا۔ ہاں اس کے سینے کی بائیں طرف ایک بند کوٹھڑی ہے (دل) البتہ یہ خبر نہیں کہ اس میں کیا ہے؟ شاید کہ یہی لطیفہ ربانی کی جگہ ہو جس کی وجہ سے یہ خلافت کا حقدار ہوا۔ پھر روح کو حکم ہوا کہ اس قالب میں اور اس کے گڑھوں میں بھر جا جب روح قالب کے پاس پہنچی تو جسم کو تنگ و تاریک پایا۔ اور اندر جانے سے ٹھہر گئی بعض روایات میں آتا ہے۔ کہ تب نور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وہ قالب جگمگا دیا گیا یعنی وہ نور پیشانیٔ آدم علیہ السلام میں امانت رکھا

گیا اب روح آہستہ آہستہ داخل ہونے لگی ابھی سر میں تھی کہ حضرت آدم علیہ السلام کو چھینک آئی اور زبان سے نکلا ''الحمد للہ'' تو حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ''یرحمک اللہ'' اور یہی اب بھی سنت ہے۔ اور جب روح کمر تک پہنچی تو حضرت آدم علیہ السلام نے اٹھنا چاہا۔ مگر گر پڑے۔ کیونکہ نیچے کے دھڑ میں ابھی روح پہنچی نہ تھی حق تعالیٰ نے فرمایا ''خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَجَلٍ'' جب تمام بدن میں روح پھیل گئی تو حکم ہوا کہ فرشتوں کے پاس جا کر ان کو سلام کرو اور سنو! کہ وہ تمہیں کیا جواب دیتے ہیں تب حضرت آدم علیہ السلام ادھر تشریف لے گئے۔ اور فرمایا ''السلام علیکم'' تو فرشتوں نے جواب دیا ''وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ'' تو ارشاد الٰہی ہوا کہ یہی الفاظ تمہارے۔ اور تمہاری اولاد کے لئے مقرر کئے گئے حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا کہ مولا! میری اولاد کون؟ تب ان کی پشت پر دست قدرت پھیر کر اس سے ساری انسانی ارواح نکالی گئیں۔ اور حضرت آدم علیہ السلام کو سب دکھائی گئیں۔

درج بالا واقعہ ''حضرت مفتی احمد یار خان نعیمی صاحب'' کی تفسیر نعیمی سے لیا گیا ہے۔ جبکہ میرے نزدیک پیدائش آدم علیہ السلام کچھ یوں ہے۔ کہ

چونکہ انسانی قالب کو چار عناصر۔ 1- پانی۔ 2- آگ۔ 3- مٹی۔ 4- ہوا سے اللہ ربّ العزت نے پیدا کرنا چاہا۔ اس لئے ان عناصر کو عنصر کی حالت میں نہ رہنے دیا۔ بلکہ ان کو ادنیٰ درجات میں تبدیل کر دیا۔ پہلے اسے مرکب کے درجات میں لے گئے۔ کیونکہ عنصر مفرد جب تک مفرد ہونے کے مقام میں ہے وہ عالم ارواح سے نزدیک ہے۔ جیسا کہ پچھلے صفحات میں تحریر کر چکا ہوں اب چونکہ اسے مرکب بنانا ہے۔ اس لئے اسے مفرد ہونے کے مقام کو ضرور چھوڑنا چاہیے۔ اور مرکب ہونے کی حالت میں آنا چاہیے پس اس لئے ارواح سے ایک درجہ پہلے کی نسبت دور جانا پڑا اور جب نباتات کے مرتبہ پر پہنچے گا تو لازمی ہے۔ کہ وہ جمادی اور مرکبی کو چھوڑ دے۔ اس لئے پھر ایک اور درجہ عالم ارواح سے دور جانا پڑا اور اسی طرح جب نباتی سے حیوانی درجہ میں آیا تو ایک درجہ اور بھی عالم ارواح سے دور جانا

پڑا اب قالب انسانی سے نیچے کوئی درجہ نہیں رہا۔ اس لئے اسے ''اَسْفَلَ السَّافِلِیْنَ'' کہا اور یہ بات صرف اس لحاظ سے ہے۔ کہ عنصر تبدیل ہو کر ان درجات کی کمی کو پہنچا ہے ورنہ اگر ملکوت جمادی کی طرف خیال کیا جائے کہ جس طرح یہ انسانی مراتب کو پہنچا ہے۔ تو یہ درجات کی کمی نہیں۔ بلکہ درجات کی ترقی ہے۔ اور ہر ایک مقام میں عالم ارواح سے بجائے دور ہونے کے نزدیک ہوتا گیا۔ لیکن چونکہ ہم عالم عناصر کی بابت گفتگو کر رہے ہیں۔ جو کہ عالم ملک سے ہے۔ اور نہ کہ ملکوت سے ہے۔ لہٰذا اس اشارے کے موافق جو کیا گیا ہے۔ اور جو اوپر بیان ہو چکا ہے اس کے مطابق انسانی قالب تمام پیدائش سے ادنیٰ ہے۔ اور ''اَسْفَلَ السَّافِلِیْنَ'' اس کی حقیقت ہے۔ اور

''ثُمَّ رَدَدْنَاهُ اَسْفَلَ السَّافِلِیْنَ''

''پھر ہم نے اسے ادنیٰ سے ادنیٰ مخلوق کی حالت میں لوٹا دیا''۔

اس لئے ہے۔ کہ روح کو قالب سے تعلق دیا گیا ہے۔۔ لہٰذا یہاں یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ روح انسانی تمام مخلوقات سے اعلیٰ ہے۔۔ جیسا کہ اوپر درج کر چکا ہوں اور قالب انسانی ''اَسْفَلَ السَّافِلِیْنَ'' ہے اس مقام پر مندرجہ ذیل شعر کے معنی واضح ہو جاتے ہیں۔

جہاں را بلندی و پستی توئی
ندا نم کئی ہر چہ ہستی توئی

مجھ ناچیز کے ''شیخ سیّد افتخار احمد حسین شاہ گیلانی القادری قدس سرہ العزیز سجادہ نشین درگاہ حضرت محبوب ذات منڈیر سیداں شریف'' فرماتے تھے کہ

''فسبحان من جمع بین اقرب الاقربین والا بعد الابعدین بقدرۃ''

''پاک ہے وہ ذات جس نے قریب سے قریب اور بعید سے بعید کو اپنی قدرت کاملہ سے ایک جگہ جمع کر دیا''۔

انسانی قالب ''اَسْفَلَ السَّافِلِیْنَ'' اور روح انسانی کے اعلیٰ سے اعلیٰ ہونے میں یہ

حکمت ہے۔ کہ چونکہ انسان نے معرفت کی امانت کا بوجھ اٹھانا تھا۔ اس لئے اس میں دونوں جہان کی قوتیں بدرجۂ کمال ہونی چاہیں تھیں تا کہ دونوں جہان میں اس کی قوت کے مقابل اور کوئی چیز نہ ہو۔ اور یہ کہ امانت کے بوجھ کا متحمل بھی ہو سکے۔ اور یہ قوت اسے ازراہ صفات حاصل ہونا کہ ازراہ صورت اس لئے جو قوتِ انسانی روح میں اعلیٰ علیین ہونے کی وجہ سے ہے۔ جو کہ عالم ارواح میں فرشتوں اور شیاطین وغیرہ سے کسی کو بھی حاصل نہیں ہے۔ اور جو قوت انسانی نقص میں بلحاظ ''اَسْفَلَ السَّافِلِیْنَ'' ہونے کی وجہ سے ہے وہ عالم نفوس میں چوپاؤں اور درندوں وغیرہ میں سے کسی کو بھی حاصل نہیں ہے۔ اور یہ چاروں عناصر کہ جن سے انسان بنایا گیا ہے۔ اور یہ بھی ارواح کی تلچھٹ (گاد) سے بنائے گئے ہیں۔ جو کہ شیرہ کی طرح قند سے رہ گیا تھا کہ جس کا مفصل حال پچھلے صفحات میں درج کر آیا ہوں وہاں پر جو صفت ارواح میں تھی اسے ہم نے قند فرض کیا۔ اور جو باقی رہ گئی اسے شیرہ قرار دیا۔ جیسا کہ مختلف عوالم کے ظہور کے صفحات میں درج کیا ہے۔ اس لطیفہ کی روش کچھ اس قسم کی تھی کہ موجودات کا کوئی ذرّہ عالم ارواح کی صفات کی چاشنی کے بغیر نہ رہا اور وہ چاروں عناصر اگرچہ عالم ارواح سے باقی تمام موجودات کی نسبت زیادہ دور تھے۔ لیکن ان میں بھی عالم ارواح کے اوصاف پائے جاتے تھے۔ اور ان عناصر کا باقی تمام وجود عالم ارواح میں تھا۔ اگرچہ آدم کی مٹی کے خمیر میں تمام شیطانی - حیوانی - نباتی اور جمادی صفات موجود تھیں۔ لیکن چونکہ ''بیدی'' کے لگاؤ سے مخصوص ہوا۔ اس لئے ان صفات ذمیہ میں سے ہر ایک کے عوض صفات الوہیت سے ایک ایک سیپی موتی کی طرح عنایت ہوئی پس جبکہ آفتاب کی نظر کے تصرف سے سخت پتھر- لعل- یاقوت- زبرجد- زمرد- فیروزے۔ اور عقیق وغیرہ بن جاتا ہے۔ تو خمرت طینت آدم بیدی کی خصوصیت سے چالیس روز کے عرصہ میں کہ جس کا ہر دن ایک روایت کے مطابق ہزار سال کے برابر تھا' اور آدم کی آب و گل کی سیپی میں کس قسم کا گوہر پیدا ہوا ہوگا یہ شرف آدم کو روح کے داخل ہونے سے پہلے حاصل تھا اور

صرف قالب کے بنانے میں چالیس ہزار سال خرچ ہوئے۔

اللہ ربّ العزت ہی جانے کہ اس میں کیا کیا خزانے رکھے ہوئے ہوں گے۔ کیونکہ دنیاوی بادشاہوں کا قاعدہ ہے۔ کہ جب بھی کوئی عمارت بنواتے ہیں۔ تو پہلے خدمت گاروں کو اس پر لگاتے ہیں تاکہ خود مٹی سے ہاتھ آلودہ نہ کریں۔ لیکن جب خزانہ رکھنے کا موقع آتا ہے۔ تو تمام مزدوروں اور نوکروں کو ہٹا کر خود اپنے ہاتھ سے مٹی کھود کر خزانے کے موافق جگہ تیار کر کے خود اپنے ہاتھ سے خزانہ رکھتے ہیں اور پھر خزانے پر طلسم بناتے ہیں تاکہ دوسروں کی دست برد سے محفوظ بھی رہ سکے اسی طرح اللہ ربّ العزت نے بھی جب دنیا۔ اور آخرت۔ جنت و دوزخ وغیرہ ہر قسم کی موجودات وغیرہ تیار کروانا چاہی تو ہر موقع اور ہر مقام پر اپنے مختلف کارگزار چھوڑے۔ لیکن جب آدم علیہ السلام کی پیدائش کا وقت نزدیک آیا تو فرمایا!

”اِنِّیْ خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ“

”میں مٹی سے آدم بنانا چاہتا ہوں“۔

یعنی آدم کا پتلا مٹی سے میں خود بنانا چاہتا ہوں سب کو شبہ ہوا اور کہنے لگے کہ کیا آسمانوں اور زمینوں کو تو نے پیدا نہیں کیا تو اللہ ربّ العزت نے فرمایا کہ یہاں پر ایک خاص خصوصیت ہے۔ کیونکہ باقی سب کو میں نے ”کن“ کے کہنے سے پیدا کیا ہے:

”اِنَّمَا اَمْرُهٗ اِذَا اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ○“ (سورۂ یٰسین)

”جب ہم کسی چیز کو پیدا کرنے کا ارادہ کرتے ہیں۔ تو ہم کہہ دیتے ہیں۔ کہ ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے“۔

لیکن اس کو میں خود بغیر وسیلہ اپنے ہاتھوں سے بناؤں گا۔ کیونکہ اس میں گنج معرفت رکھنا ہے پس حضرت جبرائیل علیہ السلام کو فرمایا: کہ روئے زمین پر جا کر تھوڑی سی مٹی لا جب حضرت جبرائیل نے تھوڑی سی مٹی اٹھانی چاہی تو خاک نے پوچھا! کہ اے جبرائیل علیہ السلام

یہ کیا؟ تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ میں تجھے بارگاہ الٰہی میں لے جانا چاہتا ہوں تا کہ تجھ سے خلیفہ تیار کیا جائے تو خاک نے قسم دی کہ تجھے پروردگار کی قسم! مجھے نہ لے جا۔ کیونکہ مجھ میں آدم کے قرب کی تاب نہیں ہے۔ اور میں نے بڑی دوری اختیار کر رکھی ہے تا کہ قہر الوہیت کی سختی سے خلاصی پاؤں۔ کیونکہ قرب میں بہت خطرہ ہوتا ہے

''المخلصون علی خطر العظیم''

''مخلصوں کو بڑا خطرہ رہتا ہے''۔

جب حضرت جبرائیل علیہ السلام نے قسم سنی تو پھر واپس بارگاہ میں آ کر عرض کی کہ اے پروردگار! تو جانتا ہے۔ کہ خاک اس بارے میں انکار کرتی ہے۔ پھر اللہ ربّ العزت نے حضرت میکائیل علیہ السلام سے فرمایا کہ تو جا کر مٹی لا تو وہ بھی یہی سن کر واپس چلے آئے۔ پھر اللہ ربّ العزت نے حضرت عزرائیل علیہ السلام کو حکم دیا۔ کہ اگر نرمی اور تابعداری سے آ جائے بہتر ورنہ قہراً اور جبراً لے آؤ۔ تو حضرت عزرائیل علیہ السلام نے آ کر زبردستی زمین سے ایک مٹھی خاک کی اُٹھالی۔

ایک روایت میں درج ہے۔ کہ اس نے تمام روئے زمین سے چالیس ہاتھ مٹی اٹھائی اور اس میں تمام ذریات آدم کے ذرّے آ گئے۔ اور جس وقت کوئی شخص فوت ہوتا ہے۔ تو اسی جگہ دفن ہوتا ہے۔ کہ جہاں سے اس کی مٹی لی گئی تھی۔ پھر حکم ہوا کہ اس مٹھی بھر خاک کو مکہ اور طائف کے درمیان وادیٔ نعمان میں اتارا جائے اب عزرائیل علیہ السلام واپس چلے گئے۔ اور ابھی تخمیر کا بعید ظاہر بھی نہ ہوا تھا کہ عشق فوراً آ موجود ہوا۔

خاک آدم ہنوز نامیختہ بود
عشق آمدہ بود در دے آمیختہ بود

پہلا شرف۔ جو کہ خاک کو حاصل ہوا وہ یہ تھا کہ اسے اس قدر قاصد بلانے کے لئے گئے کہ وہ ناز کر کے کہتی رہی۔

حدیث من ز مفاعیل و فاعلات بود
من از کجا سخن سرِّ مملکت زکجا

لیکن چونکہ قاعدے کی بات ہے کہ جس قدر کوئی شخص عشق کا منکر ہوتا ہے۔ اور جب وہ عاشق ہوتا ہے۔تو عاشقی میں وہ اعلیٰ رتبہ ہوتا ہے۔لہٰذا ابھی ٹھہرو! تا کہ قلب کا معاملہ پیش آئے۔

منکر بودم عشق بتاں را یک؛ چند
آں انکارم مرا بدین روز افگند

لہٰذا تمام فرشتے یہ حالت دیکھ کر انگشت بدندای رہ گئے کہ یہ کیا بھید ہے۔ کہ ذلیل و خوار خاک کو بارگاہ الٰہی میں بڑی عزت کے ساتھ بلایا جا رہا ہے۔ اور خاک باوجود ذلیل و خوار اور حقیر ہونے کے اللہ ربّ العزت کے ساتھ اس قدر ناز کرتی ہے۔ اور اللہ ربّ العزت نے بھی باوجود کمال غیرت اور عزت اسے نہیں چھوڑا۔ اور دوسروں کو اس کے عوض نہیں بلایا۔ اور یہی باتیں آپس میں کر رہے تھے کہ اللہ ربّ العزت کے لطف اور ربی حکمت نے فرشتوں کو فرمایا کہ ''اِنِّیْ اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ'' ''تمہیں کیا معلوم ہے''۔ کہ ہمیں اس مٹھی بھر خاک سے ازل سے لے کر ابد تک کیا کیا کام درپیش ہیں۔

عشقے است کہ از ازل مرا در سر بود
کاریست کہ تا ابد مرا درپیش است

(خیام)

تم معذور ہو۔ کیونکہ تمہیں عشق سے پالا نہیں پڑا اور تم خطائر قدس کے صومعہ نشین خشک زاہد ہو تمہیں خرابات عشق گرم رگڑوں کی کیا خبر۔ سلامتیوں اور ملامتیوں کی حلاوت کے ذوق کا کیا مزا۔

لہٰذا تم تھوڑے دن صبر کرو تا کہ میں اس مٹھی بھر خاک پر اپنی کاریگری کر لوں اور اس کی

فطرت کے آئینہ کے چہرے پر سے خلقیت کی تاریکی کا زنگار دور کرلوں۔ اس لئے کہ تم اس آئینہ میں قسم قسم کے نقش دیکھ سکو اور یاد رکھو! کہ یہ وہ نقش ہوگا کہ جسے تم سجدہ کرو گے پس کرم کے بادل سے رحمت کا مینہہ آدم کی خاک پر برسا اور اس خاک کا کیچڑ بنا۔ پھر اللہ رب العزت نے دست قدرت سے اس مٹی سے مٹی کا دل بنایا۔ اور پھر اس دل میں اس قدر فتنہ اور شور بھر دیا۔

از شبنم عشق خاک آدم گل شد
صد فتنہ و شور در جہاں حاصل شد
سر نشتر عشق بررگ روح رسید
یک قطرہ فروچکید نامش دل شد

(خیام)

''تمام کروبی اور روحانی فرشتے اس حالت کو دیکھ کر حیران تھے کہ اللہ رب العزت چالیس روز تک اپنے دست قدرت سے آدم کی مٹی کو بناتا رہا ہے۔ اور کوزہ گر کی طرح اس مٹی کو بناتا اور سنوارتا ہے۔ اور اس کا خمیر کررہا ہے۔

''خَلَقَ الْإِنسَانَ مِن صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ○'' (الرحمٰن آیت 14)

''کھڑ کھڑی مٹی سے انسان پیدا کیا''۔

اس کے ہر ذرہ میں دل بنایا ہے۔ اور نظر عنایت سے اس کی پرورش کررہا ہے یہ دیکھ کر حکمت ازلی نے فرشتوں کو کہا کہ تم مٹی کی طرف نہ دیکھو۔ بلکہ دل کی طرف دیکھو''۔

بعض روایات کے مطابق چالیس ہزار سال مکہ اور طائف کے درمیان آدم کی آب و گل پر دست قدرت کی دستکاری ہوتی رہی اور اس کے اندر باہر مناسب صفات الٰہی کے نشان بنائے تا کہ ہر ایک اس صفت کا مظہر ہو سکے یہاں تک کہ ایک مشہور قول کے مطابق ''ایک ہزار ایک نشان ایک ہزار اور ایک صفات کے موافق بنائے''۔ صاحب جمال کے

پاس۔ اگر چہ جواہرات' موتی اور لباس زیادہ ہوں۔ پھر بھی اس کے نزدیک آئینہ سے بڑھ کر قابل اعتبار کوئی چیز نہیں ہوتی۔ اگر صاحب جمال کے جواہرات یا لباس میں کسی قسم کا خلل آ جائے تو بغیر آئینہ وہ خود اسے ٹھیک نہیں کر سکتا۔ لیکن اگر تھوڑا سا غبار آئینے پر ہو۔ تو فوراً لطف و کرم کی آستین سے وہ غبار دور کر دیتا ہے۔ اگر چہ گھر میں ہزاروں قسم کے جواہرات' موتی اور دیگر لباس ہوں یا پھر اس کے ہاتھ میں ہوں یا کان میں سب سے منہ پھیر کر آئینے کو ضرور دیکھتا ہے۔

میرے شیخ ''حضور سیّدنا افتخار احمد حسین شاہ گیلانی سجادۂ نشین درگاہ حضرت محبوب ذات'' فرمایا کرتے تھے کہ ہر ایک آئینہ۔ جو کہ آدم کے وجود میں رکھا گیا وہ جمال نما آئینہ کو جمال بین آنکھ عنایت کرتا تھا تا کہ جب وہ آئینہ میں ایک ہزار ایک کھڑکیاں دیکھے تو آدم بھی اسے ایک ہزار ایک آنکھ سے دیکھے۔

درمن نگری ہمہ تنم دل گردو
در تو نگرم ہمہ تنم دیدہ شود

(خیام)

یہاں پر عشق برعکس ہو جاتا ہے۔ اگر معشوق عاشق سے دور ہونا چاہیے تو وہ ہزار ہاتھ سے اس میں لٹکتا ہے وہ کیا تھا۔ جو پہلے تو بھاگتا تھا اور اب وہ کیا ہو گیا ہے جو اس سے تعلق پیدا کرتا ہے ہاں وہ اسی واسطے بھاگتا تھا کہ آج اسے لٹکنا نہ پڑے۔

میرے شیخ ''حضرت سیّد افتخار احمد حسین شاہ گیلانی قدس سرہ العزیز'' فرماتے تھے کہ اس روز وہ مٹی تھی جو بھاگتی تھی۔ اور آج وہ مٹی دل بن گئی ہے۔ اس لئے وہ تعلق پیدا کرنا چاہتی ہے۔ اگر اس روز ایک دل سے دوست نہ رکھتا تو آج ہزار دل سے دوست نہ رکھنا پڑتا۔

انسانی قالب میں قلب کی تکمیل

چالیس ہزار سال تک حضرت آدم علیہ السلام کا قالب مکہ اور طائف کے درمیان پڑا رہا اور ہر لحظہ اس میں غیبی خزانوں کے موتی اور آبدار گوہر رکھتے رہے یہاں تک کہ غیبی خزانوں کی تمام نفیس چیزیں اس میں رکھی گئیں۔اور جب قلب کی باری آئی تو قلب کے لئے مٹی بہشت سے لائی گئی اور ابدی آب حیات سے اسے گوندھا گیا۔

تین سو ساٹھ کی خصوصیت

''جب قلب کی تیاری کے لئے جنت سے مٹی لائی گئی اور ابدی آب حیات سے اسے گوندھا گیا۔اور پھر تین سو ساٹھ نظر رحمت سے اس کی پرورش فرمائی''۔

ایک بات قابل ذکر ہے۔کہ تین سو ساٹھ کے عدد کی خصوصیت کیوں ہے وہ اس لئے کہ چالیس ہزار سال کا عرصہ تخمیر ہوتے ہوئے گزرا۔اس عرصہ میں تین سو ساٹھ ہزار اربعین ہوتی ہیں۔اور ہزار ہزار اربعین کے بعد وہ ایک نظر رحمت کا مستحق ہوتا ہے۔اور اس پر نظر رحمت ہوتی رہی۔چونکہ تین سو ساٹھ ہزار اربعین کا عرصہ گزرا۔اس لئے وہ تین سو ساٹھ نظر عنایت کا مستحق ہوا۔

لہٰذا جب قلب کا کام اس کمالیت کو پہنچ گیا تو ایک موتی کی بابت۔جو کہ غیب کے خزانے میں تھا اور۔جو کہ ملکوتی خزانچیوں کی نظروں سے پوشیدہ رکھا گیا تھا اور جس کی خزانہ داری خود اللہ رب العزت نے فرمائی تھی۔فرمایا:''کہ اس کے لائق قلب آدم کے سوا اور کوئی خزانہ نہیں ہے' اور وہ موتی محبت کا موتی تھا کہ جسے معرفت کی امانت کی سیپی میں رکھا ہوا تھا اور تمام ملک اور ملکوت کو دکھلایا گیا۔مگر کوئی بھی اس کا خزانچی بننے کا مستحق نہ ہوا اور اس کا خزانچی بننا قلب آدم کے لئے ہی مناسب تھا۔کیونکہ اس نے نظر رحمت الٰہی سے پرورش پائی تھی۔اور آدم کی جان اس کی خزانہ داری کے لائق تھی۔کیونکہ اس نے کئی ہزار سال جلال

احدیت کی صفائی کے نور کے پرتو سے پرورش پائی تھی''۔

بہر حال تعجب تو یہ ہے۔ کہ بے علت عنایت سے ہزار ہا لطف اور عنایات آدمؑ کے قلب اور جان پر ہو رہی تھیں۔ مگر مقرب فرشتوں میں سے کسی کو بھی خبر تک نہ تھی۔ اور نہ ہی وہ اسے پہچانتے تک تھے وہ ایک ایک کر کے حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آتے۔ اور دیکھ کر کہتے کہ یہ تو بڑا ہی عجیب نقش بنایا جا رہا ہے۔ اور یہ کونسی عجیب چیز ہے۔ جو کہ پردۂ غیب سے ظہور میں لا رہے ہیں۔ جبکہ آدم لبوں ہی مین کہتا کہ اگرچہ تم تو مجھے نہیں پہچانتے۔ لیکن میں تمہیں پہچانتا ہوں ذرا صبر کرو! مجھے اس خواب خوش سے جاگنے دو پھر میں تمہیں ایک ایک کا نام بتلا دوں گا۔ کیونکہ جو جواہرات مجھ میں رکھے گئے ہیں ان میں سے ایک تمام اسماء کا علم بھی ہے

''وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا'' (بقرہ آیت 31)

''آدم کو ان سب کے نام سکھلا دیئے''۔

فرشتے بہت دیکھ بھال اور جانچ پڑتال کرتے۔ مگر انہیں کچھ سمجھ میں نہ آتا کہ یہ کس قسم کا مجموعہ ہے۔

ایک مرتبہ مکار اور لعین شیطان آدم کے اردگرد پھر رہا تھا اور آدم کو غور سے دیکھ رہا تھا کہ اس نے آدم کے منہ کو کھلا ہوا پایا۔ یہ دیکھ کر فرشتوں سے کہنے لگا کہ ذرا ٹھہر جاؤ میں ابھی اس مشکل کو حل کئے دیتا ہوں اور میں اس سورخ کے راستہ سے اندر جا کر دیکھتا ہوں کہ یہ ہے کیا چیز' جب اس نے اندر جا کر دیکھ بھال کی تو آدم کے وجود میں وہ تمام چیزیں دیکھیں۔ جو کہ عالم بزرگ میں پائی جاتی ہیں اسے آدم کا سر آسمان کی مانند معلوم ہوا اور آسمان کے ساتوں پردوں کی بجائے یہاں سات قویٰ بشرے۔ مثلاً متخیلہ' متوہمہ' متفکرہ' حافظہ' ذاکرہ' مدبرہ اور حس مشترک دیکھیں۔ جیسے آسمان میں فرشتے ہیں اسی طرح آدم کے وجود میں دیکھنے' سونگھنے' سننے' چھونے۔ اور چکھنے کی طاقت پائی۔ اور سارے بدن کو زمین کی

طرح پایا۔ اور جس طرح زمین میں درخت' گھاس' ندیاں اور پہاڑ ہوتے ہیں۔ اسی طرح آدم کے بدن میں بعض بال بڑے مانند درختوں کے۔ اور بعض چھوٹے مانند گھاس پھوس کے۔ اور رگیں بمنزلہ ندیوں کے۔ اور ہڈیاں بمنزلہ پہاڑوں کے دیکھیں۔

چونکہ عالم کبریٰ میں چار فصلیں ہوتی ہیں:

1۔گرمی۔2۔سردی۔3۔بہار۔4۔برسات

اسی طرح آدم میں بھی چار طبع:

1۔حرارت۔2۔برودت۔3۔رطوبت۔4۔یبوست

چار چیزوں 1۔صفرا۔2۔سودا۔3۔بلغم۔4۔خون میں ملی ہوئی پائیں

اور جس طرح عالم کبریٰ میں چار ہوائیں۔

1۔بادبہاری۔2۔بادتابستانی۔3۔بادخزانی۔4۔بادزمستانی

تاکہ بادبہاری سے درختوں میں پھل لگیں اور پتے نکلیں اور سبزیاں پیدا ہوں اور گرمی کی ہوا انہیں پکائے۔ موسم خزاں کی ہوائیں ان کو سکھائیں اور جاڑے کی ہوائیں انہیں گرا دیں اسی طرح آدم کے وجود میں۔ جو کہ عالم صغریٰ ہے چار ہوائیں

1۔جاذبہ۔2۔ہاضمہ۔3۔ماسکہ۔4۔دافعہ ہیں۔

تاکہ قوت جاذبہ حلق میں طعام گزار کر ہاضمہ کے سپرد کر دے۔ اور وہ غذا کو پکا کر ماسکہ کے سپرد کر دے تاکہ اس میں سے مفید مفید لے لے۔ اور باقی فضلہ قوت دافعہ کے حوالے کرے۔ اور قوت دافعہ باقی فضلہ کو باہر پھینک دے۔ اور جس طرح ان چار ہواؤں میں سے اگر ایک عالم کبریٰ میں نہ ہو۔ تو جہان خراب ہو جائے گا اسی طرح اگر عالم صغریٰ میں ان چار ہواؤں میں سے ایک ہی نہ ہو۔ تو انسانی قالب کا قوام ٹھیک نہ رہ سکے گا۔ اور جس طرح عالم کبریٰ میں چار قسم کا پانی

1۔آب شور۔2۔آب تلخ۔3۔آب منشی۔4۔آب خوش ہوتا ہے

اسی طرح انسانی وجود میں بھی چار قسم کا پانی ہوتا ہے۔ اور قدرت کاملہ سے ایک خاص مقام پر ہر ایک کو رکھا ہوا ہے۔ چنانچہ آب شور آنکھ میں رکھا ہوتا ہے۔ چونکہ آنکھ میں جو پیہہ ہے وہ آب شور ہی سے قائم رہ سکتا ہے۔ اور پیہہ سے آنکھ کی حفاظت ہوتی ہے۔ اور آنکھ سے سفیدی کی حفاظت ہوتی ہے۔ اور سفیدی سیاہی کی حفاظت کے لئے رکھی ہے۔ اور سیاسی آنکھ کی پتلی کی حفاظت کرتی ہے۔ اور پھر آنکھ کی پتلی کو نظر کا مقام ٹھہرایا گیا۔ اور مزید یہ کہ نظر کو دیکھنے کا سبب ٹھہرایا۔ اور چونکہ دیکھنا قوت باصرہ کے نور پر منحصر تھا۔ اس لئے آنکھ کے نو 9 مختلف طبقات پیہہ کے بنائے تا کہ یہ چربی قوت باصرہ کو مدد دے سکے۔ جیسا کہ شمع کی روشنی کے لئے موم کی مدد ضروری ہوتی ہے۔

کڑوے پانی کو کان میں رکھا تا کہ کیڑے مکوڑے کان کے اندر نہ جا سکیں۔ اور آب منشن کو ناک میں رکھا تا کہ جو دماغی فضلہ ہو وہ ناک کے راستہ بہہ جائے۔ اور آب خوش کو منہ میں رکھا تا کہ منہ خوشبودار رہے۔ اور زبان باتیں کر سکے اور طعام کے لئے بدرقے کا کام بھی دے۔ اور حلق تک پہنچائے'' اس کے علاوہ ہر ایک بات میں ہزاروں حکمتیں ہیں۔ اگر ان سب کو شمار کروں تو اس کتاب کے طویل ترین ہو جانے کا خدشہ ہے''۔

بہر حال مختصر یہ کہ جب شیطان لعین نے اچھی طرح دیکھ بھال لیا تو اس نے آدم کے تمام خصائل کو یاد رکھا۔ لیکن قلب کے قریب پہنچا تو اسے ایک محل کی طرح پایا کہ جس کے سامنے سینے کا میدان بنایا ہوا نظر آیا اس نے بہت کوشش کی۔ مگر دل کے اندر جانے کی راہ نہ پا سکا یہی وجہ ہے۔ کہ شیطان قلب کے اندر نہیں جا سکتا اور یہ تمام دیکھ کر شیطان لعین کہنے لگا کہ پہلے جو کچھ میں نے دیکھا ہے وہ تو انتہائی سہل کام تھا۔ اب مشکل یہاں آن پڑی ہے۔ اگر مجھے انسان سے کسی قسم کی تکلیف پہنچی بھی تو وہ یہیں سے پہنچے گی اور اگر اللہ ربّ العزت کو انسان سے کچھ سروکار ہے۔ تو فقط اسی مقام (قلب) سے ہے۔ اور اگر کچھ رکھنا ہے۔ تو بھی اسی میں رکھے گا۔ پھر شیطان لعین لاکھوں دلیلیں سوچتا ہوا اور نا امید ہو کر واپس

آیا چونکہ شیطان کو دل (قلب) کے اندر جانے کی راہ نہ دی گئی اور اسے دور ہی رکھا گیا۔ اس لئے تمام جہان کا مردود اور لعنتی بن گیا اسی لئے مشائخ طریقت نے فرمایا ہے۔ کہ جس شخص کو ایک دل رد کر دے وہ تمام دلوں کا مردود ہو جاتا ہے بشرطیکہ وہ دل واقعی دل (قلب) ہو۔ کیونکہ بہت سے لوگ دل اور نفس میں تمیز نہیں کر سکتے۔ میرے ''شیخ حضرت سیّدنا افتخار احمد حسین شاہ گیلانی قدس سرہ العزیز'' فرماتے ہیں کہ شیطان لعین شرمندہ ہو کر اور خسارا اٹھا کر واپس آیا تو فرشتوں سے کہنے لگا کہ یہ شخص اندر سے کھوکھلا ہے اس کو غذا کی ضرورت پڑے گی اور دوسرے حیوانات کی طرح صاحب شہوت ہوگا اسی لئے آسانی کے ساتھ اس پر قبضہ کیا جا سکے گا مگر اس کی صدر گاہ میں ایک محل ہے۔ کہ جس کا کوئی دروازہ نہیں ہے اس کے اندر جانے کی مجھے کوئی راہ نہ مل سکی اور نہ ہی مجھے معلوم ہو سکا ہے۔ کہ وہ ہے کیا چیز' فرشتوں نے کہا کہ ابھی مشکل حل نہیں ہوئی اور جو اصل بات (حقیقت) تھی وہ تو ہمیں معلوم ہی نہ ہو سکی۔ پھر بارگاہ الٰہی میں واپس آئے۔ اور عرض کی کہ اے پروردگار! مشکلات کو تو ہی حل کر سکتا ہے۔ اور گرہیں تو ہی کھول سکتا ہے علم تو ہی بخشتا ہے اور جہالت بھی تو ہی عنایت کرتا ہے مدت سے اس مٹھی بھر خاک پر اپنی کاریگری کر رہا ہے۔ اور اس سے تو نے ایک اور چھوٹا جہان بنا لیا ہے۔ اور اس میں بہت سے خزانے مخفی رکھے ہیں۔ لیکن ہمیں اس امر کی بالکل اطلاع ہی نہیں اور نہ تو نے کسی کو اس کا بعید ہی دیا ہے از راہ عنایت یہ تو فرما دے کہ یہ بنے گا کیا؟ تو اللہ ربّ العزت نے فرمایا!

''اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَہ'' (البقرہ آیت 30)

''میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں''۔

لیکن ابھی وہ مکمل نہیں ہوا اور جو کچھ کہ تم دیکھ رہے ہو۔ اور اسے نہیں پہچانتے یہ ابھی صرف اس کا گھر' منزل گاہ اور تخت گاہ ہے۔ اور جب میں سب ٹھیک ٹھاک کر لوں گا۔ اور اسے تخت سلطنت خلافت پر بٹھاؤں گا تو تم سب کو اسے سجدہ کرنا ہوگا۔

''فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ○ '' الحجر آیت 29

''جب میں نے اسے ٹھیک بنالیا۔ اور اس میں اپنی روح پھونک دی تو سب نے اسے سجدہ کیا''۔

فرشتے آپس میں کہنے لگے کہ اب تو مشکلات اور بھی زیادہ ہو گئیں۔ اور اللہ ربّ العزت ہم سے اس کو سجدہ کروائے گا۔ اور اسے اپنا نائب بنائے گا ہمیں تو معلوم نہ تھا کہ کوئی اور شخص یا چیز اس کی نیابت اور خلافت کے لائق ہے یا یہ کہ اس کے سوا کوئی اور مسجود ہونے کے لائق ہے۔ اور ہم تو یہی سمجھتے تھے کہ پاک پروردگار! بے یار' بے شریک' بے مثل' بے مانند اور بے خویش اور بے پیوند ہے اچھا اب پھر جا کر غور اور توجہ سے اس کے گرد پھیرا لگا دیتے ہیں اور اس گھر (آدم) کو دیکھتے ہیں۔ چنانچہ ایک ایک نے آدم کے قالب کے گرد پھرنا شروع کر دیا۔ اور غور سے دیکھنا بھی شروع کر دیا۔ اور سب یہی کہتے تھے کہ ہمیں تو سوائے پانی اور مٹی کے یہاں کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا اور نہ اس سے خلافت الٰہی کا جمال ہی نظر آتا ہے۔ اور نہ ہی اس میں مسجود ہونے کا استحقاق ہی نظر آتا ہے اسی خیال میں تھے کہ غیب سے اشارہ ہوا۔

معشوقے بچشم دیگراں نتواں دید
جاناں مرا بچشم من باید دید

(خیام)

سب نے یہی کہا کہ کچھ سمجھ میں تو آتا نہیں۔ لیکن شاید یہ استحقاق اسے صفات کی وجہ سے حاصل ہو۔ اس لئے اس کی صفات کو دیکھنا چاہیے۔ اور جب انہوں نے صفات کی جانب غور کیا تو انہیں معلوم ہوا کہ آدم کا قالب چار عناصر

1- خاک۔ 2- باد۔ 3- آب۔ 4- آتش سے بنایا گیا ہے۔

اور پھر جب چاروں عناصر کی صفات کی جانب غور کیا تو خاک میں سکونت کی خاصیت

اور ہوا میں حرکت کی خاصیت دیکھی اور خاک کو ہوا کی ضد پایا پانی کو سفلی اور آگ کو علوی پایا۔ اور یہ بھی ایک دوسرے کی ضد تھیں۔ پھر جب انہوں نے غور کیا تو خاک کی طبع خشک اور ہوا کی تر اور پانی کی سرد اور آگ کی گرم طبع پائی اور یہ تمام سب کی سب ایک دوسرے کی ضد تھیں تو آپس میں کہنے لگے کہ جہاں دو ضدیں جمع ہوں وہاں فساد ضرور برپا ہوتا ہے

''لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا'' (سورۃ الانبیاء آیت 22)

''اگر اس میں دو رخدا بھی ہوتا تو بڑا فساد برپا ہوتا''۔

چونکہ عالم کبریٰ میں ضدوں کے باعث فساد ہوتا ہے۔ اس لئے عالم صغریٰ میں بھی ضدوں کے باعث فساد برپا ہونا لازمی ہوگا تو یہ سوچ کر پھر بارگاہ الٰہی میں لوٹ آئے۔ اور عرض گزار ہوئے

''أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ'' البقرہ آیت 30

''کیا تو زمین میں ایسے شخص کو پیدا کرنے والا ہے جو خون ریزیاں کرے گا۔ اور فساد برپا کرے گا حالانکہ ہم تیری تعریف بیان کرتے ہیں اور تیری پاکیزگی کا ذکر کرتے ہیں''۔

لہٰذا خلافت کا حق تو ہمارا ہے۔ اور ہم اس سے بہتر بھی ہیں۔

ایک اور روایت میں ہے۔ کہ ابھی وہ یہ بات ختم بھی نہ کر پائے تھے کہ جلال وعظمت کے پردوں سے آگ نکلی اور ان میں سے کثیر تعداد کو تو جلا کر خاک کر ڈالا۔

پہلا شخص کہ جس کو ملامت کی گئی وہ آدم تھا اور اوّل ہی اوّل جس نے ملامت کی وہ فرشتے تھے۔ لہٰذا اگر سچ پوچھو تو پہلے پہل اللہ ربّ العزت پر ہی انہوں نے اعتراض کیا

''أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا'' (البقرہ آیت 30)

''لہٰذا ثابت ہوا کہ عشق بازی کی ابتداء ملامت پر رکھی گئی ہے''۔

عشق آں خوشتر کہ بملامت باشد
آں زہد بود کہ با سلامت باشد

(خیام)

''زبان حال سے آدم کی جان نے اللہ ربّ العزت سے عرض کی کہ ہم نے امانت کا بوجھ ملامت کی رسی میں باندھ کر پیٹھ پر اٹھالیا ہے۔ اور سلامتی فروخت کر کے ملامت خرید لی ہے۔ لہٰذا اب ایسی باتوں کا ہمیں کوئی ڈر نہیں ہے''۔

کیا آدم کے لئے یہ شرف کافی نہیں ہے۔ کہ اللہ ربّ العزت نے آسمانوں' زمینوں اوران کی ساری چیزوں کو چھ دن رات میں بنایا

''خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ'' سورۂ اعراف آیت 53

''آسمانوں اور زمینوں کو چھ دن میں بنایا''۔

اور پھر بھی بھیدی کا شرف عنایت نہ فرمایا حالانکہ وہ عالم کبریٰ تھا۔ لیکن یہاں آدم کو جو کہ عالم صغریٰ ہے چالیس روز میں خود اپنے دست قدرت سے بنایا۔ یہ صرف اس لئے ہے تاکہ بے خبروں اور طعن کنندوں کو یہ واضح ہو جائے کہ آدمی کو اللہ ربّ العزت کی بارگاہ میں وہ اختصاص حاصل ہے۔ جو کہ موجودات میں سے کسی اور کو حاصل نہیں ہے دوسرے یہ کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش میں ''بیدی'' کی خصوصیت ایک انتہائی خاص بھید ہے۔ کہ تمام موجودات پیدائش اس بھید کے تابع ہیں اور یہ سارا شرف ابھی قالب کو حاصل ہے۔ جو کہ عالم صغریٰ ہے۔ اور روح کو جو

''وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ

''اور اس میں میں نے اپنی روح پھونک دی''۔

کا اختصاص حاصل ہے۔ اس کے مقابلے میں دنیا۔ اور آخرت اور جو کچھ کہ اس میں موجود ہے سب کچھ عالم صغریٰ ہے۔ لہٰذا'' یہاں سے اندازہ ہوسکتا ہے۔ کہ روح کو کسی نہ

کسی قسم کا شرف ضرور حاصل ہوا ہو گا۔ کیونکہ وہ تو قرب الٰہی میں کئی ہزار سال تک رہ چکی ہے۔ اور پھر جب روح کا تعلق قالب سے پیدا کیا ہو گا تو کیا کیا سعادتیں اس پر نثار کی ہوں گی اور اس شخص کی حالت قابل رحم ہے۔ جو کہ اپنے کمال سے محروم ہے۔ اور چشم حقارت سے اپنے آپ میں دیکھتا ہے۔ اور انسانیت کے مرتبہ کی استعداد۔ جو کہ موجودات میں سب سے اشرف ہے حیوانی خواہشات کے حاصل کرنے میں۔ جو کہ موجودات میں سب سے ادنیٰ درجہ کے ہیں صرف کرتا ہے۔ اور اپنی قدر نہیں جانتا''۔

5-روح اور انسانی قلب

القرآن: فَاِذَا سَوَّیْتُہٗ وَنَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَہٗ سٰجِدِیْنَ ○

(سورۃ الحجر آیت 29)

ترجمہ: ''جب میں نے اسے بالکل ٹھیک ٹھاک کر لیا۔ اور اس میں اپنی روح پھونک دی تو انہوں نے (فرشتوں نے) اسے سجدہ کیا''۔

الحدیث: ان خلق احدکم یجمع فی بطن امه اربعین یوم نطفة ثم یکون علقة مثل ذالك ثم یکون مضغة مثل ذالك ثم یبعث اللّٰه الیه ملکان باربع کلمات قال یقول کتب رزقه وعمله واجله وشقیا ام سعیدًا ینفخ فیه الروح وان احدکم لیعمل بعمل اهل النار حتی ما بینه وبینهما الاوزاع مختم له بعمل اهل الجنة فید خلها۔

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ جب تم میں سے کسی کو پیدا کرنا چاہتا ہے۔ تو اسے اس کی ماں کے پیٹ میں چالیس روز تک بحالت نطفہ رکھتا ہے۔ پھر وہ نطفہ علقہ کی صورت اختیار کرتا ہے۔ پھر گوشت کا لوتھڑا بنتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اس کی طرف دو فرشتے معہ چار کلمات کے بھیجتا ہے یعنی اس میں رزق۔ عمل، موت اور بد بخت یا نیک بخت ہونا مندرج ہوتا ہے۔ پھر اس میں روح پھونکتا ہے۔ پھر اگر تم میں سے

کوئی جنتیوں کا سا کام کرے یہاں تک کہ اس کے۔ اور جنت کے درمیان چند
گزوں کا فاصلہ ہے۔ پھر وہ اس میں داخل کیا جاتا ہے''۔

واضح رہے کہ جب انسانی قالب بالکل تیار ہو گیا تو اُس عرصہ میں اللہ رب العزت نے آدم کی مٹی کو خمیر کرتے وقت کسی کو دخل نہ دینے دیا۔ اور بذاتِ خود مشغول ہو رہا اسی طرح اس میں روح پھونکتے وقت بھی کسی کو وسیلا نہ بنایا۔ بلکہ یہ کام بھی خود ہی کیا یہاں پر ایک نہایت ہی لطیف اشارہ اور شریف بشارت ہے۔ کہ روح کا بدرقہ خاص اپنی پھونک کو بنایا ہے۔ کیونکہ اس میں یہ حکمت تھی کہ چونکہ اسے عالم ارواح کے اعلیٰ مرتبہ سے ادنیٰ درجات میں بھیجتے ہیں اس میں مسافت دور کی ہے۔ اور دوست اور دشمنوں سے راہ بھرا ہوا ہے۔ اور ایسا بھی نہ ہو کہ دوستوں اور دشمنوں سے ہی مشغول ہو جائے۔ اور مجھے بھول جائے۔ اور محبت کے ذوق سے۔ جو کہ اس نے ہماری بارگاہ سے حاصل کیا ہے محروم رہ جائے۔ کیونکہ راستے میں لٹیرے بہت زیادہ ہیں۔

زدشمناں حسود و ز دوستاں غیور

لہٰذا جب ہماری پھونک کا اثر ہمراہ ہو گا تو اس کی جان کے حلق سے ہماری انس کا ذوق کسی کو نہ لینے دے گا۔ اور نہ ہی کسی مقام میں کسی دوست یا دشمن سے اسے تعلق پیدا کرنے دے گا دوسرے یہ کہ روح کو ہم نے تین سو ساٹھ ہزار روحانی۔ جسمانی۔ ملکی اور ملکوتی عوالم سے گزارا ہے۔ اور ہر جہان کے اس میں خزانے بھی رکھے ہیں۔ لہٰذا اب اسے خلیفہ بنا کر عالم اجسام میں بھیجتے ہیں۔ اس لئے سب خزانے وغیرہ اس کے ہمراہ کرتے ہیں ان خزائن وغیرہ کی کسی کو بھی اطلاع نہ دی کہ

''مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ'' سورۂ کہف آیت 51

''آسمان اور زمین کی مخلوق میں سے کسی کو اطلاع نہ دی''۔

سب کی سب میں نے خود رکھی ہیں اور میں ہی جانتا ہوں۔ کہ کیا کچھ رکھا ہے۔ اور

کہاں رکھا ہے۔ اور میں جانتا ہوں۔ کہ ان خزانوں کو کس طرح لے سکتے ہیں اور ہر ایک مقام میں روح کا رہنما میں ہی ہوں اب جو کچھ خزانہ وغیرہ کی اسے اس جہان وغیرہ میں ضرورت ہو گی یا پھر واپس آتے ہوئے اسے درکار ہوں گے۔ لہٰذا سب اس میں رکھ دیئے گئے ہیں اور وہ طلسمات جو غیروں کی نظر وغیرہ کے لئے اس راہ میں بنائے گئے ہیں تا کہ ہر ایک مدعی لاف و گزاف سے اس بارگاہ تک پہنچ سکے میں نے اسے دکھلا دیئے ہیں اور ان طلسموں کا کھولنا اور بند کرنا سب کچھ بتا دیا ہے تا کہ آتی دفعہ راہ اس کے لئے آسان ہو جائے۔ اور راستے کے تمام نیک و بد سے اسے اطلاع دیئے دیتا ہوں نیز یہ کہ میں اس کو خلیفہ بنا کر بھیجتا ہوں اور ولایت بخشتا ہوں اور مدت سے جہان میں مشہور ہے کہ

''اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً''''میں زمین میں اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں''۔

اور سب دوست دشمن، آشنا و بیگانے سب ہی اس کی تشریف آوری کے منتظر ہیں۔ اس لئے اسے بڑی عزت کے ساتھ بھیجنا چاہیے۔ اور اپنی بارگاہ کے مقربوں کو میں نے حکم دیا ہے۔ کہ جب وہ خلافت کے تخت پر بیٹھے تو سب کے سب اس کے تخت کے سامنے سجدہ کرو یہ اس لئے کہ ان کو معلوم ہو جائے کہ ہم نے آدم کو کس قدر عزت اور قدر و منزلت دی ہے۔ اور یہ دیکھ کر انہیں نیک کام کرنے کی رغبت ہو جائے پس روح پاک کو اس نے ہزار سال حضرت قدس کے خلوت خانہ میں گزرنے۔ اور بے واسطگی کے مقام میں منظور نظر عنایت ہونے۔ اور اپنے خداوند کریم اور مغلوب کی نیابت کی رسومات شرائط اور خلافت کے آداب سیکھنے کے بعد (کیونکہ جب تک ظاہری بادشاہ کا خلیفہ یا نائب بادشاہ کے حضور میں جہانداری کی رسوم کی تربیت حاصل نہ کر لے۔ اور اس کے احوال اور افعال کی اچھی طرح نگہبانی نہ کر لے اسے خلافت اور سیاست کی قابلیت حاصل نہیں ہوتی) پھر ''وَنَفَخْتُ فِیْهِ'' کے خاص گھوڑے پر سوار کیا۔ اور ''من روحی'' کا لگاؤ دے کر اسے تمام فرشتوں اور روحانی و جسمانی ممالک سے گزارا اور ہر ایک منزل اور مقام پر۔ جو کہ اس مقام کے خزانوں

اور دفینوں کا خلاصہ تھا اس کی سواری کے ہمراہ روانہ کیا۔ اور اسے انسانیت کی سلطنت میں خلیفہ کے تخت پر بٹھایا اسی وقت تمام کروبیوں اور روحانیوں نے اس کے قالب کے تخت کے سامنے سجدہ کیا

''فَسَجَدَ الْمَلَآئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ'' (الحجر آیت 3)

''تمام فرشتوں نے سجدہ کیا''۔

حضرت جبرائیل امین علیہ السلام اس درگاہ میں دربان بنے میکائیل علیہ السلام خزانچی اور تمام فرشتوں اور آسمانوں کے سپرد خاص خاص کام کئے گئے۔ اور جب سیاست کے قاعدہ کو تمہید دینی چاہی تو ایک کو سولی چڑھایا تاکہ ملک اور ملکوت میں کوئی اور اس خلافت کی مخالفت کا دم نہ مارے وہ مغرور سیہ پوش۔ جو کہ ایک مرتبہ بغیر اجازت چوری چوری آدم کے قالب میں گیا تھا اور اس کی خلافت کی سلطنت کو چشم حقارت سے دیکھا تھا اور چاہا تھا کہ اس کے دل کے خزانہ کو نقب لگائے۔ لیکن اس سے نہ ہو سکا۔ پھر اس کو چوری کی تہمت دے کر پکڑ لیا گیا۔ اور بدبختی کی رسی سے اس کی مشکیں کس کر باندھیں اور سجدہ کے وقت جب سارے فرشتوں نے سجدہ کیا اس سے نہ ہو سکا۔ کیونکہ اسی روز سے اس کو بدبختی کی رسی سے باندھا ہوا تھا۔ اس لئے کہ وہ بغیر اجازت کارخانۂ غیب میں گیا تھا اور ایک روایت کے مطابق یہ ہے۔ کہ قیامت کے دن جب خلقت میدان میں جمع کی جائے گی

''يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّيُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ'' (القلم آیت 42)

''جس دن پردہ اٹھایا جائے گا۔ اور لوگ سجدہ کے لئے بلائے جائیں گے''۔

تو اللہ ربّ العزت کا ایک نور چمکے گا جس کو ساری مخلوق سجدہ کرنا چاہے گی۔ مگر وہی سجدہ کر سکے گا کہ جس نے دنیا میں سجدہ کیا ہوگا۔ اور جس نے دنیا میں دنیاوی خواہشات اور بتوں کو سجدہ کیا ہے وہ اس وقت سجدہ نہ کر سکے گا۔ اس لئے کہ ان کے سر بدبختی کی رسی سے باندھے گئے ہیں۔ کیونکہ وہ اللہ ربّ العزت کے امر و نہی کے برخلاف عمل کیا کرتے تھے۔

اور سجدہ نہیں کیا کرتے تھے''۔ اسی رسی کو ہم ظاہری آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے۔ اور جس کی باطنی آنکھ کھلی ہو۔ وہی اسے دیکھ سکتا ہے اسی لئے وہ توبہ واستغفار کی قینچی سے اس رسی کے بند کاٹتا ہے۔ اور اگر دنیا میں اس کی فکر نہ کرے تو قیامت کے دن انہیں زنجیروں اور طوقوں میں گرفتار عرصات کے بازار میں لایا جائے گا۔ جیسا کہ اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں فرماتا ہے:

''اِذِا الۡاَغۡلَالُ فِیۡۤ اَعۡنَاقِهِمۡ وَالسَّلَاسِلُ'' (سورۂ مؤمن آیت 71)

''اب ان کی گردنوں میں طَوق اور زنجیریں ہیں''۔

سے ظاہر ہے پس مکار شیطان کا سر کہ جس نے تمام فرشتوں سے گستاخی کی۔ باندھا گیا۔ اور یہی کارخانۂ غیب میں بغیر اجازت کے گیا تھا۔ اور اس حکم کی خلاف ورزی کی

''لَا تَدۡخُلُوۡا بُیُوۡتَ النَّبِیِّ اِلَّاۤ اَنۡ یُّؤۡذَنَ لَكُمۡ''

''نبی کے گھروں میں نہ داخل ہو تاوقتیکہ تمہیں اجازت نہ مل جائے''۔

اسی لئے قہر کی رسی سے اس کا سر باندھا گیا۔ اور یہی وجہ تھی کہ وہ انسان کو سجدہ نہ کر سکا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔

''اِلَّاۤ اِبۡلِیۡسَ اَبٰی وَاسۡتَكۡبَرَ'' البقرہ آیت 34

''مگر شیطان نے جس نے انکار کیا۔ اور اپنے تئیں بڑا جانا''۔

سے ظاہر ہے۔ ''اور لوگ یہ خیال کرتے ہیں۔ کہ اس نے سجدے کے وقت انکار کر دیا۔ اور اپنے آپ کو بڑا خیال کیا۔ واقعی ظاہری طور پر تو یہ بات سجود کے وقت ظہور پذیر ہوئی۔ جو کہ درخت کے پھل کی طرح ہے۔ لیکن اس انکار اور استکبار کی حقیقت جو بمنزلہ بیج کے ہے وہ اسی روز شیطان کی بدبختی کی زمین میں بوئی گئی جس روز اس نے ادب سے انکار کیا۔ اور بغیر اجازت خانۂ غیب کی طرف گیا۔ اور جب باہر نکلا تو اپنے آپ کو بڑا خیال کیا۔ اور کہا ''خلق مجد فالا یتمالك'' اندر سے کھوکھلی شے بنائی ہے۔ اور اس کی تو کچھ

حقیقت ہے ہی نہیں بزرگی کی آنکھ سے اپنے آپ کو دیکھا اور بہ سبب تکبر کے حقارت کی نگاہ سے خلیفۂ حق کو دیکھا اسی لئے وہ بیج بڑھتا گیا یہاں تک کہ سجدہ کے وقت اسی استکبار کا پھل نمودار ہوا اور یہی وجہ تھی کہ بدبختی کی رسی سے لعنت کی سولی پر لٹکایا گیا''۔

''وَاِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِيْٓ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ''

''بے شک قیامت کے دن تک تجھ پر میری لعنت رہے گی''۔

اور ابد تک اسے سولی سے نہ اتارا جائے گا تاکہ بعد ازاں تمام فرشتوں میں سے کسی کو بھی اس بات کی جرأت نہ ہو کہ خلیفۂ حق کی بے حرمتی کرے۔ اور جو کوئی اس لعین کی متابعت کرے گا وہ بھی اس زنجیر میں جکڑا ہوا دوزخ میں بھیجا جائے گا''۔ اسی لئے اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

''لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ'' سورۂ ص آیت 85

''البتہ میں دوزخ کو تجھ سے۔ اور تیرے تمام تابعین سے بھر دوں گا''۔

کہتے ہیں۔ کہ جس وقت روح آدم کے قالب کے پاس آئی اور بدن کے تمام ممالک کو پھر کر دیکھا۔ تو اسے وحشت ناک اور تاریک گھر پایا کہ جس کی بنیاد چار متضاد عناصر (آگ- پانی- مٹی- ہوا) پر رکھی گئی ہے اور روح کو یہ بات معلوم ہوگئی کہ یہ باقی نہ رہے گا۔ اس لئے اس پر کچھ دل نہ لگایا۔ اور پھر جب اور بھی غور سے دیکھا۔ تو اس میں حشرات الارض' سانپ' بچھو وغیرہ اور طرح طرح کے درندوں' چوپاؤں اور دیگر موذی جانوروں کی ہزار ہا اقسام آپس میں گتھم گتھا دیکھیں۔ اور دیکھا کہ اس پر حملہ کیا ہی چاہتے ہیں اور ہر طرف سے ایک ایک زخم لگا دیتے ہیں اور سخت تکلیف دیتے ہیں۔ پھر نفس امارہ کو دیکھا کہ سات سر والے اژدھا کی طرح منہ کھولے اسے نگلنے کو دوڑتا ہے اس کے سات سر حسب ذیل تھے:

1-حرص۔2-حسد۔3-شہوت۔4-غضب۔5-بخل۔6-کینہ۔7-کبر۔

نازنین روح کہ جس نے کئی ہزار سال ربّ العالمین کے قرب میں ہزار ہا برس تک بڑے ناز سے پرورش پائی تھی ان وحشتوں سے بہت زیادہ گھبرا گئی اور اللہ ربّ العزت کے انس کی قدر و منزلت۔ جو کہ اسے اس وقت تک معلوم نہ تھی اب معلوم ہوگئی اور نعمت وصال میں ہمیشہ مستغرق رہنے کے باوجود اس کا ذوق اسے معلوم نہ ہوتا تھا اب معلوم ہوا اور مفارقت کی آگ اس کی جان میں بھڑک اُٹھی اور جدائی کا درد اس کے سر پر غالب ہوا۔

فوراً اس وحشت سے اس کا دماغ پر ہوگیا۔ اور چاہا کہ جس راہ سے آئی تھی اسی راہ واپس چلی جائے اب واپس جانے کے لئے ''نفخہ'' کی سواری طلب کی تاکہ اس پر سوار ہو کر جائے۔ کیونکہ وہ سوار ہو کر آئی تھی۔ اور پیدل نہیں جا سکتی تھی۔ اور سواری نہ پا کر بہت زیادہ دل شکستہ ہوگئی اسے کہا گیا کہ ہمیں بھی شکستہ دلی مطلوب ہے اس سے اس پر قبض غالب آئی اور اس نے ٹھنڈا سانس لیا تو اسے کہا گیا کہ ہم سے اسی سرد آہ کے لئے تجھے بھیجا تھا اس آہ کا بخار اس کے سر کی چھت پر پہنچا تو فوراً حضرت آدم علیہ السلام کو چھینک آ گئی۔ اس کے بعد اس میں حرکت پیدا ہوگئی اور اس کی آنکھیں بھی کھل گئیں۔ عالم صورت کا فراخ کوچہ دیکھا اور آفتاب کی روشنی کا مشاہدہ کیا۔ اور کہا ''الحمد للہِ'' بارگاہ الٰہی سے خطاب ہوا ''یرحمك اللہُ'' یعنی ہماری حمد و ثناء کرنا تیرے لئے ہماری رحمت کا موجب ہے۔ جب خطاب کا ذوق پایا تو قدرے تسلی اور سکونت کی۔ لیکن پھر بھی جس وقت اللہ ربّ العزت کی نزدیکی اور محبت کا خیال آتا اور عالم ارواح کی فضا کی وسعت اور بے واسطہ رزق کی یاد کا خیال آتا تو چاہتی کہ قالب کے پنجرے کو توڑ ڈالے۔ اور آب و گل کے لباس کو پھاڑ کر اپنے اصلی گھونسلے کو اڑ جائے کہ جس طرح بچوں کو رنگین چیزوں۔ کھلونوں و نقل اور میووں سے بہلاتے ہیں اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام کو بھی فرشتوں کی معلّمی' ان کے سجدے' آسمانوں پر لے جانے' منبر پر کھڑا کرنے۔ اور آسمانوں کے گرد پھیرانے۔ اور ان قصوں سے۔ جو کہ مشہور ہیں بہلایا گیا تاکہ جمال حضرت کے اشتیاق کی آگ کی چنگاری مدہم پڑ

جائے۔ اور کسی اور چیز سے دل لگی پیدا کر لے۔ اور جدائی کی وحشت اس سے جاتی رہے۔ وہ زبان حال سے کہتا تھا۔

ہر گز نشود اے بت بگریدۂ من
مہرت ز دل و خیالت از دیدۂ من
گر از پس مرگ من بجوئی یابی
مہر تو در استخوانِ بوسیدۂ من

اللہ ربّ العزت کے حضور سے خطاب ہوا کہ اے آدم ! تو جنت میں جا کر سکونت اختیار کر اور جو چاہتا ہے کھا پی اور سو جایا کر۔ اور جس سے چاہتا ہے۔ انس پیدا کر'

جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہے

''وَقُلْنَا يَاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ''

البقرہ آیت 35

''اے آدم تو اور تیری بیوی جنت میں رہو اور جہاں اور جو چاہو حسب منشاء کھاتے رہو''۔

چونکہ حضرت آدم علیہ السلام کی وحشت کسی طرح سے بھی کم نہ ہوئی اور نہ ہی کسی سے محبت کرے۔ اس لئے انہی کی جان سے حوّا پیدا کی گئی۔ اور ان کو حضرت آدم علیہ السلام کی بغل میں بٹھایا تا کہ اپنے ہم جنس کو دیکھ کر اس سے الفت پیدا کر لے۔ جیسا کہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں فرماتا ہے!

''وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا '' (اعراف آیت 189)

''اس سے اس کی زوجہ بنائی تا کہ اس سے الفت کرے''۔

جب حضرت آدم علیہ السلام نے حضرت حوا کے جمال کو دیکھا۔ تو جمال الٰہی دکھائی دیا

کیونکہ

''کل جمیل من جمال اللّٰہ''

''ہر ایک جمیل جمالِ الٰہی سے ہوتا ہے''۔

لہٰذا اب سویا ہوا نفس جاگ پڑا اور اس معاملے کا ذوق بھر پایا۔ اور شہوت کا ناگ جنبش کرنے لگا اور اس صفت کا غلبہ ہوا۔ جو کہ حیوانی صفات میں کامل ہے۔ اور اس سے بڑے پردے حائل ہو جاتے ہیں اس کا پردہ روح اور بارگاہِ الٰہی کے انس کے بیچ میں حائل ہو گیا۔ پھر عمدہ کھانے۔ اور مزے سے سونے کے سبب باقی ماندہ حیوانی صفات نے ہوائے نفس اور اقتضائے طبیعت کے موافق غلبہ کیا اب حجاب اور بھی بڑھ گئے۔ اور اسی قدر بارگاہ الٰہی کی محبت کم ہو گئی۔ ''کیونکہ جس قدر حیوانی لذتوں اور خواہشات سے انسانی نفس ذوق حاصل کرتا ہے۔ اور اس سے الفت کرتا ہے اسی قدر اللہ ربّ العزت کی محبت اس کے دل سے دور ہو جاتی ہے''۔ اور یہ بات ابتداء میں بڑی بھاری معلوم ہوتی ہے۔ اور اس سے کوئی ہی خلاصی پا سکتا ہے ہاں وہ شخص ضرور خلاصی پا لیتا ہے۔ جو کہ آدمیت سے عدمیت کو پہنچ جائے پس حضرت آدم علیہ السلام کو جنت' لذات اور شہوات سے اس قدر الفت ہو گئی کہ جب ابتداء میں

''وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ'' (سورۂ البقرہ آیت 35)

''اس درخت کے پاس نہ جانا''۔

کا حکم ہوا تو شیطان لعین نے کہا کہ حضرت آدم علیہ السلام جنتی درختوں' پھلوں اور نہروں میں مشغول ہے۔ لہٰذا اس کو اسی کے وسیلے بہکانا چاہیے۔ چنانچہ شیطان نے کہہ دیا

''هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى'' طٰہٰ آیت 12

''کیا میں تجھے ہمیشہ رہنے والا درخت اور نہ خراب ہونے والا ملک بتاؤں''۔

اور شیطانوں کے بہکانے۔ اور حرص کی زیادتی کی وجہ سے رحمانی فرمان کی نافرمانی

کی۔تو اسی وقت غیرت حق حملہ آور ہوئی کہ اے آدم! کیا تجھے نفسانی خواہشات اور حیوانات کی طرح چرنے۔اور چگنے کے لئے پیدا کیا تھا

''اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ٥'' مؤمنون آیت 115

''کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ ہم نے تم کو بے فائدہ پیدا کیا۔اور یہ کہ تم ہماری طرف لوٹنے والے نہیں''۔

اب تو اس بات کا ڈر ہے۔کہ ابھی تو تجھے آدھا دن جنت میں رہنے دیا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تو مجھے بھول گیا۔اور ہمارے غیر میں مشغول ہو گیا۔اور ہمارے غیر سے الفت پیدا کر لی اور نافرمانی کر کے ممنوعہ درخت کا پھل کھایا اگر میں تجھے سارا دن رہنے دوں تو شاید تو مجھے بالکل ہی بھول جائے۔اور یگانگت اور بیگانگت سے مبدّل ہو جائے۔اور ہماری مہربانیوں کو بالکل ہی فراموش کر دے۔

لہٰذا اے آدم! بہشت سے باہر ہو جا اور اے حوّا تو اس سے جدا ہو جا

''اِهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا'' (بقرہ آیت 38)

''تم سب اس سے نکل جاؤ''۔

اے تاج! ''تو آدم کے سر سے اتر جا''۔اے حورو! ''آدم پر دو رویہ ہو کر تالیاں بجاؤ''۔

''عَصٰى رَبَّهٗ فَغَوٰى'' (طٰہٰ آیت 121) ''اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور بہک گیا''۔

یہ کس واسطے ہے۔کہ ہم ملامت کا پتھر سلامتی کے شیشے پر مارتے ہیں اس واسطے کہ آدم کی خود پرستی کے روغن کو زمین پر عبودیت کی ذلت سے گرائیں اور اس کی ہمت کی تلوار کو پتھر ماریں۔

جب حضرت آدم علیہ السلام کو دنیا کی وحشت سرائے میں پھینکا گیا۔اور یار و آشنا سے جدا کیا گیا تو اسی حالت میں چند روز تک سرگرداں رہے۔اور کوئی فریادرس نہ پایا تو پھر پہلے

درد کا ورد معلم غیب نے اس کے پہلے عشق کی ابجد کی تختی پر لکھ دیا۔

دوبارہ گودڑی پہنی

''رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا'' (اعراف آیت 23)''

اے پروردگار! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا''۔

کہنا شروع کر دیا تو خطاب ہوا کہ اے آدم! حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا اے پروردگار! میرے لئے یہ سرگردانی ضروری تھی تاکہ میں تیری مہربانیوں کی قدر کرتا اور تیرا خداوندی حق پہچانتا۔ میرے لئے یہ خواری اور بے عزتی مناسب تھی تاکہ میں عزت اور مکرمت کا درجہ پہچانتا اور مجھے معلوم ہو جاتا کہ ایک مٹھی خاک پر الطاف الٰہی کس قدر ہوئے ہیں اور کس ادنیٰ درجہ سے اعلیٰ مرتبے پر پہنچایا ہے۔ اور

''خلقتك فرد الفرد'' ''تجھے فرد الفرد بنایا''۔

کہ شرافت عنایت فرمائی ہے۔ اور عزت سے دوسرے سے لگاؤ دور کرنے کو فرمایا کہ

''کن لی اکن لك'' ''تو میرا ہو جا میں تیرا ہو جاؤں گا''۔

پس میں عاجزوں کی طرح تیری بخشش کے دروازے پر واپس آ پڑا ہوں۔ اگرچہ غلام کی زبان گونگی ہے۔

ایک روایت کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام کو اسی تضرع اور زاری میں چار سو سال تک سرگشتہ اور حیران و غمناک رکھا گیا۔ اور غیرت ربوبیت بہ سبب عظمت و کبریا اس غمناک جان اور دردمند دل کو اس طرح مخاطب کرتے کہ میں نے تجھے ذلیل مٹی کی ایک مٹھی سے پیدا کیا۔ اور پھر عزت میں فرشتوں سے بڑھا دیا۔ اور ایسا بنا دیا کہ سب نے تجھے سجدہ کیا۔ اور سب نے تجھ پر حسد کیا۔ اور خود جائے اعتراض بنا کہ

''اتجعل فیها'' ''کیا تو اس میں وہ بناتا ہے الخ''۔

اور تیری دوستی کے سبب عزازیل کو دشمن بنا لیا۔ اور تیری خلافت کے تخت کے آگے

اسے لعنت کی سولی پر چڑھایا گیا۔ اور تجھے ایک سجدے نہ کرنے سے اس کی ہزار ہا سال کی عبادت کو رد کر دیا۔ اور

''فَاخۡرُجۡ مِنۡهَا'' (سورۃ زمر آیت 27)

کی چوٹ سے اپنے اردگرد سے نکال دیا۔ اور تو ان نعمتوں کا شکر بجا نہیں لاتا اور میرا حق نہیں پہچانتا اور اپنی قدر نہیں جانتا تو دوست کو دشمن بناتا ہے۔ اور دشمن کو دوست خیال کرتا ہے۔ اور اپنی مراد کو دوست اور دشمن کی زبان میں ڈالتا ہے اب ضروری ہے۔ کہ جب ہماری قہاری کی تیزی نے بمقتضائے

''لَئِنۡ كَفَرۡتُمۡ اِنَّ عَذَابِیۡ لَشَدِیۡدٌ'' ابراہیم آیت 7

''اگر تم نے ناشکری کی۔ تو بے شک میرا عذاب سخت ہے''۔

لوٹ مار مچائی تو چاہیے کہ پہلے حملے میں صبر سے کام لے۔ اور رنجیدہ اور ناراض نہ ہو۔ کیونکہ

''الصبر عند الصدمة الاولىٰ''

''صدمے کے وقت صبر کرنا بہتر ہے''۔

حضرت آدم علیہ السلام کی پکار

حضرت آدم علیہ السلام اس روز بہت پشیمان ہوئے۔ اور عاجزی کا جھنڈا بلند کر کے نیاز کے قلم سے تقصیر کے صحیفہ پر عذر کی تصویر بنانی شروع کی اور جلے دل اور روتی آنکھوں سے آپ کی زبان حال یہ کہتی تھی۔

اے پروردگار! ہم نے ٹھیک ٹھیک دیکھ لیا ہے۔ کہ ہم سب عاجز ہیں۔ تو ہی قادر ہے ہم سب فانی ہیں صرف تو ہی باقی ہے ہم سب عاجز ہیں۔ تو ہی فریاد کو سننے والا ہے ہم سب بے کس ہیں۔ تو ہمہ کس ہے۔ جس کو تو نے اٹھایا اسے نہ گرا۔ جسے تو نے بنایا اسے نہ توڑ جس

کوتو نے اپنا عزیز بنایا اسے تو بے عزت نہ کر اور اپنی خوشی میں پالے ہوئے کو غمگین نہ کر۔ چونکہ تو نے اسے بنایا تو ہی اسے قائم رکھ سکتا ہے ہمیں ہم کو سونپ اور ہماری بیوقوفی کو معاف فرما دے۔ کیونکہ یہ بیج تو نے ہی بویا ہے۔ اور یہ مٹی تو نے ہی سانی ہے۔

اگر باغ خاراست خود کشتۂ
وگر پرنیاں است خود رستہ

(خیام)

جب حضرت آدم علیہ السلام کی آہ وزاری حد سے گزر گئی اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی تو

''فَتَلَقّٰى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ'' (بقرہ آیت 37)

''پھر آدم نے اپنے ربّ سے کئی ایک باتیں سیکھ لیں اور توبہ کی''۔

کے اقبال کا آفتاب اس مطلع سے طلوع ہوا اور اس کی ہجر کی سیاہ رات کو وصال با سعادت کی صبح صادق سے مبدل کیا۔ اور ربوبیت کے الطاف سے عبودیت آدم کو یہ خطاب ہوا۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے

اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں فرماتا ہے! کہ ''جو کچھ ہوا سو ہوا پھر از سر نو ہمارے درمیان محبت ہوئی''۔ تا کہ

''وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى''

کی آواز کی بجائے

''اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ'' ''بے شک اللہ تعالیٰ نے آدم کو برگزیدہ کیا''۔

کی منادی کی جائے۔ اور

''ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ''

سے گونج اٹھا اور اللہ ربّ العزت کی بخشش دوست اور دشمن کے لئے اس کے جرم کی عذر خواہی میں کہ

''فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْلَهٗ عَزْمًا''۔

''وہ ہمیں بھول تو ضرور گیا۔لیکن اس نے اردا تاً نہیں کیا''۔

بعد ازاں طعنہ کی زبان بند کرلو اور آدم کی مہر لبوں پر لگا لو اور انکار کا زنگار اس کام کے آئینے کے چہرے پر سے دور کر دو

یہ قسم قسم کے تصرفات صُرف اس وجہ سے تھے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پرورش ہم خلافت میں کر رہے تھے۔اور اس کی محبت کے نقطے کو ہم نے ان آزمائشوں میں کمال درجے کو پہنچا دیا

''ان البلاء مؤکل یا لانبیاء ثم الاولیاء ثم الامثل فالا مثل وصلی اللہ علیہ محمد وآلہ وسلم''

''بے شک مصیبت انبیاء علیہم السلام کے سپرد کی جاتی ہے۔ اور پھر اولیائے کرام پھر دیگر حضرات درجہ بدرجہ۔

فرمانِ الٰہی

اِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ یَغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ (انفال آیت 65)

''اگر تم میں سے بیس صبر کرنے والے ہوں تو دو سو پر غالب آئیں گے''۔

انسان بلحاظ انسانیت فطری طور پر بے صبرا ہے ''خلق الانسان ھلوعا ذا منه الشر جروعا الخ'' مگر بلحاظ ایمان بہت قوی ہے ''اِلَّا الْمُصَلِّیْنَ الَّذِیْنَ ھُمْ عَلٰی صَلٰوتِھِمْ دَآئِمُوْنَ'' اور حضور سرکار عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عین ایمان ہیں اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت خاص کی برکت سے خاص صحابۂ کرام رضوان اللہ عنہم اوّل درجہ کے مؤمن بن گئے ان کا یہ حال ہے۔ کہ ''وَالَّذِیْنَ مَعَ شداء صلی الکفار'' وہ اپنے توکل نفقہ اخلاص تام کی وجہ سے بہادروں سے بڑھ کر بہادر ہیں اور ہر ایک سو سو کافروں پر بھاری ہے اور جس کا ظہور بارہا خصوصاً غزوۂ حنین میں ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کبار رضوان اللہ علیہم انتہائی افراتفری کے عالم میں بھی آگے بڑھتے رہے۔

سیمرغ جانما کہ رمید است از دو کون

منت خدا یرآ کہ بجا رام مصطفٰی است

یہاں پہلی آیت میں مظہریت ایمان کی جھلک ہے۔ اور دوسری آیت میں فطرت انسانی کی جلوہ گری حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام میں طاقت ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام میں بھی طاقت ہے۔

حکایت

حضور اقدس ﷺ نے ایک صحابی سے فرمایا! کہ تم مصر کے حاکم بنو گے یہ صحابی ایک جنگ میں حاضر ہوئے کفار نے قلعہ کا دروازہ بند کر لیا۔ اور مسلمانوں کو محاصرہ میں بہت دشواری ہوئی اس صحابی نے فرمایا کہ مجھے گوپھن میں رکھ کر قلعہ میں پھینک دو میں انشاء اللہ کفار سے جنگ کر کے قلعہ کا دروازہ کھول دوں گا باقی صحابہ کرام نے کہا کہ تم اکیلے۔ اور نہتے کیا کر لو گے؟ تو بولے کہ مجھ سے حضور اقدس ﷺ نے وعدہ فرمایا ہے۔ کہ تم حاکم مصر بنو گے۔ مگر میں ابھی تک وہاں کا حاکم نہیں بنا ہوں۔ لہٰذا میں ابھی مر نہیں سکتا اور حاکم بن کر ہی مروں گا۔ اور اگر میں اب قلعہ میں پھینک دیا گیا تو اگرچہ اکیلا اور نہتا ہوں۔ پھر بھی میں مروں گا نہیں۔ بلکہ کافروں کو ماروں گا۔

یہ قوت ایمانی کی مثال ہے۔ جبکہ صوفیائے کرام فرماتے ہیں۔ کہ اعضاء کے ذریعے اللہ ربّ العزت تک جانا عمل ہے۔ اور دل کے ذریعے اللہ ربّ العزت تک جانا نیت ہے۔ اور جب دل کا مقابلہ عمل سے ہو گا تو دل ہی غالب ہوتا ہے۔ کیونکہ دل بادشاہ ہوتا ہے۔ اور ارکان رعایا ہوتی ہے کفار کے پاس صرف اعضائے ظاہر ہیں۔ کہ جن کی وجہ سے لڑتے مرتے ہیں اور مؤمن کے پاس دل ہے۔ جس کے ساتھ وہ جہاد کرتا ہے۔ لہٰذا مؤمن کافر سے قوی ہے

''اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا''

''اللہ ربّ العزت ہم کو حزب اللہ میں داخل فرمائے۔ اور حزب الشیطان سے بچائے''۔ آمین

انسانی روح اور قالب میں حجابات

القرآن: وَالْعَصْرِ ○ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ○ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

ترجمہ: ''زمانہ کی قسم کہ انسان صریحاً گھاٹے میں ہے۔ مگر وہ جنہوں نے ایمان لانے کے بعد نیک عمل کئے''۔

الحدیث: ان اللّٰہَ تعالٰی: سبعین الف حجاب من نور و ظلمۃ۔

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ نور اور ظلمت کے ستر ہزار پردوں میں ہے''۔

جب انسانی روح کو اللہ ربّ العزت کے قرب جوار سے قالب کے عالم اور عناصر کی تاریکی اور دنیا کی وحشت سرائے سے تعلق دیا گیا تو اسے ملک اور ملکوت کے تین سو ساٹھ ہزار عالم سے گزارا گیا۔ اور ہر عالم سے۔ جو کہ اس کا خلاصہ اور عمدہ چیز تھی۔ وہ بھی اس کے ہمراہ کر دی اور ہر ایک عالم سے جو کچھ باقی رہ گیا یا اس میں نفع تھا یا کہ نقصان حاصل کرنے کا نظری انس تھا یا تکلیف کو دور کرنے کے لئے انسانی طبیعت کا یہ خاصہ ہے۔ کہ وہ نفع بخش چیز کو لیتا ہے۔ اور نقصان دہ چیز کو چھوڑ دیتا ہے پس اتنے ہزار روحانی اور جسمانی عالموں سے عبور کرتے ہوئے قالب سے ملنے تک روح کو ستر ہزار نورانی اور ظلمانی حجاب حاصل ہوئے نورانی حجاب روحانیات کے عالم سے حاصل ہوئے۔ اور ظلمانی حجاب جسمانیات کے عالم

سے حاصل ہوئے۔ کیونکہ یہ عالم میں ہر ایک چیز کو اس کا دیکھنا۔ اگر چہ دوسری حالت میں اس کے کمال اوزار خواہش تھی۔ لیکن اس وقت ہر روح کے لئے حجاب ہو گیا جس کے سبب وہ ملکوت کے مطالعہ۔ جمالِ حق کا مشاہدہ' احدیت کے مخاطبہ کے ذوق اور قربت کے مشرف سے محروم رہا اور قربت کے اعلیٰ علیین سے طبیعت کے ''اسفل السافلین'' میں آ گرا۔ پھر روح اور جسم کے چند روزہ تعلق میں باوجود خلوت میں ہزار سال قربت سے مشرف ہونے کے اس قدر حجاب ظاہر ہوئے۔ کہ ان دوستوں کو بالکل فراموش ہی کر ڈالا۔

''نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ'' (توبہ آیت ٦٧)

''انہوں نے اللہ تعالیٰ کو بھلا دیا اور اس نے ان کو بھلا دیا''۔

اور آج کتنا ہی اس عالم کی بابت سوچتا ہے۔ مگر کچھ بھی یاد نہیں آتا۔ اگر حجابات کی یافت میں مبتلا ہوتا۔ تو ایسا فراموش کار نہ ہو جاتا اور انس کی جو دولت حاصل کی تھی وہ وحشت سے مبدل نہ ہوتی اور حقیقی جان کو بھی برباد نہ کرتا۔

لولا مفارقت الاحباب ما وجدت

لهما لمنا يا على اروامنا سبلا

''اگر دوستوں کی جدائی نہ ہوتی۔ تو خواہش ہماری ارواح کا راستہ نہ پاسکتیں''۔

انسان کا نام انس سے مشتق ہے جو پہلا نام اسے بارگاہ الٰہی سے ملا اور کہا گیا کہ

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا ○ (دہر آیت:۱)

''انسان پر ایک ایسا وقت بھی تھا کہ وہ قابل ذکر چیز نہ تھا''۔

یعنی خطائر قدس میں تھا۔ اور اس عالم سے پیوستہ تھا۔ اور اللہ رب العزت ایک اور جگہ فرماتا ہے:

''لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنسَانَ فِىْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ''

''البتہ ہم نے انسان کو عمدہ صورت کا بنایا''۔

یعنی عالم ارواح میں اور جب اس عالم سے ملا اور وہ انس فراموش کر دیا۔ تو پھر ایک اور نام اس کی فراموش کاری کی وجہ سے رکھا گیا اور چونکہ زمانہ حال اور مستقبل میں خطاب کرتا ہے۔ اس لئے اسی کے مناسب اس کا نام رکھا کہ

''یٰـاَیُّهَا النَّاسُ'' (بقرہ آیت:۲۱)

''یعنی اے فراموش کار''۔

شاید کہ تو انس کے زمانے کی نسبت کچھ یاد کر لے۔ اور کیا گیا

''سمی الانسان ناساً لانه ناس''

''انسان کا نام ناس رکھا گیا ہے۔ کہ وہ بھولنے والا ہے''۔

اور یہی وجہ ہے۔ کہ حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں!

''وَذَكِّرْهُمْ بِاَيَّامِ اللّٰهِ''

''یعنی ان لوگوں کو جو کہ نیاوی روزگار میں مشغول ہیں''۔

اللہ تعالیٰ کے دنوں کی یاد دلا۔ جبکہ وہ مقام قرب اور بارگاہ الٰہی کے قرب و جوار میں تھے شاید اس یاد دلانے سے وہ مہر و محبت ان کے دلوں میں جنبش کرے۔ اور دوبارہ اصل گھونسلے اور حقیقی وطن کا قصد کرلیں۔ جیسا کہ

''لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ اور لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ'' (اعراف آیت:۱-۱۶۸)

''ہوسکتا ہے۔ کہ وہ یاد کریں اور ہوسکتا ہے۔ کہ وہ واپس لوٹیں''۔

اگر اس وطن کی محبت ان کے دلوں میں جنبش کرے۔ تو عین ایمان ہے۔ کیونکہ ''حب الوطن من الایمان'' مشہور ہے۔ اور اگر واپس ہونے کا قصد کرے۔ اور جس راہ سے آیا ہے۔ اسی راہ پھر واپس چلا جائے۔ تو یہ ایقان کا مسئلہ ہے۔ اور اگر اپنے اصل وطن میں پہنچ جائے۔ تو یہ احسان کا مقام ہے۔ اور اگر اصل وطن سے گزر جائے۔ تو یہ عرفان کی چوکھٹ ہے۔ اور وہاں پر نہ ٹھہر کر بارگاہ الٰہی میں وصول کا قدم رکھے۔ تو یہ درجہ عیان ہے۔

پھر اس کے بعد وصف کی حد ہے۔ اور نہ ہی عالم بیان اور اگر اصل وطن کی محبت دل میں جوش زن نہ ہو۔ اور واپسی کا قصد بھی نہ کرے۔ بلکہ دل کو اس جہان کی دولت اور مال سے لگا لے۔ اور نفسانی خواہشات کی پیروی کرنے لگ جائے۔ تو یہ ایمان کا نسیان ہے۔ اور کفر کا سب سے ادنیٰ درجہ ہے جیسا کہ

وَلٰكِنَّهٗ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ (اعراف:۱۷۶)

''جس نے روئے زمین پر ہمیشہ رہنا چاہا اور اپنی خواہش کی پیروی کی پس اس کی مثال کتے کی سی ہے''۔

اور جو شخص انہیں حجاب میں رہا۔ اور ان آفات میں پھنس گیا۔ وہ

''وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۝''

''زمانہ کی قسم! بیشک انسان نقصان میں ہے''۔

کے ابدی نقصان میں رہا اس میں قسمیہ طور پر کہا جا رہا ہے۔ کہ انسانی روح قالب کے تعلق کی وجہ سے نقصان کی آفات میں گرفتار ہو چکی ہے۔ مگر وہ لوگ کہ جنہوں نے ایمان اور عمل صالح کے وسیلے ارواح کو ان آفات اور صفات قلب کے حجابات سے خلاصی دی۔ اور اصل جائے قرار پر آ پہنچے۔ قالب سے انسانی روح اور اس کی آفات کی مثال ایسی ہے۔ جیسا کہ کسی شخص کے پاس بیج ہو۔ اگر وہ اس کو بوئے۔ اور اس کی پرورش کرے۔ تو ایک سو یا سات سو بھی ہو جاتے ہیں۔ اگر وہ بیج اسی طرح رہے۔ تو بھی اس سے کچھ نہ کچھ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ لیکن جب بیج زمین میں بو کر اس کی پرورش نہ کرے۔ تو مٹی کی یہ خاصیت ہے۔ کہ بویا ہوا بیج گل سڑ جائے۔ اور بیج کے پھوٹ نکلنے کی استعداد کو باطل کر دے۔ پس انسانی روح کا بیج پیشتر اس کے کہ قالب کی زمین میں ڈالا گیا اس میں کلام الٰہی کے سننے کی قابلیت تھی۔ جیسا کہ

''اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ'' (اعراف 27)

کے عہد سے معلوم ہوتا ہے۔ اور ''بلٰی'' کے جواب کی قابلیت بھی اس میں تھی۔
اگرچہ یہ کاشتکاری اس لئے کی کہ روح کے بیج کو بینائی۔ شنوائی۔ اور گویائی جو کہ اس میں پہلے سے موجود ہے۔ سوگنی یا پھر سات سوگنی ہو جائے۔ لیکن جب تک اس بیج کو ایمان کا پانی اور عمل صالح کی تربیت نہ دی جائے۔ تو اس کی حالت نقصان پذیر ہی رہے گی۔ اور حقیقی بینائی' شنوائی اور گویائی سے محروم رہ جاتا ہے۔ اور جب اسے ایمان کا پانی دیا جائے۔ اور عمل صالح سے اس کی تربیت کی جائے۔ تو وہی بیج پھل اور پھول وغیرہ لاتا ہے۔

اور بشریت کی زمین کے نشیب سے عالم عبودیت کی بلندی کا قصد کرتا ہے۔ اور نقصان کے ادنیٰ درجات سے خلاصی پاتا ہے۔ اور مدد اور تربیت کے مطابق جو کہ اسے ملتی ہے نجات کے درجات کو جس سے مراد جنت ہے' پہنچ جاتا ہے۔ اور اگر کم ہمتی اور بے وقوفانہ طبع سے درخت کی تربیت نہ کرے اور پھل اور پھول وغیرہ کی طلب نہ رکھے۔ تو اسے کب اہل جنت کے درجات مل سکتے ہیں۔

"ان اکثر الجنة البله"

''بہت سے اہل جنت بے وقوف ہیں''۔

اگر پھل لانے کے مرتبہ کو پہنچ جائے۔ جو کہ معرفت کا مرتبہ ہوتا ہے۔ تو وہ اہل اللہ اور خاصان الٰہی سے ہو جاتا ہے۔ اور اگر نعوذ باللہ روح کے بیج کو ایمان کا پانی اور عمل صالح کی تربیت نہ ہو۔ تو وہ بشریت کی زمین میں گل سڑ جائے گا۔ اور خاکی طبیت قبول کرے گا۔

''وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ'' (اعراف آیت:۱۷۶)

''مگر اس نے زمین پر ہمیشہ رہنا چاہا اور اپنے نفس کی پیروی کی''۔

کی خاصیت سے مخصوص ہو جاتا ہے۔ اور اپنے نفس کی پیروی کی) کی خاصیت سے مخصوص ہو جاتا ہے اور

''خَالِدِیْنَ فِیْهَا اَبَدًا اَبَدًا''

''اس میں ابدالآباد تک رہے گا''۔

کے مطابق نقصان میں رہے گا۔

جب بچہ پیدا ہوتا ہے۔ تو ابھی حجاب مضبوط نہیں ہوتے اور قرب الٰہی کا عہد ابھی تازہ ہی ہوتا ہے۔ اور انس الٰہی کا ذوق ابھی باقی ہوتا ہے۔ اس لئے جب ماں سے جدا ہوتا ہے۔ تو اسی وقت رونے لگتا ہے۔ اور ہر گھڑی جب بارگاہ الٰہی کا شوق غالب ہوتا ہے۔ تو فریاد اور آہ وزاری کرتا ہے اس عالم کے رنج مفارقت میں بے تاب رہتا ہے۔ اور رنجور دل اور مہجور جان کے سبب زبان حال سے بڑی عاجزی کے ساتھ بارگاہ الٰہی میں عرض کرتا ہے۔

آں دل کہ تو دیدۂ فگار ست ہنوز
وزعشق تو با نالۂ زار است ہنوز
از آتش دل برکار است ہنوز
وز آب دو دیدۂ برقرار است ہنوز

(خیام)

ہر لحظہ اس کو اس کی نظری حس کے مناسب اور اس کی طبع کو خوش کرنے والی چیزوں میں مشغول کرتے ہیں۔ اور اس کا دل بہلاتے ہیں۔ تاکہ وہ اُس عالم کو فراموش کر دے۔ اور اس عالم سے محبت پیدا کر لے۔

دوسری مرتبہ جب اسے ایک لحظہ چھوڑ دیتے ہیں۔ تو ہندوستانی یا تھائی لینڈ کے ہاتھی خواب میں دیکھتا ہے۔ تو پھر رونے لگتا ہے۔ اور ایسا رات کے وقت زیادہ ہوتا ہے۔ اور اس لئے کہ دن کے وقت اس کی نگاہ محسوسات میں مشغول رہتی ہے۔ اور رات کو کم مشغول ہوتی ہے۔ اس لئے رات گریہ وزاری زیادہ کرتا ہے۔

پھر مہربان ماں اپنے پستان بچہ کے منہ میں ڈالتی ہے۔ تو وہ دودھ کا مزہ چکھتا ہے۔

اوراس طرح ہوتے ہوتے وہ دودھ سے مانوس ہو جاتا ہے۔ اور آہستہ آہستہ اصل انس کو بھول جاتا ہے۔ یہاں تک کہ حد بلوغ تک پہنچتے پہنچتے عالم محسوس سے پورے طور پر مانوس ہو جاتا ہے۔ اور عالم غیب بالکل فراموش ہو جاتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ حیوان کا بچہ تھوڑی سی مدت میں ہی پرورش پا جاتا ہے۔ اور پھر اپنی مصالحت سے قیام کرتا ہے۔ اور بہت جلد اپنی جنسیت کے کمال کو پہنچ جاتا ہے۔ اور قوت بھی حاصل کر لیتا ہے۔ اور اس کا بدن بالکل مکمل ہو جاتا ہے۔ اور آدمی کا بچہ مدت تک اپنی مصالحت سے قیام کرتا ہے۔ اور کہیں جا کر پندرہ سال میں اپنی بلوغت کو پہنچتا ہے۔ اور چالیس سال میں اپنی کمالیت کی حد کو پہنچتا ہے۔ پھر اس کا بدن مکمل ہو جاتا ہے۔ اور پوری طاقت بھی حاصل کر لیتا ہے یہ محض اس لئے ہے۔ کہ آدمی کے بچے کو دوسرے عالم سے انس ہے۔ اور غیب کے مشرب کا انس اسے حاصل ہے۔ اور اس عالم کے فراق کا بوجھ اس کی جان ہے۔ اس عالم سے وہ آشنا نہیں ہو سکتا اور اپنے آپ کو اس عالم کے حوالے نہیں کر سکتا۔ لیکن عرصہ دراز میں۔ تا کہ بتدریج عالم علوی سے اس کی طبیعت غیر مانوس ہو کر مشارب غیبی فراموش ہو جائیں۔ پھر اسے مشارب حسی کے ذوق حاصل ہوتے ہیں۔ پھر اس عالم کے ایک طرف میں ہوتا ہے۔ یعنی غیب و شہادت کی دورنگی میں ہوتا ہے۔ اور اس وقت تک زیادہ نشو ونما نہیں کرتا اور اپنے جسمانی کمال کو بھی نہیں پہنچتا۔ پھر جب اس عالم کو بالکل بھول جاتا ہے۔ اور اس کا بدن بھی اپنی پوری قوت حاصل کر چکا ہوتا ہے۔ تو پھر دنیاوی نفع حاصل کرنے یا پھر دنیاوی تکلیفوں کو دور کرنے کے لئے بہت سے ایسے حیلے اور مکر سوچتا ہے۔ بلکہ کرتا ہے کہ کوئی حیوان یا شیطان بھی نہیں کر سکتا۔ مگر چونکہ حیوانات کو دوسرے عالم کی خبر نہیں ہوتی اس عالم کے ایک طرف پڑے ہوئے ہیں۔ اس لئے اپنی ساری ہمت اپنی بہتری پر خرچ کرتے ہیں۔ اور بڑے ذوق وشوق سے اپنی حسی لذتوں کو پورا کرنے میں مشغول ہوتے ہیں۔ اور اسی لئے جلدی پرورش پا جاتے ہیں۔ اور پھر اپنے کمال کو پہنچ

جاتے ہیں غرض یہ کہ روح انسانی سے روحانی اور جسمانی حجاب جو کہ قالب کے تعلق اور ملک اور ملکوت کے عبور سے اسے حاصل ہوتے ہیں ۔ جو کہ قولی اور فعلی حرکت ظاہر و باطن میں طبع کے موافق ظہور میں آتی ہے وہ سب اس کی جہات' ظلمت' دوری اور حجاب کا باعث ہوتی ہے۔

اور عالم غیب سے اس کے حرمان کا سبب ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ اس عالم کی نسبت ایسا بے خبر ہو جاتا ہے۔ کہ خواہ ہزاروں سچی خبریں دینے والے اس کو سچی خبر دیں کہ تو ایک وقت اس عالم میں تھا تو بھی وہ قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا اور اس بات پر یقین نہیں کرتا۔ مگر وہ لوگ جو کہ منظور نظر عنایت ہو گزرے ہیں یا کہ نہیں ان میں اس انس کا اثر جو کہ انہیں بارگاہ الٰہی سے حاصل تھا باقی ہے۔ اگر چہ وہ اپنی عقل سے نہیں جانتے کہ ہم کسی وقت دوسرے عالم میں تھے۔ لیکن جب کوئی سچا خبر دینے والا انہیں کہتا ہے۔ تو اس خبر دینے والے کی سچائی کے نور کا اثر اور وہ انس جو کہ سننے والے کے دل میں باقی ہوتا ہے آپس میں مل جاتے ہیں۔ اور ایک دوسرے کے گلے میں بازو ڈال لیتے ہیں۔ اس لئے کہ دونوں کا اصل وطن ایک ہی ہوتا ہے۔ اور ایک دوسرے کو پہچان لیتے ہیں۔ پھر اس موافقت کا اثر جس جس دل پر بھی پڑتا ہے سب کے سب فوراً اقرار بھی کر لیتے ہیں۔ مختصر یہ کہ جہاں کہیں اس انس سے کوئی بھی نشان باقی ہے۔ اور وہی ایمان کا اصل بیج ہے۔ اور وہ جلدی ایمان لاتا ہے۔ اور جس کے دل میں وہ انس باقی نہ رہا۔ اور جس کا دل عالم غیب سے وابستہ بھی نہیں ہے وہ ہرگز ہرگز ایمان نہیں لاتا۔ جیسا کہ اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے!

''سَوَآءٌ عَلَيۡهِمۡ ءَاَنۡذَرۡتَهُمۡ اَمۡ لَمۡ تُنۡذِرۡهُمۡ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ ○ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ وَعَلٰى سَمۡعِهِمۡ ؕ وَعَلٰٓى اَبۡصَارِهِمۡ غِشَاوَةٌ '' (البقرۃ آیت:۶)

''ان کے لئے یکساں ہے۔ خواہ تو انہیں ڈرائے یا نہ ڈرائے وہ کبھی ایمان نہیں

لانے والے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے ان کے کانوں پر' ان کی آنکھوں پر گمراہی کے پردے چھائے ہوئے ہیں''۔

بعض طالبان راہ حق کیلئے اثنائے سلوک میں حجابات ان کی نظروں سے دور کر دیئے جاتے ہیں۔ تا کہ وہ روحانی اور جسمانی تمام مقامات کہ جن سے انہوں نے عبور کیا تھا۔ پھر دوبارہ دیکھ لے۔ بلکہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ بعض کی ارواح کو قالب سے تعلق دیتے وقت نسیان سے محفوظ رکھا جاتا ہے۔ اور اس سے اللہ رب العزت کی قدرت کا اظہار اور محبت کا اثبات ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کو پہلا مقام اور تمام موجودات پر عبور کرنا باپ کی پیٹھ پر پہنچنا ماں کے رحم میں داخل ہونا اور اس جہان سے ملنا سب کچھ یاد ہوتا ہے۔ اور اس کا نقشہ اس کی آنکھوں کے سامنے جمار رہتا ہے۔

یہاں ایک نہایت اہم تحریر کرنا چاہوں گا وہ یہ کہ ایک دفعہ میری ملاقات اپنے شیخ ''حضرت سید افتخار احمد حسین شاہ گیلانی سجادہ نشیں درگاہ حضرت محبوب ذات'' سے ہوئی تو انہوں نے فرمایا کہ مجھے یاد ہے۔ کہ میں عالم ارواح میں تھا۔ اور جب میں عالم ارواح سے اس عالم میں آیا تو میری روح کو آسمان پر پھرایا گیا جس آسمان پر میں جاتا وہاں کے رہنے والے میری حالت پر رو دیتے اور کہتے۔ کہ اس بیچارے کو پھر مقام قرب سے عالم بعد میں بھیجتے ہیں۔ اور انس سے وحشت میں بھیجتے ہیں۔ اور ''اعلیٰ'' سے ''اسفل'' میں لاتے ہیں۔ اور خطائر قدس کے فراخ کوچے سے دنیا کے تنگ کوچے میں پہنچاتے ہیں۔ اور میری اس حالت پر وہ افسوس کرتے تھے اور میرے لئے بخشش مانگتے تھے ان کو حکم الٰہی ہوا کہ یہ خیال نہ کرو کہ اس کو اس عالم میں بھیجنا۔ اس کے لئے خواری کا باعث ہے۔ مجھے اپنی خداوندی کی قسم ہے۔ کہ اُس جہان میں اپنی ساری عمر میں ایک دفعہ بھی کسی کنویں پر کسی بڑھیا عورت کے گھڑے میں ایک ڈول پانی نکال کر ڈالے۔ تو اس سے بہتر ہے۔ کہ لاکھ سال خطائر قدس میں سبوحی اور قدوسی میں مشغول رہے تم!

''كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ'' (مومنون آیت:۵۳)

''ہرگز وہ اپنی حالت میں مست ہے''۔

کی گودڑی میں سر لپیٹے پڑے رہو اور ہماری خداوندی کا کام :مارے ہی سپرد رہنے دو کیونکہ

''اِنِّیْ اَعْلَمُ مَالاَ تَعْلَمُوْنَ '' (بقرہ آیت ۳۰)

''جو کچھ تم نہیں جانتے میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں''۔

درج بالا واقعہ ''آپ قدس سرہ العزیز نے جب نو ماہ حالت جذب میں گزارے تو واپس جب حالت صحت میں آئے اس کے بعد سنایا''۔ (صلی اللہ علی محمدٍ وآلہٖ اجمعین)

صوفیائے کرام فرماتے ہیں۔ کہ اللہ رب العزت نے میثاق کے دن انسانوں کو ذرات کی شکل میں ظاہر فرما کر ان سے اپنی ربوبیت کا عہدہ لیا۔ پھر ان ذرات کو دلوں میں' دلوں کو اجسام میں اور اجسام کو دنیا میں امانت کے طور پر لکھا اور یہ ذرات تا وقت ولادت دلوں کے روزن میں۔ کہ جن کے ذریعے دل کو عالم غیب نظر آتا رہا۔ اور وہاں کی آوازیں محسوس ہوتی رہیں۔ اس لئے روایت میں آتا ہے۔ کہ ہر بچہ اسلام پر پیدا ہوتا ہے اس کے ماں باپ اس کو یہودی' عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔ اور جب ہوش سنبھال کر انسان بری صحبتوں میں بیٹھا تو آہستہ آہستہ روزن بند ہوتے چلے گئے یہاں تک کہ اب کھلنے کے بھی قابل نہ رہے۔ لہٰذا اب اس شخص کے پاس صرف بصارت ہی رہ گئی ہے' بدبختی کے باعث بصیرت نہ رہی۔ ایک بزرگ نے فرمایا کہ جو مجھے دیکھ لے وہ جنتی ہو جائے گا۔ تو معترض نے اعتراض کیا کہ ابوجہل تو حضور اقدس ﷺ کو دیکھ کر جنتی نہ بن سکا اور لوگ آپ کو دیکھ کر کیسے جنتی بن جائیں گے تو انہوں نے جواب دیا کہ مجھے اللہ رب العزت کی قسم ہے۔ کہ ''ابوجہل لعین نے محمد رسول اللہ ﷺ کو نہ دیکھا۔ بلکہ محمد ابن عبد اللہ کو دیکھا اور اگر محمد

رسول اللہ ﷺ کو دیکھ لیتا تو ممکن ہی نہ تھا کہ وہ دوزخ میں جاتا۔ کیونکہ محمد رسول اللہ ﷺ کو دیکھ لینے والی آنکھ دوزخ میں جا ہی نہیں سکتی"۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ حسن لیلیٰ کے لئے دیدۂ مجنوں چاہئے۔ اور جمال مصطفےٰ ﷺ کے لئے صدیقی نگاہ درکار ہے۔ اللہ رب العزت قرآن مجید میں فرماتا ہے!

"وَتَرٰهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ"

"اے محبوب ﷺ! وہ آپ کو دیکھتے تو ہیں۔ مگر دیکھتے نہیں"۔

فرماتے ہیں۔ کہ بیج زمین میں چھپایا جاتا ہے۔ پھر وہ درخت کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ اور درخت سے شاخ اور شاخ سے پھل پھول۔ غرض کہ پھل اس کے بیج کے سارے ظاہری و باطنی اوصاف کو بیان کر دیتا ہے۔ اور پکار کر زبان حال سے کہتا ہے۔ کہ اے دیکھنے والو! کہ اگر تم میرے بیج کا اندرونی اور بیرونی حال معلوم کرنا چاہتے ہو۔ تو مجھ کو دیکھ لو تو گویا یہ پھل بیج کے ظہور کا خاتمہ ہے۔ لہٰذا اسی طرح تقدیر الٰہی کا راز نیک بختی اور بدبختی کا تخم ہے۔ کہ جو اللہ رب العزت کے علم میں محفوظ ہے۔ پھر انسان کا وجود وہ درخت کہ جس میں یہ نیک بختی اور بدبختی محفوظ ہے۔ اس سے اخلاق کی شاخیں نکلیں اور ان شاخوں میں نیک و بداعمال اور اقرار و انکار کے پھل لگے۔ پھر ان پھلوں نے اُن اسرار الٰہیہ کو جو کہ اب تک چھپے ہوئے تھے۔ ظاہر فرما دیا تو یہ دل اور کانوں کی مہر اور آنکھوں کے پردے ان بھیدوں کا مظہر ہیں۔

بزرگان دین فرماتے ہیں۔ کہ اللہ والوں کی عداوت سے دل میں سختی پیدا ہوتی ہے۔ اور ان سے دشمنی رکھنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ دل پر مہر لگ جاتی ہے۔ اور پھر اس دل کو ایمان میسر نہیں ہوتا اسی لئے ایک حدیث قدسی میں ارشاد پاک ہے۔ کہ "جو کوئی میرے ولی سے عداوت رکھے میں اس کو اعلان جنگ دیتا ہوں"۔ اسی لئے کہا جاتا ہے۔ کہ محبت کے کفر سے عداوت کا کفر بہت سخت ہے۔ یعنی ایک شخص کسی نبی کی محبت میں حد سے بڑھ

کر کافر ہو گیا۔ جیسے کہ عیسائی ہیں۔ اور دوسرا نبی کی عداوت کی وجہ سے کافر ہو گیا۔ جیسا کہ یہودی ہیں۔ اگرچہ یہ دونوں فرقے اسلام سے خارج ہیں۔ مگر یہودی عیسائی کی نسبت زیادہ سخت کافر ہیں۔ اسی لئے یہودی اللہ رب العزت کی نعمتوں سے یکسر محروم ہیں۔ کہ ان کے لئے فرمایا گیا ہے!

"ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ"

ترجمہ: اور یہودیوں پر ذلت اور مسکینی لکھ دی گئی۔

اسی طرح بعض روافض حضرت سیدنا علی شیر خدا کرم اللہ وجہہ کی محبت میں حد سے بڑھ کر ایمان سے خارج ہو گئے۔ اور انبیائے کرام علیہم السلام کی گستاخی کرنے والے نجدی اسلام سے خارج ہیں۔ مگر ان روافض سے یہ نجدی زیادہ سخت کافر ہیں۔

روح اور قالب کے تعلق میں حکمت

القرآن : وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ ○ (الذریت آیت:۵۶)

''ترجمہ: ''اور میں نے جن اور انسان کو اس لئے پیدا کیا کہ میری عبادت کیا کریں۔''

الحدیث: اَلدُّنْيَا مَزْرَعَةُ الْاٰخِرَةُ ○

''ترجمہ: ''دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔''

واضح رہے کہ جس طرح دنیاوی زمین کو اللہ رب العزت نے یہ قابلیت عطا فرمائی ہے۔ کہ جب کوئی دانہ وغیرہ اس میں بویا جاتا ہے۔ اور اس کی پرورش کی جاتی ہے۔ تو ایک کے سو یا سات سو ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے!

''اَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ط وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ'' (البقرہ آیت:۲۶۱)

ترجمہ: ''اس کی مثال اس دانے کی سی ہے۔ اور اس میں سات خوشے لگیں اور ہر خوشے میں سو دانے ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ جس کے چاہتا ہے اس سے بھی کئی گنا کر دیتا ہے''۔

اسی طرح دنیاوی قابلیت میں بھی یہ قابلیت رکھی ہے۔ کہ وہ آخرت کی کھیتی بن سکے اور اس میں نیک اعمال کے بیج بوئے جائیں۔ تاکہ قیامت کے دن ایک کے سو یا پھر سات سو بھی حاصل ہوسکیں۔ جیسا کہ

"محنة بعشر امثالها الی سبعاته ضعف"

"نیکی کی ویسے ہی دس سے لے کر سات سو تک نیکیاں ملتی ہیں"۔

سے ظاہر ہے۔ اور ہو بھی سکتا ہے۔ کہ ان گنت اور بے شمار حاصل ہوں۔ جیسا کہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں فرماتا ہے!

"اِنَّمَا یُوَفَّی الصَّابِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ ○" (زمر آیت: ۱۰)

"بیشک صابروں کو بے حساب اجر ملتا ہے"۔

سے ظاہر ہے۔ اور اس طرح انسانی قالب کی زمین کو یہ استعداد عنایت کی ہے۔ کہ جب

"وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ"

"اور اس میں میں نے اپنی روح پھونکی"۔

کی روحانیت کا بیج اس میں بوئیں اور عبادت کے پانی اور شریعت کے آفتاب سے اس کی پرورش کریں تو اس سے قرب اور معرفت کے اس قدر پھل حاصل ہوتے ہیں۔ جو کہ کسی بھی مخلوق کے وہم و گمان سے بالا ہیں۔ اور کسی کہنے والے کا بیان اس کی حقیقت کو نہیں پہنچ سکتا۔ لیکن صرف اس قدر کہ فرمایا!

"میں نے اپنے پرہیزگار بندوں کے لئے وہ کچھ تیار کر رکھا ہے جسے نہ آنکھوں نے دیکھا نہ کانوں نے سنا اور نہ ہی کسی انسان کو اس کا خیال آیا"۔

لہٰذا جس طرح دنیاوی بیج کو اس کے کمال تک پہنچانے کے لئے اس قدر اسباب آلات اور اوزار وغیرہ دستیاب ہیں۔ جیسا کہ زمین جس میں بیج ڈالتے ہیں۔ اور آسمان کہ

جس سے پانی حاصل ہوتا ہے۔ اور ہوا جو زمین کی سردی اور آفتاب کی گرمی کو معتدل کرتی ہے۔ اور دیگر دوسرے اسباب اور آلات مثلاً کوئی آدمی جب زمین میں بیج بوئے گا۔ تو اس کو بیلوں کی ضرورت بھی ہوگی۔ اور اس کے علاوہ لوہا' لکڑی اور رسی وغیرہ بھی دستیاب ہوتی ہے۔ پھر ان اشیاء کی تیاری کے لئے بڑھئی۔ لوہار اور رسی کاتنے والا جولاہا بھی چاہئے۔ جو کہ ان آلات کو درست کر سکے اور مزید یہ کہ ان اشخاص کو مزید کئی اشخاص بھی درکار ہوں گے۔ تا کہ وہ اپنا کام چلا سکیں۔ جیسے نانبائی۔ قصاب۔ باورچی۔ سبزی فروش۔ کاتنے والا۔ بننے والا۔ بینئے۔ دھونے والا۔ سلائی والا۔ استری والا وغیرہ وغیرہ اور پھر ان افراد کو بھی اور لوگوں کی ضرورت ہوگی۔ تا کہ یہ افراد اپنے کام میں اچھی طرح مصروف ہو سکیں۔

مثلاً چکی چلانے والا۔ چرانے والا۔ سوداگر۔ جانور اور ساربان وغیرہ۔ غرض یہ کہ ہر ایک قسم کے فرد کو دیگر متعلقہ افراد کی لازمی طور پر ضرورت ہوگی۔ تا کہ اپنی مصلحت کو قائم رکھ سکیں۔ اور ان سب باتوں کے بعد ایک عادل حاکم یا سربراہ مملکت کی بھی لازمی ضرورت ہوتی ہے۔ تا کہ خلقت کو مساوی طور پر اپنی نظر میں رکھ سکے۔ مظلوموں کو ظالم افراد کے ظلم و ستم سے بچا سکے اور رعایا کا حامی اور نگہبان بن کر رہے۔ تا کہ ہر ایک شخص امن اور فراغت سے اپنے کام میں مصروف رہ سکے۔ لہٰذا جب آپ غور سے دیکھیں گے تو ہمیں بخوبی معلوم ہوگا کہ دنیا میں آسمان۔ ستارے۔ زمین۔ چاند۔ سورج۔ مفرد۔ مرکب۔ عناصر۔ نباتات۔ جمادات۔ حیوانات۔ فرشتے۔ جن۔ انسان۔ کاریگر۔ اہل حرفہ۔ تاجر۔ عالم۔ امین۔ بادشاہ۔ وزیر اور بڑے بڑے وزراء اور امراء ان سب کو ایک دنیاوی بیج کی خاطر کام میں مشغول رہنا پڑتا ہے پس خیال رہے کہ جہاں پر روحانیت کے بیج کی کھیتی باڑی ہوگی جو کہ ''مِنْ رُّوْحِیْ'' کے خاص انبار سے نکال کر ''نَفَخْتُ فِیْهِ'' کے طعنہ کے بغیر انسانی قالب کی زمین میں بویا گیا ہے اس کی پرورش میں اسے درجہ کمال۔ یعنی مقام معرفت تک

پہنچانے کیلئے کس قدر آلات' اوزار اور اسباب درکار ہوں گے پس جب آپ حقیقت کو غور سے دیکھیں گے تو معلوم ہو جائے گا کہ دنیا و آخرت' آٹھوں جنتیں اور ساتوں دوزخ اور جو کچھ ان میں ہے وہ سب کچھ اس بیج کی پرورش کے لئے درکار ہے۔ تا کہ یہ معرفت کا ثمرہ حاصل کر سکے۔ جیسا کہ اللہ رب العزت نے فرمایا ہے!

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ ○ (الذریت آیت:۵۶)

''جنوں اور انسانوں کو صرف عبادت کے لئے پیدا کیا گیا ہے''۔

پس روح اگرچہ عالم ارواح میں اللہ رب العزت کے قرب و جوار میں ذوق حاصل کرتی تھی۔ اور اس عالم کے مناسب اسے معرفت بھی حاصل تھی۔ اور اللہ رب العزت کے مکاشفہ' مشاہدہ اور مکالمہ سے بے بہرہ تھی۔ لیکن ان مقامات کا کمال اور ان سعادتوں کی کمالیت قالب کے تعلق اور اس کی پرورش سے پائی۔ اس لئے کہ یہ بیرونی اور اندرونی آلات اور اوزار کہ جن کی ضرورت اسے معرفت حاصل کرنے میں تھی مثال کے طور پر نفس۔ قلب۔ سر۔ خفی اور قوائے بشریٰ کے مددگار باطنی وغیرہ اور پانچ حواس ظاہری۔ یعنی سننا۔ چکھنا۔ سونگھنا۔ دیکھنا اور چھونا۔ کیونکہ اگرچہ روح کو عالم غیب میں روحانی نور حاصل تھا جس سے اس عالم کا ادراک اسے حاصل تھا۔ اور اس مقام کے مناسب اسے عقل بھی تھی۔ لیکن غیبی اور شہادتی مدرکات جو کہ دونوں جہان کی جزئیات اور کلیات کا ادرک کرے اسے حاصل نہ ہوئی۔ وہ یہاں پر حاصل ہوئی اور حقیقی معرفت کا استحقاق ان آلات اور دروازوں کے وسیلے پایا۔ اور معرفت حقیقی سے مراد اللہ رب العزت کی ذات اور صفات کی معرفت ہے جیسا کہ ارشاد ہے:

''فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ''

''پس مجھے خواہش ہوئی کہ میں پہچانا جاؤں''۔

معرفت کی اقسام

معرفت کی تین قسام ہیں:

۱-معرفت عقلی

۲-معرفت نظری

۳-معرفت شہودی

عقلی معرفت

معرفت عقلی تو تمام لوگوں کو حاصل ہے اس میں مسلمان، کافر، یہودی، عیسائی، آتش پرست، ملحد، فلسفی، طبایعی اور دہریئے وغیرہ سب شامل ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ تمام عقل میں ایک دوسرے کے شریک ہیں۔ اور سب کے سب اللہ رب العزت کے وجود کا اعتراف کرتے ہیں۔ اور ان میں جو خلاف ہے۔ تو وہ صرف صفات الوہیت کے بارے میں ہے نہ کہ ذات کے بارے میں ہے۔ اور یہی خلاف مسلمانوں میں بھی باہم ہے۔ لیکن ذات الوہیت کے سب معترف ہیں۔ جیسا کہ اللہ رب العزت نے کفار کے حق میں فرمایا ہے!

''وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ'' (لقمان، آیت: ۲۵)

''اور اگر ان سے یہ پوچھا جائے کہ آسمان اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو یہی کہیں گے کہ خدا نے''۔

اور وہ لوگ جو کہ بت پرستی کرتے تھے۔ وہ بھی کہتے ہیں۔ کہ

''مَا نَعۡبُدُهُمۡ اِلَّا لِيُقَرِّبُوۡنَاۤ اِلَى اللّٰهِ'' (الزمر آیت: ۳)

''ہم ان کی پرستش صرف اس لئے کرتے ہیں۔ کہ وہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیں''۔

لیکن اس قسم کی معرفت نجات کا موجب نہیں ہوتی۔ مگر پھر بھی ان کو نجات حاصل ہے۔ اور جن کی نظر عقلی ایمان کے نور سے مدد لے کر نبوت کا اقرار کر گئی اور جو شرع کے اوامر اور نواہی پر قائم ہیں۔ کہ جس میں روح کے بیج کی تربیت ہوتی ہے۔ تا کہ بیج پھل پھول سکے اور معرفت عقلی میں حواس ظاہری اور قوائے بدنی اور نظر عقلی کے مدرکات کی ضرورت ہے۔ تا کہ ظاہری حواس سے عالم محسوسات کو دیکھ سکے اور قوائے باطنی سے عقلی نظر استعمال کرے اور عقل فوراً یہ نتیجہ نکالتی ہے۔ کہ اس مصنوع کا صانع ضرور ہونا چاہئے۔ اور جب آہستہ آہستہ موجودات کی ہر نوع کو غور سے دیکھتا ہے۔ تو قدرت کی خودکاری اور صنعت بازی کو دیکھتا ہے۔ اور پھر اس نتیجہ پر پہنچتا ہے۔ کہ ایسا فعل ضرور کسی قادر۔ حی۔ حکیم۔ عالم۔ سمیع۔ بصیر۔ متکلم اور مرید سے ظاہر ہونا چاہئے۔

پس جس شخص کی نظر زیادہ درست اور عقل زیادہ صاف ہو۔ اور حجابات بھی کم ہوں' ریاضت اور سوچ زیادہ ہو اس کی استدلات مصنوع سے صانع کے اثبات پر زیادہ تر ہوں گی۔ اور اس کے دلائل اور براہین وحدانیت پر زیادہ واضح ہوں گی۔ لیکن ایک بات واضح رہے کہ روح کو قالب میں اس قسم کی معرفت کے لئے ہرگز نہیں بھیجا گیا وہ اس لئے کہ اس قسم میں دلیل کا طلب کرنا ہے۔ اور دلائل میں بہت فرق ہو جاتا ہے۔ بلکہ یہاں تک کہ کافر' ملحد اور فلسفی وغیرہ ہر ایک اپنے اپنے کفر پر دلائل دے سکتا ہے۔ اور جب بہت سے دلائل پیش ہوں گے تو ان میں سے کسی ایک کا بھی قبول کر لینا واجب نہیں تاوقتیکہ اسے دوسرے دلائل پر ترجیح نہ ہو۔ اور اگر ترجیح ایک طرف کی ثابت ہو جائے۔ اور ترجیح درست

بھی ہو۔ تو معقول دلائل سے بھی صانع کے اثبات سے بڑھ کر نہیں ہوسکتی۔ خود روح کو قالب سے تعلق پیدا ہونے سے پیشتر معرفت الٰہی میں ان مقامات سے بڑھ کر دلائل حاصل تھے جو کچھ کہ آج وہ عقلی سنتا ہے۔ اور اس روز وہ بغیر وسیلہ خود اللہ رب العزت سے سنتا تھا۔ کیونکہ

''اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ'' کا جواب ''بَلٰی'' دیتا تھا۔ ''لیس الخبر کا لمعائیه'' یہاں پر ٹھیک طرح سے نہیں آتا۔ تاکہ دیکھی ہوئی چیز کی خبر دے۔ اور عیان کو بھی بیان کرے۔ یہ بالکل اسی قسم سے ہے۔ کہ کہتے ہیں۔ اسے چھوڑ دو۔ یہ پھر سامنے آجائے گا۔

معرفت نظری

معرفت نظری خاص کو حاصل ہوتی ہے۔ اور یہ اس طرز پر ہوتا ہے۔ کہ جب روح کا بیج بشریت کی زمین میں شریعت کے قانون کے عین مطابق طریقت کی پرورش اس طرح پاتا ہے ''جس طرح کہ تجلیۂ روح میں آگے تحریر ہوگا''۔ اور جب انسانی درخت کو پھل لانے کی نوبت آن پہنچتی ہے۔ تو پھل میں بھی وہی خاصیت آن پہنچتی ہے۔ جو کہ بیج میں تھی۔ اور مزید یہ کہ اور بھی بہت سی چیزیں اس سے پیدا ہوتی ہیں۔ اس کی مثال زرد آلو سی ہے۔ کہ جب اسے بوتے ہیں۔ تو اس سے سبزہ۔ درخت۔ شاخ۔ شگوفہ اور زرد آلو بھی ظاہر ہوتے ہیں۔ اور ایک بیج بو کر اس سے اسی قسم کے ہزارہا بیج بعینہٖ پیدا ہوسکتے ہیں۔ اور زرد آلو کا چھلکا پتے۔ شاخیں۔ درخت اور جڑ جو کہ بیج میں پہلے نہ تھی اپنے ساتھ اور بڑھا لیں اور ان میں سے ہر ایک میں ایک خاص خاصیت ہوتی ہے۔ اور وہ خاصیت کسی دوسرے میں نہیں ہوتی اور جو مزا اور خاصیت چھلکے میں ہوتی ہے وہ مغز میں ہرگز نہیں ہوتی پہلے اس بیج سے صرف منہ کو مزا حاصل ہوتا ہے۔ اب اس درخت اور بیج سے منہ کو بھی مزا حاصل ہوتا ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ آنکھوں کو بھی مزا حاصل ہوتا ہے کیونکہ

"الخضرۃ تزید فی البصر"

''سبزی سے بینائی زیادہ ہوتی ہے''۔

اور سونگھنے کی طاقت کو اس کے شگوفے سے حظ حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ اس میں بہت زیادہ خوشبو ہوتی ہے۔ اور مزید یہ کہ ہاتھ کو حظ حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کی لکڑی کا عصا بنتا ہے۔ نیز پاؤں کو بھی حظ حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کی لکڑی سے جوتیاں تیار کی جاتی ہیں اس کے علاوہ اس میں اور ان گنت خصوصیات فائدے۔ مصلحتیں ہیں ۔ جو کہ بیج میں نہ تھیں اگرچہ اس میں پوشیدہ (باطنی) طور پر موجود تھیں پس اسی طرح روح کے بیج سے بدن کا درخت ظاہر ہوتا ہے۔ اور پھر اس درخت میں نفس اور صفات نفس کی شاخیں نکل آتی ہیں۔ اور دوسری جانب دل اور اس کی صفات کی شاخیں نکلتی ہیں۔ اور پھر حواس ظاہری کے پتے نکلتے ہیں۔ پھر اس کے بعد قوائے باطنی کی جڑیں نکلتی ہیں۔ پھر سر کا شگوفہ پھوٹتا ہے۔ اور پھر خفی کا احکوک اس میں ظاہر ہوتا ہے اس کے بعد معرفت کا زرد آلو اس میں لگتا ہے پس روح کو پھل لانے کے مقام پر قسم قسم کے آلات اور ادرکات ظاہر ہوتے ہیں ۔ جو کہ پہلے نہیں ہوتے۔ پھر ظاہری اور باطنی مدرکات اس میں ظاہری سے مراد دیکھنا' سننا' سونگھنا' چکھنا' چھونا وغیرہ جس سے کہ سارے عالم شہادت کا جسے عالم ملک بھی کہتے ہیں معہ اس کی رنگین چیزوں کا ادراک کیا جاتا ہے۔ اور جس کا یہ پانچوں حواس ادراک نہیں کر سکتے اسے عالم ملکوت کہتے ہیں۔ اور وہی عالم غیب ہوتا ہے اس کے علاوہ اس کے لاتعداد مدارج اور مراتب بھی ہوتے ہیں۔ اور ان کا ادراک حواسِ خمسہ باطنی کر سکتے ہیں۔ اور باطنی حواس خمسہ مندرجہ ذیل ہوتے ہیں:

۱۔عقل ۔۲۔ دل ۔۳۔ سر۔۴۔ روح۔ ۵۔ خفی

جس طرح کہ ظاہری حواس ایک دوسرے کے مدرک میں دخل نہیں دے سکتے مثلاً سننے والی طاقت دیکھنے والی چیزوں میں کام نہیں آ سکتی اور دیکھنے والی قوت سننے والی چیزوں

میں کام نہیں آ سکتی اسی طرح حواس خمسہ باطنی بھی ایک دوسرے کے مدرکات میں تصرف نہیں کرتیں۔ مثلاً عقل دل کی مرضیات میں دخل نہیں دے سکتی۔ اور دل معقولات عقل میں دخل نہیں دے سکتا۔ لہٰذا اسی طرح باقی حواس کو بھی قیاس کر لیں پس وہ لوگ جو کہ معقولات میں عقلی نظر سے دوڑ دھوپ کرتے ہیں انہیں دل کے مراتب اور دوسرے دیگر مراتب کی بالکل خبر نہیں ہوتی۔ بلکہ حقیقت میں سچ پوچھیں تو خود ان کے پاس دل ہی نہیں ہوتا تو انہوں نے چاہا کہ عقل کو دل۔ سر۔ خفی کے عوالم میں جولان دیں۔ اور مجبوراً عقل کو فلسفی اور زندیقیہ عقدوں میں لا کر ڈال دیا۔ لیکن صاحب سعادت جب

''وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا'' (البقرۃ آیت:۸۹)

''گھروں میں دروازوں کی راہ داخل ہو''۔

کے دروازہ سے اندر آتا ہے۔ تو روح کے بیج کی پرورش شریعت کے قانون کے مطابق کرتا ہے۔ پھر یہ مدرکات اس کو کمال تک پہنچا دیتے ہیں۔ اور جو کچھ عالم ملک اور ملکوت وغیرہ میں کہ تین سو ساٹھ ہزار عالم ہیں انہیں ظاہری اور باطنی مدرکات کے وسیلے سے ادراک کرتا ہے۔

بلکہ یہاں تک کہ جس طرح عالم غیب میں کلیات کا عالم تھا بالکل اسی طرح اب وہ غیب اور شہادت دونوں جزئیات اور کلیات کا عالم ہو جاتا ہے۔ اور ان عوالم کا ہر ایک ذرہ جو کہ صفات الٰہی میں سے ایک صفت کا مظہر ہے۔ اور اللہ رب العزت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی اس میں رکھی ہوئی ہے۔ پھر حجابات کا نقاب اپنے چہرے سے ہٹا دیتا ہے۔ اور اللہ رب العزت اپنی نشانیوں کا جمال اسے دکھاتا ہے ''ہر ایک شئے میں اس کے لئے نشانی ہے۔ اور اس بات پر دلالت کرتی ہے۔ کہ وہ (خدا) ایک ہے''۔ یہ مرتبہ عالم ایقان کی دہلیز ہوتی ہے۔ جیسا کہ اللہ رب العزت فرماتا ہے!

''وَكَذٰلِكَ نُرِىْۤ اِبْرَاهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ

الْمُوْقِنِیْنَ ‘‘ (انعام آیت: ۷۵)

’’اور اسی طرح ہم نے ابراہیم کو زمین و آسمان کی سلطنت دکھا دی۔ تا کہ اسے یقین آ جائے‘‘۔

لہٰذا یہاں پر اللہ رب العزت کی ذات پاک کو وحدانیت سے پہچان سکتے ہیں اور الوہیت کی صفات کو عین الیقین سے دیکھ سکتے ہیں۔ یہ وہ مقام ہے جس کی نسبت ’’حضرت سید افتخار احمد حسین شاہ گیلانی سجادہ نشین درگارہ حضرت محبوب ذات فرماتے ہیں۔ کہ

’’مانظرت فی شیءٍ الا و رایت اللّٰہ فیہ ‘‘

’’جس چیز کو میں نے دیکھا اسی میں اللہ تعالیٰ دکھائی دیا‘‘۔

یہ مرتبہ اگرچہ بہت بلند ہے۔ اور یہ مقام حقیقت میں بہت ہی شریف ہے۔ اور یہ خاص کا مرتبہ اور مقام ہے۔ لیکن روح کو اس عالم میں بطور بیج کے اس قدر معرفت کی نظر کے لئے۔ جو کہ ابھی انسانیت کے درخت کا شگوفہ ہے۔ بھیجا گیا۔ پس جن خاص کو استعداد کا کمال اور تربیت کی خوبی عنائیت فرمائی ان کو اس درخت کے شگوفے میں ہی نہیں چھوڑا۔ بلکہ حقیقی پھل کے درجے تک پہنچا دیا۔ اور یہ مقام معرفت شہودی کہلاتا ہے۔ اور ایک بات یاد رہے کہ کائنات کو پیدا کرنے کا خیال بھی اسی معرفت کی خاطر تھا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے!

’’مخلقت الخلق لاعرف‘‘

’’پس میں نے خلقت کو اس واسطے پیدا کیا کہ میں پہچانا جاؤں‘‘۔

لیکن اس سے پہلے انبیائے علیہم السلام اولیائے کرام میں‘ کسی مشاطہ نے غیب کے اس پردہ نشین چہرے سے عزت کا نقاب نہیں اٹھایا۔ اور ہمیشہ اسے غیرت کے گنبدوں اور پردوں میں ہی پوشیدہ رکھا گیا۔ تا کہ نامحرموں اور غیروں کی نظر اس کے جمال کے کمال پر نہ پڑے اور ہر اہل اور نااہل کی نظر نہ لگ جائے۔ کیونکہ نظر کا اثر برحق ہے۔

عاماں بے اخلاصاں اندر گل خاصاں دی کرنی
مٹھی کھیر پکا محمد کتیاں اگے دھرنی

(میاں محمد بخش)

چاند پر چھائیاں اس لئے پڑ گئیں کہ وہ ہر لائق اور نالائق کا انگشت نما ہوا اور بالآخر نظر لگ گئی اور سورج نے جب یہ واقعہ دیکھا۔ تو ''دور باش نور باش'' (دور رہ نور رہ) کے مقولے پر عمل کیا۔ اور ناراضگی سے اپنا چہرہ گرم کر لیا۔ تاکہ اگر کسی خام طبع کی آنکھ کی پتلی اس کو دیکھے تو وہ اسے شعاعوں کی تلوار سے دور کر دے۔ اسی وجہ سے وہ سلامت رہا۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ چاند کو دیکھنے والوں نے نظر لگا دی۔ اور سورج نے دیکھنے والوں کے لئے تلوار سونت لی۔

از خورشید جز گرمی نیا بد چشم نابینا

حاصل کلام

حاصل کلام یہ کہ یہاں تک مشائخ عزت کا برقع غیب کی کنواریوں کے چہرے پر ڈالتے تھے اور غیرت کے پردوں کو بیان کے ہاتھ سے نہیں اٹھاتے تھے۔ تاکہ عرفان کا جمال کہیں ظاہر نہ ہو جائے۔ اور یہ سب کچھ اس لئے تھا کہ عبودیت کی رجولیت ایک گروہ میں وہ مشاہدہ کرتے رہے اور تحیت سے بعضوں سے جھگڑے بھی ہیں۔

عاقل تھیں بے عقل سدا یا بھل گئیاں سب گتاں
ننگ ناموس سنبھال محمد دین سیانے متاں

(میاں محمد بخش)

حضرت منصور حلاج رضی اللہ عنہ کی ایک بہن تھی جو کہ اس راہ میں رجولیت کا دعویٰ کرتی تھی۔ اور بہت ہی حسین و جمیل بھی تھی وہ کبھی کبھی بغداد شہر میں آتی تو آدھا چہرہ ڈھانک لیتی اور آدھا کھلا رہنے دیتی ایک بزرگ نے اس سے پوچھا کہ تو سارا چہرہ کیوں نہیں

ڈھانپتی۔ اس نے جواب دیا کہ اگر تو مردمی دکھائے تو میں سارا چہرہ ڈھانپ لوں اور پورے بغداد شہر میں صرف ایک مرد حسین چہرہ ہے یہ صرف اس کی خاطر ہے۔ اگر وہ بھی نہ ہوتا تو یہ آدھا چہرہ بھی نہ ڈھانپتی۔

پس آج اگر معرفت کا چاند غیرت کے ہالہ سے باہر نکلے تو انگشت نما لوگوں کی آسیب نظر فارغ ہے۔ کیونکہ انگشت نما خود انگشت نما ہو گئے ہیں۔ اور اگر وحدت کا خورشید غیرت کی تلوار لئے اثنینیت کے پہاڑ پیچھے سے نکلے تو اغلب ہے۔ کہ وہ آنکھوں والے سیمرغ کی طرح

"بدا الاسلام غریبًا و سیعود کما بداء"

''اسلام غربت سے ظاہر ہوا اور اسی طرف عود کر جائے گا''۔

کی غربت کے پہاڑ پیچھے غروب ہو جائیں اور اگر غیب کی پردہ نشین ''کشف القناع'' پڑھے تو غیروں کی ملامت سے بچ جائے۔ کیونکہ دو شریف جو کہ گردونواح میں رجولیت کی لاف زنی کرتے تھے اعراف کی طرف بوریا باندھ لے گئے ہیں۔ اس لئے کہ

"وعلی الاعراف رجال سبحان اللہ مضوا وانقضوا"

''اور اعراف پر کئی ایک لوگ ہیں۔ سبحان اللہ! کہ وہ ایسے گئے کہ ان کا نشان تک نہیں پایا جاتا''۔

معرفت شہودی

معرفت شہودی خاص الخاص کی معرفت ہوتی ہے۔ جو کہ موجودات کا خلاصہ اور کائنات کا لب لباب ہیں۔ اور دونوں جہان ان حضرات کے وجود کے تابع ہوتے ہیں۔ اور حقیقت میں دائرہ ازل و ابد کا نقطہ یہی حضرات ہوتے ہیں۔ روح کو قالب سے تعلق دینے کا فائدہ بھی اصل میں اسی معرفت کی حقیقت تھی۔ وہ اس لئے کہ بشری ارواح کو فرشتوں کی طرح ربوبیت صفات سے بہرہ مندی حاصل تھی۔ لیکن بعدازاں اتنے ہزار

نورانی حجاب وسیلہ تھے کہ اگر ان میں سے ایک حجاب بھی اٹھا دیا جاتا تو تمام ارواح حضرت جبرائیل علیہ السلام کی ''جو کہ روح القدس تھا'' فریاد کر اٹھتے کہ

''لو دنوت انملة لا حترقت''

''اگر میں ایک انگل بھر بھی آگے بڑھوں تو میں جل جاؤں''۔

اور یہ ابھی حجاب کے انوار کا پرتو ہے۔ کہ جہاں پر صفات الوہیت کی تجلیات کی حقیقت ظاہر ہو کہ معرفت شہودی ہی اس شہود کا نتیجہ ہے۔ اور وہاں پر ارواح مجازی کا وجود اس شہود کی حقیقت

''وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝'' بنی اسرائیل آیت:۸۱

''حق آیا اور باطل زائل ہو گیا۔ تحقیق باطل زائل ہو جانے والا تھا'' پڑھے''۔

بہر حال معرفت کا بہرہ کس کو حاصل ہے۔ اور یہ صرف اس سبب سے ہے۔ کہ روح نہایت ہی لطیف چیز ہے۔ اور صفات الوہیت کی تجلیات کے عکس کو قبول نہیں کر سکتیں۔ اور اسی طرح فرشتے بھی اسی کیفیت میں آتے ہیں اس کے علاوہ حیوانات کو عقل۔ دل۔ سر۔ روح اور خفی کے مدرکات نہیں دیئے گئے کہ ان سے صفات الوہیت کی تجلیات کے انوار کا ادراک کر سکیں پس حضرت آدم علیہ السلام کی مٹی کو خمیر کرتے ہوئے آدم علیہ السلام کے باطن میں جو کہ غیب کے گھر کا خزانہ تھا۔ اور قدرت کے ہاتھ سے ایک دل قندیل کی شکل کا بنائے۔ جو کہ نہایت ہی صاف ہو۔ اور اس کو تاریک جسم کے چراغدان میں رکھے اور دل کی قندیل میں ایک چراغ بنائے۔ جیسا کہ ''اَلْمِصْبَاحُ فِىْ زُجَاجَةٍ'' سے ظاہر ہے۔ ''اور اسے سرّ کہتے ہیں''۔ پھر اس چراغ میں خفی کی بتی رکھے پس روح کے روغن کو جو کہ ''من روحی'' کے مبارک درخت سے لیا گیا ہے۔ جو کہ عالم ملکوت کے شرق میں پایا جاتا ہے۔ اور نہ ہی ملک کے مغرب میں دل کی قندیل میں رکھا روغن چونکہ نہایت صاف اور نورانی تھا اسی لئے وہ چراغ کی سی روشنی دینی چاہتا تھا حالانکہ ابھی اس سے اس کا تعلق بھی نہیں ہوا تھا۔

''یَکَادُ زَیْتُھَا یُضِیۡءُ وَلَوۡ لَمۡ تَمۡسَسۡہُ نَارٌ'' (نور آیت: ۳۵)

''قریب ہے۔ کہ اس کا تیل روشنی دیوے اگرچہ آگ نے اسے نہیں چھوا''۔

لہٰذا روغن روح کے نہایت نورانی ہونے کی وجہ سے دل کی قندیل کو

''اَلزُّجَاجَۃُ کَاَنَّھَا کَوۡکَبٌ دُرِّیٌّ'' نور آیت: ۳۵

''قندیل ہے۔ کہ گویا چمکتا ہوا ستارہ''۔

کی نورانیت کا کمال حاصل ہوا۔

اس نورانیت کا عکس قندیل کی اندرونی ہوا پر پڑا تو منور ہو گئی اور اسے نورانیت عقل کہتے ہیں۔ پھر مشکوٰۃ کی اندرونی ہوا کو جو قندیل کی نورانیت کے عکس کا قالب بنی۔ قویٰ بشریٰ کے نام سے نامزد کیا۔ اور جو پرتو مشکوٰۃ کے اندر سے مشکوٰۃ کے سوراخوں پر پڑا تو اسے حواس خمسہ کہا اور جب تک ان اسباب اور اوزاروں نے اس وجہ سے مدرکات الٰہی کو بدرجۂ کمال تک نہ پہنچا لیا تب تک ''کُنۡتُ کَنۡزًا مَّخۡفِیًّا'' کا بھید ظاہر نہ ہوا۔ یعنی اس چراغ کے نور کا ظہور ان اسباب اور آلات سے ہونا چاہئے تھا۔ اور جب تک یہ چراغ نہ ہو اگرچہ نار الٰہی تمام کائنات کے ذرات کو گھیرے ہوئے ہے۔ جیسا کہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! ''اَلَا اِنَّہٗ بِکُلِّ شَیۡءٍ مُّحِیۡطٌ'' سجدہ' آیت آخری سے ظاہر بھی ہوتا ہے۔ لیکن ''کُنۡتُ کَنۡزًا مَّخۡفِیًّا'' اس وقت تک مخفی ہی رہتا ہے۔ اور اس چراغ کے لئے اس نار الٰہی کے ظہور کے نور کے لئے ان آلات کا ہونا ضروری ہے۔ چونکہ عالم ارواح میں صرف روحانیت ہی کا روغن تھا۔ اس لئے وہ نار کی نورانیت کو برداشت نہیں کر سکتا اور چونکہ عالم حیوانات میں مشکوٰۃ اور قندیل تو تھی۔ لیکن چراغ روغن اور بتی نہ تھی۔ لہٰذا وہ بھی نار کی نورانیت کو قبول نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے ان دونوں جہان سے ایک مجموعہ بنایا گیا کہ جس سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ اور آپ علیہ السلام کے جسم کو مشکوٰۃ اور قلب کو قندیل' سر کو چراغ اور اس کے خفی کو بتی اور پھر آپ علیہ السلام کی روح کو روغن

بنایا۔ لہٰذا حقیقت میں نور الٰہی کی آگ نے اس مشکوٰۃ میں اس چراغ پر اپنی تجلی کی۔ جیسا کہ حضور اقدس ﷺ اس بھید کی خبر یوں فرماتے ہیں۔ کہ

''ان اللّٰہ خلق اٰدم فتجلٰی فیہ''

''بیشک اللہ تعالیٰ نے آدم کو بنایا اور اس میں تجلی کی''۔

اور خود اللہ رب العزت اس بارے میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

''اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ ط''

(نور آیت: ۳۵)

''اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کا نور ہے۔ اور اس کے نور کی مثال ایسی ہے۔ جیسے قندیل میں چراغ''۔

پھر یہاں تک کہ یہ بھی فرما دیا کہ

''نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ ط یَھْدِی اللّٰہُ لِنُوْرِہٖ مَنْ یَّشَآءُ''

''نورٌ علیٰ نور ہے اللہ جسے چاہتا ہے اس کی طرف رہنمائی فرماتا ہے''۔

یعنی مصباح کا نور نور الٰہی ہے علیٰ نور۔ یعنی روح کے روغن کا نور الٰہی نور سے چراغ کو روشن کرے یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے۔ کہ چراغ دان اور چراغ ہر شخص کے پاس ہے۔ مگر نور الٰہی ہر چراغ دان اور چراغ میں نہیں ہوتا اور ہر ایک چراغ روح کے روغن کے نور سے منور ہے۔ اور ہر شخص کے دل کا چراغ دان اس نورانیت سے روشنی حاصل کرتا ہے۔ کہ جسے عقل کہتے ہیں۔ اور اس نور کا عکس جو کہ چراغ دان کے اندر اور باہر پڑتا ہے وہ قوائے بشریٰ اور حواس خمسہ سے منور ہوتا ہے یہی وجہ ہے۔ کہ سرگشتہ محروموں کا گروہ کہ جن کی انتہا عقل اور معقولات تک محدود ہوتی ہے یہ خیال رکھتا ہے۔ کہ اس کا چراغ نور حقیقی سے منور ہے۔ لیکن اسے ہرگز معلوم نہیں ہوتا کہ جو نورانیت وہ اپنے اندر دیکھتا ہے وہ تو فقط روغن روح کے نور کے عکس کی بدولت ہے۔ اور یہ کہ وہ نور بھی مجازی ہے۔ اور خود اللہ رب

العزت فرماتا ہے! کہ

''يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ'' (نور آیت: ۳۵)

اس میں یکاد کے معنی یہ ہیں۔ کہ اس نے چراغ روشن کرنا چاہا۔ لیکن نہ کیا'' اور اس گروہ کا چراغ نور الٰہی کی آگ سے بجھا ہوا ہے۔ اور ان کو اس کی خبر تک نہیں ہے۔ کیونکہ یہ خبر صرف اسے ہی معلوم ہوسکتی ہے۔ کہ جس کا چراغ کسی بھی وقت حقیقی نور سے روشن رہ چکا ہو۔ اور وہ اس کا ذوق حاصل کر چکا ہو۔ کیونکہ جب وہ بالکل پاک صاف ہوتا ہے۔ تو پھر اسے خبر بھی ہوتی ہے۔ اور اللہ رب العزت دونوں گروہوں کے متعلق خبر دیتا ہے ان میں سے ایک وہ کہ جن کے چراغ نور الٰہی کی بدولت منور ہوئے ہیں۔ اور دوسرے وہ کہ جن کے چراغ اس نور کی دولت سے محروم ہیں۔ کیونکہ اللہ رب العزت فرماتا ہے! کہ

اَوَ مَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ؕ (انعام آیت: ۱۲۲)

''کیا ایک پہلے مردہ تھا۔ پھر ہم نے اس میں جان ڈال دی۔ اور اس کو ایک نور عطا فرمایا جس کی مدد سے وہ لوگوں میں خاص طرح چلتا پھرتا ہے کیا وہ اس طرح ہوسکتا ہے۔ کہ جس کا حال یہ ہے۔ کہ اندھیروں میں گرا پڑا ہے وہاں سے نکل نہیں سکتا''۔

لہٰذا یہ ہے معرفت شہودی کی شرح کہ جس حد تک کسی عبارت میں ادا ہوسکتی تھی۔ کیونکہ اللہ رب العزت خود فرماتا ہے:

"عرفها من عرفها وجهلها من جهلها "

''جس نے اس نور سے دیکھ لیا ہے وہ سمجھ جاتا ہے۔ اور پا لیتا ہے۔ اور اسے اس کی خبر ہو جاتی ہے''۔

کیونکہ

''يُنذِرُ مَنْ كَانَ حَيًّا'' (یٰسین آیت:۷۰)

''جو زندہ ہوتا ہے وہ ڈرتا ہے''۔

لیکن جو شخص اس نور سے مردہ ہے خواہ اس کے پاس اس طرح کی ہزارہا کتب کا مطالعہ کر کے اسے سنایا جائے یا سمجھا بھی دیا جائے۔ تو بھی وہ ایک حرف تک نہ سمجھ پائے گا۔ کیونکہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

''اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى'' (نحل آیت: ۸۰)

''مردے تیری بات نہیں سنیں گے''۔

لہٰذا ایک بات اچھی طرح واضح رہے کہ قالب سے روح کا تعلق ہونے کا یہی سبب تھا۔ اور اگر یہ تعلق نہ ہوتا تو روح کو غیبی یا شہادتی مدرکات حاصل نہ ہوتے اور یہ تعلق اس لئے بھی تھا کہ وہ صفات الوہیت کی تجلیات کے قابل بن جائے۔ اور اللہ رب العزت کی ذات و صفات کی معرفت میں چراغ ہونے کا ذوق حاصل کرے۔ کیونکہ اگر لاکھ عاقل چراغ کی ناریت اور نورانیت کے متعلق خبر دینا چاہیں تو اس کے باوجود بھی وہ کچھ نہ کہہ سکیں گے اور سب کا سب مجازی ہوگا۔ حقیقی صرف اسی کا ہوگا کہ جس کو بتی اور تیل بھی دیا گیا ہو۔ اور پھر اس نے دونوں کو وجود پر خرچ بھی کیا ہو۔ اور نورانیت اور ناریت کی معرفت کے ذوق کو بھی حاصل کیا ہوا ہو۔

یہ ایک بہت ہی عجیب و غریب بھید ہے۔ کہ روح کے روغن کو خرچ کرنے کے لئے یہ سارے وسائل استعمال کرنا پڑتے ہیں اس میں فتیلہ بھی ایک وسیلہ ہوتا ہے۔ تاکہ مجازی وجود کی روح کو حقیقی وجود میں تبدیل کیا جا سکے اور حقیقی ناریت کے وجود کو جو کہ مخفی اور غیر مرئی ہے اس کو ظاہر اور غیر مرئی کر دے۔ لہٰذا حقیقت میں روغن آگ پر عاشق ہے۔ تاکہ مجازی وجود کو حقیقی بنائے۔ اور اسی طرح آگ بھی روغن پر عاشق ہے۔ تاکہ پوشیدہ خزانوں کو ظاہر کیا جا سکے۔ ''يُحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗ'' کا یہی بھید ہے۔ اور ''كُنْتُ كَنْزًا مَّخْفِيًّا

فاحببت ان اعرف'' کی بھی یہی کیفیت ہے۔ بہرحال یہ سارے فائدے روح اور قالب کے باہمی تعلق سے حاصل ہوئے۔ تاکہ وہ اللہ رب العزت کی ذات پاک کو وحدانیت سے پہچان لے اور الوہیت کی تمام صفات کو جان لے اور جو کہ جاننے کے لائق بھی ہے۔ کیونکہ جو دیکھنے کے لائق ہے وہ پہنچنے کے بھی لائق ہے۔ اور جو پہنچنے کے لائق ہے وہ چکھنے کے بھی لائق ہے۔ اور جو چکھنے کے لائق ہے وہ ہونے کے لائق بھی ہے۔ اور جو ہونے کے لائق ہے۔ اور جو ہونے والی ہے وہ نابود ہونے والی ہے۔ اور جو نابود ہونے والی ہے وہ بود (بھی) ہونے والی ہے۔

چوں ندیدی ولے سلیمان را
توچہ دانی زبان مرغان را

لہٰذا اگر روح قالب کے تعلق کی وجہ سے ان مدرکات کو حاصل نہ کرتی اور یہ آلات اسباب اور استعداد اسے میسر نہ ہوتی تو غیبی اور شہادتی سے ہرگز عالم غیب و الشہادۃ کی ذات وصفات کی معرفت اور توحید میں اس مقام پر کبھی بھی نہ پہنچ سکتی۔ اور نہ ہی اس میں یہ اخلاقیات ہوتے اور نہ یہ صفات ہی ہوتیں۔

اور نہ ہی کبھی اللہ رب العزت کی خلافت اور نیابت کے لائق ہوتا اور نہ ہی امانت کا بوجھ اٹھاتا اور نہ ہی اسے جمال الٰہی کا آئینہ ہونے کا استحقاق ہی حاصل ہوسکتا اور نہ ہی کوئی ''کُنتُ کَنزًا مَخفِیًا'' کے خزانہ کے پاس ہی پہنچتا۔

انبیاء علیہم السلام کی ضرورت اور انسان کی پرورش

القرآن: اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ ھَدَی اللّٰہُ فَبِھُدٰیھُمُ اقْتَدِہْ ط (انعام، آیت: ۹۰)

ترجمہ: ''یہ وہ لوگ کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی ہے پس تو بھی ان کی رہنمائی کی پیروی کر۔''

الحدیث: الانبیآء قادۃ والعلمآء شادۃ.

ترجمہ: ''آگے پیچھے کھینچنے والے۔ یعنی انبیاء رئیس ہیں۔ اور عالم پیچھے سے ہانکنے والے۔''

ایک بات واضح ہے۔ کہ جب اللہ رب العزت نے عالم ملک اور ملکوت کے طلسم کو بنایا تو روح کو قالب انسانی سے تعلق دے کر اس طلسم کو ایسا مضبوط اور مربوط کر دیا اور اس کے بند بھی اس قدر سخت ترین کر دیئے کہ خواہ انسان ہو یا فرشتہ اور کتنا ہی عقلی نظر سے کوشش کرے۔ وہ کبھی بھی کھل نہیں سکتا وہ اس لئے کہ ستر ہزار نورانی اور ظلمانی پردوں سے بنایا گیا ہے۔ اور اگر وہ کھل سکتا ہوتا تو پھر لطیف ارواح دنیا کے قید خانے ''الدنیا سجن المؤمن'' میں ہرگز قیام نہ کرتیں۔ کیونکہ جب کوئی حاکم کسی کو قید خانہ میں بھیجتا ہے۔ تو قید خانہ کا دروازہ اس طرح بند کر دیتا ہے۔ کہ قیدی اسے کھول ہی نہ سکے اور وہ طلسم اعظم جو کہ اللہ رب العزت نے خود اپنی خداوندی سے بنایا۔ اور کسی کو اس کی اطلاع بھی نہ دی۔

کیونکہ اللہ رب العزت خود قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

''مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ'' (کہف آیت:۵۱)

''ہم نے انہیں زمین و آسمان کے بنانے اور۔ نیز ان کی اپنی جانوں کی پیدائش کی ذرا خبر نہیں کی''۔

لہٰذا اللہ رب العزت ہی اس کا کھولنے والا بھی خود ہی ہے۔ اور ان سب کی چابی بھی اسی کے ہاتھ میں ہے۔ کیونکہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے: کہ

''لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ'' (شوریٰ آیت:۱۲)

''آسمانوں اور زمینوں کی چابیاں اسی کے ہاتھ ہیں''۔

اور پھر اگر کھولنا چاہے تو وہ خود کھول سکتا ہے۔ یا پھر جس کسی کے ہاتھ میں وہ چابی دے دے۔

واضح ہو کہ جب اللہ رب العزت نے چاہا کہ بنی آدم زمین پر اس کے خلفاء بنیں۔ تو سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے بغیر ماں باپ کے پیدا فرمایا اور حوا کو بغیر ماں کے صرف باپ سے پیدا فرمایا۔ تاکہ جوڑا بن جائے۔ پھر ان سے اولاد بھی پیدا فرمائی مزید یہ کہ اسی طرح جب چاہا کہ بشریت کے طلسم اعظم کو کھولے اور انسانی ارواح کو قالبوں میں بند رہنے کی قید سے خلاصی دے۔ اور دیگر بہت سے ان گنت فوائد کے ساتھ اسے عالم قرب میں پہنچائے۔ اور وہ فوائد جو کہ اس نے اثنائے سفر میں حاصل کئے ہوئے ہوں۔ اور بہت سی غنیمتوں کے ساتھ جو کہ اس کے ہاتھ آئی ہوئی ہوں جیسا کہ

''سافروا تصحوا یغنموا''

''سفر کرو صحت کرو اور غنیمت کا مال لو''۔

کا مقتضا ہے۔ پھر ہر قرن اور ہر عہد میں چند ایک کو اپنی خلقت میں سے برگزیدہ بھی کر دیا۔ اور مزید یہ کہ اپنے تمام بندوں میں انہیں ممتاز کر کے اپنی نظر عنائت سے مخصوص کر

دیا۔

لیکن اس سعادت کا بیج بیواسطگی کے مقام پر عالم ارواح میں رکھا تھا اسی لئے اسے یہاں قبولیت اور قرب کا ثمرہ ملا۔ جیسا کہ اللہ رب العزت خود فرماتا ہے کہ

"الارواح جنود مجندۃ"

"ارواح جمع کیا ہوا لشکر ہے"۔

عہد اول میں ہی ارواح کی چار صفیں کی گئیں اور پہلی صف میں انبیائے علیہم السلام کی ارواح تھیں جو کہ بے واسطگی کے مقام پر تھیں۔

دوسری صف میں اولیائے کرام رضوان اللہ علیہم کی ارواح تھیں۔

تیسری صف میں مومنین کی ارواح تھیں۔

چوتھی صف میں کافروں وغیرہ کی ارواح تھی۔

پس انبیائے علیہم السلام کی ارواح جو کہ پہلی صف میں تھیں۔ بے واسطگی کے مقام پر ہونے کی وجہ سے خاص نظر سے انہیں اللہ رب العزت کا فیض پہنچتا رہا۔ جس کی وجہ سے ان میں یہ استعداد اور صلاحیت پیدا ہوگئی کہ دنیا میں بے واسطہ غیب کے رقعے انہیں ملا کریں اور فضل الٰہی کا فیضان جاری کریں اور بشریت کی طلسم کشائی کی چابی اللہ رب العزت سے حاصل کریں۔ تاکہ آدم علیہ السلام کے طلسم اعظم کو کھول سکیں۔ پھر اس کے بعد باقی ماندہ لوگ بھی ان کی رہنمائی سے اس طلسم کو کھول سکیں۔ کیونکہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

"اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ ہَدَی اللّٰہُ فَبِہُدٰىہُمُ اقۡتَدِہۡ ؕ" (انعام آیت:۹۰)

"یعنی انبیاء کو میں نے خود بلاواسطہ طلسم کشائی کا علم سکھایا"۔

وہ اس لئے کہ کئی سال بے واسطگی کے مقام میں رہ کر ہماری نظر عنایت کی تابش حاصل کر چکے ہیں لہٰذا اب وہ اس قابل ہو گئے ہیں۔ کہ جذبات الوہیت کے تصرفات سے

غیب کی راہ ان کے لئے طلسمات کے دروازے کھولوں اور ان کو "اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ" کے مدرسہ میں طلسم کشائی کے اسرار کی تعلیم دوں۔ کیونکہ اللہ رب العزت خود قرآن مجید میں فرماتا ہے! کہ

"اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ" (انعام آیت:۸۹)

"یہ وہ لوگ ہیں جن کو کتاب حکمت اور نبوت دی گئی"۔

اور وہ لوگ کہ جو عالم ارواح میں دوسری صف میں تھے اور ارواح انبیاء علیہم السلام کے حجاب کے پیچھے ان کو ہمارے فضل کا فیضان حاصل ہوا آج بغیر وسیلہ ہماری بارگاہ کا راستہ نہیں چل سکتے اور ہمارے بنائے ہوئے طلسم کو نہیں کھول سکتے۔ کیونکہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

"سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ○" (فتح آیت:۲۳)

"اللہ تعالیٰ کا وہی طریق ہے جو پہلے گزر چکا ہے۔ اور تو اللہ تعالیٰ کے طریق میں کسی قسم کی تبدیلی نہ پائے گا"۔

تا کہ قبول دعوت کی دکان میں شاگردی کریں اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

"وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ" (انعام آیت:۱۵۳)

"یہی میری سیدھی راہ ہے تم اس کی پیروی کرو اور دوسرے راستوں کی پیروی نہ کرو۔ کیونکہ وہ تم کو اس کی راہ سے جدا کر دیں گے"۔

کی استقامت کی شرط بجالائیں جیسا کہ کسی نے خوب کہا ہے۔

(وصل عروس بایدت خدمت پیش کارہ کن)

بہرحال حقائق انبیاء علیہم السلام کے مدرسہ میں پہلے شریعت کی الف ب سیکھنی

چاہئے۔ کیونکہ شرع کا ہر ایک امر اس طلسم اعظم کی بندشوں کی چابی ہوتا ہے۔ کہ ''جس کی شرح انشاء اللہ اگلے صفحات میں تحریر کروں گا''۔ اور جب اوامر ونواہی میں سے ہر ایک امر کی واقعی طور پر اس کے اپنے مقام میں پابندی کرے گا۔ تو طلسمات کی بندشیں کھل جائیں گی اور الطاف الٰہی کے نفحات کی نسیم اسی راہ سے تیری جان کے دماغ میں پہنچے گی کہ

''ان اللّٰہ فی ایام دھر کم نفحات الا فتعر ضوالھا''

''بیشک امید کے لئے تمہارے زمانے کے دنوں میں خوشبوئیں ہیں۔ دیکھو ان کے درپے ہو''۔

نفحات سے تعرض شرع کے اوامر ونواہی کو بجالانا ہے۔ اور ہر ایک قدم کے بدلے جو کہ شرع میں متابعت کے قانون کے مطابق رکھا جاتا ہے۔ بارگاہ الٰہی میں قرب بھی حاصل ہوتا ہے۔ یعنی جس عالم سے تو آیا ہے۔ اس کی ایک منزل طے ہو جاتی ہے۔

''لن یتقرب الی المقربون بمثل اواء ما افرضت علیھم''

''مقرب میری طرف اس طرح قریب نہیں ہوتے۔ جیسا کہ وہ فرائض کو ادا کرتے ہیں''۔

اور اس راہ پر تو صدق سے قدم رکھے گا۔ تو عنایت الٰہی تیرا ضرور استقبال کرے گی۔ اور تیری دستگیری اور فریادرسی بھی کرے گی۔

''من تقرب الی شبرا تقربت الیہ ذراعاً و من تقرب الی ذراعا تقرب الیہ باعا من اتانی یمشی اتیة ھرولا''

''جو میری طرف بالشت بھر قریب ہوتا ہے میں اس کی طرف ہاتھ بھر بڑھتا ہوں۔ اور جو میری طرف ہاتھ بھر بڑھتا ہے۔ میں دوگز بڑھتا ہوں۔ اور جو میری طرف آہستہ چل کر آتا ہے میں اس کی طرف دوڑ کر جاتا ہوں''۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ انسانی وجود کے بند شریعت کی چابی کے سوا نہیں کھل سکتے اور یہ بھی

ثابت ہوتا ہے۔ کہ حصول شریعت کے لئے کوئی صاحب شریعت ہونا لازمی ہے۔ اور وہ صرف انبیاء علیہم السلام ہیں اس کی باقی وجوہات کے بارے تفصیل کے ساتھ ''شیخ کی ضرورت'' میں آگے صفحات میں تحریر کروں گا۔ تا کہ معلوم ہو جائے کہ جب شیخ کی ضرورت ہے۔ تو کسی نبی، پیغمبر یا رسول اللہ کی اس سے بدرجہ اولیٰ ضرورت ہے۔

پہلے ادیان کی منسوخی اور حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم پر ختم نبوت

القرآن: مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ط (احزاب' آیت:۴۰)

ترجمہ: ''محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم تم میں سے کسی کا باپ تو نہیں وہ تو اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا رسول ہے۔ اور خاتم النبیین ہے۔''

الحدیث: فضلت علی الانبیآء بست جعلت لی الارض مسجدًا و تراھا طھورًا واحلت لی الغنائیم ونصرت بالرغب واعطیت الشفاعة وبعثت الی الخلق کافه وختم بی النبیون''

ترجمہ: ''مجھے تمام انبیاء علیہم السلام پر چھ چیزوں کے سبب فضیلت دی گئی ہے۔''

۱- میرے لئے زمین مسجد اور اس کی مٹی پاکیزہ کی گئی ہے۔
۲- غنیمت کا مال میرے لئے حلال کیا گیا ہے۔
۳- حسب منشاء میری مدد کی گئی۔
۴- مجھے شفاعت کا درجہ عطا کیا گیا ہے۔

۵- مجھے تمام خلقت کی طرف بھیجا گیا ہے۔
٦- اور میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ (میں خاتم النبین ہوں)۔
اچھی طرح واضح ہو کہ اللہ رب العزت حضور اقدس ﷺ کی نسبت مبارک کو حضرت آدم علیہ السلام اور دیگر لوگوں سے منقطع کر کے عالم نبوت اور رسالت سے ملاتا ہے کہ
''مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ط''
''حضور اقدس ﷺ تم لوگوں میں سے یا تمہارے عالم نہ سے تھے۔ بلکہ رسول اللہ اور خاتم الانبیاء ہیں۔ اور تمام جہان حضور اقدس ﷺ کے انوار سے تو روشن ہے۔ لہٰذا حضور پرنور ﷺ کو آب وگل سے کیا آشنائی ہوسکتی ہے یہ صرف اس لئے ہے۔ کہ خلقت کو معلوم ہوجائے کہ حضور اقدس ﷺ حضرت آدم علیہ السلام کے بچے نہیں تھے۔ بلکہ حضرت آدم علیہ السلام خود حضور اقدس ﷺ کے بچے تھے''۔
اگر کوئی باز بادشاہ کے ہاتھ پر بیٹھا ہو۔ اور کسی شکار کی طلب میں اڑے اور اسی اثناء میں باز آرام کرنے کے لئے اگر کسی بڑھیا کی دیوار پر جا بیٹھے تو اس سے وہ باز بڑھیا کی ملکیت نہیں بن جائے گا خواہ وہ وہاں کتنی ہی دیر تک کیوں نہ ٹھہرا رہے۔ اور جب ڈھولک' سیٹی سنے گا۔ تو فوراً اڑ کر بادشاہ کے ہاتھ پر آ بیٹھے گا۔
حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں۔ کہ

"ما لی وللدنیا انما مثله کمثل راکب راح فی یوم صائف فترك فی ظل شجرة فا ستراح ثم رکب وراح "

''مجھے دنیا سے کیا سروکار اس کی مثال تو ایسی ہے۔ جیسے کوئی سوار گرمی کے دنوں میں سفر کرے اور کسی درخت کے سائے میں کچھ دیر آرام کرنے کے بعد سوار ہو کر چل دے''۔

میں کہاں اور دنیا کہاں۔ میں وہ شخص ہوں کہ مقام سدرہ میں میرے روبرو ملک اور

ملکوت کے تمام جواہرات اور نفیس ترین چیزیں جو کہ خزانہ غیب میں تھیں لائی گئیں۔

''اِذْ یَغْشَی السِّدْرَۃَ مَا یَغْشٰی''

''جبکہ سدرہ پر چھا رہا جو چھا رہا تھا''۔

لیکن میں نے آنکھ اٹھا کر بھی کسی چیز کی طرف نگاہ تک نہ کی۔

''مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی''

''نہ آنکھ جھپکی نہ نافرمانی کی''۔

بلکہ اپنے وجود کی نقدی بھی اسی قمار خانہ میں ہار دی۔ اور عدم کے دروازہ سے اڑتا ہوا ''او ادنیٰ'' کے اصلی گھونسلے میں پہنچ گیا۔

بازے بودم پریدہ از عالم ناز
تابوکہ برم ز شیب صیدے بفراز
ایں جا چو نیافتم کسے من راز
زاں در کہ در آمدم بدر رفتم باز

(خیام)

میں نے اپنا نسب دنیا آخرت و جنت سے اس روز منقطع کر لیا تھا۔ جبکہ ''انا من اللّٰه'' کا نسب اپنے لئے درست کیا تھا یہی وجہ ہے۔ کہ جو نسب حدوث سے متعلق ہے وہ ضرور منقطع ہو جائے گا۔ لیکن میرا نسب باقی رہے گا۔

''کل حسب و نسب ینقطع الاحسبی و نسبی''

''میرے حسب ونسب کے علاوہ سارے حسب ونسب منقطع ہونے والے ہیں''۔

اور پھر آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ نے دوسروں کے متعلق فرمایا کہ

''فَلَآ اَنْسَابَ بَیْنَھُمْ یَوْمَئِذٍ وَّلَا یَتَسَآءَ لُوْنَ ۝'' (مومنون آیت:۱۰۱)

''اس دن ان میں حسب ونسب نہیں ہوگا۔ اور نہ وہ آپس میں پوچھیں گے''۔

اور ہر میدان میں سب پر فائق رہا۔ اور اگر فطرت میں پہلے تھا تو سب سے پہلا پھل جو کہ فطرت کے درخت پر تھا وہ میں ہی تھا۔

''اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ''

''سب سے پہلی چیز جو کہ اللہ تعالیٰ نے پیدا کی وہ میرا نور تھا''۔

اور قیامت کے میدان میں بھی۔ جو موتی سب سے پہلے مٹی کی سیپی سے نکلے گا وہ میں ہی ہوں گا۔

"انا اول من تنشق عند الارض یوم القیامة "

''قیامت کے سب سے پہلے میں ہی زمین سے نکلوں گا''۔

اور اگر شفاعت کا مقام ہوگا۔ تو سب سے پہلا شخص جو گناہ کے دریا کے غرق شدوں کی شفاعت کرے گا وہ میں ہی ہوں گا۔

"انا اول شافع مشفع "

''سب سے پہلے شفاعت کرنے والا میں ہوں''۔

اور پل صراط پر بھی میں ہی پیشوا اور رہنما بنوں گا۔ اور سب سے پہلے میں ہی اس پر قدم رکھوں گا۔

"انا اول من یجوز الصراط "

''سب سے پہلے میں ہی پل صراط کو عبور کروں گا''۔

اور جنت میں صدر جنت بھی میں ہی ہوں گا۔

"انا اول من یفتح له ابواب الجنة "

''سب سے پہلا شخص کہ جس کے لئے جنتی دروازے کھولے جائیں گے وہ میں ہی ہوں گا''۔

لیکن یہ بات عجیب ہے۔ کہ سب کچھ تو میں ہوں گا۔

"اما انا فلا اقول انا"

''ہوں تو سب کچھ میں ہی۔ لیکن نہیں کہتا''۔

حضور اقدس ﷺ کا سایہ

یہ جو مشہور ہے۔ کہ حضور انور ﷺ کا سایہ نہ تھا یہ بالکل درست ہے۔ اور اس کی دو وجوہات ہیں۔

۱- یہ کہ سرکار دو عالم ﷺ آفتاب تھے۔ کیونکہ آپ ﷺ کے حق میں سراجاً منیراً آیا ہے۔ اور آفتاب کا سایہ نہیں ہوتا۔ اس لئے حضور سرکار عالم ﷺ کا سایہ نہ تھا۔

۲- حضور رسالت مآب ﷺ دین کے بادشاہ تھے اور بادشاہ سایہ ہوتے ہیں:

"السلطان ظل الله"

''بادشاہ اللہ تعالیٰ کا سایہ ہوتے ہیں''۔

اور سائے کا سایہ نہیں ہوتا۔ چونکہ حضور اقدس ﷺ کو اگر خلقت سے سروکار ہوتا تو وہ بمنزلہ نور بخشنے والے آفتاب کے ہوتے۔ لہٰذا پہلی اور آخری خلقت کو حضور اقدس ﷺ کے نور سے ہی پیدا کیا گیا اور حضور سرکار دو عالم ﷺ ہی کے نور سے انہوں نے ہدایت بھی پائی اور جب اللہ رب العزت سے سروکار ہوتا تو حضور اقدس ﷺ بارگاہ الٰہی کے سایہ ہوتے۔ تا کہ گمراہی کے جنگل کا بھولا بھٹکا اللہ رب العزت کی طرف بھاگنا چاہے تو حضور سرکارِ دو عالم ﷺ کی تابعداری اور دولت کی پناہ میں جائے۔ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے!

''مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهِ'' (النساء آیت:۸۰)

''جو رسول اللہ ﷺ کی تابعداری کرتا ہے وہ دراصل اللہ رب العزت کی تابعداری کرتا ہے''۔

اور جس وقت اپنے آپ کا خیال ہوتا تو اس وقت سایہ حق کی جانب گریز فرماتے۔

"لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیه ملك مقرب ولا نبی مرسل"

"اللہ رب العزت کے ساتھ میرا ایک ایسا وقت ہے۔ کہ جس میں کوئی مقرب فرشتہ یا نبی مرسل میری برابری نہیں کرسکتا"۔

حضور اقدس ﷺ اگرچہ اہل عالم کے آفتاب تھے۔ لیکن "بیت عند ربی """ میں اپنے پروردگار کے ہاں رہا" کے پرورش یافتہ تھے اور "یطعمنی" کے دستر خوان سے نوالہ حاصل کرتے تھے۔

خوان تو ربیب عند ربی
خواب تو ولاینام قلبی
خاک قدم تو اہل عالم
زیر علم تو نسل آدم
طاؤس ملائکہ بریدت
سرخیل مقربان مریدت
چوں نیست بضاعتے زطاعت
از ما گنہ وز تو شفاعت

(خیام)

اگرچہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے کہ

"تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ" (بقرۃ آیت: ۲۵۳)

"ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی"۔

کے مطابق جب انبیاء علیہم السلام میں سے ہر ایک، ایک ایک امت کا قافلہ سالار بن گیا اور چونکہ سب کے سب برگزیدہ تھے اور ہر ایک کسی خاص امت کا پیش رو تھا۔ اور

قیامت کے روز اسی امت کو باہر لے جائے گا۔ لیکن حبیبِ خدا ﷺ ان سب پیش روؤں کے بھی قافلہ سالار ہیں۔ کہ جنہوں نے نہایت مہربانی سے عدم سے قدم مبارک باہر رکھا اور پھر موجودات کے قافلہ کی پیش روی کی اور وجود کے صحرا میں لا ڈالا۔

"نحن الاخرون السابقون"

''ہم سب سے بعد میں آنے والے ہیں۔ لیکن سب سے سابق ہیں''۔

حضور اقدس ﷺ کو دیگر تمام انبیاء علیہم السلام پر چھ چیزوں میں فضیلت دی گئی ہے۔

"فضلت علی الانبیاء بست"

''چھ چیزوں میں مجھے دیگر تمام انبیاء پر فضیلت دی گئی''۔

اور قافلے کی واپسی کے وقت جو پیشرو ہوتا ہے۔ وہ سب سے پیچھے ہوتا ہے اسی لئے رسول اللہ ﷺ خاتم النبیین ہوئے۔ جس طرح کہ پہلے پہل نبوت کا خطبہ آسمانوں میں آپ ﷺ کے اسم مبارک سے تھا۔

''کنت نبینا والآدم بین الماء والطین''

''میں اس وقت بھی نبی تھا۔ جبکہ آدم ابھی پانی اور مٹی میں تھے''۔

اور آخر میں بھی تمام روئے زمین پر ختم نبوت کا سکہ حضور اقدس ﷺ کے اسم مبارک باسعادت پر ضرب کیا گیا البتہ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ کہ ختم نبوت حضور پرنور ﷺ پر ہی ہو۔ کیونکہ اس سے پہلے صفحات میں بیان کر چکا ہوں کہ حضور سرکار دو عالم ﷺ آفرینش کے درخت کا بیج بھی تھے اور پھل بھی اور باقی انبیاء علیہم السلام اس درخت کے پتے اور شاخیں تھے اور جب پتے اور شاخیں نہ نکلیں پھل کبھی نہیں لگے گا۔ اور جب پھل نکل آتا ہے۔ تو اس دوران کوئی شاخ یا پتا نہیں نکلتا۔ کیونکہ پھل سب سے اخیر ہوتا ہے۔ اور پتوں اور شاخوں کا نکلنا اس پر ختم ہو جاتا ہے۔

اہم ترین سوال

اگر یہودی اور آتش پرست ہم سے یہ سوال کریں حضور اقدس ﷺ کے سچے پیغمبر ہونے کی کیا دلیل ہے۔ اور اگر یہ بھی ثابت ہو جائے کہ حضور اقدس ﷺ پیغمبر تھے تو یہ کس طرح لازم آتا ہے۔ کہ حضور اقدس ﷺ کا دین باقی ادیان کا ناسخ ہے۔ اور یہ کس طرح لازم آتا ہے۔ کہ مختلف امتوں کے لوگ اپنے اپنے مذاہب کو چھوڑ کر رسول اللہ ﷺ کی پیروی کریں۔ کیونکہ ہر پیغمبر کے پاس اللہ رب العزت کا کلام موجود ہے۔ لہٰذا وہ کس طرح منسوخ ہوسکتا ہے۔ اور یہ بات لازم کیوں نہیں کہ ہر شخص اپنے مذہب کا پابند رہے۔ جیسا کہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کے مذاہب میں ہوتا رہا ہے۔ تاکہ تمام مذاہب اور کتب سماوی برقرار رہیں؟

جواب

اس کا جواب دوطرح پر دیا جا سکتا ہے۔

۱- از روئے عقل ۲- از روئے حقیقت

۱- از روئے عقل

درج بالا سوال کا جواب از روئے عقل ایسے ہے۔ کہ اگر ہم یہ کہہ دیں کہ یہی سوال تم سے بھی ہوسکتا ہے۔ کیونکہ ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ تم کس دلیل سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پیغمبر ہونا ثابت کرتے ہو حالانکہ تم نے ان کو یا ان کے معجزوں کو نہیں دیکھا اور ان کا جواب دوطرح سے زیادہ نہیں ہوسکتا یا تو وہ یہ کہیں گے کہ ہمیں سلسلہ وار حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کی خبر پہنچتی رہی اور تواتر علم کا موجب ہوتا ہے۔ اور معجزہ نبوت کے صحیح ہونے کا موجب ہوتا ہے۔ یا پھر وہ یہ کہیں گے کہ۔ چونکہ ہمیں دلی تصدیق حاصل ہوگئی ہے۔ جو کہ نور ایمان کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اس لئے ہمیں کسی دوسری دلیل کی ضرورت نہیں ہے تو پھر ہم بھی

کہیں گے کہ ہماری دلیل بھی بعینہ یہی ہے۔ کیونکہ ہم نے بھی رسول اللہ ﷺ کے معجزات تواتر سے معلوم کئے ہیں۔ اور دلی تصدیق جو کہ نور ایمان کا نتیجہ ہے وہ فی الحقیقت ہمیں حاصل ہے۔ کیونکہ اس پر تمام انبیاء علیہم السلام اور آسمانی کتابوں کا بھی ایمان ہے نہ تمہاری طرح کہ بعض انبیاء علیہم السلام اور بعض کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور بعض پر نہیں رکھتے۔ جیسا کہ یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی کتاب کا یقین نہیں کرتے اور عیسائی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی کتاب پر یقین نہیں رکھتے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ رب العزت کا فرزند اور ثالث ثلاثہ بھی کہتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

''تَعَالَى اللّٰهُ عَمَّا يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا '' (بنی اسرائیل)

''اللہ تعالیٰ کی نسبت جو کچھ وہ کہتے ہیں۔ وہ اس سے بالکل پاک ہے۔ اور اعلیٰ اور بڑا ہے''۔

دوسرے یہ کہ ہر پیغمبر کا معجزہ اسی کے عہد میں ہوتا رہا ہے۔ اور جب عہد گزر گیا تو معجزہ بھی ساتھ ہی گزر گیا۔ لیکن دین محمدی ﷺ کی یہ خاصیت ہے۔ کہ حضور اقدس ﷺ کے بعد بھی قرآن مجید کا معجزہ جو کہ ازاں جملہ ایک تھا جب تک جہان باقی ہے وہ بھی باقی رہے گا۔ اور قرآن مجید کا اعجاز یہ ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے سے لے کر عرب وعجم کے تمام فصحاء جو کہ حضور اقدس ﷺ سے دشمنی رکھتے آئے ہیں کوئی بھی ویسی مثال پیش نہ کر سکا جیسا کہ خود قرآن مجید میں اس معجزہ کی خبر اللہ رب العزت نے یوں دی ہے۔

''قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ۝'' (بنی اسرائیل، آیت: ۸۸)

''اے پیغمبر! انہیں کہہ دے کہ انسان اور جن سب متفق ہو کر اس قرآن کی

مثال پیش کرنا چاہیں تو بھی اس کی مثال پیش نہ کر سکیں گے خواہ بعض بعض کی مدد ہی کیوں نہ کریں"۔

لہٰذا اس سے بڑھ کر اور عجیب معجزہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ اور اس قدر دشمنوں اور حاسدوں کے باجود جو کہ شرق اور غرب مین تھے اس کے علاوہ عرب وعجم کے بڑے بڑے فصحاء اور بلغاء اور دیگر اہل کتب وفلسفہ دان اور زندیقی حکماء جو کہ عالم کو قدیم جانتے تھے اور حشر ونشر کے بھی منکر تھے اور قرآن مجید کو حبیب خدا ﷺ کا ذاتی کلام سمجھتے تھے انہوں نے بھی اس عظمت کا دعویٰ کیا۔ لیکن سب کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج تقریباً ساڑھے چودہ سو سال گزر گئے۔ لیکن کوئی بھی قرآنی دعویٰ کو باطل نہ کر سکا اور اکیلے یا ملکر ایسی کتاب پیش نہ کر سکا اور ان خبروں کی سچائی جو کہ عین معجزہ ہے خودبخود عیاں ہے۔ اور یہی حال ان خبروں کا بھی سمجھ لو جو کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمائی ہیں۔ اور سب کی سب ایک ایک کر کے ظاہر ہو رہی ہیں خصوصاً تاتاری ملعون کافروں اور مشرکوں کا واقعہ (اللہ تعالیٰ انہیں غارت کرے) اس کی نسبت حضور سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ کہ اس وقت تک قیامت نہ آئے گی کہ جب تک میری امت ترک قوم سے جنگ نہ کرے گی۔ اور ترک لوگوں کی یہ پہچان ہے۔ کہ ان کی آنکھیں چھوٹی' ناک چپٹی اور چہرے چوڑے۔ جیسا کہ ڈھال پر سے چمڑا اتار لیا گیا ہو۔ اور پھر قتل عام بہت زیادہ ہو گا۔ اور یہ فرمان بالکل ٹھیک نکلا۔ لہٰذا ابھی ہمیں بے فکر نہیں ہونا چاہئے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث مبارکہ میں اور بہت سی خبریں مندرج ہیں۔ جو کہ ابھی تا حال ظاہر نہیں ہوئیں۔

"اللهم انا نسئلك العفو والعافية والعافات فى الدين اولدنيا فالخاتمة المرضية جودك وكرمك"

"اے پروردگار! ہم دنیا اور دین میں تجھ سے معافی۔ عافیت۔ رنج و بیماری سے خلاصی چاہتے ہیں۔ اور تیرے فضل وکرم سے تیری حسب منشاء اپنا خاتمہ چاہتے

ہیں''۔

پس اہل کتاب نے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کو ان کے معجزات کی متواتر خبروں سے مان لیا ہے۔ اور اگر دل میں اور ظاہری طور پر بھی حسد اور دشمنی نہ کرتے تو مناسب تھا کہ حضور سرکارِ دو عالم ﷺ کی نبوت پر بھی ایمان لاتے۔ کیونکہ عہد بھی زیادہ قریب ہے۔ اور خبریں بھی متواتر اور جھوٹ سے پاک صاف ہیں۔ اس کے علاوہ قرآن مجید کا معجزہ رسول اللہ ﷺ کی اخبارات بھی ظاہر ہیں۔ لیکن بات اصل میں یہ ہے۔ کہ یہودیوں اور عیسائیوں کا ایمان عقلی نظر اور تصدیق کے نور کی وجہ سے نہیں۔ بلکہ محض انہوں نے اپنے والدین سے بغیر بیّن دلائل کے بطور تقلید حاصل کیا ہوا ہے۔ جیسا کہ اللہ رب العزت خود قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

''اِنَّا وَجَدْنَا آبَائَنَا عَلٰی اُمَّۃٍ وَّاِنَّا عَلٰی آثَارِهِمْ مُقْتَدُوْنَ ○ '' (زخرف' آیت: ۲۳)

''ہم نے اپنے اباؤ اجداد کو ایک امت کے طریقے پر پایا۔ اور ہم بھی انہی کے قدموں کی پیروی کرتے ہیں''۔

اور حضور پرنور ﷺ نے فرمایا ہے کہ

''کل مولود یولد علی الفطرت فابواہ یہود انہ و ینصر انہ ویمجیسانہ''

''ہر ایک بچہ اپنی فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کے والدین اسے یہودی' نصرانی بنائیں خواہ مجوسی''۔

اور جو دین تقلید سے بغیر ایمانی نور اور عقلی نظر کے حاصل کیا جائے وہ کفر ہوتا ہے۔

دوسرا جواب اس کا یہ ہے۔ کہ جب رسول اللہ ﷺ کی نبوت ثابت ہوگئی تو اس سے یہ کس طرح لازم آیا کہ یہ دین دوسرے ادیان کا ناسخ ہے؟ اس کا جواب ہے۔ کہ جب حضور اقدس ﷺ کی نبوت مسلم ہوگئی تو اسے صادق القول سمجھنا چاہئے۔ اور حضور

رسالت مآب ﷺ کی کتاب (قرآن مجید) کو قبول کرنا چاہئے۔ اور قرآن مجید میں اللہ رب العزت فرماتا ہے کہ

''هُوَ الَّذِىْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ○'' (صف' آیت:۹)

''وہ ذات حق ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا۔ تا کہ باقی ادیان پر اسے ظاہر کر دے خواہ مشرک لوگوں کو یہ نا گوار گزرے''۔

یعنی حضور اقدس ﷺ کے دین سے باقی تمام ادیان منسوخ ہو گئے۔ اور کتابوں اور ادیان کے منسوخ ہونے سے یہ مراد ہرگز نہیں کہ انہیں باطل سمجھا جائے۔ اور انہیں سچ نہ سمجھا جائے یا یہ کہ ان پر ایمان نہ رکھا جائے۔ بلکہ اصل بات یہ ہے۔ کہ جو کچھ مختلف حقائق دیگر دوسری کتب میں تھے اور جو اسرار مختلف شریعتوں میں متفرق پڑے ہوئے تھے ان سب کو قرآن مجید اور شریعت محمدی ﷺ میں ایک جگہ اکٹھا کر دیا گیا ہے۔ کیونکہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

''وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ○'' (انعام' آیت:۵۹)

''سب خشک وتر اس ظاہر کتاب میں موجود ہے''۔

اور جو دینی نعمتوں کا مکمل کرنے والا ہے۔ کہ حضور اقدس ﷺ کی خاص پرورش سے تعلق رکھتا تھا اسی سے کرتے ہیں۔ کیونکہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

''اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِىْ '' (مائدۂ آیت:٦)

''تم پر میں نے اپنی نعمت مکمل کر دی''۔

تا کہ اگر ہر ایک امت کسی خاص نبی کی مقتدی ہوئی اور ایک صاحب دولت کی تابعداری کا پھل اٹھاتی تو یہ امت تمام انبیاء علیہم السلام کی مقتدی بن سکے اور سب کی

پیروی کا پھل اٹھائے اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے!

''اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ هَدَی اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ؕ'' (انعام آیت:۹۰)

''یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی پس تو ان کی ہدایت کی پیروی کر''۔

حضور اقدس ﷺ کی نبوت کو دوسری نبوتوں کے ساتھ وہی نسبت ہے۔ جو کہ آفتاب کوستاروں سے ہوتی ہے شروع شروع میں۔ جبکہ دین نے ابھی کمال حاصل نہیں کیا تھا۔ اور خلق خدا ابھی دین کی رات میں تھی۔ اور ہر ایک امت ہر قرن میں کسی خاص نبوت کے ستارہ سے راہ حاصل کرتی رہی۔ جیسا کہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں فرماتا ہے!

''وَبِالنَّجْمِ هُمْ یَهْتَدُوْنَ'' (نحل آیت:۱۶)

''ستاروں سے وہ راہ حاصل کرتے ہیں''۔

لیکن جب دین کے کام نے

''اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا'' (مائدہ آیت:۳)

''آج کے دن میں نے تمہارے لئے دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمتیں تمہیں پورے طور پر دے چکا اور تمہارے مذہب اسلام کو پسند کیا''۔

کا کمال حاصل کیا تو وجود محمدی ﷺ کے آفتاب کو آفتاب کی طرح خلقت میں بھیجا گیا۔ جیسا کہ اللہ رب العزت قرآن میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

''وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا'' (سبا آیت:۲۸)

''ہم نے نہیں بھیجا تجھے۔ مگر سب انسانوں کے لئے خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا''۔

پھر اس وقت دین کا راہ دن میں تبدیل ہو گیا اور ''مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ'' کی صفت ظاہر ہوئی۔ ستاروں کی راہبری اور راہنمائی اسی وقت تک قائم رہتی ہے جب تک کہ

آفتاب نہ نکلے

"اذا طلع الصباح استغنی عن المصباح"

''جب صبح ہو جائے۔ تو چراغوں کی ضرورت نہیں رہتی''۔

جب سیاروں کا بادشاہ اپنا جمال دکھاتا ہے۔ تو شعاعوں کی تلواروں سے ستاروں کی روشنی کے سر جدا کر دیئے جاتے ہیں۔

ہر کجا آفتاب طالع شد
ماہ در حال مہرہ در چیند

(خیام)

از روئے حقیقت

از روئے حقیقت اس سوال کا جواب یہ ہے۔ کہ موجودات کے پیدا کرنے سے اصل مقصود انسانی وجود تھا۔ اور اس طرح انسانی وجود سے معرفت مقصود تھی۔ اور جسے کہ اللہ رب العزت نے امانت قرار دیا ہے۔ یا فرمایا ہے۔ درحقیقت وہ معرفت ہی ہے۔ اور اس امانت کا بوجھ اٹھانے کے قابل صرف انسان ہی ٹھہرا۔ چونکہ معرفت دین میں ہے۔ لہٰذا جس قدر آدمی کو دین سے زیادہ برخورداری حاصل ہوتی ہے اسی قدر اسے معرفت بھی زیادہ حاصل ہوتی ہے۔

جس شخص کو دین سے بہرہ حاصل نہیں۔ وہ معرفت سے بھی بدنصیب ہوتا ہے۔ اور دین کے کمالیت کے بوجھ کا متحمل مطلق انسان ہوسکتا تھا نہ کہ ایک مقررہ شخص۔ جس طرح کہ پھل کو درخت سہار سکتا ہے۔ نا کہ کوئی ایک شاخ 'ابتداء میں جب ایک شاخ زمین سے نکلتی ہے۔ تو اس پر پھل نہیں آتا تاوقتیکہ سارا درخت مکمل نہ ہو جائے۔ پس انسانی وجود دنیا میں ایک ہے۔ اور ہر ایک شخص اس وجود کے لئے بمنزلہ ایک خاص عضو کی طرح ہے۔ اور انبیاء علیہم السلام اس وجود کے اعضائے رئیسہ ہیں۔ اعضائے رئیسہ سے وہ اعضاء مراد

ہوتے ہیں۔ کہ جن کے بغیر انسانی زندگی ناممکن ہے مثلاً سر۔ دل۔ جگر۔ پھیپھڑے۔ دماغ وغیرہ اور ان سب میں حضور اقدس ﷺ بمنزلہ دل کے ہیں دل ہر شخص میں ہوتا ہے۔ اور یہی انسانی وجود کا خلاصہ ہوتا ہے وہ اس لئے کہ انسانی وجود میں وہ مقام جو انوار روح کا مظہر ہوتا ہے۔ اور اس میں جسمانیت بھی ہوتی ہے وہ یہی دل ہوتا ہے اکیلا دل دین میں مشغول نہیں ہوسکتا جو کہ معرفت کا پھل لاتا ہے۔ لہٰذا اسے ضرور دوسرے اعضاء کی مدد کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن جو دین کا ثمرہ ہوتا ہے وہ معرفت ہے صرف دل میں ہی پیدا ہوتا ہے۔ اور معرفت کی کمالیت کا ثمرہ بھی دل ہی کو حاصل ہے گو کہ دوسرے اعضاء کو بھی اس میں سے حصہ ملتا ہے۔

دل میں وہ خاصیت ہوتی ہے۔ جو کہ کسی دوسرے عضو میں نہیں پائی جاتی وہ یہ ہے۔ کہ دل میں ایک خاص جان ہے۔ کہ جس سے باقی کے اعضاء زندگی حاصل کرتے ہیں دوسرے یہ کہ دل کو عالم اجسام کے خلاصہ سے بنایا گیا ہے۔ اور دل کی جان عالم ارواح کے خلاصہ سے بنائی گئی ہے۔ چنانچہ مفرد اور مرکب اجسام کی ساری لطافت لے کر اسے نباتات کی غذا بنایا اور جو نباتات میں سے لطیف تھا اسے حیوانات کی غذا بنایا اور جو حیوانات میں لطافت تھی اسے انسان کی غذا بنایا اور جو انسانی غذا کی لطافت تھی اس سے آدمی کا بدن بنایا اور جو بدن کی لطافت تھی اس سے دل کی صورت بنائی اور اسی طرح ارواح انسانی ارواح ملکی کی لطافت سے بنے اور ارواح ملکی ارواح جنات سے بنے اور ارواح جنات ارواح ملکوت کی لطافت سے بنیں جو کہ انسانی روح کی لطافت تھی اسے لے کر دل کی جان بنایا پس اس کے مطابق دل جسمانی اور روحانی دونوں عالموں کا خلاصہ ہوا۔ اس لئے معرفت کا مظہر دل ہی بنا اسی لئے اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

''كَتَبَ فِىْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ'' (مجادلہ آیت آخری)

''ان کے دلوں میں ایمان لکھا گیا''۔

انسان میں کوئی مقام سوائے دل کے کتاب الٰہی کے قابل معلوم نہ ہوا اور کوئی مقام سوائے دل مقربین الاصجین کے مناسب معلوم نہ ہوا۔ چونکہ حضور اقدس ﷺ دل کی مانند ہیں۔اس لئے حضور اقدس ﷺ کو ایک خاص ترین جان عطا ہوئی جو کہ کسی دوسرے نبی کو نصیب نہ ہوئی اور نبوت کی جان جو کہ تمام انبیاء علیہم السلام کو حاصل تھی۔ وہ حضور پرنور ﷺ کو بھی حاصل تھی اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

''یُلْقِی الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِہٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ '' (مومن آیت: ۱۵)

''اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اسے اپنے امر سے روح کا القا کرتا ہے''۔

لیکن خاص جان کے بارے میں''۔ اللہ رب العزت فرماتا ہے کہ

''وَ کَذٰلِکَ اَوْحَیْنَا اِلَیْکَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا' (شوریٰ آیت: ۵۲)

''اور اسی طرح ہم نے تیری طرف اپنے امر سے ایک روح بطور وحی ارسال کی''۔

ہر شخص کو حاصل نہیں اور یہی مقام محمود کی حقیقت ہے۔ جو کہ مقام شفاعت بھی ہے۔ اور یہ حضور اقدس ﷺ کے لئے مخصوص ہے۔ اور حضور سرکار دو عالم ﷺ کے فضائل میں یہ بھی ہے۔ کہ

"واعطیت الشفاعة"

''اور مجھے شفاعت حاصل ہوئی''۔

اسی طرح

''فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَا اَوْحٰی '' (نجم آیت: ۱۰)

''پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے پر حکم بھیجا جو بھیجا''۔

اور اس کا استحقاق بھی حضور اقدس ﷺ کو ہی ملا جو کہ بمنزلہ ''کَتَبَ فِیْ قُلُوْبِھِمُ الْاِیْمَانَ '' (مجادلہ آخری آیت) کے تھا۔ اور قرب ''اَوْ اَدْنٰی '' کا شرف بھی حضور اقدس ﷺ

کو ہی ملا جو بمنزلہ مقربین الاصحین کے تھا۔

لہٰذا جس طرح معرفت میں تمام اعضاء دل کے تابع ہوتے ہیں اسی طرح نبوت میں تمام انبیاء علیہم السلام بھی حضور سرکار دو عالم ﷺ ہی کے تابع ہیں اسی لئے حضور رسالت مآب ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ کہ

"لو کان موسیٰ و عیسیٰ حیًا لما و سعھا الا اتباعی"

''اگر موسیٰ اور عیسیٰ زندہ ہوتے تو میری پیروی کی کوشش کرتے''۔

اگرچہ تمام انبیاء علیہم السلام دین پروری کے کام میں مصروف اور برسر پیکار تھے۔ مگر دین کی کمالیت کا مظہر حضور سرور کائنات ﷺ کا مبارک اور باسعادت عہد ہی تھا۔ اور اللہ رب العزت نے کمال حکمت خداوندی سے دین کی حقیقت کو انبیاء علیہم السلام کی پرورش کے تصرف میں رکھا جس طرح کہ گندم سے نان تیار ہونے تک کئی صاحب صنعت استاد کام کرتے ہیں کوئی گندم صاف کرتا ہے' کوئی چکی چلاتا ہے' کوئی خمیر کرتا ہے' کوئی پیڑے بنایا ہے' کوئی چوڑا کرتا ہے۔ اور کوئی تنور میں لگاتا ہے۔ لیکن جو تنور میں لگاتا ہے۔ تو سارا سسٹم (کام) مکمل اسی کے ہاتھ سے ہوتا ہے۔ مگر دیگر حضرات کو بھی اپنا اپنا کام کرنا پڑتا ہے۔ لہٰذا حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وقت تک ہر ایک نبی دینی خمیر کی تیاری کا کام کرتا رہا۔ لیکن آتش محبت سے تپا ہوا تنور اللہ تعالیٰ کے حبیب ﷺ ہی کو حاصل تھا۔ اور جب ایک لاکھ چوبیس ہزار نقطۂ نبوت سے اس پیڑے کی پرورش ہوگئی تو حضور سرور کائنات ﷺ کے دست مبارک میں دیا۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ؕ (انعام' آیت: ۹۰)

''جس کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی ہے۔ پھر انہی کی ہدایت کی پیروی کر''۔

اور جنہوں نے اسے محبت کے تنور میں لگایا اور دین کی روٹی نبوت کے (۲۳) تیئس سال میں اپنے کمال کو پہنچ گئی۔

''اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ '' (مائدہ آیت:۳)

''آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا''۔

اور تنور محبت سے نکال کر ''بعثت الی الخلق کافۃ'' کی دعوت کی دکان پر رکھی گئی۔ تاکہ ''علی فطرۃ من الرسل'' کے قحط زدہ بھوکے اس روٹی کی قیمت کے بدلے اپنا جان و مال خرچ کریں۔ کیونکہ اللہ رب العزت فرماتا ہے! کہ

''وَجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ '' (توبہ آیت:۴۱)

''اپنی جانوں اور مالوں سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں کوشش کرو''۔

اور جس پختہ نان کی آرزو میں کئی ہزار امتوں نے جانیں دے دیں اس کے لئے ''كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ '' کے صاحب دولت مخصوص ہوئے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام جو

''رَبِّيْ اِنِّيْ لِمَا اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٍ''

''اے پروردگار! تو اپنے خوان کرم سے جو نعمت بھی مجھے بھیج دے۔ میں اس کا سخت حاجت مند ہوں''۔

کے بھوکے تھے اور اسی روٹی کی آرزو میں

''اللهم اجعلنی من امتی محمد''

''اے پروردگار! مجھے محمد ﷺ کی امت بنا''۔

پکارتے تھے۔ اگرچہ انبیاء علیہم السلام اس روٹی پر کام تو کرتے رہے اور اس وقت سے لے کر۔ جبکہ یہ گندم کی حالت میں تھی اس وقت تک اس میں سے کچھ نہ کچھ کرتے رہے اور اپنی قوم کو دیتے رہے۔ لیکن اسے وہی کھاتے تھے جو کہ اس پر کام کرتے تھے۔ چونکہ اس پر سب سے پہلا کام کرنے والا شخص حضرت آدم علیہ السلام تھے اور اس وقت یہ روٹی ابھی گندم کی حالت میں تھی۔ اس لئے انہوں نے اسے گندم ہی کی حالت میں کھایا اور یہی وجہ تھی کہ ملائکہ ''وَعَصٰى اٰدَمُ '' کی طعن کرنے لگے وہ اس لئے کہ اس روز تک گندم

فرشتوں کے دہقانوں اور مزارعوں کے ہاتھ میں تھی۔ اور انہوں نے اسے جنتی زمین میں بو رکھا تھا۔ اور پرورش کر رہے تھے۔ اور پھر حضرت آدم علیہ السلام کے وقت تک پرورش میں مشغول رہے۔ اور دوسری طرف اللہ رب العزت آدم کے آب وگل کو مکہ اور طائف کے درمیان وادی نعمان میں پرورش کرتا رہا۔ اور جب حضرت آدم علیہ السلام مکمل ہو چکے تو ان کی غذا بھی جنت میں تیار اور مکمل ہو چکی تھی۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام کا امتحان کیا گیا کہ کیا یہ اپنی غذا خود بھی شناخت کرتا ہے۔ یا کہ نہیں۔ اس لئے حکم ہوا کہ اے آدم! جنت میں جا کر جو مرضی ہو کھاؤ۔ لیکن اس درخت کے پاس نہ جانا۔ حضرت آدم علیہ السلام اللہ رب العزت کے حکم کے مطابق اس درخت ممنوعہ کے پاس نہ جاتے۔ لیکن حضرت آدم علیہ السلام کا نفس امارہ کسی کھانے پر مانوس نہ ہوتا۔ بلکہ صرف اسی ممنوعہ درخت کی جانب مائل ہو جاتا جس طرح کہ گھوڑے کے سامنے تھوڑی سی گھاس رکھ دیں اور اس سے ذرا سے فاصلہ پر جو کا توبڑہ رکھا ہوا ہو۔ اور اسے کہہ دیں کہ یہ گھاس کھا لے اور توبڑے کے پاس مت جانا تو وہ مجبوراً گھاس کھا لے گا۔ مگر مائل توبڑے ہی کی جانب رہے گا۔ اور اگر کوئی شخص آ کر گھوڑے کا رسہ کھول دے تو وہ ضرور توبڑے کی طرف جائے گا۔

اسی طرح آٹھوں جنتوں کی نعمتیں حضرت آدم علیہ السلام کو عنایت ہوئیں۔ مگر دل میں اس گندم کی طرف مائل رہے۔ مگر مجبوری یہ تھی کہ

''وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ '' (بقرۃ' آیت: ۳۵)

''تم دونوں اس درخت کے پاس نہ جانا''۔

کی قید لگا رکھی تھی آخر شیطان لعین نے آ کر کہا

''هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَ مُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ۝ '' (طٰہٰ آیت: ۱۲۰)

''کیا میں تجھے ہمیشہ رہنے والا درخت اور نہ زائل ہونے والا ملک بتاؤں''۔

تو حضرت آدم علیہ السلام نے کہا! کہ میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں۔ مجھے تیرے

بتانے کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ میں فرشتہ نہیں ہوں۔ کہ جسے تیرے جیسے معلم کی ضرورت ہو۔ میں

''وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا'' (بقرہ آیت:۳۱)

''اور آدم علیہ السلام کو ان سب کے نام سکھا دیئے''۔

کے مکتب کا پڑھا ہوا ہوں مجھے معلوم ہے۔ کہ وہ درخت کون سا ہے۔ اور تجھے بھی اچھی طرح معلوم ہے۔ کہ شجرہ خلد ملک ابدی کا وسیلہ ہے۔ اور شاید تو دشمنی اور کجی سے کہتا ہے۔ تاکہ میں حکم الٰہی کا مخالف بن جاؤں مجھے بیشک دل و جان سے اس کی آرزو ہے۔ مگر پابندی فرمان اس امر میں مانع ہے۔ شیطان لعین نے قسم کھائی اور قسم کی دست برد سے

''وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّىْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ'' (اعراف آیت:۲۱)

''اس نے دونوں کو قسم کھا کر کہا کہ میں البتہ تمہیں نصیحت کرتا ہوں''۔

فرمان کی پابندی آدم علیہ السلام کے پاؤں سے دور کی۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی سادگی اور صاف دلی سے اس کی جانب دیکھا اور خیال کیا کہ جو شخص اللہ رب العزت کی عظمت کی قسم کھاتا ہے وہ جھوٹا نہیں ہوگا۔ اور جب انہوں نے قسم سنی تو نہایت نیک دلی سے صفات الٰہی سن کر اس پر فریفتہ ہو گئے۔ اور واقعی عاشقین کی نشانی بھی یہی ہے۔ کہ معشوق کے سوا دونوں جہان پر بھی فریفتہ نہیں ہوتے۔

"خدعنا باللہ الخلاعنا'' اللہ رب العزت نے جو باز پرس کی تو اس لئے نہ تھی کہ گندم اس کے لئے بنائی گئی تھی ابلیس لعین نے تو آدم علیہ السلام کو دھوکہ دیا۔ لیکن گندم کو آدم علیہ السلام کی روزی کس نے بنایا اگرچہ گندم کی پرورش فرشتے کرتے تھے۔ لیکن ان کو غذا کی ضرورت نہ تھی۔ اس کا کھانے والا آدم تھا باز پرس تو صرف اس لئے ہوئی کہ انہوں نے شیطان کے حکم سے کھائی اسی واسطے جہان میں شور برپا ہو گیا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے نافرمانی کی ہے۔ بہرحال اس میں بھی اللہ رب العزت کی حکمت تھی کہ جس کی اطلاع

فرشتوں کو ہرگز نہ تھی۔ اور وہ اسی خیال میں تھے کہ اتنے ہزار سال سے ہم ایک لطیف درخت کی پرورش کر رہے تھے کہ جس کا جمال آٹھوں جنتوں کی آرائش ہے۔ اور اس نارسیدہ بچے نے آ کر نافرمانی کی اور بچوں کی طرح اس کی شاخ کو توڑا اور کھا کر ناچیز کر دیا۔ لہٰذا ہمیں تو پہلے ہی معلوم تھا کہ وہ فساد کرے گا۔

''اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا'' (بقرۃ آیت: ۳۰)

''کیا تو اس کو بناتا ہے جو اس میں فساد برپا کرے گا''۔

سو اب اس نے یہیں فساد برپا کر دیا'' اور اگر اس گندم کو نہ کھاتا اور تباہ نہ کر دیتا تو اس درخت کے ہر دانے سے درخت پیدا ہوتا۔ مگر انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ جب بوئیں گے تو درخت ہوگا۔ اور جب کھائیں گے تو مرد ہوگا بہرحال یہ ایک بہت ہی بڑا راز ہے۔ کہ جس تک ہر شخص کی عقل نہیں پہنچ سکتی''۔ غرض یہ ہے۔ کہ وہ طعن تشنیع صرف اس واسطے تھی کہ دین کی گندم اس کے عہد تک ابھی پرورش میں تھی۔ اور کسی نے اسے کھایا نہ تھا۔ اور حضرت آدم علیہ السلام کو اس پر محنت کرنا چاہئے تھی۔ اور دیگر انبیاء علیہم السلام بھی اس پر دستکاری کرتے اور جب پک جاتی۔ تو استاد کامل حضرت محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کے ہاتھ میں دیتے۔ پھر اس میں سے ہر شخص لے کر اپنی خوراک بناتا۔

''مثل مشہور ہے۔ کہ جو شخص مٹی کرتا ہے۔ وہ مٹی کھاتا ہے''۔

حضرت آدم علیہ السلام نے گندم پر کام کیا۔ اور انہوں نے ہی آٹا کھایا۔ چونکہ محبت محمدی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کے تنور سے روٹی پک کر نکلی۔ اس لئے دعوت محمدی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کی دکان پر رکھی گئی اور منادی کی گئی کہ مختلف ادیان میں جسے آتش محبت کی پکی ہوئی روٹی مطلوب ہو۔ اور درگاہ الٰہی کا محبوب بننا چاہے وہ حبیب اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کی دکان پر آ جائے۔ کیونکہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

''اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ'' (مائدہ آیت: ۳)

اور جو زیادتی کمال پر ہو وہ عین نقصان ہوتی ہے۔ جیسا کہ

"الزیادہ علی الکمال نقصان" سے ظاہر ہے۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ

"من احدث فی دیننا ما لیس منه فهورد"

''جس شخص نے ہمارے دین میں کوئی نئی شاخ نکالی وہ ہم میں سے نہیں، پس وہ مردود ہے''۔

اس کے بعد پھر مزید فرمایا۔ کہ

"وایاکم والمحدثات خان کل بدعة ضلالة"

''تمہارے لئے نئی بات پیدا ہونا ضروری ہے بیشک بدعت گمراہی ہے''۔

دین میں بہت سی صفات ہیں ہر ایک نبی نے ایک خاص صفت کو درجہ کمال تک پہنچایا۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام نے صفوت کی صفت کو کمال تک پہنچایا اور حضرت نوح علیہ السلام نے دعوت کو پہنچایا' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خلت کی صفت کو' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مکالمت کی صفت کو' حضرت ایوب علیہ السلام نے صبر کی صفت کو' حضرت یعقوب علیہ السلام نے حزن کی صفت کو' حضرت یوسف علیہ السلام نے صدیقی کی صفت کو' حضرت داؤد علیہ السلام نے تلاوت کی صفت کو' حضرت سلیمان علیہ السلام نے شکر کی صفت کو' حضرت یحییٰ علیہ السلام نے خوف کی صفت کو' حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے امید کی صفت کو (وعلی ہذا القیاس) ہر ایک نبی نے ایک خاص صفت کو درجہ کمال تک پہنچایا اگرچہ انہوں نے باقی صفات کی پرورش تو کی۔ لیکن ایک پر ایک غالب آتی گئی۔ مگر جو سب سے اعلیٰ صفت تھی۔ یعنی صفت محبت۔ وہ سوائے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اور کسی سے بھی درجہ کمال کو نہ پہنچی وہ اس لئے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انسانی وجود میں بمنزلہ دل کے تھے اور محبت کی پرورش کرنا صرف دل ہی کا کام ہے۔ اور دین کی کمالیت محبت کی کمالیت پر منحصر ہے۔

''فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰہُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّھُمْ وَ یُحِبُّوْنَہٗ'' (مائدہ' آیت: ۵۴)

کی قبا اسی امت کو مرحمت ہوئی اور

''وُجُوْہٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَۃٌ اِلٰی رَبِّھَا نَاظِرَۃٌ'' (قیمۃ آیت ۲۱ تا ۲۳)

کی کرامت ایک شمع تھی جو کہ ان پروانوں جیسے خرمن سوختگوں کے لئے روشن کی گئی تھی۔ اور اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو من اور سلویٰ دیا گیا۔ اور اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوم کو دسترخوان بھیجا گیا ''ذَرْھُمْ یَاْکُلُوْا وَیَتَمَتَّعُوْا'' تو ان تلچھٹ تک اڑا جانے والے گودڑی پوشوں اور گھر کو بیچ ڈالنے والے رندوں کو شراب شہود کا گھونٹ جس قدر ''سَقٰھُمْ رَبُّھُمْ'' کا ساقی جام جمال سے ان کے وجود کی کند زبان پر ڈالتا ہے۔ اسی قدر اس شراب کے دور سے ''انا الحق اور سبحانی'' کا جنگ و جدل برپا ہوتا ہے۔ لیکن وجود برانداخت کا خانہ ایک ایسی قبا جو کہ ان پریشان حال جواریوں کے قد کے سوا کسی قسم پر پوری نہیں آتی اور شہود کی شمع پر جان جلانا سوائے ان شکستہ بال پروانوں کے کسی کو درست نہیں۔ اس لئے دونوں جہان قطع بہ قطع دوسری امتوں کو دیئے گئے۔ اور عزت کا خیمہ ان گدائیوں کی بارگاہ دولت میں نصیب کرتے ہیں۔ کہ

''انا عند المنکسرۃ قلوبھم''

''میں ان کے ٹوٹے ہوئے دلوں کے نزدیک ہوں''۔

چونکہ دین کی کمالیت صفت محبت کی کمالیت پر موقوف تھی۔ اور یہ کہ حضور اقدس ﷺ کے وسیلے جو کہ انسانی وجود میں بمنزلہ دل کے تھے وہ پوری ہوئی۔ اس لئے حبیب خدا ﷺ اللہ رب العزت کے حبیب اور خاتم الانبیاء ہوئے۔ اور حضور اقدس ﷺ کا دین دوسرے دیگر ادیان کا ناسخ ہوا جس شخص کو دین کی کمالیت اور محبوبیت کا مرتبہ مطلوب ہوا اسے

''فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ'' (آل عمران' آیت: ۳۱) کی متابعت کے خط پر سر رکھنا چاہئے۔

اور چونکہ اسی دین میں ہے۔ اسی وجہ سے دوسرے دیگر ادیان منسوخ ہو گئے۔ جیسا کہ جہاں پانی مل جائے وہاں خاک سے وضو کرنا جائز نہیں ہوتا' میں پچھلے 'صفحات میں بیان کر چکا ہوں کہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کے عہد میں گندم' آٹا اور خمیر کھا سکتے ہیں اب جب کہ روٹی پک کر تیار ہو چکی تو ان گندم وغیرہ کا کھانا جائز اور مناسب نہیں۔ بلکہ ان انبیاء علیہم السلام کو اس دکان میں آ کر نان بائی سے روٹی لینی چاہیئے کہ

"الناس یحتاجون الی شفاعتی"

''انسانوں کو میری شفاعت کی احتیاج ہے''۔

اور ابھی حضور رسالت مآب ﷺ فراخ حوصلگی کے سبب ان نان اور نانوائی سے سیر نہیں ہوئے۔ اور فرماتے ہیں!

"انا سید اولاد آدم ولا فخر"

''میں بنی آدم کا سردار ہوں۔ اور یہ از روئے فخر نہیں کہتا''۔

یہ کیا ارشاد ہے' یہ نہایت ہی لطیف اشارہ اور نہایت ہی لطیف ظریف ہے۔ یعنی یہ سب کے سب نان بائی' سیادت' جھنڈا داری اور پیشوائی مجھے خلقت کا نصیبہ ہے۔

''وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ'' (انبیاء' آیت: ۱۰۷)

''تجھے اہل جہان کے لئے باعث رحمت بھیجا ہے''۔

پس یہ سب کچھ ان کے لئے جائے فخر ہے۔ کیونکہ وہ مجھ جیسا سردار' مقتداء' قافلہ سالار' رہنما' شفاعت کنندہ رکھتے ہیں۔ لیکن ان میں سے میرا حصہ بے نصیبی ہے۔ اور میرا مقصود نامقصودمندی ہے۔ اور میری مراد نامرادی اور میری ہستی نیستی اور میرا فخر فقر ہے۔

اے محمد ﷺ ! اس میں کیا راز ہے۔ کہ پیشوائی اور انبیاء علیہم السلام کے سردار ہونے پر فخر کیوں نہیں کرتے اور فقر پر فخر کرتے ہیں۔ صرف اس لئے کہ ہماری راہ عشق و محبت ہے۔ اور یہ راہ سوائے نیستی کے طے نہیں ہو سکتی۔

کافروں کی جماعت نے حضور اقدس ﷺ کے لب و دندان مبارک کو آزمائش کے پتھر سے شہید کیا تو حضور اقدس ﷺ نے چاہا کہ دندان مبارک ظاہر کریں کہ ابھی اپنے لب مبارک بھی نہ ہلانے پائے تھے کہ اللہ رب العزت کی جانب سے حکم صادر ہو گیا کہ

''لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ'' (آل عمران' آیت: ۱۲۸)

''امر الٰہی میں تیرا کچھ دخل نہیں''۔

بڑے تعجب کا مقام ہے۔ کہ حضرت نوح علیہ السلام سے تو ایسا کوئی بھی معاملہ نہ ہوا تھا۔ جبکہ انہوں نے عرض کی تھی۔ کہ

''رَبِّ لَاتَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكَافِرِيْنَ دَيَّارًا'' (نوح' آیت:۲۶)

''اے پروردگار! کافروں میں سے کسی کو بھی تو روئے زمین پر نہ رہنے دے''۔

تو فوراً سارے جہان میں طوفان آ گیا تھا۔ اور تمام کو سوائے اہل ایمان کے ہلاک کر ڈالا تھا بیشک یہ ٹھیک ہے۔ کیونکہ حضرت نوح علیہ السلام صفت قہر کے مظہر تھے وہ تو اپنی راہ چلے۔

''قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ''

حضور اقدس ﷺ چونکہ لطف و محبت کے مظہر تھے۔ لہٰذا سرکار دو عالم ﷺ کی راہ دوسروں کے حق میں رعایت کرنا ہے پس یہی وجہ تھی کہ پتھر کھا کر حضور پرنور ﷺ نے فرمایا کہ

''اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِيْ فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ''

''اے پروردگار! میری قوم کو ہدایت فرما۔ کیونکہ انہیں معلوم نہیں''۔

یہ کس قسم کا تصرف تھا۔ حضور سرکارِ دو عالم ﷺ کے لئے نیستی اور گم ہونا اس لئے سامنے رکھی گئی۔ تاکہ ہستی کو نیستی میں گم کر دیں۔

تا گم نشوی و کمتر از کم نشوی

اندر صف عاشقاں تو محرم نشوی

''کیونکہ مجازی ہستی کے وجود کے ہوتے ستاتے حقیقی ہستی کے وجود کی کمالیت حاصل نہیں ہوسکتی بیشک جس قدر تو اپنی مجازی ہستی کو خرچ کرے گا اسی قدر حقیقی ہستی کی راہ میں ایندھن کو آگ سے نصیبہ حاصل ہو گا۔ لہٰذا ہستی کے وجود کو ایندھن فرض کر لیں۔ اب ہستی کے ایندھن کو آتشِ ہستی پر فدا کرنا چاہیئے۔ تاکہ سفلی وظلماتی اور کثیف ایندھن لطیف نورانی اورعلوی آگ بن جائے۔ لیکن جب تک ایندھن کی ہستی سے کچھ بھی باقی ہے۔ تو دھواں ہی پیدا ہو گا۔ اور دھواں دراصل آگ کی طلب کرتا ہے۔

دھواں دھکے میرے مرشد والا
جاں پھولاں تے لعل نی

کیونکہ ایندھن نے آگ کا ذوق معلوم کر لیا۔ ہے اب ایندھن کی حالت میں رہنے پر راضی ہے۔ اور وہ چاہتا ہے۔ کہ اس کا سارا وجود آگ ہو جائے۔

آن مرتبہ یا رب چہ حد مشتاقی است
کامروز ہم او حریف و ہم ساقی است
ہاں اے ساقی بادہ مرا فزوں کن
کارِہستی ما ہنوز چیزے باقی است

پس اس حالت میں جو آگ ایندھن کو ملے اس کو اپنے لئے رکھے۔ کیونکہ دوسروں کو کچھ نہیں دے سکتی۔

جیوندے کی جانن سار موئیاں دی سو جانے جو مراد ہو
قبراں دے وچ ان نہ پانی خرچ لوڑیندا گھر دا ہو

(باھو)

قدر سوزچہ دانند ازیں مشتے خاک
ہم مرا سوز کہ صد بارد گر سوختہ ام (فقیر)

اور جب ایندھن اپنے تیئں سب کا سب کچھ آگ پر فدا کر چکتا ہے۔ تو اس کے بعد اپنا وجود اور جو کچھ آگ سے ملے وہ دوسرے ایندھن کے لئے ہو گا۔ نہ کہ اس کے لئے یہ بہت ہی بڑا راز ہے۔

تقریباً ایک لاکھ نقطۂ نبوت نے وجود بشریٰ کے ایندھن کو آتش محبت اور صفات الٰہی کی تجلی پر فدا کیا تھا۔ مگر ہر شخص سے نیم سوختہ ہی رہا۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ قیامت کے دن ہر ایک سے نفسی نفسی کی آواز نکلے گی۔ لیکن اللہ رب العزت کے حبیب ﷺ نے پروانے کی طرح جمال احدیت کی شمع پر اپنا وجود فدا کر دیا تھا۔ اس لئے حضور اقدس ﷺ قیامت کے دن امتی امتی پکاریں گے اور شمع جلال کا شعلہ اسی کا شعلہ ہو گا۔ اور حضرت آدم علیہ السلام کے باقی فرزندوں سے سب کو منقطع کرنے کے لئے فرمایا اللہ رب العزت قرآن مجید میں فرماتا ہے! کہ

''مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ''

(احزاب' آیت: ۴۰)

''محمد ﷺ تم میں سے کسی کا باپ تو ہے نہیں وہ خدا کا بھیجا ہوا رسول ہے۔ اور خاتم النبیین ہے''۔

بہر حال یہ بات جو مشہور ہے۔ کہ حضور اقدس ﷺ کا سایہ نہ تھا اس کی یہی وجہ ہے۔ کہ حضور اقدس ﷺ تمام نور ہو گئے تھے۔ کیونکہ اللہ رب العزت خود قرآن مجید میں فرماتا ہے!

''يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا۝

(النساء' آیت: ۱۷۴)

''اے لوگو! یقیناً تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک دلیل آ چکی ہے۔ اور ہم نے تمہارے پاس ایک صاف نور بھیجا ہے''۔

اور نور کا سایہ نہیں ہوتا۔ چونکہ حضور اقدس ﷺ نے اپنے سائے سے خلاصی پائی تھی۔ اس لئے تمام جہان حضور اقدس ﷺ کے نور کی پناہ لینے کے لئے دوڑے کہ

"ادم و من دونہ تحت لو الی یوم القیامۃ"

"آدم اور اس کے علاوہ جتنے ہیں قیامت کے دن سب کے سب میرے جھنڈے تلے ہوں گے"۔

اور سب سے پہلے بھی نور محمدی ﷺ ہی پیدا ہوا جیسا کہ

"اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ"

"جو چیز اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے پیدا کی وہ میرا نور تھا"۔

ظاہر ہے۔ کہ اب ابد کی حد تک بھی پہنچا جیسا کہ

"لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ"

"میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا"۔

سے ظاہر ہے۔ اور جب سے دولت محمدی ﷺ کا آفتاب طلوع ہوا تب سے ولایت انبیاء علیہم السلام کے ستارے غائب ہو گئے۔ اور دوسرے ادیان کی رات کی آیات منسوخ ہو گئیں۔ اس واسطے کہ جب صبح ہو جاتی ہے۔ تو چراغ کی ضرورت نہیں رہتی اگرچہ میری صورت کا آفتاب "کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ" کے مغرب میں غروب ہو جائے گا۔ لیکن دین کا آفتاب جب تک جہان باقی ہے دین پرور اور حق گستر علماء کی وجہ سے باقی رہے گا۔ جیسا کہ

"لا یزال طائفۃ من امتی قائمین علی الحق"

"میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ ایسا رہے گا جو کہ حق پر قائم رہے گا"۔

سے ظاہر ہے اس کے ہوتے ہوئے دوسرے انبیاء علیہم السلام کی کیا ضرورت ہے۔ کیونکہ اس امت کے علماء دوسری امتوں کے پیغمبروں کے برابر ہیں۔ جیسا کہ

"علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل "

''میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے پیغمبروں جیسے ہیں''۔

سے ظاہر ہے۔

دین دوطرح کا ہے' ایک ظاہر اور دوسرا باطن۔

ظاہری دین تو متقی پرہیزگار علماء کرام کے سبب قائم رہے گا۔ اور باطنی مشائخ طریقت کے سبب قائم رہے گا۔ کیونکہ

''الشیخ فی قومه کا النبی فی امة ''

''شیخ کا مرتبہ اپنی قوم میں ایسا ہوتا ہے۔ جیسا کہ نبی کا مرتبہ امت میں''۔

اور اللہ رب العزت نے ان دونوں گروہوں کے وسیلے سے دین کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے کہ

''اِنَّا نَحنُ نَزَّلنَا الذِکرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُونَ '' (حجر' آیت:۹)

''ہم نے ہی ذکر نازل کیا۔ اور ہم ہی اس کی نگہبانی کرنے والے ہیں''۔

انسانی قالب کی شریعت کے مطابق تربیت

القرآن: قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ○ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ○ (الاعلیٰ آیت: ۱۴تا۱۵)

ترجمہ: ''بیشک جو کفر وشرک کی گندگی سے صاف رہا۔ اور اپنے پروردگار کا نام لیتا رہا۔ اور نماز پڑھتا رہا وہ من مانی کی مراد کو پہنچ گیا۔''

الحدیث: "لا یستقیم ایمان احدکم حتی یستقیم قلبه ولا یستقیم قلبه حتی یستقیم لسانه ولا یستقیم لسانه حتی الستقیم عمله."

ترجمہ: ''تم میں سے جب تک کسی کا دل مستقیم نہ ہو اس کا ایمان مستقیم نہیں ہو سکتا اور جب تک زبان مستقیم نہ ہو دل مستقیم نہیں ہو سکتا۔ اور جب تک عمل مستقیم نہ ہو زبان مستقیم نہیں ہو سکتی۔''

ایک بات اچھی طرح واضح رہے کہ اللہ رب العزت نے ملکوت ارواح کا راستہ دل کی طرف کھولا ہے۔ اور دل سے نفس کی طرف راستہ رکھا ہے۔ پھر نفس سے قالب کی طرف راستہ رکھا ہے۔ تاکہ جو مدد اور فیض عالم غیب سے روح کو حاصل ہوتا ہے وہ روح سے دل تک اور پھر دل سے نفس تک پہنچے۔ اور پھر نفس سے انسانی قالب پر اس کا اثر ہو۔ اور پھر قالب پر مناسب عمل ظہور میں آئے۔

اگر قالب کی صورت پر کوئی ظلمانی نفسانی عمل ظہور میں آئے۔ تو اس ظلمت کا اثر نفس کو

پہنچتا ہے۔ پھر نفس سے دل میں کدورت پیدا ہوتی ہے اس کے بعد دل سے روح کی روحانیت کے گرد ایک پردہ سا آ جاتا ہے۔ جیسا کہ چاندنی راتوں میں اگر موسم میں نمی زیادہ ہو۔ تو چاند کے گرد ایک ہالہ سا بن جاتا ہے۔ پھر اس پردے کے موافق روح کو غیب سے جو تعلق ہے وہ بند ہونا شروع ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ عالم غیب کا مطالعہ نہیں کر سکتا اور پھر اسے فیض کا مدد کا پہنچنا بہت کم ہو جاتا ہے۔ بلکہ بند ہی ہو جاتا ہے۔ اور یہ سب کچھ ایک طلسم کی طرح ہے۔ جو کہ اللہ رب العزت نے روحانی اور جسمانی تعلقات سے بنایا ہے۔ اور اس طلسم کو کھولنے والی چابی صرف شریعت ہے۔ اور شریعت کی بھی دو اقسام ہوتی ہیں۔

۱۔ شریعت ظاہری ۲۔ شریعت باطنی

شریعت ظاہری

شریعت ظاہری بدنی اعمال پر مشتمل ہوتی ہے۔ اور صورت قالب کے طلسم کی چابی ہے۔ اور اس چابی کے پانچ دندانے ہوتے ہیں۔

۱۔ کلمہ شہادت۔ ۲۔ نماز۔ ۳۔ روزہ۔ ۴۔ زکوٰۃ۔ ۵۔ حج بیت اللہ۔ صورت قالب کے طلسم کو حواس خمسہ کے پانچ بند لگائے گئے ہیں۔ اور ان بنائے اسلام کی پانچ دندانوں والی چابی سے کھول سکتے ہیں۔

باطنی شریعت

شریعت باطنی قلبی، سرّی اور روحی اعمال کا نام ہے جسے ہم طریقت کہتے ہیں۔ اس کا مفصل حال انشاء اللہ تعالیٰ نفس۔ دل اور روح کی تربیت یا پرورش کے موضوع میں لکھوں گا، بہرحال طریقت انسانی باطن کے طلسم کو کھولنے والی چابی کا نام ہے۔

اقسام خلقت

خلقت دو بڑی اقسام پر مشتمل ہے:

۱- انبیاء علیہم السلام ۲- امتی حضرات

اس میں انبیاء علیہم السلام کے لئے طریقت کی چابی سے باطنی طلسمات کا دروازہ کھول دیا گیا اور عالم غیب کی راہ سے ان کی روح کو فیضان الٰہی کی مدد پہنچی۔ کیونکہ وہ اس قالب تھا کہ وہ طلسم کھل گیا اور اس فیض کا اثر دل پر پہنچا اور دل سے نفس کو پھر اس کے بعد سارے صورت قالب کو پہنچا اللہ رب العزت قرآن مجید میں فرماتا ہے!

''مَا كُنْتُ تَدْرِیْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِیْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِیْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا '' (شوریٰ آیت: ۸۲)

''تجھے نہیں معلوم تھا کہ کتاب کیا ہے۔ اور ایمان کیا ہے ہم ہی اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں اس کے لئے اسے ہدایت کا نور بنا دیتے ہیں''۔

امت کے لئے پہلے قالب کی طلسم کشائی کے لئے شریعت مقرر کی۔ اور ان کو اسی دروازے سے عالم غیب کی راہ دی۔ اور جب شریعت کی چابی سے صورت کے طلسم کو کھولتے ہیں۔ تو پھر ان کے ہاتھ میں طریقت کی چابی دی جاتی ہے۔ تاکہ باطنی طلسم کو کھولیں۔

ابتدا میں جب تک شریعت کی چابی کے تقرر کی داد فرمان اور متابعت کے قانون کے موافق نہیں دیتے وہ صورت کے طلسم سے خلاصی نہیں پاتے اور شریعت کی داد اس طرح دے سکتے ہیں۔ کہ ہر عضو کو اس کام میں مشغول کر دیں جو کہ اس کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔ اور ہر اس کام سے کنارہ کریں کہ جس کے کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ تاکہ چابی کے دندانے طلسم کی بندشوں پر درست بیٹھیں اور فوراً کھل جائے۔ اگر بعض دندانے ٹھیک طرح سے نہیں بیٹھیں گے یا پھر بیٹھ کر ہٹ جائیں گے تو یہ طلسم ہرگز نہ کھلے گا ہاں جتنا راست ہو گا اس قدر کھل جائے گا۔ اس کے بعد اسی راستی کا اثر زبان پر پہنچے گا اس کے بعد زبان سے دل پر پہنچے گا۔ پھر اس کے بعد دل سے غیب پر۔ پھر غیب سے ایمانی نور دل میں پیدا

ہو گا۔ اور جس قدر یہ راستی زیادہ ہوتی جائے گی۔ اسی قدر قالب کے ظاہر میں شرعی اعمال کی وجہ سے ایمان کے انوارِ غیب غیب سے دل میں زیادہ ہوتے جائیں گے۔ کیونکہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

''لِيَزْدَادُوْا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ'' (فتح' آیت: ۴)

''تا کہ ان کے ایمان ایمان سے زیادہ ہو جائیں''۔

یہاں تک کہ صورت قالب کی پرورش شرعی قوانین کے مطابق کمال کو پہنچ جائے گی۔ جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے۔ ''لا یستقیم ایمان احدکم حتی یستقیم قلبه ...... الخ'' پانچوں حصوں کے بندوں کی طلسم کشائی کے لئے شریعت کے پانچوں ارکان کو چابی کے دندانے فرض کرنا اس لئے ضروری ہے۔ کہ ان کو بہ سبب پانچ حواس کے نقصان اور پردہ ظاہر ہوا ہے۔ کہ جس نے انہیں چوپائیوں کے درجات تک پہنچا دیا ہے۔ بلکہ اس سے بھی نیچے گرا دیا ہے۔ لہٰذا اگر وہ اسی مرتبہ میں رہیں اور اس قید کو نہ توڑیں اور ان صفات سے خلاصی بھی نہ پائیں تو پھر انہی کے حق میں اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے! کہ

''اُوْلٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ'' اعراف' آیت: ۱۷۹

''یہ لوگ چوپائیوں کی طرح ہیں۔ بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ''۔

جبکہ جانور یا درندے اور حیوانات عالم سفلی برخورداری حاصل کرتے ہیں۔ اور ان پانچ حواس کے ذریعے کہ جن میں سے ایک دیکھنا ہے۔ جو کہ آنکھ سے تعلق رکھتا ہے۔ اور سب کے سب یہی چاہتے ہیں۔ کہ عمدہ اور خوبصورت چیز دیکھیں۔ دوسرے سننا جو کہ کان سے تعلق رکھتا ہے سب یہی چاہتے ہیں۔ کہ عمدہ ترین آواز سنیں اور مکروہ آواز سے ڈرتے ہیں۔ تیسرے سونگھنا جو کہ ناک سے تعلق رکھتا ہے۔ اور سب یہی چاہتے ہیں۔ کہ خوشبو کو سونگھیں۔ چوتھے چکھنا جو کہ تالو سے تعلق رکھتا ہے۔ اور سب یہی چاہتے ہیں۔ کہ لذیذ ترین کھانا کھائیں۔ پانچواں چھونا جو کہ سارے بدن سے تعلق رکھتا ہے غرض یہ کہ تمام کے تمام

بدن سے یہی چاہتے ہیں۔ کہ حیوانات کی سی لذتوں اور شہوتوں کو پورا کریں۔ جبکہ ان لوگوں کو دوسرے عالم کی ایک بال برابر خبر نہیں اور ان کے پاس کوئی ایسا آلہ بھی نہیں کہ جس سے وہ عالم علوی اور آخرت سے برخورداری حاصل کر سکیں۔

پس یہ پانچ حسیں آدمی کو دی گئی ہیں۔ اور اسے دوسرے آلات کی وجہ سے جو کہ باقی حیوانات کو حاصل نہیں دوسرے جہانوں کی برخورداری دی گئی ہے۔ اور اگر پورے طور پر ڈھورڈانگروں کے جہان کے فوائد میں مشغول ہو جائے تو پھر مکمل طور پر دوسرے جہانوں اور دیگر فوائد سے محروم رہ جاتا ہے۔ اور بالکل حیوانات کی طرح ہو جاتا ہے۔ بلکہ ان سے بھی بدتر ہو جاتا ہے وہ اس لئے کہ ڈھورڈانگر (درندے اور چوپائے)۔ چونکہ دوسرے جہانوں سے محروم ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کو جہانوں کے علم اور دید سے محرومی نہ ہو گی۔ اور ان کو حرمان کی دید اور اس دولت کے گم ہو جانے والے نقصان کی وجہ سے عذاب نہ ہو گا۔

لیکن انسان کو قیامت کے روز اس حرمان کی دید اور دولت کے ضائع کر دینے کے سبب باز پرس ہو گی۔ اور وہ اپنے ہم جنس کو

''وَاِذَا رَأَيْتَ ثَمَّ رَأَيْتَ نَعِيْمًا وَّ مُلْكًا كَبِيْرًا '' (دہر' آیت: ۲۰)

''اور جب تو جنت کی مجموعی حالت کو دیکھے تو وہاں تجھے ہر قسم کی نعمت اور بڑی سلطنت کے ساز و سامان دکھائی دیں گے''۔

کی دولت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دیکھیں گے اور اس دولت کے حرمان اور فرمان کی مخالفت کا عذاب اٹھائیں گے۔ لیکن حیوانات کو ان باتوں میں سے ایک بھی واقع نہ ہو گی۔ اور اگر حیوانی ڈھورڈانگروں کے فوائد کو بالکل چھوڑ دیں تو اس کے قالب کی تعمیر بالکل نہیں ہو سکتی اور اس کے لئے ان فوائد سے بالکل محروم رہ جائے گا پس اس لئے شریعت کے نازل ہونے کا مقصد صرف یہ ہے۔ کہ حیوانی چراگاہوں پر قبضہ کر کے فرمان الٰہی کے

مطابق انتہائی پختگی کے ساتھ عمل کرے اور اپنی طبیعت کے فرمان کے مطابق ہرگز کام نہ کرے۔ کیونکہ طبیعت سے سربستہ ظلمت نمودار ہوتی ہے۔ اور فرمان الٰہی سے نور نمودار ہوتا ہے وہ اس لئے کہ جب طبیعت کے مطابق کام کرے گا۔ تو اپنے تئیں کچھ خیال کرے گا یہی بات ظلمت اور حجاب کا باعث بنتی ہے۔ اور جب فرمان کے مطابق عمل کرے گا۔ تو اس وقت وہ حق کو دیکھے گا۔ اور اپنے تئیں کچھ خیال نہ کرے گا۔ اور یہی عین نور اور رفع حجاب ہے۔

دوسرے یہ بات ہے۔ کہ جو ظلمت اور کدورت قالب میں ان حرکات طبعی کے باعث جو کہ نفس کی مراد کے مطابق کی گئی ہے وہ ظاہر ہونی چاہئے اس کے ذریعے وہ شرعی تقیدات جو کہ مراد نفس کے برخلاف ہوتے ہیں وہ اٹھ جاتی ہیں۔ اور مزید یہ کہ شرع کا ہر ایک رکن اسے پہلی قرارگاہ اور وہاں سے آنا اور پھر خوشی خوشی اپنے مقام میں جس سے مراد رب العلمین کا قرب و جوار ہے' سے جانے کی یاد دلاتا ہے۔ مثلاً ''لا الٰہ الا اللہ'' سے اس عالم کی خبر دیتا ہے۔ جبکہ اس کے اور حضرت حق کے درمیان کوئی واسطہ نہ تھا اس سے اس کے دل میں اس حالت کا ذوق اور اس جہان کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ اور واپس لوٹنے کی خواہش کرتا ہے۔ پھر اس دنیا سے اپنے دل کو بھی ہٹا لیتا ہے۔ اور ڈھورڈانگروں کی سی لذتیں اسے انتہائی ناگوار محسوس ہوتی ہیں۔ اور جب یہ حالت ہو جاتی ہے۔ تو ایک بند دور ہو جاتا ہے۔

نماز

اسی طرح نماز بھی اسے دو حالتوں کی خبر دیتی ہے ان میں سے ایک نماز کی صورت میں اور دوسری مناجات نمازی کی صفات سے' حرکات نماز کی صورت اسے اسی جہان میں آنے کی خبر دیتا ہے۔ اور پھر اس جہان میں واپس جانے پر دلالت کرتا ہے۔ اور دوسرے یہ کہ صورت نماز میں قیام' رکوع' سجدہ اور تشہد شامل ہیں۔ تشہد سے بارگاہ الٰہی میں

اس کا حضور اور شہود اس جہاں میں آنے سے پہلے کا معلوم ہوتا ہے۔ اور سجود سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ اس جہان میں آیا اور نباتات کے مقام میں ملا۔ کیونکہ تمام نباتات سجدہ میں ہیں۔ جبکہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

''وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ'' (الرحمٰن آیت:۶)

سے ظاہر ہے سب نے بشکل سجدہ سر زمین پر رکھا ہوا ہے وہ اس لئے کہ اس شکل میں عبادت کا سر سجدہ کا مقام ہے۔ جو کہ اس کو غذا پہنچاتا ہے۔ اور نباتات کو غذا جڑ کے راستے ملتی ہے۔

رکوع اس بات کی خبر کرتا ہے۔ کہ وہ مقام نباتی سے مقام حیوانی میں آیا۔ اور حیوانات سب کے سب رکوع میں رہتے ہیں۔ اور ہر وقت اپنی پیٹھ کو خم کئے ہوئے ہوتے ہیں۔

اور قیام اس بات کی خبر کرتا ہے۔ کہ انسان مقام حیوانی سے مقام انسانی میں پہنچ گیا ہے۔ اور تمام انسان قیام کی حالت میں ہیں۔ لہٰذا رکوع اور سجود سے قیام کی حالت میں آیا ہے۔

پس نماز میں اس بات کا واضح اشارہ ہے۔ کہ پہلے تو تکبیر کہے۔ یعنی عالم حیوانی اور بھیمی پر تکبیر کہے اور پھر اس کا پابند نہ رہے اور انسانی مقام سے جو کہ تجبر اور تکبر کی شکل ہے۔

لہٰذا اب رکوع حیوانی میں آئے۔ جو کہ تواضع' عاجزی اور انکساری کی ایک علامت ہے۔ پھر یہاں سے نباتاتی خواری اور عاجزی کے سجود میں آئے۔ تاکہ تشہد کے پہلے حضور اور شہود تک واپس پہنچ جائے۔ جیسا کہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

''وَالسَّجُدُ وَاقْتَرِبْ'' سجدہ کر اور نزدیکی حاصل کر۔

لہٰذا اے بندے! جب تو اس دروازے سے اندر آئے گا۔ تو اسی سیڑھی کے راستے کہ جس سے تو نیچے اترا تھا اب اوپر پہنچ جائے گا کہ

''اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ''

''کہ نماز مومنین کی معراج ہے''۔

آں راہ کہ من آمدم کدام است اے جان

تا باز شوم کہ کارخام است اے جان

در ہر کامے ہزار کام است اے جان

تامرداں را عشق حرام است اے جان

مناجات نمازی کی صفات انسان کو حیوانی اور نفسانی مقام اور لوگوں کی گفتگو سے ملکی مناجات اور حق تعالیٰ سے کلام کرنے کے مقام میں لاتی ہے۔ اور مناجات اور باہم کلام کرنے کے ذوق سے اسے ''اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ '' کا زمانہ یاد آتا ہے۔ کیونکہ نمازی اپنے رب تعالیٰ سے نجات مانگتا ہے۔

''المصلی نیا جی ربه.''

اگر باقی ہر ایک رکن کے اسرار اور فوائد بیان کئے جائیں تو ان گنت کتب بھی اس بیان کی وسعت کو برداشت نہ کرسکیں گی البتہ اشارۃً تھوڑا تھوڑا سا بیان کرتا جا رہا ہوں۔ تاکہ ان فوائد سے یہ مختصر سی کتاب خالی نہ رہ جائے۔

روزہ

روزہ اسے وہ عہد یاد دلاتا ہے جب کہ وہ ملائکہ کی صفت میں تھا۔ اور صفات حیوانی کے حجابات سے محجوب نہیں ہوا تھا۔ کیونکہ کھانا حیوانات کی خاصیت ہے۔ اور نہ کھانا فرشتوں کی صفات میں شامل ہے۔ تاکہ اس اشارے سے وہ حیوانی خلق کو چھوڑ کر متخلق با اخلاق اللہ ہو جائے۔ کیونکہ اللہ رب العزت فرماتا ہے:

''اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِہٖ''

''یعنی روزہ خالص میری ملکیت ہے۔ اور میں ہی اس کی جزا دوں گا''۔

درحقیقت روزہ بارگاہ الٰہی سے ہے۔ جو کہ غذا سے پاک صاف ہے۔ اور باقی جو کچھ ہے وہ سب غذا کے محتاج ہیں۔ فرشتے اگرچہ غذائے حیوانی نہیں کھاتے۔ مگر تاہم تسبیح اور تقدیس ان کی غذا ہے اس کے علاوہ ہر ایک چیز کے مناسب اس کی کچھ نہ کچھ غذا ہوتی ہے۔ اس میں ''انا اجزی به ''۔ یعنی ہر ایک طاعت کی جزا جنت ہے۔ اور روزے کی جزا تخلیق با اخلاق ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام

حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی کہ

''تجوع ترانی تجرد تصل الی ''

''تو بھوکا رہ تو مجھے دیکھ لے گا۔ اور اگر دنیا سے تعلق کرے گا۔ تو میرے ساتھ آ ملے گا''۔

زکوٰۃ

زکوٰۃ میں صفائے حیوانی سے تزکیۂ نفس حاصل ہوتا ہے وہ اس لئے کہ حیوانات کی یہ صفت ہے۔ کہ جمع کرے اور کسی کو نہ دے۔ اور آدمی کو بھی ضرور جمع کرنا پڑتے ہیں۔ اور اگر اس جمع میں سے اللہ رب العزت کی رضا کے لئے حاجت مندوں کو کچھ نہ دے۔ تو وہ صفت حیوانی کی آلائش سے آلودہ رہتا ہے۔ زکوٰۃ دینی چاہئے۔ تاکہ اے بندے! تو اس آلائش سے پاک صاف ہوجائے۔ کیونکہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

''خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا'' (توبہ آیت: ۱۰۳)

''ان کے مال سے صدقہ لے کر اس کے وسیلے ان کو پاک اور پاکیزہ بنا''۔

لہٰذا ایسا کرنے سے تو اے بندے! صفات حق سے موصوف ہو جائے گا۔ کیونکہ بخشش

اور سخاوت اللہ رب العزت کی صفت ہے اسی لئے اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

''فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی ○ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْیُسْرٰی''

(لیل: ۵ تا ۷)

''پس جس نے عطا کی اور پرہیز گاری اختیار کی اور اچھی بات۔ یعنی دین اسلام کو سچ سمجھا تو ہم آسانی کی جگہ۔ یعنی جنت میں پہنچنے کا راستہ اس کے لئے آسان کر دیں گے''۔

حج بیت اللہ

حج بیت اللہ سے اس بات کی جانب واضح اشارہ ملتا ہے۔ کہ وہ بارگاہ الٰہی کی جانب مراجعت کرتا ہے۔ یعنی اے شہر انسانیت کے رہنے والے اور طبیعت حیوانی کے مقیم اور ہمارے کعبہ وصال سے بے خبر ہوتے ہوئے تو کب تک اس منزل بھیمی میں مقام کرے گا۔ کیونکہ اللہ رب العزت فرماتا ہے! کہ

''اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِکُمْ وَاَوْلَادِکُمْ عَدُوًّا لَّکُمْ'' (تغابن' آیت: ۱۴)

''تمہارے جورو بچے تمہارے دشمن ہیں''۔

تو کب تک دنیا کے آلائق میں پھنسا رہے گا۔ اٹھ اور مردوں کی طرح آ جا اور بہادرانہ طور پر ان تعلقات کو چھوڑ دے۔ اور تو جورو بچے اور خاندان کو وداع کر دے۔ اور دل کو جو کہ ہماری خاص نظر گاہ ہے اس کو انسانی تعلقات کی آلائش سے پاک صاف کر کے ان دل کو موہ لینے والی منزلوں سے باہر قدم رکھ دے۔ اور نفس امارہ کے جنگل کو طے کر کے جب تو دل کے حرم گاہ میں پہنچے۔ تو بازگشت کے پانی سے غسل کر لے اور پھر بشریت کی پوشاک اور لباس اتار کر عبودیت کے احکام کا لباس پہن لے اور عاشقوں کی طرح لبیک کہتا ہوا معرفت کے عرفات میں داخل ہو جا اور عنایت کے جبل رحمت پر کھڑا ہو جا اور پھر ہمارے قرب کے حرم حریم میں

قدم جمالے اور اشعار بندگی کے مشعر الحرام میں پاؤں داخل کر دے۔ اور پھر وہاں سے میرے منیٰ میں پہنچ کر اپنے نفس بہیمی کو ذبح کر دے۔ اور پھر ہمارے وصال کے کعبہ کا رخ کر لے۔ کیونکہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے۔ کہ

''وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ '' (انعام' آیت:۷۹)

''میرا رخ زمینوں اور آسمانوں کے پیدا کرنے والے کی طرف ہے''۔

اور جب تو وہاں پہنچ جائے۔ تو

''وَدَاعُ نَفْسُكَ وَ تَعَالٰى ''

''اپنے نفس کو چھوڑ کر اوپر آ جا''۔

کا طواف کر لے۔ یعنی اس کے بعد اپنے گرداگرد چکر نہ لگاتا رہ اور حجر اسود سے جو کہ تیرا دل اور یمین ہے ہمارا عہد تازہ کرتا ہوا مقام ابراہیمی کے قریب آ جا۔ یعنی ہماری خلت (دوستی) کے مقام میں پہنچ جا اور وہاں پر دو رکعت نماز ادا کر لے۔ یعنی تو مردوں کی طرح عبودیت جنت اور دوزخ کے لئے ہرگز نہ کرتا رہ۔ بلکہ ہماری بندگی عاشقوں کی طرح عشق کی وجہ سے کر اس کے بعد جب تو کعبہ وصال کے دروازے پر پہنچے تو زنجیر کی طرح دروازے پر ہی خودی کو چھوڑ دے۔ اور بے خود ہو کر اندر چلا آ۔ کیونکہ خوف اور حجابات صرف خودی کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ اور امن اور وصول بے خودی کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ اور بس پھر

''مَنْ دَخَلَ كَانَ اٰمِنًا '' (ال عمران' آیت:۹۷)

''جو اس میں داخل ہو گیا۔ وہ امن میں آ گیا''۔

صورت شرع کے بعض موضوعات کا بیان رمزاً کیا ہے ورنہ اس کی شرح اور حقائق تو آسمان اور زمین کے طبقات میں بھی نہیں سما سکتے۔ وَاللہ اعلم

تزکیۂ نفس اور اس کی معرفت

القرآن: وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا ○ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا ○ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ○ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ○ (الشمس، آیت: ۷ تا ۱۰)

ترجمہ: ''اور نفس اور ذات کی قسم جس نے اس کو ایسا درست بنایا۔ پھر اس کو بدکاری اور پرہیز گاری دونوں باتیں اسے سمجھا دیں جس نے اپنی روح کو شرک اور بد اخلاق کی گندگی سے پاک کیا وہ ضرور ہی اپنی مراد کو پہنچا اور جس نے اسے دبا دیا وہ ضرور گھاٹے میں رہا۔''

الحدیث: ''عدی عدوك نفسك التی بین جنبیك''

ترجمہ: ''تو اس نفس کو اپنا دشمن جان جو تیرے دونوں پہلوؤں کے بیچ میں ہے۔''

ایک بات اچھی طرح ذہن نشین کر لیں۔ کہ نفس ایک ایسا دشمن ہے۔ کہ جس کے مکر اور حیلے کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ اور اس کے شرک کو دور کرنا اور اس کو مغلوب کر کے لاغر بنانا بہت اچھا کام ہے۔ کیونکہ یہ دنیاوی شیاطین اور کافروں سے بڑھ کر دشمن ہے۔ جیسا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ کہ ''پس نفس کی تربیت کرنا اور اس کی اصلاح کرنا اور اسے امارگی کے درجے سے درجہ مطمئنگی پر پہنچانا۔ بہت بڑا اور بھاری کام ہے''۔ اور اسی میں انسانی سعادت کا کمال ہے وہ اس لئے کہ اس کی تربیت سے اس کی شناخت حاصل ہوتی ہے۔

"من عرف نفسه فقد عرف ربه"

''یعنی جس نے اپنے نفس کو پہچانا بیشک اس نے اپنے رب کو پہچانا''

کے مطابق حق کی شناخت لازم آتی ہے۔ اور معرفت ہی تمام سعادتوں کی سردار ہے۔ لیکن یہاں پر ایک لطیف دقیقہ ہے۔ کہ جب تک تو اپنے نفس کو نہ پہچانے گا۔ تو اس کی حقیقی شناخت جو کہ معرفت حق کا موجب بھی ہے کبھی حاصل نہ ہو گی۔ مگر یہاں پر انشاء اللہ العزیز ہر ایک چیز سے کچھ نہ کچھ مفید ترین اسرار بیان کروں گا۔

معرفت نفس

ارباب طریقت کی اصطلاح میں نفس سے مراد وہ لطیف جاری مراد ہے۔ جو کہ دل سے پیدا ہوتی ہے۔ اور جسے اہل حکمت لوگوں نے روح حیوانی بھی کہا ہے۔ کہ اس سے بری صفات پیدا ہوتی ہیں۔ جیسا کہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے!

''اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ'' (یوسف:۵۳)

''بیشک نفس بری باتوں کا حکم کرتا ہے''۔

لیکن اس کا مقام آدمی کے سارے وجود میں ہے اور آدمی کے جسم کے ہر ایک عضو کو گھیرے ہوئے ہے جس طرح کہ اخروٹ اور تل کے ہر ایک جزو میں روغن موجود ہوتا ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ نے جو ''بین جنبیك'' فرمایا ہے۔ تو اس سے یہ اشارہ مراد ہے۔ کہ اس کی صفات زیادہ تر دونوں پہلوؤں کے بیچ میں سے ظاہر ہوتی ہیں مثلاً کھانے پینے کی حرص اور شہوت نفسانی وغیرہ۔ دوسرے حیوانات کے نفس کا وجود بالکل اسی طرح ہوتا ہے۔ لیکن نفس انسانی کو عالم بقا کی چاشنی بھی حاصل ہے۔ تا کہ قلب سے جدا ہو کر باقی رہ سکے اور وہ بھی جنت میں ہو یا کہ دوزخ میں رہے۔ مگر ہمیشہ باقی رہے گا۔ جیسا کہ ''خَالِدِیْنَ فِیْهَا اَبَدًا'' (بینۃ آیت آخری) سے ظاہر ہے۔ اور اس کے برخلاف باقی حیوانات

کے نفوس کو عالم بقا کی چاشنی نہیں دی گئی اور اسی لئے وہ قالب سے جدا ہو کر ناچیز ہو جاتے ہیں بہرحال اس صورت میں یہ سوال لازم آتا ہے۔ کہ نفس کو اس عالم کی چاشنی کس طرح حاصل ہو گی۔

نفس کی بقا

واضح رہے کہ بقا دو اقسام پر مشتمل ہے ایک وہ جو کہ ہمیشہ باقی تھی۔ اور باقی رہے گی وہ اللہ رب العزت کی بقا ہے۔

دوسرے وہ جو پہلے نہ تھی۔ اور پھر ظاہر ہوئی اور بعدازاں باقی رہے گی اس قسم کی بقا۔ ارواح۔ ملکوت اور عالم آخرت کی بقاء ہے۔ جو کہ پہلے نہ تھی۔ اور اس کو اللہ رب العزت نے پیدا کیا۔ اور ابد تک قائم رہے گی پس انسانی نفس کو دونوں قسم کی بقاء کی چاشنی حاصل ہے۔ اور بقائے الٰہی کی چاشنی کا اثر اسے آدم کی مٹی کو خمیر کرتے وقت حاصل ہوا کہ ''بیدی'' کے اختصاص سے مشرف ہوتے وقت مٹی اور پانی میں جو کہ نفس کا مایۂ تھا قبولیت بقاء کی استعداد اس میں رکھی گئی جو کہ کسی اور مٹی و پانی اور دیگر نفوس کو حاصل نہ ہوئی اور بقائے ارواح کی چاشنی کا اثر اسے قالب اور روح کے ملنے کے وقت حاصل ہوا اور اس کی مثال ایسی ہے۔ جیسے کوئی کسی عورت کے ساتھ ہم بستر ہو۔ اور اس سے ایک نر جو کہ باپ سے ملتا جلتا ہو۔ اور دوسرے مادہ جو کہ ماں سے مشابہت رکھتی ہو وہ پیدا ہوں۔ لہٰذا اسی طرح روح اور قالب کے ملنے سے دو فرزند نفس اور دل پیدا ہوئے۔ اور ان میں سے دل نر تھا جو کہ اپنے باپ اور روح سے ملتا جلتا ہے۔ اور نفس مادہ ہے۔ جو کہ اپنی ماں خاکی قالب سے ملتی ہے۔ دل میں روحانی اور علوی تمام عمدہ صفات ہوتی ہیں۔ اور نفس میں خاکی اور سفلی تمام بری صفات موجود ہیں۔ لیکن چونکہ روح اور قالب کا جنا ہوا ہے۔ اس لئے اس میں بعض نیک صفات جو کہ روحانیت کے متعلق ہیں۔ اور بقاء جو کہ روح کی صفت ہے موجود ہیں۔

پس اس وجہ سے انسانی نفس کو برخلاف حیوانات کے نفوس کے جو عناصر سے پیدا ہوئے ہیں۔ بقاء حاصل ہوئی۔ نفوس حیوانی میں روحانیت کی ذرا بھی چاشنی نہیں ہوتی وہ اس لئے کہ ان کو فنا لازم آتی ہے۔ چونکہ آدم کے نفس میں اس کے فرزندوں کے نفوس کے ذرات شامل تھے۔ اس لئے

''وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِىٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ'' (اعراف آیت: ۱۷۲)

''جب تمہارے پروردگار نے بنی آدم سے۔ یعنی ان کی پیٹھوں سے ان کی نسلوں کو باہر نکالا''۔

کے بموجب جو ذرہ باہر نکالا اس میں ہر فرزند کے قالب کی خاک موجود تھی۔ اور اس کے نفس کا ذرہ اس ذرے میں عالم ارواح کے بالمقابل مختلف صفوف میں موجود تھا۔ چونکہ ارواح کی صفوں میں اختلاف تھا۔ اس لئے ہر ایک روح اپنے اس ذرے موافق اس کے بالمقابل تھی۔ اور اس نے اسی ذرے کی طرف توجہ کی تب اس ذرے میں ''اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ'' کے سننے کی صلاحیت ظاہر ہوئی۔ پھر ''بلیٰ'' کے کہنے کی شائستگی نمودار ہوئی۔ ذرات کو حضرت آدم علیہ السلام کی پیٹھ سے نکالنے میں حکمت یہ تھی کہ ارواح کا پرتو ان پر پڑے اور اگر ایسا نہ ہوتا تو کیا حق تعالیٰ پیٹھ ہی میں سوال نہیں کرسکتا تھا۔ لیکن چونکہ ان ذرات پر ارواح کی نظر نہ تھی۔ اس لئے وہ جواب نہ دے سکتے تھے پس ان ذرات کو آدم علیہ السلام کی پیٹھ میں بھیجا۔ تاکہ اللہ رب العزت اپنے فضل وکرم سے ان کی محافظت کرے اور یہی وجہ ہے۔ کہ ان کو باپوں کی پیٹھوں اور ماؤں کے رحموں میں محفوظ رکھتا ہے۔ اور پیٹھ سے پیٹھ میں اور رحم سے رحم میں ملاتا ہے۔ یہاں تک کہ ایجاد کے وقت اس ہر ایک ذرے کو ماں اور باپ کے پانی سے ملاتا ہے۔ پھر باپ کی پیٹھ اور ماں کے سینے میں بھیجتا ہے کہ

''مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ يَّخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ ؀'' (طارق آیت: ۶)

''اس پانی سے پیدا کیا گیا جو پیٹھ اور سینے کی ہڈیوں سے اچھل کر نکلتا ہے۔ یعنی

منی‘‘۔

لہٰذا صحبت کے وقت جب مرد اور عورت دونوں ملتے ہیں۔ تو دونوں نطفے رحم میں آپس میں مخلوط ہوتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

’’اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ‘‘ (الدھر‘ آیت: ۲)

’’بیشک ہم نے انسان کو ایسے نطفے سے پیدا کیا جو خون اور پانی کی آمیزش سے بنا ہے‘‘۔

پھر وہ نطفہ علقہ کی صورت اختیار کرتا ہے۔ اور علقہ سے گوشت کا لوتھڑا بنتا ہے۔ پھر جب تین چلے۔ یعنی تقریباً تین ماہ گزر جاتے ہیں۔ تو اس بات کا حق حاصل ہو جاتا ہے۔ کہ اس پر عالم ارواح کی نظر پڑے اور پھر اس لوتھڑے میں روح داخل ہو جاتی ہے جیسا کہ

’’ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ط‘‘ (مومنون‘ آیت: ۱۴)

’’پھر ہم نے اسے اور زندگی دی‘‘۔

سے ظاہر ہے۔ اور پھر خاص مدت رحم میں رہ کر بچہ پیدا ہوتا ہے۔ اور پھر بلوغت کو پہنچتا ہے۔ تو نفس بھی اپنی نفسانیت کے کمال کو پہنچ جاتا ہے۔ بعدازاں اس میں شرعی تکالیف کو برداشت کرنے کی صلاحیت بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر پہلے ہی اس پر شرعی تکالیف کا بوجھ آن پڑتا تو اس کی پرورش بدرجۂ کمال نہ ہوتی اور نہ وہ ان ظاہری اور حقیقت میں تکالیف کا متحمل ہو سکتا اور وہ نماز‘ روزہ‘ حج وغیرہ کی شرائط کو بجا نہ لا سکتا جو کہ بدنی اعمال ہیں۔ اور ان کے لئے جسمانی قوت درکار ہوتی ہے۔ اور از روئے حقیقت جب تک نفس کا قالب اپنے کمال کو نہیں پہنچ جاتا اس وقت تک دل (قلب) جو کہ عقل کا مقام ہے۔ اور ایمان کی کان اور حق تعالیٰ کی نظر گاہ بھی ہے اس لائق نہیں ہو سکتا کہ عقل ایمان کے نور کا مظہر اور نظر حق تعالیٰ نظارہ ہو سکے وہ اس لئے کہ وہ ابھی اپنی حد کو نہیں پہنچ سکا اگرچہ ہر وقت ان انوار میں سے کچھ کچھ بتدریج آتا ہے۔ مگر درست اور پورے طور پر اس کے قابل

اسی وقت ہو گا جب بلوغت کی حد کو پہنچے گا۔ پھر اس کے بعد عقل ظاہر ہوتی ہے باقی اس کا مفصل حال انشاء اللہ ''تربیت (دل) قلب'' کے حصہ میں بیان کروں گا اب چونکہ اس مختصر سے بیان کے مطابق آپ کو نفس کی کچھ نہ کچھ معرفت ضرور حاصل ہو چکی ہو گی اب میں نفس کی تربیت سے متعلق مختصر سا بیان کروں گا۔

نفس کی تربیت

نفس میں دو صفات ہیں۔ جو کہ اس نے ماں سے حاصل کی ہیں۔ اور باقی تمام بری صفات ان دونوں جڑوں سے پیدا ہوتی ہیں وہی اس کی دیگر صفات ہیں اور وہ دونوں ذاتی صفات حرص (ہوا) اور غصہ (غضب) ہوتی ہیں۔ اور یہ دونوں اربعہ عناصر کی خاصیت کی وجہ سے ہیں۔ جو کہ نفس کے لئے بمنزلہ ماں کی حیثیت رکھتی ہیں۔

۱- ہوا کے معنی ہیں نیچے کی طرف مائل ہونا۔ جیسا کہ

''وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى'' ''ستارہ۔ جبکہ نیچے اترا''۔

سے ظاہر ہے۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں۔ کہ حضور اقدس ﷺ جب معراج شریف سے واپس نیچے آئے تو یہ پانی اور مٹی کی خاصیت تھی۔

۲- غضب کے معنی ہیں بلندی اختیار کرنا' تکبّر کرنا اور غالب ہونے کی خواہش کرنا اور یہ صفت ہوا اور آگ کی ہے پس یہ دونوں صفات جو کہ ماں سے حاصل ہوئیں سو یہی دوزخ کے سرمائے کا خمیر ہیں۔ اور باقی دوزخ کے نیچے کے درجات وغیرہ سب انہی دونوں سے پیدا ہوتے ہیں۔

جبکہ نفس میں یہ دونوں صفات ضرورتاً رکھی گئی ہیں۔ تا کہ ہوائی صفت کی وجہ سے وہ فائدہ حاصل کر سکے جس سے عالم کون و فساد میں اس کا وجود باقی رہ سکے اور پرورش بھی پا سکے۔ لیکن ان دونوں صفات کو انتہائی اعتدال سے استعمال کرنا چاہئے۔ کیونکہ اس کا نقصان نفس اور بدن کے نقصان کا موجب ہے۔ اور ان کی زیادتی عقل اور ایمان کے نقصان کا

باعث ہوتی ہے۔ اعتدال سے نفس کی تربیت اور تزکیت کرنا ان دونوں صفات۔ یعنی ہوا اور غصب سے نفس کو باز رکھنا ہے۔ اور اس کا ترازو ہر حال میں شریعت کا قانون ہوتا ہے۔ تاکہ نفس اور بدن بھی سلامت رہے اور اس کے ساتھ ساتھ عقل اور ایمان بھی ترقی کرتے جائیں اپنے اپنے مقام پر ہر ایک کو شرع کے فرمان کے مطابق استعمال کرنا چاہئے۔ اور پرہیز گاری کے حق کو بھی ملحوظ خاطر رکھنا چاہئے۔ اور کبھی بھی اجازت کی طلب میں کوشش نہ کریں۔ کیونکہ شرع اور پرہیز گاری ایک ایسا ترازو ہے۔ جو کہ تمام صفات کو حد اعتدال پر نگاہ میں رکھ سکتا ہے۔ تاکہ بعض بعض پر غالب نہ آ سکیں جو کہ ڈھور ڈانگروں اور درندوں کی صفت ہوتی ہے وہ اس لئے کہ ڈھوروں پر ہوا کی صفت غالب ہے۔ اور غصب کی صفت مغلوب ہے۔ اور درندوں میں غصب کی صفت غالب ہے۔ اور ہوا کی مغلوب ہوتی ہے اسی لئے ڈھور لالچ اور حرص میں پڑتے ہیں۔ جبکہ درندے قہر' غلبہ' قتل اور ایک دوسرے کا شکار کرتے ہیں۔ پس ان دونوں صفات کو اعتدال سے استعمال کرنا چاہئے۔ تاکہ ڈھوروں اور درندوں کے مرتبہ میں نہ جا پہنچے۔ اور دیگر بری خصلتیں اس میں پیدا نہ ہو جائیں۔ کیونکہ اگر ہوا حد اعتدال سے تجاوز کرے گی تو لالچ۔ حرص۔ امید۔ خست۔ کمینگی۔ شہوت اور بخل جیسی صفات پیدا ہو جائیں گی۔ اور ہوا کو اعتدال پر رکھنے کا یہ مطلب ہے۔ کہ نفع کا حاصل کرنا جو کہ اس کی خاصیت میں بھی ہے۔ ضرورت کے موافق کیا جائے۔ کیونکہ اگر ضرورت سے زیادہ کیا جائے گا۔ تو اس سے لالچ پیدا ہوجائے گا۔ اور اگر قبل از وقت خواہش کرے گا۔ تو اس سے حرص پیدا ہو گی۔ اور اگر عمر کے لئے رغبت کی جائے گی تو اس سے امید پیدا ہو جائے گی۔ اور اگر کسی کم تر یا ادنیٰ چیز کی طرف رغبت کرے گا۔ تو اس سے کمینگی اور خست پیدا ہو گی۔ اور اگر کسی اعلیٰ اور لذیذ چیز کی رغبت کرے گا۔ تو اس سے شہوت پیدا ہو گی۔ اور اگر کسی چیز کو محفوظ رکھنے کی خواہش کرے گا۔ تو اس سے بخل پیدا ہو گا ایک بات یاد رکھیں کہ یہ سب کچھ اسراف میں داخل ہے۔ اور حد سے بڑھ کر خرچ کرنے

والوں کو اللہ رب العزت دوست نہیں رکھتا اور اگر خرچ اور اخراجات وغیرہ سے ڈرے تو پھر بددل ہو جائے گا۔ اگر ہوا کی صفت دراصل مغلوب اور ناقص ہو جائے۔ تو اس سے کمینگی کم ہمتی اور پست ہمتی پیدا ہوتی ہے۔ اور اگر غضب کی صفت حد اعتدال سے تجاوز کر جائے۔ تو بدخوئی۔ تکبر۔ عداوت۔ تندی۔ خودرائی۔ تغیر طبیعت۔ بے ثباتی۔ جھوٹ۔ خود پسندی۔ فخر کرنا۔ اپنے تیئں بڑا جاننا۔ اپنے تیئں بانکا اور ٹیڑھا خیال کرنے کی صفات پیدا ہو جاتی ہیں۔

اگر وہ غصہ نکال نہیں سکتا تو دل میں کینہ رکھے گا۔ اور اگر غضب کی صفت دراصل ناقص اور مغلوب ہو جائے۔ تو بے حمیتی' بے غیرتی' دیوثی' سستی' کمینگی اور عاجزی پیدا ہوتی ہے۔ اور اگر یہ دونوں صفات ہوا اور غضب غالب آ جائیں تو ان سے حسد پیدا ہوتا ہے وہ اس لئے کہ ہوا کے غلبہ کی وجہ سے جس شخص کی نصیحت اسے پسند آتی ہے اسی کی طرف مائل ہوتا ہے۔ اور غضب کے غلبہ کے باعث یہ نہیں چاہتا کہ اس شخص کا بن جائے۔ اور حسد اسے کہتے ہیں۔ کہ جو کچھ دوسرے کے پاس ہو۔ تو چاہے کہ تیرے پاس بھی ہو۔ اور یہ کبھی نہ چاہے کہ کسی دوسرے کے پاس بھی ہو۔ لہٰذا ان بری صفات میں سے ہر ایک کے لئے دوزخ کا ایک درجہ مخصوص ہوتا ہے۔ اور جب یہ صفات نفس پر غالب آ جاتی ہیں۔ تو نفس کی طبیعت بدکاری۔ بداعمالی۔ قتل۔ لوٹ۔ ایذا اور دیگر کئی قسم کے فسادات کی طرف مائل ہو جاتی ہے۔ فرشتوں نے ملکی نظر سے ملکوت میں حضرت آدم علیہ السلام کے قالب کے اندر جب غور سے دیکھا تو اس میں یہ صفات دیکھ کر کہا

''اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ'' (بقرہ آیت: ۳۰)

''کیا تو ایسے شخص کو بناتا ہے جو اس میں فساد کرے گا۔ اور خون گرائے گا''۔

مگر انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ جب ڈھورڈانگروں اور دیگر شیطانی اور بری صفات پر شریعت کی اکسیر ڈالی جائے گی تو یہ سب ملکی' روحانی صفات میں تبدیل ہو جائیں گی۔ اور

اسی لئے اللہ رب العزت نے فرشتوں کے جواب میں فرمایا تھا کہ

''اِنِّیۡ اَعۡلَمُ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ'' (بقرہ آیت:۳۰)

''میں وہ باتیں جانتا ہوں جو تمہیں معلوم ہی نہیں ہیں''۔

لہٰذا شرع کی کیمیاگری ایسی نہیں کہ ان صفات کا بالکل قلع و قمع کر دے۔ کیونکہ ایسا کرنے سے بھی نقصان ہوتا ہے۔ اور فلسفیوں کو اس مقام پر مغالطہ ہوا اور انہوں نے خیال کیا کہ ہوا، غصب اور شہوت وغیرہ تمام بری صفات کو بالکل دور کر دینا چاہئے۔ اور انہوں نے سالہا سال تک کوشش بھی کی۔ لیکن کامیابی حاصل نہ کر سکے۔ بلکہ الٹا شدید نقصان اٹھانا پڑا اور بری صفات بھی پیدا ہو گئیں۔ چنانچہ ہوا کی نفی کرنے سے بے حمیتی، دین میں سستی، بے غیرتی، دیوثی، خباثت پیدا ہوئی۔ دین کی شریعت اور کیمیاگری کی یہ خاصیت ہے۔ کہ ان صفات میں سے ہر ایک کو حد اعتدال پر لائے۔ اور اپنے مقام پر صرف کرے اور ایسا کرے کہ ان صفات پر غالب آ جائے۔ اور یہ صفات گھوڑے کی طرح اس کی مطیع اور فرمانبردار ہو جائیں اور جہاں اس کا جی چاہے چل دیا کرے اور نہ کہ وہ صفات خود اس بندہ پر غالب آ جائیں اور نفس جدھر چاہے اس بندہ کو لے جاتا پھرے اور اسے اپنا گرویدہ بنا لے اور سرکش گھوڑے کی طرح سواریوں سمیت کنویں میں جا پڑیں یا پھر کسی دیوار سے جا ٹکرائے پس جس وقت شرع اور پرہیزگاری کا تصرف ہوا تب غصب کی صفات کو نفس میں اعتدال پر لے آئے تو اسے ان صفات پر شرع کے علاوہ اور کوئی تصرف نہ ہوا اور ایسا کرنے سے نفس میں نیک صفات پیدا ہو جاتی ہیں مثلاً حیا، سخاوت، شجاعت، جود، حلم، تواضع، مروت، قناعت، صبر، شکر اور دیگر نیک صفات وغیرہ اور نفس امارگی کے مرتبہ سے مطمئینگی کے مرتبہ کو پہنچ جاتا ہے۔ پھر اس سے روح کو اطمینان حاصل ہو جاتا ہے۔ اور سفلی منازل کے طے کرنے میں براق کی طرح روح کو اعلیٰ علیین کی بلندی اور ''قاب قوسین'' کے درجہ تک پہنچا دیتا ہے۔ اور

''اِرْجِعِیْ اِلٰی رَبِّکَ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً ○ فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ ○ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ○ '' (فجر' آیت ۲۸ تا ۳۰)

''تو اپنے پروردگار کے جوار رحمت کی طرف چل اس طرح سے کہ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی اور تو میرے خاص بندوں میں شامل ہو جا کہ یہ بھی نعمت روحانی ہے۔ اور میری جنت میں داخل ہو جا''۔

کے خطاب کا مستحق ہو جاتا ہے۔

خوئے سبعی زنفست ارباز شود
مرغ روحت بآشیاں باز شود
پس کرگس نفس روئے سوئے علو نہد
بردست ملک نشیند و باز شود

(خیام)

روح کے لئے اپنے عالم میں واپس جانے کے لئے نفس کا براق ضروری ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ پیادہ نہیں جا سکتی اور جس وقت وہ اس جہان میں آئی تھی تو ''نفخۃ'' (پھونک) کے براق پر سوار ہو کر آئی تھی۔ جیسا کہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

''وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ'' (الحجر' آیت: ۲۹)

''اور اس میں میں نے اپنی روح پھونکی''۔

اس سے ظاہر ہے۔ اور اب جب کہ اس جہان میں جانا چاہتی ہے۔ تو اسے نفس کے براق کی اشد ضرورت ہے۔ اور جہاں تک نفس کے میدان کی حد ہے۔ اور نفس کو بھی چلنے میں دو صفات ہوا اور غصب کی شدید ضرورت ہے بشرطیکہ وہ اوپر کی طرف جانا چاہے اور اگر نیچے کی طرف جانا چاہے تو بھی انہیں دونوں کی اشد ضرورت رہے گی اسی لئے میرے

وہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کی طرح کہتا تھا۔

"لو دنوت انملة لا حترف"

''اگر میں ایک انگشت بھر بھی آگے بڑھا۔تو جل جاؤں گا''۔

لیکن چونکہ روح نے خاک سے آشنائی کی اس لئے عناصر کے ساتھ ملنے سے اس سے ایک فرزند۔ یعنی نفس پیدا ہوا اور آگے نفس سے دو فرزند۔ (۱) ہوا۔ (۲) غصب پیدا ہوئے ان میں ہوا ظلوم تھی۔ اور غصب جہول اور چونکہ نفس ''اسفل'' میں تھا۔ اس لئے وہ دونوں ظلوم اور جہول اسے ایک خطرناک مقام میں ڈالتے تھے اور روح بھی انہی کی قیدی تھی آخرکار سب کے سب ہلاک ہوتے تھے اور جب انہیں چلنے کی توفیق ہوئی اور ''اِرْجِعِیٓ اِلٰـی رَبِّکَ'' کے جذبہ کی کمند سے توسن اور صفت نفس کو عالم علوی اور بارگاہ الٰہی کی طرف بلایا گیا تو روح نے جو کہ دانا سوار تھی اپنے معلوم شدہ مقام پر پہنچ کر چاہا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کی طرح اپنی باگ موڑ لے تو سن صفت نفس نے بسبب اپنی ظلومی اور جہولی اور ہوا و غصب کے اپنے تئیں جلال احدیت کی شمع پر دے مارا اور اپنے مجازی وجود کو چھوڑ کر شمع وصال سے بغلگیر ہو گیا یہاں تک کہ مجازی وجود کی شمع نے اس کی پروانگی کو حقیقی وجود کی شمع میں تبدیل کر لیا۔

لہٰذا جب تک اپنی ظلومی اور جہولی کی دستکاری کے نقوش کو کمال تک نہ پہنچا لے اس مقام میں نفس کو کبھی بھی مکمل طور پر نہیں پہچان سکے گا کہ وہ کیا ہے؟ اسے کس لئے پیدا کیا گیا ہے؟ اور کس مقام میں کس کام کے لئے مطلوب ہے؟

جب یہ دستکاری اس سے بدرجۂ کمال ظاہر ہوئی اور پھر پروانگی کی دیوانگی سے شمعی نور بخشی کی حالت کو پہنچ گیا تو

"کنت له سمعًا وبصرًا و لسانًا بی یسمع و بی یبصر و بی ینطق"

''میں اس کے لئے کان، زبان اور آنکھ بن جاتا ہوں وہ مجھ ہی سے سنتا ہے مجھ

ہی سے دیکھتا ہے۔ اور مجھ سے ہی باتیں کرتا ہے''۔

صادر آتا ہے اور

''مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ''

''جس نے اپنے نفس کو پہچانا تحقیق اس نے اپنے رب کو پہچانا''۔

محقق ہو جاتا ہے۔ یعنی جس نے نفس کو پروانگی سے پہچانا اسے اللہ رب العزت نے شمعیت سے دیکھا۔

''فلولاکم ما عرفنا الھویٰ ولو لا الھوی ما عرفناکم''

''اگر تم نہ ہوتے تو ہم ہوا (محبت) کو نہ پہچانتے۔ اور اگر ہوا (محبت) نہ ہوتی تو ہم تم کو نہ پہچانتے''۔

نفس سے متعلق حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا فرمان

۱۶- ذی قعدہ النجیب ۵۴۵ ھ المقدس صبح کے وقت بروز اتوار خانقاہ شریف آپ رضی اللہ عنہ نے ایک واعظ فرمایا جو کہ حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی کتاب ''الفتح الربانی'' میں درج ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔ کہ

تحقیق اللہ رب العزت نے دو جہادوں کا حکم دیا ہے ایک جہاد ظاہر اور دوسرا جہاد باطن ہے۔ جبکہ جہاد باطن نفس اور خواہش وشیطان اور طبیعت کا جہاد ہے۔ اور گناہوں اور لغزشوں سے توبہ کرنا۔ پھر اس توبہ پر ثابت قدم رہنا اور شہوتوں اور دیگر حرام چیزوں کو ترک کرنا ہے۔

اور جہاد ظاہر سے مراد کافروں سے جو کہ اللہ رب العزت اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمن ہیں ان سے لڑائی کرنا اور ان کی تلواروں و نیزوں اور دیگر سامان جنگ کا مقابلہ کرنا اور اللہ رب العزت کی راہ میں اپنی قیمتی جان کا نذرانہ پیش کرنا۔

جبکہ جہاد ظاہر سے جہاد باطن بہت ہی سخت ہے۔ کیونکہ وہ ایک شئے لازم ہونے والی اور بار بار آنے والی ہے۔ لہٰذا جہاد باطن جہاد ظاہر سے کیسے سخت نہ ہو وہ اس لئے کہ اس میں نفس کی الفت والی چیزوں اور دیگر حرام اشیاء کا مکمل رد کرنا اور شریعت کے تمام احکامات کا مکمل طور پر بجالانا ہے اس میں تمام ممنوعات سے بالکل باز رہنا پڑتا ہے پس جو بھی شخص دونوں جہادوں میں اللہ رب العزت کے احکامات کی تعمیل کرے گا اس کو دنیا و آخرت میں ضرور بدلہ ملے گا۔ شہید کے بدن میں جو زخم لگتے ہیں وہ ایسے ہے کہ۔ جیسے تمہارے ہاتھ میں فصد کا کھولنا اور شہید کو ان زخموں سے ذرا برابر بھی تکلیف نہیں ہوتی اور موت بھی اس شخص کے حق میں جو کہ نفس سے جہاد کرنے والا اور گناہوں سے توبہ کرنے والا ہے ایسی ہے۔ جیسے کہ پیاسے کا ٹھنڈا پانی پی لینا۔

اے لوگو! اللہ رب العزت تمہیں کسی شئے کی تکلیف نہیں دیتا۔ مگر تم کو اس سے بہتر عطیہ ضرور عطا فرماتا ہے۔ لہٰذا خدا پرست کے لئے ہر لحظہ ایک خاص امر و نواہی ہوتی ہے۔ جو کہ اس کو قلبی حیثیت سے خاص کر دیتی ہے برخلاف باقی مخلوق کے جو کہ اللہ رب العزت اور اس کے رسول اللہ ﷺ کے ظاہری یا باطنی دشمن ہیں ان کو حق تعالیٰ سے ان کی جہالت اور دشمنی اللہ تعالیٰ سے ان کو دوزخ میں داخل کرائے گی بھلا یہ کیسے دوزخ میں داخل نہ ہوں ان کو دنیا میں بھی اعمال کی تکلیف دی گئی۔ لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی مخالفت اور اپنے نفسوں' خواہشات اور طبیعتوں اور عادات اور اپنے شیاطین کی موافقت کرتے رہے اور دنیا کو اپنی آخرت پر ترجیح دیتے رہے۔ لہٰذا یہ کیسے دوزخ میں داخل نہ ہوں گے۔ کیونکہ انہوں نے قرآن مجید کو سنا۔ مگر اس پر ایمان نہ لائے۔ اور نہ ہی اس کے احکامات پر عمل ہی کیا۔ اور نہ اس کے ممنوعات سے باز رہے۔

اے لوگو! تم اس قرآن مجید پر دل سے ایمان لاؤ اور اس پر عمل بھی کرو اور اپنے اعمال میں ریاکاری اور نفاق کو ختم کر دو اور مخلوق سے اپنی تعریف اور اپنے اعمال کے

معاوضہ کی کبھی تمنا نہ رکھنا۔مخلوق میں بہت کم لوگ ہیں ۔جو کہ اخلاص کے ساتھ قرآن مجید پر ایمان لاتے ہیں اسی وجہ سے مخلص لوگ بہت کم ہیں۔اور منافق لوگ زیادہ ہوتے ہیں تم کس قدر اللہ تعالیٰ کی طاعت میں کسل مند ہو۔اور دشمن الٰہی اور اپنے حقیقی دشمن شیطان لعین کی تابعداری میں کتنے قوی اور مضبوط ہو۔اور اہل اللہ ہمیشہ اس امر کی تمنا میں رہتے ہیں وہ ان تکالیف سے جو کہ اللہ رب العزت کی جانب سے دی جاتی ہیں کبھی بھی خالی نہ ہوں۔اور وہ اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ اللہ رب العزت کی تکالیف اور قضاء و قدر کے برداشت کرنے میں دنیا و آخرت میں بہت بڑی بہتری ہے وہ اللہ تعالیٰ کی اس کے تصرفات اور تبدیلیوں میں موافقت کرتے رہتے ہیں کبھی صبر میں، کبھی شکر میں، کبھی قرب میں، کبھی دوری میں، کبھی تکلیف میں، کبھی راحت میں، کبھی امیری میں، کبھی فقیری میں، کبھی عافیت میں، کبھی مرض میں ان کی تمام تر آرزوئیں اپنے قلوب کی اللہ رب العزت کے ساتھ حفاظت کرنا ہے۔اور ان کے نزدیک سب سے زیادہ امر یہی قابل اہتمام ہے وہ اپنی اور خلق کی سلامتی کی اللہ تعالیٰ کے ساتھ رہ کر تمنا کرتے ہیں۔اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے خلق کی بہبودی کا سوال اور تمنا کرتے رہتے ہیں۔

اے لوگو! تم صحیح اور درست بن جاؤ۔تا کہ فصیح ہو جاؤ تم شریعت کا ہر حکم مانا کرو کہ علم میں فصیح بن جاؤ پوشیدگی میں صحیح بن تا کہ ظاہر میں فصیح بن جاؤ اور تمام تر سلامتی اللہ تعالیٰ کی طاعت میں ہے۔اور طاعت الٰہی اس کے تمام احکامات کے بجا لانے اور اس کے تمام ممنوعات سے باز رہنے اور اس کے تمام امور قضا و قدر میں صبر کرنے میں ہے جو کوئی احکامات الٰہی کی تعمیل کرتا ہے۔تو اللہ رب العزت اس کو اپنا مقبول بنا لیتا ہے۔اور جو اس کی اطاعت کرتا ہے۔تو تمام مخلوق اس کی مطیع ہو جاتی ہے۔اور وہ سب کو اس کا تابعدار بناتا ہے۔

اے لوگو! میری نصیحت قبول کرو میں تمہارا خیر خواہ ہوں میں اپنے سے اور تم سب سے

جدا ہوں۔ اور تمام وہ امور جن میں مشغول ہو میں ان سب سے علیحدہ ہوں جو کچھ میرے اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ کرتا ہے میں اس کے لئے سیر کرتا رہتا ہوں۔ اور تم مجھ پر تہمت نہ لگاؤ۔ تحقیق میں تمہارے لئے وہی چاہتا ہوں جو اپنے نفس کے لئے چاہتا ہوں۔ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ کہ مومن کے لئے اس کا ایمان تاوقتیکہ وہ اپنے مسلمان بھائی کے لئے وہ چیز جو اپنے نفس کے لئے چاہتا رہتا ہے نہ چاہے کامل نہیں ہوتا یہ ارشاد ہمارے امیر۔ ہمارے رہنما۔ ہمارے سردار۔ ہمارے سفیر اور ہمارے شفیع کا ہے۔ جو کہ زمانہ آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک تمام انبیاء علیہم السلام اور صدیقین کے رہنما ہیں۔ اور سب سے آگے آپ نے اس شخص سے جو کہ اپنے مسلمان بھائی کے لئے اس جیسی چیز کو جو کہ اپنے نفس کے لئے پسند کرتا رہتا ہے۔ پسند نہ کرے اس نے ایمان کے کمال کی نفی کر دی جب کہ تو نے اپنے نفس کے لئے اچھے کھانوں اور اچھے لباس اور اچھے مکانوں اچھے وجود اور کثرت مال کو پسند کیا۔ اور دوست رکھا اور اپنے مسلمان بھائی کے لئے اس کے برخلاف پسند کیا پس بلا شک وشبہ تو اپنے دعویٰ میں کہ میرا ایمان کامل ہے جھوٹا ہو گیا۔

اے کم عقل! تیرا پڑوسی فقیر ہے۔ اور تیرے اہل وعیال فقیر ہیں۔ اور تیرا مملوکہ مال ہے۔ کہ جس پر زکوٰۃ فرض ہے۔ اور روزانہ نفع پر نفع حاصل ہوتا ہے۔ اور تیرے پاس اس قدر مال ہے۔ جو کہ تیری حاجت سے زیادہ ہے پس ایسی حالت میں تیرا اپنا پڑوسی اور دیگر اہلیان کو عطاء سے منع کر دینا اس بات پر دلالت کرتا ہے۔ کہ تو ان کے فقر پر راضی ہے۔ لیکن جب کہ تیرا نفس اور تیری خواہشات اور تیرا شیطان تیرے پیچھے لگا ہوا ہے۔ تو بلاشک وشبہ فعل خیر تیرے لئے آسان نہیں رہا۔ اور تو اس سے دوری کر تیرے ساتھ حرص کی قوت اور آرزو کی کثرت اور دنیاوی محبت اور ایمان کی قلت ہے۔ اور تو نفس و مال اور خلق کی وجہ سے مبتلائے شرک ہے۔ اور تجھ کو اس کی خبر تک نہیں ہے۔ کہ جس کسی کی بھی دنیا میں رغبت

زیادہ ہوئی اور دنیا میں اس کی حرص بڑھی اور جو موت کو اور اللہ رب العزت سے ملنے کو بھول گیا اور جس کسی نے حرام و حلال میں فرق نہ رکھا پس تحقیق وہ ان کافروں کے ساتھ مشابہہ ہو گیا جنہوں نے کہا کہ ہماری زندگی محض کی ہی زندگی ہے۔ اور ہم مرتے اور جیتے ہیں۔ اور نہیں ہلاک کرتا ہم کو۔ مگر زمانہ۔ گویا کہ تو بھی انہی میں سے ایک فرد ہے۔ مگر تو نے اسلام کا زیور پہن رکھا ہے۔ اور کلمہ شریف پڑھ کر اپنا خون محفوظ کر لیا ہے۔ اور نماز و روزہ میں عادتاً مسلمانوں کے ساتھ موافقت کر لیتا ہے نہ کہ عبادت سمجھ کر اور اگر نماز و روزہ رکھا بھی ہے۔ تو لوگوں کو اپنا متقی ہونا ظاہر کرتا ہے حالانکہ تیرا قلب فاجر ہے۔ اور یاد رکھ ایسا کرنا تجھے کیا فائدہ دے گا۔

اے لوگو! دن میں تمہارا بھوکا پیاسا رہنا اور شام کو حرام مال سے روزہ افطار کر لینا تجھے کیا فائدہ دے گا۔ اور تم دن میں روزہ رکھتے ہو۔ اور رات میں گناہ کرتے ہو اے حرام خورو! تم اپنے نفوس کو دن میں پانی پینے سے باز رکھتے ہو۔ پھر مسلمانوں کے خون سے اسے افطار کرتے ہو۔ اور تم میں سے بعض وہ آدمی ہیں۔ جو کہ دن میں روزہ رکھتے ہیں۔ اور رات میں گناہ کرتے ہیں حضور اقدس ﷺ نے فرمایا ہے۔ کہ میری امت جب تک رمضان شریف کا احترام کرتی رہے گی رسوا نہ ہو گی۔ رمضان شریف کی تعظیم اس میں تقویٰ کرنا اور حدود شرعی کی حفاظت کے ساتھ اور اس کے روزہ کا خالصتاً وجہ اللہ رکھنا ہے۔

اے غلام! روزہ رکھ اور جب تو افطار کرے اپنی افطاری میں سے کچھ فقراء کو بھی دیا کر اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کر اور تنہا مت کھا۔ کیونکہ جو تنہا کھائے گا۔ اور دوسرے کو نہ کھلائے اس پر محتاجی اور تنگ دستی کا خوف ہے۔

اے قوم! تم پیٹ بھر کر کھاتے ہو۔ اور تمہارے پڑوسی بھوکے ہوتے ہیں۔ پھر تم دعویٰ کرتے ہو کہ ہم مسلمان ہیں۔ لہٰذا تمہارا ایمان درست نہیں ہوا۔ کیونکہ تمہارے سامنے کثرت سے کھانا ہوتا ہے تمہارے اور تمہارے گھر والوں سے بھی کھانا بچ رہتا ہے۔ اور فقیر

تمہارے دروازے پر کھڑا رہتا ہے۔ اور پھر بھی خیرات سے محروم واپس چلا جاتا ہے۔ عنقریب تجھے اپنی خبر معلوم ہو جائے گی۔ اور عنقریب تو بھی اس جیسا ہو جائے گا۔ اور ویسا ہی محروم پھیرا جائے گا۔ جیسے تو نے باوجود قدرت وعطاء اس کو محروم پھیرا۔

تجھ پر افسوس! تو کیوں کھڑا نہ ہوا کہ جو سامنے موجود تھا اس میں سے لے کر تو نے فقیر کو کیوں نہ دیا تو دو اچھی خصلتوں میں جمع کر لیتا تو اضعاً کھڑا ہونا اور اپنے مال میں سے اللہ رب العزت کی راہ میں دینا ہمارے نبی کریم ﷺ اپنے دست مبارک سے سائل کو دیا کرتے تھے اور اونٹنی کو چارہ کھلاتے تھے اور بکری کا دودھ دوہتے تھے اور اپنی قمیض اپنے ہاتھ سے سلائی کیا کرتے تھے۔ لہٰذا تم لوگ حضور اقدس ﷺ کی پیروی کرنے کا کیسے دعویٰ کر سکتے ہو حالانکہ تم حضور اقدس ﷺ کے تمام اقوال و افعال کو سب میں مخالف ہو۔ جبکہ تمہارا دعویٰ بہت ہی لمبا چوڑا ہے۔ اور جس کا کوئی گواہ بھی نہیں۔ اسی لئے مثل مشہور ہے۔ کہ ''یا تو تو خالص یہودی بن جا۔ ورنہ توریت پر اتنا فریفتہ نہ ہو''۔ لہٰذا اسی طور سے تم لوگوں کو کہتا ہوں کہ یا تو تم لوگ اسلام کی پوری شرائط بجا لاؤ ورنہ اپنے آپ کو مسلمان مت کہلاؤ۔ کیونکہ تمہارے اوپر اسلام کی تمام شرائط کا بجا لانا لازم ہے۔ اس کی حقیقت کا جو کہ شریعت کے سامنے سر جھکا دینا ہے اسے لازم پکڑو اور تمہارا سر اللہ رب العزت کے سامنے جھکا ہوا ہو آج تم مخلوق کے ساتھ غم خواری اور مہربانی کرو تو کل قیامت کے دن اللہ رب العزت تمہارے ساتھ مہربانی اور غم خواری کرے گا۔ لہٰذا تم زمین والوں پر رحم کرو۔ تاکہ تم پر آسمان والا رحم فرمائے۔

یاد رکھو! کہ جب تم اپنے نفس کے ساتھ قائم رہو گے اس مقام تک کبھی نہ پہنچو گے اور جب تک تو نفس کو اس کی خواہش کے موافق اس کا حصہ دیتا رہے گا۔ تو تم لوگ اس کی قید ہی میں رہو گے۔ لہٰذا تو نفس کو اس کا پورا حق دے۔ اور اس کے حصہ سے منع کر نفس کو اس کا حق دینے میں نفس کی بقاء ہے۔ اور اس کو اس کا حصہ دینے میں اس کی ہلاکت ہے۔ نفس

کا ضروری حق اس کو کھانا کھلانا' پانی پلانا' لباس دینا اور رہنے کے لئے جگہ دینا ہے۔ اور نفس کا حصہ لذتیں اور خواہشات نفسانیہ ہیں۔ (اس سے نفس کو منع کر) اور نفس کا شرع کے ہاتھ سے لے اور اس کے حصہ کو قضا وقدر کی طرف جو علم الٰہی میں سابق ہو چکا ہے سپرد کر دے۔ نفس کو مباح چیزیں کھلا نہ کہ حرام مال اور تو شرع کے دروازہ پر بیٹھ اور اس کی خدمت لازم پکڑ کہ اسی میں تیری نجات اور رفنا ہے کیا تو نے اللہ رب العزت کا قول نہیں سنا کہ ''جو تجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیں پس اس کو لے لو اور جس سے وہ تمہیں منع کر دیں۔ پس اس سے باز رہو''۔ لٰہذا تو تھوڑے پر قناعت کر اور اسی پر اپنے نفس کو برقرار رکھ بعدہٗ اگر تقدیر وعلم الٰہی کے ہاتھ سے تیرے پاس بہت کچھ آ جائے۔ تو اس میں تو محفوظ ہو گا۔ اور جب تو تھوڑے پر قناعت کر لے گا۔ تو تیرا نفس ہلاک نہ ہو گا۔ اور جو اس کا مقسوم ہے۔ وہ فوت نہ ہو گا۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ مسلمان کے لئے وہ مقدار کفایت کرتی ہے۔ جو کہ بکری کے بچہ کے لئے ایک مٹھی خراب چھوارے اور ایک گھونٹ پانی اور مومن قوت لایموت کھاتا ہے۔ اور وہ بھی مثل زادراہ کے لیتا ہے۔ اور منافق خوب مزے اڑاتا ہے۔ اور مومن تھوڑا کھانا۔ اس لئے کھاتا ہے۔ کہ وہ ابھی راستہ میں ہے۔ اور منزل پر نہیں پہنچا وہ جانتا ہے۔ کہ منزل میں اس کے لئے حاجت کی تمام چیزیں موجود ہیں۔ اور منافق کے لئے منزل ہے۔ اور نہ ہی اس کا کوئی مقصد ہوتا ہے تمہارے دنوں اور مہینوں میں بہت تقصیر وکوتاہی ہے۔ لٰہذا تم بغیر کسی فائدہ کے اپنی عمریں کیوں ضائع کر رہے ہو میں تمہیں دیکھ رہا ہوں کہ دنیا میں تم کوتاہی نہیں کرتے اور اپنے دین میں انتہائی کوتاہی کئے جا رہے ہو۔ اگر معاملہ اس کے برعکس کرو گے تو اچھے رہو گے آج تک دنیا کسی کے پاس باقی نہیں رہی ہے۔ لٰہذا اسی طور پر تمہارے پاس بھی باقی نہ رہے گی۔

اے قوم! کیا تمہارے پاس اللہ رب العزت کی طرف سے زندگی کا پروانہ ہے تمہاری سمجھ کس قدر ناقص ہو چکی ہے جو شخص غیر کی دنیا کو اپنی آخرت برباد کر کے آباد کر رہا ہے وہ

غیر کے لئے دنیا کو جمع کر رہا ہے۔ اور اپنے دین سے جدائی اختیار کر رہا ہے۔ اور اپنے اور اللہ رب العزت کے درمیان پردہ ڈالتا جا رہا ہے۔ اور اللہ رب العزت کا غصہ اپنے جیسی مخلوق کی رضا مندی کے لئے اپنے سر لئے جا رہا ہے۔ اگر وہ یقین کے ساتھ یہ جان لیتا کہ وہ عنقریب مرنے والا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے روبرو حاضر کیا جائے گا۔ اور اپنے تمام تصرفات پر حساب دینا پڑے گا۔ تو ضرور وہ اپنے بہت سے اعمال سے رک جاتا۔

حکیم لقمان سے روایت ہے۔ کہ انہوں نے اپنے بیٹے سے کہا کہ اے میرے بیٹے! جیسا کہ تو بیمار ہوتا ہے۔ اور یہ نہیں جانتا کہ کیونکر بیمار ہوتا ہے اسی طرح سے تو مرے گا۔ اور یہ نہیں جانے گا کہ کیسے مرتا ہے میں تم کو ڈراتا ہوں۔ اور روکتا ہوں تم نہ ڈرتے ہو۔ اور نہ ہی باز رہتے ہو اے بھلائی سے بھاگنے والو! عنقریب تم پر دنیا حملہ کر دے گی۔ اور تمہارا گلہ گھونٹ دے گی۔ اور تم نے جو کچھ دنیا کے ہاتھوں سے جمع کیا ہے وہ تمہیں کچھ بھی فائدہ نہ دے گا۔ اور نہ ہی وہ لذتیں کہ جن سے تم نے مزے اڑائے تھے کام دیں گی۔ بلکہ یہ سب کا سب تمہارے اوپر وبال ہی وبال ہو گا۔

اے غلام! تو تحمل اور قطع شر کو اپنے اوپر لازم پکڑ لے۔ کلمات مشابہہ دوسرے کلمات ہیں جب تجھ سے کوئی ایک کلمہ کہے۔ پھر تو اس کا جواب دے تو اس کی طرف سے بھی اس کے مشابہہ دوسرے کلمات آ جائیں گے اور اسی طرح گفتگو بڑھ کر تم دونوں میں شر بطور لڑائی آ جائے گا۔ مخلوق میں اکا دکا ایسے لوگ ہیں جو اس کے اہل ہیں۔ کہ خلق کو خالق عزوجل کے دروازے کی طرف دعوت دیں۔ اگر ان کی بات قبول نہ کی جائے گی تو وہ لوگوں پر حجت ہوں گے اور ایسے لوگ مؤمنوں کے لئے نعمت اور منافقین کے لئے۔ جو کہ دین الٰہی کے دشمن ہیں عذاب ہی عذاب ہے۔ اے اللہ رب العزت! ہم کو توحید سے خوشبودار کر دے۔ مخلوق اور ماسویٰ اللہ تعالیٰ سے فنا ہو جانے کی دھونی دے۔ اے موحدین! اے مشرکین! تمہارے ہاتھ میں مخلوق میں سے کوئی شئے نہیں ہے سب کی سب

مخلوق اور عاجز ہیں۔ بادشاہ، غلام، سلطان اور مخلوق پر مسلط ہو جانے والے امیر اور کل فقراء تقدیر الٰہی کے قیدی ہیں۔ اور سب کے قلب اس کے قبضہ قدرت میں ہیں وہ جیسے چاہتا ہے ان کو الٹ پلٹ کرتا رہتا ہے اس کی مانند کوئی شئے نہیں اور وہی سننے اور دیکھنے والا ہے تم اپنے نفوس کو موٹا نہ کرو ورنہ تحقیق وہ تم کو کھالیں گے جس طرح کہ کوئی شکاری کتا پالے اور اس کی پرورش بھی کرے اور اس کو خوب موٹا اور صحت مند بھی کرے اور تنہا اس کے ساتھ بھی رہے پس لازم ہے۔ کہ وہ کتا اس کو کھالے گا تم نفس کی باتوں کو ڈھیل نہ دو اور اس کی چھریوں کو تیز نہ ہونے دو بلاشک وشبہ وہ تمہیں ہلاکت کے جنگلوں میں پھینک دے گا۔ اور تمہیں دھوکہ دے گا۔ لہٰذا تم اس کے مادوں کو قطع کر دو اور نفوس کو ان خواہشات میں نہ چھوڑو۔

اے اللہ تعالیٰ! ہمارے نفوس پر ہماری مدد فرما اور ہم کو دنیا و آخرت میں نیکیاں دے۔ اور ہم کو دوزخ کی آگ سے بچا۔

نفس کی مخالفت

کسی نے حضرت بایزید بسطامی رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں کون کون سی مشکل چیز برداشت کرنا پڑی؟ تو حضرت بایزید بسطامی فرمانے لگے۔ کہ اس کا بیان نہیں ہوسکتا۔ پھر سوال کیا کہ آپ کے نفس نے سب سے آسان کون سی چیز دیکھی؟ تو فرمانے لگے۔ کہ میں نے نفس کو عبادت کی دعوت دی۔ مگر اس نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا تو میں نے اس کے بدلہ میں اسے ایک سال تک پانی نہ دیا۔

نفس کے لئے مفید چیزیں

حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ اگر تو ہر وقت اپنے نفس کو ایسے امور میں لگائے گا جو کہ اس کے لئے بہتر ہوں تو تمہارے نفس کے لئے اس سے بڑھ کر کسی اور

چیز میں فائدہ نہیں ہے۔

نفس کی سرکشی کا انجام

حضرت ابو محمد جریری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ جس شخص پر اس کا نفس غالب آ گیا وہ اپنی خواہشات کا قیدی بن جائے گا۔ اور وہ اپنی خواہشات کی قید میں گھرا رہے گا۔ اور اللہ رب العزت اس کے دل پر تمام فوائد حرام قرار دیدے گا۔ لہٰذا وہ اللہ رب العزت کے کلام سے لذت حاصل کر سکے گا۔ اور نہ ہی شیرینی حاصل کر پائے گا خواہ وہ اسے بار بار کیوں نہ پڑھتا رہے۔ کیونکہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰیٰتِیَ الَّذِیْنَ یَتَکَبَّرُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ ط"

سورہ اعراف' آیت: ۱۴۶

"میں اپنی آیات کو ان لوگوں سے پھیر لوں گا جو دنیا میں ناحق غرور کرتے ہیں"۔

نیز فرماتے ہیں۔ کہ اصول کو فروع پر عمل کر کے دیکھا جا سکتا ہے۔ اور فروع کی تصحیح اس طرح ہو سکتی ہے۔ کہ ہم ان کو اصل پر پیش کریں اور اصول کے مشاہدہ کے مقام پر انسان اس وقت پہنچ سکتا ہے جب وہ ان وسائط اور فروع کی تعظیم کرے کہ جن کی اللہ رب العزت نے تعظیم کی ہے۔

بھوکے رہنے کی فضیلت

دقی روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں عبداللہ خراز رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گیا اس وقت مجھے چار دن ہو چکے تھے کہ میں نے کچھ نہ کھایا پیا تھا تو فرمانے لگے۔ کہ تم لوگ صرف چار دن بھوکے رہنے کے بعد بھوک بھوک پکارنا شروع کر دیتے ہو۔

پھر فرمانے لگے فرض کرو کہ تمام لوگ اس ثواب کی خاطر کہ جو انہیں اللہ رب العزت کے ہاں ملنے والا ہے ہلاک ہو جائیں تو پھر بھی کیا ہو گا؟ اور تمہارا خیال ہے۔ کہ یہ بڑی

بات ہوگی۔ نیز فرماتے ہیں کہ بھوک زاہدوں کی خوراک ہے۔ اور ذکر عارفین کی خوراک ہوتی ہے۔

نفس کے لئے جھگڑا

حضرت بندار بن حسین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ اپنے نفس کے لئے مت جھگڑو۔ کیونکہ یہ تمہارا نہیں ہے۔ اور اسے اپنے مالک کے لئے چھوڑ دو وہ جو چاہے اس سے برتاؤ کرے مزید فرمایا! کہ اہل بدعت کی صحبت سے حق تعالیٰ سے اعراض پیدا ہوتا ہے۔

مزید فرمایا! اپنی خواہشات کو (اس ثواب کی خاطر) چھوڑ دو جس کی تجھے امید ہے۔

اصلاح نفس

حسین بن علویہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے۔ کہ حضرت بایزید بسطامی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ میں بارہ سال تک اپنے نفس کا لوہار بنا رہا۔ اور پانچ سال تک اپنے دل کا آئینہ رہا۔ اور پھر میں ایک سال تک ان دونوں کے درمیان دیکھتا رہا تو میں نے دیکھا کہ میری کمر پر تو ظاہری زنار ہے۔

اس پر میں نے بارہ سال اس زنار کو کاٹنے پر لگائے۔ پھر دوبارہ میں نے دیکھا کہ اب میرے باطن میں زنار ہے جس کے کاٹنے کے لئے میں پانچ سال تک عمل پیرا رہا۔ پھر میں سوچنے لگا کہ اسے کیسے کاٹوں گا۔ بالآخر معاملہ واضح ہوگیا تو میں نے مخلوق کی طرف دیکھا تو اسے مردہ پایا۔ لہٰذا میں نے مخلوق پر (جنازہ کی) چار تکبیریں کہیں۔ (یعنی مخلوق کو خیر باد کہہ دیا)۔

نفس کا علاج

جو باتیں نفس کو نیک کام کرنے سے روکتی ہیں وہ یہ ہیں۔ کہ

۱۔ خواہشات میں منہمک ہونا۔

۲- اطاعت گزاری سے باز رہنا۔

لہٰذا جب نفس سرکش ہو کر اپنی خواہش کے مطابق کام کرنا چاہے تو اس وقت تقویٰ کی لگام ڈال کر اسے روکنا ضروری ہو جاتا ہے۔ اور اگر دین کے موافق کار بند ہونے سے اکڑ جائے۔ تو اس کو اس کی خواہش کے خلاف چلانا چاہئے۔ اور جب نفس غصہ سے مشتعل ہو جائے۔ تو اس وقت اس کی حالت کی رعایت رکھنا ضروری ہے۔ کیونکہ غصہ میں نفس کے ساتھ جنگ کرنے میں اچھا نتیجہ حاصل کرنے کے لئے اس سے ایسے حسن خلق سے پیش آنا چاہئے۔ جو کہ اس کے غلبہ کو توڑ دے۔ اور نرمی کے ساتھ اس کی آگ کو بھی بجھا دے۔ اور جب نفس رعونت کی شراب کو جائز سمجھے اور اس کی خوبیاں بیان کرنے سے نہ رکے اور دیکھنے والوں کے لئے خوبصورت بن کر پیش ہو۔ تو اسے توڑنا ضروری ہوتا ہے۔ مگر ساتھ ہی اس کے لئے رعونت کو اس طرح پیش کیا جائے کہ جس میں ذلت پائی جائے مثلاً یہ کہا جائے کہ یہ ایک حقیر اور خسیس چیز ہے۔ اور ایک انتہائی ناپسندیدہ فعل ہے۔

عوام کی کوشش اعمال کو پورے طور پر ادا کرنے میں ہوتی ہے۔ اور خواص کا ارادہ اپنی حالت کو پاک اور صاف کرنا ہوتا ہے۔ اس لئے کہ بھوک اور بیداری کو برداشت کر لینا ایک آسان اور معمولی بات ہے۔ اور اخلاق کے ساتھ جنگ کرنا اور خسیس وحقیر اخلاق سے پاک ہونا بہت مشکل امر ہے۔

نفس کی مشکل آفات

نفس کی مشکل آفات میں سے ایک آفت یہ بھی ہے۔ کہ یہ اپنی تعریف سننے کو پسند کرے اور جس نے ایک گھونٹ بھی اس کا پی لیا تو یوں سمجھ لیں کہ اس نے زمین و آسمان کو ایک پلک پر اٹھا لیا اس کی پہچان یہ ہے۔ کہ جب یہ شراب (یعنی اپنی تعریف کی شراب) نفس کو نہیں ملتی تو وہ نیک اعمال کرنے میں سست پڑ جاتا ہے۔

حکایت

ایک بزرگ اپنی مسجد میں کئی سال تک پہلی صف میں نماز پڑھتے رہے ایک دن کسی وجہ سے وہ پہلی صف میں جگہ نہ پا سکے تو انہوں نے آخری صف میں نماز پڑھی۔ پھر اس کے بعد وہ مدت تک دکھائی نہ دیئے لوگوں نے ان سے اس کا سبب پوچھا تو کہنے لگے۔ کہ میں اتنے سال نماز پڑھتا رہا ہوں۔ مگر جس دن میں نے آخری صف میں نماز پڑھی تو مجھے اس سے نہایت شرمندگی ہوئی کہ لوگوں نے مجھے آخری صف میں دیکھا ہے۔ تو اس پر میں سمجھ گیا کہ میں عمر بھر عبادت میں جو چستی دکھاتا تھا وہ ان لوگوں کے دکھانے کی تھی تو اس پر میں نے اپنی نمازیں قضا کیں۔

ابو محمد مرتعش کا واقعہ

حضرت ابو محمد مرتعش رحمۃ اللہ علیہ سے ایک حکایت ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے اتنے حج تجرید کے طور پر کیئے جن میں میں نے تھکان اور بھوک برداشت کی بالآخر مجھے معلوم ہو گیا کہ ان تمام حجوں میں حظ نفس کی آمیزش تھی۔ اور وہ اس طرح کہ ایک بار میری والدہ نے مجھے پانی کا ایک مٹکا لانے کو کہا مجھے اس کا بہت بار محسوس ہوا اس سے میں سمجھ گیا کہ ان تمام حجوں میں میرے نفس نے جو میری موافقت کی ہے اس میں نفس کا حظ اور اس کی آمیزش تھی۔ (اسی لئے اس نے موافقت کی اور اگر ان میں حظ نفس نہ پایا گیا ہوتا تو نفس موافقت نہ کرتا)۔ کیونکہ اگر میرا نفس فنا ہو چکا ہوتا تو شریعت کے اندر جو حق بات تھی وہ اسے دشوار نہ ہوتی۔

ایک عورت کا قصہ

ایک معمر عورت تھی جب اس سے اس کی حالت کے متعلق پوچھا گیا تو کہنے لگی کہ جوانی کے عالم میں میں اپنے نفس میں چستی اور ایک حالت پاتی تھی جس سے میں یہ

سمجھتی تھی کہ میری حالت قوی ہے۔ مگر اب جب کہ میں بوڑھی ہو چکی ہوں تو یہ سب کچھ جاتا رہا اس سے میں یہ سمجھی کہ (یہ حالت کی قوت نہ تھی بلکہ) یہ جوانی کی قوت تھی کہ جسے میں نے حالت سمجھ لیا تھا۔

نفس سے آگاہی اور بے خبری

حضرت ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس شیخ نے بھی اس قصہ کو سنا اسے بڑھیا پر رحم آیا اور کہا کہ بڑھیا منصف تھی۔

حضرت یوسف بن الحسین رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ذوالنون مصری سے روایت کی ہے۔ کہ اللہ رب العزت نے کسی بندہ کو اس قدر عزت عطا نہ فرمائی جس قدر کہ اس بندہ کو عطا فرمائی کہ جسے اپنے نفس کے ذلیل ہونے کا پتہ چل گیا ہو۔ اور نہ ہی اللہ رب العزت نے کسی بندہ کو اس قدر ذلیل کیا جس قدر کہ اس بندہ کو جسے اللہ رب العزت نے اس کے نفس کے ذلیل ہونے سے بے خبر رکھ چھوڑا ہو۔

حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ مجھے جس کسی چیز کا ڈر ہوا میں نے اسے ضرر کہا۔

عبداللہ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے محمد بن الفضل رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے۔ کہ نفس کی آرزوؤں سے نجات کا نام راحت ہے۔

مخلوق کے لئے آفت

منصور بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ابو علی روذباری سے روایت کی کہ تین چیزوں سے مخلوق پر آفت آتی ہے۔

۱- طبیعت کی بیماری سے۔

۲- عادت پر قائم رہنے سے۔

۳۔ فسادِ صحبت سے۔

میں نے سوال کیا کہ طبیعت کی بیماری کیا چیز ہے؟

فرمایا کہ حرام مال کا کھانا۔

میں نے سوال کیا کہ عادت پر قائم رہنے سے کیا مراد ہے؟

فرمایا: کہ حرام کی طرف دیکھنا' حرام سننا اور غیبت کرنا۔

میں نے عرض کیا کہ فسادِ صحبت سے کیا مراد ہے؟

فرمایا: کہ جب کبھی نفس میں کوئی شئے جوش مارے تو تو اس کے پیچھے ہولے۔

ابوعلی روذباری نے نصر آبادی سے روایت کیا ہے۔ کہ تمہارا نفس ہی تمہارا قید خانہ ہے۔ اور جب تم اس سے نکل آئے تو تم ابدی راحت حاصل کرلو گے۔

نفس اور تاریکی

حضرت ابوحفص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ نفس ہمہ تن تاریکی ہے اس کا سر اس کا چراغ ہے۔ اور توفیق خداوندی اس چراغ کا نور ہے۔ اور جس کے سر میں توفیق خداوندی ساتھ نہ دے وہ ہمہ تن ظلمت ہوتا ہے۔

حضرت امام ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کا سر اس کا چراغ ہے۔ اس سے ان کی مراد وہ سر ہے۔ کہ بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہوتا ہے۔ اور وہی اس کے خلوص کا محل ہے اس کے ذریعہ سے بندہ یہ پہچانتا ہے۔ کہ تمام حادثات اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہیں اس کے نفس کے ساتھ نہیں ہوتے اور نہ ہی اس کے نفس کی طرف سے ہیں۔ تاکہ وہ اپنی ہر قوت و طاقت سے بیزار رہے مزید برآں جب توفیق خداوندی اس کے ساتھ ہوگی تو وہ اپنے نفس کے شر سے بچ سکے گا۔ کیونکہ جسے توفیق خداوندی حاصل نہ ہو اسے اس کا وہ علم جو اپنے نفس اور اپنے رب تعالیٰ کے متعلق ہے کبھی مفید نہ ہوگا۔

اسی لئے شیوخ فرماتے ہیں۔ کہ جس کے ''سر'' نہیں وہ مصر ہے۔

ابو عثمان رحمۃ اللہ علیہ حیری فرماتے ہیں۔ کہ جو شخص اپنے نفس کی کسی چیز کو بھی اچھا جانتا ہو گا وہ کبھی اپنے نفس کے عیب نہ جان سکے گا۔ اور اپنے نفس کے عیب وہی جان سکتا ہے۔ جو کہ ہر حالت میں اسے مہتم جانتا ہو۔

حضرت ابو حفص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ جو شخص اپنے عیوب نہیں پہچانتا وہ بہت جلد ہلاک ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ معاصی کفر کی راہ دکھاتے ہیں۔

حضرت ابو سلیمان رحمۃ اللہ علیہ فرماے ہیں کہ میں نے کسی بھی چیز کو اچھا نہیں سمجھا چہ جائیکہ اسے کار ثواب سمجھوں۔

حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مالداروں کے پڑوسیوں، بازار میں قرآن مجید پڑھنے والوں اور حکام کے علماء سے بچو۔

فساد کی جڑیں

حضرت ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مخلوق میں چھ چیزوں سے فساد پیدا ہوتا ہے۔

۱- انسانوں کی آخرت کے عمل میں نیت کی کمزوری سے۔

۲- ان کے بدن خواہشات کے تابع ہو جانے سے۔

۳- موت قریب ہونے کے باوجود بڑی بڑی امیدیں لگائے رکھنے سے۔

۴- یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی رضا پر مخلوق کی رضا کو ترجیح دیتے ہیں۔

۵- اپنی خواہشات کی تابعداری کرتے ہیں۔ اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پس پشت ڈالتے ہیں۔

۶- اسلاف کی معمولی لغزش کو اپنے لئے حجت سمجھ لیتے ہیں۔ اور ان کے بیشتر نیک کاموں کو چھپاتے ہیں۔

حضرت بایزید بسطامی رضی اللہ عنہ کا واقعہ

ایک دن حضرت بایزید بسطامی رضی اللہ عنہ نے اپنے طفل نفس کو دیکھا کہ اس کا تمام جسم ضعیف و نحیف اور دبلا پتلا ہے۔ لیکن اس کا سر بہت موٹا ہے۔ حضرت بایزید بسطامی رضی اللہ عنہ نے اپنے نفس سے پوچھا کہ اے نفس! تیرا سارا جسم بہت دبلا اور پتلا ہے۔ لیکن تیرا سر اتنا موٹا کیوں ہے؟ نفس نے کہا کہ یہ بات بتانے کی نہیں ہے۔ تو حضرت بایزید بسطامی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ بات تجھے ضرور بتانا پڑے گی نفس نے کہا کہ اصل بات یہ ہے۔ کہ میرے وجود کو آپ کے مجاہدات ریاضیات اور بھوک پیاس نے بہت کمزور کر دیا گیا ہے۔ بلکہ اب ناتواں اور لاغر ہو گیا ہے۔ لیکن لوگوں میں بے حد رجوعات تعظیم و تکریم اور تعریف و توصیف سے میرے سر کو ایک خمار اور نشہ چڑھتا ہے۔ کہ جس سے میرا سر پھولتا اور موٹا ہوتا ہے اور میرے سر کے پھولنے اور موٹا ہونے کی صرف یہی وجہ ہے۔ تو حضرت بایزید بسطامی رضی اللہ عنہ نے اپنے دل سے کہا کہ اس باطنی کفر اور انانیت کا ضرور علاج ہونا چاہئے۔ چنانچہ رمضان شریف کا مہینہ تھا۔ اور دل کے اس باطنی مرض کے سبب روزہ کی نیت نہ کی اور ایک روٹی اپنے ساتھ لے کر مریدین اور طالبین کے ہمراہ بازار میں چلے گئے۔ اور جب بازار میں داخل ہوئے تو علیٰ رؤس لاشہاد روزِ روشن کو ایک ایک نوالہ توڑ کر کھاتے جاتے تھے اور ساتھ ساتھ بازار میں چلتے جا رہے تھے۔ حضرت بایزید بسطامی رضی اللہ عنہ کے اس غیر شرعی فعل کو دیکھ کر تمام لوگ ان سے پھر گئے۔ اور جا بجا ان کی شکایت ہونے لگی اس کے بعد حضرت بایزید بسطامی رضی اللہ عنہ نے اپنے نفس کو حاضر کر کے اس کی طرف دیکھا تو اب کی بار نفس کا سر بھی نفس کے باقی جسم کی طرح کمزور اور لاغر ہو چکا تھا تو نفس نے حضرت بایزید بسطامی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں نے اپنے سر کے بڑے اور موٹے ہونے کا تجھ پر ظاہر کر کے اپنا ستیا ناس کر دیا۔ حضرت بایزید بسطامی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اے نفس! شکر ہے۔ کہ تیرا کفر ٹوٹا۔ لہٰذا میرے لئے رمضان کے ایک روزے کا کفارہ ادا کرنا آسان ہے۔ لیکن تیری انانیت کا

توڑنا بہت مشکل اور دشوار ترین کام تھا۔ الحمد للہ کہ اس کی تدبیر بن گئی۔

اے نفس تیرا اور میرا بھلا اسی کام میں ہے۔ کہ تو ضعیف اور ناتواں رہے۔ بلکہ تیری بھلائی اور نشو ونما تیری موت اور فنا میں ہے۔ دانہ اور تخم جب تک زمین کے اندر اپنے آپ کو فنا کر کے مٹا نہیں دیتا۔ سرسبز۔ بلند اور زندہ نہیں رہ سکتا۔ مگر افسوس ہے ان لوگوں پر جو کہ خودی کو بلند کرتے ہیں۔ جبکہ شیطان لعین نے خودی اور انانیت کا علم بلند کیا تو سر کے بل گرا اور راندۂ درگاہ ہوا۔

نفس کی حقیقت

یہاں لفظ نفس کی حقیقت کے متعلق ذرا مختصر سی تشریح کیے دیتا ہوں وہ یہ کہ عوام تو کیا خواص بھی نفس کی حقیقت جاننے میں غلطی کر جاتے ہیں۔ نفس عربی میں جان' وجود اور ذات کو کہتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

''وَيَحْذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ'' ''اللہ تعالیٰ تم کو اپنی ذات سے ڈراتا ہے''۔

یعنی اللہ رب العزت کی ذات میں قیاسی گھوڑے دوڑانے اور چوں چرا کرنے سے پرہیز کرو بعض لوگوں کو شیطان بطور وسوسہ ایسے خیالات میں مبتلا کر دیتا ہے۔ کہ خدا تعالیٰ کیوں کر بن گیا اور اسے کس نے پیدا کیا ہوگا۔ اور اس سے پہلے کیا تھا۔ لہٰذا انہی وساوس کی بابت اللہ رب العزت حدیثِ قدسی میں ارشاد فرماتا ہے۔ کہ:

''تفکروا فی ایۃ و صفاتہ ولا تکفروا فی ذاتہ''

''یعنی فکر کرو اور اس کی آیات اور صفات میں اور نہ فکر کرو اس کی ذات میں''۔

نفس سے مراد ذات' جان اور کبھی دل بھی ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے!

''فَاَسَرَّهَا يُوْسُفُ فِيْ نَفْسِهٖ''

''پس یوسف علیہ السلام نے اس بات کو اپنے دل میں اپنے بھائیوں سے چھپالیا''۔

اللہ رب العزت فرماتا ہے کہ

"فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِہٖ خِیْفَۃً مُّوْسٰی"

"یعنی موسیٰ علیہ السلام اپنے دل میں ڈر گیا"۔

اور کبھی نفس سے مراد شخص بھی ہوتا ہے۔

جیسا کہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں فرماتا ہے:

"لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَہَا"

"یعنی اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی وسعت اور طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا"۔

یہ تو لفظ نفس کے دو مشہور معنی ہیں۔ کہ جن کو ہر شخص سمجھتا اور جانتا ہے۔ لیکن بعض مقامات پر قرآن مجید میں لفظ نفس اپنے حقیقی اور باطنی معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے۔ کہ جس کے صوفیائے کرام کے نزدیک مختلف مراتب اور درجات ہیں۔

نفس کی اقسام

نفس کی درج ذیل بڑی اقسام ہیں۔

۱۔ نفس امارہ　　۲۔ نفس لوامہ

۳۔ نفس ملہمہ　　نفس مطمئنہ

(۱) وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْٓءِ۔

(زلیخا نے کہا) کہ میں اپنے نفس کی برأت نہیں کرتی۔ اور اسے گناہ سے بری نہیں سمجھتی۔ کیونکہ یہ (شہوانی) نفس ہمیشہ برائی کا امر کرتا ہے"۔

بہرحال اس آیت میں نفس امارہ کا ذکر ہے۔

(۲) لَآ اُقْسِمُ بِیَوْمِ الْقِیٰمَۃِ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَۃِ۔

"خبردار میں قیامت کے دن کی قسم کھاتا ہوں۔ اور نفس لوامہ کی۔ یعنی گناہ پر ملامت کرنے والے نفس کی قسم کھاتا ہوں"۔

بہرحال نفس لوامہ نفس امارہ کی نسبت افضل درجہ میں ہے۔ اور اسے قیامت کے دن پر یقین ہوتا ہے۔ اور ایسے نفس والے شخص کو اس کا نفس گناہ کرنے پر ملامت کرتا ہے۔ لیکن نفس امارہ والا قیامت کے دن پر اور یوم حشر پر یقین نہیں رکھتا اور گناہ کے بعد ندامت اور پشیمانی محسوس نہیں کرتا۔ لیکن نفس لوامہ والا گناہ تو کر بیٹھتا ہے۔ لیکن بعد میں اسے نفس ملامت کرتا ہے۔ خوف اور ندامت کا احساس دلاتا ہے۔

(۳) وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰهَا قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ۔

''یعنی میں قسم کھاتا ہوں نفس ملہمہ۔ یعنی الہام پانے والے کی اور اس ذات کی کہ جس نے اسے درست کیا۔ اور اس کی اصلاح کر لی پس اس نے الہام کے ذریعے سے اسے ملہمہ بنا کر نیکی اور برائی سے آگاہ کیا۔ تحقیق چھٹکارا پا گیا کہ جس نے اس کو پاک اور مزکی کیا۔ اور ہلاک ہوا کہ جس نے اسے آلودہ اور خراب کیا۔ لہٰذا یہاں نفس ملہمہ کی صفت بیان کی گئی ہے۔

(۴) يٰۤاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِىْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِىْ فِىْ عِبٰدِىْ وَادْخُلِىْ جَنَّتِىْ ۔

''یعنی اے نفس مطمئنہ مائل اور متوجہ ہو جا اپنے رب کی طرف ایسی حالت میں کہ تو اس سے راضی ہو۔ اور وہ تجھ سے راضی ہو۔ پس تو اب میرے خاص برگزیدہ بندوں کی صف میں شامل ہو جا۔ اور میری جنت اور قرب و رضا میں داخل ہو جا''۔

اس آیت میں ایک نقطہ یاد رکھنے کے قابل کہ سوائے اللہ رب العزت کے برگزیدہ اور خاص بندوں کی صف میں داخل ہونے کے جنت میں داخلہ نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا جنت میں داخل ہونے سے پہلے اللہ رب العزت کے خاص بندوں کے گروہ میں شمولیت اور ان کی

رفاقت لازمی ہے بعض حاسد اور متکبر لوگ اللہ رب العزت کے انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام کی رفاقت اور پیروی سے روکنے کے لئے طرح طرح کے حیلے اور بہانے تراش کر لوگوں کو ان مقدس رفقاء کی شمولیت سے یہ کہہ کر روکتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام یا اولیائے کرام خواہ کتنے ہی بڑے پاک صاف کیوں نہ ہو جائیں وہ اللہ رب العزت کے سامنے ہیچ اور ناچیز ہیں۔ اور اللہ رب العزت انسان کے لئے کافی ہے حالانکہ یہ لوگ اللہ رب العزت کے ہوتے ہیں۔ اور نہ ہی اللہ رب العزت کے دوستوں کے ہوتے ہیں۔ اور جو اللہ رب العزت کے دوست ہیں وہ انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام کے بھی دوست ہوں گے اور جو لوگ اولیائے کرام کے گلہ گو اور دشمن ہوں وہ اللہ رب العزت کے بھی دشمن ہوں گے۔ کیونکہ دوست کا دوست بھی انسان کا دوست ہوتا ہے۔ اور دوست کا دشمن اور بدخواہ انسان کا دشمن ہوا کرتا ہے۔ لہٰذا یہ لوگ شیطانی کبر اور حسد کے سبب اللہ رب العزت اور اس کے دوستوں کے درمیان تفریق ڈالتے ہیں۔ اور انہیں ایک دوسرے کی ضد اور مقابل و مخالف بنا کر سادہ لوح لوگوں کو دھوکا دیتے ہیں۔ حالانکہ اللہ رب العزت کے دوست اپنے آقا و مولا کے ساتھ متفق، متحد اور یکتا ہوتے ہیں۔ اور اس کی ذات میں فنا اور بقا حاصل کئے ہوئے ہوتے ہیں۔ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

”اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَیُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَیَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَکْفُرُ بِبَعْضٍ لا وَّ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَّخِذُوْا بَیْنَ ذٰلِکَ سَبِیْلًا ۝ لا اُولٰٓئِکَ ہُمُ الْکٰفِرُوْنَ حَقًّا“

”تحقیق وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے منکر ہیں۔ اور چاہتے ہیں۔ کہ ان کے درمیان جدائی اور تفرقہ ڈالیں اور کہتے ہیں۔ کہ ہم اللہ اور اس کے رسولوں میں سے بعض کو۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو تو مانتے ہیں۔ اور بعض۔ یعنی رسولوں کو نہیں مانتے اور چاہتے ہیں۔ کہ ان کے مابین کوئی راستہ نکالیں یہ

لوگ حقیقی طور پر کافر ہیں"۔

اگر حقیقت کو جانیں تو انسان کے اندر نفس اور ہوا تمام برائیوں۔ گناہوں۔ معصیتوں۔ ظلم وستم۔ فسق وفجور۔ شرک وکفر اور نفاق کا موجب اور باعث ہے۔ اور نفس ہی بڑا آذر اور بت گر ہے۔ کہ جس نے انسان کے لئے دنیا میں اللہ تعالیٰ کے بے شمار شریک معبود اور دیگر بت کھڑے کر کے اسے اللہ رب العزت سے روگردان کیا ہوا ہے کہیں سامری کے بچھڑے کی طرح سونے اور چاندی کے بت پوجے جاتے ہیں۔ اور کہیں عورت کی مورتی کھڑی کر دی جاتی ہے۔ اور اسے خوش کرنے کے لئے ہر قسم کا حرام اور ناروا پیسہ جمع کر کے اس کے قدموں پر نچھاور کیا جاتا ہے۔ اور کہیں زن' زر اور زمین کے بتوں کی خاطر ناحق خون بہائے جاتے ہیں۔ اور کئی طرح کے خون بہائے جاتے ہیں۔ اور طرح طرح کے ظلم و ستم ڈھائے جاتے ہیں کہیں سیاسی جاہ اور اقتدار اور ہوسِ حکمرانی کے صنم اکبر کی دہلیز پر بڑے بڑے فلاسفر۔ علماء۔ فضلاء سر جھکا کر ڈنڈوت کرتے ہیں۔ کہیں جوع الارض اور تیل کے چشموں کے لئے لڑائیاں لڑی جاتی ہیں۔ غرض دنیا میں جس قدر بے شمار غیر معبود پوجے جاتے ہیں اور جس قدر اللہ رب العزت کی نافرمانیاں اور روگردانیاں کی جاتی ہیں۔ ان تمام کا واحد موجد اور باعث نفس اور ہوا ہے۔ اور پتھر کے چند بتوں کو تو محض بے وجہ بدنام کیا جاتا ہے کبھی کسی پتھر یا دھاتی بت نے کسی کو گناہ کرنے پر آمادہ نہ کیا۔ اور نہ ہی کسی کو معصیت کی ترغیب دی ہے۔ اور کیا اللہ رب العزت کا یہ فرمان (معوذ اللہ) محض مہمل اور بے معنی ہے۔ کہ

"اَفَرَاَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـهَهٗ هَوَاهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشَاوَةً"

"کیا تو نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے خواہش نفسانی کو اپنا معبود بنا رکھا ہے۔ اور باوجود علم کے اللہ تعالیٰ نے اسے گمراہ کیا ہوا ہے۔ اور اس کے دل پر

مہر لگا دی ہے۔ اور اس کی آنکھوں اور کانوں پر پردے ڈال دیئے ہیں''۔

یہ آیت ان جاہل علماء کے حق میں نازل ہوئی ہے جو باہر سے ہر شئے کو شرک کا نام دیتے ہیں۔ اور اندر اپنے نفس و ہوائے صنم اکبر کو سمار کھا ہے۔

''افسوس کس قدر اندھیرا اور ظلم ہے۔ کہ انسانی کور چشم حاسد بے عمل علماء نے اپنے نفس کے صنم اکبر کو تو اپنے پہلوؤں میں پرورش میں لیا ہوا ہے۔ اور دن رات اس کی پوجا پاٹ میں مصروف ہیں اور اللہ رب العزت کے محبوں اور محبوبوں۔ یعنی انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام جو کہ اللہ رب العزت کے راستے کے عمدہ ترین رفیق رہنما اور معاون و مددگار ہیں ان کی امداد اور استعانت کو شرک کا نام دیتے ہیں۔ اور بندگان خدا کو اللہ رب العزت کے راستے سے روکتے ہیں''۔ یہ روایت نفسانی زبانی عالم اور باطنی علم سے جاہل لوگوں کے حق میں آئی ہے کیوں کہ

''العلم حجاب اکبر'' علم بہت بڑا حجاب ہے۔

اللہ رب العزت نے نفس اور ہوا کی مخالفت میں دنیا کی تمام نیکیاں کہ جن سے انسان دخول جنت کا حقدار ہوتا ہے اسی ایک آیت میں جمع کر دی ہیں۔ اللہ رب العزت فرماتا ہے: کہ

''وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِىَ الْمَاْوٰى''

''اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے سامنے قیامت کے روز حساب کے لئے حاضر ہونے سے ڈرا اور اس نے اپنے نفس کو ہوا وحوس سے روک لیا پس جنت ایسے ہی شخص کا ٹھکانا ہے''۔

غرض دین اور مذہب میں جس قدر غلط فہمیاں واقع ہوتی ہیں۔ اور جس قدر لوگ گمراہیوں اور غلط و باطل راستوں میں پڑے ہوئے ہیں وہ سب نفس کی حقیقت سے جہالت اور بے خبری کے باعث صراط مستقیم سے بھٹک گئے ہیں۔ اللہ رب العزت نے

جب حضرت آدم علیہ السلام کا بت تیار کیا۔ اور فرمایا کہ

''فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُّوْحِي فَقَعُوْا لَهُ سٰجِدِيْنَ''

''جب میں اس میں اپنی روح پھونک کر اسے اپنی خلافت سے سرفراز فرمالوں تو اے ملائکہ! تم اس کے آگے سجدہ کرلو''۔

تو سب ملائکہ نے اسے سجدہ کیا۔ لیکن ابلیس لعین نے حسد اور کبر کے باعث سجدہ کرنے سے انکار کر دیا اور کہا ''انا خیر منه'' میں اس سے بہتر ہوں۔ اور خلافت ارضی کا صرف میں ہی مستحق ہوں تب اللہ رب العزت نے اسے راندۂ درگاہ اور ملعون کر دیا اس کے بعد اس نے حضرت آدم علیہ السلام اور اس کی اولاد کی دشمنی اور گمراہی کا بیڑا اٹھایا۔

''قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِيْنَ''

یعنی اے اللہ! تیری عزت کی قسم میں تمام بنی آدم کو گمراہ کر کے اپنے ہمراہ جہنم لے جاؤں گا۔

تب ابلیس لعین نے اپنے لشکر کے ہمراہ حضرت آدم علیہ السلام کے بت کا جائزہ لیا اور اس کے جسم کے اندر داخل ہو کر سر سے لے کر پاؤں تک ہر ایک جگہ کو جانچ کر باہر آیا تو شیطانی لشکر نے اس سے دریافت کیا کہ تو نے حضرت آدم علیہ السلام کے جسم کو کیسا پایا تو شیطان نے جواب دیا کہ اس خلیفہ اور اس کی نسل کو گمراہ کرنا میرے لئے بہت ہی آسان ہے۔ کیونکہ اس کے اندر متضاد عناصر آگ۔ پانی۔ مٹی اور ہوا ہیں۔ یہ متلون مزاج کبھی کسی بات پر قائم اور برقرار نہ رہ سکے گا۔ اور اس کا تمام ڈھانچہ بالکل بے کار اور بے حکمت معلوم ہوتا ہے۔ صرف اس کے اندر گاؤ دم گنبد کی شکل کا دل بائیں جانب لٹک رہا ہے اس کے اندر جانے کا مجھے کوئی راستہ نہ مل سکا اس میں شاید اللہ رب العزت نے خلافت اور حکمت کا خزانہ رکھا ہوا ہو۔ خیر میں بھی اس میں اپنی جگہ بناتا ہوں تب اس نے نفسانیت کے سبب اس پر تھوکا اور اس کے حسد اور کبر کی تھوک حضرت آدم علیہ السلام کی ناف والی جگہ پر جا

پڑی کہ جس سے آدم علیہ السلام کے جسم میں نفس کا تخم اور بیج پڑا اور یوں حضرت آدم علیہ السلام کے وجود میں شیطان لعین کا پہلا مورچہ اور کمین گاہ بنی۔ اور شیطان لعین نے اپنے لشکر سے کہا کہ میں اس تھوک اور نفس کے سبب آدم کی نسل کے اندر آیا اور جایا کروں گا۔ اور اسے گمراہ کروں گا۔ اور اپنی اسی تھوک کی تاثیر سے اس کے اندر حسد' کبر اور انانیت کی آگ بھڑکاؤں گا کہ جب اللہ رب العزت انہیں اپنی طرف دعوت اور ہدایت کے لئے انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام مبعوث فرمائے گا۔ تو میں انہیں اسی نفس کی انانیت۔ حسد اور کبر کے سبب ان سے بدظن کر کے ان کی پیروی' راہنمائی اور رہبری سے انہیں روک لوں گا۔ اور صراط مستقیم کا دروازہ ان پر بند اور مسدود کر دوں گا۔ کہتے ہیں۔ کہ اس کے بعد ایک دن جنت میں حضرت آدم علیہ السلام کی نظر ساق عرش پر پڑی اور وہاں کلمہ ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' لکھا ہوا دیکھا تو اس نے اللہ رب العزت سے سوال کیا کہ اے اللہ! ''تو وحدہٗ لاشریک'' ہے تیرے نام کے ساتھ یہ دوسرا نام محمد ﷺ کیسے ہے؟ اللہ رب العزت نے فرمایا کہ اے آدم! یہ نام محمد رسول ﷺ میرے نبی آخر زمان کا ہے جو تیری نسل سے ہو گا۔ اور اے آدم! تجھ سے خطا واقع ہو گی۔ اور تیرے اس فرزند ارجمند کی شفاعت سے تیری خطا معاف ہو گی جس کی طرف اس حدیث شریف میں حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ ''میں تمام اولاد آدم کا سردار ہوں۔ اور قیامت کے روز لواء الحمد۔ یعنی شفاعت کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہو گا۔ اور تمام انبیاء اور مرسلین میرے اس جھنڈے تلے ہوں گے۔'' حضرت آدم علیہ السلام نے جب سنا کہ میری اولاد میں سے ایک شخص میری شفاعت کرے گا۔ تو اس نے کہا کہ تعجب ہے۔ کہ بیٹے کو باپ کا شفیع بنایا جا رہا ہے۔ لہٰذا شیطانی تھوک کے اثر سے حضرت آدم علیہ السلام کے اندر نفسانیت اور انانیت کی آگ بھڑک اٹھی اور نفس کا تخم بھی پھوٹ پڑا اور نفس کی بنیاد پڑی اور حسد۔ کبر۔ طمع اور حرص وغیرہ اوصاف سے نفس کا خمیر بنا۔ حرص کے سبب حضرت آدم علیہ السلام نے بتقاضائے

''الانسان حریص علی مامنع شجرۃ''

ممنوعہ کھالیا اور جنت بریں سے نکالے گئے۔

پس حضرت آدم علیہ السلام کی نسل اور اولاد میں یہی نفسانیت اور انانیت بطور ورثہ چلی آئی اور اللہ رب العزت کے برگزیدہ بندوں کی رفاقت اور راہنمائی سے مانع ہوئی۔ اور شیطانی توحید کا بہانہ بنایا کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

''وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ یُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا''

''اور انہیں منع کیا انسان کو کبھی کسی چیز نے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آویں۔ مگر اس بات نے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم جیسے انسان ہمارے لئے رسول بنا کر بھیجے ہیں''۔

نفس کافر بد بلائے اہل زشت

نفس آدم را برآورد از بہشت

پس نفس میں حسد، کبر اور بخل کوٹ کوٹ کر بھر دیا گیا اور وہ کسی بشر کو اپنے سے بہتر اور برتر تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہوتا اور یہ صفت بخل کی اس فطرت میں ودیعت کر دی گئی ہے۔

اللہ رب العزت قرآن مجید میں فرماتا ہے! کہ

''وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ''

''نفسوں پر بخل مسلط کیا گیا ہے''۔

ایک اور جگہ فرماتا ہے کہ

''وَمَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ''

''جو لوگ اپنے نفس کے بخل سے بچا لئے گئے ہیں پس وہ چھٹکارا پانے والوں میں سے ہیں''۔

اور اسی نفس کے فطرتی بخل کے سبب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ کہ یہ

علامت انسان کے بخل کے لئے کافی ہے۔ کہ اس کے سامنے میرا نام لیا جائے۔ اور وہ مجھ پر درود شریف نہ پڑھے۔ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''جس کے سامنے میرا نام لیا جائے۔ اور وہ مجھ پر درود شریف بھیجنا بھول گیا۔ گویا وہ جنت کا راستہ بھول گیا۔'' آپ اس حدیث شریف سے اس زمانے کے حاسدین اور منافقین کے ایمان کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ کہ جن کا دن رات کا مشغلہ ہی انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام کی شان کو گھٹانا۔ بلکہ ان کا الٹا گلہ کرنا بنا ہوا ہے۔

یہی نفس کا فطری بخل۔ حسد اور کینہ ہی تو ہے۔ جو کہ پہلے پہل خود ابلیس لعین کے لئے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدۂ تعظیم و تکریم کرنے سے رکاوٹ بنا۔ اور پھر اس کے تھوک کے سبب حضرت آدم علیہ السلام اور اس کی اولاد میں بطور ورثہ چلی آئی اور انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام کی تعظیم و تکریم کے لئے رکاوٹ بنا۔

ہر انسان کے اندر یہی نفس شیطان لعین کی طرح ''اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ'' اور فرعون کی طرح ''اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی'' کہہ کر اپنی بڑائی اور برتری کا نقارہ بجاتا ہے۔ اور ہر شخص کے کان میں یہی کہتا ہے۔ کہ ''ہم چو تو دیگرے نیست'' ''کہ تیرے برابر اور کوئی نہیں ہے)۔

نفس مارا کمتر از فرعون نیست
لیک او راعون مارا عون نیست

جب تک اپنے سے کسی برتر ہستی کا اقرار نہ کیا جائے اس کی راہبری رہنمائی اور پیشوائی میں اپنے نفس اور ما سویٰ ہوا کو چھوڑ کر اور سب سے منہ موڑ کر اپنے مولا کی طرف قدم نہ رکھا جائے۔ اور اس کی طرف سلوک اور طریقت کا راستہ طے نہ کیا جائے صرف زبانی اور شیطانی توحید سے نفس مرتا ہے۔ اور نہ ہی اس کی سرکوبی ہوتی ہے۔ اور نہ ہی نفس اور ہوا سے نجات ملتی ہے۔ بلکہ ظاہری علم اور بدنی عبادات کے سبب انانیت اور خودی سے

اور زیادہ فربہ اور موٹا ہو جاتا ہے۔ اور جب تک نفس نہ مرے دل کبھی زندہ نہیں ہوسکتا۔

نفس ناتواں کشت الا ظل پیر

دامن ایں نفس کش را سخت گیر

نفسانی خواہشات کو قابو رکھنے کے لئے حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا فرمان

اے فقیر! تو غنا (امیری) کی آرزو مت کر ہوسکتا ہے۔ کہ وہ غنا تیری ہلاکت کا سبب بن جائے۔ اور اے بیمار! تو عافیت اور صحت مت کر کہ ہوسکتا ہے۔ صحت تیری ہلاکت کا سبب ہو۔ لہٰذا عاقل بن اپنے ثمر (نتیجہ) کی حفاظت کر انجام خود ہی محمود ہوگا جو امر مقدور تیرے ساتھ ہے اسی قدر پر کفایت کر لے اور اس سے زیادہ طلب نہ کر اور راضی برضا رہ اور ہر وہ چیز جو تیرے سوال پر اللہ رب العزت کی طرف سے ملے گی ضرور مکدر اور ناپسندیدہ ہوگی۔ تحقیق میں نے اس کو آزمایا ہے۔ مگر جب بندہ کو اس کے قلب کی جانب سے سوال کیا جائے۔ اور اس پر سوال ہو۔ تو اس میں برکت دی جائے گی۔ اور اس سے خرابیاں دور کی جائیں گی تیرا اکثر سوال عفو و عافیت دائمی صحت و سلامتی دارین کا ہو۔ اور فقط اسی پر تیرا اکتفا اور قناعت ہو۔ اللہ رب العزت پر کسی خاص چیز کو پسند کر اور اس پر جبر کر ایسا کرنا تجھے ہلاک کر دے گا۔ تو اللہ رب العزت اور اس کی مخلوق پر اپنی جوانی اور قوت اور مال و دولت کی وجہ سے جبر و گردن کشی نہ کر۔ بہ تحقیق وہ تجھ پر حملہ کر دے گا۔ اور اپنی پکڑ سے پکڑ لے گا۔ اس کی پکڑ سخت مصیبت میں ڈالنے والی ہے۔

تجھ پر افسوس! تیری زبان مسلم ہے۔ اور تیرا قلب مسلم نہیں ہے' تیرا قول مسلمان ہے۔ اور فعل مسلمان نہیں ہے۔ تو جلسوں میں انجمنوں میں مسلمان ہے خلوت میں مسلمان نہیں۔ کیا تو نہیں جانتا کہ تحقیق جب تو نماز پڑھے گا۔ اور روزہ رکھے گا۔ اور تمام افعال خیر کرے گا۔ اور یہ تیرے اعمال اللہ رب العزت کے لئے نہ ہوں گے پس پھر تو منافق ہے۔

اور اللہ رب العزت کی رحمت سے دور ہونے والا۔ ابھی تو اپنے تمام افعال و اقوال اور خراب و ناکارہ مقاصد سے توبہ کر لے۔

مردان خدا کے اعمال میں رنگ برنگ کا نفاق نہیں ہوتا وہ اعلیٰ مراتب پر پہنچنے والے اور یقین رکھنے والے اللہ رب العزت کو ایک ماننے والے اچھے اخلاص والے اور اللہ رب العزت کی بلاؤں آفتوں پر صبر کرنے والے اور اس کی نعمتوں اور کرامات پر شکر کرنے والے ہوتے ہیں۔ اولاً وہ اللہ رب العزت کا ذکر اپنی زبانوں سے کرتے ہیں۔ پھر اپنے قلوب سے اس کے بعد اپنے باطن سے بھی ذکر کرتے ہیں۔ اور جب ان لوگوں کو مخلوق کی طرف سے بلائیں اور تکلیفیں آتی ہیں۔تو وہ ان کے روبرو اس پر تبسم کرتے اور مسکراتے رہتے ہیں ان لوگوں کے نزدیک دنیا کے بادشاہ معزول ہیں۔ اور تمام زمین میں بسنے والے ان کے نزدیک مردے اور عاجز و محتاج ہوتے ہیں ان کے اعتبار سے جنت گویا ویرانہ ہے۔ اور دوزخ باعتبار ان کے گویا بجھی ہوئی ہے ان کی نظر میں زمین ہے نہ آسمان نہ ان دونوں کے رہنے والے ان کی جہتیں متحد ہو کر ایک جہت بن گئی ہے اولاً دنیا اور اہل دنیا کے ساتھ تھے۔ پھر آخرت اور اہل آخرت کے ساتھ رجوع کیا۔ پھر اللہ رب العزت اور دنیا و آخرت کے ساتھ متوجہ ہو کر اس سے اور اس کے محبوبوں کے ساتھ مل گئے۔ اور اپنے دلوں سے اللہ رب العزت کے ساتھ سیر کرتے رہے۔ یہاں تک کہ واصل بحق ہو گئے۔ اور رفیق کو راستہ چلنے سے پہلے ہی حاصل کر لیا۔ اے لوگو! تم اپنے اور اللہ رب العزت کے درمیان میں ان کے ذکر سے دروازہ کھول لو۔ کیونکہ مردان خدا ہمیشہ خدا تعالیٰ کا ذکر کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ ذکر الٰہی ان سے ان بوجھوں کو دور کر دیتا ہے ان کا غیر اللہ تعالیٰ سے مفقود رہنا۔ اللہ رب العزت کے ساتھ موجود ہونا ہوتا ہے انہوں نے ارشاد باری تعالیٰ سنا:

''فاذکرونی الآیۃ''

تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا۔ اور تم میرا شکر کرو ناشکری نہ کرو۔

پس انہوں نے اس طمع سے کہ اللہ رب العزت ان کا ذکر کرے۔ اللہ رب العزت کے ذکر کو لازم پکڑ لیا ہے انہوں نے احادیث قدسیہ * میں اللہ رب العزت کا فرمان سنا ''اناجلیس... الخ'' میں ان کا ہم نشین ہوں جو مجھے یاد کریں پس اس خیال سے کہ ان کو اللہ رب العزت کی ہم نشینی کا شرف مل جائے۔ انہوں نے مخلوق کی محبتوں کو چھوڑ دیا اور ذکر الٰہی پر قانع ہو گئے۔

اے لوگو! تم ہوس میں گرفتار ہونے سے بچو' تم بوالہوس ہو یہ علم بغیر عمل کے تمہیں کچھ بھی فائدہ نہ دے گا تم اس بات کے حاجت مند ہو کہ اس سیاہی پر جو کہ سپیدی پر ہے۔ یعنی احکام الٰہی پر عمل کرتے رہو۔ ان پر تمہارا عمل برابر روزانہ اور سالانہ رہے۔ تاکہ اس کا پھل تمہارے ہاتھوں میں آئے۔ اور تم اس سے ثمر بھی پالو۔

اے غلام! تیرا علم تجھ کو ندا دیتا ہے۔ اور پکارتا ہے۔ کہ اگر تو نے میرے موافق عمل نہ کیا تو میں تیرے اوپر حجت ہوں۔ اور اگر عمل کیا تو تیرے واسطے حجت ہوں*

حضور اقدس ﷺ نے فرمایا ہے۔ کہ بہ تحقیق علم عمل کو پکارتا ہے پس اگر عامل نے اس کو قبول کیا عامل بنا ورنہ علم چلا جاتا ہے اس کی برکت اٹھ جاتی ہے۔ اور اس کی حجت باقی رہتی ہے۔ اللہ رب العزت سے علم کا تیرے لئے شفاعت کرنا چلا جاتا ہے۔ اور تیری حاجات میں علم کا تم سے کام دینا منقطع ہو جاتا ہے اس کا مغز چلا جاتا ہے۔ اور چھلکا باقی رہ جاتا ہے۔ اس لئے کہ مغز علم عمل ہے۔ اور تیری پیروی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بغیر اس کے کہ تو حضور اقدس ﷺ کے تمام اقوال پر عمل کرے درست نہ ہو گی۔ لہٰذا جب تو حضور سرکار دو عالم ﷺ کے تمام احکامات پر عمل کر لے گا۔ تو تیرا قلب اور باطن تیرا

---

* حدیث قدسی یہ ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا ہو کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اور وہ علاوہ قرآنی آیات قرآن مجید کے ہو۔

* تیرے واسطے حجت۔ یعنی ایسا گواہ اور دلیل جو تجھے نافع ہو۔ اور تیرے اوپر حجت۔ یعنی ایسا گواہ اور دلیل جو تجھے نقصان پہنچائے۔

استقبال کرے گا۔ اور علم ان دونوں کو ان کے رب تعالیٰ کے حضور داخل کرے گا۔ اور تیرا علم تجھ کو پکارتا ہے۔ مگر افسوس کہ تو اس کو نہیں سنتا وہ اس لئے کہ تیرا قلب ہی نہیں ہے۔ لہٰذا اے لوگو! تم علم کی آواز کو قلب و باطن کے کان سے سنو اور اس کے قول کو قبول کرو تو اسی طرح نفع حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اور عمل والا علم تجھ کو اس عالم سے نزدیک کر دے گا جو کہ علم کا اتارنے والا ہے۔ لہٰذا جب تو اس حکم پر جو کہ علم اول ہے پر عمل کرے گا۔ تو تیرے اوپر دوسرے علوم کا چشمہ ابلنے لگے گا۔ اور تیرے پاس دو چشمے والے ہو جائیں گے اور تیرا قلب حکم و علم ظاہر و باطن سے پر ہو جائے گا اس وقت تیرے اوپر اس کی زکوۃ ادا کرنا واجب ہو گی کہ تو اپنے بھائیوں اور مریدین کی اس کے ساتھ غم خواری کرے۔ علم کی زکوۃ علم کا پھیلانا اور مخلوق الٰہی کو اللہ رب العزت کی طرف دعوت دینا ہے۔

اے غلام! جس نے صبر کیا اس نے قدرت پالی اور صاحب قادر و قدرت ہو گیا اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا ہے۔ کہ ''اِنَّمَا يُوَفّٰى الاية '' صابر بے شمار اجر پائیں گے۔ لہٰذا تو اپنے کسب سے کھا اور دین فروشی کر کے نہ کھا' کسب کر اور کھا۔ بلکہ اس سے دوسروں کی غم خواری بھی کر۔ کیونکہ مسلمانوں کی کمائی صدیقین کے اطباق ہوتے ہیں ان کے پیشوں اور محنت مزدوری کی غرض صرف خدمت فقراء اور مساکین ہوتی ہے وہ خلق کو راحت پہنچانے کے متمنی رہتے ہیں۔ اور اس سے اللہ رب العزت کی رضا مندی اور محبت طلب کرتے ہیں۔ انہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد سنا ہے۔ کہ آدمی اللہ رب العزت کی عیال ہیں۔ اور محبوب ترین آدمیوں کا طرف اللہ تعالیٰ کی وہ ہے جو اس کے عیال کو زیادہ نفع پہنچانے والے ہوں۔ اولیائے کرام بمقابلہ خلق کے گونگے' بہرے' اندھے ہیں۔ کیونکہ جب ان کے قلوب اللہ رب العزت سے نزدیک ہو جاتے ہیں وہ غیر اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں سنتے اور نہ ہی غیر کو دیکھتے ہیں ان کو قرب الٰہی سے شدت کا رونا آتا ہے۔ اور ان کو ہیبت الٰہی ڈھانپ لیتی ہے۔ اور محبت الٰہی ان کے محبوب کے پاس ان کو مقید کر دیتی ہے

پس وہ مقام جلال و جمال کے درمیان رہتے ہیں۔ اور دائیں بائیں متوجہ نہیں ہوتے ان کے لئے اگلا ہی رخ ہوتا ہے۔ اور وہ بھی بغیر پیچھے کے آدمی جن فرشتے اور تمام مخلوق ان کی خدمت کرتے ہیں اور حکم وعلم ان کے خادم بن جاتے ہیں۔ اور فضل الٰہی ان کو غذا دیتا ہے۔ اور انس ان کو سیراب کرتا ہے۔ اور وہ فضل الٰہی کے طعام سے کھانا کھاتے ہیں۔ اور اس کے شراب انس سے سیراب ہوتے ہیں ان کے پاس کلام الٰہی کا سننا ایسا مشغلہ ہے۔ کہ وہ دوسری طرف متوجہ ہی نہیں ہوتے پس مردان خدا ایک جنگل و میدان میں ہیں۔ اور دوسری مخلوق دوسرے میدان میں ہوتی ہے۔ اور مردان خدا اللہ رب العزت کے حبیب ﷺ کی نیابت میں مخلوق الٰہی کو خدائی احکام بتانے اور ممنوعات سے روکتے ہیں امر بالمعروف و نہی عن المنکر ان کا کام ہوتا ہے۔ اور حقیقت میں یہی لوگ حضور رسالت مآب ﷺ کے وارث ہوتے ہیں ان کا کام مخلوق کو خالق کے دروازہ کی طرف لوٹا کر لانا ہوتا ہے یہی لوگ اللہ رب العزت کی حجت لوگوں پر قائم کر دیتے ہیں۔ اور تمام چیزوں کو ان کے مقامات پر لا کر رکھ دیتے ہیں اور ہر صاحب فضل کو اس کا حصہ فضل دیتے رہتے ہیں وہ دوسروں کے حقوق نہیں لیتے اور ان پر اپنے نفوس و طبائع کے لئے قبضہ نہیں کرتے ان کی محبت ان کا بُغض اور دشمنی صرف اللہ رب العزت کے لئے ہوتی ہے یہ لوگ سرتاپا محو عشق الٰہی میں رہتے ہیں۔ اور کسی غیر کا ان میں حصہ نہیں جس کو یہ تمام خوبیاں ملیں اس کو کامل صحت نصیب ہوئی۔ نیز نجات و کامیابی اور تمام انسان۔ جنات اور فرشتے اور زمین و آسمان کی تمام مخلوق اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ بلکہ مطیع و فرمانبردار ہو جاتے ہیں۔

اے منافق! اے خلق و اسباب کے پجاری! اللہ رب العزت کے بھول جانے والے باوجود ان حالات کے کہ جن میں تو مبتلا ہے۔ تو یہ چاہتا ہے۔ کہ یہ مراتب ولایت تیرے قبضہ میں آ جائیں دربار الٰہی میں تیری کوئی قدر و منزلت نہیں ہے پہلے تو اسلام کو قبول کر پھر علم پڑھ اس کے بعد عمل کر پھر توبہ اخلاص کے ساتھ کر ورنہ تجھے کبھی ہدایت نہ ملے گی۔

تیرے اوپر افسوس! کہ میرے اور تیرے درمیان میں کوئی عداوت نہیں ہے البتہ میں تجھ سے سچی بات کہتا ہوں۔ اور کوئی فروگذاشت دین الٰہی کے معاملے میں تجھ سے نہیں کرتا میں نے مشائخین کرام کی سخت کلامی مسافرت وفقر کی سختی میں تربیت پائی ہے جب میں تجھ سے کچھ کلام کروں۔ تو تو اس کو اس حالت میں سن اور قبول کر کہ وہ اللہ رب العزت کی طرف سے ہے وہ اس لئے کہ اس نے اس کلام کے ساتھ مجھے گویا کیا ہے۔ اور جب تو میرے پاس آئے تو اپنے نفس اور خواہشات سے برہنہ ہو کر آ۔ اگر تجھے بصیرت ہوتی تو تو مجھے بھی ان چیزوں سے برہنہ دیکھتا۔ لیکن تیری خراب عقل کی آفت ہے اے میرے مرید مجھ سے صحبت اور نفع لینے کے خواہش مند میری ایسی حالت ہے۔ کہ جس میں خلق ہے۔ اور نہ دنیا و آخرت۔ پس جو شخص میرے ہاتھ پر توبہ کرے اور میرے ساتھ رہے اور میرے ساتھ حسن ظن بھی رکھے اور جو کچھ میں کہوں اس پر سختی سے عمل کرے۔ وہ بھی انشاء اللہ العزیز ایسا ہی ہو جائے گا اللہ رب العزت انبیاء علیہم السلام کی تربیت اپنے کلام سے وحی فرماتا تھا۔ اور اولیائے کرام کی تربیت اپنی حدیث شریف سے جو کہ الہام قلبی ہے بہ تحقیق اولیائے کرام انبیاء علیہم السلام کے وصی، خلیفہ اور غلام ہیں۔ اللہ رب العزت کلام فرمانے والا ہے۔ اور کلام اس کی صفت ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خود خالق اور علام الغیوب نے ہی کلام فرمایا تھا نہ کہ مخلوق نے اور بلاواسطہ اللہ رب العزت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ایسا کلام فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی اس کلام کو سمجھ گئے۔ اور وہ کلام ان کی عقل تک پہنچ گیا اور اللہ رب العزت نے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بلاواسطہ کلام فرمایا۔ یہ قران مجید ہمارے اور تمہارے درمیان میں اللہ رب العزت کی مضبوط ترین رسی ہے۔ کہ جس کو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اللہ رب العزت کے پاس سے لا کر اس کے حبیب رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل کر دیا۔ جیسا کہ اس نے فرما دیا اور خبر دے دی کہ جس کا انکار جائز نہیں ہے۔ اے

باری تعالیٰ! تو تمام کو ہدایت عطا فرما دے۔ اور تمام پر توبہ ڈال دے۔ اور تمام پر اپنی خاص رحمت فرما دے۔

امیر المؤمنین معتصم باللہ سے ایک حکایت ہے۔ کہ اس نے موت کے وقت کہا تھا کہ قسم بخدا میں اللہ رب العزت کی طرف اس فعل سے جو کہ میں نے حضرت احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا تھا باوجود اس کے کہ میں خود اس کا بانی نہ تھا۔ اور میرے سوا دوسرے لوگ اس کا سبب بنے تھے البتہ توبہ کرتا ہوں۔

اے مسکین! ایسے امر میں کہ تجھے مفید نہ ہو کلام نہ کر گفتگو چھوڑ دے۔ اور مذہبی امور میں تعصب کو چھوڑ دے۔ اور ایسی چیز میں مشغول ہو جا جو کہ تجھے دنیا و آخرت میں تیرے لئے نافع ہو۔ عنقریب تو اپنی حالت و نتیجہ کو دیکھے گا۔ اور میرے کلام کو یاد کرے گا۔ اور قریب تر معرکہ میں نیزہ بازی کے وقت ایسی حالت میں کہ تیرے سر پر ''خود'' نہ ہو گا۔ اور معلوم ہو گا کہ کتنے زخم کاری اس پر اور وہ کیسے پورے ہوں گے تو اپنے قلب کو دنیا کے مقاصد اور غموں سے خالی کر لے۔ تحقیق تو ان کی وجہ سے عنقریب ماخوذ ہونے والا ہے۔ (یا دنیا سے کوچ کرنے والا ہے) دنیا میں اچھا عیش و آرام طلب نہ کر۔ کیونکہ یہ تیرے ہاتھ کبھی نہ لگے گا یہ سب دھوکہ ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا ہے کہ ''عیش بس آخرت کا عیش ہے'' اپنی امیدیں اور آرزوئیں کم سے کم کرتا کہ تجھے دنیا میں زہد مل سکے۔ تحقیق کہ سارا زہر یہی امید کا کم سے کم کر دینا ہے برے ہم نشینوں کو چھوڑ دے۔ لہٰذا

(مختصر ترین یہ ہے۔ کہ معتصم باللہ کے دور میں اس کے زمانہ میں چند معتزلہ نے دخل پالیا تھا۔ اور انہوں نے یہ بدعقیدگی پھیلا دی کہ قرآن مجید مخلوق اور حادث ہے۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے دلائل شرعیہ کے تحت ان سے اختلاف کیا۔ معتصم باللہ پر معتزلہ والوں کا خوب رنگ چڑھا ہوا تھا جس وجہ سے حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو کم از کم ایک ہزار درّے لگوائے گئے۔ اس کے بعد آپ کو ہمیشہ کے لئے مقید کر دیا گیا۔ مگر آپ نے حق گوئی نہ چھوڑی اور آخر تک یہی فرماتے رہے کہ قرآن مجید اور کلام الٰہی غیر مخلوق اور غیر حادث ہیں۔ اور بالآخر انہی زخموں کے نتیجہ میں آپ کا وصال شریف ہو گیا۔)

تیرے اور ان کے درمیان میں جو دوستی ہے اس سے قطع تعلق کر لے تو اپنے اور صالحین کے درمیان دوستی جوڑ لے اور جو تیرا قرابت دار برے ہم نشینوں میں سے ہو اس کو چھوڑ دے۔ اور جو دور والا۔ مگر اچھے ہم نشینوں میں سے ہو اس کے ساتھ دوستی قائم کر لے۔ لہٰذا جس سے تو دوستی کرے گا اس کے اور تیرے درمیان قرابت ہو جائے گی۔ اور جس سے تو دوستی کرے گا اس کو پہلے آزما لے بعض لوگوں سے سوال کیا گیا۔ کہ قرابت کیا چیز ہے؟ جواب ملا کہ باہمی دوستی اور مقسوم (جو قسمت میں لکھا ہوا ہے) اور غیر مقسوم کی طلب چھوڑ دے۔ تیرا مقسوم کو طلب کرنا بیکار اور مشقت میں پڑنا ہے۔ لہٰذا وہ تو ملے گا ہی۔ اور تیرا غیر مقسوم کو طلب کرنا عذاب جانی اور رسوائی ہے۔ اور اسی معنی کو حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے۔ ''کہ بندہ کے واسطے ایسی چیز کا طلب کرنا جو کہ اس کے لئے قسمت نہیں لکھی گئی من جملہ عقوبات الٰہی کے ہے''۔

اے غلام! اللہ رب العزت کی مصنوعات سے اس کے وجود پر دلیل پکڑ اس کی صنعت اور کاریگری میں تفکر کر بیشک تو اس کے صانع بنانے والے کی طرف پہنچ جائے گا یقین والے مسلمان عارف باللہ کی دو ظاہری آنکھیں ہوتی ہیں اور دو ہی باطنی آنکھیں ہوتی ہیں۔ پس وہ اپنی ظاہری آنکھوں سے زمین والی مخلوق کو دیکھتا ہے۔ اور اپنی باطنی آنکھوں سے آسمان والی مخلوق کو دیکھتا ہے۔ پھر اس کے قلب سے پردہ اٹھ جاتا ہے پس وہ اللہ رب العزت کو بلا تشبیہہ اور بلا کیف کے دیکھتا ہے۔ اور وہ مقرب الٰہی اور محبوب ذات ہو جاتا ہے۔ اور محبوب سے کوئی شئے پوشیدہ نہیں ہوتی جب یہ اپنے نفس' طبیعت' خواہشات' شیاطین اور خلق سے علیحدہ ہو جاتا ہے۔ اور اپنے ہاتھ سے زمین کے خزانوں کی کنجیاں پھینک دیتا ہے۔ اور اس کے نزدیک پتھر اور مٹی یکساں ہو جاتے ہیں۔ تو اس کے قلب سے حجاب دور کر دیئے جاتے ہیں۔ لہٰذا تو عقلمند بن اور جو کچھ میں کہتا ہوں اس پر غور کر۔ اور اسے سمجھ۔ تحقیق میں نے کلام پا لیا ہے میں اس کے مغز اور باطن کے ساتھ کلام کرتا ہوں۔

اوراس کے حقیقی معنی ظاہر کر دیتا ہوں۔

اے غلام! خالق کی شکایت خلق کی جانب نہ لے کر جا۔ بلکہ جو گلہ شکوہ ہو اسی کی طرف لے کر جا وہی قدرت والا ہے۔ اور اس کے غیر کو کوئی قدرت نہیں۔ مصائب۔ بیماریوں اور صدقات کا مخفی رکھنا منجملہ نیکوئیوں کے خزانہ کے ہے۔ لہٰذا اپنے دائیں ہاتھ سے صدقہ دے۔ اور اس بات کی کوشش کر کہ اس کو تیرا بایاں ہاتھ بھی نہ جانے اور دنیا کے سمندر سے بچ کہ اس میں کثرت سے مخلوق ڈوب چکی ہے لاکھوں میں کوئی ایک ہے جو اس سے نجات پاتا ہو وہ بہت گہرا دریا ہے۔ وہ ہر ایک کو ڈبو دیتا ہے البتہ اللہ رب العزت اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے نجات دے دیتا ہے۔ جیسے مسلمانوں کو قیامت کے دن دوزخ سے نجات دے گا۔ تحقیق دوزخ ہر ایک کو عبور کرنا ہے (پل صراط اس پر قائم ہے) اور اللہ رب العزت اپنے بندوں میں سے جسے چاہے گا دوزخ سے نجات دے دے گا۔ کیونکہ اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے۔ کہ تم میں سے کوئی ایسا نہیں ۔ جو کہ دوزخ پر نہ آئے۔ اور اللہ رب العزت کا حتمی وعدہ پورا کیا گیا ہے۔ اور دوزخ سے فرمان الٰہی ہو گا کہ تو سلامتی کے ساتھ ٹھنڈی ہو جا۔ تا کہ تجھ پر سے میرے ایماندار بندے جو کہ میرے لئے اخلاص کرنے والے میری طرف رغبت کرنے والے اور میرے غیر سے نفرت کرنے والے ہیں باامن گزر جائیں۔ یہ ارشاد الٰہی دوزخ سے بھی ویسا ہی ہو گا جیسا کہ نارِ نمرود سے ہوا تھا جو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نذر آتش کرنے کے لئے روشن کی گئی تھی ارشاد ہوا تھا

''يَا نَارُ كُونِىْ بَرْدًا وَّ سَلاَمًا عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ''

لہٰذا جب دنیا کے سمندر سے کسی کو نجات دینا مقصود ہوتا ہے۔ تو ارشاد ہوتا ہے۔ کہ اے سمندر! میرے اس محبوب اور مقصود بندے کو امان دے۔ اور غرق نہ کر پس یہ محبوب بندہ اس سے نجات پالیتا ہے۔ اور خشکی پر سیر کرتا ہے۔ جیسا کہ دریائے نیل سے نجات دی تھی۔ لہٰذا اللہ رب العزت اپنے فضل سے جس کو جو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ اور جس کو چاہتا ہے

بے شمار رزق دیتا ہے تمام تر بھلائیاں اور عطایات دینا' منع کرنا' امیر بنانا' کسی کو فقیر کر دینا یہ سب اسی کے ہاتھ میں ہے۔ عزت اور ذلت بھی اسی کے ہاتھ میں ہے اس کے ساتھ میں کسی غیر کے قبضہ میں کچھ نہیں ہے۔ پس عقل مند وہی ہے جو اس کے دروازہ کو لازم پکڑ لے اور غیر کے دروازہ سے منہ پھیر لے۔ اے بدبخت! میں تجھ کو دیکھتا ہوں کہ تو خلق کو راضی کرتا ہے۔ اور اپنے خالق کو ناراض کر رہا ہے۔ تو دنیا کی عمارت بنا کر اپنی آخرت کو برباد اور ویران کرتا جا رہا ہے۔ تو عنقریب پکڑا جائے گا۔ اور تجھ کو وہی پکڑے گا کہ جس کی پکڑ شدید اور دردناک ہے۔ اور اس کی پکڑ رنگ برنگ اور مختلف طریقوں کی ہے وہ کبھی تجھے تیری حکومت سے موقوف کر کے پکڑے گا کبھی بیماری' ذلت اور محتاجگی سے پکڑتا ہے کبھی تیرے اوپر سختیاں اور غموں کو مسلط کر دے گا۔ اور کبھی مخلوق کی زبانوں اور ہاتھوں کو تیرے اوپر مسلط کر دے گا وہ اپنی تمام مخلوقات کو تیرے اوپر مسلط کر دے گا۔ لہٰذا اے غافل! ہوشیار ہو جا۔ اے اللہ رب العزت! ہمیں اپنے لئے۔ اور اپنے ساتھ بیداری عطا فرما۔ آمین۔

اے غلام! تو دنیا حاصل کرنے میں مثل رات کے لکڑیاں جمع کرنے والے کی طرح نہ ہو جا کہ وہ تو یہ بھی نہیں جانتا کہ اندھیرے میں اس کا ہاتھ کہاں جا پڑے گا۔ اور اس کے ہاتھ میں کیا آ جائے گا میں تو تجھے تیرے کاروبار میں مثل رات کے لکڑیاں جمع کرنے والے کے ہی دیکھ رہا ہوں۔ اور وہ ایسی اندھیری رات میں لکڑیاں جمع کر رہا ہے۔ کہ جس میں چاند ہے۔ اور نہ ہی اس کے ساتھ کوئی چمک اور روشنی ہے۔ اور وہ ایسے بن میں سے لکڑیاں جمع کر رہا ہے۔ کہ جس میں گھنے ہوئے جھاڑ اور ہلاک کرنے والے موذی جانور ہیں۔ اور قریب ہے۔ کہ ان میں سے کوئی شئے اسے ہلاک کر دے۔ لہٰذا تو دن میں لکڑیاں جمع کرنے والا بن (یعنی غفلت چھوڑ کر ہوشیاری اختیار کر) پس تحقیق آفتاب کی روشنی تجھے ضرر رساں چیزوں کے حملہ سے بچنے میں مدد دے گی تو اپنے تصرفات کاروبار میں توحید و

شرع اور تقویٰ و پرہیز گاری کے آفتاب کے ساتھ رہ۔ تحقیق یہ آفتاب تجھ کو خواہشات نفسانیہ، نفس و شیطان اور شرک کے جال اور پھندے سے روک دے گا۔ اور جو تیری چال و سیر میں عجلت ہے اس سے تجھے منع کرے گا۔

تجھ پر افسوس! جلدی نہ کر اور جو کوئی اپنے کام میں عجلت کرتا ہے وہ خطاء کرتا ہے۔ یا اس کے قریب ہو جاتا ہے۔ اور جو تاخیر سے سمجھ بوجھ کر کام کرتا ہے صائب ہوتا ہے۔ یا قریب بالصواب۔ کیونکہ جلد بازی شیطان کی طرف سے ہے۔ جبکہ تاخیر اور آہستگی رحمٰن کی جانب سے ہوتی ہے۔ اور اکثر جو چیز کہ تجھے عجلت اور جلد بازی پر برانگیختہ کر دیتی ہے وہ دنیا کے جمع کرنے کی حرص کہلاتی ہے۔ لہٰذا تو قناعت کر۔ تحقیق قناعت ایسا خزانہ ہے۔ جو کہ ختم نہیں ہوتا اور اس چیز کو جو کہ تیرے لئے مقسوم نہیں اور کبھی تیرے قبضہ میں بھی نہ آئے گی اسے تو کیوں طلب کرتا ہے۔ اور جو چیز تیرے لئے کارآمد ہے۔ اور ضروری ہے۔ کہ اس پر راضی ہو جا اور اسی پر قناعت اختیار کر لے اور اس کے ماسواء میں بے رغبتی اختیار کر اور اسی امر کو لازم پکڑ کہ تو عارف باللہ ہو جائے۔ لہٰذا اس حالت میں تو ہر چیز سے بے پرواہ ہو جائے گا۔ اور تیرا قلب اسرار معرفت سمجھنے لگے گا۔ اور تیرا سرّ باطن صاف ہو جائے گا۔ اور اللہ رب العزت تجھے تعلیم دے گا پس دنیا تیرے سرّ کی آنکھوں میں اور آخرت تیرے قلب کی آنکھوں میں اور ماسویٰ اللہ تعالیٰ تیرے سرّ کی آنکھوں میں ذلیل و خوار محسوس ہوں گے۔ تیرے نزدیک اللہ رب العزت کے علاوہ اور کوئی شئے بڑی عظمت والی نہ رہے گی۔ اور تو اس حالت میں تمام تر مخلوق کے نزدیک معظم و محترم کر دیا جائے گا۔

اے غلام! اگر تیرا ارادہ و مقصود یہ ہے۔ کہ تیرے روبرو کوئی دروازہ بند نہ رہے۔ پس تو تقویٰ اختیار کر لے۔ تحقیق تقویٰ ہر دروازہ کی کنجی ہے۔ کیونکہ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا ہے۔ کہ ''ومن یتق .... الخ'' اور جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے وہ تقویٰ کرتا ہے''۔ اور اللہ رب العزت اس کے نکلنے کا دروازہ بنا دیتا ہے۔ اور اس کو ایسی جگہ سے رزق

دیتا ہے۔ کہ جس کا گمان بھی نہیں ہوتا۔ لہٰذا تو اللہ رب العزت سے اپنے نفس' اہل و عیال اور اپنے مال اور اپنے اہل زمانہ کے بارے میں معارضہ جھگڑا نہ کر اور تجھے شرم نہیں آتی کہ تو اللہ رب العزت کو تغیر و تبدیل کا حکم دیتا ہے کیا تو اس سے بڑا حاکم' زیادہ علم والا اور زیادہ رحمت والا ہے۔ تو اور تمام مخلوق اس کے بندے ہیں وہ تیرا اور تمام مخلوق کا تدبیر کرنے والا ہے۔ اگر تو دنیا اور آخرت میں اللہ رب العزت کی مصاحبت چاہتا ہے۔ تو اپنے اوپر سکوت اور گونگے پن کو لازم پکڑ کر چپ ہو جا۔ اولیائے کرام اللہ رب العزت کے روبرو باادب رہنے والے ہوتے ہیں وہ اس کے سامنے کسی قسم کی حرکت نہیں کرتے اور نہ اس کی اجازت کے بغیر ایک بھی قدم اٹھاتے ہیں۔ لہٰذا جب تک ان کے قلوب کو اللہ رب العزت کی طرف سے صریح اجازت نہ ملے وہ مباح چیزوں میں سے کوئی چیز کھاتے ہیں۔ اور نہ ہی پیتے ہیں۔ اور نہ ہی نکاح کرتے ہیں۔ اور نہ تمام اسباب میں سے کسی بھی سبب میں تصرف کرتے ہیں جب تک کہ ان کے قلوب کو اللہ رب العزت کی طرف سے صریح اجازت نہیں ملتی۔ لہٰذا ان کا قیام اللہ رب العزت کے ساتھ رہتا ہے۔ جو کہ قلوب اور آنکھوں کا لوٹ پوٹ کرنے والا ہے۔ بلکہ ان کو تو اللہ رب العزت کے بغیر قرار ہی نہیں ہوتا اور دنیا میں وہ اللہ رب العزت سے ملاقات اپنے قلوب سے کرتے ہیں۔ اور آخرت میں اس سے اپنے اجسام کے ساتھ ملیں گے۔

اے اللہ رب العزت! ہم کو دنیا اور آخرت میں اپنی ملاقات نصیب فرما اور اپنے قرب و دیدار پاک سے لذت دینا اور ان لوگوں سے کر دے جو کہ تیرے ماسویٰ کو چھوڑ کر صرف تجھی سے رضا مند ہیں۔ اور ہم کو دنیا اور آخرت میں نیکیاں عطا فرما اور دوزخ کے عذاب سے بچا۔ آمین۔

از الفتح الربانی

مصنف: ''حضرت سلطان شیخ سید عبد القادر جیلانیؒ''

تصفیۂ دل (قلب)

القرآن: اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لِذِکۡرٰی لِمَنۡ کَانَ لَہٗ قَلۡبٌ اَوۡ اَلۡقَی السَّمۡعَ وَہُوَ شَہِیۡدٌ ○ (ق، آیت: ۳۷)

ترجمہ: ''جو صاحب دل ہیں یا کان لگا کر حضور قلب سے بات سنتا ہے اس کے لئے تو ان باتوں میں کافی نصیحت ہے۔''

الحدیث: ان فی جسد ادم لمضغة اذا صلحت صلح بها سائر الجسد واذا افسدت فسدبها سائر الجسد الا وھی القلب۔

ترجمہ: ''ان کے وجود میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جب اس کی حالت بہتر ہوتی ہے۔ تو سارا جسم سنور جاتا ہے۔ اور جب وہ بگڑتا ہے۔ تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے۔ اور وہ دل (قلب) ہے۔

ایک بات اچھی طرح واضح رہے۔ کہ انسان کے بدن میں دل ٹھیک اس طرح ہے۔ کہ جس طرح جہان میں عرش اور جس طرح عالم کبریٰ میں عرش رحمانی صفت کے ظہور اور قائم ہونے کا مقام ہے بالکل اسی طرح عالم صغریٰ میں دل رحمانی صفات کے ظہور اور قائم ہونے کا مقام ہے فرق ان میں صرف یہ ہے۔ کہ عرش کو رحمانیت کے ظہور اور استوار کا شعور نہیں اور نہ ہی وہ قابل ترقی ہے۔ تا کہ وہ دوسری صفات کے ظہور اور استوار کا مقام بن سکے گو کہ عرش کی رحمانیت کی صفت کے ظہور کا اختصاص حاصل ہے۔ مگر دل کو اس پر اس

وجہ سے شرف حاصل ہے۔ کہ دل کو شعور بھی ہے۔ اور قابل ترقی بھی ہے۔ کیونکہ یہ تمام صفات الوہیت کا محل ظہور ہو سکتا ہے یہی وجہ ہے۔ کہ عرش عالم اجسام کی انتہا ہے۔ اور وہ بسیط ہے اس کا ایک رخ عالم ملکوت میں ہے اور ایک عالم اجسام میں۔ اللہ رب العزت کے فیض کی مدد جو کہ عالم اجسام کو پہنچتی ہے وہ رحمانیت کی صفت کی وجہ سے ہے اسی لئے کہتے ہیں۔

''يَا رَحْمٰنُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةُ '' کیونکہ رحمانیت کی صفت سے عالم خلقت کو بہرہ حاصل ہے خواہ آشنا ہو یا کوئی بیگانہ اور حیوانات ہوں یا کہ جمادات اور نیز کہتے ہیں۔ کہ ''رحمٰن'' ایک خاص اسم ہے۔ اور اس کی صفت عام ہے۔ جبکہ ''رحیم'' ایک عام نام ہے۔ جبکہ اس کی صفت بہت خاص ہے۔ چنانچہ سوائے اللہ رب العزت کے کسی کو ''رحمٰن'' نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ رحمانیت کی صفت سے تمام مخلوقات کو حصہ ملتا ہے۔ جیسا کہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہے کہ

''اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا '' (مریم' آیت: ۹۳)

''جتنی مخلوقات آسمان اور زمین میں ہے سبھی قیامت کے دن خدائے رحمٰن کے آگے اس کی غلام بن کر حاضر ہو گی۔''۔

اسم رحمٰن فعلان کے وزن پر ہے۔ اور یہ مبالغے کا صیغہ ہے۔ جبکہ رحیم ہر ایک شخص کو کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ یہ ایک عام نام ہے۔ لیکن رحیمی صفت سے سوائے اہل رحمت کے کسی اور کو بہرہ حاصل نہیں ہوتا کیونکہ

''اِنَّ رَحْمَةَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ''

''بیشک اللہ تعالیٰ کی رحمت نیکی کرنے والوں کے قریب ہے''۔

چونکہ رحمانی صفت کے فیض کا اثر عالم اجسام میں پہنچتا ہے۔ اس لئے سب سے پہلا جسم جو اس کو قبول کرتا ہے وہ عرش ہے۔ کیونکہ ملکوت کی طرف سب زیادہ نزدیک یہی جسم

ہے۔ کہ جس کا ایک رخ عالم ملکوت میں ہے۔ اور اسی وجہ سے وہ فیض حق کے قابل ہے۔ اور اس فیض کو تقسیم کرنے والا بھی عرش ہی ہے۔ کیونکہ عرش سے تمام جسمانیات کی طرف راہیں پھیلتی ہیں۔ اور انہی راہوں سے ہو کر تمام جسمانیات کو فیض پہنچتا ہے۔ اور یہ فیض ہمیشہ پہنچتا ہے۔ اور اسی فیض کی وجہ سے کائنات کا وجود بھی قائم ہے۔ اور قائم رہ سکتا ہے۔ اور اگر ایک لحظہ بھی اس فیض کی مدد نہ پہنچے تو کسی بھی چیز کا وجود باقی نہ رہے اور یہی

''کُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ'' (القصص' آیت:۸۸)

''سوائے اس کے چہرہ کے باقی ہر ایک چیز ہلاک ہونے والی ہے''۔

کا بھید ہے اب چونکہ عرش میں رحمانیت کی صفت کے فیض کی مدد کو قبول کرنے کی استعداد تھی۔ اس لئے اس صفت سے کہ

''اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی'' (مریم' آیت:۵)

''رحمٰن عرش پر قائم ہے''۔

مشرف ہوا۔ مگر عرش کو اس دولت کی خبر بالکل نہیں۔

اسی طرح انسانی دل (قلب) کا ایک رخ عالم روحانیت میں ہے۔ اور دوسرا رخ عالم قالب میں ہے۔ اور اسی وجہ سے دل کو قلب بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ قلب میں ہر دو عالم۔ یعنی روحانی اور جسمانی ہیں۔ اور فیض الٰہی کی جو مدد روح سے اسے حاصل ہوتی ہے۔ اور اس سے ہر ایک عضو کی طرف ایک باریک شریان جاتی ہے انہیں شریانوں سے ہو کر روح کا فیضان ہر عضو کو پہنچتا ہے پس دل ہی ہر ایک عضو کو پہنچاتا ہے۔ اور اگر ایک لحظہ اس فیض کی مدد منقطع ہو جائے۔ تو قالب کام کرنے کے قابل نہیں رہتا اور زندگی کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے۔ اور جس شریان میں سدہ ہو جائے۔ اور فیض نہ پہنچے اس عضو میں حرکت نہیں رہتی اور مفلوج ہو جاتا ہے۔

لٰہذا عالم صغریٰ میں دل ٹھیک اس طرح ہے۔ کہ جس طرح عالم کبریٰ میں عرش کا مقام

ہے۔ مگر دل میں ایک خاص خاصیت ہے۔ اور اسے خاص قسم کا شرف حاصل ہے۔ جو کہ عرش کو بھی حاصل نہیں ہے وہ یہ ہے۔ کہ دل کو فیض روح کی قبولیت کا شعور ہے۔ اور یہ شعور عرش کو حاصل نہیں ہے۔ اس لئے کہ روح کا فیض دل کو صفت کے طور پر پہنچتا ہے۔ اور روح کی صفت سے دل کو زندگی، علم اور عقل حاصل ہوتی ہے اور اسی سے دل ادراک کرتا ہے جس طرح کہ آفتاب کا نور گھر میں روشنی داخل کرتا ہے۔ اور وہ گھر روشنی سے منور ہو جاتا ہے۔ اور گھر میں نور ظاہر ہوتا ہے۔ اور نورانیت میں آفتاب کی صفت سے موصوف ہو جاتا ہے۔ لیکن رحمانیت کی صفت کا فیض عرش کو فعل اور قدرت سے پہنچتا ہے نہ کہ صفت سے اس لئے عرش باقی رہتا ہے۔ اور اس فعل اور قدرت کا اثر موجودات کو پہنچتا ہے۔ اور اسی کی بدولت سب کو بقا ہے۔ لیکن ان میں زندگی نمودار نہیں ہوتی اور نہ ہی علم اور معرفت جو کہ اللہ رب العزت کی صفت بھی ہے اس میں نمودار ہوتی ہے۔ جیسا کہ آفتاب پہاڑ پر نورانیت کی صفت سے فیض کرتا ہے۔ جس سے پہاڑ آفتاب کی نورانیت کی صفت سے موصوف ہو جاتا ہے۔ مگر لعل اور عقیق پر جو کہ کان کے اندر ہیں فعل اور قدرت دوسرے لعل اور عقیق پر فیضان کرتے ہیں۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ۔ چونکہ دل میں اس بات کی استعداد ہے۔ کہ جب طریقت کے قانون کے مطابق اس کا تصفیہ ہو جائے۔ تو یہ صفت رحمانیت کے استواء کا مقام بن جاتا ہے۔ اور جب پرورش، تصفیہ اور توجہ میں کمال کو پہنچ جاتا ہے۔ تو تمام صفات الوہیت کی تجلیات کا مظہر ہو جاتا ہے۔ اور یہاں تک کہ عرش وغیرہ تمام کائنات صفات الٰہی میں کسی ایک صفت کے انوار کی تجلیات کے مقابلے میں نہیں آ سکتے۔ کیونکہ جب کوہ طور پر تجلی ہوئی تو پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔ بلکہ انہوں نے چھوٹی انگلی پر انگوٹھا رکھ کر فرمایا کہ اس قدر نور نے تجلی کی تھی کہ جس سے پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا تھا۔ یعنی چھوٹی انگلی کے آدھے سر کے برابر اور اللہ رب العزت کے بعض ایسے بندے بھی ہیں۔ کہ جب ان کے دل کو تربیت اور تصفیہ

حاصل ہو جاتا ہے۔ اور سید الاوّلین والآخرین صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کی متابعت میں دلی کمال کو پہنچ جاتا ہے۔ تو دن رات میں کئی مرتبہ اللہ رب العزت کی جلالی اور جمالی صفات کے انوار کے دریا تجلی کرتے رہتے ہیں۔ اور وہ ان انوار کو توفیق الٰہی سے برداشت کئے جاتے ہیں۔ لہٰذا اب یہ سمجھنا چاہئے۔

۱- دل (قلب) کیا ہے؟

۲- تصفیۂ دل (قلب) کس چیز میں ہے؟

۳- دل کی تربیت کیسے ممکن ہے؟

۴- دل کس طرح اپنے کمال کو پہنچتا ہے؟

دل (قلب) کیا ہے؟

دل ایک ایسی صورت ہے۔ کہ جسے حضور سرور کائنات صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے ''مضغہ'' یعنی گوشت کا ٹکڑا فرمایا ہے۔ اور جو کہ تمام مخلوقات میں ہے۔ جبکہ حیوانات میں صنوبری شکل کا گوشت کا ٹکڑا سینے کے بائیں پہلو میں ہے۔ اور اس گوشت کے ٹکڑے میں روحانی جان ہوتی ہے جس کا نتیجہ عقل ہے۔ اور وہ دل (قلب) حیوانات میں نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ خاص انسان کا حصہ ہوتا ہے۔ مگر صفائی کے مرتبہ میں محبت کے نور سے دل کو خاص قسم کی جان حاصل ہوتی ہے۔ جو کہ ہر شخص کو نصیب نہیں ہوسکتی۔ جیسا کہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

''اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰی لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ'' (ق آیت: ۳۷)

''یعنی جس شخص کا دل ہوتا ہے اس کے دل کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہوتی ہے''۔

یہاں دل سے مراد ظاہری دل نہیں ہے باقی حقیقی دل مراد ہے۔ کہ جسے ہم دل و جان بھی کہتے ہیں۔

تصفیۂ دل (قلب) کس چیز میں ہے؟

دل میں سنورنے اور بگڑنے کی قابلیت ہے اس کا سنورنا اس کی صفائی میں ہے۔ اور اس کا بگڑنا اس کی کدورت میں ہے دل کی صفائی حواس کی سلامتی پر منحصر ہے۔ کہ تمام عالم شہود کا انہیں پانچ حواس کے ذریعے ادراک کرتا ہے اسی طرح دل میں بھی پانچ حسیں ہیں۔ کہ جب وہ سلامت ہوتی ہیں۔تو ان سے عالم غیب۔ یعنی ملکوتیات اور روحانیات کا ادراک کرسکتا ہے۔ چنانچہ دل کی آنکھیں ہیں۔ کہ جن سے مشاہدات غیبی کو دیکھا جاتا ہے کان ہیں۔ کہ جن سے اہل غیب اور حق کو سنتا ہے ناک ہے' کہ یہ سونگھنے کی طاقت ہے۔ کہ جس سے غیبی خوشبوؤں کو سونگھا جاتا ہے۔

تالو ہے۔ کہ جس سے ایمان کی حلاوت محبت کے ذوق اور عرفان کے طعام کو چکھتا ہے۔

جس طرح قالب میں چھونے کی طاقت ہر عضو میں ہے۔ تا کہ تمام جسم کے ذریعے ملموسات سے فائدہ اٹھایا جا سکے اسی طرح قلب میں اس کے مقابلہ پر عقل ہے۔ کہ جس کے وسیلے کل معقولات سے نفع اٹھاتا ہے۔

بہرحال جس دل میں یہ دلی حواس سلامت ہوں تو اسے دلی اصلاح کی بدولت بدنی نجات حاصل ہو جاتی ہے۔ اور جس کے یہ حواس سلامت نہیں ہوتے اس کے لئے وہ دل کے بگاڑ اور تمام بدن کی ہلاکت کا باعث ہوتے ہیں۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ کہ ''انسان کے جسم میں گوشت کا ایک ایسا ٹکڑا ہے۔ کہ جب وہ ٹھیک ہو۔تو سارا جسم ٹھیک ہوتا ہے۔ اگر وہ خراب ہو۔تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے۔'' اسی کو قلب کہتے ہیں۔ اللہ رب العزت بھی قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ جس کے دلی حواس سلامت ہیں۔ اسی کو نجات اور درجات مل سکتے ہیں۔

''اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْم''

اور ''جس کے دلی حواس میں خلل واقع ہوا وہ گویا دوزخ کے لئے پیدا کیا گیا ہے''۔

کیونکہ اللہ رب العزت خود قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے!

''وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ز لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ز وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ز وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا''

(اعراف' آیت: ۱۷۹)

''ہم نے بہت سے جن اور انسان دوزخ کے لئے ایسے بنائے ہیں جن کے دل تو ہیں۔ لیکن سمجھتے نہیں' آنکھیں تو ہیں۔ لیکن دیکھتے نہیں اور کان تو ہیں۔ لیکن سنتے ہی نہیں''۔

پھر اللہ رب العزت نے ایک اور جگہ پر ارشاد فرمایا کہ

''صُمٌّ بُكْمٌ عُمْىٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ'' (بقرہ' آیت: ۱۸۱)

''گونگے بہرے اور اندھے ہیں پس وہ سمجھتے نہیں''۔

پھر مزید فرمایا کہ

''فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِىْ فِى الصُّدُوْرِ ○''

(الحج' آیت: ۴۶)

''وہ ظاہری آنکھوں سے اندھے نہیں۔ بلکہ سینوں کے اندر ان کے دل اندھے ہیں''۔

اس بارے میں قرآن مجید کے اندر بہت جگہوں پر اللہ رب العزت نے فرمایا ہے۔ کہ جن سے معلوم ہوتا ہے دل کا تصفیۂ حواس کی سلامتی پر منحصر ہے۔

دل (قلب) کی تربیت

دل کی تربیت اس بات میں ہے۔ کہ بارگاہ الٰہی کی طرف توجہ کی جائے۔ اور ماسویٰ

اللہ سے قطع تعلق کیا جائے۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب ماسویٰ حق تعالیٰ کی طرف دیکھا تو اپنے تئیں بیمار فرمایا۔

''فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُوْمِ ○ فَقَالَ اِنِّيْ سَقِيْمٌ ○ '' (والصافات' آیت: ۸۸-۸۹)

''پس ستاروں پر ایک نگاہ ڈال کر کہا کہ میں بیمار ہوں''۔

اور جب اس بیماری سے اللہ رب العزت نے شفا بخشی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نگاہ حق پر پڑی اور فرمایا

''وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنَ''

''جب میں بیمار ہوتا ہوں تو اس (اللہ تعالیٰ) نے شفا بخشی)۔

پھر آپ بارگاہ الٰہی کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور ماسویٰ حق سے قطع تعلق کیا

''اِنِّيْ بَرِيْءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ○ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ'' (انعام' آیت: ۷۹)

''میں اس بات سے بری ہوں۔ جس سے تم شرک کرتے ہو میں اس کی طرف متوجہ ہوتا ہوں جس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا''۔

ایک بات واضح رہے کہ دل کے مختلف اطوار ہیں۔ اور ہر ایک طور میں بہت سے عجائبات اور معانی رکھے گئے ہیں ان کی شرح لکھوں۔ تو کئی جلدوں میں بھی مکمل نہ ہو سکے گی۔ ''حضرت امام ابو حامد محمد بن محمد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مجلد کتاب عجائب القلوب کے نام سے لکھی ہے۔ جو کہ اس موضوع پر ایک عظیم خزانہ کی حیثیت رکھتی ہے''۔

واضح رہے کہ انسان میں دل کا مقام آسمان کی طرح ہے۔ اور بدن زمین کی حیثیت رکھتا ہے وہ اس لئے کہ روح کا آفتاب دل کے آسمان سے بدن کی زمین پر چمکتا ہے۔ اور اس کو زندگی کے نور سے منور رکھتا ہے۔ اور جس طرح روئے زمین پر سات ولایات ہیں۔ اور آسمان کے بھی سات طبقات ہیں۔ اسی طرح قالب کے بھی سات عضو ہیں۔ اور قلب

کے سات طور ہیں۔ جیسا کہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں فرماتا ہے! کہ

''وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ۝'' (نوح' آیت: ۱۴)

''بیشک تمہیں اللہ تعالیٰ نے اطوار کے طور پر پیدا کیا''۔

سے ظاہر ہے۔ اور جس طرح روئے زمین پر ہر ایک ولایت میں ایک خاص خاصیت ہے۔ اور اس میں خاص قسم کی پیداوار ہوتی ہے۔ جو کہ دوسری دیگر ولایات میں نہیں پائی جاتی۔ اسی طرح ہر انسانی عضو میں ایک خاص خاصیت ہے۔ جو کہ کسی دوسرے عضو میں نہیں پائی جاتی اور جو فعل اس عضو سے ہوسکتا ہے وہ کسی دوسرے سے ظہور میں نہیں آ سکتا۔ جیسا کہ آنکھ سے بینائی' کان سے شنوائی' زبان سے گویائی اور ہاتھ سے پکڑنے کا کام اور پاؤں سے چلنے کا کام ہوتا ہے۔

اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

''وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ'' (الاسراء' آیت: ۸۲)

''قرآن مجید میں وہ چیز نازل فرمائی ہے۔ جو کہ مومنوں کے لئے سراسر رحمت اور شفاء ہے''۔

دل کے معالجہ کے بارے میں تمام حاذق اور حکیم مختلف الرائے ہیں۔ اور ہر ایک نے ایک خاص طرز سے علاج شروع کیا ہوا ہے۔ لیکن قرآن مجید کے قانون سے باہر کسی نے بھی قدم نہیں رکھا بعض نے اخلاق تبدیل کرنے اور ان کو مزید سنوارنے کی کوشش کی ہے۔ اور ہر بری صفت انسانی کا علاج اس کی ضد سے کیا گیا ہے۔ تا کہ اس صفت کو نیک بنایا جا سکے جیسا کہ

''العلاج باضدادها''

''علاج ان کے اضداد سے کرنا چاہئے''۔

مشہور ہے مثلاً جب بخل کی صفت کو جو کہ ایک قسم کا مرض ہے۔ دور کر کے سخاوت کی

صفت میں تبدیل کرنا چاہا تو اس کا علاج خرچ اور ایثار کیا۔ اور غضب کی صفت کا علاج تحمل، حلم، غصہ کو پی جانے سے کیا۔ اور حرص کا علاج زہد، ترک دنیا، تجرید اور گوشہ نشینی سے کیا۔ اور لالچ کا علاج تھوڑا کھانے بھوکا رہنے سے کیا گیا اور شہوت کا لذتوں کا ترک کرنے اور ریاضت اور مجاہدہ کرنے سے کیا گیا اسی طرح ہر بری صفت کا علاج اس کی ضد سے کیا گیا ہے۔ جیسا کہ طبیب حضرات گرمی کا علاج مختلف شربتوں سے کرتے ہیں۔ اور سردی کا علاج مختلف گرم معجونوں سے کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ طریقہ تو معقول اور مناسب ہے۔ مگر عمریں صرف کر کے صرف ایک صفت کو بھی پورے طور پر تبدیل نہیں کر سکتے۔ کیونکہ یہ انسان کی ذاتی اور جبلی صفات ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے کہ

''لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ'' (روم آیت: ۳۰)

''اللہ تعالیٰ کا خلق نہیں بدل سکتا''۔

کے مطابق یہ بدل نہیں سکتیں اور ان صفات کا اپنے اپنے مقام میں ہونا لازمی امر ہے۔ بلکہ اصل مقصود ان کو بالکل زائل کر دینے کا نہیں ہے۔

کیونکہ فلسفیوں کو اس مقام پر غلطی واقع ہوئی ہے۔ کہ انہوں نے ان صفات کے بدلنے میں اپنی عمریں برباد کر دیں اور انبیاء علیہم السلام کی پیروی کو واجب نہ جانا۔ بلکہ خیال کیا کہ صرف عقلی نظر سے یہ علاج ٹھیک اور درست ہے۔ مگر انہیں یہ معلوم نہ ہوا کہ دل کے لئے عقل کے علاوہ اور بھی بہت سے آلات ہیں۔ جیسا کہ میں پچھلے صفحات پر بیان کر چکا ہوں انہوں نے خیال کیا کہ سب کچھ عقل ہی ہے حالانکہ یہ صفات حیوانی خود عقل کی دشمن ہیں۔ اور یہ صفات ذمیمہ نیک صفات میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ تو مرد کمال درجہ پر پہنچ جاتا ہے۔ فلسفیوں نے ان کی تبدیلی عقلی نظر سے کرنا چاہی اور کہا کہ۔ چونکہ ہمارے پاس عقل اور علم ہے اس لئے ہمیں انبیاء علیہم السلام کی متابعت کی کیا ضرورت ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی ضرورت اس شخص کو ہوتی ہے۔ جو کہ جاہل اور کم عقل ہو۔ لیکن انہوں نے یہ نہ جانا کہ

عقل کے علاوہ ایک اور آلہ بھی ہے۔ جو کہ انسان کے لئے عقل کی نسبت ہزار گنا شریف ہے۔ جیسا کہ حقیقی دل، سر، روح اور خفی۔ عقل سے ان آلات کا ادراک نہیں ہوسکتا اور نہ ہی ان کو پرورش دے سکتی ہے۔ کیونکہ عقل خود اپنے ہی ادراک سے عاجز ہے۔ اور اپنے آپ ہی میں معلول اور مریض ہے۔ اور علیل کی رائے بھی علیل ہی ہوتی ہے۔ "رای العلیل علیل"

طبیب تداوی والطبیب مریض "طبیب علاج کرتا ہے۔ اور حالت یہ ہے۔ کہ خود طبیب مریض ہے۔"۔

بہرحال اللہ رب العزت انسانی عقل اور نظر کے متعلق قرآن مجید میں فرماتا ہے! کہ

"اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَ يَمُدُّهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ" (بقرہ آیت: ۱۵)

"اللہ تعالیٰ ان سے ہنسی کرتا ہے ان کی سرکشی کو زیادہ کرتا ہے۔ اور وہ بہکے پھرتے ہیں"۔

لہٰذا یہ لوگ اگر اخلاق کی تبدیلی میں اپنی ساری عمر بھی ضائع کر دیں اور شرعی قوانین کے مطابق مجاہدہ بھی کریں تو بھی ایک گھڑی نفس کی محافظت سے باز رہیں تو اتنے میں نفس پھر سرکشی اختیار کرتا ہے۔ اور تمام تعلق توڑ کر اپنی اصلی چراگاہ کی طرف بھاگتا ہے۔ بلکہ جس قدر نفس کے کتے کو باندھا جائے اتنا ہی زیادہ بھوکا ہوتا ہے۔ اور پھر جس وقت ریاضت کی قید سے خلاصی پاتا ہے۔ تو اس کی حرص اور خواہش اور بھی زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ اور تمام صفات کی یہی حالت ہے۔ لہٰذا اس طریق پر دلی صفات اور مقامات کی پرورش کرنے سے ساری عمر میں بھی کسی ایک صفت یا مقام کو پورے طور پر مکمل نہیں کر سکتے اور جب ایک صفت کی پرورش کرتے ہیں۔ تو دوسری میں خلل آ جاتا ہے۔ پس یہ کام صرف خشک مجاہدہ سے نہیں نکل سکتا۔

حکایت

حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ کوفہ میں جب حضرت حسین بن منصور حلاج رضی اللہ عنہ سے ملاقات کرنے گئے تو حضرت حسین بن منصور حلاج رضی اللہ عنہ نے ان سے دریافت کیا کہ اے ابراہیمؒ! اب تک تمہارے حالات کہاں اور کیسے گزر رہے ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ اب تک میں اپنے توکل کو درست کرتا رہا ہوں تو حضرت حسین بن منصور حلاج رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''اے ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ! اپنے باطن کی آبادی ہی میں تم نے تو عمر برباد کر دی توحید میں فنا ہونے کا زمانہ کب آئے گا''۔ پس عاشقوں کا طریقہ اور ہے۔ اور زاہدوں کا اور ہوتا ہے۔

ہمارے مشائخ قدس اللہ کی طریقت میں پہلے تصفیۂ قلب کی کوشش کرتے ہیں نہ کہ تبدیلی اخلاق کی کیونکہ جب دل کا تصفیۂ حاصل ہو جائے۔ اور توجہ بشرط ہاتھ آ جائے۔ تو وہ فیض حق کے قابل ہو جاتا ہے۔ اور پھر فیض حق کے اثر سے تھوڑی مدت میں نفسانی صفات کی وہ وہ تبدیلیاں ہو جاتی ہیں۔ جو کہ مجاہدات اور ریاضتوں سے عمر بھر حاصل نہیں ہوتیں۔ بہرحال دل کے تصفیۂ کی یہ شرط ہے۔ کہ پہلے ظاہری تجرید کی داد دے۔ مثلاً دنیا کو ترک کرنا۔ گوشہ نشینی۔ خلقت سے قطع تعلق ہونا۔ مالوفات طبع کا چھوڑنا اور جاہ و مال کا کھو دینا۔ تا کہ تجرید سے تفرید کے مرتبہ کو پہنچ سکے۔ یعنی ہر محبوب اور مطلوب سے جو ماسویٰ حق ہے باطنی تفرد ہو جائے یہاں تک کہ

''فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ'' ''پس جان لے کہ وہ لا الہ الا اللہ ہے''۔

کی توحید کی حقیقت منہ دکھلا دے۔ کیونکہ توحید کے کئی ایک مقامات ہیں۔ توحید ایمانی اور ہے۔ جبکہ توحید ایقانی اور ہوتی ہے توحید احسانی اور ہے۔ جبکہ توحید عیانی اور ہے۔ اور توحید غیبی اور ہے۔ اور جب تک ان سب کی داد نہ دے لے تب تک

وحدانیت تک نہ پہنچ سکے گا۔ اور جب تک وحدانیت کی داد نہ دے اس وقت تک وحدت کی حقیقت کو نہ پہنچ سکے گا جو کہ بحر احدیت کا ساحل ہے۔ اور ''ان مقامات کی شرح تو انتہائی طول اور طویل ہے۔ اور جو بھی کوئی ان کے متعلق صاحب علم ہے وہ کبھی بھی احدیت اور وحدیت کی شرح کو نہ کھولے گا۔ کیونکہ یہ شرح کئی ہزار جلدوں میں بھی بند نہ ہو سکے گی''۔

لیکن یہ سب اخلاق کی تبدیلی سے حاصل نہ ہوں گی۔ مگر صرف تصفیۂ دل اور توجہ حق سے سب کچھ حاصل ہوگا۔ اور جب مرید اپنی کوشش کے مطابق ظاہری تجرید اور باطنی تفرید سے عہدہ برآں ہوتا ہے اسی قدر تصفیۂ دل میں خلوت کی ملازمت اور ذکر کی مداومت کا اقبال کرتا ہے۔ یہاں تک کہ خلوت میں حواس ظاہری کام سے بیکار ہو جاتے ہیں۔ اور محسوسات کی آفات کی مدد دل سے منقطع ہو جاتی ہے۔ کیونکہ دلی حجاب اور کدورتیں زیادہ تر محسوسات میں حواس کے تصرف سے ظاہر ہوتی ہیں۔

دل را ہمہ آفت از نظر مے خیزد
چوں دیدہ بدید دل در و آویزد

لہٰذا جب حواس کی آفت منقطع ہو گئی تو پھر شیطانی وسوسے اور نفسانی خواہشات رہ جاتی ہیں جن سے دل مکدر اور مشوش ہوتا ہے سو ان کی راہ خطرات کی نفی اور ذکر کے اکثر کرنے سے رک سکتی ہے۔ چنانچہ اس کا مفصل حال انشاء اللہ العزیز ''لا الٰہ الا اللہ'' کے ذکر کی احتیاج والے حصہ میں بیان کروں گا۔

دل کس طرح اپنے مقام کو پہنچتا ہے

ذکر کے انوار اور خواطر کی نفی سے دل شیطانی وسوسوں اور تشویش سے خلاصی پا جاتا ہے۔ اور اپنے احوال میں مشغول ہو جاتا ہے۔ پھر اسے ذکر کا ذوق حاصل ہونے لگتا ہے۔

اور ذکر کی خاصیت سے ہر ایک کدورت اور حجاب جو کہ نفس اور شیطان کے تصرف سے دل میں آ گیا ہو۔ اور محکم بھی ہو گیا ہو اس کے بعد دل سے مٹنا شروع ہو جاتا ہے۔ اور جب وہ کدورت اور حجات کم ہو جاتا ہے۔ تو ذکر کا نور دل کے جوہر پر چمکتا ہے جس سے دل میں وجد اور خوف پیدا ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

''اَلَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ'' (الحج' آیت: ۳۵)

''کہ جن کے دل ذکر الٰہی کے وقت ڈرتے ہیں''۔

بعد ازاں جب دل ذکر الٰہی سے چل پڑتا ہے۔ تو قساوت قلبی دور ہو جاتی ہے۔ اور رقت اور نرمی اس میں داخل ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں آیا ہے۔ کہ

''ثُمَّ تَلِیْنُ جُلُوْدُھُمْ وَقُلُوْبُھُمْ اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ'' (الزمر' آیت: ۲۳)

''پھر ان کے جسم اور ان کے دل ذکر الٰہی کی طرف مائل ہو جاتے ہیں''۔

یعنی ذکر کی مداومت کرتا ہے۔ اور ذکر کا بادشاہ دل کی ولایت پر غالب آ جاتا ہے۔ اور ان تمام چیزوں کو باہر نکال دیتا ہے۔ کہ جن میں حق کی یاد یا حق کی محبت نہ ہو۔ اور سر مراقبہ کے لئے جھکا لیتا ہے۔

جب ذکر سلطانی ولایت دل میں ساکن ہو جاتا ہے۔ تو دل بھی اس کے ساتھ نرم اور مطمئن ہو جاتا ہے۔ اور جو کچھ بھی اس (ذکر سلطانی) کے سوا ہے۔ پھر سب سے وحشت ظاہر کرتا ہے۔ جیسا کہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

''اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُھُمْ بِذِکْرِ اللّٰہِ اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ؁'' (الرعد' آیت: ۲۸)

''اہل ایمان کے دل ذکر الٰہی سے مطمئن ہوتے ہیں۔ اور واقعی ذکر الٰہی سے دلوں کو اطمینان ہوتا ہے''۔

لہٰذا جب تک کسی مخلوق کی محبت یا ذکر دل میں معلوم یا محسوس نہ ہو۔ تو سمجھ لیں کہ ابھی دلی کدورت اور بیماری باقی ہے اس کو لا الٰہ کے مصقلے اور نفی ماسوٰی حق کے شربت سے دور کرنا چاہئے یہاں تک کہ دل پر یہ کلمہ نقش ہو جائے۔ اور ذکر کے جوہر سے دل منور ہو جائے جب یہ حالت ہو جائے گی تو کوئی غیر حق اندیشہ باقی نہیں رہے گا سب کے سب جل جائیں گے۔ اور نقوش کے عوض صرف ذکر کا نور اور کلمے کا جوہر رہ جائیں گے۔

اس وقت سلطان عشق سلطنت کا جھنڈا دل کے شہر میں بھیجتا ہے۔ تا کہ دل' روح' نفس اور بدن کے چوک کو بند کرے۔ پھر شوق کے کوتوال کو حکم دیتا ہے۔ کہ قلاش صفت نفس کو درد کی رسی سے باندھ لے اور طلب کی کمند گردن میں ڈال لے اور دل کی سیاست گاہ میں اسے لے آئے۔ اور عشق کے سلطانی جھنڈے کے نیچے ذکر کی تلوار سے اس کی حرص کا سر قلم کر دے۔ پھر اس سر کو اخلاص کے درخت سے لٹکا دے چور شیاطین جو کہ نفس کے ہم پیشہ ہوتے ہیں سلطانی رعب اور دبدبہ دیکھ کر جسم کے شہر کو چھوڑ کر باہر بھاگ جاتے ہیں۔ پھر اس کے بعد جسم میں تکلیف کا شور اور شر باقی نہیں رہتا اور جب سلطانی جھنڈا شہر میں آ جاتا ہے۔ اور نفس کی بری صفات کے رند اور اوباش عاجزی کا کفن وغیرہ لے کر تسلیم اور بندگی کے دروازے پر آ کر کہتے ہیں۔ کہ

''رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا'' (اعراف' آیت: ۲۳)

''اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنی جانوں پر خود ظلم کیا''۔

اور اس وقت اگر تو قصاب ہے۔ تو اسے مار ڈال۔ اگر بادشاہ ہے۔ تو ان کو بخش دے۔ اور معاف کر دے۔

سلطان عشق نفسانی بری صفات کے اوباشوں کو رندی اور ناپاکی سے توبہ کرا کر بندگی کی خلعت انہیں پہنا کر دل کے درگاہ کا سپاہی بنا دیتا ہے۔ اور جب وہ باسامان ہو گئے۔ تو

بس ان سے یہی مطلوب تھا۔

معشوقہ باسامان شد تا باد چنیں باد
کفرش ہمہ ایماں شد تا باد چنیں باد

جب جسم کا شہر رند شیاطین کے غوغے اور نفسانی بری صفات کے اوباشوں کی تشویش سے پاک ہوگیا اور دل کا آئینہ طبیعت کے زنگار سے صاف ہوگیا تو پھر یہ جلال صمدیت کی بارگاہ کے لائق ہو جاتا ہے۔ بلکہ جمال احدیت کے آفتاب کا مطلع ہونا اسے زیب دیتا ہے جب یہ حالت ہو جائے۔ تو پھر سلطان عشق کو کوتوال اور وزیر عقل کو دل کے دروازے کی دربانی عطا کرتے ہیں اور دل کے شہر کو یقین۔ اخلاص۔ توکل۔ صدق ۔کرم۔ مروت۔ جوانمردی۔ سخاوت۔ بخشش۔ حیاء۔ شجاعت اور طرح طرح کی نیک صفات کے جواہرات اور موتیوں سے آراستہ کرتے ہیں یہ سب کس لئے ہوتا ہے؟ اس لئے کہ سلطان حقیقی دل کی خلوت سرائے میں آتا ہے۔ اور اصل معشوقہ جلال کے پردوں سے اپنا جمال دکھلاتی ہے۔ پھر ''لا الہٰ'' کا سپاہی بارگاہ کو صفات حمیدہ کے خاصوں سے بھی خالی کر دیتا ہے وہ اس لئے کہ غیریت غیریت کی نفی کرتی ہے۔ اور دل جو کہ مدت سے عشق کا جلا ہوا ہے۔ اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرح سینے کے بیت الحزن میں رہتا ہے جمال کے یوسف کو دیکھ کر آنکھیں روشن کرے گا۔ اور اپنے بیت الحزن کو یوسفی جمال سے گلشن بنائے گا۔ پھر اس کے بعد غم، خوشی اور محنت سے دولت حاصل کرے گا۔ اور جدائی کی سختی وصل کی عزت سے بدل جائے گی۔

اس مقام پر پہنچ کر دل دلی حقیقت کو پہنچ جاتا ہے۔ اور اپنی اصلی صحت اور صفائی پر آ جاتا ہے۔ اور نفسانی صفات جو کہ عمروں کے خشک مجاہدے سے بھی مبدل نہ ہوتیں ذکر کی کیمیا گری، دلی مراقبے اور اس کی توجہ سے سب مبدل ہو گئیں اور سب نے ہی اطاعت قبول کر لی اب یہاں کا فرمانروا نہ دل ہے نہ روح۔ تا کہ بعض صفات نفس

فرمانبرداری قبول کریں اور بغض نہ کریں اسی لئے اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

''وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمُ'' (طٰہٰ آیت:۱۱۱)

''زندہ اور قائم اللہ تعالیٰ کے لئے سبھی کے چہرے ذلیل ہو گئے''۔

کے فرمانبروا سلطان نے دل کی بارگاہ کو اغیار کی زحمت سے خالی کر دیا ہے۔ اور اسے اپنا خاص تخت گاہ بنالیا ہے۔

''لا یستعنی ارضی ولا سماعی وانما یستعنی قلب عبد المومن''

''میرے آسمان اور زمین میں مجھے سمانے کی گنجائش نہیں ہے میں بیشک بندہ مومن کے دل میں سما سکتا ہوں''۔

لٰہذا بعدازاں فرمان حق تمام اعضاء اور صفات پر غالب آتا ہے کہ

''وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰى اَمْرِهٖ'' (یوسف آیت:۲۱)

''اور اللہ تعالیٰ اپنے امر پر غالب ہے''۔

اور کوئی عضو یا صفت بطور خود کچھ بھی نہیں کر سکتی۔ مگر اللہ رب العزت کے حکم اور اشارے سے۔ جیسا کہ

''کنت له سمعا و بصرًا و لسانًا و یدًا و لی یسمع ولی یبصرولی ینطق ولی یبطش''

''میں ہی اس کے لئے کان۔ آنکھ۔ زبان اور ہاتھ ہوں وہ مجھ ہی سے سنتا۔ دیکھتا۔ بولتا۔ اور پکڑتا ہے''۔

پس دل اس مقام پر پہنچ کر تمام صفات الٰہی کا مظہر ہو جاتا ہے وہ اس لئے کہ حضرت عزت کبھی تو صفات لطف سے دل پر ظاہر ہوتا ہے۔ اور کبھی صفات قہر سے اور دل ہمیشہ ان دونوں صفات کے ظہور کے تصرف میں ہوتا ہے حضور اقدس ﷺ نے

ارشاد فرمایا کہ

"قلب المؤمن بین الاصبعین من اصابع الرحمٰن یقلبها کیف یشاء"

"مومن کا دل رحمٰن کی دو انگلیوں کے درمیان ہے جس طرح چاہتا ہے اسے الٹاتا اور پلٹاتا ہے"۔

یہاں پر اشارہ رحمانیت کا کیا گیا ہے۔ اور الوہیت کا نہیں۔ وہ اس لئے کہ دل صفت رحمانیت کے استواء کا مقام ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔

تجلیٔ روح کی حقیقت

القرآن: ”وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ط قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّىْ“

(بنی اسرائیل، آیت: ۸۵)

ترجمہ: ”اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! تجھ سے روح کے متعلق پوچھتے ہیں۔تو انہیں کہہ دے کہ روح امر ربی ہے۔“

الحدیث: ”الا رواح جنود مجندة فما تعارف منها ابيلف وما ينكر منها اختلف۔“

ترجمہ: ”ارواح جمع کیا ہوا لشکر ہے اس میں سے جنہوں نے ایک دوسرے کو پہچان لیا وہ آپس میں الفت کرنے لگے اور جنہوں نے نہ پہچانا ان کے مخالف بن گئے۔“

واضح رہے کہ انسانی روح عالم امر سے ہے۔ اور اسے بارگاہ الٰہی کے قرب کا وہ اختصاص حاصل ہے۔ جو کہ کسی بھی اور مخلوق کو حاصل نہیں ہے۔ جیسا کہ پچھلے صفحات میں بیان ہو چکا ہے۔ عالم امر سے مراد وہ عالم ہے جو مقدار، کمیت اور مساحت کو قبول نہیں کرتا ہے۔ اور برخلاف عالم خلق کے جو مقدار، کمیت اور مساحت کو قبول کرتا ہے۔ اور امر کا نام عالم ارواح پر اس لئے صادق آتا ہے۔ کہ یہ ”کن“ کے اشارے سے بغیر توقف زمانی اور

بے واسطہ مادہ پیدا ہوا۔ اگر چہ عالم خلق بھی ''کن'' کے اشارے سے پیدا ہوا۔ لیکن مواد کے وسیلے کچھ مدت لے کر ہوا۔ جیسا کہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

''خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ'' (اعراف آیت: ۵۴)

''آسمان اور زمین چھ دن میں پیدا کئے''۔

سے ظاہر ہے۔ اور یہ اشارہ جو فرماتا ہے کہ

''قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ'' (بنی اسرائیل آیت: ۸۵)

''اے محمد ﷺ! کہہ دے کہ روح امر ربی ہے''۔

اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ کافی دنوں کے منشا سے ''کن'' کا خطاب بدیع فطرت کو بغیر مادہ اور ہیولا کے ہوا جس سے وہ ''ہوالحی'' کی صفت سے زندگی پا کر قائم بصفت قبولی ہوا اور وہ عالم ارواح کا مادہ بنا اور پھر عالم ارواح سے عالم ملکوت نکلا اور عالم ملکوت سے قائم ہے۔ اور ملکوت ارواح سے اور ارواح روح انسانی سے قائم ہے۔ اور روح قبولی کی صفت سے قائم ہے۔ جیسا کہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

''فَسُبْحٰنَ الَّذِیْ بِیَدِہٖ مَلَکُوْتُ کُلِّ شَیْءٍ وَّاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ'' (یٰسین آخری روایت)

''پس پاک ہے وہ ذات جس کے ہاتھ ہر ایک شئے کی بادشاہت ہے۔ اور اسی کی طرف سے تمام چیزیں واپس جائیں گی''۔

لہٰذا جو کچھ عالم ملک اور ملکوت میں ظاہر ہوتا ہے۔ تمام کا تمام بوسیلہ ظاہر ہوتا ہے۔ مگر ان میں سے صرف وجود انسانی ہی ہے جس کی روح ابتداء میں ''کن'' کے اشارے سے بے واسطہ پیدا ہوئی اور اس کی صورت نے قالب اور قلب کی تخمیر بھی بے واسطہ پائی۔ جیسا کہ

"خمرت طينة ادم بيدى اربعين صباحا"

''میں نے آدم کی مٹی کو خود اپنے ہاتھ سے چالیس روز تک خمیر کیا''۔

اور روح اور قالب کے ملتے وقت بھی

''وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ''

کا شرف بے وسیلہ ہی عنایت فرمایا اور

''من روحی''

کی اضافت کا اختصاص مرحمت فرمایا۔ یعنی

''الروح حی من الحیاتی''

''روح میری ہی حیاتی کے سبب زندہ ہے''۔

چونکہ وجود روح کی ایجاد اس کے امر سے ہوئی۔ اس لئے وجود روح کا لگاؤ بھی اپنے امر ہی کی طرف کیا۔

''کُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ''۔

چونکہ وہاں پر روح کی زندگی اللہ رب العزت کی صفت ''محی'' سے تھی۔ اس لئے ''نفخ'' (پھونکنا) کا لگاؤ بھی حضرت حق کی طرف کیا۔

''نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ''

یہ ایک بہت بڑا دقیقہ ہے پس مرتبہ روح کا کمال اس بات میں ہے۔ کہ اسے صفات ربوبیت سے جلا دی جائے۔ تا کہ ''خلیفۃ اللہ'' ہونے کے لائق بن جائے۔

اس بارے میں مختلف فرقے مختلف الرائے ہیں بعض کی یہ رائے ہے۔ کہ جب تک روح کو جلا نہ دی جائے تزکیۂ نفس حاصل نہیں ہوسکتا اور بعض کی یہ رائے ہے۔ کہ روح کو جلا دینے کے بغیر بھی نفس کا تزکیۂ حاصل ہوسکتا ہے۔ اور نیز اس طرح بھی۔ جیسا کہ دل (قلب) کے حصہ میں پہلے ہی بیان کر چکا ہوں ہمارے مشائخ علیہ الرحمت کی یہ رائے ہے۔ کہ اگر عمر بھر بھی تزکیۂ نفس میں کوشش کی جائے۔ تو پھر بھی تزکیۂ نفس حاصل نہیں ہوتا اور نہ وہ روح کو جلا دینے میں مشغول ہوسکتا ہے۔ اس لئے بہتر یہ ہے۔ کہ پہلے تو نفس کو

شرعی قید سے مضبوط کر لیا جائے۔ پھر دل اور روح کو جلا دینے میں مشغول ہو جائے ایسا کرنے سے ''جو میری طرف بالشت بھر آگے بڑھتا ہے میں اس کی طرف ہاتھ بھر بڑھتا ہوں''۔ کے مطابق الطاف خداوندی استقبال کرم سے ظہور میں آتی ہیں۔ اور جذبات عنایات کے تصرفات اور فضل الوہیت کے فیض متواتر پہنچتے ہیں۔

''من اتانی تمشی اتیة هرولته''

''جو میری طرف قدم قدم چل کر آئے میں اس کی طرف بھاگ کر جاتا ہوں''۔

اور ایک لحظہ میں اس قدر تزکیہ نفس حاصل ہوتا ہے جو کہ مجاہدہ سے عمر بھر میں حاصل نہیں ہوسکتا

''جذبة من جذبات الحق توازی عمل الثقلین''

''ایک جذبہ حق دونوں جہان کے عملوں کے برابر ہے''۔

لیکن شروع شروع میں روح بچے کی طرح ہوتی ہے اس کی تربیت کرنی چاہیے۔ تا کہ مجلد ہونے کی مستحق ہو جائے وہ اس لئے کہ روح جب تک روحانی مقام میں تھی۔ اور ابھی اس کا تعلق جسم سے نہ ہوا تھا وہ ایسے بچے کی طرح تھی جو ماں کے رحم میں ہو۔ اور اس کو اس جگہ کے مناسب غذا ملے اسے مقام کے مناسب علم اور شناخت حاصل ہوتی ہے۔ لیکن طرح طرح کی غذاؤں اور مختلف قسم کے علوم اور معارف سے جو کہ ولادت کے بعد اسے حاصل ہوتے ہیں ان سے محروم اور بے خبر رہتی ہے۔ اسی طرح روح کو عالم ارواح بارگاہ الٰہی سے وہ غذا ملتی ہے۔ جو کہ اس کی زندگی کو قائم رکھ سکے اور اس کے حوصلہ اور اس کی ہمت کے مطابق ہو وہاں پر اسے تمام روحانی علوم اور معارف کی خبر تھی۔ لیکن

''اَبِیْتُ عِنْدَ رَبِّیْ یُطْعِمُنِیْ وَ یَسْقِیْنِیْ''

''میں اللہ تعالیٰ کے ہاں رہا کرتا تھا جو مجھے کھلاتا بھی تھا۔ اور پلاتا بھی تھا''۔

کی مختلف غذاؤں سے محروم تھی۔ اور عالم شہادت کی جزویات کے علوم و معارف سے

جوحواس انسانی' قوائے بشری اور صفات انسانی کے آلات کے وسیلے حاصل ہوتے ہیں بے خبرتھی۔ اور جس وقت اس کا تعلق جسم سے ہوا اس وقت اس کی وہ حالت تھی جو کہ اس بچے کی ہوتی ہے۔ جو کہ ماں کے پیٹ سے ابھی ابھی پیدا ہوا ہو۔ اگر اسے مناسب غذا نہ ملے تو وہ جلد ہلاک ہو جاتا ہے پس مہربان والدہ اسے گہوارہ میں رکھتی ہے۔ اور اس کے ہاتھ پاؤں باندھ دیتی ہے۔ تا کہ طبعی حرکات نہ کرے۔ کیونکہ ایسا کرنے سے اس کے اعضا ٹوٹ جائیں گے یا پھر ٹیڑھے ہو جائیں گے اور نیز اسے اس جہان کی غذاؤں سے جو کہ ابھی تک اس کے لئے غیر مانوس ہیں محفوظ رکھتی ہے۔ کیونکہ اس کے معدہ میں ابھی اتنی قوت نہیں ہے۔ کہ اسے ہضم کر سکے۔ اس لئے اس کی غذا وہی ہوتی ہے جو پہلے نو ماہ تھی۔ یعنی صرف دودھ اور ایک مدت تک اس کی پرورش اسی طرح ہوتی رہتی ہے۔ پھر جب اس عالم کی ہوا سے خوگر ہو جاتا ہے۔ تو آہستہ آہستہ اسے اس جہان کی لطیف غذائیں دی جاتی ہیں۔ تا کہ ان غذاؤں سے اس کے معدے کو تقویت حاصل ہو۔ اور کثیف غذا کے لئے تیار ہو جائے۔ کیونکہ حرکت۔ قوت اور دیگر مشکل کام کرنے کے لئے اسی سے مدد ملتی ہے۔

اسی طرح جب طفل روح قالب کے گہوارے میں آئے تو اس کے تصرفات کے ہاتھ پاؤں شرعی اوامر و نواھی سے باندھ دینے چاہئیں۔ تا کہ طبع حیوانی کے موافق حرکات نہ کرے۔ کیونکہ اگر ایسا کرے گا۔ تو یا تو اپنے تئیں ہلاک کر لے گا یا صرف صفات روحانی کے ہاتھ پاؤں ٹیڑھے ہو جائیں گے۔ یعنی صفات روحانی بری صفات میں بدل جائیں گی۔ اور اسے طریقت اور حقیقت کے دو پستانوں سے تصفیہ اور تجلیہ کا دودھ دینا چاہئے۔ جو کہ اس کی غذا اس عالم میں کئی ہزار سال تک رہ چکی ہے۔ اور اسی قسم کی غذا سے اس کی پرورش ہوتی آئی ہے۔ تا کہ دل جو کہ اس کے لئے بمنزلہ معدہ ہے اسے تقویت حاصل ہو جائے۔ اور اس بات کے لئے تیار ہو جائے کہ اگر عالم شہادت میں۔ جیسا کہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے۔ کہ

"ثُمَّ جَعَلْنٰکُمْ خَلٰفَ فِی الْاَرْضِ" (یونس، آیت: ۱۴)

"تمہیں روئے زمین پر اپنا خلیفہ بنایا"۔

کی خلافت کے معاملات کی طرح طرح کی غذائیں کھائے تو اس میں امانت کے تھکا دینے والے بوجھ کو برداشت کرنے کی طاقت آ جائے۔ اور وہ اسے مضر نہ پڑے۔ بلکہ ان سے اسے طاقت حاصل ہو۔ اور اس میں غالب آنے کی طاقت آ جائے۔ اور جس طرح بچہ اپنی ماں یا دایہ کا دودھ پی کر پرورش پاتا ہے۔ اور اگر دودھ نہ ملے تو ہلاک ہو جاتا ہے اسی طرح طفل روح کی پرورش مادر نبوت کے پستان سے طریقت کا دودھ دے کر کرنی چاہئے یا پھر ولایت کی دایہ کا اسے دودھ دینا چاہئے۔ اور اس کی پرورش نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا شیخ کامل کے وسیلے سے ہونی چاہئے۔ اگر ایسا نہ ہوگا۔ تو وہ ہلاک ہو جائے گی۔

ضروری نوٹ

(یہ جو میں نے کہا ہے۔ کہ جب روح قالب میں داخل ہو اس سے میری مراد وہ وقت ہے جب بالغ ہو جاتا ہے۔ اور آثار عقل ظہور پاتے ہیں۔ اور جب سے روح ماں کے پیٹ کے اندر بچے میں داخل ہوتی ہے تب سے لے کر حد بلوغت تک اس کی وہ حالت ہوتی ہے۔ جو کہ بچہ جتنے وقت ہوتی ہے۔ کہ بعض اعضا اس کے باہر آتے ہیں۔ اور بعض اعضا ابھی اندر ہی ہوتے ہیں اس وقت تک جبکہ بچے کے اعضا سارے جھلی سے باہر نکل آتے ہیں۔ اور جنانیوالی کے ہاتھ میں بچہ پہنچ جاتا ہے۔ اس لئے کہ روح کا قالب سے تعلق آہستہ آہستہ ظاہر ہوتا ہے جب تک قالب رحم میں رہتا ہے روح کا تعلق اس کے ساتھ زندگی کا ہوتا ہے۔ اور جس کا نتیجہ حرکت کرنا ہے ابھی اس کا تعلق تمام حواس سے ظاہر نہیں ہوتا نہ ان آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے۔ اور نہ ہی ان کانوں سے سن سکتا ہے۔ اور جب ماں کے رحم سے باہر آتا ہے۔ تو پھر اس کا تعلق حواس سے ظاہر ہونا شروع ہوتا ہے)۔

اسی طرح بشری قویٰ سے اور بھی آہستہ آہستہ نمودار ہوتا ہے اسی طرح قالب کے ہر ایک مقام سے جو کہ انسانی صفات میں سے ایک ایک صفت کا مقام ہیں اس کا پورا تعلق نہیں ہوتا۔ مگر ہاں اس وقت پورا تعلق ہوتا ہے جب اس مقام سے وہ صفت ظاہر ہو۔ جیسا کہ حرص۔ غضب۔ شہوت اور دوسری صفات جن کے لئے مقررہ مقامات ہیں جب تک وہ صفت اس مقام سے ظاہر نہیں ہوتی تب تک اس کے لئے اسے مواخذہ نہیں ہوسکتا اور نہ ہی اسے تکلیف دی جاتی ہے مثلاً شہوت سے اس وقت مکلّف ہوسکتا ہے جب شہوت ظاہر ہو۔ اور روح کو اس صفت اور مقام سے پورا تعلق ہو جائے تب سمجھو کہ غیب کے پردے سے پورے طور پر عالم شہادت میں نمودار ہوا ہے اس وقت اگر بچہ صاحب سعادت ہے۔ تو فوراً نبوت کی قابلہ (جنانیوالی) کے ہاتھ میں پہنچ جاتا ہے۔ تو وہ شریعت کے گہوارے میں اس کے ہاتھ پاؤں اوامر اور نواہی سے باندھ کر طریقت اور حقیقت کے پستان سے اس کی پرورش کرتی ہے۔ اور اس کی پرورش اس بات میں ہے۔ کہ جو تعلق روح کو قالب کے ساتھ ملنے سے پیدا ہوا ہے وہ انسانی قوائے حواس اور دوسری صفات کے وسیلے آہستہ آہستہ باطل کر دے۔ اس لئے کہ ان میں سے ہر ایک کے سبب اسے بارگاہ الٰہی سے حجاب اور دوری حاصل ہوتی ہے۔ اور جس چیز سے انس پیدا کرتا ہے۔ اور حسب دلخواہ شئے سے تعلق پیدا کرتا ہے وہ اس کے لئے پاؤں اور گلے کی زنجیر بن جاتی ہے جس کی وجہ سے پھر اللہ رب العزت سے وحشت ہونے لگتی ہے۔ اور اس جمال کے شہود کے ذوق سے پیچھے رہ جاتا ہے۔ اور جب ان تعلقات کو چھوڑ جاتا ہے وہ حجاب' قید اور کھوٹ وغیرہ سے دور ہوتا جاتا ہے۔ اور قرب نمودار ہوتا ہے۔ اور صبائے سعادت کی نسیم بارگاہ الٰہی کے انس کی خوشبو اس کی جان کے دماغ میں پہنچ جاتی ہے۔ اور پھر وہ پکار اٹھتا ہے۔

نسیم الصبا اھدی الی نسیما

من بلدۃ فیھا الحبیب مقیما

''اے صبا! مجھے اس شہر کی خوشبودار ہوا پہنچا جس میں میرا حبیب مقیم ہے''۔

عین شین اور قاف کی جہت

یہاں طفل روح کی پرورش دو ماؤں سے ہوتی ہے۔ایک طرف سے طریقت کا پستان اسے مالوفات طبع سے قطع تعلقات کا دودھ دیتا ہے۔ اور دوسری طرف سے حقیقت کا پستان اسے غیبی انوار الٰہی کا دودھ پلاتا ہے۔ یہاں تک کہ انوار روحانی کی تجلیات کی واردات کے تصرف سے روح تعلقات جسمانی سے آزاد ہو جاتی ہے۔ اور صفات بشریٰ کی قید سے رہا ہو جاتی ہے۔ اور فطرت اولیٰ کی سرحد پر پہنچ جاتی ہے۔ اور ''اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ'' کے خطاب سننے اور ''بَلٰی'' کے جواب دینے کی مستحق ہو جاتی ہے جب روح بشریت کے لباس سے نکلتی ہے۔ اور تصرف وہم اور خیال کی آفات اس سے منقطع ہو جاتی ہیں۔تو پھر جو کچھ ملک اور ملکوت میں ہے اس کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ اور وہ ہر ایک ذرے میں نفس کے آئینے سے اللہ رب العزت کی ظاہری نشانیاں دیکھتی ہے اس حالت میں اگر حواس کی کھڑکی سے باہر جھانکتی ہے۔ تو جس چیز پر اس کی نگاہ پڑتی ہے اسی میں اسے اللہ رب العزت کی نشانی دکھائی دیتی ہے اسی لئے حضور غوثِ زماں نے فرمایا ہے کہ

"ما نظرت فی شیء الا ورایت اللّٰہ فیه"

''میں نے جس چیز پر نگاہ ڈالی اسی میں اللہ تعالیٰ نظر آیا''۔

اس مقام پر پہنچ کر عشق صاف ہو جاتا ہے۔ اور عین شین اور قاف کی جہت سے باہر آ جاتا ہے۔ عشق کا تعلق روح سے ہو جاتا ہے۔ اور روح کا تعلق عشق سے ہو جاتا ہے۔ پھر عشق اور روح سے دوگانگی اور یگانگی ظاہر ہوتی ہے۔ پھر روح جس قدر اپنے تئیں ڈھونڈتی ہے۔ عشق کو پاتی ہی چلی جاتی ہے۔

بس غم کہ در عشق ماہ روئے خوردم
خود راعیاں عشق در گو کردم (خیام)

اب تک تو قالب کی زندگی روح پر منحصر تھی۔ لیکن اب روح کی زندگی عشق پر منحصر ہو جاتی ہے۔

روح کا جمال صمدیت کی شمع کا پروانہ بننا

اس مقام میں عشق قالب کے اندر روح کا قائم مقام ہو جاتا ہے۔ اور اس کا نائب بن جاتا ہے۔ اور وہ جمال صمدیت کی شمع کا پروانہ بن جاتی ہے۔ اور ظلومی اور جھولی کے دوشہپروں سے جو اسے عناصر کے تعلق سے حاصل ہوتے ہیں۔ اور عناصر سے تعلق بھی یہی تھا۔ بارگاہ احدیت کے پردوں کی طرف پرواز کرتی ہے۔ اور سرمست عاشقوں کی طرح نعرہ مارتی ہے۔

يُحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗ

اس مقام میں ربوبیت کے الطاف

"من تقرب الی شبرًا تقربت الیه ذراعًا"

"جو میرے نزدیک ایک بالشت بھر آتا ہے میں اس کی طرف ہاتھ بھر بڑھتا ہوں"۔

کے مطابق استقبال کرتے ہیں۔ اور روح کو خوشی کی بساط کی راہ مل جاتی ہے اور

"يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ"

"وہ انہیں محبت کرتا ہے۔ اور وہ اسے محبت کرتے ہیں"۔

کی ملاطفہ درمیان میں آ جاتی ہے۔ اور عاشقانہ گفتگو شروع ہو جاتی ہے۔

معاقبات کی شراب

جب "اِنَّا سَنُلْقِىْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا" (مزمل آیت:۵)

"بیشک ہم عنقریب ہی تجھ پر ایک بھاری حکم کا بوجھ ڈالنے کو ہیں"۔

کے معاقبات کی شراب کثرت سے اس کی روح کے حلق میں جاتی ہے۔تو اس کی تاثیر سے اس کے وجود کے اجزا دور چلے جاتے ہیں۔ اور اس شراب کی تیزی کی وجہ سے روح کی ہستی نیستی کا رخ کرتی ہے۔ اور وجود کی آبادی سے فنا کے جنگل کا راستہ لیتی ہے۔

لہٰذا روح کو اعراف کی سی منزل میں جو صفات خداوندی کی جنت اور عالم ہستی کے دوزخ کے بیچ میں ہے رکھتے ہیں۔ اور شہود کی شراب سے رہی سہی وجودی صفات کو مٹا دیتے ہیں۔ اور اسی لئے حضرت یوسف علیہ السلام کو پانچ سو سال تک جنت کے دروازے پر رکھا جائے گا۔ اور جنت کے اندر نہیں آنے دیا جائے گا تاوقتیکہ دنیاوی آلائش آپ سے بالکل دور نہ ہو جائیں گی۔ کیونکہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

''وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِنْ غِلٍّ'' (اعراف' آیت: ۴۳)

''ہم نے اس کھوٹ کو جو ان کے سینوں میں تھا دور کیا''۔

سے بھی اسی بات کی طرف اشارہ ہے پس روح کا واپس جانا اور بارگاہ الٰہی کی طرف شوق کے غلبات اس کے ظاہر اور باطن میں ظاہر ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

''وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّ بَاطِنَةً'' (لقمان' آیت: ۲۰)

''اور اس نے تمہیں ظاہری اور باطنی نعمت سے مالا مال کر دیا''۔

اگر سالک اس مقام میں ان نعمتوں کو خوشی کی آنکھ سے دیکھے تو وہ ''منعم'' کی بارگاہ سے پیچھے رہ جاتا ہے۔ اور اگر متابعت کی خاک جان کی آنکھوں میں ڈال لے اور

''نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ'' (انفال' آیت: ۴۸)

''الٹے پاؤں واپس گیا''۔

کا لباس پہن لے۔ تو بڑی بڑی نشانیوں کے مطالعہ کا مستحق ہو جاتا ہے۔

"هاهنا تسكب العبرات" "اس مقام پر آنسو بہتے ہیں"۔

یہ وہ دہلیز ہے جہاں لاکھوں صدیقین کے خون امتحان کی خاک میں مل گئے ہیں۔ پھر ان کا پتہ تک نہ ملا اور بہت سے صادق، سالک اور عاشق طالب جو کہ ارواح کے شرانجانے میں کرامات کے جام سے سرمست ہوئے ہیں انہیں اس شراب کے پینے کا ذوق پھر نہ ملا۔ تو خود پسندی اور غرور کی مستی میں پڑے ہیں۔ اور ہرگز ہشیاری اور بیداری کا منہ تک نہ دیکھا اور

"اصحاب الكرامات كلهم محجوب"

"جتنے صاحب کرامت ہیں سب محجوب ہیں"۔

کے پردے میں رہ گئے۔ اور ان کرامات کو اپنے وقت کا بت خیال کر کے تکبر کا جنیو پہن لیا اور اللہ رب العزت سے روگردانی کر کے خلقت کی طرف رخ کر گئے۔

"نعوذ بالله من الحور بعد الكور"

"کمی کے بعد بیشی اور بیشی کے بعد کمی سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں"۔

لیکن "اَلَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنٰى اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ"

"جو ان سے ہماری نیکیوں میں سبقت لے گئے ہیں وہ ان سے دور رہتے ہیں"۔

کے صاحب دولت کرامات کی نعمت میں اپنے "منعم" پر نگاہ رکھتے ہیں نہ کہ نعمت پر اور نعمت کا شکر ادا کرنا منعم کے دیکھنے کو ہی جانتے ہیں تب

"لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ" (ابراہیم آیت: ۷)

"اگر شکر کرو گے تو میں تمہیں نعمت زیادہ دوں گا"۔

کے مطابق منعم کے وجود کے مستحق ہو جاتے ہیں۔

اس مقام میں روح کی عبودیت کا وظیفہ یہ ہونا چاہئے کہ اس چوکھٹ کی ملازمت کی

جائے۔ اور تمام اغیار سے ہمت کا دامن کوتاہ کر لیا جائے۔ اور دنیا و آخرت کی چادر کے دامن میں تین طلاقیں باندھ دے۔ اور اعلیٰ درجات اور آٹھوں جنتوں کی نعمتوں کی بالکل پرواہ نہ کرے اور درج ذیل اشعار ورد زبان رکھے۔

تا برسر ما سایہ شہنشاہ ما است
کونین غلام و چاکر درگہ ما است
گلزار جنت و حور خارر ما است
زیراکہ بدوں کون منزلگہ ما است

مقام فقر

اگر نبوت کے ایک لاکھ چوبیس ہزار نقطے اس کو پیش کیے جائیں تو ان کی طرف گوشۂ آنکھ سے نہ دیکھے اور سب کے سب رد کر دے۔ اور حضور سرور کونین ﷺ کی طرح فقر کے کوچے کو نگاہ میں رکھے اور اگر ہزار مرتبہ بھی یہ خطاب ہو کہ اے بندے! تو کیا چاہتا ہے؟ تو اس کے جواب میں کہے کہ بندے کی کوئی خواہش نہیں ہوتی وہ اس لئے کہ خواہش سے ہستی کا ثبوت ملتا ہے۔ جبکہ ہم تو نیستی کا دروازہ کھٹکھٹائے ہوئے ہیں۔ بہر حال اس راہ میں یہ مقام بار بار آتا ہے۔ اگر ہزار سال بھی اسی طرح توجہ نہ کرے۔ تو چاہیے کہ ملول نہ ہو جائے۔ اور اس بارگاہ سے منہ نہ پھیرے۔

کیونکہ تمام انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام اس مقام میں عاجز اور حیران رہ گئے ہیں۔ کیونکہ یہاں سے آگے انسانیت کے قدم سے راہ طے نہیں ہو سکتی اور طاقتور بازوؤں کے وسیلے کے بلے سے گیند کبھی بھی نہیں لے جایا جا سکتا۔

گنجینۂ وصل تو حقیقت منظر
دیں کار دولت است کنوں تا کرار سد

اس مقام میں جب ہر ایک خدنگی تیر کوشش کے ترکش سے پھینکا جا چکے اور کوئی بھی مقبولیت کے نشانے پر نہ لگے تو بہادری کی ڈھال پھینک دینی چاہئے۔ اور عاجزی کے دروازے پر آ جانا چاہئے۔

معشوق کے ناز اور عاشق کے کمالات

یہ مقام معشوق کے ناز اور عاشق کے کمال نیاز کا مقام ہے۔ یہاں تک کہ روح سارے تعلقات عشق کے آگے ہار جاتی ہے۔ اور جب مفلس اور عاجز ہو جاتی ہے۔ تو پھر اپنی جان اور خون بھی ہار دیتی ہے۔

جس وقت اللہ رب العزت کے الطاف کی خوشبودار ہوا عنایت کے مہوب (ہوا کے چلنے کی جگہ"۔ سے روح کے دماغ میں پہنچتی ہے۔ تو حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرح شوق سے آہ بھر کر کہتا ہے

''اِنِّیْ لَاَجِدُ رِیْحَ یُوْسُفَ لَوْلَا اَنْ تُفَنِّدُوْنَ ○'' (یوسف آیت: ۹۴)

''مجھے تو یوسف کی خوشبو آتی ہے' بشرطیکہ تم یہ نہ کہو کہ بوڑھا بہک گیا ہے''۔

شوق کے غلبات اور عشق کا قلق روح کو اس قدر ہوتا ہے۔ کہ وہ اپنی خودی سے ملول ہو جاتی ہے۔ اور اپنے وجود سے سیر ہو جاتی ہے۔ اور اپنی ہلاکت میں کوشش کرتا ہے۔ اور حضرت حسین بن منصور حلاج رضی اللہ عنہ کی طرح فریاد کرتا ہے۔ اور کہتا ہے۔

وقتلونی یا ثقاتی ان فی قتلی حیاتی

حیاتی فی مماتی و مماتی فی حیاتی

''اے میرے معتبرو! مجھے قتل کر دو بیشک میرے قتل میں زندگی ہے' میری زندگی میری موت میں ہے اور میری موت میری زندگی میں ہے''۔

انمول حکایت

حضرت شیخ حسین بن منصور حلاج رضی اللہ عنہ قید خانہ میں بند تھے۔ حضرت شیخ شبلی رضی اللہ عنہ آپ سے ملنے گئے۔ اور سوال کیا؟

''ما المحبة'' ''محبت کسے کہتے ہیں؟''

آپ نے فرمایا کہ آج مجھ سے نہ پوچھو کل مجھے تختہ دار پر لایا جائے گا وہ وقت امتحان ہو گا میں وہاں جواب دوں گا دوسرے دن آپ کو تختۂ دار پر کھڑا کیا گیا۔ حضرت شبلی رضی اللہ عنہ آگے بڑھے۔ تا کہ اپنے سوال کا جواب حاصل کر سکیں آپ نے دیکھ کر فرمایا اے شبلی رضی اللہ عنہ!

"المحبة اولها قتل و اخرها حرق"

''شبلی محبت کا آغاز شہادت سے ہے۔ اور اختتام جل جانا ہے''۔

اس مدت میں جب کہ روح کو آستانہ عزت پر ٹھہرائے رکھتے ہیں اور فراق کے شکنجے اور اشتیاق کی درد میں مبتلا کرتے ہیں۔ کہ جس سے اس پر دیوانگی اور وحشت ظاہر ہوتی ہے۔ اور کہتا ہے

ہر حیلہ در تصرف عقل آمدہ بود
کر دیم کنوں نوبت دیوانگی است

اس گھبراہٹ' عاجزی اور انکساری میں روح اپنے آپ سے اور اپنے معاملے سے مایوس ہو جاتی ہے۔ اور حقیقت میں اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ

"الطب ردد السبيل سد"

''طلب کرنا بمنزلہ رد ہے۔ اور راستہ بمنزلہ روک ہے''۔

اپنے تئیں گراتی ہے۔ اور زار زار روتی ہے۔

جب اس جلے ہوئے کی آہ وزاری کا دھواں اضطرار کے مقام میں رحیم کی بارگاہ میں پہنچتا ہے تو

''اَمَنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ ۝ '' (نمل آیت: ۶۲)

''کون ہے جو مضطر کی دعا کو قبول کرتا ہے''۔

کے مطابق عزت کے پردے جمال صمدیت سے اٹھ جاتے ہیں اور اپنے جلے ہوئے عاشق کی ہزارہا مہربانیوں سے نوازش فرماتا ہے۔

اور جب جمال صمدیت کی شمع روشن ہوتی ہے۔ تو روح پروانے کی طرح اپنے پر کھولتی ہے۔ اور شمع کی شعاؤں کے جذبات پروانے کی ہستی کو نیست کر دیتے ہیں۔ اور پروانے کے وجود کو صفات شمعی کی تجلی سے آراستہ کرتے ہیں۔ اور جب احدیت کی بتی کا شعلہ نکلتا ہے۔ تو یکبارگی پروانہ روح کے خرمن کی ہستی دور ہو جاتی ہے۔

مقام فنا

اس مقام پر جلال صمدیت کا نور روح کی روح بن جاتا ہے۔

''اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ'' (المجادلہ آیت آخری)

''یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں ایمان رکھا گیا ہے۔ اور اپنی روح سے ان کی مدد کرتا ہے''۔

اگر جان ہار گئی ہے۔ تو اس کے عوض ایک ایسی جان مل گئی ہے۔ جو کہ کبھی بھی ہاری نہیں جائے گی۔

یہ دہلیز عالم فنا ہوتی ہے۔ اور یہی عالم بقا کی سرحد بھی ہے۔ اس سارے کام کے بعد روح کی تربیت جذبات الوہیت کی تجلیات سے کرتے ہیں اب اس کا ایک ایک سانس دونوں جہان کے معاملے کے برابر ہوتا ہے۔

"جذبة من جذبات الحق توازی عمل الثقلین"

ایک جذبہ حق دونوں جہان کے عمل کے برابر ہوتا ہے۔

جیسا کہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

"ثُمَّ دَنٰی فَتَدَلّٰی ○ فَكَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی ○ وَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰی ○ (نجم، آیت: ۸ تا ۱۰)

"پھر نزدیک ہوا اور اس قدر آگے جھکا کہ دونوں میں کمان کے برابر کی دوگوشوں کا فاصلہ رہ گیا۔ بلکہ اس سے بھی کم۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف جو وحی کی سو کی"۔

مرشد کامل کی ضرورت؟

القرآن: '' قَالَ لَهٗ مُوْسٰی هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰی اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا۔'' (کہف' آیت:٦٦)

ترجمہ: ''اسے موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا کہ آپ اجازت دیں تو آپ کے ساتھ رہیں۔ بشرطیکہ جو علم لدنی آپ کو سکھایا گیا ہے اس میں سے کچھ آپ مجھ کو بھی سکھا دیں۔''

الحدیث: '' الشیخ فی قومه کالنبی فی امة۔''

ترجمہ: ''شیخ کا مرتبہ اپنی قوم میں وہی ہے جو نبی کا اس کی امت میں ہوتا ہے۔''

واضح رہے کہ راہ دین کو طے کرنے اور علم یقین میں بھیجنے کے لئے کامل شیخ' دین کی راہ پہچاننے والے راہبر' صاحب ولایت اور صاحب تصرف کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔

مشائخ حضرات بارگاہ الٰہی کے بڑے خیمے کے بت ہیں۔ کہ

"اولیائی تحت قبائی لا یعرفهم غیری "

''میرے ولی میری قبا کے نیچے ہیں جنہیں میرے سوا کوئی نہیں جانتا''۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مرتبہ نبوت پھر درجہ رسالت اور اولوالعزمی کی کمالیت حاصل کرنے کیلئے پہلے دس سال تک حضرت شعیب علیہ السلام کی خدمت کرنا پڑی۔ پھر کہیں مکالمہ حق کا استحقاق حاصل ہوا اور کلیم اللہ ہونے کی دولت اور

''کَتَبْنَا لَهٗ فِی الْاَلْوَاحِ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ مَّوْعِظَةً وَّ تَفْصِیْلاً لِّکُلِّ شَیْءٍ'' (اعراف)

''ہم نے اس کے لئے ہر قسم کی نصیحت اور ہر شئے کی تفصیل تختیوں میں لکھ دی''۔

کی سعادت اور بنی اسرائیل کے بارہ قبائل کی پیشوائی اور اللہ تعالیٰ سے تمام تورات کی تلقین حاصل کرنے کے بعد پھر علم لدنی کی ابجد سیکھنے کے لئے انہیں معلم حضرت خضر علیہ السلام سے التماس کرنا پڑی۔

''هَلْ اَتَّبِعُکَ عَلٰی اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا''

''کیا میں آپ کے ساتھ رہوں بشرطیکہ آپ بھی علم لدنی سے جو آپ کو سکھایا گیا ہے کچھ سکھا دیں''۔

اس وقت معلم نے پہلے انہیں

''اِنَّکَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا''

''بیشک میرے ساتھ رہ کر تو صبر نہ کر سکے گا''۔

کی الف ب لکھدی پس عبرت کی نگاہ سے اس واقعہ کو دیکھو کہ

''سوزے کہ درد ہزار جان قربان است''

اس راستے کا مفتون اور مغرور وہ شخص ہے جو یہ خیال کرتا ہے۔ کہ وصال ذوالجلال کے لئے بے کنارہ جنگل کو انسانی قدموں سے چل کر بغیر کسی رہنما اور بدرقہ کے طے کر سکتے ہیں۔

''هیهات هیهات لما توعدون''

''اگرچہ ہدایت کے شروع میں کسی پیغمبر کی ضرورت ہے۔ اور نہ ہی کسی شیخ یا پیر کامل کی''۔

کیونکہ یہ ایک ایسا بیج ہے۔ کہ دلوں کی زمین میں نظر عنایت کی دستکاری کے سوا نہیں بویا جا سکتا۔ چنانچہ حضور اقدس ﷺ کو حکم الٰہی ہوا کہ

''اِنَّکَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ'' (القصص آیت:۵۶)

''اے محمد ﷺ! جسے تو پیار کرتا ہے اسے راہ ہدایت پر نہیں لا سکتا۔ بلکہ جسے اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اسے ہدایت کرتا ہے''۔

لہٰذا ہدایت کا بیج بونا صرف اللہ رب العزت کا کام ہے۔ کیونکہ حضور اقدس ﷺ نے بہت کوشش کی تھی کہ وہ بیج ابو طالب کے دل کی زمین میں بویا جائے۔ لیکن بغیر اللہ رب العزت کی منشاء کے نہ بو سکے۔

لیکن جس جگہ وہ بیج ظاہر ہو۔ تو اس کی پرورش سے اللہ رب العزت کی خلافت اور نیابت تک پہنچنے کے لئے اللہ رب العزت کے نبی یا کسی کامل شیخ کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ حضرات اللہ رب العزت کے خلیفہ اور نائب ہوتے ہیں۔

''اِنَّکَ لاَ تَهْدِیْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ''

''بیشک تو سیدھی راہ کی ہدایت کرتا ہے''۔

سالک مرید کو شیخ واصل اور کامل کی ضرورت کی کئی ایک وجوہات ہیں۔

۱- ظاہری کعبہ کی ظاہری راہ بغیر رہنما اور راہ شناس کے طے نہیں ہو سکتی حالانکہ اس راہ کے چلنے والے کی راہ کو دیکھنے والی آنکھیں بھی ہوتی ہیں۔ اور قدموں میں راستہ طے کرنے کی قوت بھی ہوتی ہے۔ اور فاصلہ بھی مقرر ہوتا ہے۔ تو حقیقت کی راہ کہ جہاں پر ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء علیہم السلام نے قدم زنی کی۔ لیکن کسی ایک قدم کا بھی نشان کہیں ظاہر نہیں ہے۔

جبکہ مبتدی سالک اس راہ میں نہ تو پہلے نظر رکھتا ہے۔ اور نہ ہی قدم تاوقتیکہ اسے ظلومی اور جہولی کے دروازے سے اندر نہ لایا جائے۔ اور یہ اس لئے ہے۔ تاکہ کوئی شخص اس بات کا دم نہ مارے کہ میں خود ہی اس راہ کو دیکھتا اور پہچانتا ہوں۔ جیسا کہ اللہ رب العزت نے اپنے پیارے ترین حبیب ﷺ کو فرمایا کہ

''مَا كُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِیْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِیْ بِهٖ

مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَاط '' (شوریٰ آیت: ۵۲)

''تمہیں کیا معلوم تھا کہ کتاب کیا چیز ہے۔ اور ایمان کیا۔ لیکن ہم ہی نے اسے نور بنایا اور ہم ہی اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں''۔

لہٰذا یقیناً ایسا بے کنارہ جنگل بغیر دیدہ بخش رہنما کے طے نہیں ہوسکتا۔

۲- جس طرح ظاہری راستہ میں چور اور راہزن وغیرہ بہت ہوتے ہیں۔ اور بغیر بدرقہ نہیں جایا جا سکتا اسی طرح حقیقت کی راہ میں بھی مال و اسباب' دنیاوی زیب و زینت۔ جیسا کہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

'' زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ''

(آل عمران' آیت: ۱۴)

''لوگوں کو دنیا کی مرغوب چیزیں مثلاً بیبیوں' بیٹوں اور سونے چاندی کے بڑے بڑے ڈھیروں اور عمدہ عمدہ گھوڑوں اور مویشیوں اور کھیتی باڑی کے ساتھ وابستگی بھی معلوم ہوتی ہے''۔

نفس ہوا اور شیطان لعین۔ انس اور جنات سب کے سب راہزن ہوتے ہیں۔ لہٰذا کسی صاحب ولایت کو بدرقہ بنائے بغیر یہ راہ طے نہیں ہوسکتی۔

۳- اس راہ میں پھسلاوٹیں' آفات اور شبہات بہت زیادہ ہیں۔ اور قسم قسم کی بے شمار تکالیف اور رکاوٹیں ہیں۔ حتیٰ کہ فلسفی لوگ بھی شبہات کے خوفناک بھنور میں پڑ کر اپنا دین اور ایمان تباہ و برباد کر گئے ہیں۔ اور اسی طرح دہریئے' طبیعی' براہمہ' ملحدہ' اہل تشبیہ' معطلہ ' اباصیۃ اور دیگر دوسرے اہل بدعت کا بھی یہی حال ہے۔ کہ انہوں نے اس راہ کو کامل شیخ اور واصل حق راہبر کے بغیر طے کرنا چاہا۔ لیکن شبہات اور پھسلاوٹوں کو طے نہ کر سکے اور ہر ایک الگ الگ شبہ اور مصیبت کی وادی میں جا پھنسا

اور ہلاک ہو گیا۔

تو چوں سوائی وایں راھے است ہمچوں موئے بت رویاں
مرد زنہار برتخمین و برتقلید و برعمیاں
بصاحب دولتے پیوند گرمے زندگی خواھی
کہ ازیک چاکری عیسی چنین معروف شدیلداں

وہ صاحب سعادت کہ جنہوں نے مشائخ کامل کی شفقت اور زیر سایہ اور زیر غلامی اس راہ کو طے کیا ہے انہوں نے ان تمام پھسلاوٹوں' آفات اور شبہات کو دیکھا ہے۔ جو کہ اہل بدعت کے ہر ایک گروہ کو پیش آتی ہیں۔ لیکن مشائخ کامل کی امداد سے وہ ان تمام سے بسلامت پار ہو گئے ہیں۔ اور ان مہالک سے بھی خلاصی پائی ہے۔

۴- اس راہ کو طے کرنے والوں کے لئے طرح طرح کی آزمائشیں۔ امتحانات اور پھر وقفے۔ دیر اور سستی وغیرہ بے شمار ہیں۔ لہٰذا کوئی صاحب تصرف شیخ ہونا چاہئے۔ جو کہ اپنی ولایت کے تصرف سے مرید کو ان وقفوں وغیرہ سے بچائے۔ اور پھر طلب کا جوش اور ارادت کا صدق اس میں پیدا کرے اور طرح طرح کے حیلوں سے قبض ملالت اور افسردگی وغیرہ کو اس کی طبیعت سے نکالے۔ اور عمدہ عمدہ عبارتوں اور لطیف اشاروں سے شوق کی خواہش اس کے باطن میں پیدا کرے۔ جیسا کہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

''وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرٰى تَنفَعُ الْمُؤْمِنِينَ'' (الذاریت آیت: ۵۵)

''یاد الٰہی کر۔ کیونکہ میری یاد مومنوں کو فائدہ پہنچاتی ہے''۔

۵-اس راہ میں چلنے والوں کو بیماریاں ضرور لاحق ہوتی ہیں۔ اور بعض فاسد مادے غالب ہو جاتے ہیں۔ کہ جن سے طلب اور ارادت کے مزاج میں انحراف آ جاتا ہے اس موقع پر ذہین اور سمجھدار طبیب کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ تاکہ مرض کو دور کرنے اور فاسد

مادے کوتسکین دینے کے لئے مناسب علاج کرے۔ لہٰذا اگر ایسا نہ کرے گا۔ تو مرید راہ سے ہٹ جائے گا۔ بلکہ یہ مصیبتیں اور بیماریاں مریدین کو ابتدا طلب میں عموماً ہو جاتی ہیں۔ لہٰذا جب تک ہر مرض کا مناسب علاج مرید کے مزاج کے مطابق نہ کیا جائے۔ تو اس سے یہ راہ کبھی بھی طے نہیں ہوسکتا۔

۶- اس راہ میں سالک بعض ایسے روحانی مقامات پر پہنچتا ہے۔ کہ اس کی روح بشریت اور آب وگل کے لباس سے تنہا ہو جاتی ہے۔ اور صفات حق کے آثار کا پرتو اس پر پڑتا ہے۔ اور اسے بالکل بے خود بنا دیتا ہے۔ اور روحانی نہ ختم ہونے والی صفات کے انوار سالک پر تجلی ڈالتے ہیں اس وقت بشریت کی رسوم اور نشانات دور ہونا شروع ہوتے ہیں۔ اور روح خلافت حق میں ہو کر معجزے دکھاتی ہے۔ اور

''جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلَ'' (بنی اسرائیل آیت:۸۱)

''حق آیا اور باطل زائل ہوا''۔

کی خاصیت سے اصل حقیقت کھل جاتی ہے۔ چونکہ دل کا آئینہ بالکل صاف ہو جاتا ہے۔ اس لئے تجلی روح کے عکس کو قبول کرتا ہے۔ اور ''انا الحق'' اور سبحانی'' کا ذوق اپنے آپ میں معلوم کرتا ہے اس کے بعد کمالیت اور اصلی مقصد کے حاصل کر لینے کا غرور اس میں سما جاتا ہے۔ اور اس کی عقل، وہم اور سمجھ کی آنکھ بالکل بند ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ اور یہ نادان سمجھتا ہے۔ کہ بس انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام میں سے کسی کو بھی اس سے اعلیٰ مرتبہ حاصل نہ ہوا ہے۔ اور نہ ہی ہو گا۔ اور ایسے بھنور میں اگر کسی شیخ کامل کے تصرفات ولایت جو کہ لطف الٰہی کی صورت ہے اس کی دستگیری نہ کرے۔ تو ایسے وقت میں ایمان کے زوال کا شدید خطرہ ہوتا ہے اس کے علاوہ حلول اور الحاد کی مصیبت کی توقع بھی ایسے ہی موقع پر اکثر ہوتی ہے پس کوئی کامل اور واقع شناس شیخ کامل ہو جو کہ تصرف ولایت کے بعد اس کے اس غرور اور تکبر کا گمان دور کرے اور اس کے مقام کو بھی بیان کرے اور پھر

اس مقام سے بڑھ کر جو مقام ہے وہ اس مرید کو دکھائے۔ اور اس کا شوق بھی دلائے۔ تاکہ مرید اس پھسلاوٹ سے بچ جائے۔ اور راہ راست پر آ جائے۔ اور اگر ایسا نہیں ہوگا۔ تو ایسی بندش میں پھنسے گا کہ اس کا وہاں سے رہا ہونا پھر کسے معلوم۔

۷- اس راہ میں اثنائے سلوک میں غیب سے کئی دکھلاوے ظاہر ہوتے ہیں۔ اور کئی واقعات اس پر منکشف ہوتے ہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک مرید کے مرتبہ کی زیادتی یا نقصان کے عیب کا اشارہ۔ پھر اس کی سیر اور قترت کی دلالت۔ اس کے دل کی صفائی یا کدورت کا نشان۔ نفس کے نیک یا بد صفات کی شناخت' دنیاوی یا آخروی حجاب کی علامت پھر شیطانی نفسانی یا رحمانی احوال ہوتے ہیں۔ اور ان واقعات سے اور بھی بہت سے معنی نکلتے ہیں۔ کہ جن کی مبتدی کو بالکل خبر نہیں ہوتی وہ اس لئے کہ یہ سب غیبی زبان ہے۔ اور غیب کی زبان کو صرف اہل غیب ہی جانتے ہیں۔ لہٰذا ایسے موقع پر کوئی ایسا شیخ کامل چاہیے کہ جسے تائید الٰہی حاصل ہو۔ اور تاویلات غیبی کے علم کا معلم بھی ہو۔ اور جس نے سالہا سال مشائخ کی خدمت میں رہ کر ایسے واقعات کی تاویلات کی مہارت حاصل کی ہوئی ہو۔ اور غیب کی زبان سیکھی ہوئی ہو۔ جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے عرض کیا کہ

''رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِىْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِىْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ '' (یوسف:۱۰۱)

''اے پروردگار! تو نے مجھے ملک عطا فرمایا اور باتوں کی تاویل کا علم سکھایا''۔

تاکہ وہ مرید کے احوال کا کشف اور واقعات کی تاویل کرے اور اسے آہستہ آہستہ غیب کی زبان بھی سکھائے۔ اور اس کا معلم اور ترجمان بنے ورنہ مرید ان اشارات اور معانی سے محروم رہ جائے گا۔ اور ترقی نہ کر سکے گا۔ اور مقامات کی معرفت بھی اسے حاصل نہ ہو سکے گی۔

حکایت

ایک دن حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ واعظ فرما رہے تھے'' کہ انسان کے لئے تنہائی زہر

ہے۔ اسے چاہئے کہ وہ خلوت (تنہائی) کی بجائے جلوت (محفل) میں رہے۔

ایک مرید نے آپ کا یہ قول مبارک سنا۔ مگر اس کی حقیقت کو تسلیم نہ کیا۔ اور دل ہی دل میں کہنے لگا کہ پیرومرشد خود تو تنہائی اختیار کرتے ہیں۔ اور مریدوں کو منع کرتے ہیں۔ آخر کار اس کے نفس نے اسے دھوکہ دیا اور وہ اپنے گھر میں خلوت نشین ہو گیا۔ حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ کے دوسرے خدمت گاروں نے اس کا سبب پوچھا تو وہ متکبرانہ انداز میں بولا۔

''میں کامل ہو چکا ہوں اب میرے لئے خلوت ہی بہتر ہے''۔ کچھ دن بعد اس کی حالت متغیر ہوگئی وہ ہر رات فرشتوں کو خواب میں دیکھتا۔ فرشتے اس کے لئے اونٹ لاتے۔ اور کہتے۔ ''اس پر سوار ہو جاؤ۔ ہم تم کو جنت میں لے جائیں گے۔''

حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ کا مرید خوشی خوشی اونٹ پر سوار ہو جاتا اور فرشتے اسے ایسے مقامات پر لے جاتے کہ جہاں ہر طرف دلکش سبزہ زار ہوتا تھا۔ اور صاف و شفاف پانی کی نہریں بھی بہتی تھیں۔ پھر اسے ایک جگہ ٹھہرایا جاتا اور حسین وجمیل لوگ اس کی خدمت میں نفیس اور لذیذ ترین کھانے پیش کرتے۔ پھر وہ رات بھر جنت میں رہتا۔ اور صبح کے وقت فرشتے اسے اس کے گھر چھوڑ جاتے۔

پھر یہ واقعات اس قدر تواتر کے ساتھ پیش آنے لگے۔ کہ وہ شخص بدحواس ہو گیا اور لوگوں سے کہنے لگا:

''میری کیا پوچھتے ہو: میں تو روز جنت میں جاتا ہوں''

بغداد کے بعض سادہ لوح افراد اس کے قریب جمع ہو گئے تھے اور وہ ان معصوم اور بے خبر لوگوں کو جنت کی سیر کے افسانے سناتا تھا۔ آخر یہ خبر حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ تک بھی جا پہنچی۔ جسے سن کر آپ کے چہرۂ مبارک پر اذیت اور کرب کے آثار نمودار ہو گئے۔ پھر آپ نے اپنے ایک خدمت گار سے فرمایا۔ اسے میرے پاس لے کر آؤ۔ اللہ رب العزت اس کے حال پر رحم فرمائے۔

جب حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ کے خادم نے اسے پیر و مرشد کا پیغام دیا۔ تو وہ پر غرور لہجے میں کہنے لگا۔ ''میں خود پیر کامل ہوں۔ مجھے کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ جسے آنا ہو۔ وہ خود چلا آئے۔ میں اسے بھی جنت کی سیر کرا دوں گا''۔

حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ نے بڑے صبر و تحمل کے ساتھ اپنے مرید کا جواب سنا۔ پھر نہایت درمندانہ لہجے میں فرمایا۔ اگر وہ نہیں آتا۔ تو ہم خود چلے جاتے ہیں۔ اس نادان کو کیا معلوم کہ پیر کامل کی ذمہ داریاں کیا ہوتی ہیں؟ اور جب کسی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا جاتا ہے۔ تو اس کا کیا مفہوم ہوتا ہے؟

اس کے بعد حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ اپنے مرید کے یہاں تشریف لے گئے۔ وہ بڑی شان و شوکت کے ساتھ ایک تخت پر بیٹھا ہوا تھا۔ اور اس کے چند معتقد تخت کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر مرید نے کسی خاص قسم کا ادب و احترام کا مظاہرہ نہ کیا بلکہ اپنی حرکات سکنات سے یہی تاثر دیتا رہا۔ کہ وہ خود مقام ولایت کے اعلیٰ ترین منصب پر فائز ہے۔

حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ نے اپنے مرید کے اس گستاخانہ رویے کو نہایت خوش دلی کے ساتھ برداشت کیا۔ پھر اس کے شب و روز کا حال پوچھا۔ تو وہ اسی انداز میں لافِ زنی کرنے لگا۔

کہ میں رات بھر جنت کی سیر کرتا ہوں۔ فرشتے میزبان ہوتے ہیں۔ اور اللہ رب العزت کی نعمتیں میرے حضور پیش کی جاتی ہیں۔

آج رات بھی تم جنت کی سیر کو جاؤ گے؟ مرید کی گفتگو سن کر حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ نے پوچھا۔

یقیناً! مرید کے نخوت اور غرور کا وہی عالم تھا۔ اسے یہ احساس تک نہیں رہا تھا۔ کہ پیر و مرشد اس کے سامنے موجود ہیں۔

پھر ہماری خاطر ایسا کرنا۔ کہ جب فرشتے تمہیں جنت میں لے جائیں۔ اور تمہارے سامنے اللہ رب العزت کی نعمتیں پیش کر دیں تو تم صرف ایک بار ''لاحول'' پڑھ دینا۔ حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

مجھے اس کی کیا ضرورت ہے؟ مرید نے حیران ہو کر کہا۔

تمہیں شاید اس کی ضرورت نہ ہو مگر میری درخواست ضرور ہے۔ حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ نے اپنے مرید کے متکبرانہ طرزِ عمل کو نظرانداز کرتے ہوئے فرمایا۔ اور واپس تشریف لے آئے۔

اس رات بھی حسب معمول فرشتے خواب میں آئے۔ اور اپنے اونٹ پر سوار کر کے جنت میں لے گئے۔ مختلف مقامات کی سیر کرانے کے بعد نفیس اور لذیذ کھانے پیش کئے۔ اگرچہ اس شخص نے پیرو مرشد کی نصیحت کو دل سے قبول نہ کیا تھا۔ لیکن نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی زبان سے کلمہ مقدس ادا ہو گیا۔ ابھی فضا میں ''لاحول ولا قوۃ'' باقی تھی۔ کہ فرشتے چیخ و پکار کرتے ہوئے بھاگ گئے۔ اب وہ مرید اپنی جنت میں تنہا تھا۔ اور اس کے سامنے جنتی کھانوں کے بجائے۔ مردہ انسانوں کی ہڈیاں بکھری پڑی تھیں۔ یہ پرحول منظر دیکھ کر حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ کے نافرمان مرید کی آنکھیں کھل گئیں۔ اس کا پورا جسم خوف و وحشت سے لرز رہا تھا۔ اور وہ ہذیانی انداز میں چیخ رہا تھا۔

فرشتے کیا ہوئے۔ اور وہ میری دلفریب جنت کہاں گئی؟

پھر جب شیطان کا طلسم چاک ہو گیا۔ تو وہ شخص روتا ہوا پیرو مرشد کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ کے قدموں میں لپٹ کر عرض کرنے لگا۔ کہ اگر آپ میری رہنمائی نہ فرماتے۔ تو شیطان لعین مجھے اس وادیٔ ظلمات میں لے جا کر ہلاک کر ڈالتا۔'' بے شک! مرید کیلئے تنہائی زہر ہے۔

(۸) جو سالک اپنے قدم کی قوت سے سیر کرتا ہے۔ وہ سالہا سال میں بھی اس راہ کے

ایک مقام کو بھی طے نہیں کر سکتا' کیونکہ مبتدی کی سیر کمزور چیونٹیوں کی رفتار سے بھی کم ہے۔

اور نیز اس راہ میں بعض ایسے مقامات ہیں۔ کہ جن پر سے اڑ کر عبور کرتے ہیں۔ اور بعض میں اڑنے کی طاقت ہوتی نہیں۔ کیونکہ وہ انڈے کی طرح ہوتا ہے۔ جو کہ ابھی مرغ کی حالت کو نہیں پہنچا' اور مرغ کی حالت کو سوائے مرغ کے تصرف کے نہیں پہنچ سکتا۔ پس شیخ کامل مرغ کی طرح جب بے پروبال مرید اپنے تئیں چیونٹی کی طرح اس کی ولایت کے شہپروں پر ہو بیٹھتا ہے۔ تو وہ دور کے راستے جو اپنی عمر میں بھی طے نہیں کر سکتا ہے۔ تھوڑی سی مدت میں طے کر جاتا ہے۔ اور جس عالم میں وہ اڑ (پرواز) نہیں کر سکتا۔ وہ وہاں صرف شیخ کی پیروی سے اڑ سکتا ہے۔

میرے والد صاحب خلیفہ بشیر حسن رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ ایک سالک کو فیصل آباد میں دیکھا جسے سائیں منظور حسین کہتے تھے۔ جو کہ فیصل آباد میں اسلامیہ پارک چباں کے رہنے والے تھے۔ اور وہ مجذوب تھے۔ مگر ان کا کوئی مقررہ پیر کامل نہ تھا' مگر جذبات حق کے تصرفات سے عالی مقامات اسے حاصل تھے۔ اور وہ بہت سے مراحل طے کر چکا تھا۔ اس نے میرے والد صاحب کے ساتھ کسی مقام کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ میں پینتالیس سال سلوک طے کر کے اس مقام پر پہنچا۔ پھر اس مقام پر میں نے دو سال تک ظاہری اور باطنی طور پر بڑی سخت محنت کی' اور خون جگر کھایا۔ تب کہیں اللہ رب العزت نے مجھے اس مقام سے عبور عطا فرمایا۔ تو میرے والد صاحب خلیفہ بشیر حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حکایت اپنے ''پیر کامل سلطان طریقت برہان حقیقت حضرت سید احمد حسین شاہ گیلانی محبوب ذات قدس سرہٗ'' کی خدمت اقدس عرض کی۔ تو آپ نے فرمایا: ''کہ کوئی شخص مشائخ کی قدر نہیں جان سکتا۔ اور نہ ہی ان کا حق ادا کر سکتا ہے۔ لہٰذا ہمارے مریدین میں سے بعض ایسے ہیں۔ کہ جنہوں نے دو سال کے اندر اس راہ کے سلوک کی داد طریقت کے شروع

سے لے کر حقیقت کی انتہا تک دی ہے۔ اور جب اس مقام پر پہنچے ہیں۔ تو ایک یا دو روز میں ہم نے انہیں اس مقام سے عبور کرا دیا کہ جس مقام پر وہ بزرگوار پنتالیس سال تک مجاہدہ کر کے پہنچا تھا۔ اور جس کو دو سال سخت ترین مجاہدہ کر کے عبور کیا۔ اور ناحق تکلیف بھی اٹھائی''۔

(۹) اس راہ کا سلوک مرید کو ذکر کے وسیلے بھی ہو سکتا ہے۔ اور ذکر جو کہ خود کیا جائے۔ وہ کچھ ایسا مفید نہیں ہو سکتا جب تک کہ کوئی کامل پیر اسے تلقین نہ کرے۔ اس کا مفصل حال انشاء اللہ العزیز پیر کامل سے ذکر کی ضرورت کے حصہ میں بیان کروں گا۔

(۱۰) جس طرح دنیاوی بادشاہوں کی بارگاہ میں کوئی شخص کسی مرتبہ' درجہ' منصب یا ولایت حاصل کرنا چاہے۔ اگرچہ اس کا حق نہ ہو یا اس کے ہاتھ سے کوئی مناسب خدمت بھی نہ ہوئی ہو۔ اور جب وہ بادشاہ کے کسی مقرب بندہ کے ذریعے جاتا ہے۔ اور وہ مقرب بادشاہ کا منظور نظر اور مقبول القول ہوتا ہے۔ تو وہ بادشاہ کی خدمت میں عرض کرتا ہے۔ تو بادشاہ باوجود اس کے مستحق نہ ہونے کے اسے اپنے مقرب کی خدمات کا لحاظ کر کے اس کی عرض کو رد نہیں کرتا۔ اور اگر وہ شخص خود کوئی ایسی عرض کرتا۔ تو کبھی اسے وہ درجہ' مرتبہ یا رتبہ نہ ملتا۔ اسی طرح بارگاہ الٰہی کے ایسے بھی مقرب ہیں۔ کہ اگر وہ جہان کو تہہ و بالا کرنے کیلئے عرض کریں۔ تو وہ بھی منظور ہو جاتی ہے۔

"ربی اشعت اغبر ذی طمرین لا یو به به لو اقسم علی اللّٰہ لابرہ"

بہت سے پراگندہ بال۔ غبار آلود۔ پھٹے پرانے کپڑوں والے اس دنیا کے نزدیک بے اعتبار۔ ایسے بھی ہیں۔ کہ اگر وہ کسی کام کیلئے اللہ رب العزت کی قسم کھا لیں۔ تو اللہ رب العزت انہیں بری کرتا ہے۔ یعنی وہ کام پورا کر دیتا ہے۔

لہٰذا یہ مرتبہ اور مقام اس درگاہ کے برہنہ پا اور برہنہ سروں کا ہے۔ کہ جہاں پر دین

کے بادشاہ اور سلطان ہیں۔ اور عالم یقین کے مقتدی ہیں۔ اور ان کی بارگاہ الٰہی میں اس قدر منزلت اور عزت و آبرو ہے۔ کہ بیان نہیں ہوسکتی کیونکہ

"اعددت العبادی الصالحین ما لا عین رات ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر"

میں نے اپنے نیک بندوں کیلئے وہ چیزیں چُن کر رکھی ہیں۔ جن کو نہ آنکھوں نے دیکھا۔ اور نہ کانوں نے سنا۔ اور نہ ہی جن کا کسی فرد و بشر کو خیال آیا۔

اس کے علاوہ اور بہت سی وجوہات ہیں۔ جو کہ بخوف طوالت نہیں لکھی جاسکتیں۔

شیخیت کا مقام- صفات- شرائط

القرآن: فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا (کہف' آیت ۶۵)

ترجمہ: پس ہمارے بندوں میں سے اسے ایک بندہ ملا۔ جسے ہم نے اپنے پاس سے رحمت عطا کی' اور اپنے پاس سے علم سکھایا۔

الحدیث: لَا تَزَالُ طَآئِفَةٌ مِّنْ اُمَّتِیْ قَائِمِیْنَ عَلَی الْحَقِّ لَا یَنْصُرُهُمْ مِنْ خُذْلِهِمْ

ترجمہ: میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ تک حق پر قائم رہے گا۔ جو لوگ اس کی توہین کریں گے۔ ان کی کبھی مدد نہیں کی جائے گی۔

مقام مرشد کامل

واضح رہے۔ کہ اللہ رب العزت نے حضرت خضر علیہ السلام کیلئے شیخی کا مقام اور مقتدائی کا مرتبہ ثابت کیا ہے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آپ کے پاس مرید ہونے اور علم لدنی سیکھنے کیلئے بھیجا۔ اور اللہ رب العزت آپ کی شیخوخیت کا ثبوت خود دیتا ہے۔

''عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا اٰتَيْنَاهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا''

''اسے ایک بندہ ملا۔ جسے ہم نے اپنے پاس سے رحمت عطا کی۔ اور اسے اپنے پاس سے علم سکھایا''۔

اس درج بالا آیت شریف میں پانچ بار حضرت خضر علیہ السلام ثابت کیا۔

(۱) بارگاہ الٰہی کی عبدیت کا اختصاص کہ ''مِنْ عِبَادِنَا''

(۲) قبول حقائق کا استحقاق بے واسطہ بارگاہ الٰہی سے کہ ''اٰتَيْنَاهُ''

(۳) مرحمت خاص کی یافت کی خصوصیت مقام عندیت سے کہ ''رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا''

(۴) بارگاہ الٰہی سے علوم کے حاصل کرنے کا شرف کہ ''وَعَلَّمْنٰهُ''

(۵) علم لدنی کی دولت کا بے واسطہ وسیلہ حاصل کرنا ''مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا''

(۱) مقام عبدیت

جب تک ماسوائے اللہ رب العزت کی بندگی سے آزاد نہ ہوگا۔ اسے ''مِنْ عِبَادِنَا'' کی عبدیت کا اختصاص کبھی بھی حاصل نہ ہوگا۔ اور سالک اس وقت تک آزاد نہیں۔ کہلا سکتا کہ جب تک اسے اپنے ساتھ یا پھر اپنی نیک بختی کے ساتھ علاقہ ہے۔ کیونکہ بزرگوں نے فرمایا ہے۔ کہ جس چیز سے تو علاقہ رکھے گا۔ تو اس کا بندہ ہے۔ ''والمکاتب عبد مابقی علیہ درھم'' (لکھنے والا غلام ہے۔ جب تک اس کی طرف بقایا ہے)

(۲) اللہ تعالیٰ کی جانب سے بے واسطہ قبول حقائق کرنا

اللہ رب العزت کی جانب سے بے واسطہ قبول حقائق کرنا۔ ایک بات اچھی طرح یاد رکھیں کہ یہ بات اس وقت تک نہیں ہوسکتی۔ کہ جب تک پورے طور پر صفات بشریٰ اور روحانی کے حجابات سے خلاصی نہ پالے۔ وہ اس لئے کہ جو پردے کے پیچھے سے آتا ہے۔ وہ وسیلے سے آتا ہے۔ اگرچہ بعض ان میں سے ایسے بھی معلوم ہوتے ہیں۔ کہ بے وسیلہ پہنچے ہیں۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بے وسیلہ کلام الٰہی سنا کرتے تھے۔ لیکن

درحقیقت وہ کلام بے واسطہ نہ تھا۔ کبھی درخت وسیلہ ہوتا۔ جیسا کہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

"مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ يّٰمُوْسٰى اِنِّيْٓ اَنَا اللّٰهُ" (القصص، آیت ۳۰)

درخت سے آواز آئی۔ کہ اے موسیٰ! بے شک میں ہی تیرا پروردگار ہوں۔

سے ظاہر ہے۔ اور کبھی کبھی

"نُوْدِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ" (القصص، آیت ۳۰)

"وادی ایمن کے کنارے سے میں ندا کرتا ہوں"۔

کی آواز۔

ضروری نوٹ

(اس بات کا مفصل حال ہر شخص کسی صورت نہیں سمجھ سکتا)

واضح رہے۔ کہ حق تعالیٰ کا کلام بے حروف اور بے آواز ہے۔ لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام حرف اور آواز کے وسیلہ سے سنتے تھے۔ اور اگر بے وسیلہ سن سکتے تو انہیں حضرت خضر علیہ السلام کی نصیحت کے حوالے نہ کرتے۔

"اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا" (کہف، آیت ۶۷)

"تو میرے ساتھ رہ کر ضرور بالضرور صبر نہیں کر سکے گا"۔

کے مصقلہ سے صفات انسانی کے آثار اس کے دلی آئینہ سے مٹا دیں کیونکہ نبوت کے شروع میں حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ پر جب تک رفع حجاب کامل طور پر نہ گیا تھا۔ اللہ رب العزت کی وحی وسیلہ سے آتی تھی۔ جیسا کہ قرآن مجید میں وارد ہے

"نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ عَلٰى قَلْبِكَ" (الشعراء، آیت ۱۹۳)

"تیرے دل پر روح الامین (جبرائیل) اتارا"۔

سے ثابت ہوتا ہے۔

لیکن معراج کی رات۔ جبکہ کوئی پردہ درمیان میں حائل نہ رہا۔ اس لئے وسیلہ بھی درمیان سے اٹھ گیا۔

"فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَا اَوْحٰی" (النجم آیت ۱۰)

"پھر اپنے بندے پر حکم بھیجا جو بھیجا"۔

(۳) مقام عندیت سے رحمت خاص کا حاصل کرنا

یہ بات خاص الخاص کو حاصل ہوتی ہے۔ وہ اس لئے کہ رحمت الٰہی سے بہرہ ور تین گروہ ہوتے ہیں۔ عوام اور خاص تو وسیلہ سے حاصل کرتے ہیں۔ جبکہ خاص الخاص بے وسیلہ حاصل کرتے ہیں۔ عوام کی بہرہ وری رحمانیت کی صفت کی وجہ سے ہے۔ اور اسے مردود یا مقبول دونوں پا سکتے ہیں۔ وہ اس لئے کہ رزق۔ صحت اور شفقت کافروں اور مسلمانوں پر یکساں ہے۔ اور یہ صفت رحمانیت کا نتیجہ ہے۔ اور اگر اس رحمت کا اثر نہ ہوتا۔ تو کسی بھی کافر کو پانی کا گھونٹ تک نہ ملتا اور جو اللہ رب العزت نے فرمایا ہے کہ

"سَبَقَتْ رَحْمَتِیْ غَضَبِیْ" "میرے غضب سے میری رحمت سبقت لے گئی"۔

یہ صرف اسی وجہ سے ہے۔ اور اسی ہی وجہ سے کہتے ہیں "یارحمٰن الامین" جبکہ خواص کا بہرہ صفت رحیمی سے ہے۔ تاکہ انبیاء علیہم السلام کے دعوے کو قبول کر کے ان کی متابعت کے وسیلے آخرت میں آٹھوں جنتوں کی نعمتیں حاصل کریں۔ جیسا کہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

"نَبِّئْ عِبَادِیْ اَنِّیْ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ" (الحجر آیت ۴۹)

"میرے بندوں کو خبر کردو کہ بے شک میں غفور رحیم ہوں"۔

اور اسی لئے کہا ہے کہ "یا رحیم الآخرۃ"

خاص الخاص کا حصہ ''اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ'' کی صفت سے بے واسطہ ہے۔ جیسا کہ انبیاء علیہم السلام کو حاصل ہوتا ہے۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں عرض کی:

''مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ'' (الانبیاء' آیت ۸۳)

''مجھ میں تکلیف آ پڑی ہے۔ اور اے پروردگار! تو ارحم الراحمین ہے''۔

لہٰذا اس سے اشارہ مقام عندیت سے رحمت بے واسطہ کا ہے۔ ''رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا'' اور یہ صفات الوہیت کی تجلیٰ اور آثار بشریت کے محو ہونے اور تخلیق باخلاق ربوبیت کا نتیجہ ہے۔

(۴) بارگاہ الٰہی سے بے وسیلہ علوم کا سیکھنا

بارگاہ الٰہی سے بے وسیلہ علوم کا سیکھنا۔ یہ مقام اس وقت حاصل ہوتا ہے۔ کہ جب دل کی تختی علوم روحانی' عقلی' سمعی اور حسّی کے نقوش سے پاک صاف اور خالی ہو۔ لہٰذا جب ایسی حالت ہو جائے گی۔ تو لوح دل بارگاہ الٰہی سے علوم بے واسطہ حاصل کرے گی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اگرچہ تورات کا علم اللہ رب العزت سے حاصل ہوا تھا۔ لیکن الواح کے وسیلہ سے حاصل ہوا تھا۔ جیسا کہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

''وَكَتَبْنَا لَهٗ فِی الْاَلْوَاحِ'' (اعراف' آیت ۱۴۵)

''ہم نے اس کے واسطے تختیوں پر لکھا''

جبکہ حضرت خضر علیہ السلام کی صحبت کا یہ فائدہ تھا۔ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں کتابت حق کی شائستگی آ جائے۔ اور الواح کی تکلیف رفع ہو جائے۔ اور یہ مرتبہ صرف اور صرف حضور نبی اکرم ﷺ کو ہی حاصل تھا۔ جیسا کہ حضور سرکار دو عالم ﷺ نے

فرمایا کہ

''اوتیت جوامع الکلم''

''مجھے جوامع الکلم عنایت کیا گیا ہے''۔

لہٰذا حضور اقدس ﷺ کو قرآنی تعلیم دل کی راہ سے حاصل ہوئی۔ نہ کہ کتاب کی صورت میں۔ جیسا کہ

''اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ'' سے ثابت ہے۔

علم لدنی کا بے وسیلہ سیکھنا

اگرچہ علوم کا سیکھنا اللہ رب العزت سے بے واسطہ ہوسکتا ہے۔ لیکن وہ علم لدنی نہیں ہوتا۔ جیسا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے حق میں فرمایا ہے کہ

''وَعَلَّمْنَاهُ صَنْعَتَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ''

''ہم نے اسے تمہارے لئے زرہ تیار کرنے کی صنعت سکھائی''۔

زرکی صنعت وعلم علم لدنی نہیں ہوسکتا۔ اگرچہ اللہ رب العزت ہی کی طرف سے تھا۔ جبکہ علم لدنی اللہ رب العزت کی ذات وصفات کی معرفت سے تعلق رکھتا ہے۔ اور بے وسیلہ اللہ رب العزت کی تعریف اور تعلیم سے حاصل ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ کہ

''عَرَفْتُ رَبِّیْ بِرَبِّیْ''

''میں اپنے رب کو اپنے رب کے وسیلہ سے پہچانتا ہوں''۔

اور یہ علم اس طرح حاصل ہوسکتا ہے۔ کہ مرد اپنے وجود سے پیدا ہو۔ تاکہ اپنے لدن سے پیدا ہونے کے سبب اللہ رب العزت کے لدن کو پہنچے اور وہاں پر یہ علم حاصل کرے۔ جیسا کہ اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں حضور اقدس ﷺ سے فرمایا! کہ

"وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْآنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ" (النمل آیت ۶)

"اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! بے شک تو قرآن مجید حکیم اور علیم سے سیکھتا ہے"۔

جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں۔ کہ

"لم یجد ملکوت السموات والارض من لم یولد مرتین"

"آسمانی اور زمینی بادشاہت اس کو نہیں ملتی۔ جو دو مرتبہ پیدا نہیں ہوتا"۔

اس پیدا ہونے سے یہ مراد ہے۔ کہ جب ابتداء میں صادق مرید

"وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا" (عنکبوت آیت آخری)

"جو ہماری راہ میں کوشش کرتے ہیں۔ البتہ ہم انہیں اپنی راہیں دکھاتے ہیں"۔

کے مطابق راہ طلب میں قدم رکھتا ہے۔ اور جذبات عنایت کی کمند سے دل کا رخ من بھاتی چیزوں اور نفس کی لذتوں سے پھیرتا ہے۔ اور بارگاہ الٰہی کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ تو اللہ رب العزت "لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا" کے طریق کے مطابق کسی کامل اور واصل شیخ کا جمال اس کے آئینہ دل میں ڈال دیتا ہے۔ وہ شیخ سالک ہوتا ہے۔

مجذوب شیخ نہیں ہوسکتا

اوپر درج بالا آیت "لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا" کے طریق کے مطابق کسی کامل اور واصل شیخ کا جمال اس کے آئینہ دل میں ڈال دیتا ہے۔ وہ شیخ سالک ہوتا ہے۔ نہ کہ مجذوب۔ کیونکہ مجذوبوں سے شیخیت نہیں ہوسکتی۔ اگرچہ سالک بھی مجذوب ہوتا ہے۔ لیکن مجذوب سالک اور چیز ہے۔ جبکہ مجذوب مطلق اور چیز ہوتا ہے۔ اور جب مرید صادق شیخ کا جمال آئینہ دل میں مشاہدہ کرتا ہے۔ تو فوراً اس کے جمال پر عاشق ہو جاتا ہے۔ اور آرام و قرار بھی جاتا رہتا ہے۔ اور تمام سعادتوں کی جائے پیدائش یہی بے قراری اور عاشقی ہے۔ اور جب تک مرید شیخ کی ولایت کے جمال پر عاشق نہ ہو جائے۔ وہ اپنے اختیار اور ارادت کے

تصرف سے باہر نہیں نکل سکتا۔ اور ارادت شیخ کے تصرف کو تسلیم نہیں کر سکتا۔ مرید سے مراد یہ ہے۔ کہ مرید شیخ کی مراد ہو نہ کہ اپنی مراد۔

اس حالت میں مرید تصرف شیخ کی قبولیت کی شائستگی حاصل کر لیتا ہے۔ تو شیخ اسے انڈے کی طرح اپنی ولایت کے پر وبال کے تصرف میں لے لیتا ہے۔ وہ اس لئے کہ مرید واقعی انڈے کی طرح ہوتا ہے۔ جو اپنی بشریت اور انسانیت کی بیضگی میں بند ہوتا ہے۔ اور مرغ ہونے کے مرتبہ سے کہ جس سے مراد عبدیت خاص ہے۔ باز رہا ہوا ہوتا ہے۔ لٰہذا جب اسے اللہ رب العزت کی طرف سے اپنے شیخ کی ولایت کے تصرف کو تسلیم کرنے کی توفیق عطا ہوتی ہے۔ تو پھر شیخ اپنی اعلیٰ ہمت اس پر خرچ کرتا ہے۔ اور اس کے حال کا بھی نگہبان رہتا ہے۔ کہ جس طرح آہستہ آہستہ مرغ کا تصرف انڈے میں نمودار ہوتا ہے۔ اور انڈے کو انڈے کی حالت سے بدل کر مرغ کی حالت میں لاتا ہے۔ اور اسی طرح شیخ کی ہمت کیمیا اثر کا تصرف مرید کے بیضۂ صفت وجود کو بدل کر عبدیت خاص کے وجود میں لے آتا ہے۔ ظاہری مرغ تو انڈے کے چھلکے سے نکل کر دنیا میں آتا ہے۔ کیونکہ اسے پیدا ہی دنیا کیلئے کیا گیا ہے۔ لیکن حقیقی مرغ اندر کی راہ ملکوت کی کھڑکی سے باہر اڑ جاتا ہے۔ وہ اس لئے کہ اسے اس جہان کیلئے پیدا کیا گیا ہے۔ اور جس طرح کہ ظاہری مرغ دنیا میں ہوتا ہے۔ اور اس مرغ کو انڈے میں رکھا ہوتا ہے۔ اور انڈے کی ملکوت میں چھپا ہوا ہوتا ہے۔ وہ اس مرغ کے تصرف کے سبب ملکوت بیضہ سے ظاہری دنیا میں آتا ہے۔ اور یہاں پر ولایت شیخ کا مرغ دنیا میں نہیں ہے۔ کیونکہ شیخ کی وہ داڑھی اور سر نہیں ہے۔ جو لوگ دیکھتے ہیں۔ اور حقیقی شیخ وہ ہے۔ کہ مقام عندیت میں عنایت حق کے گنبد کے نیچے صدق کے مقام میں ہے:

حدیث قدسی "اولیائی تحت قبائی لا یعر فھم غیری"

"میرے دوست میری قبا کے نیچے ہیں جنہیں میرے سوا کوئی نہیں جانتا"۔

سالک اور مجذوب میں فرق

میں نے ایک مرتبہ اپنے ''شیخ حضرت سید افتخار احمد حسین شاہ گیلانی سجادہ نشین درگاہ حضرت محبوب ذات قدس سرہ'' سے عرض کیا۔ کہ سالک اور مجذوب دونوں کو معرفت نصیب ہوتی ہے۔ پھر دونوں کے درمیان بنیادی فرق کیا ہے؟

آپ نے فرمایا۔ کہ مجذوب وہ شخص ہوتا ہے۔ جو کہ کسی چیز کو دیکھ کر فوراً اس کا اثر قبول کر لے اور مجذوب اپنے مشاہدہ کی بدولت نہایت مسرور ہوتا ہے۔ اور اسی خوشی کے عالم میں اپنے جسم کے ساتھ وہی حرکات کرنے لگ جاتا ہے۔ جو کہ اسے مشاہدے میں دکھائی دیتی ہیں۔ اللہ رب العزت جب کسی بندہ پر رحم کرتے ہوئے اس کی بصیرت کو کشادہ فرما دے تو ایسا شخص ہمیشہ ملاء اعلیٰ کے عجائبات کے مشاہدے میں مستغرق رہتا ہے۔ اور یہ ایک ایسی کیفیت ہے۔ کہ جسے کسی طرح بھی الفاظ میں قلم بند نہیں کیا جا سکتا۔ مجذوب جب یہ مشاہدہ کرتا ہے۔ تو اس کی نقل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ کیونکہ مشاہدات کی کوئی حد نہیں ہوتی اس لئے ان کی نقل کرنا عملاً ممکن نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ مجذوب کی حالت میں ٹھہراؤ اور قرار نہیں ہوتا۔ اس لئے اگر آپ کسی مجذوب کو دیکھیں۔ کہ وہ خوشی کے مارے جھومتا ہوا چل رہا ہے۔ تو سمجھ جائیں کہ وہ حورعین کے مشاہدے میں گم ہے۔ کیونکہ ان کی حرکات اسی طرح کی ہوتی ہیں۔

اس کے برعکس سالک مشاہدات سے متاثر نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کی نقل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ بلکہ اس کی مثال بے کراں سمندر کی سی ہوتی ہے۔ کہ جس پر کوئی بھی چیز اثر انداز نہیں ہوسکتی۔ سالک معرفت کے اعتبار سے بھی مجذوب سے بہت زیادہ اعلیٰ درجہ کا کامل ہوتا ہے۔ اور سالک مجذوب کی نسبت تین گنا زیادہ اثر و ثواب کا مستحق ہوتا ہے۔ کیونکہ سالک حضور نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے۔ ظاہری مشاہدے پر متاثر

نہیں ہوتا۔ اس لئے سالک کے ہوش وحواس قائم رہتے ہیں۔ اس کے برعکس مجاذیب کے حواس عام طور پر قائم نہیں رہتے۔ کیونکہ ان کا ظاہر اپنے مشاہدے سے ہو کر اسی کی پیروی میں لگ جاتا ہے۔ جس کی بدولت ان کی عقل متاثر ہو جاتی ہے۔

ایک مرتبہ ''حضرت سید افتخار احمد حسین شاہ گیلانی سجادہ نشین درگاہ حضرت محبوب ذات قدس سرہ العزیز'' ایک واقعہ بیان فرما رہے تھے۔ کہ ایک مرتبہ دیوان کے اراکین میں ایک صاحب اپنے کمسن بیٹے کو کندھے پر بٹھا کر دیوان میں لے آئے۔ انہیں اپنے بیٹے کے بارے میں یہ معلوم تھا۔ کہ وہ ان کا روحانی وارث ہوگا۔ لیکن کیا وہ سالک ہوگا۔ یا مجذوب؟ اس بارے میں پتہ نہیں تھا۔ دیوان کے اراکین نے اسے سرزنش کی۔ کہ جو شخص اس مرتبے کا مالک نہ ہو۔ اسے دیوان میں لانا مناسب نہیں ہے۔ پھر تم اسے یہاں کیوں لائے ہو؟ ان صاحب نے دیوان کے دیگر اراکین سے معذرت کی' اور اس کے بعد غوث زمان کی خدمت میں مسند نبی اکرم ﷺ اور دیگر اہل دیوان (مجلس) کا واسطہ دیتے ہوئے یہ درخواست کی۔ کہ اس بات کو ظاہر کر دیا جائے۔ کہ میرا لخت جگر سالک ہوگا یا کہ مجذوب؟ تو غوث زماں نے جواب دیا کہ یہ ممکن نہیں۔ کیونکہ جو نور ایمان سالک میں ہوتا ہے۔ وہی مجذوب میں بھی موجود ہوتا ہے۔ اور دونوں کو اللہ رب العزت کی معرفت نصیب ہوتی ہے۔ صرف درجات اور نیکیوں کا فرق باقی رہ جاتا ہے۔ لہٰذا اس کے بارے میں آخرت میں پتہ چل سکے گا۔ لہٰذا ہم یہ نہیں جان سکتے۔ کہ یہ بچہ بڑا ہو کر مجذوب ہوگا یا کہ سالک ہوگا۔ تو ان صاحب نے دوبارہ عرض کی۔ حضرت! کہ آپ اس وقت کے غوث زماں ہیں۔ اللہ رب العزت نے آپ کو بے شمار علوم عطا کر رکھے ہیں۔ میں حضور سرکار دو عالم ﷺ کے مبارک وسیلہ سے یہ درخواست کرتا ہوں۔ کہ آپ اس راز سے پردہ اٹھا دیں۔ اس پر غوث زماں نے ایک ٹہنی اور چھری منگوائی اور بچے کو اپنے سامنے بٹھایا۔ پھر چھری کے ذریعے ٹہنی کو تراش کر اپنے منہ میں لے کر کبھی دانتوں اور کبھی ہونٹوں کے ذریعے دبانا شروع کر دیا

اور ساتھ ہی بچے کا مشاہدہ بھی کرتے رہے۔ کہ وہ کیا ردعمل ظاہر کرتا ہے۔ انہوں نے دیکھا کہ بچہ بالکل ان کی نقل کر رہا ہے۔ تو انہوں نے فرمایا کہ بچہ بڑا ہو کر مجذوب ہوگا۔ بچے کے والد نے دریافت کیا کہ یہ کیسے پتہ چلا؟ انہوں نے فرمایا کیونکہ یہ بچہ اپنے مشاہدے سے متاثر ہو جاتا ہے۔

مجاذیب سے پرہیز

''حضرت سید افتخار احمد حسین شاہ گیلانی سجادہ نشین درگاہ حضرت محبوب ذات قدس سرہ'' فرمایا کرتے تھے۔ کہ سالکین کو مجاذیب سے پرہیز کرنی چاہیئے۔ اور کسی مجذوب کے ساتھ بیٹھ کر کھانا نہیں کھانا چاہیئے۔ کیونکہ مجذوب کو اس بات کی بالکل پرواہ نہیں ہوتی کہ اس کی زبان سے گالی نکل رہی ہے۔ یا کوئی اور بات اس لئے سالک کو مجذوب سے پرہیز کرنی چاہیئے۔ اسی طرح کسی بھی سالک کو کسی بھی مجذوب کے ساتھ سفر نہیں کرنا چاہیئے۔ اور نہ ہی کسی مجذوب کا لباس پہننا چاہیئے۔ کیونکہ ممکن ہے۔ کہ کسی مجذوب کے لباس پر نجاست لگی ہوئی ہو۔ اور اسی طرح کسی سالک کو کسی مجذوبہ عورت کے ساتھ نکاح نہیں کرنا چاہیئے۔ اور نہ ہی کسی سالکہ عورت کا نکاح کسی مجذوب مرد سے کیا جائے۔ البتہ ایسا ہو سکتا ہے۔ کہ بعض اوقات کسی سالک شیخ کا مرید مجذوب ہو۔ جیسا کہ مذکورہ بالا واقعہ میں بچے کا والد سالک تھا۔ اور وہ بچہ مجذوب تھا۔ اور یہ بھی ممکن ہے۔ کہ کسی مجذوب کا تربیت یافتہ مرید سالک ہو۔ جیسا کہ ''محمد یوسف الفاسی'' سالک تھے۔ لیکن آپ کے شیخ طریقت ''محمد عبدالرحمن'' مجذوب تھے۔

میں نے عرض کیا۔ کہ مجذوب کو تو اپنی خبر نہیں ہوتی۔ دوسرے کی کیا ہوگی؟ تو پھر وہ اپنے مرید کی تربیت کیسے کرے گا؟ تو آپ نے فرمایا۔ کہ جذب کی مختلف کیفیات ہوتی ہیں۔ بعض حضرات کا جذب کم ہوتا ہے۔ اور بعض حضرات کا جذب اس قدر زیادہ ہوتا

ہے۔ کہ کسی بھی وقت جذب کی کیفیت کم ہی نہیں ہوتی۔

اولیائے کرام بعض اوقات اللہ رب العزت کی عطا کردہ قدرت کے تحت ایسے کارنامے سرانجام دیتے ہیں۔ کہ جنہیں دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ لیکن جب آپ حقیقت حال کا جائزہ لیں گے تو پتہ چلے گا۔ کہ درحقیقت فاعل تو اللہ رب العزت کی ذات ہی ہے۔ اور تمام اولیائے کرام دیگر مخلوقات کی مانند مشیت ایزدی کے پابند ہیں۔

میں نے عرض کیا۔ کہ اگر اولیائے کرام افعال باری تعالیٰ کے مشاہدے میں گم رہتے ہیں۔ تو پھر انہیں اپنے افعال کا کیسے پتہ چلتا ہے؟ یا پھر وہ کسی فعل کو اپنی طرف کیوں مبذول کرتے ہیں؟

آپ نے فرمایا۔ کہ اولیائے کرام صرف دوسروں کو اللہ رب العزت کے افعال کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ اور مخلوق میں سے کسی ایک کے اندر بھی یہ صلاحیت نہیں ہے۔ کہ وہ اپنی ذات کے اندر اللہ رب العزت کے افعال کا مشاہدہ کر سکے۔ کیونکہ اگر وہ اپنی ذات کے اندر افعال باری تعالیٰ کا مشاہدہ کرے۔ تو فوراً اسی وقت فنا ہو جائے۔ ایک بات اچھی طرح سے یاد رکھو کہ تمام مخلوقات اللہ رب العزت کے افعال کا مشاہدہ مختلف واسطوں کے ذریعے دوسروں میں کرتی ہیں اسی لئے اللہ رب العزت نے مختلف واسطے پیدا کئے ہیں۔ اور ملائکہ کو اپنے افعال کا مظہر بنایا ہے۔ تاکہ مخلوقات ہلاک نہ ہو جائیں۔ اور یہ واسطہ بننے کی صلاحیت بھی ملائکہ کے اندر ہے۔ کیونکہ ان کا وجود نور پر مشتمل ہوتا ہے۔ جبکہ جسد خاکی اس کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

ایک اور بات اچھی طرح ذہن نشین کر لیں کہ اللہ رب العزت نے ملائکہ کو یہ خصوصیت عطا فرمائی ہے۔ کہ وہ افعال باری تعالیٰ اور مخلوق کے درمیان وسیلہ بنتے ہیں چنانچہ اگر عوام الناس میں سے کسی کو کشف نصیب ہو جائے۔ تو آپ لوگ دیکھیں گے کہ یہ ملائکہ ساری کائنات میں پھیلے ہوئے ہیں۔ یہاں تک کہ حجابات میں ان کے نیچے عرش پر۔

پھر اس کے نیچے۔ جنت۔ دوزخ۔ آسمان۔ زمین۔ پہاڑ۔ وادیاں اور سمندروں میں ہر جگہ ملائکہ (فرشتے) موجود ہیں۔

کیونکہ فرشتے خالق اور مخلوق کے درمیان وسیلہ بنتے ہیں۔ اس لئے ان پر ایمان لانا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ حالانکہ فرشتوں سے بلند مرتبہ مخلوق بھی موجود ہے۔ لیکن اس پر ایمان لانا ضروری نہیں ہوتا مثلاً عرش سے اوپر کے حجابات وغیرہ۔

دیوان (مجلس مصطفیٰ ﷺ) میں مجاذیب کی شمولیت

مجذوب حضرات دیوان میں داخل نہیں ہوتے اور نہ ہی انہیں کسی قسم کے تصرف کا اختیار ہی ہوتا ہے۔ کیونکہ جب انہیں تصرف کی اجازت دی جائے گی۔ تو یہ حضرات لوگوں کو ہلاک کر دیں گے۔ دجال کے خروج کے وقت تصرف ان مجاذیب حضرات کے سپرد کر دیا جائیگا۔ اور اس وقت دیوان (مجلس) کا سربراہ کسی مجذوب کو بنا دیا جائیگا۔ کیونکہ ان حضرات کے پاس عقل نہیں ہوتی اس لئے ان حضرات کے تصرف میں خلل واقع ہوتا ہے۔ اور یہی خلل دجال لعین کے خروج کا باعث بنے گا۔

حکایت

مراکش کے حماد نام کے ایک شخص کا واقعہ بیان کرنا چاہتا ہوں ۔جو کہ مجذوب تھے۔ وہ ایک بازار میں دست سوال دراز کیا کرتے۔ اور اکثر کھانے کی اشیاء مانگا کرتے تھے۔ اس زمانہ میں کھانے کی اشیاء بہت مہنگی تھیں۔ ایک مرتبہ آپ روٹی مانگنے کیلئے ایک دکان کے پاس گئے۔ اور آپ نے نظر کشفی سے دیکھا کہ دکان کے سامنے زمین میں ایک مٹکا دفن ہے اس میں بہت سا سونا موجود ہے۔ لیکن دکاندار بھی صاحب کشف تھا۔ اس نے جب حماد مجذوب کو اپنی طرف آتے دیکھا تو ان کا امتحان لینے کا ارادہ کیا۔ اور جب حماد مجذوب نے آکر سوال کیا۔ تو دکاندار نے کہا۔ کہ اللہ رب العزت نے تمہیں بہت کچھ عطاء کر رکھا

ہے۔تو حماد مجذوب نے اپنا سوال پھر دہرایا تو دکاندار نے بھی اپنا جواب دوبارہ دہرایا۔ پھر اس دکاندار نے سوچا۔ کہ حماد مجذوب کو ضرور آزمانا چاہیئے۔ کہ یہ واقعی کوئی بزرگ ہستی ہیں۔تو اس نے حماد مجذوب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ کہ تم جس ضرورت کا سوال کر رہے ہو۔اس کی تکمیل کیلئے وہ چیز کافی ہے۔ جو کہ تمہارے پاؤں کے نیچے ہے۔ اور دکاندار کا اشارہ زیر زمین دفن خزانے کی طرف تھا۔ کہ جس پر حماد مجذوب خود کھڑے تھے تو حماد مجذوب نے جواب دیا کہ میرے پاؤں کے نیچے سونا موجود ہے۔ جبکہ میں نے تم سے چاندی کے سکے کا مطالبہ کیا ہے۔تا کہ میں اس کے عوض کھانا کھا سکوں اس پر اس دکاندار کو حماد مجذوب کے کشف کا یقین ہو گیا۔ اور اس نے چاندی کے دس سکے حما دمجذوب کی خدمت میں پیش کر دیئے۔جنہیں حماد مجذوب نے قبول کیا۔اور چل دیئے۔

حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کا اپنے شیخ کے وسیلہ سے ایک مجذوب سے بچ نکلنا

''سیر الاولیا'' سید امیر خورد کی روایت کے مطابق ایک دن حضرت نظام الدین اولیاء مولانا رشید احمد فخری سے ملاقات کر کے اپنی خانقاہ کی طرف واپس آ رہے تھے۔ کہ مولانا رشید احمد فخری کے مکان کے قریب ہی ایک طویل گلی تھی۔ جب حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ گلی کے درمیان میں پہنچے تو سامنے سے ایک مجذوب آتا ہوا دکھائی دیا۔حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مدہوش شخص کو دیکھ کر سوچا۔ کہ کہیں وہ بے خودی کی حالت میں آپ سے ٹکرا نہ جائے۔ اس لئے گلی کے دوسرے کنارے پر چلنے لگے۔ تو مجذوب نے ایک نظر حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف دیکھا۔ اور پھر اس نے بھی اپنا راستہ بدل دیا۔ حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ اس مجذوب سے بچنے کیلئے جلد از جلد اس مقام سے گزر جانا چاہتے تھے۔ مگر مجذوب نے آپ کا راستہ روک لیا۔ اور قریب پہنچ کر بلند آواز میں سلام کیا۔ ہر چند حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ اس مجہول الحال شخص کو نظر انداز کر دینا چاہتے تھے۔ مگر جب اس نے سلام کیا۔ تو

آپ کو بھی سلام کا جواب دینا پڑا۔ پھر مجذوب نے معانقے کیلئے اپنے دونوں ہاتھ بڑھا دیئے۔ حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسلامی رسم کی ادائیگی میں کسی تامل سے کام نہ لیا اور معانقے کے بعد وہ مجذوب حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ سے بغلگیر ہو گیا۔ حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ مجذوب کے اسی قرب سے بچنا چاہتے تھے۔ مگر مجذوب نے آپ کو اتنی مہلت نہ دی۔ پھر جیسے ہی وہ شخص گلے ملا۔ تو حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کو محسوس ہوا۔ کہ جیسے اس کے جسم میں آگ بھری ہوئی ہے۔ تو حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ نے فوراً ہی اپنے پیرومرشد حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کا تصور کیا۔ اور اس آگ کو برداشت کرتے رہے۔

مجذوب کچھ دیر تک اسی حالت میں کھڑا رہا اور حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ دل ہی دل میں دعا کرتے رہے۔ کہ وہ شخص جلد از جلد آپ کا پیچھا چھوڑ دے۔ واضح رہے۔" کہ تصوف میں دو راستے زیادہ مشہور ہیں۔ ایک راستہ کہ جس پر چلنے کے بعد انسان سالک بن جاتا ہے۔ اور سالک ہمیشہ اپنے ہوش وحواس میں رہتا ہے۔ اور شریعت کے تمام اصولوں پر سختی سے کاربند رہتا ہے۔ اور دوسرا راستہ وہ ہے۔ کہ جس پر چلنے والے جان سوختہ کہلاتے ہیں۔ اور اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھتے ہیں۔ اور انہی لوگوں کو عرف عام میں مجذوب کہا جاتا ہے"۔ مجاذیب کے بارے میں مشہور ہے۔" کہ وہ پہلے تو کسی کی طرف دیکھتے ہی نہیں۔ اور اگر اتفاق سے کسی پر نظر پڑ جائے۔ تو اسے بھی اپنے ہی رنگ میں رنگ لیتے ہیں"۔ اور حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی ہی بات سے خائف تھے۔ مگر یہ ان کے شیخ کامل حضرت بابا فریدالدین رحمۃ اللہ علیہ کا فیضان نظر تھا۔ کہ وہ مجذوب آپ پر اثرانداز نہ ہو سکا۔

پھر یکا یک وہ مجذوب جھکا۔ پھر اس نے حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کے سینہ کو بوسہ دیتے ہوئے نہایت پرسوز لہجے میں کہا۔ کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے۔ کہ ابھی مسلمانوں میں ایسا سینہ موجود ہے۔ اور یہ کہہ کر مجذوب حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ سے الگ ہو گیا۔ اور تیز رفتاری کے ساتھ چلا گیا۔

اب یہاں سے میں اپنے اصل مضمون کی طرف واپس آتا ہوں۔ کہ اللہ رب العزت فرماتا ہے۔ کہ ''میرے دوست میری قبا کے نیچے ہیں۔ جنہیں میرے سوا کوئی نہیں جانتا''۔

پس وجود مرید کو بیضہ انسانیت کے ملکوت میں رکھا ہوا ہے۔ اور چھپا ہوا ہے۔ اب اسے ہمت شیخ کا تصرف ملکوت کے دریچہ سے ہوائے ہویت کے میدان میں لے آتا ہے۔ اور ولایت کی پیٹھ اور ارادت کے رحم سے

''فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْكٍ مُّقْتَدِرٍ''

''مقام صدق میں صاحب اقتدار بادشاہ کے نزدیک ہے''۔

کے مقام عندیت میں پیدا کرتا ہے۔ اب تک اگر وہ دنیاوی انسانیت کا بیضہ تھا تو اب اللہ رب العزت کی عبدیت خاص کا مرغ بن گیا ہے۔ کیونکہ حضور اقدس ﷺ کو جب تک مرغ عبداللہ سے انسانیت کا بیضہ وجود میں نہیں آیا تھا۔ ''احمد ﷺ'' کہتے تھے۔ کہ

''وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِ اسْمُهٗ اَحْمَدُ'' (الصف آیت ٦)

'' ایک ایسے رسول کی خوشخبری دیتا ہوں جو میرے بعد آئے گا۔ اور اس کا نام احمد ﷺ ہوگا''۔

لہٰذا جب وہ بیضہ وجود میں آیا۔ اور حضرت جبرائیل علیہ السلام کے پرو بال کے تصرف میں نبوت اور رسالت کی پرورش پائی تو اسے محمد ﷺ کہنے لگے۔ ''وَمَا مُحَمَّد اِلَّا رَسُوْلٌ '' (محمد ﷺ رسول اللہ ہے) اور جب پرورش کمال کو پہنچ گئی۔ اور بیضے سے مرغ کی حالت کو آئے۔ اور ''قاب قوسین'' کے مقام میں پرواز کرنا شروع کیا۔ تو اسے ''عبد'' کہا۔

''سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا'' (بنی اسرائیل آیت ۱)

''وہ ذات پاک ہے۔ جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا''۔

یہ سب کچھ اس لئے ہے۔ تا کہ اچھی طرح معلوم ہو جائے۔ کہ عبدیت خاص کے

مقام کا مرغ ہونا بھی خاص ہے۔ اور اس بات کے باوجود کہ اگرچہ ہر ایک مرغ اس درجے کو پہنچ گیا ہو۔ شیخ ہونے کے لائق نہیں جس طرح ظاہری مرغوں میں سے ہر ایک مرغ انڈے نہیں سی سکتا۔ لہٰذا کوئی مرغ ایسا ہونا چاہئے۔ کہ جب مرغ کا تصرف اور اس کی پرورش کمالیت کو پہنچ جائے۔ تو پھر کچھ مدت چوزے کے تصرف میں آئے۔ اس کی تسلیم کی داد بھی دے۔ تاکہ چوزے کے تصرف سے وہ کمال کو پہنچے اور اس سے انڈے پیدا ہوں۔ اور پھر تمام انڈے دے کر کڑک بیٹھے۔ جب یہ حالت ہو جاتی ہے۔ تو پھر اسے بٹھاتے ہیں۔ اور انڈے اس کے نیچے رکھتے ہیں۔ اب اس کا تصرف ان پر مسلم ہے۔ اور اسی سے مقصد حاصل ہوتا ہے۔ لہٰذا اسی طرح جب صادق مرید ولایت شیخ کی تسلیم کی داد پورے طور پر دے لے۔ اور وجود کے بیضے سے خلاصی پا لے۔ تو پھر اسے احکام قضاء وقدر حق کے تصرفات کی تسلیم کی مرغیت کے مقام میں آنا چاہئے۔ اور پھر کچھ مدت احکام بجا لانے کی حکمات اور اپنی مرغیت کی ہستی کو حکمت قدیم کے تصرفات کے ہاتھ رکھنا چاہئے۔ ور وجود کو احکام ازلی پر فدا کرنا چاہئے۔ جو ازل میں اس کے وجود سے مطلوب تھا۔ اپنا ہد بنا لینا اور اللہ رب العزت سے وجودی کمالات اور مرادیں نہ مانگنا۔ کیونکہ اس کی پیروی وہی نہیں سکتی۔ جب کچھ مدت اسی طرح تصرفات بے واسطہ کو تسلیم کرے گا۔ تو پھر اسرار۔ ۔ حقائق اور علوم لدنی کے بیضے اس میں ظاہر ہونا شروع ہوں گے۔ اور جب سیپی ان وتیں اور جواہرات سے حاملہ ہو جائے گی۔ تو ان حقائق اور موتیوں کے انوار اس کی نظر اور گویائی کے دریچے پر تو ڈالیں گے۔ اور طالبان کے مستعد وجود کو اس بات کے تصرف کے قابل بیضہ بنا دے گا۔ جب اس کی مدت پوری ہو چکے اور تصرف کی اہلیت انڈوں میں نمودار ہو۔ تو اشارات حق مع اجازت شیخ جو کہ اشارات حق کی صورت ہے۔ اسے مقام شیخیت پر نصب کرتے ہیں۔ اور مریدین کے وجود کے بیضوں کی تربیت کی اجازت دیتے ہیں۔ شیخیت کے مقام کی ساری شرائط ناقابل شمار ہیں۔ لیکن اتنا ضرور چاہئے۔ کہ جن

ارکان کا بیان ہو چکا ہے۔ حسب ذیل صفات اور کامل طور پر بھی پائی جائیں۔ اگر ان میں سے ایک صفت بھی کم ہو۔ تو اسی قدر شیخیت کے مرتبہ میں خلل اور نقصان واقع ہوگا۔

۱۔علم

علم شریعت سے باخبر ہونا چاہئے۔ تا کہ اگر کسی مرید کو کسی ضروری مسئلے کی ضرورت واقع ہو۔ تو اسے حل کر سکے۔

۲۔ اعتقاد

نیک اعتقاد کا حامل ہونا چاہئے۔ کہ اس کا اعتقاد فقہ حنفیہ کے عین مطابق ہو۔ اور کسی بدعت سے آلودہ نہ ہو۔ تا کہ مریدین کو بھی کسی بدعت میں نہ ڈال دے۔ کیونکہ اہل بدعت کے کام سے پھر جلدی میں نجات حاصل نہیں ہوتی۔

۳۔عقل

چاہئے کہ عقل دینی کے ساتھ معاش دنیاوی کی عقل بھی بدرجۂ کمال رکھتا ہو۔ تا کہ مرید کی تربیت میں شیخوخیت کی شرائط سے کوشش کرے۔

۴۔سخاوت

شیخ ایسا ہونا چاہئے۔ کہ جو مرید کی جائز ضروریات کو بھی پورا کر سکے۔ اور اپنے مرید کو کھانے پینے اور پہننے کی ضروریات سے بھی فارغ اور بے فکر رکھ سکے۔ تا کہ وہ پورے اطمینان سے اپنے دینی کام میں مشغول ہو سکے۔

۵۔شجاعت

چاہئے کہ شیخ شجاع۔ دلیر اور ساتھ ساتھ دلاور بھی ہو۔ تا کہ خلقت کی ملامت اور خلقت سے نہ ڈرے اور اپنے مرید کو ہر ایک کے کہنے پر رد نہ کرے۔ اور بے خبروں کے لڑائی جھگڑے سے اس کام سے منہ نہ پھیر جائے۔ اور حاسدوں کی دشمنی کی کچھ بھی پرواہ نہ

کرے۔

۶- پاکدامنی

پاک نفس ہونا چاہئے۔ اور عورتوں اور معشوقین کی ہزلیات کی جانب توجہ نہ کرے۔ تا کہ مرید پر کوئی تہمت یا شک نہ کر سکے۔ اور اس کی ارادت میں فساد واقع نہ ہو کیونکہ مبتدی بے قوت ہوتا ہے۔

۷- علو ہمت

چاہئے کہ دنیا اور اہل دنیا کی طرف توجہ نہ کرے مگر ضرورت کے مطابق جیسا کہ لوگ جائے آرام اور آسائش کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ اگرچہ اس میں یہ قوت ہو کہ وہ اسے مضر نہ پڑے۔ اور لوگوں کے مال کی طمع نہ کرے۔ تا کہ مرید اس پر اعتراض نہ کر سکے۔ اور اس کی ارادت میں فرق نہ آ جائے۔ کیونکہ مرید کے لئے اعتراض سے بڑھ کر کوئی فتنہ یا آفت نہیں۔ اگر دنیا کو اس کی کوشش اور قصد کے بغیر اللہ رب العزت اس کے پاؤں پر گرائے۔ تو اسے بھی حق کی راہ میں مستحقین پر صرف کر دے۔ وہ بھی ایسے کہ اس میں غرور یا احسان کا مادہ نہ پایا جاتا ہو۔ اور کسی طرح سے بھی مال، زمین اور مکانات کے جمع کرنے کی کوشش نہ کرے۔ کیونکہ پھر ان کی دوستی دل میں پیدا ہو جاتی ہے۔

"حب الدنیا راس کل خطئیة"

"دنیا کی محبت تمام خطاؤں کا سر ہے"۔

۸- شفقت

چاہئے کہ مرید پر مشفق ہو۔ اور اسے آہستہ آہستہ کام کی حرص دلائے۔ اور اس پر یکبارگی بوجھ نہ رکھ دے۔ کہ جس کے اٹھانے کی اس میں طاقت ہی نہ ہو۔ بلکہ اس کو نرمی اور آہستگی سے کام پر لائے۔ اور جب مرید قبض میں ہو۔ تو ولایت کے تصرف سے قبض کا

بوجھ اس سے دور بھی کرے۔ اور بسط عنایت کرے۔ اور اگر بسط میں فرار کی زیادتی کرے۔تو تھوڑی سی قبض اس پر رکھ دے۔ اور بسط لے لے اور ہمیشہ اس کے دینی اور دنیاوی احوال کا نگراں حال رہے۔ تاکہ ہر قسم کی مدد کر سکے۔

قبض و بسط اور ان کا فرق

قبض و بسط احوال کی دو حالتوں کا نام ہے۔ جو بندے کی طاقت سے باہر ہے۔ اور نہ ہی اس کے آنے پر قادر ہے۔ اور نہ ہی اس کے جانے پر۔ اللہ رب العزت فرماتا ہے!

"وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْسُطُ"

"قبض و بسط میرے ہی قبضۂ واختیار میں ہے"۔

قبض اس حال کا نام ہے۔ کہ جو بحالت حجاب دل پر چھا جائے۔

بسط اس کیفیت کا نام ہے۔ کہ جس کو دل پر چھائے ہوئے حجاب کا ارتفاع کہتے ہیں۔

یہ دونوں حق ہیں۔ اس میں بندے کا اختیار نہیں ہے۔ عارفین کے احوال میں قبض ایسا ہے۔ جیسا کہ مریدین کے احوال میں خوف۔ اور اہل معرفت کے احوال میں بسط ایسا ہے جیسے مریدین کے احوال میں رجا یعنی امید یہ تعریف اس گروہ کے موافق ہے۔ جو اس طرح معنی بیان کرتے ہیں۔

مشائخ طریقت کی ایک جماعت کہتی ہے۔ کہ قبض کا مرتبہ بسط کے مرتبے سے زیادہ بلند ہے۔ اور اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں۔ کہ قرآن مجید میں قبض کا ذکر بسط سے پہلے آیا ہے۔ دوسرے یہ کہ قبض میں گداز اور قہر ہے۔ اور بسط میں نوازش اور مہربانی ہے۔ لامحالہ بشریت کے اوصاف کو فنا کرنا اور نفس کو مغلوب کرنا' پرورش اور مہربانی سے افضل ہے۔ کیونکہ وہ بہت بڑا حجاب ہے۔

جبکہ ایک اور جماعت یہ کہتی ہے۔ کہ بسط کا مرتبہ قبض کے مرتبہ سے افضل تر ہے وہ

اس لئے کہ قرآن مجید میں قبض کا پہلے ذکر آنا بسط کی فضیلت کی علامت ہے۔ کیونکہ اہل عرب کی عادت ہے۔ کہ اس چیز کو پہلے بیان کرتے ہیں۔ جو کہ فضیلت میں بعد میں ہو۔

"فَمِنۡهُمۡ ظَالِمٌ لِّنَفۡسِهٖ وَمِنۡهُمۡ مُّقۡتَصِدٌ وَّمِنۡهُمۡ سَابِقٌۢ بِالۡخَيۡرٰتِ بِاِذۡنِ اللّٰهِ"

"یعنی بعض بندے جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔ اور بعض بندے میانہ رو ہوتے ہیں۔ اور بعض بندے حکم الٰہی سے نیکیوں میں سبقت لے جاتے ہیں"۔

نیز ارشاد فرمایا

"اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيۡنَ وَيُحِبُّ الۡمُتَطَهِّرِيۡنَ"

"اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ اور خوب پاک صاف رہنے والوں کو محبوب رکھتا ہے"۔

مزید ارشاد ہوا

"يٰمَرۡيَمُ اقۡنُتِىۡ لِرَبِّكِ وَاسۡجُدِىۡ وَارۡكَعِىۡ مَعَ الرّٰكِعِيۡنَ"

"اے مریم! اپنے رب کی فرمانبرداری کرو۔ اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ سجدہ و رکوع کرو"۔

نیز مشائخ طریقت فرماتے ہیں۔ کہ بسط میں سرور ہے۔ اور قبض میں تکلیف۔ اور عارفین کا سرور کبھی بھی وصل معرفت کے بغیر نہیں ہوتا اور اپنی تکلیف فصل کے بغیر دیکھتے نہیں۔ لہٰذا وصل میں وقوف فراق کے وقوف سے بہتر ہے۔

میرے شیخ و مرشد فرماتے ہیں۔ کہ قبض و بسط دونوں ایک چیز کے دو نام ہیں کیونکہ یہ دونوں اللہ رب العزت کی طرف سے بندے کے شامل حال ہوتے ہیں کیونکہ جب ان کے معانی دل پر اثر کرتے ہیں۔ تو اس بندے کا باطن یا تو مسرور ہوتا ہے۔ اور نفس مغلوب یا پھر باطن مغلوب ہوتا ہے۔ اور نفس مسرور ہوتا ہے۔ ایک سے دل کے قبض میں اس کے نفس کی کشادگی ہے۔ اور دوسرے سے باطن کی کشادگی میں اس کے نفس کا قبض ہے۔ اور

اس کے علاوہ جو بیان کرتا ہے۔ وہ اپنے وقت کو ضائع کرتا ہے۔

قبض و بسط کے بارے میں حضرت بایزید بسطامی رضی اللہ عنہ کا فرمان

حضرت بایزید بسطامی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

"قبض القلوب فی بسط النفوس و بسط القلوب فی قبض النفوس"

''دلوں کا قبض نفسوں کی کشادگی میں ہے۔ اور دلوں کی کشادگی نفسوں کے قبض میں ہے''۔

لہٰذا قبض شدہ نفس خلل سے محفوظ ہے۔ اور بسط شدہ باطن زوال سے محفوظ ہے۔ وہ اس لئے کہ محبت میں غیرت بری ہے۔ اور قبض میں غیرت الٰہی کی علامت ہے۔ محبّ کو محبّ کے ساتھ عتاب کرنا شرط ہے۔ اور بسط معاتبت کی علامت ہے۔ لہٰذا آثار میں مروی ہے۔ کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام قبض کو قبول کئے ہوئے تھے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بسط کو اور جب ایک دوسرے سے ملاقات کرتے۔ تو حضرت یحییٰ علیہ السلام کہتے۔ کہ اے عیسیٰ علیہ السلام! کہ آپ قطعیت یعنی جدائیگی سے محفوظ ہیں۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے کہ اے یحییٰ علیہ السلام! تم رحمت سے مایوس ہو وہ اس لئے کہ تمہارا رونا نہ تو ازلی حکم کو بدلتا ہے۔ اور نہ میرا ہنسنا قضائے الٰہی کو پلٹتا ہے۔ لہٰذا

"لاقبض ولابسط ولا طمس ولا انس ولا محو ولاصحوا ولا لحق ولا محق ولا عجز ولا جهل الا من الله تعالىٰ"

''نہ قبض ہے۔ نہ بسط۔ نہ رکنا ہے۔ نہ محبت کرنا۔ نہ مٹنا ہے۔ نہ صحو۔ نہ لحق۔ نہ محق۔ نہ عجز۔ نہ جہل، سب اللہ رب العزت کی طرف ہے''۔

جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے۔ کہ لفظ قبض اور بسط مشہور ہیں۔ جبکہ لغت میں قبض کے معنی پکڑ کے ہیں۔ اور بسط کا معنی اس کی ضد ہے۔ اور اکثر صوفیائے کرام ان دونوں صفات کو

دل کے احوال سے شمار کرتے ہیں۔ جو کہ محبت کے واسطہ سے عارض ہوتا ہے جیسے کہ محبوب یا کوئی اور پسندیدہ ترین چیز ہاتھ آ جائے۔ تو دل کشادگی اور خوشی محسوس کرتا ہے۔ اور اگر ہاتھ نہ آئے۔ تو پھر دل تنگی اور غم محسوس کرتا ہے۔ جبکہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

''وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْسُطُ''

''اور اللہ تعالیٰ قبض و بسط فرماتا ہے''۔

قبض و بسط کی حقیقت خوف و امید اور انس و ہیبت کے متعلقات میں سے ہے۔ جبکہ صوفی حضرات فرماتے ہیں۔ کہ جب تک دل حجاب نورانی کے نیچے مغلوب ہو۔ قبض و بسط ہوتا ہے۔ اور جب ترقی کرے۔ اور حجاب سے باہر آئے۔ اور وجود سے چھٹکارا پائے۔ اور فنا اور بقا حاصل ہو۔ تو پھر نہ قبض ہے۔ اور نہ ہی بسط۔ جیسا کہ حضرت شیخ فارس کا قول گزرا اور کاتب نے اس کلام میں شیخ امام عالم عارف باللہ علی متقی قادری شاذلی رحمۃ اللہ علیہ ''اللہ رب العزت ہمیں ان کی اور ان کے علوم کی برکات بھی عطا فرمائے''۔ آپ فرماتے ہیں۔ کہ اپنے حصے کو خوشی اور فرحت سے جس حالت سے نفس لے لیتا ہے۔ اسے بسط کہتے ہیں۔ اور قبض وہ حالت ہے۔ کہ نفس کیلئے کوئی حصہ ہی اس میں نہیں ہوتا۔ قبض و بسط کے آداب پورے طور پر یہاں بیان نہیں کئے جا سکتے مگر وہ شخص کہ جس نے اس بارے میں صوفی علماء اور مصنفین سے فائدہ حاصل کیا ہو۔ اور میں نے ان کیلئے اس بارے میں کچھ خوبصورت باتوں کے اشاروں کے سوا اور کچھ نہیں پایا۔

حضرت امام ابو القاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے۔ بعد اس کے کہ آپ نے لفظ قبض و بسط پر کلام فرمایا۔ اس کا معنی بیان کیا۔ حتیٰ کہ آپ نے فرمایا۔ کہ کبھی قبض ایسا ہوتا ہے۔ کہ صاحب قبض پر اس کا سبب اس کے دل میں مشتبہ ہو جاتا ہے۔ اور کبھی قبض ایسا ہوتا ہے۔ کہ یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس کا موجب کیا ہے۔ اور اس قبض والے کا راستہ اور سبب تسلیم ہے۔ تو

قریب ہے۔ کہ اللہ رب العزت قبض کو اس سے دور کر دے۔ کیونکہ اللہ رب العزت فرماتا ہے: "وَاللّٰــهُ يَقْبِضُ وَيَبْسُطُ" اور کبھی بسط ایسا ہوتا ہے۔ کہ اچانک وارد ہو جاتا ہے۔ اور صاحب بسط نہیں جانتا کہ اس کا سبب کیا ہے؟ وہ حالت بسط صاحب بسط کو حرکت دیتی ہے۔ اور تیز کر دیتی ہے۔ لہٰذا صاحب بسط کی سبیل یہ ہے۔ کہ آرام وسکون اور ادب کی رعایت کرے وہ اس لئے کہ اس دوران اس کیلئے ایک بہت بڑا خطرہ موجود ہے۔ لہٰذا ایسے شخص کو ڈرنا چاہئے مگر اندر ہی اندر۔ جیسا کہ صوفیائے کرام میں سے کسی بزرگ نے کہا ہے۔ کہ مجھ پر بسط کا دروازہ کھلا تو مجھ سے ایک لغزش ہو گئی۔ تو میں اپنے مقام سے محجوب ہو گیا۔

۹-حلیم

چاہئے کہ حلیم اور بردبار ہو۔ اور کسی کام پر جلدی ناراض نہ ہو جائے۔ اور مریدین کو بھی رنجیدہ نہ کرے مگر تادیب کی ضرورت کے مطابق۔ تا کہ مریدین اپنے شیخ سے نفرت نہ کرنے لگیں۔ اور ارادت کے جال سے نہ نکل جائیں۔

۱۰-عفو

اگر مرید سے کوئی ناپسندیدہ حرکت برخلاف شریعت وطریقت ظہور پذیر ہو جائے۔ تو اسے معاف کر دے۔ اور اس سے انتہائی درگزر کرے۔ اور نصیحت سے اس کا علاج کرے۔ اور اگر قابل نہ ہو۔ تو پھر تادیب کی مصلحت کو استعمال کرے۔

۱۱-خلق

خوشخو ہو تا کہ مرید کو بدخوئی سے کوئی تکلیف نہ دے۔ اور مرید بھی اس سے عمدہ اخلاق سیکھ سکے۔ کیونکہ مرید کا وجود اپنے شیخ کے اخلاق، افعال اور احوال کا آئینہ ہوتا ہے۔ اور بزرگان دین کا فرمان ہے۔ کہ مرشد کامل کی ولایت کا جمال مریدوں کے احوال کے آئینہ میں مشاہدہ کر سکتے ہیں۔

۱۲- ایثار

شیخ میں ایسا ایثار ہونا چاہئے۔ کہ مرید کی مصلحتوں پر ترجیح دے سکے۔ اور اپنے حظ کو اس پر ایثار کرے۔ اور جیسا کہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

"وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ" (الحشر، آیت ۹)

"خواہ ان سے مخصوص ہی کیوں نہ ہو۔ تو بھی وہ ان پر ایثار کرتے ہیں"۔

ان کی صفت ہے۔

۱۳- کرم

چاہئے کہ شیخ میں ولایت کا کرم ہو۔ تا کہ اپنے مرید کو بھی ولایت بخش سکے۔ حضرت شیخ احمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ یہ لوگ خدائی بخش ہوتے ہیں۔

۱۴- توکل

چاہئے کہ شیخ میں توکل کی قوت بدرجۂ کمال ہو۔ تا کہ مریدین کے رزق کے سبب افسوس نہ کرے۔ اور مرید کو اپنی معیشت کے اسباب کے خوف سے رد نہ کرے۔ ایک ہو خواہ ہزار یہی جانے کہ جو آتا ہے۔ اس کی روزی اس کے پیچھے آتی ہے۔ یا پھر پہلے آجاتی ہے۔

۱۵- تسلیم

چاہئے کہ شیخ میں غیب کی تسلیم ہو۔ تا کہ جسے اللہ رب العزت اس کام میں لانا چاہئے۔ اور جسے لے جانا چاہے لے جائے۔ لہٰذا مریدوں کی زیادتی سے خوش ہو۔ اور نہ ہی کسی مرید کے چلے جانے پر افسردہ ہو۔ اور نہ ہی ان وجوہات کی بنا پر شیخ کے کسی کام میں سستی آنے پائے۔ اور یہ کبھی نہ سوچے کہ میں بے فائدہ کیوں تکالیف اٹھائے جا رہا ہوں۔ اور نہ ہی کنارہ کشی اختیار کرے۔ بلکہ ان تمام حالات میں تسلیم کو نگاہ میں رکھے اور جو بندگی

کا وظیفہ ہے اسے بجا لاتا رہے۔ اور جو اس کی خدمت میں حاضر ہوتا رہے۔ اسے اللہ رب العزت کا لایا ہوا سمجھے اور اس کی خدمت کو حق تعالیٰ کی خدمت سمجھے اور جو چلا جائے۔ فقط یہ سمجھے کہ اسے اللہ رب العزت لے گیا ہے۔ اور ان کے آنے یا جانے سے موٹا یا لاغر نہ ہو جائے۔

۱۶- رضا بقضاء

شیخ کو چاہئے۔ کہ اللہ رب العزت کی قضاء پر راضی رہے۔ اور مریدین کی تربیت شیخیت کی جملہ شرائط کے مطابق کرے۔ اور جو کچھ کہ اللہ رب العزت کرے اسے خوشی سے مان لے اور مریدین کی آمدورفت اور قبول و ردّ پر راضی رہے۔ اور ازلی احکامات پر اعتراض نہ کرے۔

۱۷- وقار

شیخ کو چاہئے۔ کہ مریدین کے ساتھ عزت اور حرمت کے ساتھ زندگی گزارے۔ تاکہ مرید گستاخ اور دلیر نہ ہو جائیں۔ اور ایسا نہ ہو کہ ولایت کی مدد سے ہی محروم رہ جائیں۔ کیونکہ جس قدر شیخ کی عظمت اور وقعت مریدین کے دل میں زیادہ ہوگی۔ اسی قدر ولایت کی مدد بھی زیادہ ہوگی اور یہ ایک بہت ہی بڑا بھید ہے۔ اور اسی لئے بزرگان دین فرماتے ہیں۔ کہ شیخ کی تعظیم باپ کی تعظیم سے زیادہ کرنی چاہئے۔

۱۸- سکونت

شیخ میں پورے طور پر سکونت ہونی چاہئے۔ کسی کام میں جلد بازی نہ کرے۔ اور مرید میں بھی آہستہ آہستہ تصرف کرے۔ اور ایسا نہ ہو کہ مرید خام پنے کی وجہ سے کام سے رہ جائے۔

۱۹- ثبات

شیخ کو چاہئے۔ کہ اپنے کاموں اور فیصلوں میں ثابت قدم رہے۔ اور ارادے کو بالکل

پختہ رکھے اور مرید کے ساتھ نیک اور وفادار عہد و پیان رکھے۔ تا کہ بے ثباتی اور بدعہدی سے مرید کے حقوق کو نہ چھوڑ دے۔ اور ہر کام میں اس کی ہمت زائل نہ کرے۔ اور اس کی کوشش کو بے فائدہ نہ بنائے۔

۲۰ - ہیبت

چاہئے کہ شیخ باہیبت ہو۔ اور مرید کے دل میں اس کی طرف سے ہیبت۔ عظمت اور شان وشکوہ ہو۔ تا کہ مرید شیخ کے سامنے اور پیٹھ پیچھے محبت رکھے اور مرید کے نفس کو شیخ کی ولایت کی ہیبت۔ شکستگی اور آرام ہو۔ اور ولایت شیخ کی ہیبت کے مارے شیطان کو اس بات کی جرات نہ ہو کہ مرید تصرف نہ کر سکے۔ پس جب شیخ میں یہ کمالات' مقامات' کرامات' صفات اور اخلاق پائے جاتے ہوں تو صادق مرید اور محقق طالب تھوڑی مدت میں اس کی ولایت کی دولت کے سایہ میں مقصد اور مقصود کو پہنچ جاتا ہے۔ لیکن مرید کو بھی چاہئے۔ کہ مریدی اوصاف سے آراستہ ہو۔ اور ارادت کے آداب اور شرائط ملحوظ رکھے۔ جو کہ انشاء اللہ آئندہ صفحات میں بیان کئے جائیں گے۔ تا کہ "نُوْرٌ عَلٰی نُوْر" ہو جائے۔

"یَهْدِی اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُ" (النور آیت ۳۵)

"اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے' اسے اپنے نور کی طرف رہنمائی کرتا ہے"۔

ایسا کرنے سے اللہ رب العزت کا فضل ان کی کوشش کے شامل حال ہو جاتا ہے۔ جو کہ اصل مقصود ہے۔

اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے ! کہ

"ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ" (الجمعہ' آیت ۴)

"یہ فضل الٰہی ہے۔ جسے چاہتا ہے۔ عطا کرتا ہے"۔

شیخ کامل کے خصائل

(۱) وللشیخ ایات اذا لم تکن لہ
فما ھو الا فی لیالی الھوی یسری

''پیر کی کچھ نشانیاں ہوتی ہیں۔ اور اگر یہ کسی شخص میں نہ پائی جائیں' تو سمجھ لو۔
کہ وہ گمراہی کی تاریکی میں بھٹک رہا ہے''۔

اس میں شیخ طریقت کی علامات واضح ہیں۔ کہ اس کے دل میں مخلوق میں سے کسی ایک کے لئے بھی کوئی غبار نہ ہو۔ یعنی وہ اس سوچ کا مالک ہو کہ پوری امت میں کوئی بھی شخص شیخ کامل کا دشمن نہیں ہے۔ اور اگر کوئی شخص شیخ کامل سے کوئی سوال کرے۔ اور شیخ کامل جواب دینے میں قطعاً کنجوسی سے کام نہ لے اور اگر کوئی شیخ کامل سے کسی قسم کی زیادتی کرے۔ تو یہ پھر بھی اس کے ساتھ محبت سے پیش آئے۔ اور مریدین سے صادر ہونے والی غلطیوں سے چشم پوشی کرے۔ لہٰذا اگر کسی شخص میں یہ خصوصیات اخلاص کے ساتھ موجود نہ ہوں۔ تو وہ شیخ تربیت بننے کا اہل ہی نہیں ہے۔

(۲) اذا لم یکن علم لدیہ بظاھر
ولاباطن فاضرب بہ لجج البحر

''اگر کسی شیخ کے پاس علم ظاہر اور باطن نہ ہو۔ تو اسے کسی سمندر کی لہروں کے

سپرد کر دو''۔

علم ظاہر سے مراد علم فقہ اور علم توحید (علم کلام) کی وہ مقدار ہے۔ کہ جسے حاصل کرنا ہر مکلّف پر فرض ہوتا ہے۔ جبکہ علم باطن سے مراد معرفت الٰہیہ ہے۔

(۳) وان کــان الا انــه غیــر جــامــع
لـوصـفیهـمـا جـمـعـا علی اکمل الامـر
فــاقـرب احـوال الـعـلیـل الی الـردی
اذا لـم یـکـن مـنــه الـطبیـب علی الخبر

''اور اگر کوئی مکمل طور پر ان دونوں خصوصیات (یعنی علم ظاہر وعلم باطن) سے متصف نہ ہو۔ تو پھر (اس کے پاس جانے والے مرید کی حیثیت) اس مریض کی سی ہوتی ہے۔ کہ جس کی بیماری سے آگاہ نہ ہو۔ اور اس وجہ سے وہ موت کے قریب پہنچ جائے''۔

یعنی اگر کسی شیخ میں علم ظاہر اور علم باطن موجود نہ ہو۔ تو مرید بے چارہ تباہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ایسا شیخ اپنی کم علمی کے باعث یہ نہیں جان سکتا کہ کون سی شے مرید کے لئے نقصان دہ ثابت ہو سکتی ہے۔ لہٰذا جب کوئی کامل شیخ مل جائے۔ تو پھر اپنی مراد کو شیخ کی مراد کے سامنے فنا کر دو اور ہر دم یہی آرزو رکھو۔ کہ شیخ کے بعد تم بھی زندہ نہ رہو۔ کیونکہ اس کے بعد تم کسی اور (شیخ) کی صحبت میں سلامت نہ رہ پاؤ گے۔ اور پھر (اسی دوسرے شیخ سے) تمہارا ملنا۔ (تصوف کے اصولوں اور روایات کی رو سے) نہایت عجیب وغریب بات ہوگی۔

(۴) ومـن لـم یـکـن الا الـوجـود اتـامـه
واظهــره مــنشــور الـریة الـنـصـر
فــاقبل ارباب الا رادة نـحـوه
بصدق یحل العسر فی حلمه الصخر

وایتـــه ان لا یـمیـل الـی الھوٰی
و دنیـاه فـی طبـی و آخـراه فـی نشر

''اگر کوئی شخص خود ہی سجادہ مشیخیت پر بیٹھ جائے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ کی مدد بھی اس کے شامل حال ہو۔ اور لوگ ارادت کے حصول کیلئے اس کا رخ کریں اور ان کی ارادت اتنی سچی ہو کہ سخت پتھروں کو بھی ریزہ ریزہ کر سکتی ہو۔ تو ایسے شخص کی نشانی یہ ہوگی کہ وہ نفسانی خواہشات کی طرف مائل نہ ہوگا۔ اور دنیا کے بجائے آخرت کو پیش نظر رکھے گا''۔

لہٰذا اگر کسی شخص کو اس کے پیر نے باقاعدہ طور پر خلافت نہ دی ہو۔ اور اس کی تربیت کی تکمیل سے پہلے اس کا پیر وصال فرما جائے۔ لیکن لوگ اس شیخ کو اس کے پیر کا روحانی جانشین تصور کر لیں۔ گویا کہ زبان خلق نقارۂ الٰہی کی حیثیت اختیار کر جائے۔ اور پھر اس کے مریدین بھی شیطان کے حملوں سے محفوظ رہیں۔ اور اللہ رب العزت کی مدد ان کے شامل حال ہو۔ اور پھر پاک طینت اور نیک نیت مریدین اسے اپنا شیخ تصور کر لیں۔ تو ایسا شخص بھی اللہ رب العزت کے ہاں مقبول ہوگا۔ کیونکہ اس بات کا امکان موجود ہے۔ کہ شاید رجال غیب میں سے کسی نے اس کی تربیت مکمل کی ہو یا پھر اس نے حضرت خضر علیہ السلام کے دست اقدس پر بیعت کر لی ہو یہاں پر شاعر نے اس کی علامت یہ بیان کی ہے۔ کہ اگر وہ شخص دنیا سے روگرداں ہو کر آخرت کی طرف مائل ہو۔ اور بظاہر نفسانی خواہشات کا شکار نظر نہ آئے۔ تو یہ اس بات کی نشانی ہوگی کہ وہ شخص سجادہ مشیخیت پر بیٹھنے کا اہل ہے۔ شاعر نے آخری مصرعہ میں اسی شخص کے زہد کی طرف اشارہ کیا ہے یعنی وہ شخص دنیا سے بے رغبت ہوتا ہے۔ بلکہ دنیا سے اعراض کرتا ہے۔

(۵) وان کـان ذاجـمـع لاکـل طـعـامـه
مـریـد فـلا تـصـحبـه یـومـا مـن الـدھـر

''اگر کوئی شخص لوگوں کو صرف کھانا کھلانے کیلئے جمع کرتا ہو۔ تو تم کبھی بھی اس

کی صحبت اختیار نہ کرنا''۔

یعنی اگر کوئی شخص صرف اس نیت سے لوگوں کو اپنے پاس جمع کرتا ہے۔ کہ وہ انہیں کھانا کھلا دے تو تم کبھی ایسے شخص (شیخ) کی صحبت اختیار نہ کرنا کیونکہ یہ اجتماع صرف کھانے پینے کیلئے منعقد ہوا ہے اس لئے اس میں روحانیت کو کوئی عمل دخل نہ ہوگا۔ البتہ اگر کوئی شخص لوگوں کو اللہ رب العزت کی رضا کیلئے جمع کرتا ہے۔ اور پھر انہیں کھانا بھی کھلا دیتا ہے۔ تو ایسے شخص کی ہم نشینی میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(۶) ولا تسعالن عنه سوی ذی بصیرة

خلی من الاھواء لیس لمغتر

''اگر تم نے کسی شیخ کا پتہ دریافت کرنا ہو۔ تو کسی صاحب بصیرت شخص سے پوچھو جو کہ نفسانی خواہشات سے پاک ہو۔ اور کسی دھوکہ کا شکار نہ ہو''۔

یہاں پر شاعر نے کسی شیخ تربیت کا پتہ معلوم کرنے کیلئے رہنما شخص کی خصوصیات ذکر کی ہیں۔ ایک یہ کہ صاحب بصیرت ہو۔ یہ شرط اس لئے عائد کی۔ تاکہ جس شیخ کی طرف وہ تمہاری رہنمائی کرے گا۔ وہ محض سالک نہ ہو جس کو قلبی معاملات کی کوئی خبر نہیں ہوتی۔ کیونکہ ایسا شخص تمہیں کسی ایسے شخص کے بارے میں بتائے گا جو کہ اس سے زیادہ عبادت گزار۔ مجاہدہ کرنے والا اور بکثرت وظائف پڑھنے والا ہوگا۔ لہٰذا اگر تم کسی ایسے سالک کے ہتھے چڑھ گئے۔ تو تمہارے نزدیک بھی ولایت کی انتہا یہی ہوگی۔ کیونکہ ایسے سالکین کے نزدیک اور اوراد و وظائف کی کمی بیشی ہی کسی شخص کے مرتبے اور مقام کا تعین کرتی ہے اس لئے ایسا کوئی سالک شیخ تربیت بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

شاعر نے دوسری شرط یہ عائد کی ہے۔ کہ تمہارا رہنما نفسانی خواہشات کا اسیر نہ ہو کیونکہ ایسی صورت میں وہ صاحب بصیرت ہونے کے باوجود کسی اور شخص کی طرف طبعی میلان رکھتا ہوگا۔ اور صرف اپنی ذاتی پسند کے سبب تمہیں بھی اس کی طرف بھیج دے گا۔ نیز

ایسا شخص اپنے کسی ذاتی تعصب کی بنیاد پر کسی صحیح شیخ کی طرف تمہاری رہنمائی نہیں کر سکے گا یا وہ خود شیخ کامل کے اوصاف سے لاعلم ہوگا۔ اور کسی مجذوب کی چند ظاہری کرامات دیکھ کر تمہیں بھی اس کے پاس جانے کا مشورہ دے گا حالانکہ مجذوب شیخ تربیت بننے کی بالکل صلاحیت نہیں رکھتا۔

(۷) فمن صدئت مرآة فهمه
ارته بوجه الشمس من کلف البدر
ومن لم یکن یدری العروض فربما
یری القبض فی التطویل من اقبح الکسر

''جس کی عقل پر پردہ پڑ جائے اسے سورج میں بھی چاند کا سا داغ نظر آتا ہے۔ اور جو شخص علم عروض سے ناواقف ہو۔ وہ بحر طویل میں قبض کو انتہائی ناپسند کرے گا''۔

لہٰذا جس شخص کی عقل پر پردہ پڑ گیا ہو۔ اسے سورج میں بھی ویسا ہی داغ نظر آتا ہے جیسے چاند میں موجود ہے۔ کیونکہ ایسا شخص حقیقت کو تسلیم کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ یعنی جو شخص صاحب بصیرت نہ ہو۔ اسے شیخ کامل میں بھی خامیاں ہی دکھائی دیتی ہیں۔ اور وہ اس شیخ کامل کو چھوڑ کر کسی وظائف پڑھنے والے کے پیچھے لگ جائے گا۔ اسی طرح علم عروض کی مثال دینے کا مطلب یہ ہے۔ کہ جو شخص صوفیائے کرام کی مقرر کردہ شرائط سے ناواقف ہوگا وہ اپنی لاعلمی کے باعث کسی کامل شیخ کو بھی مبتدی تصور کرے گا۔ اور کسی مجذوب کی طرف تمہاری رہنمائی کر دے گا۔ حالانکہ مجذوب کسی کی رہنمائی کرنے کی بالکل صلاحیت نہیں رکھتا۔

اس ساری گفتگو کا خلاصہ یہ ہے۔ ''کہ جب کوئی شیخ علم ظاہر اور علم باطن سے ناواقف ہو۔ یا آگاہ ہو۔ لیکن آگاہی ناقص ہو۔ تو ایسے شخص کا مرید ہونے کا بالکل کوئی فائدہ نہ

ہوگا۔ لیکن وہ ان دونوں علوم سے بالکل صحیح طور پر واقف ہو۔ اور اس میں مذکورہ بالا دیگر تمام صفات بھی پائی جاتی ہوں تو ایسا شخص مریدین کی تربیت کر سکتا ہے۔ لیکن اگر کسی مرید کی تربیت کے دوران اس کا شیخ انتقال کر جائے۔ اور اس شیخ نے اس مرید کو اپنا روحانی وارث بنانا تھا۔ لیکن مرید کی تربیت پوری ہونے سے پہلے اس کا شیخ انتقال کر جائے۔ اور اس مرید پر کشف اور فیض کے آثار دکھائی دیں اور وہ دنیا سے بے رغبت ہو کر آخرت کی طرف متوجہ ہو۔ اور چند مریدین اس کی تربیت کشف وغیرہ حاصل کر لیں تو ایسا شخص بھی شیخ تربیت بن سکتا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص (ختم کے نام پر) لوگوں کو صرف کھانے کیلئے اکٹھا کرتا ہے۔ تو ایسے شخص کا مرید ہونا بالکل بیکار ہوگا۔ نیز اگر کوئی شخص کسی کامل شیخ کا پتہ دریافت کرنا چاہئے۔ تو اسے کسی ایسے شخص سے معلومات حاصل کرنی چاہئے۔ کہ جس میں مذکورہ بالا تین صفات پائی جائیں۔ کیونکہ کوئی دوسرا شخص اس کی غلط رہنمائی بھی کر سکتا ہے''۔

اس کے بعد شاعر ان آداب کا ذکر کرتا ہے۔ جو کسی کامل شیخ کی موجودگی میں مرید پر لازم آتے ہوں۔

(۸) ولاتقد من قبل اعتقادك انه
مرب ولا اولى بها منه في العصر
فان رقيب الا التفات بغيره
يقول لمحبوب السرايه لاتسر

''جب تک تمہارا یہ اعتقاد نہ ہو کہ تمہارا شیخ ہی تمہاری تربیت کر سکتا ہے۔ اور اس وقت کوئی دوسرا شیخ میرے پیر سے افضل نہیں (اس وقت تک تمہیں فیض حاصل نہ ہوگا)۔ کیونکہ محبوب کی توجہ کسی اور کی طرف مبذول نہیں ہونے دیتا''۔

لہٰذاتم اس وقت تک کسی شیخ کے مرید نہ بنو کہ جب تک تمہیں یہ اعتقاد حاصل نہ ہو کہ وہ شیخ تربیت کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اور اس وقت اس سے اچھا شیخ اور کوئی نہیں ہے۔ کیونکہ اگر مرید کی توجہ کسی اور کی طرف مبذول ہوگی۔ تو شیخ اپنا فیض اپنے اس مرید کو کبھی نہ دے گا۔ کیونکہ جب اس کی توجہ کسی دوسرے شیخ کی طرف مبذول ہوگی۔ تو وہ یہی سمجھے گا کہ وہ دوسرا شیخ میرے پیر سے زیادہ کامل ہے۔ اس وقت وہ دونوں مشائخ کے فیض سے محروم ہو جائیگا۔ ''اب تو ہمارے زمانہ میں اس بات کا عام رواج ہے''۔

(۹) ومن بعده الشیخ الذی هو قدوة
یلقی مرادالحق فی السر والجهر

''اس کے بعد یہ اعتقاد بھی ہو کہ یہی شیخ میرا پیشوا ہے۔ اور ظاہری اور باطنی پر اعتبار سے یہی مجھے منزل مقصود تک پہنچا سکتا ہے؟''

یعنی جب تم کسی شیخ کامل کے مرید بن جاؤ تو یہی خیال کرو کہ اب یہی شیخ میری تربیت کر سکتا ہے۔ کیونکہ وہ شیخ تمہارے نفس کی اصلاح کرے گا جس کے نتیجہ میں تمہیں معرفت حاصل ہوگی۔ لہٰذا ایسے شخص کا وجود نہایت ضروری ہے۔ جو تمہیں کسی کامل شیخ کی بارگاہ میں حاضری کے آداب سکھائے کیونکہ اگر ایسا نہ ہوا تو تمہاری مثال ایک ایسے مریض کی مانند ہوگی۔ کہ جس کا کوئی طبیب نہیں ہوتا اور اس وقت تم جس طرح کا چاہو طرز عمل اختیار کرلو گے۔

(۱۰) نقم واجتنب ماذمه العلم واجتلب
لماخصه بالمدح فهو جنی الدر

''لہٰذا اٹھو اور اس بات سے پرہیز کرو جو قابل مذمت ہو۔ اور وہ چیزیں اختیار کرو جو قابل تعریف ہوں (میری یہ بات) ایک ایسا موتی ہے۔ کہ جسے حاصل کرنا چاہئے''۔

لٰہذا جب اللہ رب العزت تمہیں کامل شیخ عطا فرما دے تو تم اس کی خدمت میں مشغول ہو جاؤ اور اس کے حقوق کی معرفت حاصل کر کے اسے اللہ رب العزت تک رسائی کا وسیلہ بناؤ۔ لیکن ایک بات پیش نظر رکھنا۔ کہ جن امور کو شریعت نے ممنوع قرار دیا ہے ان سے ہر حال میں بچتے رہو۔ اور جن کاموں کی شریعت نے تعریف کی ہے انہیں ہر حال میں بجالاؤ اور یہ نصیحت ایک چُنے ہوئے موتی کی طرح قیمتی ہے۔ گویا تمہیں تقوٰی حاصل کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ کیونکہ حرام سے بچنا اور حلال اختیار کرنا ہی تقوٰی ہے۔ کہ جس کی بنیاد پر دیگر احوال اور مقامات نصیب ہوتے ہیں۔ لٰہذا اللہ رب العزت اپنے فضل کی دولت ہمیں بھی عنایت فرمائے۔ آمین

(۱۱) وان تسم نحو الفقر نفسك فاطرح
هواها وجانبه مجانبة الشر

''اگر تم تصوف کا راستہ اختیار کرنا چاہتے ہو۔ تو اپنی خواہش کی پیروی سے اس طرح بچو جیسے کسی شر انگیز چیز سے بچا جاتا ہے''۔

لٰہذا اگر تم فقر کے راستے یعنی تصوف کے راستے پر چلنا چاہتے ہو۔ تو پھر تمہیں اپنی ہر پسند سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ خواہ اس کا تعلق نفلی عبادت ہی سے کیوں نہ ہو (یاد رکھو) شیخ کی ہدایت کے بغیر ہر قسم کی نفلی عبادت سے اسی طرح پرہیز کرو جیسے کسی برائی سے بچا جاتا ہے۔ کیونکہ مرید صرف شیخ کے مقرر کردہ اوراد و وظائف کی بدولت ہی حقیقی کامیابی حاصل کرسکتا ہے۔ اور اگر وہ اپنی پسند کے مطابق عمل شروع کر دے گا۔ تو تباہ ہو جائے گا۔

بہت سے مریدین اسی وجہ سے برباد ہوئے ہیں کیونکہ بعض اوقات مرید کے اپنے اختیار کردہ نوافل کی ادائیگی کے نتیجہ میں ریاکاری کا احساس پیدا ہو جاتا ہے۔ اور اس کا عمل غیر اللہ کیلئے ہو جاتا ہے۔ لٰہذا اگر اللہ رب العزت اس پر اپنا خاص فضل فرمائے۔ اور اس کی توجہ صرف اپنے شیخ کی طرف مبذول ہو۔ تو شیخ اس کے اندر موجود خرابی کو پہچان کر اسے

دور کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور اگر مرید شیخ کی ہدایت پر عمل کرے۔ اور اللہ رب العزت کی عنایت بھی مرید کے شامل حال ہو۔ تو شیخ مرید کو ایسے عمل کی تلقین کرتا ہے۔ جو کہ اللہ ربّ العزت کی رضا کا باعث ہو لیکن اگر کوئی مرید شیخ کی ہدایت کو نظرانداز کر دے۔ اور یہ کہے۔ کہ ہم تو اس شیخ کے پاس اس لئے آئے تھے۔ تاکہ زیادہ نیکیاں کریں اور یہ پہلی نیکیاں بھی چھوڑنے کی ہدایت کر رہا ہے۔ تو ایسے مرید کا نظریہ شیخ کے بارے میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اور شیطان اس پر حملہ کر کے اسے ریاکاری کا شکار کر دیتا ہے۔'' اللہ رب العزت ہمیں اپنے پیارے حبیب ﷺ کے صدقہ میں اس بیماری سے محفوظ فرمائے''۔ آمین

صحابۂ کرام کا واقعہ

میں یہاں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا ایک واقعہ نقل کرتا ہوں۔ کہ ایک مرتبہ چند صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہ حضور نبی اکرم ﷺ کے خانۂ اقدس پر حاضر ہوئے (آپ ﷺ اس وقت گھر پر موجود نہ تھے) ان صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے ام المؤمنین سے حضور نبی اکرم ﷺ کی عبادت اور ریاضت کے بارے میں دریافت کیا۔ تو ام المؤمنین نے آپ ﷺ کے معمولات عبادت سے انہیں آگاہ کیا (انہیں یہ عبادت ظاہری طور پر کچھ کم محسوس ہوئی) مگر وہ کہنے لگے۔ کہ اللہ رب العزت نے حضور اقدس ﷺ پر اپنا خاص فضل و کرم کیا ہے۔ اس لئے ہم حضور اقدس ﷺ کی مانند نہیں ہو سکتے (ہمیں زیادہ عبادت کرنی چاہئے) ایک نے کہا۔ کہ میں روزانہ روزہ رکھا کروں گا۔ دوسرے نے کہا۔ کہ میں ساری رات نوافل گزاروں گا۔ اور سونے سے بچوں گا۔ تیسرے نے کہا۔ کہ میں کبھی بھی نکاح نہ کروں گا (یہ کہہ کر تینوں حضرات چلے گئے) بعد میں حضور سرور کائنات ﷺ تشریف لائے۔ تو ام المؤمنین نے تینوں حضرات کے اقوال کا تذکرہ کیا۔ تو حضور اقدس ﷺ نے انہیں بلوایا اور ارشاد فرمایا:

''میں تم سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں تم سے زیادہ پرہیز گار ہوں۔تم سے زیادہ صاحب علم ہوں۔ (لیکن اس کے باوجود) میں کبھی روزہ رکھتا ہوں۔اور کبھی نہیں رکھتا۔کبھی ساری رات قیام کرتا ہوں۔اور کبھی (کچھ دیر کیلئے) سو جاتا ہوں اور میں ازواجی زندگی بھی بسر کر رہا ہوں پس جو شخص میری سنت کے برعکس عمل کرے گا وہ میرا (حقیقی پیروکار) نہیں ہوگا''۔

اس وقت اللہ رب العزت نے یہ آیت نازل فرمائی:

''یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَا اَحَلَّ اللّٰہُ لَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ'' (مائدہ آیت ۸۷)

''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے جو پاکیزہ اشیاء حلال قرار دی ہیں (انہیں تم خود) حرام قرار نہ دو (اپنی مخصوص) حد سے تجاوز نہ کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا''۔

یہ تینوں حضرات کون تھے؟ اس بارے میں احادیث مبارکہ کے راویوں کی مختلف آراء ہیں۔بعض کے نزدیک یہ حضرات حضرت عثمان بن مظعون۔ حضرت عبداللہ بن مسعود۔ حضرت ابو ہریرہ رضوان اللہ علیہم تھے۔اور بعض نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا نام ذکر کیا ہے۔بعض حضرت سیّدنا علی شیر خدا کرم اللہ وجہہ الکریم اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ جبکہ بعض نے حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نام ذکر کیا ہے۔

بہرحال آپ اسی ایک واقعہ پر غور کرلیں۔کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی کثرت نوافل کی خواہش کو کس طرح ختم کر دیا۔اور اپنی ذاتی پسند سے انہیں عبادات میں سے میانہ روی اختیار کرنے کی تلقین فرمائی۔ اور جو مشائخ اپنے مریدین کو (ظاہری طور پر) کثرت نوافل سے پرہیز کی تلقین کرتے ہیں۔ یہ ان کی سب سے زیادہ مضبوط دلیل ہے۔البتہ جو لوگ مرتبہ شیخیت پر فائز نہیں ہیں۔ وہ میرا موضوع بحث

نہیں ہیں۔

ایک پیر کامل اور مرید کا واقعہ

ایک مرتبہ ایک شخص میری موجودگی میں ایک شیخ کے ہاتھ پر بیعت ہونے کیلئے آیا۔ یہ شخص بہت زیادہ عبادت کیا کرتا تھا۔ روزانہ رات کو ایک بار پورا قرآن مجید پڑھا کرتا اور دن کے وقت کئی مرتبہ ''دلائل الخیرات'' کا درد کرتا اور روزانہ روزہ رکھتا (کثرت عبادت کے باعث) اس کا رنگ زرد ہو چکا تھا۔ اور وہ نیم جان دکھائی دیتا تھا۔ شیخ نے اس کی عبادت میں کمی شروع کر دی۔ یہاں تک کہ اسے ایک نکتۂ اعتدال پر لے آئے۔ ایک دن مرید کو مخاطب کر کے فرمانے لگے کہ اللہ رب العزت نے تمہیں کتنی بھاری ذمہ داری سے خلاصی دی ہے؟ اس نے عرض کی۔ کہ اللہ رب العزت آپ کو جزائے خیر عطاء فرمائے۔ پہلے میں صرف دکھاوے کے طور پر عبادت کیا کرتا تھا۔ سو اللہ رب العزت نے آپ کی برکت سے مجھے اس سے نجات دے دی۔

لہٰذا اگر کوئی شخص سرے سے نوافل ہی ادا نہ کرے۔ تو قیامت کے دن اس سے کوئی باز پرس نہ ہوگی۔ لیکن اگر کوئی ریا کاری کی نیت سے نوافل کا اہتمام کرتا ہو۔ تو ایسے عمل پر ضرور سزا ملے گی۔ کیونکہ ریا کاری بہت بڑا گناہ ہے۔

جو شخص اللہ رب العزت سے محجوب ہو۔ تو اس میں ریا کاری کے جذبات ضرور پائے جائیں گے۔ اور اگر کوئی شخص بہت زیادہ عبادت کرتا ہو۔ اور یہ بات اس کے ذہن میں ہو کہ اس کے تمام اعمال اللہ رب العزت ہی کی عطا کردہ توفیق کا نتیجہ ہیں۔ تو پھر کسی وقت اس کی عبادت کی توجہ اس سے ہٹ جائے۔ تو وہ ریا کاری میں مبتلا ہو جائے گا۔

(۱۲) وضعها بحجر الشیخ طفلا فما لها
خروج بلافطم من الحجر والحجر

''تم اپنے آپ کو شیخ کی گود میں ایک کمسن بچے کی طرح چھوڑ دو۔ جو اس وقت

تک (ماں کی گود سے) نہیں نکلتا جب تک اس کا دودھ زبردستی نہ چھڑایا جائے''۔

یعنی انسان اپنے آپ کو اس طرح شیخ کے سپرد کر دے۔ جیسا کہ کوئی کمسن بچہ ماں کی گود میں تربیت پاتا ہے۔ اور تمہارا وجود اس وقت تک شیخ کے رحم و کرم پر رہے۔ کہ جب تک تربیت مکمل ہونے کے بعد شیخ خود تمہیں اجازت نہ دے۔ اس شعر میں موجود پہلے لفظ ''حجر'' سے مراد شیخ کی نظر اور اس کا تصرف ہے۔ جبکہ دوسرے ''حجر'' سے مراد کو ان تمام امور سے منع کرنا ہے۔ جو اس کے فرائض کے منافی ہوں۔

(۱۳) ومن لم یکن سلب الارادة وصفه

فلا یطمعن فی شم رائحة الفقر

''اگر کوئی مرید اپنا ارادہ ترک نہیں کر سکتا۔ تو اسے فقر کی بو سونگھنے کی ہرگز امید نہیں رکھنی چاہیئے''۔

مرید شیخ کے سامنے اس طرح حاضر رہے جیسے اس کا اپنا ارادہ اور خواہش ختم ہو چکی ہے۔ اور اگر وہ ایسا نہیں کر سکتا۔ تو پھر اسے یہ توقع نہیں رکھنی چاہیئے۔ کہ اسے تصوف کی خوشبو بھی نصیب ہو سکتی ہے۔

(۱۴) وھذا وان کان العزیز وجوده

ولکنه فی العزم خال من العسر

''یہ خصوصیات اگرچہ بہت ہی کم پائی جاتی ہے۔ لیکن اگر ارادہ مضبوط ہو۔ تو یہ کام کچھ ایسا مشکل بھی نہیں ہوتا''۔

روحانیت کے حصول کیلئے یہ بات شرط ہے۔ کہ انسان اپنے ارادے سے دستبردار ہو جائے۔ عام طور پر یہ بات نہیں پائی جاتی۔ لیکن اگر کوئی اس کا پختہ ارادہ کر لے تو یہ ناممکن بھی نہیں ہے۔

(۱۵) ولا تعترض یوما علیہ فانہ
کفیل بتشتیت المرید علی ھجر

''اپنے شیخ پر کبھی بھی اعتراض نہ کرو کیونکہ اس صورت میں تم شیخ سے دور بھی ہو سکتے ہو''۔

مرید کو کبھی بھی اپنے شیخ پر اعتراض نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ اعتراض کی بدولت کوئی بھی مرید اپنے پروردگار۔ اپنے دین۔ اور شیخ سے ہاتھ دھو سکتا ہے۔

(۱۶) ومن یعترض والعلم عنہ بمعزل
یری النقص فی عین الکمال ولا یدری

''جو شخص اپنی جہالت کے باوجود شیخ پر اعتراض کرتا ہے۔ وہ ایک مکمل چیز کو ناقص قرار دیتا ہے۔ لیکن اسے اس کا احساس نہیں ہوتا''۔

معترضین کیلئے نصیحت

جو شخص اپنے شیخ یا صوفیائے کرام پر خود جاہل ہونے کے باوجود اعتراض کرتا ہے۔ تو گویا اس کی نظر میں ایک مکمل چیز نامکمل ہے۔ مگر بد قسمتی سے اسے اپنی اس ناسمجھی کا احساس تک نہیں ہوتا۔ اس شعر میں شاعر نے ''عوارف المعارف'' کے مصنف (شیخ شہاب الدین عمر سہروردی) کے اس قول کی ترجمانی کی ہے۔

''جب کبھی کسی مرید کو اپنے شیخ کی کوئی بات یا عمل سمجھ میں نہ آئے۔ تو اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کا واقعہ یاد کر لینا چاہیئے۔ کہ کس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام کے بعض افعال پر اعتراض کیا تھا۔ اور پھر جب حضرت خضر علیہ السلام نے ان سب افعال کے اسباب بیان فرمائے۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا اعتراض واپس لے لیا۔ لہٰذا جب کوئی مرید کم علمی کے باعث شیخ کے کسی فعل پر اعتراض کرے۔ تو

شیخ کو چاہئے۔ کہ علم وحکمت کے ذریعے اپنے عمل کا سبب اس مرید کے سامنے ظاہر کردے''۔

میں نے یہ تمام اشعار قصیدہ رائیہ شریف سے لئے ہیں۔ جبکہ قصیدہ رائیہ ''عوارف المعارف'' کا منظوم اختصار ہے۔

شیخ ابوالحسن شستری رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ مشائخ کے کسی بھی عمل پر اعتراض نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ وہ (اللہ رب العزت کے) اذن کے ہمراہ اپنی (روحانی) بصیرت کی روشنی میں کام کرتے ہیں۔ اور یہ وہ لوگ نہیں ہوتے۔ کہ جن کی آنکھوں کے سامنے حجابات موجود ہوں۔ اور جو عالم ملکوت کو نہ دیکھ سکیں کیونکہ ان کی عقل صرف ظاہر سے متاثر نہیں ہوتی۔ یہ لوگ حرکات وسکنات اور کھانے پینے اور بول چال کے اعتبار سے عام لوگوں کی مانند ہوتے ہیں۔ لیکن دوسرے لوگ حجاب کا شکار ہوتے ہیں۔ اس لئے صوفیائے کرام کے افعال کی حقیقت سے کوئی صوفی ہی آگاہ ہوسکتا ہے۔

(۱۷) ومن لم یوافق شیخہ فی اعتقادہ
یظل من الانکار فی لھب الجمر

''اگر کوئی شخص اپنے شیخ کے ساتھ عقیدت نہیں رکھے گا۔ تو اپنے انکار کی وجہ سے انگاروں کے شعلوں میں جل جائے گا''۔

شیخ کا ہر عمل درست ہوتا ہے۔ اور مرید کو بھی یہی اعتقاد رکھنا چاہئے۔ کہ اس کے شیخ کا ہر عمل درست ہے۔ تو اس صورت میں وہ مرید کامیابی حاصل کرلے گا۔ اور اگر وہ یہ سمجھنے لگے کہ شیخ نے فلاں کام غلط کیا ہے۔ تو وہ اپنے اس انکار کی وجہ سے شیخ سے جدا ہو جائے گا۔ اور یہ جدائی اتنی ہی نقصان دہ ہے۔ کہ جتنا آگ میں جلنا نقصان دے گا۔

شیخ اکبر محی الدین ابن العربی الدمشقی کا قول

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ مرید کیلئے یہ بات شرط

ہے۔ کہ وہ اس بات کا پختہ اعتقاد رکھے کہ اس کا شیخ ہر عمل اللہ رب العزت کی عطا کردہ شریعت کے مطابق کرتا ہے۔ مرید کبھی بھی شیخ کو اپنے اوپر قیاس نہ کرے۔ کیونکہ بعض اوقات شیخ ظاہری طور پر ایک مذموم حرکت میں دکھائی دیتا ہے۔ مگر باطنی طور پر وہی حرکت قابل تعریف ہوتی ہے اس لئے مرید کو ہر وقت سر تسلیم خم رکھنا چاہئے۔ میں نے ایسے بہت سے مشائخ دیکھے ہیں۔ کہ جنہوں نے شراب کے پیالے کو منہ کی طرف بڑھایا اور وہ پیالہ ان شیوخ کے منہ کے قریب پہنچنے سے قبل ہی شہد کے پیالے میں تبدیل ہو چکا ہوتا تھا۔ بہرحال اس طرح کے اور بھی بہت سے واقعات ہیں۔ جبکہ میں نے ایسے بھی لاتعداد لوگ دیکھے ہیں جو بعض اوقات اپنی روحانی قوت کے ذریعے ایسی صورت حال پیدا کر دیتے ہیں جیسے وہ خود کوئی کام کر رہے ہوں۔ اور لوگ اس صورتحال کو دیکھ کر یہ کہتے ہیں۔ کہ ہم نے خود اس بزرگ کو یہ کام کرتے ہوئے دیکھا۔ حالانکہ اس بزرگ نے جسمانی طور پر کوئی کام کیا ہی نہیں ہوتا۔

مشہور صوفی بزرگ شیخ ابوعبداللہ المصلی جو قضیب البان کے نام سے مشہور ہیں۔ وہ اکثر یہی کام کرتے تھے۔ اس کے علاوہ اور بہت سے لوگوں میں ایسے واقعات مشہور ہیں

کرامت: مرشد مرید کے روپ میں

ایک دن ایک فوجی جمعدار میرٹھ سے انبالہ آ کر آپ (حضرت محبوب ذات قدس سرہ) کے دست مبارک پر بیعت ہو گیا۔ بیعت کے بعد اس نے اجازت چاہی مگر نہ ملی۔ اسی طرح اجازت کے نہ ملنے کا سلسلہ تقریباً تین ماہ تک جاری رہا۔ اور مرید بھی گھر اور اپنے فوجی یونٹ میں بغیر اطلاع کے دربار شریف میں تین ماہ تک مقیم رہا۔ ایک دن ''حضرت محبوب ذات قدس سرہ'' نے اجازت فرما دی۔ چنانچہ جب یہ جمعدار ڈرتے ڈرتے چھاؤنی میں آیا اور اس کو کورٹ مارشل کا خوف بھی کھائے جا رہا تھا۔ اور وہ سوچ رہا تھا۔ کہ ہر شخص اس کی غیر حاضری کے متعلق سخت قسم کا سوال کرے گا۔ لیکن جب جمعدار

چھاؤنی میں داخل ہوا۔ اور دیگر دوست فوجی حضرات سے ملا۔ ہر شخص معمول کے مطابق ملتا رہا۔ اس کے کسی بھی دوست نے اس کی غیر حاضری کے متعلق کچھ نہ پوچھا بلکہ ایک ساتھی نے آ کر جمعدار سے کہا۔

''بھائی نور حسین کل جنرل صاحب نے آپ کی پریڈ سے خوش ہو کر آپ کو صوبیدار بنا دیا ہے۔ مبارک ہو''۔

اب یہ جمعدار نور حسین خاموشی کے ساتھ ایک عجیب سی مسکراہٹ کے ساتھ ان کی باتیں سنتا رہا۔ اور آخر کار اس کو یقین ہو گیا کہ تین ماہ تک ''حضرت سرکار محبوب ذات قدس سرہ'' میری جگہ ڈیوٹی کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔

(۱۸) فذوالعقل لایرضی سواہ وان نأی
عن الحق نائ اللیل عن واضح الفجر

''عقل مند شخص اپنے ہی سے راضی رہے گا۔ اگرچہ وہ شیخ بظاہر حق سے اتنا ہی دور ہو کہ جتنی تاریک رات صبح سے دور ہوتی ہے''۔

یعنی جس شخص کی عقل سلامت ہو۔ اور فطرت درست ہو وہ اپنے شیخ کے علاوہ کسی اور کی ہمراہی میں کبھی بھی راضی نہ ہوگا۔ اور ہر حال میں شیخ کے ساتھ ہی رہے گا۔ اور اگرچہ وہ شیخ ظاہری طور پر حق سے اتنا ہی دور ہو جتنی رات دن سے دور ہوتی ہے۔ اور ایسا شخص یہی سوچتا ہے۔ کہ شاید کچھ عرصہ بعد میرا شیخ مجھے اس عمل کی حکمت کے بارے میں بتا دے گا۔

لہٰذا جب کوئی مرید شیخ سے صادر ہونیوالے کسی (بظاہر) خلاف شریعت کام کو دیکھ کر شیخ کے بارے میں حسن ظن رکھے گا۔ تو جب اللہ رب العزت اس مرید کو اپنی معرفت عنایت فرمائے گا۔ تو اس کے سامنے شیخ کے اعمال کا کشف بھی ظاہر ہو جائے گا۔

(۱۹) ولا تعرفن فی حضرة الشیخ غیره
ولا تملان عینا من النظر الشزر

''شیخ کے دامن سے وابستہ ہونے کے بعد ہر ایک کو بھول جاؤ اور شیخ کو ناراضگی سے دیکھنے سے بچو''

لہٰذا جب تم کسی شیخ کی بارگاہ میں حاضر ہو جاؤ تو پھر اس کے بعد پھر کسی اور کی طرف دیکھنے سے گریز کرو۔ اور اپنے شیخ کو بھی کبھی ناراضگی سے مت دیکھنا بلکہ ہمیشہ نظریں جھکائے رکھنا۔

ادب کی یہ کیفیت کسی بھی مرید کو اس وقت نصیب ہوگی جب شیخ کی روحانی توجہ اس کے شامل حال ہو کیونکہ جب شیخ کسی سے محبت کرتا ہے۔ تو اس کا روحانی فیض مرید کو گھیر کر شیخ کی طرف لے آتا ہے۔ اور اسے ہر اس بات سے محفوظ کر دیتا ہے۔ جو شیخ کی بارگاہ سے دوری کا باعث بن سکتی۔ لہٰذا جب تک شیخ کا فیض باقی رہے گا۔ شیخ کے ساتھ تعلق بھی برقرار رہے گا۔ اور اگر فیض ختم ہو جائیگا۔ تو تعلق بھی ٹوٹ جائے گا۔

ایک بزرگ کا مرید ہر وقت ان کی خدمت میں حاضر رہتا تھا۔ پانچوں نمازیں ان کے ساتھ ادا کرتا تھا' مگر وہ اس غلط فہمی کا شکار تھا۔ کہ کیونکہ اسے اس بزرگ سے محبت ہے اس لئے وہ ہر وقت وہ ان کے پاس حاضر رہتا ہے۔ لیکن اسے یہ شعور نہ تھا۔ کہ درحقیقت شیخ کو اس سے محبت ہے۔ ایک دن اس بزرگ نے اس شخص سے دریافت کیا۔ کیا تم مجھ سے محبت کرتے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ مجھے آپ سے محبت ہے اسی لئے تو ہر وقت آپ کی خدمت میں حاضر رہتا ہوں۔

بزرگ فرمانے لگے کہ عنقریب تمہیں اس کا پتہ لگ جائے گا۔ پھر اس دن کے بعد پورے ایک سال تک اسے شیخ کی بارگاہ میں حاضری کا موقع نصیب نہ ہوا۔ اور شیخ کی خدمت میں حاضر رہنا تو دور کی بات ہے۔ اس سارے عرصے میں اسے شیخ کی زیارت کا

موقع بھی نہ مل سکا اور آخر کار شیخ نے اسے معاف فرما دیا۔

ایک مرتبہ ایک بزرگ نے اپنے مریدین سے دریافت کیا۔ کیا تم مجھ سے محبت کرتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا یا سیدی! آپ سے زیادہ ہمیں کوئی بھی عزیز نہیں ہے۔ تو ان بزرگ نے دریافت کیا کہ کیا مجھے بھی تم سے محبت ہے؟ مریدین نے عرض کیا۔ کہ ہمیں نہیں معلوم تو بزرگ نے فرمایا کہ تمہیں کچھ پتہ نہیں ہے۔ پہلے میں نے تم سے محبت کی پھر جب اس کے انوار تم پر پڑے تو تمہیں بھی مجھ سے محبت ہوگئی۔

حضرت محبوب ذات قدس سرہ کا تصرف بعد از وصال

''حضرت سرکار محبوب ذات قدس سرہ'' کے وصال شریف کے بعد میں اکثر اوقات اہتمام کے ساتھ آپ کے روضۂ پاک کی زیارت کیلئے اپنے ''والد صاحب خلیفہ بشر حسن رحمۃ اللہ علیہ'' کے ساتھ جایا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ مجھے خواب میں حضرت سرکار محبوب ذات قدس سرہ کی زیارت نصیب ہوئی۔ خواب میں آپ نے فرمایا۔ کہ میری ذات قبر میں قید نہیں ہے۔ بلکہ دنیا میں جہاں کہیں جانا چاہے جا سکتی ہے (بلکہ اس کے چشم دید گواہ تو امریکہ' انگلینڈ' گوجرانوالہ' لاہور اور فیصل آباد میں بھی موجود ہیں) تم جس جگہ مجھے پکارو گے۔ مجھے وہیں موجود پاؤ گے۔ یہاں تک کہ اگر تم کسی مسجد کے ستون کے پاس کھڑے ہو کر اللہ ربُّ العزت کی بارگاہ میں میرے وسیلہ سے دعا مانگو گے تو وہیں تمہارے ساتھ موجود ہوں گا۔ ''لیکن خبردار! ہر مقام پر میری موجودگی کے باوجود تم یہ گمان قطعاً نہ کرنا۔ کہ میں خدا بن گیا ہوں کیونکہ اللہ رب العزت اس جہان میں سمانے سے پاک ہے۔ جبکہ میں اس جہان کے دائرے میں موجود ہوں''۔

اسی طرح آپ قدس سرہ نے اپنی زندگی میں فرمایا تھا۔ ''تمام جہان بعض اوقات میرے پیٹ میں موجود ہوتا ہے''۔ اسی طرح آپ بعض اوقات یہ بات بھی ارشاد فرماتے۔

''کہ ساتوں زمینیں اور ساتوں آسمان بندۂ مومن کی نظر میں اس چھلے کی مانند ہوتی ہیں۔ جو کہ کسی بیابان میں پڑا ہوا ہو''۔

بہرحال قصیدہ رائیہ میں تحریر ہے۔ کہ

ولا تعرفن فی حضرۃ الشیخ غیرہ

''شیخ کی موجودگی میں کسی اور طرف دھیان نہ دو''۔

(۲۰) ولا تنطقن یوما لدیہ فان دعا

الیہ فلا تعدل علی الکلم النز

''شیخ کی موجودگی میں خاموش رہو۔ اور جب شیخ کوئی سوال کرے۔ تو مختصر جواب دو''۔

یعنی شیخ کی موجودگی میں گفتگو سے پرہیز کرنی چاہئے۔ اور شیخ کوئی سوال کر دے تو طویل جواب نہ دو۔ کیونکہ یہ بات احترام کے خلاف ہے۔ البتہ اگر شیخ خود اس بات کا خواہشمند ہو۔ تو پھر ضرور تفصیلی گفتگو کرو تو اس وقت کی خواہش کا احترام کرو۔ اور ان کی پسند کے مطابق تفصیلات بیان کرو۔ اور پھر خاموش ہو جاؤ۔

اللہ رب العزت فرماتا ہے! کہ

''لَاتُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ'' (الحجرات ۴۹)

''اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے آگے بڑھنے کی کوشش نہ کرو''۔

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی مختصر تفسیر بیان کرنے کے بعد نقل فرمایا ہے۔ کہ یہ آیت ان لوگوں کے حق میں نازل ہوئی تھی جو کہ حضور اقدس ﷺ کے حضور خدمت میں حاضر ہوتے۔ اور آپ ﷺ اگر ان سے کوئی بات دریافت فرماتے تو وہ مسئلے کا حل پیش کرنے میں سبقت لے جانے میں کوشش کرتے۔ آخرکار انہیں اس حرکت سے منع کر دیا گیا۔

لہٰذا شیخ کی موجودگی میں مرید کو بھی یہی طرز عمل اختیار کرنا چاہئے۔ کہ وہ خاموش رہے۔ اور جب شیخ اجازت دے تو اس کی پسند کے مطابق گفتگو کرے۔ مرید کو شیخ کے سامنے (اپنا علم جھاڑنے کے بجائے) یہ تصور کرنا چاہئے۔ کہ میں کسی سمندر کے کنارے بیٹھا ہوا۔ اپنے حصہ کے رزق کا انتظار کر رہا ہوں۔ لہٰذا وہ پوری توجہ سے شیخ کا کلام سنے تو یقیناً اسے فیض نصیب ہوگا۔ لیکن اگر وہ شیخ کے سامنے خود ہی بولنا شروع کر دے تو گویا وہ اپنی نفسانی خواہشات کا اسیر ہوگا۔ اور اس کی یہ حرکت گناہ کے مترادف ہوگی۔ کسی سچے مرید کو شیخ کے سامنے سوال کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی بلکہ شیخ خود ہی اس کی پسند کے مطابق گفتگو شروع کر دیتا ہے۔ کیونکہ شیخ کی توجہ اللہ رب العزت کی طرف مبذول ہوتی ہے۔ اور وہ صدیقین کی موجودگی میں اپنے دل کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر کرتا ہے۔ اور اپنے مریدین کیلئے اللہ رب العزت کے فضل و کرم کا طلبگار ہوتا ہے۔ کہ جس کے نتیجہ میں اس کا دل اور زبان گویائی کی صورت میں ضرورت کے مطابق مریدین کی حاجت روائی میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ اور اس وقت جو باتیں اللہ رب العزت کی طرف سے کسی ولی اللہ کی زبان پر جاری ہوتی ہیں۔ تو وہ ولی خود بھی انہیں غور سے سنتا ہے۔

(۲۱) ولا تعرفوا اصواتکم فوق صوته
ولا تجهروا جهر الذی هو فی فقر

"شیخ کی آواز سے اپنی آواز کو بلند نہ کرو۔ اور نہ ہی اس کے سامنے گنوار لوگوں کی طرح گفتگو کرو"

شیخ کے سامنے اپنی آواز بلند کرنے سے اس لئے منع فرمایا گیا ہے۔ کیونکہ یہ بات ادب کے خلاف ہے۔ اسی طرح صحراؤں اور جنگلوں میں رہنے والے غیر مہذب لوگوں کی طرح بھی گفتگو نہ کیا کرو بلکہ احترام کے ساتھ آداب و القاب کے ہمراہ شیخ کو مخاطب کرو گویا اس شعر کا مضمون قرآن کی اس آیت سے ماخوذ ہے۔

يَـاَيُّهَـا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَـهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ○ (الحجرات ۴۹)

''اے ایمان والو! تم اپنی آوازوں کو نبی (ﷺ) کی آواز سے بلند نہ کرو۔ اور انہیں (بے تکلفی کے ساتھ) اس طرح نہ بلاؤ۔ جیسے آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہیں پتہ بھی نہ چل سکے اور تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں''۔

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کا بیان

اس درج بالا آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے شیخ شہاب الدین سہروردی تحریر فرماتے ہیں۔ کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم میں حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ کی سماعت کمزور تھی جس کی وجہ سے بولتے ہوئے بھی ان کی آواز بلند ہو جاتی تھی۔ بعض اوقات جب وہ آپ ﷺ سے مخاطب ہوتے۔ تو آپ ﷺ کو ان کی آواز کی بلندی گراں محسوس ہوتی۔ اس وقت یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔ اور حضرت ثابت سمیت دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بارگاہ رسالت مآب کا ادب سکھایا گیا۔

ایک اور روایت کے مطابق اس آیت کا شان نزول یہ ہے۔ کہ ایک مرتبہ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی آپس میں کسی بات پر تکرار ہو گئی۔ اور یہ بات حضور اقدس ﷺ کی موجودگی میں پیش آئی۔ چنانچہ اس کے بعد حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس آہستگی سے گفتگو فرماتے۔ کہ ان کی بات سمجھنے میں دقت پیش آتی تھی۔ جبکہ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قسم اٹھا لی کہ میں آئندہ حضور نبی اکرم ﷺ کی موجودگی میں پست آواز میں گفتگو کیا کروں گا۔

لہذا مرید کو بھی شیخ کی موجودگی میں یہی ادب و احترام اختیار کرنا چاہئے۔ اور بلند آواز میں گفتگو کرنے یا ہنسی مذاق سے بالکل احتیاط کرے۔ البتہ شیخ کی اجازت کی صورت میں آواز بلند کی جاسکتی ہے۔ کیونکہ بلند آواز میں گفتگو احترام کے منافی ہے۔ اور بعض مریدین اپنے شیخ کے احترام کا اس قدر خیال رکھتے ہیں۔ کہ نظر بھر کے شیخ کے چہرے کی طرف بھی نہیں دیکھتے۔

ابن عطاء کا فرمان

اس آیت کریمہ میں اللہ رب العزت نے ہلکی سی غلطی پر گرفت کی ہے۔ تاکہ کوئی اس سے آگے بڑھنے کی کوشش نہ کرے۔

حضرت سہل رضی اللہ عنہ بن عبداللہ تستری کا فرمان

حضرت سہل فرماتے ہیں۔ کہ اس آیت کا مقصد یہ ہے۔ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صرف اس وقت مخاطب کیا کرو کہ جب تمہیں ان سے کوئی بات دریافت کرنے کی ضرورت ہو۔

حضرت ابو بکر رحمۃ اللہ علیہ بن طاہر کا فرمان

حضرت ابو بکر بن طاہر فرماتے ہیں۔ کہ اس آیت کا مفہوم یہ ہے۔ کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کرنے میں پہل نہ کرو۔ اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کسی بات کا جواب دینا پڑے۔ تو انتہائی احترام کے ساتھ پست آواز میں جواب دو اور جس طرح آپس میں ایک دوسرے کو بے تکلفی سے مخاطب کرتے ہو۔ یہ رویہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اختیار نہ کرو بلکہ انہیں نہایت ادب و احترام کے ساتھ "یا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" یا "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" جیسے القابات کے ساتھ اپنی طرف متوجہ کرو۔

لہذا مرید کو بھی شیخ کے ساتھ اسی انداز میں گفتگو کرنی چاہئے۔ کیونکہ انسان کی گفتگو

کے ذریعے ہی اس بات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ کہ اس کے دل میں مقابل کے لئے کس قدر عزت و احترام کے جذبات موجود ہیں۔

اگرچہ یہ آیت خاص طور پر حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ لیکن اس کے بعد انہوں نے اس بات کو اپنے اوپر لازم کر لیا کہ آئندہ کبھی بھی ان کی آواز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز سے بلند نہ ہوگی اور ان کے اس عمل کے نتیجہ میں اللہ رب العزت نے انہیں بہت سی عنایات سے نوازا۔ مثال کے طور پر انہیں نیک ترین زندگی بسر کرنے کی توفیق ملی۔ شہادت کی موت نصیب ہوئی۔ جنت میں داخل ہوئے۔ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کے وصال کے بعد ان کی گواہی اور وصیت کو نافذ کیا۔ جبکہ وہ خود قرآن مجید کی اس آیت کے مصداق بھی ٹھہرے کیونکہ

''اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَھُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ'' (الحجرات ۴۹)

''جو لوگ بارگاہ رسالت میں اپنی آواز کو پست رکھتے ہیں۔ ان کے قلوب کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ سے منور کر دیا ہے''۔

یعنی ان کے قلوب امتحان کے نتیجہ میں اس طرح خالص ہو گئے ہیں جس طرح آگ خالص سونے کو الگ کر دیتی ہے۔ لہٰذا زبان کیونکہ دل کی ترجمان ہوتی ہے اس لئے جب دل خالص ہوگا۔ تو اس خلوص کے اثرات زبان پر بھی محسوس ہوں گے۔ اور گفتگو میں شائستگی آ جائے گی۔ لہٰذا ہر مرید کو اپنے شیخ کے سامنے اسی احترام کا مظاہرہ کرنا چاہئے۔

شیخ ابو عثمان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ بزرگوں کا ادب کرنا انسان کے درجات کی ترقی اور دنیا و آخرت کی بھلائی کے حصول کا باعث بنتا ہے۔ جیسا کہ اللہ رب العزت فرماتا ہے!

''وَلَوْ اَنَّھُمْ صَبَرُوْا حَتّٰی تَخْرُجَ اِلَیْھِمْ لَکَانَ خَیْرًا لَّھُمْ'' (الحجرات ۴۹)

''اگر یہ لوگ تمہاری (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی آمد تک صبر کریں۔ تو ان کیلئے زیادہ بہتر ہے''۔

اس سے قبل ارشاد فرمایا کہ

"اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَکَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرَاتِ" (الحجرات' آیت ۴۹)

''جولوگ حجرے کے باہر کھڑے ہوکر آپ (ﷺ) کو بلاتے ہیں (ان میں سے اکثر بیوقوف ہیں''۔

اس آیت میں مریدین کیلئے یہ نکتہ موجود ہے۔ کہ جب شیخ کے آستانہ پر آؤ تو جب تک شیخ خود باہر نہ آئے اس وقت تک صبر سے شیخ کی آمد کا انتظار کرو۔

(۲۲) ولا ترفعن بالضحك صوتك عنده
فلا قبح الادون ذلك فاستقر

''شیخ کی موجودگی میں قہقہہ بلند نہ کرو۔ ورنہ تلاش کے باوجود تمہیں اس سے بڑی برائی کہیں نہ ملے گی''۔

چونکہ شیخ کی موجودگی میں قہقہہ بڑی بے ادبی ہے۔ بلکہ کثرت سے ہنسنا رعونت کا علامتی نشان ہے۔ اور اس علامت سے دل مردہ ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ حضرت سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے قہقہے کو گناہ شمار کرتے ہوئے یہ فتویٰ دیا ہے۔ کہ قہقہہ لگانے سے وضوٹوٹ جاتا ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک قہقہہ لگانا گناہ ہے۔ اسی طرح حضرت شیخ عیسیٰ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ جو شخص تکبر کے بغیر بھی قہقہہ لگاتا ہے۔ اللہ رب العزت اس سے بھی ناراض ہو جاتا ہے۔

(۲۳) ولا تقعدن قدامه متربعا
ولا باديا رجلا فبادى الى السّر

''شیخ کے سامنے چارزانو ہوکر یا پاؤں پھیلا کے مت بیٹھو (اگر پھیل جائے) تو سمیٹ لو''۔

شیخ ابو طالب مکی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان

شیخ ابو طالب مکی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں۔ کہ علماء کا طریقہ یہ ہے۔ کہ وہ علمی مجلس میں

احترام کے ساتھ بیٹھا کرتے ہیں۔ جبکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اور حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اہل علم زمین پر اکڑوں بیٹھا کرتے تھے۔ حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک یہی معمول رہا۔ بعض روایات کے مطابق حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اسی طرح تشریف فرما ہوتے تھے۔ لیکن بعد میں نحو اور لغت کے ماہرین اور دنیا دار علماء چار زانو بیٹھنے لگے۔ حالانکہ یہ متکبرین کا طریقہ ہے۔ تواضع یہی ہے۔ کہ اجتماع میں زمین پر بیٹھا جائے۔ لہٰذا مریدین کو بھی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اکابر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اور اکابرین اہل علم کی پیروی کرتے ہوئے اپنی نشست کا (یعنی بیٹھنے کے انداز کا) خاص خیال رکھنا چاہئے۔

(۲۴) ولا باسطا سجادة بحضوره
فلاقصد الا السعی للخادم البر
وسجادة الصوفی بیت سکونه
ولا وکر الا ان تطیر عن الوکر

''شیخ کی موجودگی میں اپنا سجادہ نہیں بچھانا چاہئے۔ کیونکہ اچھا خادم صرف خدمت کر کے خوش ہوتا ہے۔ نیز کسی بھی صوفی کو صرف اپنی خانقاہ میں سجادہ بچھانا چاہئے۔ کیونکہ کوئی بھی پرندہ اس وقت اپنا گھونسلا بناتا ہے۔ جب وہ ماں باپ کے گھونسلے سے پرواز کر جائے''۔

یعنی کسی بھی مرید کو اپنے شیخ کی موجودگی میں (اپنے آپ کو نمایاں کرتے ہوئے) اپنا سجادہ نہیں بچھانا چاہئے۔ کیونکہ یہ بات مرید کے مرتبہ کے منافی ہے۔ کیونکہ مرید کا اصل فرض شیخ کی خدمت اور فرمانبرداری ہے۔ جبکہ سجادے پر بیٹھنے کا مطلب یہ ہے۔ کہ یہ شخص کسی کا خادم نہیں ہے اس لئے اس میں بظاہر شیخ کی برابری کا التباس ہوتا ہے۔ پھر یہ بات بھی قابل ذکر ہے۔ کہ سجادے پر بیٹھنے کا حق اس شخص کو حاصل ہوگا کہ جس کی اپنی خانقاہ

ہو۔ شیخ کی مجلس میں تو عاجزی اور انکساری اختیار کی جاتی ہے۔ کیونکہ شیخ کی خانقاہ میں تمہاری خانقاہ نہیں بن سکتی اس لئے شیخ کی موجودگی میں سجادہ نشینی ادب کے منافی ہے۔ البتہ تربیت کی تکمیل کے بعد جب شیخ تمہیں اجازت اور خلافت دے دے۔ اور تم خود دوسروں کے شیخ بن جاؤ اور تمہاری اپنی الگ خانقاہ ہو۔ اس وقت تم ایسا کر سکتے ہو۔

لہٰذا جب شیخ کی موجودگی میں تمہارے پاس سجادہ نہیں ہوگا۔ تو گویا تمہارے پاس کوئی گھونسلہ نہیں ہے یعنی تم ایسی کوئی مجلس نہیں کر سکتے۔ کہ جس میں لوگ فیض کے حصول کیلئے تمہاری طرف رجوع کریں کیونکہ اس صورت میں شیخ کی بے ادبی اور نافرمانی ہوتی ہے۔ اللہ رب العزت ہر ایک کو اس سے محفوظ رکھے لیکن اگر تمہاری تربیت مکمل ہو چکی ہو۔ اور دودھ چھڑانے کی نوبت آ جائے۔ اور شیخ تمہیں خلافت اور اجازت عطا کر دے۔ اور تم ایک پیر طریقت کی حیثیت اختیار کر جاؤ تو اب تم اپنی الگ مجلس قائم کر سکتے ہو لیکن شیخ کی خانقاہ سے نکل کر کسی اور مقام پر بالکل اسی طرح جیسے کسی پرندے کے بچے کی تربیت مکمل ہو جائے۔ اور وہ پرواز کے قابل ہو جائے۔ تو اب وہ اپنے ماں باپ کا محتاج نہیں رہتا۔ لہٰذا پہلے شعر کے دوسرے مصرعے کا مفہوم یہ ہے۔ کہ سچا خادم کسی غرض کے بغیر اپنے آقا و شیخ کی خدمت میں ہمہ تن مصروف رہتا ہے۔

شیخ شہاب الدین سہروردی رضی اللہ عنہ عوارف المعارف میں تحریر فرماتے ہیں۔ کہ مشائخ کے آداب میں یہ بات شامل ہے۔ کہ کوئی بھی مرید اپنے شیخ کی موجودگی میں اپنا سجادہ (بچھونا) نہ بچھائے۔ البتہ نماز کے وقت ایسا کیا جا سکتا ہے (اسے ممنوع اس لئے قرار دیا گیا ہے) کیونکہ ظاہری طور پر سجادہ پر بیٹھنے کا مقصد راحت و آرام کا حصول اور عزت افزائی کا اظہار ہوتا ہے۔

شیخ شہاب الدین سہروردی رضی اللہ عنہ ایک اور مقام پر تحریر فرماتے ہیں۔ کہ جو شخص صوفیاء کے حلقے میں نیا داخل ہو۔ اور اسے روحانی معاملات کی بھی خبر نہ ہو ایسے شخص کو شیخ کی

خدمت پر مامور کرنا چاہئے۔ کیونکہ اس مرتبہ میں یہ خدمت ہی اس کیلئے عبادت شمار ہوگی اور وہ شخص اسی خدمت کی بدولت اہل اللہ کی روحانی توجہ اپنی طرف مبذول کروائے گا۔ جبکہ اس کے دیگر پیر بھائی عبادت اور ریاضت میں مصروف رہیں گے۔

ایک مقام پر شیخ شہاب الدین سہروردی بیان فرماتے ہیں کہ صوفیاء کے نزدیک خدمت بھی ایک نیک عمل ہے۔ اور یہ ایک ایسا طریقہ ہے۔ کہ جس کے ذریعے انسان اچھے اخلاق اور اوصاف کا مالک بن سکتا ہے۔

(۲۵) مادمت لم تفطم فلا فرجية
علیك ولا تلفی علیها بمستحر

''جب تک تمہارا دودھ نہ چھڑوایا جائے۔ اس وقت تک تمہیں فرجیہ پہننے کی جرات نہیں کرنی چاہئے''۔

یعنی اے مرید! جب تک تیری تربیت مکمل نہ ہو جائے۔ اور تو استقلال کے درجے تک نہ پہنچ جائے۔ اس وقت تک مشائخ عظام کا مخصوص لباس پہننے کی جرات نہ کر

شیخ ابوعبدالرحمٰن السلمی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان

شیخ ابوعبدالرحمٰن السلمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ مشائخ کے علاوہ کسی اور کے لئے فرجیہ پہننا درست نہیں ہے۔ کیونکہ اس کی حیثیت بھی مشائخ کے ساتھ مخصوص سجادے۔ اور کلاہ کی سی ہے۔

حضرت بایزید بسطامی رضی اللہ عنہ کی مریدین کیلئے نصیحت

آپ فرماتے ہیں۔ کہ اے مرید! تو روئے زمین پر موجود کسی بھی مسلمان یا کافر کے بارے میں یہ سوچ نہ رکھ کہ وہ تجھ سے حقیر ہے۔ یا اللہ رب العزت کی بارگاہ میں اس کا مرتبہ تجھ سے کم ہے۔

جب تک کوئی شخص اس غلط فہمی کا شکار ہو کہ شاید مخلوق میں کوئی ایک شخص بھی اس سے

کم تر ہوسکتا ہے۔ یا بدتر ہوسکتا ہے۔ تو اس وقت تک یہ شخص تکبر کا شکار ہے۔ تو کسی نے دریافت کیا کہ پھر تواضع کی کیا صورت ہوگی؟ تو آپ نے فرمایا۔ کہ جب وہ اپنے آپ کے بارے میں یہ سوچ رکھتا ہو کہ میں کسی مرتبہ یا مقام پر فائز نہیں ہوں۔ نیز وہ ہر شخص کے ساتھ اس کے مرتبے کے مطابق سلوک کرے۔

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب عوارف المعارف میں تحریر فرماتے ہیں۔ کہ شیخ یوسف بن اسباط سے کسی نے سوال کیا کہ تواضع کی انتہا کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا یہ کہ جب تم گھر سے نکلو تو باہر ملنے والے ہر شخص کو اپنے سے بہتر سمجھو۔

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ ایک مرتبہ مجھے اپنے شیخ ضیاء الدین ابوالنجیب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ شام جانے کا اتفاق ہوا۔ کسی دنیا دار امیر نے کچھ فرنگی قیدیوں کے سروں پر رکھوا کر کھانے کی کچھ اشیاء شیخ کی خدمت میں بھجوائیں۔ ان قیدیوں کے پاؤں بیڑیوں میں جکڑے ہوئے تھے۔ جب دستر خوان بچھایا گیا۔ تو آپ نے خادم کو حکم دیا کہ ان قیدیوں کو بلواؤ۔ تا کہ وہ بھی درویشوں کے ہمراہ ایک ہی دستر خوان پر بیٹھ کر کھانا کھائیں۔ ان سب قیدیوں کو لایا گیا۔ اور ایک دستر خوان پر بٹھا دیا گیا۔ شیخ ضیاء الدین ابوالنجیب رحمۃ اللہ علیہ اپنے سجادے سے اٹھے اور ان قیدیوں کے درمیان جا کر بیٹھ گئے۔ گویا آپ انہی میں سے ایک ہیں۔ ان سب نے آپ کے ہمراہ بیٹھ کر کھانا کھایا۔ اس وقت آپ کی طبیعت کی عاجزی اور انکساری ہمارے سامنے ظاہر ہوئی کہ اس قدر علم و فضل اور مرتبہ و مقام کے باوجود آپ نے تکبر سے اپنے آپ کو بچائے رکھا۔

شیخ ابوالحسن علی القرظی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ ابوالحسن علی القرظی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ میرے شیخ ابو محمد عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ بن عبدالرحمٰن ہیں۔ جو کہ ایک جید فقیہہ اور صاحب علم شخص تھے۔ ایک دن شدید بارش اور کیچڑ کے موسم

میں میں نے انہیں پیدل چلتے ہوئے دیکھا۔ سامنے سے ایک کتا آتا ہوا دکھائی دیا۔ آپ دیوار کے ساتھ لگ گئے۔ اور کتے کے گزرنے کیلئے راستہ چھوڑ دیا۔ جب کتا قریب آیا تو آپ نچلی طرف آ گئے۔ اور راستے کا اوپری حصہ کتے کے گزرنے کیلئے چھوڑ دیا۔ جب کتا گزر گیا۔ تو میں آپ کے پاس پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں۔ کہ آپ کے چہرہ پر افسوس کے آثار موجود ہیں۔ میں نے عرض کی۔ کہ آج میں نے ایک حیران کن بات دیکھی ہے۔ کہ آپ نے کتے کے لئے راستہ چھوڑ دیا اور خود کیچڑ میں پاؤں رکھ دیا۔ آپ نے جواب دیا کہ جب میں پہلے دیوار کے ساتھ لگا۔ تو مجھے خیال آیا کہ میں نے اپنے آپ کو بہتر سمجھتے ہوئے اپنے لئے صاف جگہ اختیار کی ہے۔ جبکہ وہ کتا اس اعتبار سے مجھ سے بہتر ہے۔ کہ اس نے کبھی کوئی گناہ نہیں کیا۔ اور میں اپنے پروردگار کی نافرمانی کرتے ہوئے بہت سے گناہوں کا مرتکب رہتا ہوں۔ یہی سوچ کر میں خود کیچڑ میں ہو گیا۔ اور کتے کیلئے صاف جگہ خالی کر دی اور اب مجھے اس بات کا اندیشہ ہے۔ کہ میری اس خود پسندی کے باعث کہیں اللہ رب العزت مجھ سے ناراض نہ ہو جائے۔ اللہ رب العزت میرے اس گناہ کو معاف فرمائے کہ میں نے خود کو اس سے بہتر سمجھا جو کہ مجھ سے بہتر ہے۔

شیخ ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ جو شخص تواضع اختیار کرنا چاہئے۔ اسے چاہئے۔ کہ ہمیشہ اللہ رب العزت کی عظمت و جلال کا تصور پیش نظر رکھے۔ اس طرح اسے اپنا وجود کم تر اور حقیر نظر آئیگا جو شخص اللہ رب العزت کی عظمت اور حاکمیت کو سامنے رکھے گا۔ وہ کبھی بھی نفس کے ہاتھوں مغلوب نہیں ہو سکے گا۔ کیونکہ اللہ رب العزت کی عظمت کے سامنے ہر چیز حقیر ہے۔ اور جب کوئی انسان تواضع اختیار کر لے گا۔ تو لوگوں کے ساتھ انکساری سے ملے گا۔ کیونکہ یہ بات اس کے پیش نظر ہوگی کہ ساری مخلوق اللہ رب العزت

سے منسوب ہے۔

اسی لئے حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے عوارف المعارف میں بیان فرمایا ہے۔ کہ ''جب تک کسی صوفی کو بارگاہ اللہ رب العزت میں تواضع کا سلیقہ نہیں آئیگا۔ اس وقت تک وہ لوگوں کے ساتھ متواضع رویہ اختیار نہیں کرسکتا''

(۲۶) فـــان ختـــام الامـــن عـنك مـغـيـب

ومـن لـيـس ذاخسـر يـخـاف من المكـر

''کیونکہ تجھے اپنے خاتمے کا علم نہیں ہے۔ اور اگر کوئی شخص گنہگار نہ بھی ہو پھر بھی اسے اللہ رب العزت کی تدبیر سے ڈرنا چاہئے''۔

انجام کا خوف

انسان کو اپنے انجام کی خبر نہیں ہے اس لئے اسے کسی کو بھی اپنے سے کم تر نہیں سمجھنا چاہئے۔ کیونکہ اگر وہ انسان خود گناہگار رہتا ہوگا۔ تو یقیناً اسے اپنے انجام کا اندیشہ بھی ہوگا۔ لیکن اگر وہ نیکوکار بھی ہو تو بھی اللہ رب العزت کی خفیہ تدبیر (یعنی اس کی مشیت اور فیصلے) کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے۔

شیخ اکبر محی الدین ابن العربی الدمشقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ اللہ رب العزت کے بارے میں انسان کو یہی اعتقاد رکھنا چاہئے۔ لیکن بہت کم لوگوں کو یہ نعمت نصیب ہوتی ہے۔ کہ انسان اس بات کا پختہ عتقاد رکھے کہ اللہ رب العزت ہر وقت اپنے بندے کی قلبی کیفیت سے آگاہ ہے۔ اور جس وقت جسے چاہے اپنے لطائف ومعارف عطا فرما سکتا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص ایک لمحے کیلئے جدا ہوا۔ اور پھر دوبارہ واپس آ کر تمہارے ساتھ بیٹھے تو تمہیں اس کی عزت اور تکریم کرنی چاہئے۔ کیونکہ ہوسکتا ہے۔ کہ اسی ایک لمحے میں اللہ رب العزت نے اسے اپنے خاص فضل وکرم سے نواز دیا ہو۔ اگر بالفرض ایسا نہیں بھی ہوا

تو بھی اللہ رب العزت کی بارگاہ کا ادب بہرحال فوقیت رکھتا ہے۔ لیکن یہ کیفیت بہت ہی کم لوگوں کو نصیب ہوتی ہے۔ اسی طرح اگر صوفیاء کرام کسی شخص کو معصیت کا مرتکب دیکھ لیں تو پھر بھی اسے گنہگار نہیں سمجھتے کیونکہ عین ممکن ہے۔ کہ اس شخص نے خفیہ طور پر اپنے گناہ سے توبہ کر لی ہو یا انجام کار اللہ ربّ العزت کا فضل و کرم اس کے شامل حال ہو۔ اور اسے توبہ کی توفیق نصیب ہو جائے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص اپنے آپ کو بہتر سمجھے حالانکہ اسے اپنے یا دوسرے شخص کے انجام کے بارے میں کچھ پتہ نہیں ہے۔ تو ایسا شخص درحقیقت اللہ رب العزت (اور اس کے فضل و کرم) سے واقف نہیں ہے اس لئے اس میں کوئی بھلائی نہیں ہوگی بلکہ وہ دھوکے کا شکار ہوگا۔ اگر بظاہر اسے کچھ معارف نصیب ہوں تو بھی درحقیقت اسے معرفت کے بارے میں کچھ پتہ نہیں ہے۔

شیخ ابو طالب المکی رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں۔ کہ صوفیائے کرام اس وجہ سے اللہ رب العزت (کی بے نیازی) سے خوفزدہ رہتے ہیں کیونکہ انہیں یہ بات اچھی طرح معلوم ہے۔ کہ اللہ رب العزت اپنے بعض بندوں کو دوسرے بندوں کے ذریعے نصیحت عنایت فرماتا ہے۔ اور بعض اوقات بلند مرتبہ لوگوں کو کم مرتبہ لوگوں کیلئے عبرت بنا دیتا ہے۔ اور اس میں اللہ رب العزت کی خاص حکمت ہوتی ہے۔ صوفیائے کرام اس بات سے واقف ہوتے ہیں۔ کہ بعض اوقات اللہ رب العزت عام مسلمانوں کو نصیحت کرنے کیلئے بعض صالحین کو باعث عبرت بنا دیتا ہے۔ یا پھر صالحین کی بہتری کیلئے شہداء کو اور شہداء کی بہتری کیلئے صدیقین کو سبب بنایا جاتا ہے۔ لہٰذا ہر مرتبہ کے لوگ نچلے طبقے کے لوگوں کے لئے باعث عبرت اور اوپری طبقہ کے لوگوں کیلئے باعث نصیحت۔ جبکہ اپنے ہم مرتبہ لوگوں کیلئے باعث خوف ہوتے ہیں۔ اللہ رب العزت کی ایک خاص شان یہ بھی ہے۔ کہ وہ لوگوں کے علوم اور اعمال (کی ظاہری حیثیت) کی پرواہ نہیں کرتا۔ اسی لئے کوئی بھی صوفی اپنے مقام سے مطمئن نہیں ہوتا اور نہ ہی خود کو اللہ رب العزت کے فیصلے سے محفوظ سمجھتا ہے۔

امام ابو حامد غزالی رضی اللہ عنہ کا فرمان

حضرت امام ابو حامد غزالی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ امور سے متعلق اللہ رب العزت کی مشیت عقل وفہم سے ماوراء ہے۔ لہٰذا تحقیقی اور یقینی طور پر کوئی اصول مقرر کرنا تو بہت دور کی بات ہے۔ ہم اس کے بارے میں کوئی اندازہ یا قیاس بھی نہیں کر سکتے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ صوفیائے کرام کے دل ہر وقت اللہ رب العزت کے خوف سے لرزتے رہتے ہیں کیونکہ سب سے بڑی مشکل یہ ہے۔ کہ ہمارے تمام معاملات اس ذات کی مشیت سے وابستہ ہیں۔ جو کہ ہم سب سے بے نیاز ہے۔

پھر اس کے بعد مزید کچھ گفتگو کرنے کے بعد آپ نے فرمایا۔ کہ کسی بزرگ کا قول ہے۔ کہ اگر میں کسی ایسے شخص کو دیکھوں جو کہ پچاس برس سے توحید کا قائل ہے۔ اور پھر ایک لمحے کے لئے وہ شخص ستون کی آڑ میں گم ہوا۔ اور اسی ایک لمحے میں اس کا انتقال ہو جائے۔ تو میں اس کے بارے میں یقینی طور پر نہیں کہہ سکتا کہ کیا وہ توحید پر ایمان کی حالت میں مرا ہے۔ یا کہ اس کے ایمان میں تبدیلی آ چکی تھی۔

ایک اور بزرگ فرماتے ہیں۔ کہ اگر مرتبہ شہادت میرے گھر کے دروازے پر موجود ہو۔ اور حالت ایمان میں مرنا میرے دروازے پر موجود ہو۔ تو میں ایمان کی حالت میں مرنا پسند کروں گا۔ کیونکہ مجھے نہیں معلوم کہ اپنے کمرے کے دروازے سے لے کر گھر کے دروازے تک میرے باطن کی کیا حالت ہو جائے گی۔

حضرت شیخ سہل بن عبداللہ تستری رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ اکابر صوفیائے کرام کو ہر لمحے اور ہر گھڑی یہی خوف رہتا ہے۔ کہ کہیں ہمارا انجام برا نہ ہو۔ اور یہی وہ لوگ ہیں۔ کہ جن کے بارے میں اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے! کہ

''وَقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ'' (المومنون ٦٠)

''اور ان کے دل (اللہ تعالیٰ کے خوف سے) لرزاں رہتے ہیں''۔

حضرت سہیل بن عبداللہ تستری رضی اللہ عنہ یہ بھی فرمایا کرتے تھے۔ مرید کو گناہ کا خوف ہوتا ہے لیکن شیخ کو یہ اندیشہ ہوتا ہے۔ کہ کہیں وہ کفر میں مبتلا نہ ہو جائے۔

حضرت شیخ بایزید بسطامی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ جب میں مسجد کی طرف جانے لگتا ہوں تو گویا میری کمر میں ''زنار'' موجود ہوتی ہے۔ اور مجھے یہ اندیشہ ہوتا ہے۔ کہ میں کہیں کسی گرجے میں یا آتش کدہ میں نہ چلا جاؤں۔ یہاں تک کہ جب میں مسجد میں داخل ہو جاتا ہوں تو مجھے ''زنار'' سے نجات ملتی ہے۔ روزانہ پانچوں نمازوں کے اوقات میں میرا یہی معمول ہے۔

سیدی عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ ایک عجیب وغریب واقعہ سنایا۔ آپ فرماتے ہیں۔ کہ مکہ مکرمہ میں میری ملاقات ابوالحسن علی الہندی رحمۃ اللہ علیہ سے ہوئی کہ جن کی حالت بہت ہی عجیب وغریب تھی۔ وہ جب چلنے کیلئے قدم اٹھاتے تو ان کا پاؤں لرز رہا ہوتا اور پھر جب اسے واپس زمین پر رکھتے تو بھی لرزتا۔ دیکھنے والا یہ سمجھتا کہ شاید یہ صاحب مجنون ہیں۔ چلنے کی طرح کھانے کے وقت بلکہ کسی بھی ارادی حرکت کے ارتکاب کے وقت ان کی یہی کیفیت ہوتی۔ لہٰذا میں نے جب ان کی یہ کیفیت دیکھی تو مجھے ان پر بہت رحم آیا۔ میں نے ان سے دریافت کیا کہ اے ابوالحسن رضی اللہ عنہ! آپ نے یہ اپنی کیا حالت بنا رکھی ہے؟ حالانکہ آپ اللہ رب العزت کے برگزیدہ ولی ہیں۔ اور دیوان الصالحین کے اراکین میں شامل ہیں پھر آپ کو کوئی جسمانی بیماری بھی نہیں ہے۔ تو انہوں نے فرمایا کہ اے عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ! میں صرف تمہیں اپنی حالت کا سبب بتانے لگا ہوں۔ اللہ رب العزت کا فضل ہے۔ کہ اس نے مجھے اپنی تمام مخلوق میں موجود افعال کا مشاہدہ نصیب کیا ہے۔ اور میں تمام مخلوق میں موجود اللہ رب العزت کے فضل وکرم کا مشاہدہ کرتا ہوں ان میں سے کوئی ایک چیز بھی مجھ سے پوشیدہ نہیں ہے۔ پھر یہ کہ اللہ رب العزت نے مجھے اپنے افعال اور فیصلوں کے اسرار کا بھی علم عطا فرمایا ہے۔ چنانچہ جب بھی اللہ رب العزت

کے کسی فعل کا مشاہدہ کرتا ہوں تو اس کی علت' سبب اور راز سے بھی آ گاہ ہو جاتا ہوں لیکن جب مین نے اپنی ذات کی طرف توجہ کی تو میری ذات میں موجود اللہ رب العزت کے تمام افعال مجوب ہیں۔ اور مجھے ان کا مشاہدہ نصیب نہیں ہوا۔ اس لئے مجھے یہ اندیشہ ہے۔ کہ شاید میری کسی غلطی کی وجہ سے مجھے اپنی ذات کا مشاہدہ نصیب نہیں کیا۔ تاکہ اگر کوئی کام میرے لئے مضر ہو۔ تو میں اس سے بچنے کی کوشش کروں یہی وجہ ہے۔ کہ میں اپنے ہر اختیاری فعل کے بارے میں اس بات سے خوف زدہ رہتا ہوں۔ کہ کہیں وہ میری تباہی کا باعث نہ بن جائے۔ اسی خوف کے نتیجہ میں کسی بھی اختیاری حرکت کے صدور کے وقت میرے جسم پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔

عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے اس کے سامنے ایک حدیث قدسی کا ذکر کیا۔

حدیث قدسی: "انا عندظن عبدی بی" (بخاری شریف)

''میں اپنے بارے میں اپنے بندے کے گمان کے مطابق ہوتا ہوں''۔

(۲۷) ولا تنظرن یوما الی الخلق انه
یخلی طریق الصفوفی کدرالاسر

''کسی بھی مخلوق کی طرف نہ دیکھو کیونکہ یہ چیز انسان کی صفائی کو ختم کر کے اسے میلا کر دیتی ہے''۔

یعنی جب مرید کو تکبر سے بچنے کیلئے ہدایت کر دی گئی۔ تو اب اس کے برعکس یعنی بالکل مخلوق کی طرف مائل ہونے سے بچنے کی تلقین کی جا رہی ہے یعنی کوئی مرید اپنے احوال واقوال میں مخلوق سے کسی صلے کے حصول کا طالب نہ ہو۔ اپنی عبادات' عادات اور دیگر تمام امور میں مخلوق کی طرف توجہ نہ دے۔ کیونکہ اس صورت میں تمہارے باطن کی پاکیز گی گرد آلود ہو جائے گی اور باطن کے صاف اور شفاف شیشے پر دکھاوے اور ریا کاری کا میل آ

جائے گا۔ یہی وجہ ہے۔ کہ شیخ ابو عبداللہ القرشی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ جو شخص اپنے افعال و اقوال میں اس بات کا لحاظ نہ کرے کہ اللہ رب العزت اسے دیکھ رہا ہے۔ تو ایسا شخص لازمی طور پر ریاکاری کا شکار ہو جاتا ہے۔

حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان

بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ جو شخص مشہور ہونا چاہے۔ وہ رسوا ہو جاتا ہے۔ آپ نے مزید ارشاد فرمایا کہ جو شخص مشہور ہونا چاہے۔ وہ آخرت میں کچھ حاصل نہ کر سکے گا۔

کسی اور بزرگ کا فرمان ہے۔ کہ اگر تم اللہ رب العزت کی بارگاہ میں کوئی مرتبہ حاصل کرنا چاہتے ہو۔ تو لوگوں کے درمیان مرتبہ کے حصول کا خیال اپنے دل سے نکال دو۔

حضرت غوث زماں رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان

''حضرت سید افتخار احمد حسین شاہ گیلانی رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین درگاہ حضرت محبوب ذات فرماتے ہیں۔ کہ کوئی بھی شخص اس وقت تک اللہ رب العزت کی معرفت حاصل نہیں کر سکتا کہ جب تک اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معرفت حاصل نہ ہو۔ اور کسی بھی شخص کو اس وقت تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معرفت حاصل نہیں ہو سکتی کہ جب تک اسے کسی کامل شیخ کی معرفت حاصل نہ ہو جائے۔ اور کسی بھی کامل شیخ کی معرفت اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتی۔ جب تک کہ بندہ اپنے کسی بھی قول و فعل میں لوگوں سے بے پرواہ نہ ہوگا۔ تو اللہ رب العزت کی رحمت اس طرح شامل حال ہوتی ہے۔ کہ بندہ اس کے بارے میں تصور بھی نہیں کر سکتا۔

(۲۸) وان نظم الحق الکرامات اسطرا
فلا تبدین حرفا لغیرک من سطر

سرّی الشیخ لا تکتمہ سرافانہ
ساحۃ کشف السریحبری علی بحر

''اگر اللہ رب العزت تمہیں کرامات عطا کرے۔ تو تم اپنے شیخ کے علاوہ اور کسی کے سامنے اس کا ایک حرف بھی ظاہر نہیں کرنا۔ لیکن شیخ سے کوئی راز پوشیدہ نہیں رکھنا۔ کیونکہ راز سے آگاہی کے معاملے میں شیخ کی مثال ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص پانی پر چل رہا ہو''۔

یعنی جب کوئی شخص تمام لوگوں سے بے نیاز ہو جائے۔ تو اللہ رب العزت کی رحمت اس طرح اس کے شامل حال ہوتی ہے۔ کہ بندہ کے تصور میں بھی نہیں آ سکتا۔ اسی طرح شاعر کہتا ہے۔ کہ جب اللہ رب العزت کی رحمت تمہارے شامل حال ہو۔ اور تمہارے سامنے کرامات (اسرار) کا ظہور ہو۔ تو ادب کا تقاضا یہ ہے۔ کہ تم کسی کے سامنے ان کا ذکر نہ کرو۔ البتہ اپنے شیخ سے کوئی بات چھپانے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ وہ تمہارا معالج ہے۔ اور تمام خرابیوں سے آگاہ ہے۔ جو کہ معرفت سے دوری کا باعث بنتی ہیں۔ لہٰذا وہ شیخ اس بات کا حقدار ہے۔ کہ اس کے سامنے اسرار کا تذکرہ کیا جائے۔ اور کوئی بھی بات اس سے پوشیدہ نہ رکھی جائے۔ لہٰذا وہ شیخ تمہاری باطنی خامیوں سے آگاہی کے باعث اسی طرح ہوگا جیسے وہ پانی پر چلنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

(۲۹) وفی الکشف ان کو شفقت راجعہ انہ
لتوضیح ماکو شفت مبتسم الثغر

''اگر تمہیں کشف نصیب ہو۔ تو اسے بھی وضاحت کیلئے شیخ کے سامنے بیان کرو کیونکہ شیخ راضی خوشی اس کشف کی وضاحت کر دے گا''۔

کیونکہ بعض اوقات کسی مرید کے سامنے روحانی کشف ایسے ظاہر ہوتے ہیں۔ کہ جس سے وہ مرید ناواقف ہوتا ہے حالانکہ یہ سب کشف کا نتیجہ ہوتا ہے۔ جو کبھی دیکھ کر اور کبھی

سن کر حاصل ہوتا ہے۔ اور بعض اوقات مرید کو اپنے ہی باطن سے آواز سنائی دیتی ہے۔ اور کبھی ہوا کے دوش پر آواز آتی ہوئی سنائی دیتی ہے۔ کہ جیسے کوئی ہاتف غیبی کلام کر رہا ہو۔ اس کے نتیجہ میں اس مرید کو یہ اطلاع مل جاتی ہے۔ کہ اللہ رب العزت اسے کیا حکم صادر کر رہا ہے۔ گویا کہ یہ اللہ رب العزت کی جانب سے ملنے والی ایک اطلاع ہوتی ہے۔ کہ جس کے نتیجہ میں اس مرید کا یقین زیادہ ہو جاتا ہے۔ اور بعض اوقات اس سے بھی بڑھ کر انسان اس یقین کا مشاہدہ کرتا ہے۔ کیونکہ بعض اوقات برہمنوں۔ فلسفیوں۔ داہریوں اور راہبوں کو بھی کشف (کے ابتدائی مراتب) نصیب ہو جاتے ہیں۔ لیکن ان کے لئے وہ کشف فریب کاری کا باعث بن جاتا ہے۔ تاکہ وہ اپنے کمالات کو حق سمجھتے ہوئے اپنے کفر پر ثابت قدم رہیں۔ لیکن ایک سچا مسلمان سالک یہ بات اچھی طرح جانتا ہے۔ کہ اگر وہ پانی پر بھی چلنے لگے۔ تو بھی یہ ایک بے کار کمال ہوگا۔ اصل کمال تقویٰ اور زہد ہے اس لئے کشف کے ان خطرات سے بچنے کیلئے مرید کو شیخ کی طرف رجوع کرنے کی نصیحت کی جاتی ہے۔

(۳۰) ولا تنفرد عنه بواقعة جرت
ففي غشي عيناك والسمع في وقر

"کسی بھی واقعے کے ظہور کے وقت خود کو (کبھی بھی شیخ سے) الگ نہ سمجھو
کیونکہ تمہاری بصیرت کمزور ہے۔ اور سماعت میں بھی نقص پایا جاتا ہے"۔

واقعہ اور کشف میں فرق

مثالی صورت میں حقائق کے ظہور کو واقعہ کہا جاتا ہے۔

کشف حقیقت کے ایسے ظہور کو کہتے ہیں۔ کہ جس کا تعلق عالم مثال کے ساتھ نہ ہو جیسے ایک شخص خواب میں دیکھے کہ وہ دشمن پر غالب آ گیا ہے۔ تو اب اس خواب کی تعبیر کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن جب مثالی صورت میں یہ بات القاء کی جائے گی۔ تو اس کی صورت یہ ہوگی کہ یہ شخص یہ خواب دیکھے کہ اس نے کسی سانپ کو مار دیا ہے۔

اس دوسری صورت میں غالب آنے کو ایک علامتی شکل میں دکھایا گیا ہے اس لئے یہ خواب تعبیر کا محتاج ہوگا۔ ''لہٰذا انسان جب بیداری کی حالت میں کسی علامتی شکل کے بغیر کسی چیز کا مشاہدہ کرتا ہے۔تو اسے کشف کہا جاتا ہے''۔

لیکن اگر وہ علامتی شکل میں کسی چیز کا مشاہدہ کرتا ہے۔تو اسے واقعہ قرار دیا جائیگا۔ بعض اوقات علامتی شکل بھی کسی خاص حکمت سے خالی ہوتی ہے۔اور اس کی مثال کسی بھی عام خواب کی سی ہوتی ہے۔لیکن اصطلاحی طور پر اسے ''واقعہ'' قرار نہیں دیا جا سکتا' کیونکہ ''واقعہ صرف اسی صورت میں ہوگا کہ جب ذکر میں اخلاص ہوگا۔اور اس کے علاوہ ذکر میں استغراق بھی ہو۔

جس کی نشانی یہ ہے۔کہ ذاکر دنیا سے بے رغبت ہو۔اور متقی پرہیزگار ہو۔لہٰذا شعر کا مطلب یہ ہوگا کہ تمہاری نظر اور ساعت کمزور ہے۔اور کسی بھی مشاہدے کے ''واقعہ'' ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں شیخ ہی تمہاری رہنمائی کرسکتا ہے۔کیونکہ اس کے اندر حقیقت کو پرکھنے کی صلاحیت موجود ہوتی ہے۔

لہٰذا شیخ کی طرف رجوع کیئے بغیر کوئی بھی مرید کسی بھی ''واقعہ'' یا ''کشف'' کو مستقل تصور نہ کرے۔کیونکہ شیخ کا علم اس سے زیادہ ہوتا ہے۔اور اللہ رب العزت کا فضل و کرم بھی اس پر زیادہ ہے۔لہٰذا اگر مرید کا مشاہدہ درست ہوگا۔تو شیخ اسے درست قرار دے گا۔ اور اگر اس میں کوئی شبہ ہوگا۔تو شیخ اس کو زائل کردے گا۔

(۳۱) وفر اليه فى المهمات كلها
فانك تلقى النصر فى ذلك الفر

''اور ہر اہم معاملے میں شیخ ہی کی طرف بھاگو کیونکہ اس کی طرف دوڑنے کے نتیجہ میں ہی تمہیں کامیابی نصیب ہوگی''۔

لہٰذا مرید کو یہ اعتقاد رکھنا چاہئے۔کہ شیخ ایک ایسا دروازہ ہے۔کہ جس سے گزر کر ہی

وہ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں حاضر ہوسکتا ہے۔ وہاں سے واپس آ سکتا ہے۔ اور شیخ اس کی تمام حاجات کی تکمیل میں مددگار ثابت ہوسکتا ہے۔ مرید کو یہ اعتقاد بھی رکھنا چاہئے۔ کہ اللہ رب العزت اس شیخ کے وسیلہ سے اس پر انعامات نازل فرماتا ہے۔ نیز جس طرح وہ مرید شیخ کی طرف رجوع کرتا ہے اسی طرح شیخ اللہ رب العزت کی طرف صرف اس مرید کیلئے رجوع کرتا ہے۔ نیند اور بیداری ہر حالت میں گفتگو اور تبادلہ خیال کیلئے صرف شیخ ہی کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے۔ اور شیخ مرید میں اپنی مرضی سے تصرف نہیں کرتا کیونکہ وہ مرید شیخ کے پاس اللہ رب العزت کی امانت ہوتا ہے۔ اور جس طرح شیخ اپنی ضروریات کی تکمیل کیلئے اللہ رب العزت سے مدد طلب کرتا ہے۔ اسی طرح مرید کی دینی اور دنیاوی ضروریات کی تکمیل کیلئے بھی اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دست بادعا رہتا ہے۔ کیونکہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے!

''وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا'' (الشوریٰ آیت ۵۱)

''کسی بشر میں یہ طاقت نہیں ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ کلام کرے۔ سوائے (ان تین صورتوں کے) وحی حجاب کے پیچھے سے (آنے والی آواز کی صورت میں) یا کسی فرشتے کے ذریعے''۔

فرشتے کی آمد یا وحی انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہے۔ البتہ حجاب کے پیچھے سے کلام اولیائے کرام کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ جیسے الہام۔ خواب اور ہاتف غیبی کی وساطت وغیرہ۔

شیخ کی بارگاہ میں جن آداب وغیرہ کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے۔ کہ مرید اس وقت تک شیخ کے سامنے کسی بھی دینی یا دنیاوی مسئلے میں زبان نہ کھولے۔ جب تک اسے یہ یقین نہ ہو کہ شیخ اس کی بات سننے کیلئے مکمل طور پر آمادہ ہے۔ کیونکہ دعا

اللہ رب العزت کے ساتھ کلام کی مانند ہے۔ اس لئے اس کے مخصوص آداب میں۔ اسی طرح شیخ سے مخاطب ہونے کے بھی مخصوص آداب ہیں کیونکہ یہ بالواسطہ طور پر اللہ رب العزت سے ہی کلام کرنا ہے۔ لہٰذا مرید کو چاہئے۔ کہ وہ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں یہ دعا کرتا رہے۔ کہ اللہ رب العزت اسے شیخ کی بارگاہ کے آداب کا لحاظ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ مرید کیلئے شیخ کی وہی حیثیت ہے۔ جو کہ کلمۂ طیبہ کی ہے۔ کیونکہ شیخ ہی اپنے مرید کے ایمان اور دیگر تمام دینی اور دنیاوی امور کا نگہبان ہوتا ہے۔ بلکہ اہل بصیرت کشفی طور پر اس کا مشاہدہ بھی کرتے ہیں۔

(۳۲) ولاتکن ممن یحن الفعل عنده
فیفسد الا ان یفر الی الکسر

”تم اپنے اعمال پر فخر نہ کرو بلکہ کسرنفسی اختیار کرو“۔

اپنے اعمال پر فخر نہ کرو

اس درج بالا شعر میں اپنے اعمال پر فخر کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ کیونکہ فخر اعمال کو ضائع کر دیتا ہے۔ لیکن اگر تم فخر کو چھوڑ کر اللہ رب العزت کی طرف رجوع کرو گے تو اس صورت میں تمہارا کوئی ایک عمل بھی فاسد نہ ہوگا۔ کیونکہ اللہ رب العزت کی طرف رجوع کرنے میں تمہیں یہ پتہ چلے گا کہ تمہارا ہر عمل اللہ رب العزت کی مشیت کے تابع ہے۔ اور تمہاری مثال ایک کٹھ پتلی کی سی ہے۔ اگر تم اپنے کسی عمل پر فخر کرتے ہو۔ تو گویا کسی اور کا فعل اپنی طرف منسوب کرتے ہو۔ یہ سوچ تمہارے اندر اللہ رب العزت کے بارے میں حیا پیدا کرے گی اور اس کی ناراضگی سے خوفزدہ ہو کر اور اس کے شکر کی ادائیگی کیلئے تم اپنی ذات پر فخر کرنا چھوڑ دو۔ کیونکہ کسی بھی عمل پر فخر کرنا اس بات کی علامت ہے۔ کہ وہ عمل مقبول نہیں ہے۔

ایک بزرگ ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ کسی نیک عمل کی قبولیت کی دلیل یہ ہے۔ کہ تم اسے بھول جاؤ اور تمہاری توجہ کبھی بھی اس طرف مبذول نہ ہو کیونکہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے۔

''وَالْعَمَلُ الصَّالِحِ يَرْفَعُهُ'' (فاطر، آیت ۱۰)

''اور نیک عمل کو اللہ رب العزت کی بارگاہ میں پیش کر دیا جاتا ہے''۔

لہٰذا جب کسی نیک عمل کو اللہ رب العزت کی بارگاہ میں پیش کر دیا جائے۔ تو اس کا بدیہی مطلب یہ ہوگا کہ اب تمہارے پاس کچھ بھی باقی نہیں۔ لیکن اگر تمہاری توجہ کسی نیکی کی طرف مرکوز رہے۔ تو سمجھ لو کہ وہ اللہ رب العزت کی بارگاہ تک نہیں پہنچ سکی ہے۔

حضرت امام السید السجاد زین العابدین رضی اللہ عنہ کا فرمان

حضرت سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ اگر تمہاری توجہ اپنے عمل کی طرف مرکوز رہے۔ تو یہ اس بات کی دلیل ہے۔ کہ وہ عمل مقبول نہیں ہے۔ کیونکہ مقبول عمل کو اللہ رب العزت کی بارگاہ میں پیش کر دیا جاتا ہے۔ اور تم اس سے غافل ہو جاتے ہو۔ لہٰذا تم جس عمل سے لاتعلق ہو جاؤ وہی عمل مقبول ہوگا۔

(۳۴) ومن حل من صدق الانابة منزلا
یری العیب فی افعاله وهو مستبری

''جو شخص صدق نیت کے ساتھ (اللہ تعالٰی کی طرف) رجوع کر کے کسی مقام کی طرف پہنچ جائے۔ اس کی نظر میں اس کے اپنے افعال غلطیوں کا مجموعہ ہوتے ہیں۔ اور وہ اپنے آپ کو ان سے بری سمجھتا ہے''۔

یعنی جب کوئی شخص صدق دل سے مکمل طور پر اللہ رب العزت کی طرف رجوع کرے۔ تو وہ ایسے مقام پر فائز ہو جاتا ہے۔ جہاں اللہ رب العزت کی خوشنودی کے حصول کیلئے کئے جانے والے تمام اعمال اس کی نظر میں عیوب سے پر ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ

عیب سے بری ہوتے ہیں۔ اور اس نے ان اعمال کی انجام دہی کے دوران شریعت اور طریقت کے تمام اصولوں کی پاسداری کی ہوتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ یہ سمجھتا ہے۔ کہ شاید مجھ سے کوئی ایسی غلطی سرزد ہوگئی ہے۔ کہ جس کی طرف میری توجہ مبذول نہیں ہو سکی۔

شیخ ابو یعقوب اسحاق رحمۃ اللہ علیہ بن محمد کا فرمان

شیخ ابو یعقوب اسحاق رحمۃ اللہ علیہ بن محمد فرماتے ہیں۔ کہ جس شخص کے تمام اعمال اللہ رب العزت کے سپرد ہوں۔ اس کی نشانی یہ ہے۔ کہ اسے اپنی نیت کے اخلاص میں کمی نظر آئے گی۔ اپنے ذکر کو غفلت سمجھے گا۔ اپنا صدق اس کی نظر میں ناقص ہوگا۔ مشاہدہ مشکوک سمجھے گا۔ اور اپنا فقر اسے غیر محتاط دکھائی دے گا۔ لہٰذا ہر حالت اس کے نزدیک خامیوں سے پُر ہوگی۔ اس لئے وہ اللہ رب العزت کی طرف زیادہ شدت کے ساتھ رجوع کرے گا۔

شیخ ابو عمر اسماعیل بن نجید کا فرمان

حضرت شیخ ابو عمر اسماعیل بن نجید فرماتے ہیں۔ کہ کوئی بھی شخص بندگی میں اس وقت تک کامل نہیں ہو سکتا جب تک اس کے نزدیک اس کے اپنے تمام افعال دکھاوا نہ ہوں۔ اور تمام احوال کی حالت محض چند جھوٹے دعووں کی سی ہو کیونکہ اگر اللہ رب العزت کا فضل وکرم شامل حال نہ ہو۔ تو نفس صرف برائی کی طرف ہی راغب کرتا ہے۔ جیسا کہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

”وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ مَّا ذَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا (النور آیت ۲۱)

”اگر اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم تمہارے شامل حال نہ ہو۔ تو تم میں کوئی ایک بھی کبھی بھی پاک (پرہیزگار) نہیں بن سکتا“۔

ایک اور مقام پر قرآن مجید نے حضرت یوسف علیہ السلام کے حق میں یہ قول نقل کیا

ہے کہ

"وَ مَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ ۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ"

(یوسف' آیت ۵۳)

"میں اپنے نفس سے بے پرواہ نہیں ہوں کیونکہ یہ گناہ کی طرف بہت زیادہ راغب کرتا ہے۔سوائے اس شخص کے جس پر میرا رب رحم فرمائے"۔

ایک بزرگ ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ ہر وقت اللہ رب العزت ہی کا فضل و کرم شامل حال ہے۔ اور اسی ہی نے ہماری پردہ پوشی اختیار کر رکھی ہے۔ اگر یہ پردہ ہٹ جائے۔ تو ہماری برائیاں سب کے سامنے ظاہر ہو جائیں۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ اکابر اولیائے کرام اپنے بڑے بڑے اعمال سے بھی بے زاری کا اظہار کیا کرتے تھے۔

حضرت شیخ بایزید بسطامی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ اگر میں ایک مرتبہ صحیح طریقہ سے کلمہ طیبہ پڑھ لوں تو میرے لئے یہی بہت ہے۔

شیخ ابوسلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے آج تک کبھی کوئی نیک عمل نہیں کیا۔

مرید کی صفات۔ آداب اور شرائط

القرآن: فَاِنِ اتَّبَعۡتَنِیۡ فَلَا تَسۡئَلۡنِیۡ عَنۡ شَیۡءٍ حَتّٰۤی اُحۡدِثَ لَکَ مِنۡہُ ذِکۡرًا

(کہف' آیت ۷۰)

ترجمہ: ''پس اگر تو میری پیروی کرتا ہے۔ تو کسی چیز کی بابت سوال نہ کر۔ یہاں تک کہ میں خود تیرے لئے اس سے بات نہ کروں''۔

الحدیث: ''علیکم بالسمع والطاعة وان عبدًا حبشیًا''

ترجمہ: ''تم پر لازم ہے۔ کہ سنو اور اطاعت بجالاؤ۔ خواہ غلام ہی کیوں نہ ہو''۔

ایک بات اچھی طرح واضح رہے۔ کہ ارادت بہت بڑی دولت ہے۔ بلکہ تمام نیک بختیوں کا بیج ہے۔ بلکہ ارادت کوئی انسانی صفت نہیں بلکہ مریدی حق کی صفت کے انوار کا پرتو ہے۔ جیسا کہ حضرت ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ جس نے ہمیں چاہا اس نے اللہ رب العزت کو چاہا اور مرید ذات الٰہی کی صفات سے ہے۔ اور جب تک اللہ رب العزت اس صفت سے بندے کی روح پر تجلی نہیں کرتا۔ اس وقت تک بندے کے دل پر ارادت کے نور کا عکس نہیں پڑتا اور بندہ صادق مرید نہیں بن سکتا۔ اور جب سعادت کا بیج عنایت الٰہی سے دل کی زمین میں پڑتا ہے۔ تو چاہئے۔ کہ اس غیبی مہمان کو ضائع نہ چھوڑ دیا جائے۔ کہ اس نور کی ابتداء آگ کی چنگاڑی کی طرح ہوتی ہے۔ جو دھکتی ہے۔ اور اگر اس

پر گندھک ڈال کر سوکھی لکڑیوں سے اس کی مدد نہ کی جائے۔ تو پھر یہ بجھ جاتی ہے۔ اور بالکل ٹھنڈی پڑ جاتی ہے۔ پس اس آگ کی صفت والے نور کو کسی صاحب تصرف کامل شیخ کی گندھک کے سپرد کرے۔ تاکہ وہ صفات بشریت کے پر و بال کو اس آگ پر رکھے۔ جس سے اس آگ میں قوت آ جائے۔ بعدازاں جب آگ بھڑک اٹھے گی۔ تو سوکھی چھوڑے گی اور نہ ہی گیلی۔ اور اصلی مقصود بھی جلد حاصل ہو جائے گا۔ اور اگر کوئی شخص چاہے۔ کہ اپنی پرورش اپنی علمی اور عقلی نظر سے کرے۔ تو وہ کبھی بھی اپنی مراد کو نہ پہنچ سکے گا۔ کیونکہ یہ علم لدنی اساتذہ کی شاگردی سے ہرگز حاصل نہیں ہوتا اور اس میں خطرہ ہوتا ہے۔ کہ ہلاکت کے بھنور اور پھسلاوٹ کی وادی میں نہ جا پڑے۔ اور ایمان میں زوال نہ آ جائے۔ اور اپنے تئیں اپنے تصرف کے ہاتھوں ہلاکت کی وادی میں نہ لا ڈالے۔

اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

''وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّهْلُکَةِ'' (بقرہ آیت ۱۹۵)

''اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو''۔

اور اگر کسی شخص کو نفس اور شیطان دھوکہ دیں تو رسول اللہ ﷺ اور اللہ رب العزت کا لطف اس راہ کے کافی و شافی رہنما ہیں۔ اس کے بعد قرآن مجید اور علم شریعت خود اللہ رب العزت کی راہ کا جامع بیان ہے۔

چراغ و شمع چہ باید بکار قافلہ را
ہزار قافلہ را روئے تو بس است دلیل

اور اس راہ کا قافلہ سالار حضور اقدس ﷺ کا آفتاب سا جمال ہے

''دَاعِیًا اِلَی اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا'' (الاحزاب' آیت ۴۶)

''اللہ تعالیٰ کے حکم سے اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والا ہے۔ اور روشن چراغ کی مانند ہے''۔

اور قرآن مجید اور علم شریعت ہی اس راہ کا روشن بیان ہے۔ لیکن اس کی مثال ایسی ہے۔ کہ کوئی حاذق طبیب آئے۔ اور اللہ رب العزت کے الہام نے اس کی مدد کی، اور پھر اسی رنج و افسوس میں ساری عمریں بسر کیں اور مسلسل کوشش کرتے رہے۔ اور طرح طرح کی بیماریاں اور امراض پہچانیں اور پھر دواؤں کی خاصیتوں کی واقفیت حاصل کی پھر معجونیں اور شربت تیار کئے۔ اور ان سے دواخانے پر کئے۔ پھر طب کی کتب میں ان کی مفصل کیفیات لکھیں اور طب میں بہت کچھ علمی اور عملی تصانیف کا ذخیرہ چھوڑا۔ بعدازاں بعض لائق شاگردوں نے ان سے علم سیکھا اور دواؤں کے قوانین کی واقفیت حاصل کی۔ پھر ان طبیبوں کی خدمت میں رہ کر علاج معالجہ کرتے رہے۔ اور اسی میں رہ کر تجربات حاصل کئے۔ اور اساتذہ کے قوانین کے مطابق طبابت میں مشغول ہو گئے۔ اور لوگوں کو جن میں ان علوم کے سیکھنے کی قابلیت اور استعداد تھی۔ سکھایا پھر اس کام میں کمال تک پہنچایا۔ پھر اسی طرح زمانہ بزمانہ ہر گروہ کے شاگرد بھی ہوتے چلے آئے۔ لہٰذا اب اگر اس وقت کوئی بیمار ہو جائے۔ اور اسے علاج کروانے کی خواہش ہو۔ تو وہ طبیبوں کی کتب کو پڑھ کر معجونوں کے بنانے میں جو کہ دواخانوں میں رکھی ہوئی ہیں۔ اپنی عقلی نظر کو صرف کرے۔ اور ان طبیبوں سے ملتجی نہ ہو۔ اور بے تجربہ اور بے پہچان نظر عقلی سے اپنا علاج شروع کر دے نہ اسے بیمار کی حقیقت اور کیفیت معلوم ہو۔ اور نہ ہی دواؤں کی مقدار اور کیفیت کی واقفیت۔ لہٰذا اگر ایسا کرے گا۔ تو ضرور ہلاک ہو جائے گا۔ لہٰذا اسے چاہیے۔ کہ اطبا اور صاحب تجربہ لوگوں کی خدمت میں جا کر ان کے تصرف کو تسلیم کرے۔ اور جو معجون یا شربت میٹھا ہو یا کڑوا جو کچھ بھی دے کھا پی جائے۔ اور خود اپنا علاج آپ نہ کرے۔ اور اسی طرح قرآن مجید میں جب دین کے تمام علوم جو

"فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ" (بقرۃ آیت ۱۰)

"ان کو دلی بیماری ہے"۔

کے معالجہ سے تعلق رکھتے ہیں، حاصل ہیں۔

"وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ" (بنی اسرائیل آیت ۸۲)

"جو کچھ قرآن مجید میں ہے۔ وہ مومنوں کیلئے سراسر رحمت اور شفا پائے"۔

بلکہ ایک ایسا دوخانہ ہے۔ کہ جس میں ہر قسم کے معجون۔ شربت اور دوائیں ہیں۔

وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ (انعام آیت ۲۰)

"خشک وتر سب کچھ قرآن مجید میں ہے"۔

اور حضور سرکار دو عالم ﷺ دین کے حاذق طبیب ہیں۔ اور انہوں نے ہر بیماری کی شناخت اور علاج بڑی ہی عمدگی سے کیا۔

"وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ" (الشوریٰ آیت ۵۳)

"بے شک تو سیدھی راہ کی طرف ہدایت کرتا ہے"۔

اور اصحاب کبار رضوان اللہ علیہم شاگردان خلف ہیں۔ کہ جنہوں نے حضور رسالت مآب ﷺ سے علم طب حاصل کیا۔ اور حضور سرور کائنات ﷺ کی خدمت باسعادت میں رہ کر علمی تجربات کئے۔ اور ہر ایک معالجہ میں بدرجۂ کمال کو پہنچے

"اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم "

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے اصحاب ستاروں کی طرح ہیں۔ کہ جن کی پیروی سے تم سیدھی راہ چلو گے"۔

اور زمانہ بزمانہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے تابعین اس علم اور تجربات کو حاصل کرتے آئے۔ اور تابعین سے پھر تبع تابعین نے اور پھر آج کے روز تک ان میں سے ہر ایک کو اللہ رب العزت نے اس علم میں خاص نظر عنایت فرمائی۔ تاکہ فی زمانہ قوم کے مزاج کو پہچان کر قرآن مجید اور احادیث مبارکہ کے قوانین کے مطابق صحیح علاج کریں۔

"کل مجتھد مصیب"

"ہر ایک مجتہد صواب پر ہوتا ہے"۔

اور دینی طب کے علوم میں علمی اور عملی بہت سی کتب لکھیں لیکن اس وقت صاحب واقعہ بیمار اپنا علاج ان کی کتابوں سے بذریعہ اپنی نظر عقلی نہیں کر سکتا۔ خواہ وہ اس علم میں کمالیت کا درجہ ہی کیوں نہ رکھتا ہو۔ جیسا کہ داناؤں نے فرمایا ہے کہ

"رای العلیل علیل"

"بیمار کی رائے بھی بیمار ہوتی ہے"۔

لہٰذا اس کے لئے کوئی صاحب تجربہ حاذق طبیب ہونا چاہئے۔ کہ جسے مختلف مزاجوں کی شناخت بھی ہو۔ اس کے علاوہ علمی اور عملی طب کے قانون کی واقفیت بھی رکھتا ہو کیونکہ اگرچہ بیماری ایک ہی قسم کی ہوتی ہے۔ لیکن بچے' جوان' بوڑھے کا مزاج ایک نہیں ہوتا اور ایک ہی عمر کے اشخاص کا مزاج بھی ایک سا نہیں ہوتا مثلاً اگر دس بچے ہوں تو ہر ایک کے مزاج' نبض' قوت اور ضعف میں فرق ہوتا ہے اور یہ حاذق طبیب ہی کو مناسب ہے۔ کہ ان سب کی شناخت کرے۔ اور ان باریکیوں کو معالجہ کے وقت ملحوظ رکھے۔ تاکہ

"تداوفان الذی انزل الداء انزل الدواء"

"تم علاج کرو۔ بے شک جس نے مرض کیا۔ اس نے اس مرض کی دواء بھی پیدا کی ہے"۔

کے طریقہ کے مطابق مرض زائل ہو جائے۔ اور صحت کامل حاصل ہو۔ اور اس بات کے باوجود کہ اگر طبیب خود بیمار ہو۔ تو اسے کسی کا علاج نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ بیماری کے سبب اس کی نظر میں فرق پیدا ہو جاتا ہے۔ اور اس کیلئے بھی کسی تندرست اور صحیح النظر طبیب کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ تاکہ اس کا علاج اسے مفید ہو۔ ورنہ بیمار طبیب کا علاج موافق نہ پڑے گا۔

"طبیب یداوی و طبیب مریض"

"طبیب علاج کرتا ہے حالانکہ طبیب خود بیمار ہے"۔

عالمت تو خفتہ است و توخفتہ

خفتہ راخفتہ کے کند بیدار

شیطان کے دھوکے اور نفس کے فریب سے بچو

لہٰذا جب یہ بات تحقیق ہو چکی تو اب ہر ایک کو لازم ہے۔ کہ شیطان کے دھوکے اور نفس کے فریب میں نہ آئے۔ اور اپنی عقل علم پر بھروسہ نہ کرے۔ اور جب ارادت کا بیج دل کی زمین پر بویا جائے۔ تو اسے بڑی غنیمت سمجھ کر اس غیبی مہمان کو پیار کرے۔ اور اس کے پیوٹے کے مطابق غذا دے۔ اور اس کی غذا حقیقت میں مشائخ کے پستان ولایت کے علاوہ اور کہیں نہیں ہے۔ وہ اس لئے کہ ارادت کا بیج نو پیدا شدہ غیبی بچے کی طرح ہے۔ لہٰذا اس کو غذا بھی غیبی پستان سے ہی دینی چاہئے۔ پس کسی کامل شیخ کی طلب میں پھرنا چاہئے۔ خواہ وہ مشرق میں ہو یا کہ مغرب میں اس کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کے تصرفات کو تسلیم کرے۔ اور اگر کسی شیخ کی خدمت میں پہنچ کر نفس بہانہ اور تعجب کرے کہ یہ شیخ کامل ہے۔ یا کہ نہیں تو

"بالسمع والطاعة"

"سنو اور طاعت بجالاؤ"۔

پر کاربند رہے۔ اور اس بات کا یقین رکھے کہ خواہ حبشی غلام ہی کا تصرف کیوں نہ ہو۔ بہرحال اپنے تصرف سے پھر بھی بہتر ہے۔ جیسا کہ فرمان ہے۔

"وَاِنْ کَانَ عَبْدًا حَبْشِیًّا

"خواہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو"۔

اور اسی لئے مشائخ حضرات نے فرمایا کہ اگر تو بلی کے تصرف میں ہے۔ تو اس سے بہتر ہے۔ کہ تو اپنے تصرف رہ اور چاہیے۔ کہ جو کچھ اس کا مانع ہو۔ اس کی پابندی کرے۔ اور مشائخ کی خدمت سے تمام کو ارادت کے بازو کی قوت سے دور کرے۔ اور کسی بھی عذر کا مقید نہ رہے۔ تا کہ اس دولت سے محروم نہ رہ جائے۔ کیونکہ اس دولت سے محرومی کے نقصان کو دونوں جہان بھی پورا نہیں کر سکتے۔

اور حقیقت میں جب تک مرید اپنے سے سیر نہیں ہو جاتا اور اپنی جان اور بدن کا خیال نہیں چھوڑ دیتا اور ایک دم بندگی کرتا ہے۔ اور جو بھی بالمقابل آتا ہے اس سے قطع تعلق نہیں کرتا وہ اس بات کا مرد نہیں ہوسکتا۔

جو کچھ مرید اس راہ میں درہم برہم کرے۔ اور دے پٹکے اور ہار جائے۔ تو اللہ رب العزت قرآن مجید میں فرماتا ہے! کہ

''وَلَنَجزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ'' (النحل آیت ۹۷)

''اور البتہ ہم ان لوگوں کو جزائے خیر دیں گے۔ جو نیک کام کرتے ہیں''۔

کے مطابق ہزار گنا اس کا عوض اور بدلہ دنیا و آخرت میں دیتا ہے۔ اور اس کے تمام اقرباء اور خوشیوں میں سے ہر ایک کو کہ جنہیں اس نے چھوڑ دیا تھا۔ اور ان کے دلوں کو اپنی مفارقت سے زخمی کیا تھا۔ اللہ رب العزت نے ایک خاص درجہ' مرتبہ اور ثواب عنایت فرماتا ہے۔ تا کہ ان کی دل شکستگی کا عوض انہیں مل جائے۔ کیونکہ اللہ رب العزت کی ایک صفت جباری بھی ہے۔ اور جباری کا ایک معنیٰ ٹوٹے ہوئے کا جوڑنا بھی ہے۔ اللہ رب العزت فرماتا ہے!'' کہ اے بیچارے! جو کچھ تو نے میری خداوندی کی طلب میں درہم برہم کر دیا تھا۔ اب میں اپنے فضل و کرم سے اسے درست کروں گا اور جو دل کہ تو نے میری محبت کی خاطر خستہ کیا ہے۔ میں اپنے خداوندی خزانے سے اس کا خون بہا دوں گا۔

لیکن اے بندے! اگر تو مجھ سے باز رہ جائے۔ تو تمام موجودات بھی تیری اس بے

نصیبی کا نقصان پورا نہیں کر سکتی''۔

بارگاہ الٰہی کے ایک مکاشف کو خطاب الٰہی ہوا کہ

"انا بدك فالزم بدك"

"میں تیرے لئے ضروری ہوں۔ پس تو اپنے ضروری کو لازم پکڑ''۔

تو اپنی جان کے بغیر گزارا کر سکتا ہے۔ لیکن میرے بغیر تیرا گزارا نہیں چل سکتا۔ لہٰذا جب مرید ہمت کے ہاتھ اور ارادت کی قوت سے دنیاوی تعلقات اور دیگر رکاوٹوں کو دور کر کے شیخ کی خدمت میں آئے۔ تو اسے حسب ذیل کم از کم بیس اوصاف سے موصوف ہونا چاہئے۔ تا کہ شیخ کی صحبت کی داد دے سکے۔ اور کامل طور پر راہِ سلوک اس کے ہاتھ لگے۔

۱- مقام توجہ

صادق مرید کو چاہئے۔ کہ ان تمام باتوں جو کہ شرع کے مخالف ہوں۔ نصوح کی سی توجہ کرے۔ اور اس بنیاد کو بہت مضبوطی سے قائم رکھے کیونکہ تمام احوال اور اعمال کی بنیاد اسی پر قائم ہوتی ہے۔ لہٰذا اس بنیاد کے ابتداء میں ہی خلل ہوگا۔ تو آخر میں بھی جا کر خلل ہی واقع ہوگا۔ اور تمام برداشت کی ہوئی تکالیف رائیگاں جائیں گی۔ لہٰذا توجہ کو تمام مقامات میں استعمال کرے۔ وہ اس لئے کہ سلوک کے ہر ایک مقام میں اس مقام کے مناسب گناہ ہے۔

"حسنات الابرار سیات المقربین"

"نیک لوگوں کی نیکیاں مقرب لوگوں کی برائیوں کے برابر ہیں''۔

پس ہر مقام میں اس مقام کے گناہ سے توبہ کرے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محبوبیت کے مقام کی قابلیت اور

''لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ '' (الفتح آیت ۲)

''تا کہ اللہ تعالیٰ تیرے پہلے اور پچھلے گناہ بخش دے''۔

کی دولت کی کمالیت میں بھی توبہ کے حق کی رعایت رکھتے تھے

"انه لیغان علیٰ قلبی وانی لاستغفر اللّٰه فی کل یوم سبعین مرة"

"بے شک وہ میرے دل پر پردہ سیاہ ہو جاتا ہے۔ اور میں ہر روز ستر بار استغفار کرتا ہوں"۔

۲-زہد

مرید کو چاہئے کہ دنیا سے بالکل منہ پھیر لے۔ خواہ مال ہو یا مرتبہ اور اگر اس کے متعلقین نہ ہوں۔ تو سب کچھ شیخ کی خدمت میں پیش کر دے۔ تاکہ دوسرے مریدین کی مصلحت کیلئے استعمال ہو سکے۔ اور اسے جس قدر بھی روٹی کپڑا شیخ سے ملے اسی پر قناعت کرے۔

۳-تجرید

چاہئے کہ مجرد ہو۔ تمام سببی اور نسبی تعلقات کو عمدگی سے چھوڑ دے۔ ان کی طرف نہ دیکھے۔ کیونکہ وہ سب دشمن ہیں۔ جیسا کہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

"اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِکُمْ وَاَوْلَادِکُمْ عَدُوًّا لَّکُمْ" (التغابن' آیت ۱۴)

"بے شک تمہاری جورو اور بال بچے تمہارے دشمن ہیں"۔

۴-عقیدہ

چاہئے کہ مرید اہل سنت والجماعت حنفی قادری بریلوی کا پختہ عقیدہ رکھتا ہو۔ اور بدعتوں سے بالکل پاک ہو۔ اور آئمہ سلف کے مذہب پر چلے اور طریقت کی شرعیات میں احتیاط کو کام میں لائے۔ اور تشبیہہ' تعطیل' فض اور اعتزال سے بری رہے۔ اور ہٹ دھرمی نہ کرے۔ اور اہل قبلہ کی تکفیر سے دور رہے۔ اور لعنت کو جائز نہ سمجھے۔

۵-تقویٰ

مرید کو پرہیزگار ہونا چاہئے۔ اور اللہ رب العزت سے ڈرتا رہے۔ کھانے پینے اور لباس میں بڑی احتیاط رکھے لیکن مبالغہ نہ کرے۔ تاکہ وسوسے میں نہ پڑ جائے۔ کیونکہ یہ بھی ٹھیک نہیں ہوتا اور جہاں تک ہو سکے عزیمت سے کام کرے۔ اور رخصت کے گرد نہ پھٹکے اور حتی المقدور صاف اور پاکیزہ رہنے کی کوشش کرے لیکن اس میں غلو نہ کرے۔ تاکہ وسوسے میں نہ پڑ جائے۔ اور تمام احوال میں

"دع ما یریبك الا ما لا یریبك"

"اس چیز کو چھوڑ دے جو کہ تجھے اس چیز کی طرف لے جائے جو کہ تیری تربیت نہیں کرسکتی"۔ کو ملحوظ رکھے۔

٦-صبر

مرید کو چاہئے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے تصرفات کے ماتحت صابر رہے۔ اور ولایت شیخ کی تربیت سے نامرادی کے پیالوں کے پینے میں صبر کو کام میں لائے۔ اور شیخ کا حکم بجالانے میں سختیاں برداشت کرے۔ ملامت اور طعن کو اپنی طبیعت میں بالکل نہ آنے دے۔ اور اگر اس قسم کی ذراسی بات اس میں ظاہر ہو۔ تو اپنے آپ سے تکلیف کے ساتھ دور کر دے۔ اور ہمیشہ دینی کاموں میں دیدہ و دانستہ صبر اور بردباری کرے۔ جیسا کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ

"من تصبر صبر اللّٰہ"

"جس نے جھوٹ موٹ صبر کیا۔ تو اللہ تعالیٰ اسے فی الحقیقت صبر عطا فرماتا ہے"۔

۷-مجاہدہ

مرید کو چاہئے کہ ہمیشہ نفس کے گھوڑے کو مجاہدے کی لگام دے کر رکھے۔ مگر ضرورت

کے موافق اس سے نرمی بھی رکھے اور کسی طرح بھی اسے اس کی مراد اور حسب دلخواہ چیز نہ دے اور اس بارے میں بھی ثابت قدم رہے۔ کیونکہ نفس بھوکے شیر کی طرح ہوتا ہے۔ اگر تو اسے سیر کرے گا۔ تو پھر نفس قوت پا کر تجھے کھا جائے گا۔ اور نفس کو ہمیشہ دینی کاموں میں لگائے رکھنا چاہئے۔ اور اگر مرید اسے دینی کاموں میں مشغول نہیں کرے گا۔ تو نفس مرید کو اپنی خواہشات کے کاموں میں لگا لے گا۔

۸-شجاعت

مرید کو چاہئے کہ مرد او دلیر بنے۔ تا کہ نفس اور اس کے مکروفریب کی روک تھام کر سکے۔ اور نفس کے شیطانی مکر اور حیلے بہانوں میں نہ پھنس جائے۔ کیونکہ اس راہ میں انسان صورت' شیطان سیرت اشخاص اور بہت ہوتے ہیں۔ ان کو شجاعت سے دور اور مغلوب کرنا چاہئے۔

۹-بذل

چاہئے کہ مرید میں بذل اور ایثار بھی ہو کیونکہ بخل بہت بھاری قید اور حجاب ہوتا ہے۔ اور بعض مقامات میں دنیا اور آخرت یا دونوں کو قربان کرنا پڑتا ہے۔ اور کبھی تو جان پر بھی کھیل جانا پڑتا ہے۔

۱۰-فتوت

چاہئے کہ مرید طالب راہ حق جواں مرد ہو۔ تا کہ ہر شخص کا حق اپنے مقام میں حتی الوسع ادا کرے۔ اور اس میں حق گزاری کی کسی سے طمع نہ کرے۔ اور ہمیشہ انصاف کرے۔ جبکہ انصاف نہ کرائے۔

۱۱-صدق

چاہئے کہ مرید کے کام اور معاملہ کی بنا صدق پر ہو۔ اور اللہ رب العزت سے راستی

پیشہ بنے۔ جھوٹ اور خیانت سے دور رہے۔ اور خلقت سے امید بالکل قطع کر دے۔

۱۲۔ علم

چاہئے کہ ضروری علم جو کہ اس پر فرض ہے۔ واجب ہے مثلاً نماز' روزہ اور دیگر ارکان کا علم سیکھے۔ اور زیادتی کی کوشش نہ کرے۔ کیونکہ ایسا کرنے سے وہ اپنی اصلی راہ طے کرنے سے رہ جائیگا۔ البتہ اس وقت کرے جب تو اپنے اصل مقصود کو پہنچ گیا ہو۔ اور اگر مقتدائی کرنی چاہتا ہے۔ یا پیشوائی اس نے حاصل کر لی ہے' تو کتاب وسنت کے علوم کا مطالعہ اس کیلئے بہت زیادہ مفید ہوگا نہ کہ مضر اور ایسے علم میں کسی حالت میں بھی مشغول نہ ہو' جو کہ کوئی فائدہ نہ دے۔

۱۳۔ نیاز

چاہئے کہ کسی وقت بھی نیاز کو نہ چھوڑے۔ خواہ ناز کے مقام میں ہی ہو۔ لہٰذا اپنے تئیں تکلف سے نیاز کے عالم میں لائے کیونکہ نیاز خاص عاشق ہی کا مقام ہے۔ اور ناز معشوق کا مقام ہوتا ہے۔

۱۴۔ عیاری

چاہئے کہ اس راہ میں چالاک اور چلتے پرزے آدمیوں کی طرح چلے کیونکہ اس راہ میں بہت خطرناک کام پیش آتے ہیں۔ غیب اور شہادت میں اپنے آپ کو بے پرواہوں کی طرح ڈالنا چاہئے۔ اور عاقبت اندیشی نہ کرے۔ اور جان قربان کرنے سے بھی ہرگز نہ ڈرے اور دن میں ہزار بار پاؤں کے نیچے سر رکھ سکتا ہے۔ تو رکھے۔

۱۵۔ ملامت

چاہئے کہ ملامتی صفت ہو۔ اور قلندر سیرت۔ ایسا نہ ہو کہ باشرع کام کرے۔ اور خیال کرے کہ یہ ملامت ہے ہرگز نہیں۔ یہ تو شیطانی راہ ہے۔ اور اس کی گمراہی اور دلالت

ہے۔ اور یہی پھسلاوا اہل اباحت کو دوزخ میں لے جاتا ہے۔ اور ملامتی کے یہ معنی ہیں۔ کہ خلقت کی ردوقبول۔توہین وتعریف اور نام وننگ کی پرواہ نہ کرے۔ اور انہیں یکساں خیال کرے۔ خلقت کی دوستی اور دشمنی سے موٹا یا لاغر نہ ہو جائے۔ اور ان افراد کو یکساں خیال کرے۔ اور تمام خلق خدا سے صلح رکھے اور اپنے نفس سے جنگ جاری رکھے۔

۱۶-عقل

چاہئے کہ عقلی تصرف سے اس کی حرکات مضبوط ہوں۔ تا کہ کوئی کام شیخ کی رضا اور اس کے فرمان کیخلاف اس سے ظہور پذیر نہ ہو کیونکہ زمانہ بھر کے رنج شیخ کے دل کی ناراضگی اور اس کی ولایت کے رد میں ہیں۔ نیز جو کچھ اس کام سے مشقت اور محنت سے حاصل ہو۔ اسے عقلی تصرف سے محفوظ رکھے۔

۱۷-ادب

چاہئے کہ اس کے اخلاق مہذبانہ اور مؤدبانہ ہوں۔ اور انبساط اور ظرافت کی راہ اپنے اوپر بند رکھے اور شیخ کی خدمت میں عزت۔ سکون اور تعظیم سے بیٹھے اور جب تک اس سے بات نہ پوچھی جائے۔ اور جو کچھ کہے۔ حلم، نرمی اور راستی سے کہے۔ اور ظاہر و باطن میں شیخ کے اشارے کا منتظر رہے۔ اور اگر اس سے کوئی خطا یا قصور سرزد ہو۔ تو فوراً ظاہر یا باطن میں استغفار کرے۔ اور عمدہ طریقے سے عذرخواہی کرے۔

۱۸-خلق کی خوبی

چاہئے کہ ہمیشہ خوش طبع اور خوش رہے۔ اور دوستوں کے ساتھ تنگ خوئی، چڑچڑاہٹ نہ کرے۔ اور تکبر، فخر، خودپسندی، دعویٰ، طلب، جاہ و ریاست سے دور رہے۔ اور تواضع، عاجزی سے بزرگ دوست حضرات کی خدمت میں زندگی گزار دے۔ اور چھوٹے یاروں سے رحمت، شفقت، نرمی اور دلداری سے پیش آئے۔ اور اپنا بوجھ یاروں پر نہ ڈالے بلکہ خود

ان کا بوجھ اپنے ذمہ لے اور متحمل اور بردبار بنا رہے۔ اور دوستوں کے موافق رہنے کی کوشش کرے۔ اور ان کے ساتھ مخالفت کرنے سے دور رہے۔ اور لوگوں کو بھی نصیحت کرے۔ اور خود بھی نصیحت سنے اور مناظرہ' معارضہ' لڑائی' دنگا۔ اور دشمنی' جھگڑے اور قضیے وغیرہ سے بالکل الگ رہے۔ اور یاروں کو عزت وحرمت اور ارادت کی نگاہ سے دیکھے اور خلق خدا میں سے کسی کو بھی نظر حقارت سے نہ دیکھے اور دوستوں کی دلداری اور خدمت کے ذریعے ہمیشہ قرب کی جستجو کرتا رہے۔ اورحتی الوسع دستر خوان پر کچھ اپنا حصہ ایثار کرے۔ اور دوسروں کے حصے کی بالکل طمع نہ کرے۔ اور سماع کے وقت اپنے تئیں مضبوط رکھے اور بے حالتی یا حرکتی وجد نہ کرے۔ اور حالت کے موقع پر دوستوں کی مزاحمت سے پرہیز کرے۔ اور جہاں تک ممکن ہو سکے۔ سماع کو باطن ہی میں پوشیدہ رکھے اور جب غالب آ جائے۔ تو بقدر ضرورت حرکت کرے۔ اور جب تسکین حاصل ہو جائے۔ تو اپنے تئیں سنبھالے اور تکلف بالکل نہ کرے۔ اور وجد اور حالت کو دکھاوے کے طور پر نہ کرے۔ اگر دیکھے کہ حالت کے موقع یا تواجد کے موقع پر نفس کو حظ حاصل ہوتا ہے۔ تو وہ حظ اسے نہ دے۔ اور سماع کے وقت دوستوں کی نگہبانی کرے۔ اور شوریدہ وقت نہ بنے۔ اور اپنے اختیار سے نعرہ نہ مارے اور حالت اور وجد والوں کی طرف نیازکی نگاہوں سے دیکھے اور ان کے پاس جا کر تواضع کرے۔ اور شیخ کی خدمت میں باپیادہ حاضر ہو۔ اور جب سر شیخ کے قدموں پہ رکھے تو اس بات کا خیال رکھے کہ کہیں سجدہ نہ کر جائے۔ کیونکہ سجدہ شیخ کو کرنا حرام ہے۔ اپنا ہاتھ شیخ کے پاؤں پر رکھ کر اپنا منہ زمین پر رکھے لیکن پیشانی نہ رکھے اور حتی الوسع اسی طرح ہمنشینی کرے کہ اس سے کسی کے دل کو آرام حاصل ہو۔ اور دلوں کو تکلیف دینے سے کنارہ کشی اختیار کرے۔

۱۹۔ تسلیم

چاہئے کہ ظاہر و باطن میں ولایت شیخ کے تصرفات کو تسلیم کرے۔ اور اپنے تصرفات کو

ملیا میٹ کر دے۔ اور شیخ کے حوالے سے اپنے تئیں اس طرح کرے۔ جیسا کہ مردہ نہلانے والے کے ہاتھ ہوتا ہے۔ اور باطن میں ہمیشہ ہر کام کیلئے ولایت شیخ سے التجا کرے۔ خواہ شیخ کے روبرو ہو یا اس سے غائب اور ظاہر و باطن میں شیخ کے احوال اور افعال پر اعتراض نہ کرے جو کہ اس کی نظر میں خلاف معمول معلوم ہوتا ہے اسے اپنی بینائی کی کثری خیال کرے۔ اگر خلاف شرع بھی کوئی کام شیخ سے ظہور پذیر ہوتا ہو۔ تو بھی اس پر اعتقاد کرے کہ اگرچہ مجھے یہ فعل خلاف شرع معلوم ہوتا ہے۔ لیکن خود شیخ خلاف شرع نہیں کر رہا اور اس بارے میں اس کی نظر نہایت کامل ہونی چاہئے۔ اور جو کچھ بھی کرے ازروئے نظر کرے۔ اور وہ اسے پورا کر سکے۔

جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے واقعہ میں کشتی کا توڑنا اور لڑکے کا مار ڈالنا۔ جبکہ یہ تمام واقعات حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خلاف شرع معلوم ہوتے تھے۔ لیکن حقیقت میں ان میں سے کوئی بھی فعل خلاف شرع نہ تھا۔ اور حضرت خضر علیہ السلام کی شرط بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ تھی کہ

"فَاِنِ اتَّبَعۡتَنِیۡ فَلَا تَسۡـَٔلۡنِیۡ عَنۡ شَیۡءٍ حَتّٰۤی اُحۡدِثَ لَکَ مِنۡهُ ذِکۡرًا" (کہف آیت ۷۰)

"اگر تو میرے پیچھے آتا ہے۔ تو مجھ سے کسی بات کی بابت نہ پوچھنا۔ جب تک کہ میں خود اس کا ذکر تجھ سے نہ کروں"۔

یعنی جو کچھ میں کروں اس پر اعتراض نہ کرنا اور یہ بھی مت پوچھنا کہ ایسا کیوں کیا ہے؟ یہاں تک کہ میں اسے خود تجھ سے بیان نہ کر دوں لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام تین بار حضرت خضر علیہ السلام پر اعتراض کر چکے تو بعد ازاں حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ

"هٰذَا فِرَاقُ بَیۡنِیۡ وَ بَیۡنِکَ" (کہف آیت ۷۸)

"بس اب مجھ میں اور تجھ میں مفارقت ہے"۔

اور یہ اس لئے ہے۔ تا کہ تجھے معلوم ہو جائے۔ کہ اعتراض کرنا حقیقی مفارقت کا موجد

ہے۔ اگر چہ ظاہر میں جدائی نہیں ہوتی لیکن مرید کو لازم ہے۔ کہ کسی طرح بھی اعتراض نہ کرے۔ اور ہمیشہ تسلیم کا طریقہ اختیار کرے۔ کیونکہ ارادت شیخ کی تسلیم قضا و قدر کے احکام کی تسلیم کی سیڑھی ہے۔ لہٰذا جب تک مرید شیخ کی ارادت کو تسلیم نہ کرے گا۔ احکام قضا وقدر کو بھی تسلیم نہ کر سکے گا۔

۲۰۔ تفویض

مرید کو چاہئے کہ اپنے تئیں راہ خدا میں سونپ دے۔ اور صدق سے یہ کہے کہ

"اُفَوِّضُ اَمْرِیْ اِلَی اللّٰهِ" (المؤمن، آیت ۴۴)

"میں اپنا کام اللہ تعالیٰ کے حوالے کرتا ہوں"۔

اور اللہ رب العزت کی عبادت جنت کے لالچ یا دوزخ کے خوف کے مارے یا کمال کی خواہش اور کسی قسم کے ڈر کے مارے بالکل نہ کرے۔ بلکہ از راہ بندگی اور محبت کی وجہ سے کرے۔ اور جو کچھ بھی اللہ رب العزت کی طرف سے نازل ہو اس پر راضی رہے اور کسی خوشی یا رنج کے سبب بارگاہ الٰہی سے روگردانی نہ کرے۔ اور اپنے تئیں اس کے سپرد کر دے۔

"وکلت الی المحبوب امری کله"

"میں نے سارے کام محبوب کے سپرد کر دیئے ہیں"۔

بگذشتہ ام مصلحت خویش بدو
گر بکشد در زندہ کند او داند

اور بندگی کی راہ پر ثابت قدم رہے۔ اور صدق کی شرائط کو بھی بجا لاتا رہے۔ اور اگر ہزار مرتبہ بھی یہ حکم ہو کہ تو طلب نہ کر تجھے کبھی نہ ملے گا۔ تو ذرہ بھر بھی کام کو بددل ہو کر اپنے ہاتھ سے چھوڑ نہ دینا اور کسی جانچ اور آزمائش سے ہمت ہار کر نہ بیٹھ جانا۔

تا دل زغم عشق تو پر جاں دارد
باران بلد برسر دل مے بارد

جاناں بسرت کز تو نگر دانم روئے
در عشق ہزار زیں بروئم آرد

اور شیخ کی ملامت سے کسی طرح بھی روگردانی نہ کرے۔ اور خواہ شیخ اسے ہزار بار بھی نکال دے۔ اور دور بھی کر دے مگر پھر بھی کہیں نہ جائے۔ اور ارادت کے معاملہ میں کسی مکھی سے کم ثابت نہ ہونا۔ اسے خواہ کتنی ہی بار کیوں نہ اڑایا جائے۔ وہ پھر واپس آ بیٹھتی ہے۔ اور اس مکھی کو اسی وجہ سے ''ذباب'' کہتے ہیں (ذب۔ آب) کہ جسے دور کریں وہ پھر آ جائے۔ تا کہ اگر اس راہ کا مور نہیں بن سکتا۔ تو کم از کم مکھی تو بن جا۔

اور جب صادق مرید حتی الوسع ان شرائط کو قائم رکھے گا۔ اور شیخ بھی ان صفات اور کمالات سے آراستہ ہو کہ جن شرائط کا ذکر میں پچھلے صفحات میں کر چکا ہوں۔ اور تو مقصود اور حقیقی مراد بہت ہی جلد حرمان کے حجاب سے باہر نکل آتے ہیں۔ اور جمال الٰہی کے سامنے سے پردے اٹھ جاتے ہیں۔ قاصد اپنے مقصد' طالب اپنے مطلوب مرید اپنی مراد اور عاشق اپنے معشوق کو پالیتا ہے

''الامن طلبنی وجدنی''

''ہاں جس نے میری طلب کی اس نے مجھے پالیا''۔

ذکر کی ضرورت اور لا الہ الا اللہ

القرآن: "فَاذْكُرُونِيْ اَذْكُرْكُمْ" (البقرہ آیت ۱۵۲)

ترجمہ: "تم مجھے یاد کرو میں تجھے یاد کروں گا"۔

القرآن: وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (الجمعہ آیت ۱۰)

ترجمہ: "اللہ کی یاد کثرت سے کرو۔ شاید تمہاری بہتری ہو جائے"۔

الحدیث: اَفْضَلُ الذِّكْرِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَفْضَلُ الدُّعَآءِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ

ترجمہ: "سب ذکروں سے افضل ذکر لا الہ الا اللہ ہے۔ اور سب دعاؤں سے افضل دعا "الحمدللہ" ہے"۔

ایک بات اچھی طرح واضح رہے۔ کہ سالکین کو جب حجاب ہوتا ہے۔ وہ نسیان کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اور نسیان اس وجہ سے ہوتا ہے۔ کہ فطرت کے شروع میں جب روح کا وجود ظاہر ہوتا ہے۔ تو اس سے اس کے وجود اور اللہ رب العزت کے درمیان دوگانگی ہوتی جاتی ہے۔ اگرچہ روح نے اللہ رب العزت کو یگانگی کے مقام میں جانا لیکن اس یگانگی کو پہچانا نہیں۔

اس لئے کہ پہچان شہود سے ہوتی ہے۔ اور شہود وجود سے ٹھیک نہیں ہو سکتا' کیونکہ یہ

وجود کی ضد ہے۔

"والضدان لا یجتمعان"

"ضدیں جمع نہیں ہو سکتیں"۔

چونکہ روح کا تعلق قالب سے اس لئے تھا۔ کہ جب نفس اور دل دو فرزند ہو جائیں تو شہود کے مقام میں جب روح اپنے وجود کو چھوڑ دے

"اِذَا جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ"

"جب سچ آتا ہے۔ تو جھوٹ زائل ہو جاتا ہے"۔

تو اس کے خلیفہ بن کر قائم مقامی کریں۔ یہ ایک بہت ہی بڑا بھید ہے۔ کہ جس کو کھولنے کی میں کبھی بھی جرات نہیں کر سکتا۔ اور نہ ہی اس تک ہر شخص کی عقل پہنچ ہی سکتی ہے پس جس طرح روح نے اس جہان میں اللہ رب العزت کو وحدانیت کے کمال سے نہ پہچانا۔ اسی طرح اس مقام ذکر میں بھی بے شرکت اسے نہیں پہچان سکتا' کیونکہ اپنا ذکر ہوتا ہے۔ اور اللہ رب العزت کا بھی اور یہ ذکر شرکت سے ہوتا ہے۔ اور اللہ رب العزت فرماتا ہے! کہ

"وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ" (کہف' آیت ۲۴)

"اللہ تعالیٰ کی یاد اس وقت کر جب تو اپنے تئیں بالکل بھول جائے"۔

یعنی میرے سوا سب کو بھول کر پھر میری یاد کر۔ تا کہ اس میں شرکت نہ پائی جائے۔ جب روح عالم ملک اور ملکوت سے پھر پھرا کر قالب میں آئی تو جس چیز کو دیکھا اسی کا ذکر اس میں رہا اور اسی یاد کے موافق وہ ذکر حق سے باز رہی۔ بعض لوگوں کو مختلف چیزوں کی یاد کے حجاب اس قدر واقع ہوئے کہ انہوں نے اللہ رب العزت کو بالکل فراموش کر دیا اور اللہ رب العزت نے بھی ان کو اپنی یاد سے فراموش کر دیا۔ جیسا کہ اللہ رب العزت قرآن مجید ارشاد فرماتا ہے! کہ

''نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ'' (توبہ آیت ۶۷)

''انہوں نے اللہ تعالیٰ کو بھلا دیا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں بھلا دیا''۔

پس جب نسیان کے سبب حجاب پیدا ہوئے۔ اور ''فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ'' کی بیماری کا سبب بھی یہی تھا اس لئے اس کا علاج کرنے کیلئے ''العلاج بالضد'' کے مطابق قرآنی شفاخانے سے

''یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوا اللّٰهَ ذِکْرًا کَثِیْرًا'' (احزاب' آیت ۴۱)

کا شربت تجویز کیا گیا۔ تاکہ ذکر کثیر سے نسیان کثیر کے حجابات سے اور اس مرض کی آفت سے خلاصی پائے۔ لیکن ''لا الٰہ الا اللہ'' کے ذکر کا اختصاص ظاہری وجہ سے تو اس لئے ہے۔ کہ حضور سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ

''اَفْضَلُ الذِّکْرِ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ''

لیکن باطنی طور پر اس میں یہ حکمت ہے۔ کہ اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے!

''یَصْعَدُ الْکَلِمُ الطَّیِّبُ'' (فاطر' آیت ۱۰)

''اس کی طرف پاک کلمات صعود کرتے ہیں''۔

اور کلمۂ طیب ''لا الٰہ الا اللہ'' ہے یعنی اس کلمہ شریف کو بارگاہ الٰہی کی طرف راہ حاصل ہے۔ وہ اس لئے کہ اس میں نفی اثبات کے کلمات ہیں۔ اور نسیان کی بیماری کو نفی و اثبات کے معجون سے دور کر سکتے ہیں۔ وہ اس لئے کہ نسیان بھی نفی و اثبات سے مرکب ہے۔ کہ جس میں ذکر الٰہی کی نفی اور غیر الٰہی کے ذکر کا اثبات شامل ہے۔ پس کوئی شکنجبین کا سا شربت نفی کے سرکے اور اثبات کی شکر سے بنانا چاہئے۔ تاکہ نسیان کے صفراوی مادے کو دور کرے۔ اور ''لا الٰہ'' سے ماسوائے حق تعالیٰ کی نفی کرتا رہے۔ اور ''الا اللہ'' سے اللہ رب العزت کا اثبات۔

جب اس علاج کو ہمیشہ کرتا رہے۔ تو بتدریج روح کا مرض جو کہ ماسوای اللہ تعالیٰ سے تعلقات پیدا کرنے کی وجہ سے ہوا ہے۔ ''لا الہ'' کے شربت کے استعمال سے زائل ہو جائے گا۔ اور نسیان کی بیماری کی تکلیف رفع ہو جائے گی اور سلطان ''الا اللہ'' کے جمال کے سبب ذاکری صحت الٰہی پردوں کے پیچھے سے منہ دکھائے گی اور

''فَاذْكُرُونِىٓ اَذْكُرْكُمْ'' (بقرہ آیت ۱۵۲)

''تم مجھے یاد کرو''۔

کے وعدے کے مطابق حرف اور آواز کے لباس سے ذکر مجرد ہو جائیگا۔ اور عظمت الوہیت کے نور کی تجلی میں جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ

''كُلُّ شَىْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ'' (القصص آخری آیت)

''سوائے اس کے چہرے کے تمام چیزیں ہلاک ہونے والی ہیں''۔

کی خاصیت ظاہر ہو جائے گی اور ذکر روح۔ روح کی ذاکری اور اس کے وجود سمیت ''اذکر کم'' کی ذاکری کے لاانتہا سمندر میں غرق ہو جائے گا۔ اور ہلاک ہو جائے گا۔ اور پھر ''اذکر کم'' ہی ذاکری روح کی نیابت کرے گا یہاں پر پہنچ کر ذاکر۔ ذکر اور مذکور تینوں ایک ہو جاتے ہیں۔ اور اس مقام پر بے شرکت ذکر ہاتھ لگتا ہے۔

تاز خود بشنود نه ازمن و تو
لمن ازملك واحد القهار

اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

''شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ'' (ال عمران آیت ۱۸)

''گواہی دی اللہ تعالیٰ نے اس کی۔ کہ بجز اس ذات کے کوئی معبود ہونے کے لائق نہیں''۔

کا بھید بھی اسی مقام پر ظاہر ہوتا ہے۔ حضرت یوسف بن الحسین رازی رحمۃ اللہ علیہ کا اشارہ

بھی جو فرماتے ہیں۔

"ماقال احد اللّٰہُ الا اللّٰہُ" اسی مقام پر سمجھ میں آتا ہے۔

اور اچھی طرح معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ مسلمانی کی بنا اس کلمے پر کیوں رکھی گئی ہے۔ اور دوسرے کلمات پر کیوں نہیں رکھی گئی وہ اس لئے کہ جب باطنی شرکت سے خلاصی سوائے اس کلمے کے حاصل نہیں ہو سکتی تو ظاہری شرکت سے بھی سوائے اس کلمے کی صورت کے خلاصی حاصل نہیں ہو سکتی۔

آفرینش راہمہ پے کن بہ تیغ لا الٰہ
تاجہاں صافی شود سلطان الا اللہ را

ذکر کی شرائط اور آداب

القرآن: فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا

ترجمہ: پس اللہ تعالیٰ کا ذکر اس طرح کرو جیسے اپنے آباؤ اجداد کا کرتے ہو یا اس سے بھی زیادہ

بلکہ اللہ رب العزت ایک اور جگہ پر ارشاد فرماتا ہے۔ کہ "اپنے رب کو اپنے دلوں میں پوشیدہ طور پر اور از روئے عجز یاد کرو"۔

الحدیث: "سیرو السبق المفردون قیل و من هم یارسول الله قال الذینْ اهتزوا بذکر الله حتی وضع الذکر عنهم اوزارهم فورد والقیامة خفافاً"

واضح رہے۔ کہ ذکر کے آداب اور شرائط کے بغیر ذکر کرنے سے چنداں فائدہ نہیں ہوتا۔ پہلے اس کی شرائط اور آداب بجالانے چاہئیں۔ تاکہ ذکر مفید ثابت ہو اس لئے اس کی شرائط حسب ذیل ہیں۔

۱- یہ کہ مرید اپنی ارادت میں سچا ہو۔

۲- یہ کہ اسے طلب کی درد اور سلوک کی راہ کی خواہش ہو۔

۳- یہ کہ خلقت سے دور رہے۔ اور ذکر سے الفت کرے۔ تا کہ سب سے منہ پھیر کر ذکر کی پناہ میں آئے۔ جیسا کہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

"قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِىْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ" (انعام آیت ۹۱)

"تو "اللہ" کہو۔ اور ان کو اپنی کی دھن لگا رہنے دو"۔

۴- چونکہ ذکر کرنا چاہتا ہے۔ اس لئے اس کی بناء تمام گناہوں سے توبہ نصوح پر قائم ہے۔ کیونکہ مذکور کی مخالفت سے ذکر میں زیادہ تصرف حاصل نہیں ہوتا۔

آداب ذکر

آداب ذکر حسب ذیل ہونے چاہئیں۔

۱- ذکر کرنے سے پہلے وضو کرے۔ اور اگر غسل کرے۔ تو اور بھی اچھا ہے۔ وہ اس لئے کہ ذکر کرنا گویا دشمن کے ساتھ جنگ کرنا ہوتا ہے۔ اور جنگ بغیر اوزار کے مشکل ہوتی ہے۔

"الوضو سلاح المومن"

"وضو مومن کا ایک اوزار ہے"۔

۲- یہ کہ سنت کے مطابق لباس پاک صاف ہو۔ اور کپڑوں کی پاکیزگی کی چار شرائط ہوتی ہیں۔

(i) نجاست سے پاکیزگی

(ii) ظلم سے پاکیزگی

(iii) حرمت سے یعنی ریشمی وغیرہ سے نہ ہو۔

(iv) بانکپن یعنی سنت کے موافق چھوٹا ہو۔

"وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ" (مدثر آیت ۴)

"اپنے لباس کو پاک کرو یعنی چھوٹا کم درجے کا کرو"۔

یعنی لباس فاخرہ نہ ہو۔

۳- یہ کہ مقام ذکر خالی، صاف، پاک، چھوٹا اور تاریک ہو۔ کیونکہ ایسے مکان میں دلجمعی اور یکسوئی کا بڑا اثر ہوتا ہے۔ اور اگر خوشبودار چیزیں پاس رکھے یا جلائے۔ تو اور بھی اچھا ہے۔

۴- قبلہ کی طرف رخ کر کے مربع بیٹھے اور باقی حالات میں مربع بیٹھنا منع ہے۔ صرف ذکر کے وقت بیٹھنا چاہئے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز ادا کرنے کے بعد اپنے مقام میں آفتاب نکلنے کے وقت تک مربع بیٹھا کرتے تھے۔

کیفیت ذکر

دوران ذکر ہاتھ رانوں پر رکھے اور دل کو حاضر کر کے آنکھیں بند کر لے اور بڑی تعظیم کے ساتھ اس طرح شروع کرے۔ اور ''لا الٰہ الا اللہ'' کو بڑے زور سے اس طرح کہے ''لا الٰہ'' ناف تلے سے لائے۔ اور ''الا اللہ'' کی ضرب دل پر مارے۔ اس طرح پر کہ ذکر کا اثر اور قوت تمام اعضاء کو پہنچے لیکن آواز بلند نہ کرے۔ اور جہاں تک ہو سکے آواز کو روکنے اور پوشیدہ رکھنے کی کوشش کرے۔ جیسا کہ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا! کہ

''وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خِيفَةً وَّ دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ''

''اپنے رب کو دل میں عاجزی سے پوشیدہ طور پر یاد کر اور آہستہ بات کر''۔

لہٰذا اس طریق سے سخت اور دم بدم ذکر کرے۔ اور ساتھ ساتھ دل میں ذکر کے معانی کا بھی خیال رکھے اور خطرات کو دل میں نہ آنے دے۔ چنانچہ ''لا الٰہ'' کہے وقت جو بھی خطرہ یا وسوسہ دل میں آئے۔ اس کی نفی کرے خواہ وہ خطرہ نیک ہو یا بد۔

اور یہ خیال کرے کہ مجھے کوئی چیز اور مقصود طلب نہیں کرنا۔ اور نہ ہی میرا کوئی محبوب ہے۔ ''الا اللہ'' یعنی صرف اللہ تعالیٰ ہی میرا مطلوب و مقصود ہے۔ ''لا الٰہ'' سے نفی کرنے والا

اور ''الا اللہ'' سے اللہ رب العزت کو اپنا مقصود۔ محبوب اور مطلوب سمجھے اور چاہیے۔ کہ ہر ایک ذکر کے شروع اور آخر میں نفی اثبات سے حاضر رہے۔ اور ہر وقت دل کے اندر نگاہ رکھے اور جس کا بھی خیال دل میں آئے ساتھ ساتھ دور کرتا جائے۔ اور اپنے دل کو خالص اللہ رب العزت کی طرف لگائے۔ اور ولایت شیخ سے دعا مانگے۔ اور ''لا الہ'' کی نفی سے اس پیوند کو بھی باطل کرے۔ اور اس چیز کی محبت کی بیخ کنی کرے۔ اور ''الا اللہ'' کے تصرف سے اللہ رب العزت کی محبت کو اس چیز کی محبت کا قائم مقام بنائے۔

اسی ترتیب کے موافق ہمیشہ کرے۔ یہاں تک کہ اس کا دل تمام دل بستگیوں سے فارغ اور خالی ہو جائے۔ کیونکہ کرتے وقت دل کا ہلنا ذکر کے ہمیشہ کرنے پر منحصر ہے۔ اور دل اس وقت ہلتا ہے۔ جب دل کے غلبے سے ذاکر کی ہستی ذکر کے نور میں گھل مل جاتی ہے۔ اور ذکر ذاکر کو مفرد بنا دیتا ہے۔ اور وجودی تعلقات کا بوجھ اس کے کندھوں سے اتار دیتا ہے۔ اور اس کو جسمانی دنیا سے روحانی آخرت میں ہلکا پھلکا بنا کر لاتا ہے۔

جیسا کہ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد پاک ہے کہ

"سیروا سبق المفردون قیل و من هم یارسول الله قال الذین استهزوا اهتزوا بذکر الله حتی وضع الذکر عنهم اوزادهم فوردو والقیمة خفافا"۔

''مفردوں کے سبق کی سیر کرو۔ جب آپ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ وہ کون لوگ ہیں۔ تو حضور سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کہ جن کو ٹھٹھا بھی کیا گیا لیکن ان کے دل ذکر الٰہی سے ہلتے رہے۔ یہاں تک کہ ذکر کے سبب ان کے گناہوں کے بوجھ اتر گئے۔ اور وہ قیامت کے دن ہلکے پھلکے ہو کر میدان قیامت میں وارد ہوں گے''۔

اللہ تعالیٰ کی خلوت گاہ

واضح رہے کہ دل اللہ تعالیٰ کی خلوت گاہ ہے۔ جیسا کہ

"لا یسعنی ارضی ولا سمائی وانما یسعنی قلب عبدالمومن"

''میں زمین اور آسمان میں نہیں سما سکتا۔ البتہ مومن بندے کے دل میں سما سکتا ہوں''۔

جب تک دل کی بارگاہ میں غیروں کی مزاحمت باقی ہے۔ اللہ رب العزت کی غیرت عزت کی مقتضی نہیں ہوتی لیکن جب ''لا الہٰ'' کا سپاہی دل کی بارگاہ کو غیر کی مزاحمت سے خالی کر دے تو ''الا اللہ'' کے سلطان کی تشریف آوری کا منتظر رہنا چاہیئے۔ کیونکہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

''فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ وَإِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ'' (الم نشرح، آخری آیت)

''تو جب تو فارغ ہو۔ تو یاد الٰہی میں مشغول ہو۔ اور اپنے پروردگار کی طرف مائل ہو''۔

جائے خالی کن کہ شاہ ناگاہ آید
چو خالی گشت شہ بخر گاہ آید

اور اس بات پر اچھی طرح پختہ یقین کر لے کہ پورا فائدہ اسی وقت حاصل ہوگا۔ جب کسی کامل صاحب تصرف شیخ سے ذکر کی تلقین حاصل کرے گا۔ کیونکہ تیر اسی وقت نشانہ پر جاتا ہے۔ جب بادشاہ کے ترکش سے لیا جائے۔ اور وہ تیر جو تیر ساز کی دکان سے خریدا جائے۔ وہ کبھی ولایت کی منزل تک نہیں جا سکتا۔ البتہ دشمن کو دفع ضرور کر سکتا ہے۔ انشاء اللہ العزیز اس کی تفصیل آگے چل کر بیان کروں گا۔

شیخ کامل سے تلقین ذکر کی ضرورت اور اس کی خاصیت

القرآن: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَقُوْلُوْا قَوْلاً سَدِیْدًا ۔ (احزاب' آیت ۷۰)

ترجمہ: ''اے مومنو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور ٹھیک ٹھیک بات کرو''۔

یعنی لا الٰہ الا اللہ کہو۔

الحدیث: ''یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ قُوْلُوْا لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ تُفْلِحُوْا''

ترجمہ: ''اے لوگو! لا الٰہ الا اللہ کہو۔ تا کہ تمہاری بہتری ہو''۔

واضح رہے کہ ذکر کی دو اقسام ہوتی ہیں۔

۱۔تقلیدی ذکر ۲۔تحقیقی ذکر

تقلیدی ذکر

وہ ذکر جو عوام الناس اور ماں باپ سے ظاہری طور پر سنا جائے۔ وہ تقلیدی ذکر کہلاتا ہے۔ اور یہ ذکر دل پر چنداں کارگر نہیں ہوتا۔ جیسا کہ ناپرورش یافتہ اور خام بیج زمین میں بویا جائے وہ نہیں اگتا۔

تحقیقی ذکر

تحقیقی ذکر وہ ہوتا ہے۔ جو کہ صاحب ولایت کی تلقین اور تصرف سے مرید کے مستعد دل میں بویا جائے۔ اور صاحب ولایت کا ذکر اس کے شجرہ ولایت کا پھل ہوتا ہے۔ کہ اس

نے ذکر کا بیج صاحب ولایت کی تلقین سے حاصل کر کے دل کی زمین میں ولایت شیخ کی نہر کے پانی اور اس کی ہمت کے آفتاب سے اس کی پرورش کی ہے۔ اور وہ بیج اگا۔ پھر آہستہ آہستہ ولایت کا درخت بنا اور ذکر کا پھل ''اذکرکم'' کے شگوفے سے ظاہر ہوا پس شیخیت کا مقام پختہ طور پر ذکر کا بیج مرید کے دل کی زمین میں بوتا ہے۔ جب ذکر کے بیج کی شیخ کی ولایت سے پرورش کی جائے۔ اور دل کی زمین اچھی طرح ارادت سے جوتی ہوئی ہو۔ اور طبیعت کی گھاس طریقت کی درانتی سے کاٹ کر صاف کر دی گئی ہو۔ اور اخلاص کے آفتاب اور ہمت شیخ کی مدد کے پانی سے اس نے تربیت بھی پائی ہو۔ تو ایمان حقیقی کا سبزہ بہت جلد اگ آتا ہے۔ جیسا کہ حضور سرور کائنات ﷺ نے فرمایا ہے۔

"لا الہ الا اللّٰہ تنبت الایمان فی القلب کما ینبت الماء البقلہ"

''لا الہ الا اللہ سے دل میں ایمان اس طرح اگ آتا ہے جیسے پانی سے سبزی اور روز بروز بڑھتا جاتا ہے۔ اور جب احسان کا درخت لگانے والا اسے لگاتا ہے۔ تو وہ پودہ بن جاتا ہے۔ پھر اس کے بعد تربیت سے عرفان کا درخت بن جاتا ہے''۔

تلقین شیخ کی شرائط

تلقین کی شرط یہ ہے۔ کہ مرید شیخ کی وصیت سے تین روزے رکھے اور ان روزوں میں اس بات کی کوشش کرے کہ ہمیشہ وضو سے رہے۔ اور ذکر کرتا رہے۔ اور اگر کسی اور جگہ کیلئے آمدورفت بھی کرنی پڑے تو بھی اپنا ذکر جاری رکھے اور لوگوں سے میل جول انتہائی کم کرے۔ اور ضرورت کے مطابق گفتگو کرے۔ اور روزہ افطار کر کے کھانا زیادہ نہ کھائے۔ اور راتوں کو جاگ کر ذکر کرتا رہے۔

تین روز بعد شیخ کے فرمان سے غسل کرے۔ اور غسل اسلام کی نیت کرے۔ جیسا کہ ابتداء میں اگر کوئی شخص اسلام میں داخل ہونا چاہتا۔ تو پہلے اسلام کا غسل کرتا۔ پھر رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے کلمۂ طیبہ تلقین فرماتے۔ یہاں پر بھی اسی طریق کے موافق اسلام حقیقی کا غسل کرے۔ اور جب پانی منہ میں ڈالے تو کہے۔

اے پروردگار! میں بدن کو جو میرے ہاتھ میں تھا پانی سے پاک کرتا ہوں تو دل کو جو کہ تیرے امر کے ماتحت ہے۔ نظر عنایت اور معرفت کے نور کے ساتھ پاک صاف کر دے۔ اور جب غسل کرے۔ تو عشاء کی نماز کے بعد شیخ کی خدمت میں حاضر ہو۔ اور شیخ کے سامنے قبلہ کی طرف منہ کر کے بیٹھے اور شیخ قبلہ کی طرف پیٹھ کر کے بیٹھے اور وہ ایسی وصیت کرے جو کہ ضروری شرائط میں سے ہوں۔ اور پھر مرید کی سمجھ اور نظر کے مطابق تلقین کے اسرار اور ذکر کے خواص کی بابت کچھ کلمات فرمائے۔ تاکہ مرید کی کسی حد تک دل جمعی ہو جائے۔ مرید کو چاہئے۔ کہ شیخ کی خدمت میں ہمیشہ دوزانو بیٹھے اور ہاتھ رانوں پر رکھے اور دل کو تمام چیزوں سے ہٹا کر حاضر کرے۔ اور اسے شیخ کے مقابل رکھے اور بہت ہی نیاز سے مراقبہ کرے۔ اور جب شیخ دلی سکونت اور اطمینان سے بلند آواز سے ایک مرتبہ ''لا الہ الا اللہ'' کہے۔ تو اس کے پیچھے مرید بھی شیخ کی آواز کے مطابق ''لا الہ الا اللہ'' کہنا شروع کر دے۔ اور بڑے زور سے کہے۔ پھر شیخ کہے۔ اور اس کے بعد پھر مرید۔ اسی طرح دوسری بار اور پھر تیسری بار بھی پہلے شیخ کہے۔ اور اس کے بعد میں مرید بھی کہے۔

پھر شیخ قبول اور اجابت کی دعا کرے۔ اور مرید آمین کہے۔ اور جب دعا ختم ہو جائے۔ تو اٹھ کر خلوت خانہ میں چلا جائے۔ اور روبقبلہ ہو کر مربع بیٹھے اور ذکر کے بیج کی تربیت میں اس طرح مشغول ہو جائے جو کہ میں آگے چل کر شرائط خلوت میں بیان کروں گا۔

ابتداء میں ذکر کی تلقین درخت کے بیج کی طرح ہوتی ہے۔ جو بوتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ رب العزت قرآن میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

''ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ'' (ابراہیم آیت ۲۴)

''اللہ تعالیٰ نے ایسے کلمہ طیبہ کی مثال دی ہے۔ جو پاک درخت کی طرح ہے''۔

اور مفسرین بھی اس بات پر متفق ہیں۔ کہ وہ کلمۂ طیبہ ''لا الٰہ الا اللہ'' ہے۔ لٰہذا جب اس پودے کی پرورش کرے گا۔ تو اس کی جڑیں دل سے تمام اعضاء میں پھیل جائیں گی اور سر کی چوٹی سے لے کر پاؤں کے ناخن تک کوئی ایسا ذرہ نہ بچے گا کہ جس میں ذکر کے درخت کی جڑ نہ گئی ہو۔ اور جب جڑیں اس طرح مضبوط ہو جاتی ہیں۔ تو قالب کی زمین میں ذکر کے درخت کی شاخیں آسمان کی طرف بڑھتی ہیں۔ جیسا کہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

''اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ'' (ابراہیم آیت ۲۴)

''اس کی جڑ مضبوط ہے۔ اور اس کی شاخیں آسمان میں ہیں''۔

اس مقام میں پہنچ کر پھر دل زبان کی طرح ذکر کرتا ہے۔ اور صریحاً ''لا الٰہ الا اللہ'' کہتا ہے۔ اور جس وقت ذکر کرنا شروع کر دیتا ہے۔ تو پھر زبان کو ٹھہرا دینا چاہئے۔ تاکہ دل بھی ذکر کی داد دے لے کیونکہ زبانی ذکر اسے تشویش میں مبتلا کرتا تھا۔ پھر جب دل ذکر کرنے سے ٹھہر جائے۔ تو زبان سے ذکر کرنا چاہئے یہاں تک کہ دل پوری طرح ذاکر بن جائے۔ اور اسی طرح مدد کرتا جائے۔ اور اس حد تک کہ ذکر کا درخت پرورش پا کر اوپر کی طرف بڑھ کر اپنے کمال کو پہنچ جائے۔ اور اس طرح اپنی انتہا تک پہنچ جائے یعنی اس کی انتہا بارگاہ الٰہی ہے۔ جیسا کہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

''اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ'' (سورۂ فاطر آیت ۱۰)

''پاکیزہ کلمات اس کی طرف صعود کرتے ہیں''۔

لٰہذا جب پاک درخت اپنے کمال کو پہنچ جاتا ہے۔ تو پھر مشاہدات کے شگوفے شاخوں پر کھلتے ہیں۔ اور پھر مشاہدات کے شگوفوں سے آہستہ آہستہ مکاشفات اور علم لدنی کا پھل پیدا ہوتا ہے۔

جیسا کہ اللہ رب العزت قرآن مجید' میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

القرآن: "تُؤْتِیْ اُکُلَهَا كُلَّ حِیْنٍ بِاِذْنِ رَبِّهَا" (ابراہیم آیت ۲۵)

''اپنے پروردگار کے حکم سے ہر وقت وہ میوے نکالتی ہے''۔

ان پھلوں میں سے ایک پھل مقام وحدت ہے۔ پہلے توحید کا بیج بونا۔ پھر اس کی پرورش سے وحدت کا پھل حاصل کرنا ہوتا ہے۔ یہ تو بہت ہی بڑا بھید ہے۔کہ جس کو میں کبھی بھی اپنی قلم کے سپرد نہیں کر سکتا۔ اس کے علاوہ پیدائش کائنات سے مقصود بھی یہی ہے۔اور یہ غیبی پوشیدہ اسرار میں سے ایک سرّ ہے۔اور جو اسرار کے موتی خزانہ غیب میں مدفون ہیں وہ سب اسی سیپی کے موتی ہیں۔ کیونکہ اللہ رب العزت خود قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

القرآن "یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا یُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ" (احزاب آیت ۷۰)

''اے مومنو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور ٹھیک بات کہو۔ اس سے تمہارے ایمان صالح ہو جائینگے''۔

کا اشارہ بھی اسی صلاحیت کی طرف ہے۔اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے۔کہ

الحدیث "یٰاَیُّهَا النَّاسُ قُوْلُوْا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوْا"

''اے لوگو! لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰہُ کہو۔تا کہ تمہاری فلاح ہو''۔

کی رمز بھی اسی صلاحیت کی طرف ہے۔اور ہر شخص کو اس کی ہمت اور طاقت کے موافق اس صفت کی پرورش سے صلاحیت اور فلاحیت حاصل ہوتی ہے۔لیکن کوئی صاحب دولت حقیقی فلاحیت اور صلاحیت کی سلطنت حاصل کر لیتا ہے۔ جیسا کہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

القرآن ”اُذْکُرُو اللّٰہَ ذِکْرًا کَثِیْرًا (احزاب' آیت ۷۱)
”اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرو۔ شاید تمہاری بہتری ہو جائے“۔
لیکن اس کا بیج ذکر ہے۔ اور جب تک بیج ولایت کے درخت سے نہ لیا جائے۔ اس وقت تک درخت اپنے کمال کو نہیں پہنچتا اور نہ ہی حقیقی صلاحیت اور فلاحیت کا پھل لاتا ہے۔

حضرت سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔ کہ ہم بمعہ چند صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت قدس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

”ان من الشجر شجرة مثلها مثل المومن لایخات ورقها فاخبرونی ماهی“

”درختوں میں ایک ایسا درخت ہے۔ جو ہر مومن کی طرح ہے۔ اور اس کے پتے سارا سال سبز رہتے ہیں۔ اور گرتے نہیں۔ مجھے بتاؤ! کہ وہ کونسا درخت ہے“۔

ایک صحابی نے جنگل کے ایک ایک درخت کا نام لیا۔ لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے گئے کہ یہ بھی نہیں۔ وہ بھی نہیں۔ حضرت سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ میرے دل میں آیا کہ وہ کھجور کا درخت ہے۔ لیکن چونکہ وہاں اس وقت حضرت سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی بیٹھے ہوئے تھے اس لئے ان کے حضور میں میں نے کچھ کہنا مناسب نہ سمجھا۔ پس صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی فرمائیں کہ وہ کونسا درخت ہے۔ تو حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! کہ وہ کھجور کا درخت ہے۔ اور حقیقت میں مومن کو دو وجہ سے کھجور کے درخت سے مناسبت ہے۔

ایک یہ کہ جب تک کھجور کے درخت کے نر اور مادہ کو نہیں ملایا جاتا اس وقت تک اچھی

کھجوریں پیدا نہیں ہوتیں اور جو پیدا ہوتی بھی ہیں تو وہ کچھ ایسی ویسی ہوتی ہیں۔

اور یہ مشہور ہے۔ کہ ہر سال کھجور کے نر کے تلے کا پہلا شگوفہ لے کر دوسرے درخت میں اس کا پیوند لگاتے ہیں۔ پھر اس سے اچھی کھجوریں پیدا ہوتی ہیں۔ پس جب مومن سے یہ مطلوب ہو کہ ولایت کا ثمرہ اس سے بکمال حاصل ہو۔ تو اس کو بھی صاحب ولایت شیخ سے ذکر کی تلقین کے ساتھ ملا دینا چاہئے۔ دوسرے یہ کہ کھجور کے پتے ہمیشہ سبز رہتے ہیں۔ اور ساتھ یہ کہ وہ گرتے بھی نہیں ہیں۔ پس مومن کی بھی یہی علامت ہے۔ کہ ہمیشہ ذکر اور اطاعت سے اس کے وجود کا درخت سرسبز رہتا ہے۔ کیونکہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

القرآن "اَلَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ" (سورہ معارج آیت ۲۳)

"جو لوگ اپنی نماز کو ہمیشہ (با قاعدہ) ادا کرتے رہتے ہیں"۔

حضور اقدس ﷺ سے منقول ہے۔ کہ ایک مرتبہ حضور سرکار دو عالم ﷺ نے اپنے خاص صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ایک مکان میں جمع کر کے فرمایا کہ دروازہ بند کر دو۔ جب درواز بند کیا گیا تو تین مرتبہ "لا الہ الا اللہ" بآواز بلند فرمایا۔ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو فرمایا کہ اسی طرح کہو۔ انہوں نے بھی کہا۔ پھر ہاتھ اٹھا کر تین بار یہ فرمایا کہ

"اللھم ھل بلغت"

"اے پروردگار! کیا میں پہنچ گیا ہوں"۔

بعد ازاں فرمایا کہ تمہیں خوشخبری ہو کہ اللہ رب العزت نے تمہیں بخش دیا ہے۔ پس مشائخ علیہ الرحمۃ نے بھی تلقین کا طریقہ اسی سنت کے مطابق اختیار کیا ہے۔

خلوت کی ضرورت اور آداب وشرائط

القرآن: وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰی اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً (بقرۃ: آیت ۵۱)

ترجمہ: اور جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے چالیس رات کا وعدہ کیا۔

الحدیث: من اخلص اللّٰہ اربعین صباحا ظھرت ینابیع الحکمت من قلبہ علی لسانہ

ترجمہ: جو شخص چالیس صبح تک اللہ تعالیٰ کی عبادت اخلاص سے کرے۔ تو اس کے دل سے اس کی زبان پر حکمت کے چشمے نمودار ہو جاتے ہیں۔

واضح رہے۔ کہ راہ دین کے سلوک اور عالم یقین میں بھیجنے کی بنا خلوت اور گوشہ نشینی پر مبنی ہے۔ اور لوگوں سے میل جول قطع کر لینے پر۔ تمام انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیائے کرام نے ابتدائے حال میں خلوت اختیار کی اور پھر اپنے مقصد کو پا لیا۔ جیسا کہ حضرت سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں۔ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل کو ابتدائے حال میں خلوت بھائی تھی۔

ایک اور روایت میں ہے کہ

"کان یتحبب الی حر السبوعا والسبوعین"

"کوہ حرا کے اندر خلوت اور طاعت میں ہفتہ ہفتہ۔ دو دو ہفتے مشغول رہتے"۔

ایک اور روایت میں ہے کہ

''مہینہ بھر ہی خلوت میں رہا کرتے تھے''

میں (راقم الحروف) نے کوہ حرا میں حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلوت خانہ کی زیارت کی ہے۔ وہ ایک انتہائی دشوار گزار غار ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بے واسطہ کلام الٰہی سننے کا استحقاق عنایت کرنے کو تھا تو اسے بھی چالیس رات کی خلوت کا حکم فرمایا گیا۔

وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً (بقرۃ: آیت ۵۱)

چیزوں کو کمال تک پہنچانے میں چالیس کے عدد میں بڑی خاصیت ہے۔ جو کہ کسی اور عدد میں نہیں پائی جاتی۔ جیسا کہ حدیث صحیح میں بھی آیا ہے کہ

"ان خلق احدکم یجمع فی بطن امه اربعین یوم ثم یکون علقه مثل ذالك ثم یکون مضغة مثل ذالك الحدیث بتمامه"

''جب کوئی انسان پیدا ہوتا ہے۔ تو پہلے چالیس روز ماں کے رحم میں نطفہ کی صورت میں پھر چالیس روز مضغہ کی صورت میں......الخ''۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دل سے زبان پر حکمت کے چشموں کا ظہور بھی چالیس صبحوں کے اخلاص سے مخصوص فرمایا۔

چالیس میں ایک اور حکمت یہ ہے۔ کہ حضرت آدم علیہ السلام کی آب و گل کا طلسم اس کی روحانیت پر چالیس روز میں تیار کیا گیا۔ جیسا کہ

"خمرت طینة ادم بیدی اربعین صباحا"

''میں نے اپنے ہاتھ سے آدم کی مٹی کو چالیس صبح تک خمیر کیا''۔

اس سے ظاہر ہے۔ کہ چونکہ اس طلسم میں چالیس ۴۰ بند ہیں اس لئے اس طلسم کو چالیس روز کی خالص عبودیت کی چالیس دندانوں والی چابی سے کھول سکتے ہیں۔ اور حکمت کا پانی دریائے روحانیت سے۔ جو کہ بشریت کی زمین کے نیچے ہے۔ بیان زبان کے

سرچشمہ میں چالیس دن اور رات کے اخلاص کے سوا کچھ نہیں پہنچ سکتا کیونکہ۔

"من اخلص اللہ اربعین صباحاً ظھرت ینابیع الحکمۃ من قلبہ علی لسانہ"

خلوت کی شرائط اور آداب

چلہ کشی کی شرائط اور آداب بے شمار ہیں۔ لیکن جو شرائط زیادہ ضروری ہیں وہ درج ذیل آٹھ ہیں۔ اگر ان شرائط میں سے کسی ایک شرط میں بھی خلل واقع ہو۔ تو کبھی بھی خلوت کا پورا مقصد حاصل نہیں ہو سکتا اور عدد آٹھ کے مقرر کرنے کی وجہ بھی یہ ہے۔ کہ دل کی بہشت کے آٹھ دروازے ہوتے ہیں۔ جبکہ ہر ایک شرط ہر ایک دروازہ کی چابی ہے۔ اگر ایک شرط فروگذاشت کی جائے تو ایک دروازہ بند رہے گا وہ شرائط حسب ذیل ہیں۔

۱۔خلوت

خالی مکان میں تنہا بیٹھے۔ قبلہ کی طرف رخ کر کے مربع بیٹھے۔ اور ہاتھ رانوں پر رکھے۔ اور غسل مردہ کی نیت سے کرے۔ اور خلوت خانہ کو اپنی لحد سمجھے اور اپنے خلوت خانہ سے وضو یا نماز کے علاوہ کسی چیز کے لئے باہر نہ نکلے۔ اور مکان چھوٹا اور تاریک ہونا چاہئے۔ دروازہ پر پردہ لٹکتا ہو۔ تاکہ روشنی یا آواز اندر آ کر حواس کو کام سے نہ روکے۔ اور روح محسوسات اور حواس میں مشغول نہ ہو۔ تاکہ عالم غیب کی طرف پرواز کرے۔

روح کو حجاب صرف پانچوں حسوں سے آتے ہیں۔ ذکر کے تصرف اور خطرات کی نفی سے روح کو عالم غیب سے الفت پیدا ہوتی ہے۔ کیونکہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

"وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا" (مزمل آیت ۸)

"دنیا کی چھوڑ اس (اللہ تعالیٰ) کی طرف ہو جا"۔

۲- ہمیشہ باوضو رہنا

ہمیشہ وضو سے رہنا۔ کیونکہ مومن بذریعہ وضو شیطان کی راہ بند کرتا ہے۔ تاکہ شیطان لعین اس پر فاتح نہ ہو جائے۔ وہ اس لئے کہ وضو میں ایک ایسا نور ہے۔ کہ جہاں کہیں بھی وضو کا پانی پہنچتا ہے وہ جگہ اس نور سے منور ہو جاتی ہے۔ اور وہ نور شیطان لعین پر رال پھینکتا ہے اسی لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے! کہ

"الوضو سلاح المومن"

"وضو مومن کیلئے بمنزلہ اوزار ہے"۔

۳- ذکر کا قائم رکھنا

"لا الٰہ الا اللہ" کے ذکر کو ہمیشہ کرتے رہنا۔ جیسا کہ اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے! کہ

"اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ"

"وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کو اٹھتے بیٹھے۔ اور سوتے وقت یاد کرتے ہیں"۔

اس سے اشارہ ہمیشہ ذکر میں لگے رہنے سے ہے۔ جبکہ ذکر کی خاصیت میں پہلے بیان کر چکا ہوں۔

۴- ہمیشہ خطرات کی نفی کرنا

چاہئے کہ نیک یا بد غرض کہ جس قسم کا بھی خطرہ ہو۔ "لا الٰہ" سے اس کی نفی کر دے۔ اور "لا الٰہ" کے یہ معنی خیال کرے کہ "میں کچھ نہیں چاہتا۔ مگر صرف اللہ تعالیٰ کو"

جیسا کہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

"وَاِنْ تُبْدُوْا مَافِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَوْ تُخْفُوْہُ یُحَاسِبْکُمْ بِهِ اللّٰهُ" (بقرہ آیت ۲۸۴)

"جو تمہارے دلوں میں ہے۔ خواہ تم اسے ظاہر کرو یا پوشیدہ رکھو۔ اللہ تعالیٰ اسی کا حساب تم سے لے گا"۔

درج بالا آیت کریمہ کا اشارہ بھی خطرات کی نفی کی طرف ہے۔ کیونکہ حقیقت میں جو خیال آتا ہے اس کا نقش دل پر ظاہر ہوتا ہے۔ خواہ نیک یا بد۔

یہ نقوش غیبی نقوش کی قبولیت سے دل کو فارغ کرتے ہیں۔ کہ جب تک دل کا آئینہ ظاہری نقوش سے خالی اور صاف نہ ہو۔ وہ کبھی بھی مشاہدات غیبی اور علوم لدنی کی تجلیات کے قابل نہیں ہوتا۔ جیسا کہ حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے حق میں اللہ رب العزت فرماتا ہے! کہ

"وَالَّتِیْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِیْهَا مِنْ رُّوْحِنَا (الانبیاء آیت ۹۱)

"یعنی مریم وہ عورت ہے۔ کہ جس نے اپنے ستر کی حفاظت کی اور ہم نے اس میں اپنی روح پھونک دی"۔

۵- ہمیشہ روزے سے رہنا

ہمیشہ روزے سے رہنا چاہئے۔ کیونکہ روزہ کو بشری تعلقات کے قطع کرنے۔ اور صفات حیوانی کو نیست کرنے میں بڑا دخل ہے کیونکہ

"الصوم لی وانا اجزی به"

"روزہ خاص میرے لئے ہے۔ اور میں ہی اس کی جزا ہوں"۔

۶- خاموش رہنا

چاہئے کہ کسی سے بات نہ کرے۔ لیکن اپنے شیخ سے بقدرت ضرورت کلام کر سکتے

ہیں۔ وہ بھی واقعات و واردات کے کشف اور احوال کے عرض کرنے کیلئے۔

"باقی من صحت بخا"

''جو چپ رہا۔ اس نے نجات حاصل کر لی''۔

پڑھے۔ اور سوائے ذکر اسم اللہ ذات اور کلمہ طیبہ کے اپنی زبان استعمال نہ کرے۔

۷- اپنے دل کی نگہداشت کرنا

ہمیشہ اپنے دل کو شیخ کے دل سے متعلق رکھے۔ اور ہر وقت مدد طلب کرتا رہے۔ کیونکہ غیبی فتوحات اور الطاف ربانی کی خوشبوئیں ابتداء میں مرید کے دل میں شیخ کے دل کے سوراخ سے آتی ہیں کیونکہ

"من القلوب الی القلب روزنة"

''دل سے دل کی جانب راہ ہوتی ہے''۔

وہ اس لئے کہ مرید کیلئے پہلے بہت سے حجاب ہوتے ہیں۔ اور شرط سے بارگاہ الٰہی کی طرف متوجہ نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اس میں عالم کو دیکھنے کی عادت ہے۔ اور عالم کی اسے آشنائی تک نہیں اور شیخ کی صورت عالم شہادت میں ہے۔ جب ارادت کا پیوند مضبوط ہو جاتا ہے۔ تو اس کی توجہ شیخ کے دل کی طرف آسانی سے ہو جاتی ہے۔ اور شیخ کا دل بارگاہ الٰہی کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اور عالم غیب کی پرورش اسے حاصل ہوتی ہے۔

اس لئے ہر لحظہ غیب سے شیخ کے دل میں فیض ربانی کے فیضان پہنچتے رہتے ہیں۔ پہلے پہل مرید کا دل اسی وسیلے سے غیب سے مدد حاصل کرنے کی عادت حاصل کرتا ہے۔ اور پرورش پاتا ہے۔ پھر ہوتے ہوئے فضل بے واسطہ کے فیض کی قبولیت کے لائق ہو جاتا ہے۔

"وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا (دھر' آیت ۲۱)

''اور پلائی ان کو ان کے پروردگار نے پاک شراب''۔

ابتداء میں اگرچہ شراب تو یہی ہوتی ہے۔ لیکن ولایت شیخ کے جام میں دی جاتی ہے۔

جیسا کہ

"یُسْقَوْنَ فِیْهَا كَاْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِیْلًا"

"اس میں پیاسے پیتے ہیں۔ کہ جن کی تاثیر اور ذائقہ سونٹھ (شراب) کا سا ہے"۔

پھر حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے جام میں ساقی حق شہود بے واسطہ کی پاکیزہ شراب عنایت کرتا ہے۔

"وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا"

"اور پلائی ان کو ان کے پروردگار نے پاک شراب"۔

کسی شاعر نے خوب کہا ہے

ذاں مے خوردم کہ روح پیمانہ اوست
واں مشت شدم کہ عقل دیوانہ اوست
دو دے بمن آمد آتشے درمن زد
زاں شمع کہ آفتاب پروانہ اوست

ہمیشہ شیخ کی ہمت کو راستے کا رہنما اور بدرقہ سمجھے۔ اور جب کوئی مصیبت یا خوف نظر آئے یا کوئی ڈراؤنی یا بھیانک چیز نظر آئے تو فوراً ولایت شیخ کی پناہ میں آئے۔ اور باطنی طور پر شیخ کے دل سے مدد طلب کرے۔ کیونکہ ولایت شیخ کی نظر اور دعا شیطانی ونفسانی دونوں اقسام کو دور کر دیتی ہے۔

۸- اعتراض کا ختم کرنا

اللہ رب العزت اور اپنے شیخ پر قطعی طور پر کسی بھی قسم کا اعتراض نہ کرے۔

اللہ رب العزت پر اعتراض نہ کرنے کی وجہ یہ ہے۔ کہ جو کچھ غیب سے انسان کو پہنچتا

ہے مثلاً فیض۔ بسط۔ رنج و راحت۔ صحت و بیماری۔ تنگی و فراخی۔ سب مناسب حال ہوتا ہے اس لئے اسے تسلیم کرے۔ اور اللہ رب العزت سے کبھی بھی منہ نہ پھیرے۔ اور ثابت قدم رہے۔ کسی شاعر کا قول ہے۔ کہ

در دل چو شراب وصل میریزی
باید چو خمار گیردت نگریزی
باوصل منت اگر نشستے باید
باہر کہ نشستہ تر مگر برخیزی

اور شیخ پر اس کے قول۔ فعل۔ حال اور صفت سے جو کچھ بھی دیکھے۔ اس پر کسی قسم کا اعتراض نہ کرے۔ اور اس کے ظاہری اور باطنی تصرفات کو تسلیم کرے۔ اور شیخ کے احوال کے معاملات کو ارادت کی نگاہ سے دیکھے۔ اور کوتاہ بین عقل کی نظر کو تصرف میں نہ لائے۔ کیونکہ ولایت کی سب سے اعلیٰ شرط تسلیم کرنا ہے۔ جیسا کہ پچھلے صفحات میں مرغ اور انڈے کی شکل میں کافی مفصل بیان ہو چکا ہے:

اگر انڈا ذرا بھی مرغ کے تصرف اور اس کی تسلیم کو چھوڑ دے تو اس سے مدد کا ملنا بند ہو جاتا ہے۔ اور مرغ ہونے کی خاصیت۔ جو کہ اس کو ہوتی ہے فوراً جاتی رہتی ہے جس کی وجہ سے وہ انڈا رہتا ہے۔ اور نہ ہی مرغ بنتا ہے۔ اور جو انڈا کسی مرغ کے تصرف میں رہ کر گندہ ہو جائے تو اسے جہاں بھر کے مرغ بھی ٹھیک نہیں کر سکتے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ اگر مرید ولایت شیخ کا مردود ہو جائے تو مشائخ میں سے کوئی بھی اس کو کمال تک نہیں پہنچا سکتا اور وہ سارے شیوخ کی ولایت کا مردود ہو چکا ہوتا ہے۔

مگر جو مرید کسی خاص عذر کے سبب اپنے شیخ سے رہ جائے وہ جس کا دامن پکڑے گا اسی سے ولایت کے درجے کو پہنچ جائے گا۔ لیکن شرط یہ ہے۔ کہ وہ شیخ کی خدمت میں پہنچے۔ اور اس سے فائدہ اٹھانے میں اس وجہ سے معذور ہو کہ شیخ کا وصال ہو گیا ہو۔ یا شیخ

کے پاس جانے کیلئے بہت دور کا سفر ہو۔ بہرحال آج کل تو سفر کا مسئلہ کوئی نہیں ہے۔کہ مرید وہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔

لہٰذا جب ان وجوہات کے سبب دوسرے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوگا ر ہوگا تو ممکن ہے۔کہ نئے شیخ کی دعا اسے مرغ بننے کے مقام تک پہنچا دے۔ وہ اس - مرید کے وجود کا انڈا مرغیت کی استعداد کیلئے بہ سبب رد کرنے کسی صاحب ولایت کے خراب نہیں ہوگیا ہے۔

خلوت کے آداب بہت سے ہیں۔ مگر شرائط آٹھ ہی ہیں۔ جو کہ میں نے اوپر بیان کر دی ہیں۔

خلوت کے آداب

خلوت کے آداب بھی بے شمار ہیں۔مگر میں ان میں سے چند اہم بیان کر رہا ہوں۔ جو کہ درج ذیل ہیں۔

۱- کھانا تھوڑا کھانا

خلوت میں کھانا بہت تھوڑا کھانا چاہئے۔ اتنا بھی کم نہ کھائیں کہ کمزوری واقع ہو جائے۔ اس قدر کھانا چاہئے۔ کہ جس سے ذکر کرنے کی قوت حاصل ہو سکے۔کوشش کریں کہ کھانے کی ایک مقدار مخصوص کر لیں۔ بہرحال ہر شخص مزاج کی قوت اور بھوک کے مطابق اس مقدار میں کمی وبیشی کر سکتا ہے۔لیکن اتنا ہونا چاہئے۔ کہ رات کو پیٹ بوجھل نہ ہو جائے۔ تاکہ نینداس پر غالب نہ آ سکے۔اور اسی کمی بیشی کی وجہ سے ذکر کرنے سے باز رہ جائے۔اور جس قدر بھی کھائے ذکر اور حضوری دل سے کھائے۔اور چھوٹے لقمے کھائے۔حرص اور لالچ سے ہرگز نہ کھائے۔ کھاتے وقت دل میں ذکر بھی ساتھ ساتھ کرتا جائے۔ تاکہ ذکر کی برکت سے طعام کی شہوت کی تاریکی دور ہوتی جائے۔اور جب سیر ہو جائے تو ہاتھ اٹھا لے۔ تاکہ اسراف نہ پایا جائے۔ طعام میں تکلف ہرگز نہ کرے۔ تاکہ لذیذ نہ ہو جائے۔

گوشت سے بہت پرہیز کرے اور بالکل بھی نہ چھوڑ دے۔ گوشت کے علاوہ سبزی میں بینگن۔ دالوں میں ثابت ماش اور دال مسور جسے عرف عام میں لال دال بھی کہتے ہیں سے پرہیز کریں۔ بڑا (گائے کا) گوشت بالکل بند کر دیں۔ بکری کا گوشت بھی ہفتہ میں صرف ایک بار لے لیں۔

کم سونے کی کوشش کریں اور جہاں تک ہو سکے خود پہلو کے بل زمین پر نہ بیٹھیں۔ تاوقت کہ نیند غلبہ کر کے آپ کو نہ لٹا دے۔ اور جب ہوش آئے۔ اور خود کو سنبھال لیں تو اُٹھ کر تازہ وضو کریں۔ اور دو رکعت نماز ادا کر کے اپنے ذکر میں مشغول ہو جائیں۔

اگر بہت ہی تھک جائے او ربیٹھا نہ جائے تو صرف ایک گھڑی پہلو کے بل لیٹ جائیں۔ یا پھر سر کو گھٹنوں میں رکھ کر سو جائے۔ تا کہ طبیعت سے ملال اور حواس سے کندی جاتی رہے۔ اور جس وقت زبان ذکر کرنے سے رہ جائے تو اس گھڑی دل کو ذکر میں مشغول کر لے اور دل کی نگہبانی کرتا رہے۔ اور اس بات کا منتظر رہے کہ اب کیا دکھائی دیتا ہے۔ اور ڈراؤنی آواز یا بھیانک صورت میں سے جو سنے یا دیکھے بالکل نہ ڈرے۔ اور اپنے دل کو مضبوط رکھ کر فوراً ولایت شیخ کی پناہ میں آئے اور اپنے شیخ کا نام زبان سے لے اور اس کی ہمت سے مدد طلب کرے کہ اللہ رب العزت اپنے لطف و کرم سے اس کو دور کر دے اور جس وقت وضو۔ نماز۔ یا جماعت۔ یا پھر جمعہ کی نماز کیلئے باہر نکلے تو چاہئے۔ کہ نگاہ سامنے رکھے اور ادھر ادھر نہ دیکھے۔ اور دل اور زبان کو ذکر میں مشغول رکھے۔ تا کہ خیالات پراگندہ نہ ہو جائیں۔

چلہ کشی کی اصل

''حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ'' کی کتاب کشف المجوب میں درج ہے۔ کہ مشائخ طریقت کی چلہ کشی کی اصل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حال سے متعلق ہے۔ کیونکہ انہوں

نے بوقت مقالمہ پہلے چلہ کشی کی اور یہی صحیح ہے۔ کہ باطن میں اللہ رب العزت سے ہم کلام ہوں تو وہ چالیس روز بھوکے رہتے ہیں۔ اور جب تیس دن گزر جاتے ہیں تو مسواک کرتے ہیں اس کے بعد دس روز مزید گزارتے ہیں۔ بلاشک وشبہ اللہ رب العزت ان کے باطن کے ساتھ ہم کلام ہوتا ہے اس لئے انبیائے کرام علیہم السلام کیلئے جو کچھ ظاہری طور پر جائز ہوتا ہے وہ سب کچھ اولیائے کرام پر باطنی طور پر جائز ہوتا ہے۔ لہٰذا اللہ رب العزت کے کلام کی سماعت جب تک طبیعت اپنے حال پر ہے۔ جائز نہیں ہوتی اس لئے چاروں طبائع کو چالیس دن تک کھانا پینا ترک کر کے مغلوب کرتے ہیں۔ تاکہ لطائف روح اور محبت کی صفائی کے لئے کامل ولایت حاصل ہو جائے۔ اسی موافقت میں بھوکے رہنے اور اس کی حقیقت کے بیان میں کچھ وضاحت بیان کرتا ہوں۔

فاقہ کشی اور اس کے متعلقات

اللہ رب العزت فرماتا ہے! کہ

"وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ الآیہ"

"ضرور بالضرور ہم تمہیں کچھ خوف اور بھوک اور مال وجان اور پھلوں کی کمی سے آزمائیں گے"۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے! کہ

"بطن جائع احب الی اللہ تعالٰی من سبعین عابد عاقل"

"اللہ تعالٰی کے نزدیک بھوکے کا شکم ستر عاقل عابدوں سے زیادہ محبوب ہے"۔

واضح ہو کہ بھوکا رہنا تمام امتوں اور ملتوں کے نزدیک قابل تعریف ہے۔ اور اس سے طبیعت زیادہ پاکیزہ اور تندرست ہوتی ہے۔ خاص کر وہ شخص جو کہ زیادہ پانی تک نہ

پڑے۔ وہ اس لئے کہ بھوک کا جسم متواضع اور دل خشوع والا ہوتا ہے۔ کیونکہ بھوک نفسانی قوت کو فنا کر دیتی ہے۔

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے! کہ

"اجیعوا بطونکم واظمئوا اکبادکم واعروا اجسادکم لعل قلوبکم تری اللہ عیانا فی الدنیا"

"تم اپنے شکموں کو بھوکا اپنے جگروں کو پیاسا اور اپنے اجسام کو غیر آراستہ رکھو۔ تاکہ تمہارے دل اللہ تعالیٰ کو دنیا میں ظاہر طور پر دیکھ سکیں"۔

اگرچہ بھوک جسم کیلئے بلا ہے۔ مگر دل کیلئے جلا ہے۔ اور اپنے اجسام کو غیر آراستہ رکھنا باطن کیلئے بقا ہے۔ لہٰذا جب باطنی بقا سے ہمکنار ہو کر جسم مصفا ہو جائے اور دل پر نور ہو۔ تو کیا نقصان ہے؟

شکم سیر ہو کر کھانے میں کوئی بلا تو نہیں ہے۔ اور اگر اس میں بلا ہوتی تو جانور کبھی بھی شکم سیر ہو کر نہ کھاتے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ شکم سیر ہو کر کھانا جانوروں کا کھانا ہے۔ اور بھوکا رہنا جانوروں کا علاج ہے۔ اور یہ کہ بھوک میں باطن کی تعمیر اور شکم سیری میں پیٹ کی تعمیر ہے۔ جو شخص باطن کی تعمیر میں کوشاں رہتا ہے وہ اللہ رب العزت کیلئے خاص ہوتا ہے۔ اور علائق دنیا کیلئے یکسو ہو جاتا ہے۔ بھلا وہ شخص اس شخص کے کیسے برابر ہو سکتا ہے؟ کہ جس کی زندگی بدن کی تعمیر اور جسم وخواہش کی خدمت میں گزرتی ہو۔ ایک کیلئے ساری دنیا کھانے کیلئے چاہیے اور دوسرے کیلئے کھانا عبادت کیلئے دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔

"كَانَ الْمُتَقَدِّمُوْنَ يَاكُلُوْنَ لِيُعِيْشُوْا وَاَنْتُمْ تَعِيْشُوْنَ لِتَاكُلُوْا"

"متقدمین کھاتے تھے۔ تاکہ زندہ رہیں اور تم کھاتے رہتے تھے۔ تاکہ خوب کھاؤ"۔

"اَلْجُوْعُ طَعَامُ الصِّدِّيْقِيْنَ وَمَسْلَكُ الْمُرِيْدِيْنَ وَقَيْدُ الشَّيَاطِيْنُ"

"بھوکا رہنا صدیقین کی غذا۔ مریدین کا مسلک اور شیاطین کی قید ہے"۔

اللہ رب العزت کی قضا و قدر کے تحت حضرت آدم علیہ السلام کا جنت سے دنیا میں تشریف لانا اور قرب الٰہی سے ان کا دور ہونا ایک لقمہ ہی کی وجہ سے تھا۔

فاقہ کشی کی حقیقت

جو شخص بھوک سے بے قرار ہو۔ درحقیقت وہ بھوکا نہیں ہے اس لئے کہ کھانے والے کی طلب غذا کے ساتھ ہے۔ لہٰذا جس کا درجہ بھوک ہے۔ وہ غذا کے نہ پانے کی وجہ سے ہے نہ کہ غذا کو چھوڑنے کی وجہ سے ہے۔ اور جو شخص کھانا ہوتے ہوئے بھی نہ کھائے اور بھوک کی تکلیف اٹھائے۔ درحقیقت وہی بھوکا ہے۔ اور شیطان کی قید اور نفسانی خواہش کی بندش بھوکے رہنے ہی میں ہے۔

حضرت کتانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"من حکم المرید ان یکون فیه ثلثله اشیاء نومه غلبة وکلامة ضرورة واکله فاقة"

''مرید کی شرط یہ ہے۔ کہ اس میں تین چیزیں موجود ہوں۔ ایک یہ کہ اس کا سونا غلبہ کے بغیر نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ اس کا کلام ضرورت کے بغیر نہ ہو۔ تیسرے یہ کہ اس کا کھانا فاقہ کے بغیر نہ ہو''۔

بعض مشائخ کے نزدیک کم از کم فاقہ دو دن اور دو راتوں کا ہونا چاہئے اور بعض کے نزدیک تین شبانہ روز تک اور بعض کے نزدیک ایک ہفتہ تک اور بعض کے نزدیک ایک چلہ تک کا ہوتا ہے اس لئے کہ محققین کے نزدیک سچی بھوک ہر چالیس شبانہ روز کے بعد ایک مرتبہ ہوتی ہے۔ اور یہ زندگی کیلئے ضروری ہے۔ اس دوران جو بے چینی اور بے قراری ظاہر ہوتی ہے۔ وہ طبیعت کی شرارت اور اس کا گھمنڈ ہے۔ اللہ رب العزت اس سے محفوظ رکھے۔ کیونکہ اہل معرفت کی رگیں سراسر اسرار الٰہی ہوتی ہیں۔ اور ان کے قلوب اللہ رب

العزت کی نظر کرم کی طرف ہوتے ہیں۔ ان کے سینوں میں دلوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ اور عقل و ہوا بارگاہ الٰہی میں پژمردہ ہو چکی ہوتی ہے۔ روح عقل کی مدد کرتی ہے۔اور نفس ہوا کی۔ جن کی طبیعتیں کثرت غذا سے پرورش پاتی ہیں۔ ان کا نفس قوی ہوتا ہے۔اور خواہش بڑھتی ہے۔اور اعضاء میں اس کا غلبہ زیادہ پھیلتا ہے۔اور اس پھیلاؤ سے ہر رگ میں طرح طرح کے حجابات نمودار ہوتے ہیں۔

جب غذا کا طلبگار نفس سے ہاتھ کھینچتا ہے۔ تو نفس بہت کمزور ہو جاتا ہے۔اور عقل زیادہ قوی ہو جاتی ہے۔اور لوگوں سے نفسانی قوتیں مضمحل ہو جاتی ہیں۔اور اس کے اسرار و براہین زیادہ ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ اور جب نفس اپنی حرکات سے بے بس ہو جاتا ہے۔تو اس کے وجود سے نفسانی خواہش فنا ہوجاتی ہے۔ باطل ارادے اظہار حق میں گم ہو جاتے ہیں تو اس وقت مرید کی ہر مراد پوری ہو جاتی ہے۔

حضرت ابوالعباس قصاب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ میری طاعت و معصیت دو اِشکال میں منقسم ہے جب میں کھاتا ہوں تو معاصی کا خمیر اپنے میں پاتا ہوں اور جب اس سے ہاتھ کھینچ لیتا ہوں تو تمام طاعتوں کی بنیاد اپنے اندر دیکھتا ہوں۔ بھوکے رہنے کا ثمرہ مشاہدہ ہے جس کا قائد رہنما مجاہدہ ہے۔ لہٰذا مشاہدے کے ساتھ سیری۔ مجاہدے کے ساتھ بھوکے رہنے سے کہیں بہتر ہے۔ کیونکہ مشاہدہ جوانمردوں کی رزم گاہ ہے۔اور مجاہدہ بچوں کا کھیل

"فالشبع بشاھدہ الحق خیر من الجوع بشاھد الخلق"

''مشاہدہ حق کے ساتھ سیری۔ لوگوں کے مشاہدہ کے ساتھ بھوکے رہنے سے بہتر ہے''۔

اس بحث میں طویل گفتگو ہے۔ طوالت کے خوف سے اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔

بہترین زندگی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ کہ تمام لوگوں میں بہتر زندگی اس شخصیت کی ہے۔ جو کہ اللہ رب العزت کی راہ میں اپنے گھوڑے کی بھاگ پکڑے ہوئے ہو۔ اور جونہی اسے کوئی کھٹکھٹاہٹ یا آہٹ سنائی دے وہ اپنے گھوڑے کی پیٹھ پر سوار ہو جائے اور ان جگہوں پر جائے جہاں موت یا قتل کا خدشہ ہو۔

یا بہترین شخص وہ ہے۔ جو کہ اپنی چند بکریاں لئے کسی پہاڑ کی چوٹی پر رہتا ہو یا کسی وادی میں رہتا ہو اور وہاں نماز ادا کرتا ہو۔ زکوٰۃ دیتا ہو۔ اور مرتے دم تک اپنے رب تعالیٰ کی عبادت کرتا رہے۔ اور دوسرے لوگوں کے مقابلہ میں نیکی ہی نیکی ہے۔ (مسلم و ابن ماجہ)

خلوت کی حقیقت

امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''الرسالۃ القشیریہ'' میں تحریر کرتے ہیں۔ کہ خلوت اہل صفا کی صفت ہے۔ اور گوشہ نشینی اللہ رب العزت کے ساتھ وصال کی علامت ہے۔ مرید کے لئے ابتداء میں اپنے ہم جنسوں سے علیحدہ رہنا بہت ضروری ہے۔ پھر آخر میں خلوت بھی ضروری ہے۔ تاکہ اسے اللہ رب العزت کے ساتھ انس پیدا ہو سکے۔

لہٰذا جب کوئی بندہ گوشہ نشینی اختیار کرتا ہے۔ تو اس کا حق یہی ہے۔ کہ اس کا عقیدہ یہ ہو کہ لوگوں سے الگ رہنے سے لوگ اس کے شر سے بچے ہوئے ہیں۔ گوشہ نشینی سے اس کا مقصد یہ نہ ہو کہ وہ خود لوگوں کے شر سے بچا رہے۔ کیونکہ پہلی صورت میں یہ نتیجہ نکلے گا کہ وہ لوگوں پر فوقیت رکھتا ہے۔ اور جس نے اپنے نفس کو حقیر جانا۔ وہ شخص متواضع ہے۔ اور جس نے اپنے آپ کو کسی شخص پر فائق سمجھا وہ متکبر ہے۔

کتا نفس

کسی نے ایک راہب کو دیکھا اور پوچھا: کیا آپ راہب ہیں؟ تو اس نے جواب دیا کہ میں تو کتے کا پاسبان ہوں۔ کیونکہ میرا نفس کتا ہے۔ جو کہ لوگوں کو کاٹتا ہے۔ لہٰذا میں نے اسے لوگوں میں سے نکال لیا ہے۔ تا کہ وہ اس سے بچے رہیں۔

احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ اور شیبان راعی رضی اللہ عنہ

ایک واقعہ یوں نقل کیا گیا ہے۔ کہ ''حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ'' حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ'' کے نزدیک بیٹھے ہوئے تھے۔ کہ شیبان راعی رضی اللہ عنہ ادھر آ نکلے۔ حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں چاہتا ہوں۔ کہ اسے اس کی جہالت سے آگاہ کروں۔ تا کہ یہ کچھ علم حاصل کرنے کی طرف توجہ دے۔ حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ نے انہیں اس سے منع کیا۔ مگر حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ باز نہ آئے۔ چنانچہ انہوں نے شیبان راعی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ ایسے شخص کے متعلق کیا فرماتے ہیں جو کوئی نماز پڑھنی بھول گیا ہو۔ اور اسے یہ بھی یاد نہ ہو کہ اس نے کون سی نماز نہیں پڑھی۔ اب اسے کیا کرنا چاہئے؟

شیبان راعی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: اے احمد رضی اللہ عنہ! اس شخص کا دل اللہ رب العزت سے غافل ہو چکا ہے۔ لہٰذا اب ضروری ہے۔ کہ اسے سزا دی جائے۔ تا کہ دوبارہ ایسی حرکت نہ کرے۔ یہ جواب سن کر حضرت احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ بے ہوش ہو گئے اور جب ہوش آیا تو حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے تجھے اس شخص کو چھیڑنے سے منع نہ کیا تھا؟ یہ حالت اس شیبان رضی اللہ عنہ کی ہے۔ جو کہ ایک اُمی صوفی تھے۔ لہٰذا جب امی کی یہ حالت ہے۔ تو پھر ائمہ صوفیاء کی کیا حالت ہوگی؟

ابو عمران فقیہہ رضی اللہ عنہ اور شبلی رضی اللہ عنہ

حکایت ہے۔ کہ جامع منصور میں اکابر فقہاء میں سے ایک فقیہہ کا حلقہ اور شبلی رضی اللہ عنہ کا

حلقہ ساتھ ساتھ تھا۔ اس فقیہہ کا نام ابوعمران رحمۃ اللہ علیہ تھا۔ جب شبلی رضی اللہ عنہ گفتگو فرماتے تو اس فقیہہ کا حلقہ منتشر ہو جاتا۔ ابوعمران رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں نے شبلی رضی اللہ عنہ کو شرمندہ کرنے کی غرض سے ان سے حیض کے متعلق سوال کیا تو شبلی رضی اللہ عنہ نے اس مسئلہ میں فقہا کے اقوال اور اختلاف کا ذکر کیا۔ ابوعمران رحمۃ اللہ علیہ نے بے ساختہ اٹھ کر شبلی رضی اللہ عنہ کے سر پر بوسہ دیا۔ اور کہا کہ اے شبلی رضی اللہ عنہ! میں نے اس مسئلہ میں تم سے ایسے دس اقوال معلوم کئے ہیں۔ کہ جنہیں میں نے کبھی نہ سنا تھا جو کچھ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے اس میں سے مجھے صرف تین اقوال معلوم تھے۔

غیبی واقعات، خواب اور واقعہ میں فرق

القرآن: اِنِّیْ رَاَیْتُ اَحَدَ عَشَرَ کَوْکَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَیْتُھُمْ لِیْ سٰجِدِیْنَ (یوسف، آیت ۴)

ترجمہ: حضرت یوسف علیہ السلام اپنا خواب اپنے بزرگوار والد صاحب حضرت یعقوب علیہ السلام کے روبرو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ کہ "میں نے گیارہ ستاروں۔ سورج اور چاند کو دیکھا ہے۔ کہ مجھے سجدہ کر رہے ہیں"

الحدیث: "الرویاء الصالحۃ جزء من ستتہ واربعین جزء من النبوۃ"

ترجمہ: "نیک خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہوتا ہے"

واضح رہے۔ کہ جب سالک نفس کی ریاضت اور مجاہدہ اور تصفیہ دل شروع کرتا ہے۔ اور اسے ملک اور ملکوت پر عبور اور سلوک حاصل ہوتا ہے اور ہر مقام میں اس کے حال کے مناسب واقعات کا کشف ہوتا ہے۔ کبھی تو نیک خواب کی صورت میں اور کبھی غیبی واقعہ کی صورت میں ہوتا ہے۔ اس جماعت کی رائے میں واقعہ اور خواب میں دو طرح کا فرق ہے۔ ایک ظاہری اور دوسرا حقیقی۔

ظاہر میں واقع تو اس بات کا نام ہے۔ کہ خواب میں دیکھے یا ظاہر میں یا بالکل ظاہر

میں۔

حقیقی طور پر واقع اس بات کو کہتے ہیں۔ کہ خیال کے حجاب سے غیبی تصرف ہو گیا ہو۔ چنانچہ روح جب بشری صفات سے تجرد حاصل کرتی ہے تو اسے اس کا ادراک حاصل ہوتا ہے۔اور روحانی واقعہ مطلوب ہوتا ہے۔اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔کہ نظر کو الٰہیت کے نور سے مدد مل جاتی ہے۔اور اس قسم کا واقعہ محض ربانی ہوتا ہے۔کیونکہ

"المؤمن ينظر بنور الله"

''مومن اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے''۔

خواب

خواب اسے کہتے ہیں۔ کہ حواس بالکل کام سے رہ جائیں اور خیال کام میں لگا ہوا ہو۔ اور حواس کی مغلوبی اور غلبات میں کوئی چیز خیال کی نظر میں آئے۔اس کی دو اقسام ہیں۔

ایک خواب پریشان کہ جس میں نفس خیال کے اوزار سے شیطانی وساوس نفسانی خیالات کا جو نفس اور شیطان کے القا سے ہوتے ہیں۔ ادراک کرتا ہے۔اور خیال اس کے مناسب نقشبندی کرتا ہے۔اور نفس کی نظر کے سامنے پیش کرتا ہے۔ اس قسم کے خواب کی کوئی تعبیر نہیں ہوتی۔

دوسرے نیک خواب کہ ''جسے رویائے صالحہ بھی کہتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

''کہ سچا خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے''

بعض آئمہ کرام نے اس کی تفسیر یوں بیان فرمائی ہے۔کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۲۳ تیئیس سال تک نبوت فرمائی جن میں سے پہلے چھ ماہ میں وحی خواب میں نازل ہوا کرتی تھی۔اس حساب سے رویائے صالحہ نبوت کا ۴۶ چھیالیسواں حصہ ہوتا ہے۔اور بہت سے

انبیاء علیہم السلام ایسے گزرے ہیں۔ کہ جن پر کبھی خواب میں وحی نازل ہوئی اور کبھی بیداری کی حالت میں مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام پر خواب میں وحی نازل ہوئی۔ کہ اپنے بیٹے کو ذبح کر۔ جیسا کہ قرآن مجید میں وارد ہے کہ

"اِنِّیْ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْ اَذْبَحُكَ" (الصافات آیت ۱۰۲)

''میں نے خواب میں دیکھا۔ کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں''۔

یہ اس بات کی دلیل ہے۔ کہ وہ وحی تھی کہ جناب کا فرزند کہتا تھا۔

"یٰاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ" (الصافات' آیت ۱۰۲)

''اے والد بزرگوار! جس طرح آپ کو حکم ہوا ہے اسی طرح کرو''۔

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد پاک ہے:

"نوم الانبیاء وحی"

''انبیاء کا خواب وحی ہوتا ہے''۔

اور حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بیداری کی حالت میں وحی نازل ہوئی۔ جیسا کہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے۔

"فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَیْكَ" (بقرہ' آیت ۲۶۰)

''چار پرندے لے کر انہیں اپنے پاس بلا''۔

سچے خواب کی تین اقسام ہوتی ہیں

۱۔ پہلی قسم یہ ہے۔ کہ جو کچھ دیکھے اس کی تعبیر یا تاویل کی ضرورت نہ ہو۔ بلکہ اسی طرح ظاہر ہو جائے۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خواب۔

"اِنِّیْ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْ اَذْبَحُكَ" (الصافات آیت ۱۰۲)

''میں نے خواب دیکھا۔ میں تجھے ذبح کرتا ہوں''۔

۲- دوسرے یہ کہ۔ بعض حصوں کی تاویل یا تعبیر کرنی پڑے۔ جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ خواب

"اِنِّیْ رَاَیْتُ اَحَدَ عَشَرَ کَوْکَبًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَیْتُهُمْ لِیْ سٰجِدِیْنَ"

(یوسف' آیت ۴)

''گیارہ ستارے۔ سورج اور چاند کی تاویل۔ گیارہ بھائیوں۔ ماں اور باپ سے کرنی پڑی۔ لیکن سجدہ بعینہٖ ظاہر ہو گیا جیسا کہ

"خَرُّوْا لَهٗ سَاجِدِیْنَ"

''اسے سجدہ کرتے ہوئے گر پڑے''۔

سے ظاہر ہوتا ہے۔

۳- تیسرے یہ کہ سارے کا سارا تاویل کا محتاج ہو۔ جیسے مصر کا بادشاہ اور اس کا یہ خواب کہ

" اِنِّیْ اَرٰی سَبْعَ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ یَّاْکُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ......الخ"

''خواب میں کیا دیکھتا ہوں۔ کہ سات دبلی پتلی گائیں۔ سات موٹی تازی گائیوں کو کھا رہی ہیں''۔

یہ تاویل کا محتاج تھا۔ اور اسی طرح قید خانہ والوں کا خواب کہ

"یَا صَاحِبَیِ السِّجْنِ اَمَّا اَحَدُکُمَا فَیَسْقِیْ رَبَّهٗ خَمْرًا وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَیُصْلَبُ فَتَاْکُلُ الطَّیْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ"

''اے یارانِ مجلس! تم میں سے ایک جس نے انگور کے شیرے کا نچوڑنا دیکھا ہے۔ وہ تو بدستور اپنے آقا کا ساقی بنا رہے گا اور اس کو شراب پلائے گا اور دوسرا سولی دیا جائے گا اور پرندے اس کا سر نوچ نوچ کر کھائیں گے''۔

تاویل کا محتاج تھا۔

حقیقت میں سچا خواب کوئی ایسا خواب نہیں ہوتا کہ اس کی تاویل بالکل ہی ٹھیک اور درست نکلے یا اس کا اثر ضرور ظاہر ہو جائے۔ کیونکہ یہ خواب مومن کو بھی آتا ہے۔ اور کافر کو بھی آتا ہے۔ جیسا کہ مصر کے بادشاہ اور قیدیوں کا خواب تھا۔ اور یہ نفس کی نظر سے نور الٰہی کی تائید کے بغیر روح کی تاویل سے ہوتا ہے۔ لیکن جو نور الٰہی سے مؤید ہوتا ہے۔ وہ نبی۔ ولی اور مومن کے علاوہ کسی اور کو نہیں ہوتا۔ کیونکہ سچا خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہوتا ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے! کہ

"لم یبق من النبوۃ الا المبشرات یراھا المومن اویری لہ"

''نبوت میں سے کچھ باقی نہیں رہے گا۔ مگر وہ خوشخبریاں جنہیں مومن دیکھتا ہے یا اس کیلئے دیکھی جائیں''۔

پس مبشرات کا حوالہ مومن کیلئے کیا ہے اس سے صاف پتہ چلتا ہے۔ کہ کافر کو کبھی بھی نصیب نہیں ہوتا۔ میرے خیال کے مطابق رویاء کی دو اقسام ہیں۔

۱- رویائے صالح ۲- رویائے صادق

رویائے صالح

رویائے صالح تو وہ ہے۔ جو کہ مومن۔ ولی یا پھر نبی دیکھے اور یا تو بعینہٖ ظاہر ہو جائے یا پھر اس کی تاویل درست ہو سکے۔ اور وہ حق کا دکھلایا ہوا ہو۔

رویائے صادق

رویائے صادق وہ ہے۔ کہ جس کی تاویل درست ہو۔ اور ممکن ہے۔ کہ ویسا ہی ظہور میں آ جائے۔ لیکن وہ روح کی نمائش ہوتی ہے۔ اور اس قسم کا خواب مسلمان اور کافروں دونوں کو آتا ہے۔

واقع

اسی طرح واقع کی بھی دو اقسام ہیں۔

۱- ایک وہ جس میں احتمال کی گنجائش ہو۔ اس قسم کا واقع اکثر راہبوں۔ فلسفیوں۔ برہمنوں۔ داہریوں اور دوسرے بے دین افراد کو بسبب کثرت ریاضت۔ تزکیۂ نفس۔ تصفیۂ دل اور تربیت روح کی وجہ سے ہوتا ہے۔ ممکن ہے انہیں ان باتوں کا کشف بھی ہو کہ جنہیں عوام الناس مغیبات بھی کہتے ہیں۔ مثلاً لوگوں کے احوال سے واقف ہونا اور بعض دنیاوی کاموں کی قبل از وقت خبر دینا۔ نیز واقعہ کبھی بیداری کی حالت میں اور کبھی خواب کی حالت میں ظاہر ہوتا ہے۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ ریاضت کی کثرت سے روحانی غلبات ظاہر ہوتے ہیں۔ اور بہت سی حیوانی صفات محو ہو جاتی ہیں۔ اور روح کو زندگی کے حجابات سے قدرے خلاصی ہو جاتی ہے۔ اور پھر وہ تجلی میں آتا ہے۔ اور روحانیت کے انوار ان کی نظروں میں مکشوف ہوتے ہیں۔ لیکن انہیں ان کے سبب کوئی قرب یا قبولیت حاصل نہیں ہوتی اور نہ ہی یہ ان کی نجات کا سبب ہوتے ہیں۔ بلکہ الٹے ان کے غلو اور مبالغات کا باعث ہوتے ہیں۔ پھر کفر اور گمراہی اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے اس کے بعد وہ استدراج کا وسیلہ ہو جاتے ہیں۔ اور ہر گھڑی غرور اور گمان کے سبب نئی نئی شرارت کرتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

"سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ. وَأُمْلِيْ لَهُمْ إِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ"

(اعراف' آیت ۱۸۲-۱۸۳)

"عنقریب ہی ہم انہیں اس طرح کا استدراج دیں گے کہ انہیں خبر بھی نہ ہوگی اور نیز ہم انہیں مہلت بھی دیں گے۔ بے شک میری تدبیر مضبوط ہے"۔

۲- واقع کی دوسری قسم یہ ہے۔ کہ اللہ رب العزت جہان کے آئینہ اور جمال کے

نفوس میں ظاہری نشانات مواحدین کی نظر کے پیش کرتا ہے۔ کیونکہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

"سَنُرِیْھِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَ فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَھُمْ اَنَّہُ الْحَقُّ"

(حم السجدہ آیت ۵۳)

"عنقریب ہم اپنی نشانیاں جہان میں انہیں دکھائیں گے اور نیز ان کی جانوں میں یہاں تک کہ ان پر صاف طور پر ظاہر ہو جائیگا کہ وہ حق ہے"۔

یہ واقعہ موحدوں کیلئے ظہور حق کا سبب ہوتا ہے۔ اور ربانی الہام سے ہوتا ہے کیونکہ اس میں بدکاری یا پرہیزگاری کی پہچان کیلئے نفس سالک کے دل کے ہمراہ ہوتا ہے۔ جو اس کی مغلوبی کی حالت میں دل کی نظر بمعہ روح ان الہامات کی صورت پر پڑتی ہے۔ کہ جن کے خیال نے مناسب نقشبندی کر دی ہو۔ یہاں تک کہ تصرف خیال کے بغیر ہی ان الہامات کی حقیقت پر نظر پڑنے لگتی ہے۔ اور سالک کو نفس کی بگاڑ اور سنوار اور اپنی قوت اور نقصان پر اطلاع ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

"وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰھَا۔ فَاَلْھَمَھَا فُجُوْرَھَا وَتَقْوٰھَا (الشمس آیت ۷-۸)

"اور انسان اور اس ذات کی قسم کہ جس نے اس کو ایسا درست بنایا۔ پھر اس کی بدکاری اور پرہیزگاری دونوں باتیں اسے سمجھا دیں"۔

اور جس طرح وہاں پر مشرک کیلئے استدراج کا سبب اور کفر کی زیادتی کا باعث تھا۔ اسی طرح یہاں پر مواحد کیلئے کرامات کا سبب اور زیادتی ایمان کا باعث ہو جاتا ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

"ھُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ السَّکِیْنَۃَ فِیْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِیْنَ لِیَزْدَادُوْٓا اِیْمَانًا مَّعَ اِیْمَانِھِمْ" (الفتح آیت ۴)

"وہ پاک ذات ہے جس نے مومنوں کے دلوں کو تسکین عنایت فرمائی جس کے

سبب ان کے ایمانوں کوتقویت اور زیادتی حاصل ہوتی"۔

مشرک اور مواحد کے واقع میں فرق

مشرک اور مواحد کے واقع میں یہ فرق ہے۔کہ مشرک تو شرک اور دوگانگی کے پردے میں محجوب ہے۔اسے صفات احدیت کے انوار کے مشاہدات کی ہرگز اطلاع ہی نہیں ہوتی اور نہ ہی انسانی ہستی سے عہدہ برآ ہوسکتا ہے۔اور یہ بات علم الیقین کے بعد عین الیقین سے بہت سے مختلف گروہوں کے مدعیان کے احوال سے مشاہدہ ہوئی ہے۔اور ان کے حالات بذریعہ مباحثہ تحقیق ہو گئے ہیں۔لیکن مواحد وحدانیت کے نور کے سبب شرکت کے حجابات کی تاریکی سے خلاصی پا جاتا ہے۔اور انسانیت کی دوگانگت کو صفات احدیت کی تجلی میں محو کر دیتا ہے۔جیسا کہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

"اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ" (بقرۃ' آیت ۲۵۷)

"اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو دوست رکھتا ہے۔ جو ایمان لاتے ہیں۔ اور انہیں تاریکی سے نکال کرنور کی طرف لے جاتا ہے"۔

اور عالم وحدانیت کے انوار کےظہور میں مقام وحدت سے بہرہ ور ہوتا ہے۔اور خودی اورغرور کی شرکت سے خلاصی پا جاتا ہے۔

سالک کیلئے واقعات کے کشف سے فوائد

سالک کو واقعات کے کشف ہونے سے تین فوائد ہوتے ہیں۔

۱- پہلا فائدہ یہ کہ اپنے احوال کی زیادتی یا نقصان۔سیر۔وقفہ۔سستی۔وجد۔شوق۔افسردگی۔پہنچنے یا رہ جانے کی اطلاع ہو جاتی ہے۔اور منازل۔مقامات۔درجات کی کمی۔بلندی۔پستی۔سچ۔جھوٹ وغیرہ سے باخبر ہو جاتا ہے۔وہ اس لئے کہ خیال ان میں سے ہرایک کے مناسب نقشبندی کر کے سالک کو تمام نفسانی۔حیوانی۔طبعی۔شیطانی۔ملکی۔دلی۔

روحی اور رحمدلی واقعات کی واقفیت دلاتا ہے یعنی اگر حرص۔ حسد۔ لالچ۔ بخل۔ دلی کینہ۔ تکبر۔ غضب اور شہوت وغیرہ بری صفات اس پر غالب ہوں تو خیال ان میں سے ہر ایک کو اس حیوان کی صورت میں ''کہ جس میں وہ صفت کثرت کے ساتھ پائی جاتی ہے''۔ اس کی نقشبندی کرتا ہے مثلاً

۱- حرص کی صفت کو چوہے اور چیونٹی کی صورت میں
۲- لالچ کی صفت کو سؤر اور ریچھ کی صورت میں
۳- بخل کی صفت کو کتے کی صورت میں
۴- عداوت کی صفت کو سانپ کی صورت میں
۵- تکبر کی صفت کو چیتے کی صورت میں
۶- غضب کی صفت کو تندوے کی صورت میں
۷- بھیمی کی صفت کو بھیڑ کی صورت میں
۸- شہوت کی صفت کو دراز گوش (گدھا یا خرگوش) کی صورت میں
۹- اور اگر درندوں کی صفات اس پر غالب ہوں تو اسے ہر قسم کے درندے دکھلاتا ہے۔ اگر شیطنت کی صفت اس پر غالب ہو۔ تو اسے شیاطین۔ مردودوں اور چھلاوؤں کی صورت میں دکھلائی دیتا ہے۔
۱۰- اگر مکروفریب۔ بے وفائی۔ دغا و دھوکہ کی صفت غالب ہو۔ تو لومڑ۔ خرگوش اور گیدڑ کی اِشکال دکھلائی دیتی ہیں۔ لہٰذا اگر ان کو اپنے اوپر غالب سمجھے تو اچھی طرح سے جان لے۔ کہ گویا وہ صفات ہی میرے اوپر غالب ہیں۔ اور اگر ان کو مغلوب اور مسخر سمجھے۔ تو بھی اچھی طرح جان لے۔ کہ ان صفات پر وہ قادر اور غالب ہے۔
۱۱- اگر دیکھے کہ وہ ان جانوروں کو مارتا ہے۔ اور ان پر زبردستی کر رہا ہے۔ تو جان لے۔ کہ وہ ان صفات سے باز آ جائے گا اور خلاصی پالے گا۔

۱۲- اگر دیکھے کہ ان جانوروں کی صورتیں دوسرے جانوروں کی صورتوں میں بدل رہی ہیں تو سمجھ لے۔ کہ ان صفات میں بھی تبدیلی آ جائے گی۔

۱۳- اگر ان سے لڑائی جھگڑا کرے۔ تو سمجھ لے۔ کہ دشمنی اور مکر میں ہے۔

لہٰذا ہرگز غافل نہیں ہونا چاہئے اور نہ ہی ان کے حملوں سے بے خوف رہنا چاہئے۔

۱۴- اگر بہتا ہوا صاف پانی۔ چشمے۔ حوض۔ تالاب۔ دریا۔ خوشنما سبزہ۔ باغ۔ باغیچے۔ محل۔ نفیس جواہرات۔ عمدہ موتی۔ چاند ستارے اور صاف آسمان دیکھے۔ تو یہ اس کے دلی مقامات پر دلالت کرتے ہیں۔

۱۵- اور بے انتہا انوار اور لا انتہا عالم۔ اُڑنا بلندی پر پہنچنا۔ زمین اور آسمان کو طے کرنا۔ ہوا میں چلنا۔ عالم بیرنگی اور بے چونی کا مظاہرہ کرنا۔ معانی اور علم لدنی کا کشف ہونا۔ بغیر آلات کے ادراکات کا حاصل کرنا۔ جسمانیت سے تجرد اور روحانیت کی تجلی۔ یہ سب کچھ روحانی صفات کے سبب اور ارواح کی نمائش کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اور ملکوت کا مطالعہ۔ ملائکہ کا دیکھنا۔ غیبی فرشتوں کا مشاہدہ۔ جنت اور دوزخ کا سامنے آنا۔ آسمانوں۔ ستاروں۔ عرش و کرسی کو دیکھنا اور دیگر چیزوں کے ملکوت کا دکھائی دینا۔ سب ملکی صفات کے سلوک سے ہوتا ہے۔ اور نیک صفات کے حاصل ہونے کی دلیل ہیں۔

۱۶- اگر غیب الغیب کے مشاہدے میں پڑ جائے اور صفات الوہیت کے مکاشفات حاصل ہوں اور الہام۔ اشارہ۔ مکالمہ اور صفات ربوبیت کی تجلیات ظاہر ہوں تو یہ اس بات کی دلیل ہے۔ کہ سالک فنا و بقا۔ وصول الی اللہ اور تخلق باخلاق اللہ کے مقام میں ہے۔

میں نے درج بالا تمام تحریر مختصر ترین بیان کی ہے۔ باقی دیگر منازل کو بھی اسی سے قیاس کر لیں۔

۲- دوسرا فائدہ یہ ہے۔ کہ قلبی روحی اور ملکی واقعات کا رزق عمدگی سے اسے حاصل ہوتا ہے۔ اور اس سے نفس کو بھی ذوق وشوق اور ایک قسم کی قوت حاصل ہوتی ہے۔ کہ جس کے سبب نفس کو خلقت سے میل جول اور محبت کرنے اور دل لبھانے والی چیزوں ظاہری اور نفسانی لذت بخش چیزوں اور حیوانی وجسمانی خواہشات سے نفرت ہو جاتی ہے۔ اور روحانی مکاشفات اور غیب کی باتوں۔ انوار غیبی کے مشاہدات اور بارگاہ الٰہی کے حقائق۔ لطائف۔ اسرار و معانی کا انس اس میں آ جاتا ہے۔ اور ہمہ تن عالم طلب کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ اور پھر عالم غیب اس کا مشرب بن جاتا ہے جیسا کہ

"قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ"

''ہر آدمی نے اپنا گھاٹ پہچان لیا''۔

''حقیقت میں طریقت کے بچوں کی پرورش واقعات غیبی کے دودھ کے بغیر ناممکن ہے۔ اور طلب کی جان کی غذا صرف واقعات غیبی کے معنوں کی صورت سے ہی ہو سکتی ہے''۔

مثلاً ایک شخص خواجہ امام یوسف ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں تعجب کے طور پر اس بات کا ذکر کر رہا تھا کہ ایک مرتبہ میں شیخ احمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں خانقاہ کے دستر خوان پر معہ دیگر اصحاب کے کھانا کھا رہا تھا کہ اسی اثناء میں شیخ صاحب از خود غائب ہو گئے اور جب ایک گھڑی بعد ہوش میں آئے تو فرمانے لگے کہ اس وقت کیا دیکھتا ہوں۔ کہ حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود اپنے دست مبارک سے میرے سینہ میں لقمہ دے رہے ہیں۔ یہ سن کر حضرت امام یوسف ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ

"تلك خيالات تربى بها اطفال الطريقة"

''یہ خیالات ہیں۔ کہ جن سے طریقت کے بچوں کی پرورش ہوتی ہے''۔

۳- تیسرا فائدہ یہ ہے۔ کہ اس راہ کے بعض مقامات سے واقعات غیبی کے تصرف بغیر عبور

حاصل نہیں ہو سکتے۔ اللہ رب العزت کے حبیب ﷺ اور شیخ کی ضرورت میں بڑا رکن یہی ہے۔ تا کہ سالک اپنے وجود کی سیر کرے اور اس کا سلوک نفس دل اور روح کی صفات میں ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے۔ کہ کسی غیر کی ضرورت نہ پڑے۔ لیکن پھر بھی جب روحانیت کی منزل پر پہنچتا ہے۔ تو پھر وہاں سے از خود نہیں گزر سکتا۔ وہ اس لئے کہ جو تصرف سالک خود کرتا ہے اس سے ایک اور ہی ہستی ظاہر ہوتی ہے۔ پھر اس کے لئے بھی اس کے بعد نیستی کا مقام ہے۔ جو کہ کسی غیر کے تصرف کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا۔

پس وہ واقعات جو ولایت شیخ کے فیض سے آتے ہیں یا نبوت کی بارگاہ سے یا صفات خداوندی کی تجلیات سے آتے ہیں وہ فنا بخش ہوتے ہیں۔ اور جب تک حقیقی فنا حاصل نہیں ہوتی۔ تب تک حقیقی بقا۔ جو کہ سلوک کا لب لباب اور علت غائی ہے۔ حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس کے بعد واقعات کا دوسرا پہلو۔ جو کہ کشف۔ مشاہدات۔ تجلیٰ اور وصول کے متعلق ہے۔ انشاء اللہ العزیز ان تمام کو الگ الگ کر کے آگے چل کر اپنے اپنے مقام پر اختصار سے بیان کروں گا۔

انوار کے مشاہدات اور اس کے درجات

القرآن: مَاكَذَبَ الْفُوَادُ مَارَاٰى. اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَايَرٰى. وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى

ترجمہ: ''جو کچھ دیکھا اس میں انہوں نے جھوٹ نہیں بولا۔ رسول اللہ ﷺ نے جو جبرائیل علیہ السلام کو دیکھا کرتے ہیں تو کیا تم لوگ ان سے اس بات پر جھگڑتے ہو۔ حالانکہ جھگڑنے کی کوئی بات نہیں۔ کیونکہ انہوں نے تو معراج کے وقت سدرۃ المنتہٰی کے پاس کہ جہاں نیک بندوں کے رہنے کی جگہ جنت ہے۔ جبرائیل کو ایک دفعہ اور بھی اصلی صورت میں اپنے پاس آیا دیکھا تھا''۔

حضور اقدس ﷺ ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ

الحدیث: "الاحسان ان تعبدالله كالك تراه"

''احسان اس بات کا نام ہے۔ کہ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کر گویا کہ تو اسے دیکھ رہا ہے''۔

واضح ہو کہ جب دل کا آئینہ آہستہ آہستہ ''لا الٰہ الا اللہ'' کی ولایت کے تصرف سے صاف ہو جاتا ہے۔ اور طبیعت کا زنگار اور صفات بشریت کی تاریکی اس سے مٹ جاتی ہے

جیسا کہ

"ان لی کل شیء صقالة و صقالة القلوب ذکر اللّٰہ"

''بے شک ہر شے کوصقل کرنے والی ایک شے ہوتی ہے۔اور دلوں کو صاف کرنے والی چیز ذکرالٰہی ہے''۔

تو پھر دل غیبی انوار کوقبول کرنے لگتا ہے۔اور سالک دلی صفائی اور انوار کے ظہور کے مطابق ان انوار کے مشاہدات کے قابل ہو جاتا ہے۔اور ابتدائے حال میں یہ انوار زیادہ تر برق۔ چمک۔ روشنی کی صورت میں نمودار ہوتے ہیں۔ اور برق کی چمک کیلئے ہزارہا طرح کے شوق دل میں پیدا ہوتے ہیں۔ اور جوں جوں دلی صفائی بڑھتی جاتی ہے۔توں توں انوار بھی قوت کے ساتھ اس پر زیادہ ہوتے جاتے ہیں۔ برق اور چمک وغیرہ کے بعد دوسرے درجہ پر پھر چراغ۔ شمع۔ مشعل اور جلتی ہوئی آگ کی طرح انوار کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ جوعلوی انوار ہوتے ہیں۔وہ ابتداء میں چھوٹے چھوٹے ستاروں مثلاً چاند وغیرہ کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اور اس کے بعد پھر سورج کی طرح اور بعدازاں پھر محال سے مجرد انوار ظاہر ہوتے ہیں۔ ان تمام کی شرح تو بہت ہی طول اور طویل ہے۔ بہرحال میں اسے اختصار کے ساتھ ذکر کرتا جاؤں گا۔

واضح رہے۔ کہ انوار کے پیدا ہونے کے مقامات مختلف ہیں مثلاً سالک کی روحانیت۔ شیخ کی ولایت اور حبیب خدا ﷺ کی نبوت انبیاء علیہم السلام کی ارواح اولیائے کرام اور مشائخ عظام علیہ الرحمہ کی ارواح اور حضرت عزت ''لا الٰہ الا اللّٰہ'' کا ذکر۔ دیگر مختلف اذکار۔ قرآن مجید۔ ایمان۔ احسان۔ اسلام اور طرح طرح کی عبادات اور فرمانبرداریاں ان میں سے ہرایک کا ایک خاص نور ہوتا ہے۔اور ہر ایک سے ایک خاص قسم کے نور کا ظہور ہوتا ہے اور ان میں سے ہر ایک نور کا ذوق اور رنگ خاص ہی قسم کا ہوتا ہے۔ جب انوار پورے طور پر پردوں سے باہر نکلتے ہیں تو خیال کا تصرف ان میں باقی نہیں

رہتا۔ جبکہ رنگ بھی دور ہو جاتے ہیں۔ اور بغیر رنگ۔ صورت۔ مکان۔ شکل۔ ہستی اور کیفیت کے مشاہدے میں آتے ہیں۔

اور نور مطلق وہ نور ہے۔ جو کہ ان تمام سے پاک اور منزہ ہو۔ اور انوار جو مختلف رنگوں اور اِشکال میں نمودار ہوتے ہیں۔ یہ محض صفات بشری کی آلائش کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ روحانی نظر خیال کے پردے کے پیچھے سے ان کا ادراک کرتی ہے۔اور جب محض روحانیت سے واسطہ پڑتا ہے۔اور خیال کے حجابات سے نکل جاتے ہیں تو یہ صفت بھی کچھ نہیں رہتی۔ پھر بے رنگ وشکل کے ظاہر ہوتے ہیں۔ اور اس بات کی شرح کہ مختلف انوار کس کس مقامات سے مشاہدات میں آتے ہیں۔ وہ اس مختصر ترین کتاب کی گنجائش کے موافق سن لیجئے گا۔

واضح رہے۔ کہ جو کچھ بروق کی صورت میں نمودار ہوتا ہے۔ وہ کبھی تو ذکر کا نور ہوتا ہے۔اور کبھی اس طرح سے ہوتا ہے۔ کہ انوار روح کے غلبہ کی وجہ سے صفات بشری کے حجاب بادلوں کی طرح چھٹ جاتے ہیں۔ اور روحانیت کا پرتو بجلی کی کوند کی صورت میں مشاہدات میں آتے ہیں۔ اور لوامع ذکر کے نور کی وجہ سے ہوتے ہیں اس کے علاوہ وضو کے نور سے بھی ہو سکتے ہیں۔

چنانچہ ایک مرتبہ کا ذکر ہے۔ کہ شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مرید جب وضو کر کے خلوت خانہ میں گیا تو اسے نور کی چمک دکھائی دی۔ فوراً نعرہ مار کر باہر نکل آیا۔ اور کہنے لگا کہ میں نے اللہ رب العزت کو دیکھا ہے۔ شیخ صاحب نے جب احوال دریافت کئے تو فرمایا کہ اے ناتجربہ کار! وہ تیرے وضو کا نور تھا۔ بھلا ابھی تو کہاں اور وہ بارگاہ کہاں؟

لوائح نماز۔اسلام اور ایمان کے نور کے سبب پیدا ہوتے ہیں۔ اور بروق۔ لوامع اور لوائح کا باہمی فرق یہ ہے۔ کہ بروق برق کی طرح ہوتے ہیں۔ کوند کر جلدی رہ جاتے ہیں۔ اور لوامع میں چمک پے در پے ہوتی ہے۔ لیکن یہ بھی تھوڑی دیر تک رہ کر بس ہو جاتے

ہیں۔ اور لوائح آفتاب کی اس روشنی کی طرح ہوتے ہیں۔ جو کہ پانی یا آئینے سے منعکس ہو کر کسی مقام پر پڑتی ہے۔اور تھوڑی دیر تک رہتی ہے۔اور پھر چھپ کر رہ جاتی ہے۔

پس نماز۔قرآن۔ اسلام یا ایمان کے نور کا عکس دل کے آئینے پر پڑتا ہے۔اور اس سے لوائح پیدا ہوتے ہیں۔ اور اخلاص نیت اور دل کے آئینے کی صفائی کے مطابق ان لوائح میں نورانیت اور ذوق کم وبیش ہوتا ہے۔

لیکن وہ نور جو چراغ۔ شمع۔ مشعل وغیرہ کی صورت میں دکھائی دیتا ہے۔ وہ یا تو ولایت شیخ سے اقتباس کیا ہوا ہوتا ہے یا نبوت سے ''سراجاً منیراً'' اور یا علوم کے استفادہ سے یا قرآنی نور سے اور یا ایمانی نور سے وہ چراغ اور شمع دراصل دلی چراغ اور شمع ہوتے ہیں۔ اور جو اس قدر نور سے منور ہوتے ہیں۔ کہ جن مقامات کے متعلق نور کا اوپر ذکر ہو چکا ہے ان میں اگر قندیل کی صورت میں نمودار ہو۔تو وہ احسان کے مقام کے موافق۔ جو کہ دل میں ظاہر ہوا ہو۔ اس نورانیت کے مطابق عرفان کا نور ہوتا ہے۔اور اللہ رب العزت نے بھی نور معرفت کی مثال اسی سے ہی دی ہے۔

جیسا کہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے۔

''مَثَلُ نُورِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ'' (النور آیت ۳۵)

''اس کے نور کی مثال ایسی ہے۔ جیسے قندیل میں چراغ''۔

اور کچھ علویات مثلاً چاند۔ ستارے۔ سورج کی صورت میں دیکھتا ہے۔ یہ روحانیت کے انوار ہوتے ہیں جو دل کے آسمان پر اس کی صفائی کے موافق ظاہر ہوتے ہیں۔ جب دل کا آئینہ ستارے کے موافق صاف ہو۔تو روحانی نور ستارے کے موافق ہوتا ہے۔اور اسے آسمان پر ستارہ دکھائی دیتا ہے۔اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔کہ بے آسمان کے وقت بھی دکھائی دیتا ہے۔اور آسمان دل کا جسم ہوتا ہے۔اور ستارہ روح کا نور۔ یہ ستارہ دل کی صفائی کے مطابق چھوٹا۔ بڑا یا تھوڑا بہت آسمان پر دکھائی دیتا ہے۔اور اگر بغیر آسمان کے ستارے

دکھلائی دیں تو وہ دلی نور کا عکس ہوتا ہے یا عقلی نور کا عکس ہوتا ہے اور یا پھر ایمانی نور کا۔ جو کہ سینے کے خلا کی صفائی پر ظاہر ہوتا ہے۔اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔کہ نفس ایسا صاف اور پاکیزہ ہو جاتا ہے۔کہ آسمان کی طرح دیکھائی دیتا ہے۔اور دل اس میں چاند کی طرح دکھائی دیتا ہے۔اور اس حالت میں اگر دل کا آئینہ سارے کا سارا صاف ہے۔تو چاند بھی پورا دکھائی دیتا ہے۔اور اگر اس میں کسی قسم کی کدورت باقی ہے۔تو چاند بھی پورا دکھائی نہیں دیتا اور جب دل کا آئینہ بدرجۂ کمال صاف ہوتا ہے۔اور نور بھی روح کو قبول کرتا ہے۔اور آفتاب کی طرح دکھائی دیتا ہے۔ لہٰذا اس حالت میں جتنی صفائی زیادہ ہوگی۔ اتنا ہی سورج زیادہ چمکدار دکھائی دے گا۔ یہاں تک کہ ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ سورج سے بھی ہزار ہا گنا زیادہ چمکدار صورت نظر آئے گی اور اگر چاند سورج اکٹھے ہی ایک بار میں دکھائی دیں تو چاند دل ہوگا۔ جو کہ روحانی نور کے عکس سے منور ہوگا اور سورج روح کا جو دکھائی تو دے گا۔مگر ایسی حالت میں کہ وہ پردے کے پیچھے سے نکل رہا ہو۔اور خیال نے سورج کی صورت میں اس کی مناسب نقش بندی کی ہو یعنی جس طرح عالم کبریٰ خورشید کے نور سے منور ہے۔اور اس کے نور کا اثر سارے اعضاء کو پہنچتا ہے۔اور ان میں حس وحرکت ظاہر ہوتی ہے۔پس خیال نے اس مناسبت سے سورج کی صورت کی روح کی حقیقت کے موافق نقش بندی کی۔نہیں تو روحانی نور تو بے رنگ اور بے صورت ہے۔اور کبھی ایسا ہوتا ہے۔کہ سورج۔چاند اور ستارے کسی حوض۔ دریا۔ ندی۔کنویں اور آئینے میں دکھلائی دیتے ہیں۔

یہ تمام صورتیں روحانیت کے انوار کی وجہ سے ظہور میں آتی ہیں۔اور یہ دل کے مختلف مقامات ہوتے ہیں۔کہ جن کی نقش بندی خیال اس طرح کر دیتا ہے۔اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔کہ ایمان۔اطاعت۔تسبیح اور ذکر کے انوار کے سبب سے ہوتا ہے۔اور دل میں اسی قسم کی صورت مشاہدہ میں آتی ہے۔اور اسی طرح کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔کہ اللہ رب العزت کی صفات کے انوار کا پرتو تو

"من تقرب الی شبرًا تقربت الیه ذراعًا"

"جو میری طرف بالشت بھر بڑھتا ہے۔ میں ہاتھ بھر اس کے نزدیک آ جاتا ہوں"۔

کے مطابق استقبال کرتا ہے۔اور روحانی اور دلی حجاب کے پیچھے سے آئینہ اس کی صفائی کے مطابق دل پر عکس ڈالتا ہے۔جیسا کہ ابتدائے حال میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ہوا کہ

"فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ" (انعام' آیت ۷۶)

"پس جب رات ہوئی تو اس کے ستارے کو دیکھ کر کہہ دیا کہ یہی میرا رب ہے"۔

چونکہ ان (حضرت ابراہیم علیہ السلام) کی دلی کیفیت ستارے کے موافق تھی اس لئے وہ نور بھی ستارے کے نور کے برابر مشاہدے میں آیا۔جیسا کہ قرآن مجید میں وارد ہے کہ

"فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا" (انعام' آیت ۷۸)

"پس جب چاند کو نکلتے ہوئے دیکھا"۔

اور جب دل کا آئینہ بدرجۂ کمال صاف ہو گیا تو خورشید کی صورت میں مشاہدے میں آیا کہ

"فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَا اَكْبَرُ" (انعام' آیت ۷۸)

"پس جب سورج کو نکلتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ یہی میرا پروردگار ہے یہی بڑا ہے"۔

لیکن حقیقت میں جو حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی جان مشاہدہ کر رہی تھی وہ صفاتِ ربوبیت کے انوار کے پرتو کا عکس تھا۔ جو کہ دلی آئینہ میں دکھائی دیتا تھا۔لیکن روحانی اور دلی حجاب کے پیچھے مقام تلوین (طرح طرح) میں تھا۔ اسی لئے وہ غائب ہو جاتا تھا۔اور آپ فرماتے تھے۔کہ

"لَا اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ" (انعام آیت ۷۶)

"میں غروب ہو جانے والوں کو محبت نہیں کرتا"۔

یہ اس بات کا بیان ہے۔کہ وہ حجاب پیچھے تھا۔ جو کہ مختلف صورتوں میں دکھائی دیتا تھا۔ اور اللہ رب العزت کسی بھی صورت سے باکل پاک ہے۔اور اس بات کا بیان کہ یہ صفات حق کے انوار کا پرتو تھا جو مشاہدہ میں آتا تھا۔ یہ ہے۔کہ اللہ رب العزت کی تعریف سے دل کو شہودی ذوق حاصل ہوتا تھا۔ اور اس کی حقیقت پر حکم کرتا تھا۔ اور دل ایک صادق القول حاکم ہے۔ جو کچھ یہ دیکھتا ہے اس میں جھوٹ کی گنجائش ہی نہیں ہوتی۔ جیسا کہ قرآن مجید میں وارد ہے کہ

"مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی" (النجم آیت ۱۱)

"یعنی جو کچھ حضور سرکار دو عالم ﷺ نے دیکھا۔ اس میں انہوں نے جھوٹ نہیں ملایا"۔

اور جب تک صاحب دل نہ ہو وہ جھوٹ دیکھتا ہے۔"ھذا ربی" کہہ دینا بھی اسی پرتو کے سبب تھا۔ ہر ایک مقام پر جو انوار الٰہی دلی نظر کو دکھائی دیتے ہیں۔ وہی نور معرفت دل ہو جاتا ہے۔اور اپنے حال کی تعریف بھی خود ہی کرتا ہے۔اور جان کو بھی حظ سا معلوم ہوتا ہے۔ وہ اسی وجہ سے کہ وہ جانتا ہے۔کہ جو کچھ دیکھ رہا ہوں وہ حق کی طرف سے ہے نہ کہ غیر کی طرف سے اور ویسے بھی یہ ذوق معنوں کے متعلق ہے۔اور یہ عبارت میں نہیں سما سکتا اور نہ ہی اسے صاحب واقعہ کے علاوہ کوئی سمجھ ہی سکتا ہے۔ جبکہ یہ ذوق بھی فرق سے حاصل ہوتا ہے۔ اگر اللہ رب العزت کی معرفت کان کی راہ حاصل ہو جائے تو پھر ایسا ہوتا ہے۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہوا تھا۔ کہ

"اِنِّیْ اَنَا اللّٰہُ" (القصص آیت ۳۰)

"میں اللہ ہوں)

اور جب تک معرفت پردے پیچھے سے آتی ہے۔ وہ بالواسطہ آتی ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں وارد ہے کہ

"مِنۡ شَجَرَةٍ اَنۡ یّٰمُوۡسٰی" (القصص، آیت ۳۰)

''درخت سے آواز آئی۔اے موسیٰ''۔

اور جب حجاب دور ہو جاتا ہے۔تو واسطہ بھی سنتا ہے کہ

"وَکَلَّمَ اللّٰهُ مُوۡسٰی تَکۡلِیۡمًا" (النساء آیت ۱۶۷)

''اور موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے خاص کلام فرمایا''۔

اور اگر معرف نظر کی راہ آئے اور پردے بھی باقی ہوں تو باواسطہ آتا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق قرآن مجید میں وارد ہے کہ

"فَلَمَّا رَا الشَّمۡسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّیۡ" (انعام آیت ۷۸)

''پس اس نے سورج کو طلوع ہوتے دیکھا تو کہا کہ یہی میرا رب ہے''۔

جب تک خاص ذوق کی حقیقت بات میں ظاہر نہیں ہوتی۔ تب تک زبان کا ترجمان ''انا ربك'' کی تعریف سے "هٰذَا رَبِّیۡ" نہیں کہتا اور جب حجاب بالکل دور ہو جاتے ہیں تو بے واسطہ۔ جیسا کہ حضور سرور کائنات ﷺ کو ہوا تھا۔ کیونکہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

"مَا کَذَبَ الۡفُؤَادُ مَا رَاٰی. اَفَتُمٰرُوۡنَهٗ عَلٰی مَا یَرٰی" (النجم آیت ۱۱-۱۲)

''یعنی رسول اللہ ﷺ نے جو کچھ دیکھا۔ اس میں انہوں نے جھوٹ نہیں ملایا۔کیا تم ان سے اس بات پر جھگڑتے ہو کہ انہوں نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو دیکھا''۔

حضرت سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ

"رَاٰی قَلۡبِیۡ رَبِّیۡ"

''میرے دل نے میرے رب کو دیکھا''۔

وہ بھی اس چاشنی کے سبب سے تھا۔ اور حضور اقدس ﷺ بھی مقام احسان کے

بیان میں اسی ذوق کے حصول میں واضح اشارہ فرماتے ہیں۔ کہ

"الاحسان ان تعبد الله كانك تراه"

''احسان اس بات کا نام ہے۔ کہ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کر کہ گویا تو اسے دیکھ رہا ہے''۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے متعلق سوال

اگر کوئی سوال کرے کہ سورج۔ چاند۔ ستاروں کے متعلق جو کچھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مشاہدہ ہوا۔ وہ عالم باطن میں تھا یا کہ عالم ظاہر میں تھا۔

جواب

اس سوال کا جواب یوں ہے۔ کہ جب دلی آئینہ صاف ہوتا ہے۔ تو بہت ہی کم فرق ہوتا ہے۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے۔ کہ یہ مشاہدات غیب میں عالم دل سے بواسطہ خیال دیکھتا ہے۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے۔ کہ عالم شہادت میں کسی چیز میں بوسیلہ حسن جو اس سے مناسبت رکھتی ہے۔ اور انوار حق کا محل ظہور ہو سکتی ہے۔ جیسے سورج۔ چاند۔ ستارے جو انوار حق کے پر تو کے عکس کو قبول کر سکتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

''اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ'' (النور' آیت ۳۵)

''اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کا نور ہے''۔

حقیقت میں ان کا دیکھنے والا دل ہے۔ اور دکھلانے والا اللہ رب العزت ہے۔ اور ''ھذا ربی'' کا معرف اللہ رب العزت ہو۔ اور دل اس ذوق کی قبولیت کی استعداد رکھتا ہو۔ تو غیب۔ شہادت۔ ظاہر۔ باطن یکساں ہے۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے۔ کہ دل کی صفائی کمال کو پہنچ جاتی ہے۔ اور حجاب بھی شفاف ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

"سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ" (حم السجدہ آیت ۵۳)

"عنقریب ہم اپنی نشانیاں ان کو جہان میں اور ان کی جانوں میں دکھائیں گے"۔

کی دکھاوٹ اچھی طرح معلوم ہو جاتی ہے۔اور اگر اپنے تئیں دیکھتا ہے۔تو بھی حق ہی دکھائی دیتا ہے۔اور اس مقام پر پہنچ کر بندے کے اندر سے "اناالحق" کی آواز نکلتی ہے۔اور اگر وہ موجودات کی طرف دیکھتا ہے۔تو بھی ہر ذرّے میں اللہ رب العزت ہی دکھائی دیتا ہے۔جیسا کہ میرے "شیخ حضرت سید افتخار احمد حسین گیلانی رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین درگاہ حضرت محبوب ذات" فرمایا کرتے تھے۔کہ

"مانظرت فی شیء الا ورایت اللہ فیہ"

"میں نے جس چیز پر نگاہ کی اسی میں اللہ تعالیٰ کو دیکھا"۔

اور اگر شہود کے ناپیدا کنار سمندر میں مستغرق ہو جائے اور وجود مشاہدہ ہو جائے تو شاہد کا وجود باقی رہ جاتا ہے۔اور وہ حالت ہو جاتی ہے۔ جو کہ "حضرت خواجہ جنید بغدادی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔کہ

"مَافِي الْوُجُوْدِ سِوَى اللّٰهِ"

"میرے وجود میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کچھ نہیں"۔

اس مقام پر جمال شاہد کا شہود انسان کے آئینے میں شاہد کے نظر آتا ہے۔

لیکن انوار کے رنگ۔ جو کہ ہر ایک مقام میں مشاہدے میں آتے ہیں۔ اس مقام کے موافق مختلف ہوتے ہیں مثلاً نفس کے مقام میں نیلگوں نور ظاہر ہوتا ہے۔اور روح کے نور اور ذکر کے نور اور نفس کی تاریکی سے مل کر اس کی یہ رنگت ہو جاتی ہے۔کہ مبتدی صوفی۔ جو کہ نیلا لباس پہنتے ہیں۔ وہ اسی مقام کا نشان ہے۔کسی وقت یہ گروہ مقام کے موافق اپنا لباس رنگا کرتے تھے۔ اور جب نفس کی تاریکی کم ہو جاتی ہے۔اور روح کا نور زیادہ ہو جاتا ہے۔تو سرخ رنگ کا نور دکھائی دیتا ہے۔اور جب روح کا نور غالب آ جاتا

ہے۔تو زرد رنگ کا نور ظاہر ہوتا ہے۔اور جب نفس کی تاریکی بالکل نہیں رہتی تو سفید رنگ کا نور ظاہر ہوتا ہے۔اور جب روح کا نور دل کی صفائی کے ساتھ مل جاتا ہے۔تو سبز رنگ کا نور ظاہر ہوتا ہے۔اور جب دل بالکل صاف ہو جاتا ہے۔تو آفتاب کی طرح نور ظاہر ہوتا ہے۔اور جب دلی آئینہ بدرجہ کمال صقل ہو جاتا ہے۔تو آفتاب کے ایسے نور کی طرح جو صاف آئینے میں اپنی کمالیت پر چمکتا ہے۔تو ایک نور دکھائی دیتا ہے۔کہ جسے دیکھ کر آنکھوں میں چکا چوند آ جاتی ہے۔

مقام شہود

جب نور حق روح پر عکس ڈالتا ہے۔تو مشاہدہ ذوق شہود کے ساتھ مل جاتا ہے۔اور جب نور حق روحی اور دلی حجاب کے بغیر ظاہر ہوتا ہے تو بے رنگی۔ بے کیفیتی۔ بے حدی۔ بے مثلی۔ بے نہایتی اور بے ضدی کا ظہور ہوتا ہے۔ پھر تمکین اور تمکن اس کے لوازمات ہوتے ہیں۔ پھر یہاں پہنچ کر طلوع رہتا ہے۔ نہ غروب۔ نہ دایاں رہتا ہے نہ بایاں نہ اوپر نہ نیچے۔ نہ مکان نہ زمان۔ نہ قرب نہ بعد اور نہ دن نہ رات جیسا کہ

"لَیْسَ عِنْدَاللّٰہِ صَبَاحٌ وَّلَا مَسَاءً"

''اللہ تعالیٰ کے نزدیک دن رات یکساں ہیں''۔

یہاں پر نہ عرش ہے نہ فرش۔ نہ دنیا اور نہ آخرت۔ ابتداء میں صفات جمال کے انوار۔ جو کہ عالم خداوندی سے ہوتے ہیں۔لہٰذا مقام شہود میں اس قسم کے تصرفات فنا ظاہر ہوتے ہیں۔ جیسا کہ اس سے پہلے میں اوپر بیان کر چکا ہوں۔لیکن صفات جلال کے انوار۔ جو کہ قہر خداوندی کے عالم سے ہیں وہ فناء الفناء کے مقتضی ہیں۔''میں ان احوال کی شرح بیان کرنے کی جرات نہیں کرسکتا''۔

کیونکہ اس قسم کے احوال اعیانی ہیں۔ بیانی نہیں ہوتے۔ بلکہ عینی ہوتے ہیں۔ آئینی

ہرگز نہیں ہوتے۔ پہلے پہل جلا دینے والا نور ظاہر ہوتا ہے۔کہ جس میں۔ جیسا کہ اس کا قرآن مجید میں بجا طور پر ذکر موجود ہے کہ

"لَا تُبْقِيْ وَلَا تَذَرْ" (مدثر' آیت ۲۸)

''نہ باقی رہنے دے اور نہ چھوڑے''۔

کی خاصیت ظاہر ہوتی ہے۔اور فی الحقیقت ساتوں دوزخ اسی نور کا پرتو ہیں۔ اور صفات جمال کے انوار مشرق ہیں نہ کہ محرق۔ ہر ایک عقل اور فہم ان معانی کا ادراک نہیں کرسکتی اور کبھی ایسا ہوتا ہے۔کہ صفات جلالی کے انوار محض ظلمانی ہوتے ہیں۔اور عقل ظلمانی نور کو کس طرح سمجھ سکتی ہے۔ کیونکہ عقل

"جمع بين الضدين"

کو محال جانتی ہے۔ لہٰذا اگر تم لوگ سمجھ سکتے ہو۔تو وہ اشارہ جو حضور اقدس ﷺ نے فرمایا! ہے کہ ''دوزخ کو اتنے ہزار سال تک گرم کرتے رہے۔ کہ سرخ ہوا۔ پھر اتنے ہزار سال تک اور بھی گرم کیا تو سفید ہوا۔ پھر اتنے ہزار سال تک اور گرم کیا تو سیاہ ہوا اور اب بھی سیاہ ہے''۔ وہ اسی قسم کا ہے۔ لہٰذا سیاہ آگ کو عقل کس طرح سمجھ سکتی ہے۔اور اسی وجہ سے کہ وحدت اور وحدانیت کی حقیقت ہے۔ لہٰذا تم دیکھو گے کہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

"اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" (النور' آیت ۳۵)

''اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کا نور ہے''۔

اور انہی معانی کیلئے نور اور تاریکی کا ثبوت لفظ جعلیت سے فرمایا نہ کہ لفظ خلقیت سے فرمایا۔ کیونکہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے۔

"خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْر" (انعام' آیت ا)

''زمین و آسمان کو پیدا کیا۔ اور تاریکی اور نور کو بنایا''۔

اس آیت میں خلقیت کا درجہ اور رکھا اور جعلیت کا درجہ اور بنایا۔

لہٰذا اس اشارے کے ضمن میں بہت سے معانی ہیں۔ کہ جن کو ہر ایک عقل سمجھ ہی نہیں سکتی۔ لیکن جب صفات جلال فنا الفناء کے مقام میں ہیبت الوہیت کا رعب و دبدبہ ظاہر کرتی ہے۔ تو ایک سیاہ نور فنا کر دینے والا۔ باقی رکھنے والا اور زندہ کرنے والا ظاہر ہوتا ہے۔ کہ جس سے بڑائی کا دبدبہ اور طلسم اعظم کی شکست اور مبہم رسوم کا دور ہونا ظاہر کرتا ہے۔ چنانچہ ''شیخ احمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ'' اس بارے میں ایک رمز فرماتے ہیں۔

دیدیم نہاں گیتی واصل جہاں
ورغلت و عار برگز شتیم آساں
از نور سیسہ زلا نقط برترواں
زاں نیز گزشتیم نہ ایں ماند نہ آں

حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے مطابق کہ

"اونا الا شیاء کماھی"

''اے پروردگار! ہمیں چیزیں ایسی دکھا۔ جیسی ہیں''۔

کی استدعا میں انوار لطف وقہر کی صفات کا ظہور طلب کرتے ہیں۔ کیونکہ دونوں عالم وجودی میں جو چیز ہے اس کی صفات ذاتی ہوتی ہیں۔ اور وہ صفات یا تو اس کے لطف کے انوار کا پرتو ہوتی ہیں یا پھر اس کے قہر کی صفات کا پرتو نہیں تو کسی چیز کا حقیقی وجود۔ جو کہ قائم بالذات خود ہو نہیں ہے۔ کیونکہ حقیقی وجود صرف اور صرف اللہ رب العزت ہی کا ہے۔ جیسا کہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

"هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ" (حدید' آیت ۳)

''وہی اول ہے۔ وہی آخر ہے۔ وہی ظاہر ہے۔ وہی باطن''۔

اور باقی جو کچھ بھی ہے۔ وہ اسی سے ہے یا وہ ہے۔ لہٰذا میں نے بات کو صاف صاف

بیان کر دیا ہے۔

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے کہ

دل جزو حقیقت است تن پوست ببین
درکسوت روح صورت دوست ببین
ہر چیز کہ آں نشان ہستی وارد
یا سایۂ نور اوست یا اوست ببین

مکاشفات اور ان کی اقسام

القرآن: فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَ كَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ (ق، آیت۲۲)

ترجمہ: پس ہم نے حجاب تیری نظر سامنے سے ہٹائے۔ تیری نظر تیز ہو گئی۔

الحدیث: "حجابه النور لو كشفها لاحترقت سبحات وجه ما انتهى اليه بصره"

ترجمہ: اس کا حجاب نور ہے۔ اگر اس حجاب کو دور کر دے تو اس کے چہرے کی تیزی ان سب چیزوں کو جلا دے جن تک نگاہ کام کرتی ہے۔

واضح رہے۔ کہ کشف کا معنی کسی چیز کا حجاب سے اس طرح نکلنا ہے۔ کہ صاحب کشف اس چیز کا ادراک کسی ایسی صفت سے کرے کہ جس کا اس نے اس سے پیشتر نہ کیا ہو۔ جیسا کہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَ كَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ (ق، آیت۲۲)

"یعنی تیری نظر کے سامنے سے ہم نے حجاب ہٹا لئے اور پھر تیری نظر تیزی ہو گئی"۔

جبکہ حجاب سے مراد وہ موالغات ہیں۔ کہ جن کے سبب انسان کی آنکھیں اللہ رب العزت کے کمالات کے مشاہدات سے محجوب اور ممنوع رہتی ہیں۔ اور وہ تمام دنیا اور

آخرت کے مختلف عالم ہیں۔ جو کہ ایک روایت کے مطابق اٹھارہ ہزار ہیں۔

دوسری روایت کے مطابق تین لاکھ ساٹھ ہزار ہیں۔ جبکہ ''میرے خیال کے مطابق معتبر روایت کے مطابق ستر ہزار عالم بھی ہیں۔ جو کہ سب سے زیادہ معتبر روایت ہے''۔ جیسا کہ صحیح حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ

"ان اللہ تعالیٰ سبعین الف حجاب من نور و ظلمة"

''اللہ تعالیٰ نور اور تاریکی کے ستر ہزار پردے ہے''۔

اور یہ ستر ہزار عالم انسان ہی کے وجود میں موجود ہیں۔ اور ہر عالم کے مطابق انسان کو ایک آنکھ عطا ہوتی ہے۔ کہ جس سے حالت کشف میں وہ عالم دکھائی دیتا ہے۔ اور یہ ستر ہزار عالم انسان ہی میں مندرج ہیں۔ کہ جن کو نور اور ظلمت سے تعبیر کیا گیا ہے یعنی ملک اور ملکوت کہ جن کو غیب اور شہادت بھی کہتے ہیں۔ جسمانی اور روحانی بھی۔ جبکہ دنیا اور آخرت بھی اسی سے مراد ہے۔ اصل میں تمام ایک ہی ہیں۔ صرف ان کے نام مختلف ہیں۔ اور انسان ان دونوں عالموں کا مجموعہ ہے۔ جو کہ قدرت الٰہی نے ضدین میں ملا دیا ہے۔ اور ستر ہزار آنکھیں کہ جس سے مراد ستر ہزار عالم کا ادراک حاصل ہوتا ہے۔ اور دونوں عالم انسان کے مدرکات میں مندرج کئے ہیں مثلاً پانچوں حواس۔ جو کہ انسان کی جسمانیت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور تمام عالم جسمانیات کا ادراک انہیں ان پانچ حسوں سے ہی ہوتا ہے۔

اور مدرکات باطنی قوائے بشریٰ سے اور پانچوں حواس۔ جو کہ انسان کی روحانیت سے تعلق رکھتے ہیں ان سے تمام عوالم روحانیت کا ادراک کرے اور انہیں عقل۔ دل۔ سرّ۔ روح اور خفی کہتے ہیں۔ مگر اہل سلوک کی اصطلاح میں مکاشفات کا اطلاق ان معنوں پر ہوتا ہے۔ جو کہ پانچوں حواس باطنی سے مدرک ہوتا ہے۔ نہ ان پر کہ جن کو حواس ظاہری ادراک کرتے ہیں یا بشریٰ قوائے۔ جو کہ حواس کے تابع ہوتے ہیں۔ پس جب صادق سالک

ارادت کے جذبہ سے طبیعت کے ''اسفل السافلین'' سے شریعت کی ''اعلیٰ علیین'' کی طرف رخ کرتا ہے۔اور صدق کے قدم سے طریقت کی راہ مجاہدہ اور ریاضت کے قانون کے موافق متابعت کے بدرقے کی پناہ میں طے کرنی شروع کرتا ہے۔''اور ان ستر ہزار حجابات سے جس حجاب سے بھی گزرتا ہے۔ اسی مقام کے مناسب اس کی وہی آنکھ کھل جاتی ہے۔کہ جس سے اس مقام کے احوال ان کے منظور نظر بن جاتے ہیں''۔

کشف نظری

پہلے اس کی عقلی آنکھ کھلتی ہے۔اور رفع حجاب اور صفائی عقل کے مطابق معقول معانی دکھائی دیتے ہیں۔ اور معقول اسرار منکشف ہوتے ہیں۔ اسی کو کشف نظری بھی کہتے ہیں۔ مگر اس پر اس قدر بھروسہ نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ جو چیز دکھائی تو دے۔لیکن طے نہ ہو وہ قابل اعتبار نہیں ہوتی۔

مصرعہ

نے ہر چہ بینی بتو بخشند اے دل

ان گنت اور لاتعداد فلاسفر اور حکیم حضرات اس مقام میں رہ گئے اور اپنی تمام ہمت اور وسائل عقل کی تجرید اور معقولات کے ادراک پر صرف کر دی اور اپنی عمریں ایسے ہی برباد کرلیں اور اسی کو مقصد حقیقی کا ملنا خیال کیا۔ اور اسی کو اصل مقصد قرار دیا۔ اور دوسرے مدرکات کے فوائد سے محروم رہ گئے اور انکار کر دیا۔ اور گمراہی کے جنگل میں پھنس کر خود بھی اصل راہ بھول گئے اور لوگوں کو بھی بھلا دیا۔ اور پھر بھی شیطان لعین کی طرح اپنی گمراہی پر راضی نہ تھے اس لئے دوسروں کو گمراہ کرنا شروع کر دیا''۔ جیسا کہ

''قَدْ ضَلُّوا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوا كَثِيْرًا''

''بے شک انہوں نے گمراہی اور زیادہ گمراہی کی''۔

کشف شہودی

اور جب معقولات کے کشف سے عبور کیا۔ تو دلی مکاشفات ظاہر ہوئے کہ جن کو کشف شہودی کہتے ہیں۔ اس میں مختلف انوار کشف ہوتے ہیں۔ کہ جن میں سے کچھ کا مفصل حال میں پچھلے صفحات میں بیان کر چکا ہوں۔

کشف سری

اس کے بعد مکاشفات سرّی ظاہر ہونا شروع ہوتے ہیں۔ کہ جن کو الہامی کشف کہتے ہیں۔

اس مقام پر پہنچ کر ہر چیز کے وجود کی حکمت اور اس کی پیدائش کے اسرار ظاہر اور مکشوف ہوتے ہیں۔

کشف روحی

اس کے بعد مکاشفات روحی ظاہر ہوتے ہیں۔ کہ اس کو روحانی کشف بھی کہا جاتا ہے۔ اس مقام کے شروع میں مختلف عروجوں کا کشف۔ جنت کی نعمتیں۔ دوزخ اور فرشتوں کا دیکھنا اور ان سے کلام کرنا میسر ہوتا ہے۔اور روح کو جسمانی کدورتوں سے بالکل صفائی حاصل ہو جاتی ہے۔تو اس کے بعد ناختم ہونے والے عوالم مکشوف ہوتے ہیں۔ اور ازل وابد کا دائرہ آنکھوں کونصیب ہوتا ہے۔

یہاں پہنچ کر زمان اور مکان کے حجابات اٹھ جاتے ہیں یہاں تک کہ زمانہ ماضی کے حالات زمانہ حال میں منکشف ہو جاتے ہیں۔ اور بعض ایسے بھی ہوتے ہیں۔ کہ جن کو موجودات کے شروع سے لے کر اب تک کے حالات بالکل عیاں ہوتے ہیں۔ جیسا کہ حارث نے کہا ہے کہ

"کانی انظر الی اهل الجنة یتزادرون والی اهل النار یتعادون"
''گویا کہ میں اہل جنت کو ایک دوسرے کی طرف مائل اور اہل دوزخ کو ایک دوسرے سے پرے تنہا دیکھتا ہوں''۔
حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے! کہ
"عرضت علی الجنة فرایت اکثر اهلها المساکین و عرضت علی النار فرایت اکثر اهلها النساء"
''جنت میرے آگے پیش کی گئی تو اس کے رہنے والے اکثر مسکین تھے۔ اور جب دوزخ دکھایا گیا تو اس کی رہنے والی اکثر عورتیں تھیں''۔

لہٰذا جب دنیاوی زمان اور مکان کے حجاب اٹھ جاتے ہیں تو اس کے بعد اخروی زمان و مکان مکشوف ہوتے ہیں اور اس مقام میں یہ حالت ہو جاتی ہے۔ کہ جہالت کے حجاب سامنے سے اٹھ جاتے ہیں۔ اس کے بعد آگے اور پیچھے اسے یکساں دکھائی دیتا ہے۔ حضور سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے! کہ
"یایها الناس انی امامکم فلا تسبقوانی بالرکوع ولا بسجود ولا ترفعوا رؤسکم فانی الیکم من امامی ومن خلقی"
''اے لوگو! بے شک میں تمہارا امام ہوں۔ پس رکوع اور سجود میں مجھ سے سبقت نہ لے جاؤ اور نہ اپنے سر اٹھاؤ۔ کیونکہ میں تمہیں اپنے سامنے اور پیچھے یکساں دیکھتا ہوں''۔

اس کے علاوہ اور بہت سی خرق عادات کہ جن کو کرامات کہا جاتا ہے وہ بھی اسی مقام میں ظاہر ہوتی ہیں۔

مثلاً حوالہ کی واقفیت اور مغیبات کا جاننا۔ پانی اور آگ و ہوا پر چلنا اور زمین وغیرہ کا طے کرنا۔ بہرحال میرے نزدیک اس قسم کی کرامات کا چنداں اعتبار نہیں ہوتا۔

کیونکہ یہ اہل دین اور بے دین دونوں کو ہی حاصل ہوسکتی ہے۔ جیسا کہ حضور اقدس ﷺ نے ایک صحابی کے خواب کے جواب میں ارشاد فرمایا: کہ

"ما تری قال رای عرش علی الماء فقال علیه السلام ذاك عرش ابلیس"

''تم کو کیا دکھائی دیتا ہے اس نے عرض کیا کہ عرش پانی پر تو حضور اقدس ﷺ نے فرمایا! کہ یہ شیطان کا عرش ہے''۔

''دوسرے یہ کہ اس قسم کی خرق عادات زیادہ تر دجال میں ہوں گی''۔

کیونکہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''وہ انسانوں کو مارے گا بھی اور زندہ بھی کرے گا''۔

لیکن جسے اصلی کرامت کہتے ہیں وہ اہل زمین ہی کو حاصل ہوتی ہے۔ وہ یہ ہے۔ جو کہ روحی کشف سے خفی کشف ظاہر ہوتا ہے۔

خفی کشف

اس لئے کہ روحی کشف مسلمان اور کافر دونوں کو ہوتا ہے۔ مگر خفی اور روحی ایک خاص مقام ہے۔ جو کہ بارگاہ الٰہی کے خاصوں کے سوا کسی اور کو عطاء نہیں ہوتا۔ جیسا کہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

''كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ (المجادلہ آیت ۲۲)

''ان کے دلوں میں ایمان لکھا گیا ہے۔ اور ان کو اس کی روح سے تائید حاصل ہے''۔

پھر ایک اور جگہ پر اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے! کہ

''وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا

الْاِیْمَانُ وَلٰـکِنْ جَعَلْنَاهُ نُوْرًا نَّهْدِیْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا"

(الشوریٰ، آیت ۵۲)

"اور اسی طرح ہم نے اپنے امر سے ایک روح بطور وحی تیری طرف بھیجی۔ تجھے یہ معلوم نہ تھا کہ کتاب کیا ہے۔ اور ایمان کیا ہے۔ لیکن ہم نے ہی اسے نور بنایا کہ جس سے ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں اس کی رہنمائی کرتے ہیں"۔

یعنی حضرتِ حق نور بعض بندوں کو عطا کرتے ہیں۔ تاکہ اس کے وسیلے صفات خداوندی کے عالم کی راہ ان کو مل جائے۔

مصرعہ۔ "ہم رخش رستم کشد رستم را"

جس طرح دل عالم جسمانی اور عالم ملکوتی کا وسیلہ ہے۔ اور اس کا ایک رخ عالم ملکوت میں ہے۔ اور دوسرا عالم جسمانی میں ہے۔ تاکہ اس رخ سے کہ جو عالم ملکوت کی طرف ہے۔ روحانیات کے انوار کے آثار اور معقولات نفس اور بدن دونوں کو پہنچائے۔

اور سرّ عالم دل اور عالم روح کا وسیلہ ہے۔ تاکہ اس رخ سے جو عالم ارواح کی طرف ہے۔ روح کے فیض سے مستفید ہو۔ اور اس رخ سے۔ جو کہ عالم دل کی طرف ہے۔ فیض روح کے حقائق دل کو پہنچائے۔ اسی طرح خفی صفات خداوندی کے عالم اور روحانیت کے عالم کا وسیلہ ہے۔

کشف صفاتی

تاکہ صفات حضرتِ حق کے مکاشفات کے قابل ہو جائے اور ان اخلاق کا عکس روحانیت میں پہنچائے۔ تاکہ "تخلقوا باخلاق اللّٰه" کے شرف سے مشرف ہو جائے۔ اس کو کشف صفاتی کہتے ہیں۔

اس حالت میں اگر عالمی صفت سے مکاشف ہو جائے تو پھر علم لدنی ظاہر ہوتا ہے۔اور اگر سمیعی صفت سے ہو۔تو کلام اور خطاب بھی سنائی دیتے ہیں۔

اور اگر بصیری صفت سے مکاشف ہو۔تو رویت اور مشاہدہ ظاہر ہوتا ہے۔

اگر جمال کی صفت سے مکاشف ہو۔تو شہود حضرتی کا ذوق ظاہر ہوتا ہے۔اور اگر جلالی صفت سے مکاشف ہو۔تو حقیقی فنا ظاہر ہوتی ہے اگر وحدانیت کی صفت سے مکاشف ہو۔تو وحدت ظاہر ہوتی ہے۔لہٰذا باقی صفات کو بھی اسی طرح قیاس کر لیں۔

کشف ذاتی

کشف ذاتی کا مرتبہ بہت ہی بلند ہے۔"بلکہ اس کے بیان سے کوئی بھی عبارت زبان اور اشارات عاجز ہیں۔ اور نہ ہی مجھ میں اتنی جرأت ہے۔کہ اس موضوع کو سپرد قلم کر سکوں"۔

کسی شاعر نے کتنا خوب فرمایا ہے۔کہ

تابر سر کوئے عشق تو منزل مااست

سرّ دوجہاں بجملہ کشف دل مااست

تو آنجا کہ قدم گاہ دل مقبل مااست

مقبول ہمہ جہانیاں حاصل ما است

تجلیٰ ذات اور صفات خداوندی

القرآن: فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا

(اعراف' آیت ۱۴۳)

ترجمہ: ''پس جب کوہ طور پر تجلیٰ کی کہ وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ اور موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے''۔

الحدیث: اذا تجلی اللّٰہ لشیء خصع لہ

ترجمہ: ''جب اللہ تعالیٰ کسی شے پر تجلیٰ ڈالتا ہے۔ تو اسے عاجز اور فروتن کر دیتا ہے''۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر ایک اور جگہ ارشاد فرمایا کہ

الحدیث: ''ان اللّٰہ خلق ادم فتجلی فیہ''

''بے شک اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا۔ اور اس میں تجلیٰ کی''۔

واضح رہے۔ کہ تجلیٰ سے مراد ذات و صفات خداوندی کا ظہور ہے۔ جیسا کہ انشاء اللہ العزیز اس موضوع کو آگے چل کر مفصل طریقہ سے بیان کروں گا۔

بہر حال روح کو بھی تجلیٰ ہوتی ہے۔ اس بارے میں سالکین کو اکثر غلطی واقع ہوتی

ہے۔اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔کہ صفات روح ذات روح کے ساتھ تجلی کرتی ہے۔اور سالک کو تجلیٔ حق کا سا ذوق حاصل ہوتا ہے۔اور ''بہت سے سالکین اسی مقام میں پہنچ کر مغرور ہو جاتے ہیں۔اور یہ خیال کرتے ہیں۔کہ بس ہمیں تجلیٔ الٰہی نصیب ہوگئی ہے۔اگر اس وقت کوئی صاحب تصرف اور کامل شیخ ان کی مدد نہ کرے۔تو اس بھنور سے ان سالکین کی رہائی پانا بہت دشوار ہو جاتا ہے''۔اگرچہ مقتدمین مشائخ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین نے ان حقائق کے کشف میں بہت کم کوشش کی ہے۔اور جہاں تک ممکن ہو سکا ہے اس کو غیر سے پوشیدہ رکھا ہے۔

مگر پھر بھی راقم الحروف اس بناء پر ''کہ بہت سے بے معنی مدعی اس گروہ میں آ ملے ہیں۔اور شیطان کی پھسلاوٹ اور نفس کے مکر سے مغرور ہو گئے ہیں۔اور چند بوسیدہ اور سنی سنائی باتیں لے کر یہ خیال کر بیٹھے ہیں۔کہ ہم نے تو اس راہ کا مقصد اور مقصود پا لیا ہے۔اور مردانِ خدا کے مشارب کا ذوق حاصل کر لیا ہے۔اور اپنے تئیں سلطنت میں جائز التصرف خیال کرتے ہیں۔اور ملحد اور زندیق ہو گئے ہیں''۔جیسا کہ ایک بزرگ نے فرمایا ہے۔کہ

پوشیدہ مرقع اندریں خامے چند
بگرفتہ زطامات الف لامے چند
نارفتہ رہ صدق و صفا گامے چند
بدنام کنندہ نکونامے چند

راقم الحروف کا دل تو بہت چاہتا ہے۔کہ ان مدعیوں کی جانچ پرکھ کیلئے سلوک کے کچھ احوال اور مقدمات کا ذکر کروں۔تا کہ وہ اس کسوٹی پر اپنے آپ کو پرکھیں اور اگر ان احوال میں سے اپنے آپ میں کچھ نہ پائیں تو کم از کم شیطان لعین کی پھسلاوٹ اور مکر و فریب اور نفس کی گھات سے بچیں اور سیدھی راہ کا رخ کریں۔جو کہ تابعداری کا راستہ ہے۔اور اگر

ان لوگوں میں طلب کی کچھ راہ باقی ہے۔ تو کسی ایسے صاحب دولت کا دامن پکڑیں کہ جس کے وسیلے وہ لوگ اصلی مقصد تک پہنچ پائیں۔ جیسا کہ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا ہے! کہ

"وَاْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ اَبْوَابِھَا"

"گھروں میں دروازوں کی راہ داخل ہو"۔

اور نیز (احوال اور مقامات کا ذکر) محقق طالبین اور صادق مریدین کیلئے راہ صواب کا رہنما اور جائے بازگشت کیلئے شوق دلانے والا ہو۔

اب راقم الحروف تائید ربانی اور توفیق یزدانی سے تجلی کی شرح اور روحانی اور ربانی تجلی کا فرق بیان کرنا چاہتا ہوں۔

تجلی کی شرح۔ روحانی اور ربانی تجلی میں فرق

واضح رہے۔ کہ جب دل کا آئینہ ماسوی اللہ رب العزت کے وجود کی کدورت سے صاف ہو جاتا ہے۔ اور بدرجۂ کمال صفائی حاصل کر لیتا ہے۔ تو جمال دولت کے آفتاب کے چمکنے کی جگہ اور ذات حق کا جام جہاں بن جاتا ہے۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ جس شخص کو دلی صفائی حاصل ہو جائے۔ اسے تجلی کی سعادت بھی حاصل ہو کیونکہ

"ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ"

"یہ فضل الٰہی ہے جسے چاہتا ہے عنایت کرتا ہے"۔

مگر اتنا ضرور ہے۔ کہ جو دل صاف ہے وہ اس سعادت کے قابل ضرور ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت شیخ عبداللہ انصاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ تجلی حق اچانک آتی ہے۔ لیکن واقف دل پر آتی ہے اس کے علاوہ حضرت شیخ علی یونانی حضرت خواجہ ابوبکر ساسان کے متعلق فرماتے ہیں۔ کہ خواجہ صاحب نے فرمایا! کہ جو شخص دوڑا۔ اس نے قبر کو پکڑا۔ البتہ

جو اس سے دوڑا اسے قبر نے پکڑ لیا۔

یہ بھی ممکن ہے۔ کہ ابتداء میں جب دل کا آئینہ صفات بشریت اور زنگار طبیعت سے صاف ہو جاتا ہے۔ اور بعض صفات روحانی دل پر تجلی کرتی ہیں۔ اور یہ تجلیات انوار روحانیت کے غلبہ کی وجہ سے ہوتی ہیں۔ اور یہ بھی ہوتا ہے۔ کہ ذکر کا نور اور طاعت کا نور انوار روح پر غلبہ کرتا ہے۔ پھر روحانیت کا دریا ٹھاٹھیں مارنے لگتا ہے اور لہروں کی فوج دل کے ساحل پر حملہ آور ہوتی ہے۔ کہ جس سے آئینہ دل کی صفائی پر تجلی نمودار ہوتی ہے۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے۔ کہ روح تمام صفات سے تجلیٰ میں آتی ہے۔ اور یہ حالت تمام صفات بشریٰ کے آثار کے بالکل مٹ جانے سے حاصل ہوتی ہے۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ ذکر ذاکر کا نور ذکر مذکور کے نور سے مل کر تجلی مذکور کا ذوق بخشتا ہے۔

دراصل وہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ کبھی ایسا ہوتا ہے۔ کہ ذات روح۔ جو کہ خلیفۂ حق تعالیٰ ہے۔ تجلی میں آتی ہے۔ اور خلافت حق میں ''انا الحق'' کا عویٰ کرنا شروع کر دیتی ہے۔ پھر کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ تمام موجودات کو خلافت روح کے تخت کے سامنے سجدے کی حالت میں پاتا ہے۔ اور اس غلطی میں پڑ جاتا ہے۔ کہ شاید یہ اللہ رب العزت ہی ہے کیونکہ

"اذا تجلی اللّٰه شیء خضع له"

پر قیاس کرتا ہے۔ اس قسم کی غلطیاں اکثر واقع ہو جاتی ہیں۔ اور نفس اپنے حظ کی خاطر اس سم کا دھوکہ کھاتا ہے۔ اور ہر ایک سالک حق اور باطل میں فرق اور تمیز نہیں کر سکتا۔ سوائے ان کے۔ جو کہ منظور نظر حق ہیں۔ اور جو نفس کے مکر اور شیطانی دھوکے سے بھی محفوظ ہیں۔

تجلیٔ روحانی اور تجلیٔ ربانی کا فرق

۱- یہ کہ تجلی روحانی میں حدوث کا عیب ہے۔اور اس میں فنا کرنے کی قوت نہیں ہوتی۔ اگرچہ ظہور کے وقت صفات بشری کو دور کر دیتی ہے۔مگر بالکل فنا نہیں کرسکتی اور جب تجلیٔ حجاب میں ہو جاتی ہے۔تو پھر صفات بشری واپس لوٹ آتی ہے۔

"عادالمشؤم الی طبیعه"

اچانک ایسا ہوتا ہے۔کہ نفس کو روحانیت کی تجلیٔ سے ایک اور آلہ مل جاتا ہے۔جو کہ علم اور معرفت سے مکر۔حیلے اور اپنے مقاصد کے حاصل کرنے میں جو اس سے پہلے اسے حاصل نہ تھے۔کام آتا ہے۔اور تجلیٔ حق میں یہ مصیبت پیش نہیں آتی۔وہ اس لئے کہ تجلیٔ حق سے نفس کے کوہ طور کا پاش پاش ہونا اور اس کی باطل صفات کا زائل ہونا لازمی امر ہے۔جیسا کہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

"جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ط اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا" (بنی اسرائیل، آیت ۸۱)

"سچ آیا۔اور جھوٹ زائل ہوا۔بے شک جھوٹ زائل ہونے والا ہے"۔

۲- تجلیٔ روحانی کے حاصل ہونے سے دل کو تسکین حاصل نہیں ہوتی اور شک وشبہ کی میل کچیل سے صاف نہیں ہوتا اور معرفت کا ذوق پورے طور پر اسے حاصل نہیں

ہوتا۔لیکن تجلی حق اس کی ضد ہے۔

۳- تیسرے یہ کہ روحانی تجلی سے غرور اور گمان پیدا ہوتا ہے۔اور تکبر اور خود پسندی بڑھتی ہے۔اور طلب میں نقصان واقع ہوتا ہے۔ جبکہ خوف اور نیاز کم ہو جاتے ہیں۔ بسط اور گستاخی بڑھ جاتی ہے۔ لیکن تجلی حق سے ان تمام کا قلع وقمع ہو جاتا ہے۔اور ہستی نیستی میں بدل جاتی ہے۔اور طلب کی درد پہلے کی نسبت اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔اور پیاس مطلوب زیادہ ہو جاتی ہے۔

تجلی حق

تجلی حضرت حق کی دو اقسام ہیں۔

۱-تجلی ربوبیت ۲-تجلی الوہیت

تجلی ربوبیت

تجلی ربوبیت حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ہوئی۔ کہ جس کا طفیلی کوہ طور تھا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے! کہ

"فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا" (اعراف' آیت ۱۴۳)

"پس جس وقت اس کے پروردگار نے پہاڑ پر تجلی کی۔ تو اسے پاش پاش کر دیا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے"۔

تجلی سے پہاڑ کا نصیب کہ اسے پاش پاش ہی ہونا تھا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نصیب کہ انہیں بے ہوش ہی ہونا تھا۔

جب اللہ رب العزت نے اپنی ربوبیت سے تجلی فرمائی تو کوہ طور اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کوئی ہستی نہ رہی۔ اگرچہ پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ لیکن پھر بھی ان کا وجود باقی رہا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ لیکن ربوبیت ان کی پالنے والی

اور نگہداشت کرنے والی تھی۔

تجلیٰ الوہیت

تجلیٰ الوہیت حضور سرکار دو عالم۔ سرور کائنات قلب و سینہ۔ فخر موجودات خاتم النبین ۔ شافع محشر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر ہوئی۔ کہ جس سے حضور اقدس ﷺ کی ساری ہستی ہی لٹ گئی اور وجود محمدی ﷺ کے عوض ذات الوہیت کے وجود کا ثبوت فرمایا۔ جیسا کہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

"اِنَّ الَّذِیۡنَ یُبَایِعُوۡنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوۡنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوۡقَ اَیۡدِیۡہِمۡ"

(الفتح، آیت ۱۰)

"بے شک جو لوگ تیری بیعت کرتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی بیعت کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ان کے ہاتھ پر ہے"۔

لہٰذا اس سعادت کی کمالیت کسی اور پیغمبر یا اولوالعزم رسول کو بھی حاصل نہ ہوئی۔ البتہ اس کھلیان کے خوشہ چینوں کو اس شرف سے مشرف فرمایا۔ اور اس فرض سے یہ خوشہ عنایت فرمایا۔ وہ اس طرح پر کہ

"لایزال العبد یتقرب الی بالنوافل حتی احبه فاذا احبة کنت له سمعاً و بصراً ویداً ولساناً بی یسمع وبی یبصر وبی یبطش وبی ینطق"

"بندہ بذریعہ نوافل میرا قرب حاصل کرنے کی خواہش کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کیلئے کان۔ آنکھ۔ ہاتھ اور زبان ہو جاتا ہوں۔ پھر وہ مجھی سے سنتا ہے۔ مجھی سے پنجہ مارتا ہے۔ مجھی سے بولتا ہے"۔

اور یہ سعادت ذات الوہیت کی تجلی کی خاصیت سے ہے۔ لیکن تجلی صفات کی مزید دو

اقسام ہیں۔

تجلی صفات کی اقسام

تجلیٰ صفات کی دو اقسام ہیں۔

۱۔تجلیٰ صفات جلال ۲۔تجلیٰ صفات جمال

تجلیٰ صفات جمال

تجلیٰ صفات جمال کی مزید دو اقسام ہیں۔

۱۔صفات نفسی ۲۔صفات معنوی

صفات نفسی

صفات نفسی وہ ہیں۔ کہ مخبر کی خبر ذات باری تعالیٰ پر دلالت کرے نہ کہ معنی پر۔ جیسا کہ موجودی اور واجدی اور قائم بنفسی۔

پس اگر صفت موجودی سے تجلی کرے۔ تو وہ اس بات کی مقتضی ہوتی ہے۔ جو حضرت خواجہ جنید بغدادی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ

"ما فی الوجود ماسوی اللّٰہ"

''میرے وجود سوائے اللہ رب العزت کے اور کوئی نہیں''۔

اور اگر واجدی صفت سے تجلی کرے۔ تو وہ اس بات کی اقتضاء کرتا ہے۔ جو حضرت ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔ کہ

"مافی الجبۃ سوی اللّٰہ"

''پیشانی میں اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں''۔

اور اگر قائم بنفسی کی صفت سے تجلی کرے۔ تو وہ اس بات کا اقتضاء کرتا ہے۔ جو کہ

حضرت بایزید بسطامی رضی اللہ عنہ نے فرمائی کہ

"سبحانی ما اعظم شانی"

"پاک ہوں میں کیا ہی اعلیٰ شان ہے میری"۔

صفات معنوی

صفات معنوی یہ ہے۔ کہ مخبر کی خبر ذات باری تعالیٰ پر زیادتی کے معنوں کی دلالت کرے۔ جیسا کہ میرے (راقم الحروف) کے علم کے مطابق کہ اسے علم۔ قدرت۔ ارادت۔ کان۔ آنکھ۔ زندگی۔ کلام اور بقا ہے۔ پس اگر عالم ہونے کی صفت سے تجلی کرے۔ تو مختلف علوم کے حقائق بے واسطہ ظاہر ہوتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام کو ہوا کہ

"وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّهَا" (بقرہ، آیت ۳۱)

"اور آدم علیہ السلام کو ان سب کے نام سکھا دیئے"۔

اور اگر قدرت سے تجلی کرے۔ تو پھر ایسا ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہوا تھا کہ انہوں نے انگلی کے اشارے سے چاند کے دوٹکڑے کر دیئے اور پھر ایک اور موقع پر ایک مٹھی بھر خاک سے سارے کے سارے لشکر کو شکست دی۔ جیسا کہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

"وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ رَمٰی"

"جس پر تو نے مٹھی پھینکی تھی وہ دراصل تو نے نہیں پھینکی تھی۔ بلکہ اللہ رب العزت نے خود پھینکی تھی"۔

اور اگر مریدی صفت سے تجلی کرے۔ تو پھر ایسا ہوتا ہے۔ کہ جیسے ابوعثمان خیری رحمۃ اللہ علیہ کو ہوا تھا جو یہ فرماتے تھے۔ کہ تیس سال سے یہ حالت ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ وہی چاہتا ہے۔

جو ہم چاہتے ہیں۔

اور اگر سمعی صفت سے تجلی کرے۔ تو پھر ایسا ہوتا ہے۔ جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام کو ہوا تھا۔ کہ چیونٹی کی آواز بہت دور فاصلہ سے سن لی تھی۔ جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ رب العزت فرماتا ہے! کہ

"قَالَتْ نَمْلَةٌ يٰٓاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ" (النمل آیت ۱۸)

"چیونٹی نے چیونٹیوں کو کہا کہ اپنے گھروں میں داخل ہو جاؤ"۔

اور اگر بصیری صفت سے تجلی کرے۔ تو ایسا ہوتا ہے۔ جیسا کہ ایک شاعر نے کیا خوب فرمایا ہے۔ کہ

زاں روئے کنوں کا آئینہ روئے تو ام
از دیدہ تو بروئے تو مے نگرم

حقیقت میں جان لیں

"کہ انسان ذات و صفات الٰہی کا آئینہ ہے۔ جب آئینہ صاف ہو جاتا ہے۔ تو اللہ رب العزت کی جو صفت اس پر تجلی کرتی ہے وہی صفت اس میں نمایاں ہوتی ہے۔ اور جو صفت آئینے سے ظاہر ہوتی ہے۔ وہ صاحب تجلی کے تصرف سے ہوتی ہے نہ کہ آئینہ سے۔ کیونکہ آئینے میں پہلے قبولیت عکس کی قابلیت نہ تھی جب بالکل صاف ہو گیا تو پھر اس میں قابلیت بھی آ گئی"۔

خلافت کا بھید

لہٰذا خلافت کا بھید بھی یہی ہے۔ کہ وہ ذات و صفات خداوندی کا مظہر تھا۔ اور اگر صفت حیات سے تجلی کرے۔ تو وہ حالت ہوگی جو حضرت خضر علیہ السلام اور حضرت الیاس علیہ السلام کی ہے۔ کہ انہیں حیات باقی حاصل ہے۔

اور اگر صفت کلام سے تجلی کرے۔ تو وہ حالت ہوگی۔ جو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہوئی۔ جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے! کہ

"وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوسٰى تَكْلِيمًا" (نساء، آیت ۱۶۴)

"اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا"۔

اور اگر صفت بقا سے تجلی کرے۔ تو انانیت انسانی کو دور کرتی ہے۔ اور صفات ربانی کا اثبات کرتی ہے یعنی "اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے"۔

جیسا کہ "حضرت حسین بن منصور حلاج رضی اللہ عنہ" نے اسی لئے فرمایا تھا۔ کہ

بینی وبینك انی یزاحمنی

فارفع بجودك انی من البینی

"میرے اور تمہارے درمیان انانیت مزاحمت کرتی ہے۔ تو از روئے کرم اسے بیچ میں سے اٹھا دے"۔

اور صفات فعلی۔ جیسے رزاقی۔ خالقی۔ زندہ کرنا۔ مارنا۔ لہٰذا ان میں سے جب رزاقی صفت سے متجلی ہوتا ہے۔ تو وہ حالت ہوتی ہے۔ جو کہ حضرت مریم رضی اللہ عنہا کی تھی۔ کیونکہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

"وَهُزِّىٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا" (مریم، آیت ۲۵)

"اور کھجور کی جڑ پکڑ کر اپنی طرف ہلاؤ۔ تم پر پکی پکی تازہ کھجوریں جھڑ پڑیں گی"۔

اور جب خالقی صفت سے متجلی ہوتا ہے۔ تو وہ حالت ہوتی ہے۔ جو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ہوئی تھی۔ جیسا کہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

"وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِىْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِىْ"

"اور جب تو مٹی سے جانوروں کی شکلیں تیار کرے۔ تو ان میں پھونک دینا تو

وہ میرے حکم سے پرند بن جائیں گے''۔

اور جب زندہ کرنے کی صفت سے متجلی ہو۔ تو وہ حالت ہوتی ہے۔ جو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہوئی۔ کہ

''رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی'' (بقرہ' آیت ۲۶۰)

''اے پروردگار! تو مجھے دکھا کہ تو کس طرح مردوں کو زندہ کرتا ہے''۔

بلکہ یہاں تک فرمایا کہ

''ثُمَّ ادْعُهُنَّ یَاْتِیْنَكَ سَعْیًا'' (بقرہ' آیت ۲۶۰)

''پھر ان کو بلا وہ تیرے پاس دوڑتی ہوئی آئیں گی''۔

اور اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ہوا کہ

''وَتُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰهِ''

''تو مردوں کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے زندہ کرتا ہے''۔

اور اگر مار ڈالنے کی صفت سے متجلی ہو۔ تو وہ حالت ہوتی ہے۔ جو حضرت بایزید بسطامی رضی اللہ عنہ کی ہوئی تھی کہ انہوں نے ابوتراب نخشی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید پر نظر کی۔ وہ فوراً نعرہ مار کر مر گیا۔ لہٰذا ایسا شخص اگر کسی پر قہر کر دے تو اسے ہلاک کر ڈالتا ہے۔ اگرچہ یہ صفت صفات فعلی سے ہے۔ لیکن صفات جلال سے تعلق ضرور رکھتی ہے۔

صفات جلال

صفات جلال کی بھی دو اقسام ہیں۔

۱- صفات ذات ۲- صفات فعل

صفات ذات اور صفات فعل کو۔ جیسا کہ مار ڈالنے والی صفت میں بیان کر چکا ہوں۔

صفات ذات

صفات ذات کی بھی دو اقسام ہیں۔

۱- صفات جبروت ۲- صفات عظموت

تجلی صفات جبروت

جب صفات جبروت سے متجلی ہوتا ہے۔تو لاانتہا نور بہت ہی ہیبت ناک صورت میں نمایاں ہوتا ہے۔کہ جس کی نہ کوئی صورت ہوتی ہے۔اور نہ ہی کوئی رنگ۔ بلکہ وہ بے کیفیت ہوتا ہے اس نور کی ابتداء بے رنگ معلوم ہوتی ہے۔کہ جس سے فوراً صفات انسانیت کی فنا ظاہر ہوتی ہے۔اور ہستی کے آثار بالکل مٹ جاتے ہیں۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔کہ فنا کا شعور ہی نہیں رہتا اور اگر جام تجلی میں ''وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ'' کا ساقی شراب جلال کا ایک قطرہ ولایت سالک کی خوراک سے زیادہ ڈال دے۔تو اس شراب کی تیزی تمام ولایت کو اس طرح گھیر لیتی ہے۔کہ پھر وجود اور وجود کی فنا کا شعور تک نہیں رہتا۔

''اسی حالت کو صعقہ (بے ہوشی) بھی کہتے ہیں''۔

تجلی صفات عظموت

تجلی صفات عظموت کی بھی دو اقسام ہیں:

۱-صفت حی و قیومی ۲-صفت کبریا

عظمت اور قہاری جب حی اور قیومی کی صفت سے متجلی ہوتی ہے۔تو فناء الفناء ظاہر ہوتی ہے۔اور بقاء البقاء نمودار ہوتی ہے۔اور اس نور کی حقیقت ظاہر ہوتی ہے۔کہ جس کی بابت اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

''یَهْدِی اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُ'' (النور آیت ۳۵)

''جسے چاہتا ہے اپنے نور سے ہدایت بخشتا ہے''۔

مقام تلوین

وہ ایک ایسا ظہور ہوتا ہے۔ جو کبھی نہیں چھپتا اور ایک ایسا طلوع ہے۔ جو کبھی غروب نہیں ہوتا اور صفات جمال کی تجلی میں سرّ ہوتا ہے۔اور کبھی تجلی۔ یہ اس لئے کہ یہ مقام تلوین ہے۔

مقام تمکین

جہاں صفات جلال ہیں۔ وہ تمکین کا مقام ہے وہاں سے دورنگی اٹھ جاتی ہے۔ اگرچہ یہ شاذ ر نادر ہی ہوتا ہے مثلاً ایک مرتبہ ''شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ'' طلب کی حالت شباب میں شیخ ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں حاضر تھے۔ اور شیخ ابوعلی مقام تجلی کے بارے میں گفتگو فرما رہے تھے۔ کہ شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ وقت کے غلبات میں اٹھ کر فرمانے لگے۔

کہ یا شیخ یہ بات (تجلی) ہمیشہ ہوتی رہتی ہے۔ انہوں نے فرمایا۔ کہ بیٹھ جا ہمیشہ نہیں ہوتی۔ پھر ایک گھڑی بیٹھ کر اٹھے اور فرمانے لگے کہ یہ بات ہمیشہ ہوتی رہتی ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ بیٹھ جا۔ اول تو یہ ہمیشہ نہیں ہوتی۔ البتہ اگر ہوتی بھی ہے۔تو شاذ و نادر حضرت شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ نعرہ مار کر گھومنے لگے اور کہنے لگے کہ یہ اسی شاذ ر نادر کی ایک مثال ہے۔

''اس مقام پر جو ایمان ہوتا ہے۔ وہ ظاہر ہو جاتا ہے۔

اور جو ظاہر ہوتا ہے وہ پوشیدہ ہو جاتا ہے۔ کفر اور ایمان سے اعتبار ہی اٹھ جاتا ہے۔ پھر وصال اور ہجر کی دورنگی رہ جاتی ہے''۔

پھر اس مقام پر پہنچ کر۔ جیسا کہ اللہ رب العزت قرآن مجید ارشاد فرماتا ہے! کہ

''فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' (محمد ﷺ آیت ۱۹)

''واضح رہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی معبود نہیں''۔

کی حقیقت ظاہر ہو جاتی ہے۔ کیونکہ الوہیت کی سلطنت ولایت پر غالب آ جاتی

ہے۔اور وجودی بت بالکل ملیا میٹ ہو جاتا ہے کیونکہ

"استغفر لذنبك ای لذنب وجودك و وجودك ذنب لا لقیاس به ذنب"

''میں تیرے گناہ کیلئے طلب بخشش کرتا ہوں یعنی تیرے وجود کے گناہ کیلئے۔
کیونکہ تیرا وجود ایک ایسا گناہ ہے۔کہ جس کے برابر اور کوئی گناہ نہیں''۔

اور حضور اقدس ﷺ ارشاد فرماتے ہیں۔کہ

"انه لیغان علیٰ قلبی وانی لا استغفر اللّٰه فی کل یوم سبعین مرۃ"

''وہ میرے دل کو ڈھانپتا ہے۔اور میں ہر روز ستر مرتبہ استغفار کرتا ہوں''۔

یعنی خلقت کے ساتھ ملنے جلنے اور احکام رسالت کی تبلیغ اور معاملات بشری میں مشغول ہونے کی وجہ سے جو وجودی نفس پیدا ہوتا ہے۔اور اعمال کا جو بادل حقیقی آفتاب کے سامنے آ جاتا ہے۔میں استغفار سے دن بھر میں ستر مرتبہ ان کی نفی کرتا ہوں۔

دوسرے یہ کہ جب کبریا عظمت اور قہاری کی صفات سے سالک کی ولایت پر متجلی ہوتا ہے ''تو جو کچھ سالک نے حاصل کیا ہوا ہوتا ہے۔سب کا سب گم ہو جاتا ہے۔اور پھر حاصل کردہ کے بجائے وحشت اور حیرت آ جاتی ہے۔علم اور معرفت جہالت اور بے خبری سے بدل جاتے ہیں۔اور یہ اس جہالت کے باعث ہے۔کہ جس کا مرتبہ علم سے بھی اعلیٰ ہے''۔

لہٰذا حضور اقدس ﷺ نے اسی مقام پر پہنچ کر۔جیسا کہ قرآن مجید میں وارد ہے کہ

"وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا"

''اے پروردگار! میرے علم کو زیادہ کر''۔

کے وظیفہ کے بعد

"یادلیل المتحرین زدنی تحیرًا"

''اے حیرانوں کے رہنما! میری حیرانی کو زیادہ کر''۔

کا ورد اختیار کیا۔جبکہ سالک اس مقام میں پہنچ کر دریا کی طرح ہو جاتا ہے۔اور اس

کا سارا وجود اس حدیث شریف میں مستغرق ہو جاتا ہے۔اور پھر بھی مارے پیاس کے اس کے ہونٹ خشک ہی رہتے ہیں۔ جیسا کہ ایک شاعر نے کتنا درست فرمایا ہے۔ کہ

اے لعل بست بخون دلہا تشنہ
چشم تو بدیدار تو چوں ما تشنہ
ہر دو چشم بروئے تو تشنہ تراست
ایں طرفہ کہ دریا شد و دریا تشنہ

اس کے بعد اسی شاعر نے ایک اور جگہ فرمایا کہ

بدبخت اگر برلب دریا باشد
گو بالب خشک ہمچو دریا باشد

روز قیامت

اگر عام طور پر کبریا۔عظمت اور قہاری کی صفات سے متجلی ہو۔تو اسے ہی روز قیامت کہا جاتا ہے۔اور قہاری تجلیٰ کے آثار کے ظہور میں موجودات کی پیشانی پر

"كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ"

لکھ دیتے ہیں۔اور پھر۔جیسا کہ قرآن مجید میں وارد ہے کہ

"لِمَنِ الْمُلْكُ" (مومن آیت ۱۶)

"کس کی حکومت ہوگی"۔

کی منادی کرتے ہیں۔ پھر

"بلا داع ولا مجيب"

یہاں تک کہ صفت الوہیت سے خطاب عزت کا خود ہی جواب دیتا ہے۔ کہ

"لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ"

مشاہدے۔ مکاشفے اور تجلی میں فرق

درحقیقت مشاہدہ۔ مکاشفہ اور تجلی میں بہت ہی باریک فرق ہے۔اور ہر ایک کامل سالک بھی اس سے واقف نہیں ہوتا۔ ''راقم الحروف'' یہاں صرف اس قدر لکھوں گا کہ ''مشاہدہ مع تجلی بھی ہوتا ہے۔اور بغیر تجلی بھی ہوتا ہے۔اور تجلی بغیر مشاہدہ کے بھی ہوتی ہے۔اور مشاہدہ کے ساتھ بھی ہوتی ہے''۔

جب تجلی صفات جمال کے ساتھ ہوتی ہے۔تو بامشاہدہ ہوتی ہے۔اور جب صفات جلال کے ساتھ ہوتی ہے۔تو بے مشاہدہ ہوتی ہے۔

لہٰذا حقیقی تجلی وہ ہے۔کہ جس میں تجلی پر بے مشاہدہ شعور حاصل ہو وہ اس لئے کہ مشاہدہ مفاعلت کے باب سے ہے۔اور اس میں دو کا ہونا ضروری ہے۔لیکن حقیقی تجلی تثنیہ کو دور کرتی ہے۔اور وحدت کا اثبات کرتی ہے۔لیکن مشاہدہ اور تجلی مکاشفہ کے بغیر نہیں ہوتے۔جبکہ مکاشفہ بغیر تجلی اور مشاہدہ ہوسکتا ہے۔

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے! کہ

"ان اللہ خلق ادم فتجلی فیه"

''بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا۔اور اس میں تجلی کی''۔

یہ تجلی حضرت آدم علیہ السلام میں تمام صفات اور ذات کی تجلی اظہار کیلئے تھی نہ کہ ظہور کیلئے تھی وہ اس لئے کہ تجلی پر مشاہدہ اور شعور نہیں ہوتے۔لیکن ہاں ان میں ذات و صفات کا اظہار ضرور ہوتا ہے۔

حضرت غوث زماں کا فرمان

''حضرت سید افتخار احمد حسین شاہ گیلانی قدس سرہ سجادہ نشین درگاہ حضرت محبوب

ذات'' فرماتے ہیں۔ کہ جب اللہ رب العزت نے اپنی قدرت کا اظہار کرنا چاہا۔ تو آسمان اور زمین کو پیدا کیا۔

اور جب چاہا کہ اپنے تئیں کو ظاہر کرے۔ تو حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا۔ اور پھر روح پھونکتے وقت خاص اپنی روح اس میں پھونکی۔ اور اس میں تجلی کا بھید اور علم اسماء تعبیہ کیا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ رب العزت فرماتا ہے! کہ

"وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ اٰدَمَ" (بنی اسرائیل ۷۰)

''اور ہم نے آدم علیہ السلام کی اولاد کو عزت دی''۔

کا اختصاص بھی سعادت کے انہی دو بیجوں کی وجہ سے ہے۔ جو کہ حضرت آدم علیہ السلام کی مٹی میں بوئے گئے۔ اور پھر

"لِمَا خَلَقْتُ بِيَدِيْ"

''جب میں اپنے ہاتھ سے پیدا کیا''۔

آدم علیہ السلام کو سجدہ

کا اشارہ بھی انہی دونوں اجزاء کی طرف ہے۔ اور خلافت کی حقیقت بھی اسی جہ ہے۔ کہ خداوندی ذات وصفات سے اس میں متجلی ہوا کہ جس کی وجہ سے ساری نات ا میں آ گئیں۔ اور اسی وجہ سے ملائکہ نے اسے سجدہ کیا۔

چونکہ حضرت آدم علیہ السلام میں خود اللہ رب العزت ہی جلوہ گر تھا اس لئے وہ سجدہ آدم علیہ السلام کیلئے نہ تھا۔ جیسا کہ آج فناء کعبہ کو حاصل نہیں ہے۔ بلکہ گ ر کے مالک کو ہے۔ یہاں پر بھی سجدہ گھر کے مالک کو کیا جاتا ہے۔

چونکہ شیطان کی صرف ایک آنکھ تھی کہ جس سے وہ گھر کو دیکھتا تھا۔ او اس کی دوسری آنکھ نہ تھی کہ جس سے وہ گھر کے مالک کو دیکھتا۔ اسی وجہ سے وہ نہ دیکھ کا اور ہمیشہ کیلئے

لعنتی ہو گیا جیسا کہ

"كُلُّ نَاقِصٍ لَعْنَتِیْ"

"ہر ایک ناقص لعنتی ہے"۔

اگر چہ تجلی کا بیج ابتداء میں حضرت آدم علیہ السلام کی مٹی میں بویا گیا تھا۔ لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولایت میں "ارنی" کا سبزہ اُگا۔

اور ولایت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں

"اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّكَ" (الفرقان' آیت ۴۵)

"کیا تو نے اپنے پروردگار پر نظر نہیں کی"۔

کا پھل اپنی کمالیت کو پہنچ گیا کہ جس سے آخرت بلکہ ابدالآباد تک اس دولت کے خرمن کے خوشہ چین اس سے نیک بختی کا پھل حاصل کریں گے۔ جیسا کہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

"وُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ اِلٰی رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝" (القیمۃ' آیت ۲۲-۲۳)

"بعض چہرے اس دن تروتازہ ہوں گے۔ جو کہ اپنے پروردگار کو دیکھتے ہوں گے"۔

اللہ تعالیٰ سے بے اتصال و انفصال کے حاصل کرنا

القرآن: ثُمَّ دَنٰی فَتَدَلّٰی۔ فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی (النجم آیت ۸-۹)

ترجمہ: ''پھر وہ نزدیک ہوا پس ان دونوں میں دو کمان کے دو گوشوں کے برابر فاصلہ رہ گیا بلکہ اس سے بھی کم''۔

اس کے بعد قرآن مجید میں ایک اور جگہ اللہ رب العزت فرماتا ہے! کہ

''اِنَّ اِلٰی رَبِّکَ الْمُنْتَھٰی'' (نجم آیت ۴۲)

''بے شک تیرے رب کی طرف سے انجام ہے''۔

الحدیث: اوحی اللّٰہ تعالٰی الی عیسٰی وقال تجوع ترانی تجرد تصل الی

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی اور فرمایا کہ اگر تو مجھے دیکھنے کا مشتاق ہے۔ تو مجرد ہو کر مجھ سے آمل اور جس وقت تو بھوکا ہوگا۔ مجھے دیکھے گا''۔

اللہ تعالیٰ سے ملنا

ایک بات اچھی طرح واضح رہے۔ کہ اللہ رب العزت سے ملنا کچھ اس قسم کا نہیں کہ جیسے جسم سے جسم ملتا ہے یا عرض جسم سے یا علم معلوم سے یا عقل معقول سے یا چیز چیز سے۔ کیونکہ اللہ رب العزت ان سے بہت ہی بلند اور اعلیٰ ترین درجہ ہے۔ نیز یہ کہ اصول

الی اللہ بندے کی طرف سے نہیں۔ بلکہ محض بے علت عنایت اور جذبات الوہیت کے تصرف سے ہے۔

حضرت غوث زمان رحمۃ اللہ علیہ کا بیان

''حضرت سید افتخار احمد حسین شاہ گیلانی رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین درگاہ حضرت محبوب ذات'' فرمایا کرتے تھے۔ کہ اللہ رب العزت کی طرف دو راہیں جاتی ہیں۔

ایک بندے سے اللہ رب العزت کی طرف اور دوسری اللہ رب العزت سے بندے کی طرف اور جو راہ بندے سے اللہ رب العزت کی طرف ہے۔ وہ محض ایک گمراہی ہے۔

اور جو راستہ اللہ رب العزت سے بندے کی طرف ہے۔ وہ ہدایت ہی ہدایت ہے۔

جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں قرآن مجید میں مذکور ہے کہ

''وَلَمَّا جَآءَ مُوسٰی لِمِیْقَاتِنَا'' (اعراف:۱۴۳)

''اور جب موسیٰ علیہ السلام ہمارے وقت مقررہ پر آیا''۔

اس لئے کہ جب اس نے کہا کہ

''اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْکَ'' (اعراف:۱۴۳)

''مجھے دکھا۔ کہ میں تیری طرف دیکھوں''۔

تو اسے کہا گیا کہ

''لَنْ تَرٰىنِیْ''

''تو ہرگز نہیں دیکھ سکے گا''۔

اے موسیٰ علیہ السلام! تو اپنی راہ سے آیا ہے۔ لہٰذا اس بارگاہ کی راہ اسے نہیں ملتی جو خود آنا چاہئے۔ بلکہ اسے ملتی ہے۔ کہ جسے خود لایا جائے۔

جیسا کہ ایک شاعر نے کتنا خوب فرمایا ہے۔ کہ

باعشق جمال ما اگر ہم نفسی
یک حرف بس است اگر درتن توکسی
تابا توئی دولت مازسی
درما تو گہی رسی کہ درما برسی

لیکن چونکہ حضور سرکار دو عالم ﷺ کو بارگاہ کی راہ سے خود لے جایا گیا تھا۔ جیسا کہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

"سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ" (بنی اسرائیل' آیت ۱)

"پاک ہے۔ وہ ذات جو اپنے بندے کو لے چلا"۔

اسی وجہ سے حضوا کرم ﷺ کو پھر مقام "قاب قوسین" سے بھی آگے بڑھا دیا۔ بلکہ مقام "او ادنیٰ" تک پہنچا دیا گیا اور اس مقام پر حضور رحمۃ اللعالمین ﷺ کی ہستی کا جو لباس تھا۔ وہ حضور انور ﷺ کے وجود اطہر سے اتار لیا گیا۔ وہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ خود قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

"مَا کَانَ مُحَمَّدًا اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ" (احزاب' آیت ۴۰)

"کہ محمد ﷺ! تم میں سے کسی کا باپ نہیں"۔

اور ساتھ ہی رحمت کی خلعت بھی عطا کر دی پھر اس رحمت کی صورت کو خلقت میں بھیج دیا۔

لہذا جب اللہ رب العزت کی طرف گئے تو محمد ﷺ تھے اور جب واپس تشریف لائے تو رحمت حق تھے۔ جیسا کہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

"وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعَالَمِیْنَ" (الانبیاء' آیت ۱۰۷)

"ہم نے تمہیں تمام جہانوں کیلئے باعث رحمت بھیجا ہے"۔

وہ اس لئے کہ وصول کی کمالیت دوگانگت کی دوری اور اثبات وحدت میں یہ خوشخبری

امت کے شکستہ اور مذہب کے کمزوروں کو پہنچائی اور اگر کسی شخص کا براق ہمت آستانہ بشریت کی دہلیز سے روحانیت کے ''سدرۃ المنتہیٰ'' تک نہیں پہنچ سکتا اور ہماری بارگاہ میں بھیجنے سے بہرہ ور ہونا چاہتا ہے۔

وہ حضور اقدس ﷺ کی دہلیز پر اپنا سر رکھے اور حضور اقدس ﷺ کی تابعداری کیلئے کمربستہ رہے۔ کیونکہ وہاں پر دورنگی دور ہے اور یگانگت قائم ہے۔ لہٰذا جس نے اسے پالیا اس نے ہمیں پالیا۔ کیونکہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

''مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهِ'' (انساء' آیت ۸۰)

''جس نے رسول اللہ ﷺ کی تابعداری کی اس نے اللہ تعالیٰ کی تابعداری کی''۔

اور یہ یگانگت نہیں ''تو ہمارا ہے۔ اور ہم تیرے ہیں''۔ پھر ایک اور جگہ پر اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے! کہ

''اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ'' (الفتح' آیت ۱۰)

''جو لوگ تیری بیعت کرتے ہیں۔ وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی بیعت کرتے ہیں''۔

یہ مقام کشف ہے۔ پس جس صاحب سعادت کا مرجع بارگاہ الٰہی ہے۔ کہ

''وَاِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى'' (النجم' آیت ۴۲)

''اور بے شک تیرے رب کی طرف سے انجام ہے''۔

اور اس کے ذرہ انسانیت اور اس کی روحانیت کی مٹی کے خمیر میں خداوندی نور ''اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ'' کے زمانہ ہی سے رکھا ہوا ہے۔ کیونکہ

''ان اللّٰہ خلق الخلق فی ظلمۃ ثم رشی علیھم من نورہ''

''بے شک اللہ تعالیٰ نے خلقت کو تاریکی کی حالت میں پیدا کیا۔ اور پھر اس پر اپنا نور چھڑکا''۔

اور جام الست کے پینے سے اس کی جان حلق کو ایک خاص قسم کا ذوق بخش دیا

ہے۔ کہ جس کا اثر اس کی جان کے حلق سے دور نہیں ہوتا اور اس مقام کی زندگی اسی ذوق پر منحصر ہے۔ اور اس نور کا قصیدہ ہمیشہ اپنے مرکز اور اپنے کان کی طرف رہتا اور اس سبب سے وہ اس جہاں سے الفت نہیں کرتا اور یک دم بھی اسی مشرب کے شرب سے کنارا نہیں کرتا۔

جس طرح دریا میں تیل کا ایک قطرہ دریا کے نیچے مٹی میں رکھ دیا جائے تو بتدریج وہ مٹی سے جدائی کو تلاش کرے گا اور باوجود ان تمام باتوں کے دریا سے الفت ہرگز نہ کرے گا اور نہ ہی پانی سے ملے گا۔ یہاں تک کہ جب اسے موقع ملے گا اور مٹی سے خلاصی پائے گا تو فوراً دریا کی سطح پر آ جائے گا اور پھر دریا کے سارے پانی کو اپنے نیچے لے لے گا۔ اور باوجود اس قدر عجیب وغریب جواہرات کے۔ جو کہ دریا میں ہیں۔ اور ان کی طرف مطلق توجہ بھی نہ کرے گا اور اگر روغن کا ایک اور قطرہ بھی آ جائے تو سب سے جدا ہو کر اس پہلے قطرے سے فوراً آن ملے گا۔

اور اگر اسے دولت وصال ہاتھ آئے گی تو بے توقف اپنی ہستی پہلے قطرے کے وجود پر قربان کر دے گا اور اگر اس سارے دریا کو آگ کے سامنے رکھ دیں تو آگ دریا میں جائے گی اور نہ ہی پانی آگ میں ملے گا۔ بلکہ جہاں تک ہو سکے گا اس سے دور بھاگے گا۔ اسی طرح انسانی نفوس اگرچہ دنیا کے دریا کا قطرہ ہیں۔ اور اس سے جلدی ملتے ہیں۔ بلکہ بڑی خواہش کے ساتھ اس سے ملتے ہیں۔ لیکن بارگاہی ارواح روغن کی طرح ہیں وہ ہرگز دریائے دنیا کے شہواتی پانی کے ساتھ نہیں ملتے۔ بلکہ قطرۂ روغن کی طرح آخرت کی خوش نصیبی حاصل کرتے ہیں۔ اور اسی سے ملتے ہیں۔ اور اگر جلال حق کی آگ کی چنگاری پا لیتے ہیں تو ہمہ تن اس میں مستغرق ہو جاتے ہیں۔ اور اپنا وجود اس کے وجود پر قربان کر دیتے ہیں۔ اور وجود حقیقی کی ہستی وجود مجازی کی نیستی میں خیال کرتے ہیں۔

ایں رنگ گلیم ما بہ گیلاں کردند

پس جس کی گردن میں عنایت کی کمند ڈالی گئی۔ وہ اسی روز ڈالی گئی۔ اور جس کی گردن قہر کی زنجیر سے جکڑی گئی وہ اسی جگہ جکڑی گئی جیسا کہ

"السعید من سعد فی بطن انه والشقی من شقی فی بطن امه"

''سعید وہ ہے۔ جو ماں کے پیٹ سے ہی سعد ہو گیا۔ اور بدبخت وہ ہے۔ جو ماں کے پیٹ میں ہی بدبخت ہو گیا''۔

شیطان لعنتی کی پیشانی پر کفر اس کی پیدائش سے پہلے ہی لکھا گیا تھا۔ کیونکہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

"وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِيْنَ" (بقرہ' آیت ۳۴)

''وہ ناشکر گزاروں میں سے تھا''۔

اور اسکے بعد لعنت کا داغ اس کے ماتھے پر دیا گیا۔ کیونکہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

"وَاِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِىْ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنَ" (ص' آیت ۷۶)

''بے شک تجھ پر روز قیامت تک میری لعنت ہے''۔

اور یہ کوئی آج کا واقعہ نہیں ہے۔ بلکہ ازل ہی میں اللہ رب العزت نے فرما دیا تھا کہ مصرعہ:

''ایں رنگ گلیم ما بہ گیلاں کردند''

لہٰذا وہ جانور جو آج محبت کے گرد پھرتے ہیں۔ اور محبت کا دانہ چگ رہے ہیں وہ اس جال کی گردن اور اس دانے کیلئے پوٹہ دوسرے جہان سے لے کر آئے ہیں۔ پھر جیسا کہ نور کا چھڑکاؤ اس پر کیا گیا کیونکہ

"ثم رش عليهم من نوره فمن اصابه ذالك النور فقداهتدى ومن اخطاه فقد ضل"

''پھراس پر اپنا نور چھڑکا۔ پس جسے یہ نور پہنچ گیا۔ اس نے راہ ہدایت پالی۔ اور جو چوک گیا۔ وہ گمراہ ہوگیا''۔

لیکن پتھر سے اس شرارے کے ظاہر کرنے کیلئے لوہے کی ضرورت پڑی کہ جس میں ''لا الہ الا اللہ'' بمنزلہ لوہے کے بھیج دیا۔ کیونکہ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد پاک ہے کہ

"امرت ان اقاتل الناس حتى يقولو الا اله الا الله"

''مجھے اس بات کا حکم ہوا ہے۔ کہ میں لوگوں سے جنگ کروں۔ یہاں تک کہ وہ ''لا الہ الا اللہ'' کہہ دیں''۔

اورمزید فرمایا کہ

"اُذْکُرُ اللّٰهَ ذِکْرًا کَثِیْرًا"

اللہ تعالیٰ کی یاد بہت کیا کرو''۔

کے تصرف سے اس آہن صفت کلمے کو دل کے پتھر پر مارا کرو۔ تاکہ آتش عشق کی چنگاری۔ جو کہ اس میں رکھی گئی ہے۔ وہ ظاہر ہو جائے۔ نیز نفس امارہ کی ظلمت سے فرشتوں کی طرح نظر حقارت سے نہ دیکھنا۔ کیونکہ انہوں نے تو کہہ دیا تھا کہ

"اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا" (بقرۃ' آیت ۳۰)

''کیا تو روئے زمین پر ایسے شخص کو بناتا ہے۔ جو کہ اس میں فساد برپا کرے گا''۔

چونکہ فرشتے ناتجربہ کار بچوں کی طرح تھے۔ بہرحال فرشتوں کا یہ سوال سن کر اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

"اِنِّیْ اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ" (بقرۃ' آیت ۳۰)

''میں وہ کچھ جانتا ہوں۔ کہ جس کی تمہیں خبر بھی نہیں''۔

لہٰذا جب انہوں نے ''خلیفہ'' کا نام سنا تو پھر غور سے نگاہ کی اور نفس کی تاریکی انہیں دکھائی دی وہ اس سیاہی کو دیکھ کر بھاگ گئے۔ مگر انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ معرفت کا آب حیات اس تاریکی میں بند ہے یا کہ چھپا ہوا ہے۔

وہ اس لئے کہ جب آگ کی چنگاری دل کے پتھر اور کلمے کے لوہے سے ظاہر ہوتی ہے۔ تو روحانیت کے اطلس اگرچہ بہت قیمتی اور لطیف بھی ہے اس لئے وہ اس شرارے کو قبول نہیں کر سکتی۔ لہٰذا وہاں پر وہی جلا ہوا سیاہ رو نفس انسانی ہی چاہئے۔ جو کہ بے توقف جان و دل سے اسے اٹھائے کہ بے شک قرآن مجید ارشاد فرماتا ہے! کہ

''وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا'' (احزاب آیت ۷۲)

''اور اسے انسان نے اٹھایا۔ بے شک وہ ظالم اور جاہل تھا''۔

اور اس غیبی آگ کی میزبانی کر۔ تاکہ تم عالم شہادت کے مقیم ہو سکو اور یہ بات صفات بشری کے بغیر ناممکن ہے کیونکہ

''فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ'' (بقرہ آیت ۱۵۲)

''تم میری یاد کرو۔ تاکہ میں تمہارا ذکر خیر کروں''۔

اور اگر یک دم بھی یہ غذا نہ پائے تو وہ غیبی مہمان نہیں آتا۔ کیونکہ قرآن مجید فرماتا ہے! کہ

''نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ'' (التوبہ آیت ۶۷)

''وہ اللہ تعالیٰ کو بھلا دیتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ انہیں بھلا دیتا ہے''۔

پھر جونہی انسانی درخت میں سے صفات بشری کی شاخ نکلتی ہے۔ تو اسی وقت صادق عاشق ''لا الٰہ'' کی کلہاڑی اس پر دے مارتا ہے۔ اس کے بعد ''الا اللہ'' کی آگ بھی ڈال

دیتا ہے۔ آگ ''اذکرکم'' کے موافق اس میں لگ جاتی ہے۔اور جس قدر ایندھن اسی سے لیتا ہے۔ پھر دل وہ آتشی وجود اسے دیتا ہے۔ پھر یہاں تک کہ انسانی درخت کہ سارے کا سارا معہ بشری شاخیں اور ملکوتی روحانی جڑوں کے جلا دیتی ہے۔اور اس سے سارا وجودی درخت روشن ہو جاتا ہے۔ بلکہ یہاں تک کہ سارے کا سارا وجود آگ میں خرچ ہو جاتا ہے۔اور جب تک درخت رہتا ہے۔ آگ بھی رہتی ہے۔ لہٰذا ''اسی مقام پر وصال حقیقی حاصل ہوتا ہے''۔

اور جب انسانی سبز درخت حقیقت پر قربان ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں مذکور ہے کہ

"اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا" (یٰسین آیت ۸۰)

''اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے تمہارے لئے سبز درخت سے آگ بنائی''۔

تب آگ درخت کی زبان پر آواز دیتی ہے۔ کہ بے خبرو! میں آگ ہوں۔ درخت نہیں ہوں۔ کیونکہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

"نُوْدِیَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَیْمَنِ فِی الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَکَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ یّٰمُوْسٰۤی اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ" (القصص)

''اس مبارک جگہ میں میدان کے داہنے کنارے ایک درخت تھا۔اس میں سے آواز آئی۔ اے موسیٰ علیہ السلام! یہ تو ہم اللہ ہیں''۔

حسین منصور حلاج رضی اللہ عنہ اور آگ

مسکین حسین منصور رضی اللہ عنہ کا جب اسی آگ نے سارا درخت گھیر لیا اور ابھی سارا درخت جلنے بھی نہ پایا تھا کہ اس سے ''انا الحق'' کے شعلے نکلنے شروع ہو گئے۔ جبکہ اغیار اس کے گرداگرد تھے۔ اور وہ ''انا الحق'' کے شعلوں سے جلنا چاہتے تھے۔ اس دوران لطف الٰہی

نے ان کی مدد فرمائی اور کہا کہ اس آگ کی یہ خاصیت ہے۔کہ جو اس آگ میں ہے۔اور اس کے علاوہ اس کے اردگرد ہے۔ وہ دونوں مبارک ہیں کیونکہ

"اب نورك من فی النار ومن حولها"

''جو اس آگ میں ہے۔اور جو اس کے اردگرد ہے وہ برکت دیا گیا ہے''۔

اے حسین رضی اللہ عنہ! یہ آگ تجھ پر تو مبارک ہے۔لیکن ان کیلئے جو اس کے اردگرد ہیں۔ اور اس میں جلنا چاہتے ہیں ان پر بھی مبارک ہو۔

مصرعہ:

بردوست مبارکم و بردشمن هم

آخر اس آگ پر عود سے کم نہیں ہونا چاہئے۔ کیونکہ جب آگ اس کے وجود کے اجزاء میں تصرف کرتی ہے۔تو پھر اس سے عمدہ ہوا نکلنا شروع ہوتی ہے۔اور آگ عود پر ہی اچھی اور عمدہ معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ آگ اس کی چھپی ہوئی خوشبو کو ظاہر کرتی ہے۔لہٰذا اگر آگ نہ ہوتی تو عود اور دوسری لکڑیوں میں کچھ بھی فرق نہ ہوتا۔لہٰذا عود کی قدرومنزلت آگ ہی کی وجہ سے معلوم ہوئی ہے۔اور عود جب آگ پر مبارک آیا تو اس نے اپنا وجود اسے دے کر کہا کہ اس کو سارے کا سارا جلا دے۔ تاکہ آگ ان لوگوں کیلئے بھی مبارک ہو۔ جو کہ میرے گردونواح میں ہیں۔ اس نے برائی نہ کی۔ کیونکہ ایسا کرنا جوانمردوں کا طریقہ نہیں ہوتا۔لہٰذا جس قدر عود زیادہ جلتا گیا۔اس کے پاس بیٹھنے والے نزدیک آتے گئے۔

حسین منصور کی استقامت

حسین بن منصور حلاج رضی اللہ عنہ بھی دیگر صوفیائے کرام کی طرح استغفار کے پاؤں پر قائم رہا۔اور اپنا وجود آتش عشق میں رکھ دیا۔اور کہنے لگا۔

"اللهم افنيت ناسويتتي في لاهو تيتك فحق نا سوتيتي على لاهو تيتك ان ترحم على من سعى في قتلي"

''اے پروردگار! میں نے اپنے ناسوت کو تیرے لاہوت میں فنا کر دیا ہے۔ پس میرے اس فعل کی تجھ کو قسم ہے۔ کہ اس شخص پر رحم کر کہ جس نے میرے قتل میں کوشش کی''۔

لہٰذا ہم نے سارے انسانی درخت کو عود کی طرح تیری آتش عشق پر فنا کر دیا ہے۔ لہٰذا تو اپنے لطف و کرم سے اس سعادت میں کوشش کرنے والوں کے دماغ کو۔ جو کہ اس آگ کے گرد ہیں۔ رحمت کی خوشبو سے معطر کردے۔ تا کہ ان کے لئے بھی یہ آگ مبارک ہو جائے۔

اے حسین رضی اللہ عنہ! اگرچہ ہمارے عشق کی آگ تیرے انسانی درخت میں لگی ہوئی تھی۔ اور اس سے ''انا الحق'' کے شعلے نکل رہے تھے۔ لیکن چونکہ ابھی سارا نہیں جلا تھا اس لئے وہ شعلے انانیت کے دھویں سے خالی نہ تھے۔ لہٰذا جب تیرا وجودی درخت سارے کا سارا اس آگ پر فدا ہو جاتا۔ اور قالب کی صورت۔ جو کہ انانیت کا دھواں ہے۔ بالکل دور ہو جاتی۔ اور اسے ہماری آزمائش کی آگ میں جلا دیتا تو ہم تیرے قالب کی خاکستر کو دجلہ میں ڈالنے کا حکم کرتے اور پھر جمال کمال سے حجاب کا نقاب بھی اٹھا لیتے۔ تا کہ پانی کی سطح پر وجود کی آگ بغیر دھوئیں ''اللہ۔ اللہ'' کی جلوہ گری میں آتی اور ہماری بے علت عنایت ہر خاص و عام کو بھی معلوم ہو جاتی۔ جیسا کہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

"اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا" (النساء آیت ۴۰)

''اللہ تعالیٰ ذرّہ بھر بھی ظلم نہیں کرتا اور اگر تیری نیکی ہو۔ تو اسے دگنی کر دیتا

ہے۔اور اپنے پاس سے اجرِ عظیم عطا فرماتا ہے''۔

لہٰذا عالم عشق کے پروانہ صفت جانباز کہ جن کے دل کی گردن میں عہد الست ہی سے جذبہ الوہیت کی کمند پڑی ہوئی ہے۔اور آج درد طلب کے پر و بال اس قدر جلال حضرت کی شمع کے جمال کے گرد پھڑ پھڑاتے ہیں۔کہ

''من تقرب الی بشرًا تقربت الیہٖ ذراعًا''

''جو میری طرف ایک بالشت بھر آتا ہے۔میں اس کی طرف ہاتھ بھر بڑھتا ہوں''۔

کے موافق اس شمع کا ایک شعلہ۔جیسا کہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

''وَنَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَيۡهِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِيۡدِ''

''ہم شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں''۔

سے استقبال کرتا ہے۔اور

''جذعة من جذبات الحق''

''جذبات الٰہی کا ایک جذبہ''۔

کے ہاتھ سے اس کو وصال کی بغل میں لیتا ہے کہ

''يٰۤاَيَّتُهَا النَّفۡسُ الۡمُطۡمَئِنَّةُ. ارۡجِعِىۡۤ اِلٰى رَبِّكِ'' (الفجر' آیت ۲۸)

''اے نفس مطمئنہ! راضی خوشی اپنے پروردگار کی طرف لوٹ آ''۔

اور کب تک تو۔جیسا کہ قرآن مجید میں وارد ہے کہ

''وَخُلِقَ الۡاِنۡسَانُ ضَعِيۡفًا'' (النساء' آیت ۲۸)

''اور انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے''۔

کی پروانگی کے پرو بال ہمارے جمال کے سرا پردہ کے گرد پھڑ پھڑائے گا تو اس پرو بال سے ہوائے ہویت کی فضا میں نہیں اڑ سکتا۔

آ جا اور ان پروں کو۔

"وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا" (العنکبوت آخری آیت)

"وہ لوگ جو ہماری جستجو کیلئے کوشش کرتے ہیں"۔

کے میدان میں ہار دے تا کہ ہم

"لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا" (العنکبوت آخری آیت)

"البتہ ہم اپنی راہیں دکھائیں گے"۔

کے طریقے کے موافق اپنے انوار کے شعلوں کے پروبال عنایت کریں کہ

"یَهْدِیْ مِنَ اللّٰهِ لِنُوْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُ"

"اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے۔ اپنے نور سے ہدایت بخشتا ہے"۔

لہٰذا اب تک تو تو اپنے پروبال سے اڑتا رہا اس لئے دیوانہ پروانہ تھا۔ لیکن اب جبکہ تو ہمارے پروبال سے اڑے گا تو تو یگانہ روز ہو جائے گا اور اب تو ہم سے بیگانہ نہیں۔

حضرت بایزید بسطامی رضی اللہ عنہ کا واقعہ

"حضور داتا گنج بخش قدس سرہ اپنی کتاب کشف المحجوب" میں حضرت بایزید بسطامی رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں۔ کہ حضرت بایزید بسطامی رضی اللہ عنہ اپنے زمانہ کے مسلمہ صاحب حجت تھے۔ وہ فرماتے ہیں۔ کہ

"حضرت بایزید بسطامی رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ سب سے پہلے میرا باطن آسمانوں پر لے جایا گیا وہاں میں نے کسی بھی چیز کی طرف نگاہ نہ ڈالی۔ پھر جنت اور دوزخ دکھائے گئے۔ میں نے ان کی طرف بھی نگاہ نہ کی۔ پھر مجھے موجودات اور حجابات سے گزارا گیا۔ میں نے ان کی طرف بھی التفات نہ کیا۔ "فصرت طیرًا" اس وقت میں ایک پرندہ بن گیا۔ کہ جس کا جسم احدیت کا اور اس کے بال و پر دیمومیت کے تھے۔ پھر میں ذات حق کی محبت

میں مسلسل پرواز کرتا رہا۔ یہاں تک کہ میں مقام تنزیہہ سے گزرا اور پھر ازلیت کے میدان سے مشرف ہوا۔ پھر وہاں میں نے احدیت کے درخت دیکھے۔ پھر جب میں نے نگاہ ڈالی تو وہ سب کچھ میں ہی میں تھا''۔

بلکہ تو تو ہمارا ہے۔ لہٰذا اب تو ساری خودی بیچ میں سے نکال ڈال پس تو ہی موتی ہے۔ بلکہ تو ہی موتی کا دانہ ہے۔ تو ہی جان بھی ہے۔ اور معشوق بھی۔ اس کے بعد تو تو نہیں اس لئے کہ تیرا نام ہی نام ہے۔

ایک شاعر نے کیا خوب فرمایا ہے۔ کہ

عشق آمد و شد چو خونم اندر رگ و پوست
تا کرد مرا تہی و پر کرد ز دوست
اجزائے وجود من ہمہ دوست گرفت
نامے است ز من برمن و باقی ہمہ اوست

کلام حضرت محبوب ذات

کلام

جلوہ ہوں نور ہوں میں ہی سرّ نہاں ہوں
مسجود ملائک کی میں ہی رمز عیاں ہوں

میں نہ تھا اس میں تو تھا وہ فقط پتلا آدم
تعظیم نہ تھی تکریم نہ تھی میں کیا سرّ بیاں ہوں

میرے ہی ہونے سے ہوا پھر وہ مسجود ملائک
تعظیم بھی ہوئی۔ تکریم بھی میں کیا سرّ عیاں ہوں

''وھو معکم'' کا ہے حکم قرآن کے اندر
میں ہی معہ جسم آدم اور سرّ اوجِ رواں ہوں

"فاینما تولوا" و"فی انفسکم" کی رمز میں ہوکر
"ونحن اقرب" کی قربت سے مکین اندر مکاں ہوں

بدوں تحقیق میرے کو نہیں اوصاف آدم سے
کرم ہو سکتا نہیں بجز اندر عیاں ہوں

خودی کے وہم کا مٹنا فقط ہے ذات کا پانا
عبث گردش میں پھرتا ہوں کیا نطق بیاں ہوں

خدا کا بھید بے شک تو اگر اس سرّ سے واقف
"سرّی سرّہ" کی میں کیا رمز عیاں ہوں

امین راز ان کا ہوں' نہاں میں میں عیاں اندر
دروں عاجز عیاں اندر میں ہی نطق زباں ہوں

حضرت محبوب ذات رضی اللہ عنہ

کلام

ذات ''احد'' ہے ثبوت اور ''لا الہٰ'' ہے ماسویٰ
پھر نہ جانے کون ہے یہ دوسرا اس میں سویٰ

ہے خودی سے جلوہ گر وہ ذات احد بے گماں
پھر نفی ہے، کسی خودی کی، وہم باطل بے نشاں

جلوے سارے ہیں، اسی کے آپ ہی وہ عیاں
شان خفی میں ہے، کہیں شان جلی میں ہے عیاں

ظاہر و باطن وہی ہے، ہے وہ اول و آخری
وہ زمین وہ آسمان زیر نہاں فوق بری

آن چناں وایں چناں واوں چناں وہم چناں
بے گماں وہ بے گماں وہ ہے بے گماں وہ بے گماں

ہم چوں اول، ہم چوں آخر ہم چوں ظاہر ہم چوں باطن
عاجزی و برتری میں ہے، وہ خود ہی کن فکاں

حضرت محبوب ذات رضی اللہ عنہ

متفرقات

میں (راقم الحروف) اس باب میں گزشتہ اپنے تمام بیانات سے متعلق دیگر صوفیائے کرام کے نظریات اور بیانات کو تحریر کر کے قارئین حضرات کی خدمت میں پیش کرونگا۔ تاکہ قارئین حضرات اس کتاب سے زیادہ سے زیادہ استفادہ حاصل کرسکیں۔

رویائے صالحہ اور فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کسی نے سیّدی عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ سے درج حدیث شریف کے متعلق سوال کیا کہ

"الرؤیا الصالحة من الرجل الصالح جزء من ستة واربین جزء امن النبوة" (فتح الباری، ۱۲: ۳۶۷)

"کسی نیک آدمی کو دکھائی دینے والا اچھا خواب نبوت کا ۴۶ چھالیس واں حصہ ہے"۔

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اور دیگر محدثین نے اس روایت کو اسی طرح نقل کیا ہے۔

جبکہ حضرت امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں۔ کہ یہ ۴۵ پینتالیس واں حصہ ہے۔

حضرت امام طبری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت امام احمد بن جنبل رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عمرو

بن العاص رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ۴۹ انچاس ویں حصہ کی روایت نقل کی ہے۔

قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے ۴۷ سنتالیس ویں حصہ کی روایت نقل کی ہے۔طبری نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ۴۴ چتالیس ویں حصہ کی روایت نقل کی ہے۔

امام ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ۲۶ چھبیس ویں حصہ کی روایت نقل کرتے ہیں۔

جبکہ شرح نووی میں ۲۴ چوبیس ویں حصہ کی روایت موجود ہے۔لہٰذا یہ کل (۹) نو روایات ہیں۔

جبکہ ابن ابی حمزہ رحمۃ اللہ علیہ کی شرح میں ۲۵ پچیس ویں حصہ کی روایت موجود ہے۔اور اسی شرح میں ایک اور جگہ پر ۲۶ چھبیس ویں حصہ کی روایت بھی موجود ہے۔

بہرحال یہ کل (۹) نو روایات ہیں۔کہ جن میں پانچ ۴۰ چالیس کی اکائیوں کے ہمراہ اور ۴ (چار) (۲۰) کی اکائیوں کے ہمراہ موجود ہیں ان کے علاوہ چند دیگر روایات بھی موجود ہیں۔کہ جن میں ۷۰-۷۲-۷۶-۵۰-۴۰-۴۲ اور ۱۵ کا عدد بھی منقول ہے۔تاہم ان میں سب سے زیادہ مستند (۴۶) چھیالیس ویں حصے اور پھر اس کے بعد (۴۵) پینتالیس ویں حصے کی روایت مستند ہے۔

ان کے علاوہ باقی تمام روایات مشکوک ہیں۔تاہم (۷۰) سترویں حصہ والی روایت کو کسی حد تک مستند قرار دیا جا سکتا ہے۔کیونکہ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے صحیح مسلم شریف میں نقل کیا ہے۔

سوال: (i) حصہ نبوت سے کیا مراد ہے؟

(ii) اجزائے نبوت سے کیا مراد ہے؟

(iii) اس بارے میں منقول روایات میں اختلاف کی حکمت کیا ہے؟

(iv) ان تمام روایات کے درمیان تطبیق کی جا سکتی ہے؟

(۷) محدثین اس حدیث شریف کی تشریح کرتے ہوئے حیرت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اور وہ اس کا کوئی غیر متنازعہ حل پیش نہیں کر سکے ہیں؟

جواب

(حصہ) اجزائے نبوت سے مراد وہی اجزاء ہیں۔ جو کہ حرف آدمیت۔ حرف قبض۔ حرف بسط اور حرف نبوت کے اجزاء ہیں۔ (جن کی تفصیل پہلے بیان ہو چکی ہے) ان میں سے ہر ایک کے سات اجزاء ہیں۔ اور ان کی مجموعی تعداد (۲۸) اٹھائیس ہے۔

ان میں سے حرف آدمیت کا ایک جز ''مذکر ہونا'' خارج کر دیں۔ کیونکہ مرد اور عورت دونوں ہی خواب تو دیکھتے ہیں تو بقایا (۲۷) ستائیس رہ جائیں گے اس لئے (۲۷) ستائیس ویں جز کے بارے میں منقول روایات درست قرار پائیں گی۔ اگر (حرف آدمیت کے اجزا میں سے) ظاہری صورت کے کمال کے جز کو خارج کر دیا جائے تو (۲۶) چھبیس اجزاء باقی رہ جائیں گے۔ اس کیلئے ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ کی روایت درست ہوگی۔

اگر ہم (حرف آدمیت کے جز کے اجزاء میں سے) باطنی صورت کے کمال کے جز کو خارج کر دیں۔ کیونکہ خواب میں اس کی ضرورت باقی نہیں رہتی تو (۲۵) اجزاء باقی رہ جائیں گے اور ابن ابی حمزہ رحمۃ اللہ علیہ کی نقل کردہ روایت درست ہوگی۔

اگر ہم اسی علت کی بنیاد پر (حرف آدمیت کے اجزاء میں سے) ظاہری حواس کے کمال کے جز کو خارج کر دیں تو (۲۴) چوبیس اجزاء باقی رہ جائیں گے اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی (۲۴) چوبیس اجزاء کی روایت نقل کی ہے۔

ابھی ہم نے حرف (۴) چار حروف (آدمیت۔ قبض۔ بسط اور نبوت) کے اجزاء سامنے رکھے تھے۔ لہٰذا اگر آپ ان میں حرف رسالت۔ حرف روح۔ حرف علم کے سات سات بھی شامل کر دیں تو اجزائے نبوت کی مجموعی تعداد (۴۹) انچاس ہو جائے گی۔ جبکہ

امام طبری رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے یہی روایت نقل کی ہے۔

اگر ہم سابقہ طرز کے مطابق اس میں سے مذکر ہوتے اور ''باطنی صورت کے کمال'' کو ساقط کر دیں۔ تو (۴۷) سنتالیس اجزاء باقی رہ جائیں گے کہ جن کی روایت قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے۔

اگر آپ اس کے ہمراہ ''باطنی صورت کے کمال'' کو بھی ساقط کر دیں تو اب (۴۶) چھیالیس اجزاء باقی رہ جائیں گے۔ جو کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی نقل کردہ روایت کے عین مطابق ہے۔ اور اگر آپ اس میں ''ظاہری حواس کے کمال'' کو بھی ساقط کر دیں تو (۴۵) پنتالیس اجزاء باقی رہ جائیں گے۔

لہٰذا یہ ان سات روایات کی توجیہہ ہے۔ اور بقیہ روایات کی سند مشکوک ہے اس لئے ان کی توجیہہ پیش کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔

ایک اہم اشکال

سیدی عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے سوال کیا کہ جو توجیہہ آپ نے بیان کی ہے اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ خواب بھی اجزائے نبوت میں سے ایک جز ہے۔ جبکہ حدیث شریف کے الفاظ میں یہ صراحت موجود ہے۔ کہ خواب اجزائے نبوت کا ایک جز ہے۔ پھر آپ نے انہیں اجزائے نبوت میں شمار کیوں نہیں کیا؟

جواب

ہر نیک خواب حرف آدمیت کے اجزاء میں سے ایک جز یعنی ''شیطانی اثرات سے بچاؤ'' اور حرف روح کے اجزاء میں سے ایک جز یعنی ''بصیرت'' سے مدد حاصل کرتا ہے۔ اور انہی دونوں اجزاء کی مدد سے اچھا خواب دکھائی دیتا ہے۔

پھر کسی نے سوال کیا کہ اس صورت میں احادیث میں اجزائے نبوت کے ایک جز کی

بجائے (اس بات کا ذکر ہونا چاہئے تھا کہ خواب نبوت کے) دو اجزاء پر مشتمل ہے؟

تو حضرت سیدی عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ درحقیقت اچھا خواب شیطانی اثرات سے محفوظ رہنے کی بدولت ہی دکھائی دیتا ہے۔اور روحانی بصیرت صرف اس حصہ کی مدد کرتی ہے۔

لہٰذا جب اللہ رب العزت کسی شخص کو شیطانی اثرات سے محفوظ فرما دے تو اس شخص کے خیالات بھی نیک ہو جاتے ہیں۔ اور اسے نیک خواب دکھائی دینے لگتے ہیں۔ اور جو شخص شیطانی اثرات کا شکار ہو جائے۔ اس کے خیالات بھی برے ہو جاتے ہیں۔ اور اسے خواب بھی بُرے ہی دکھائی دینے لگتے ہیں۔

سیدی دباغ رحمۃ اللہ علیہ نے صرف اپنی روحانی معرفت کی بدولت اتنا جامع و مانع جواب عنایت فرمایا۔ ورنہ اکابرین اہل علم نے اجزائے نبوت سے کسی ایک جز کا بھی ذکر نہیں کیا۔ اور ان اجزاء کی تعداد بیان کرنے کی ذمہ داری ان حضرات کے سر ڈال دی ہے۔ جو کہ مرتبہ نبوت کے معارف سے آگاہ ہوتے ہیں۔

حضرت امام ابوعبیداللہ الحلیمی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث شریف کی شرح میں کچھ تکلف سے کام لیتے ہوئے چند امور کا تذکرہ فرمایا ہے۔ کہ جن کو میں ذیل میں نقل کرنا چاہوں گا۔

امام ابوعبیداللہ الحلیمی الشافعی کے بیان کردہ اجزائے نبوت

شیخ علاؤالدین قونوی تحریر کرتے ہیں۔ کہ امام ابوعبیداللہ الحلیمی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث شریف کی شرح میں نبوت کے دیگر (۴۶) چھیالیس (حصوں) اجزاء کو ذکر کرنے کی کوشش کی ہے۔اور ان اجزائے نبوت کو درج ذیل حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

۱- اللہ تعالیٰ کے ساتھ بلاواسطہ کلام کرنا۔

۲- ایسا (بلاواسطہ) الہام کہ جس میں کلام شامل نہ ہو۔

۳- فرشتے کی وساطت سے وحی کا نزول۔

۴- فرشتے کا دل میں کوئی بات القاء کرنا۔

۵- عقل کا کامل ہونا۔

۶- یادداشت کا مضبوط ہونا۔

۷- اجتہاد میں خطاء سے محفوظ ہونا۔

۸- استنباط مسائل کی صلاحیت۔

۹- بصارت کا طاقتور ہونا۔ یعنی نبی دنیا کے کسی بھی حصے میں موجود کسی بھی چیز کو باآسانی دیکھ سکے۔

۱۰- سماعت کا طاقتور ہونا۔ یعنی نبی ان آوازوں کو بھی سن سکے کہ جن کو عام انسان نہیں سن سکتے۔

۱۱- سونگھنے کی صلاحیت کا طاقتور ہونا۔ جیسے حضرت یعقوب علیہ السلام نے دور سے ہی حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیض کی بو سونگھ لی تھی۔

۱۲- جسمانی طاقت کا اس قدر زیادہ ہونا کہ ایک ہی رات میں تین دن کی مسافت کے برابر طے کر سکے۔

۱۳- آسمانوں کی معراج۔

۱۴- گھنٹی کی مانند وحی کا نزول۔

۱۵- جانوروں کی گفتگو کو سمجھنا۔

۱۶- نباتات کی گفتگو کو سمجھنا۔

۱۷- کھجور کے تنے کی بات کو سمجھنا۔

۱۸- پتھروں کے کلام کو سمجھنا۔

۱۹- بھیڑیوں کی پکار کو سمجھنا۔

۲۰- اونٹوں کی پکار کو سمجھنا۔

۲۱- ایسی آواز کو سمجھنا کہ اس کے بولنے والا دکھائی نہ دے۔

۲۲- جنات کا مشاہدہ کرنا۔

۲۳- بظاہر نگاہوں سے اوجھل چیزوں کا سامنے آ جانا۔ جیسا کہ معراج شریف سے اگلے دن بیت المقدس کو آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّم کے سامنے پیش کیا گیا تھا۔

۲۴- کسی واقعہ سے کسی چیز کے انجام کا اندازہ لگا لینا۔ جیسا کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّم کی اونٹنی بیٹھ گئی تو آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّم نے وہ جملہ ادا فرمایا تھا جس کا مفہوم یہ ہے۔ کہ میری اس اونٹنی کو اسی ذات نے مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا ہے جس نے (ابرہہ کے) ہاتھیوں کو مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا تھا۔

۲۵- کسی نام کو سن کر آئندہ کی صورتحال کا اندازہ لگا لینا۔ جیسا کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر جب کفار کا نمائندہ مذاکرات کے لئے آیا۔ اور آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّم کو پتہ چلا کہ اس کا نام ''سہیل'' ہے۔ تو آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ اب تمہارا معاملہ سہل ہو جائے گا۔

۲۶- آسمان میں موجود کسی چیز کو دیکھ کر زمین پر موجود کسی واقعہ سے آگاہ ہو جانا۔ جیسا کہ نبی اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّم نے ایک مرتبہ بادل کو دیکھ کر یہ ارشاد فرمایا تھا۔ کہ یہ بادل بنو کعب کی فتح کی مبارکباد دے رہا ہے۔

۲۷- اپنی پشت کی جانب موجود اشیاء کو دیکھ لینا۔

۲۸- کسی مرحوم شخص کے بارے میں اس بات کی اطلاع پانا کہ جس کا تعلق اس کی زندگی کے ساتھ تھا۔ جیسے آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّم نے حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ انہیں فرشتوں نے غسل دیا ہے۔ کیونکہ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ شہادت سے پہلے جنبی تھے۔

۲۹- کسی واقعہ کو دیکھ کر آئندہ پیش آنیوالے واقعات سے آگاہ ہو جانا۔ جیسا کہ غزوۂ

خندق کے موقع پر حضور نبی کریم ﷺ نے شام اور ایران کی فتح کو ملاحظہ کیا تھا۔

۳۰- دنیا میں رہنے کے باوجود جنت اور دوزخ کا مشاہدہ کرنا۔

۳۱- فراست

۳۲- نباتات کا پیروی کرنا۔ جیسا کہ ایک درخت آپ ﷺ کے حکم پر اپنی جڑوں سمیت آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گیا تھا۔

۳۳- جانوروں کا آپ ﷺ کی خدمت میں درخواست کا پیش کرنا۔ جیسے ایک ہرنی نے اپنے بچے کے بارے میں درخواست پیش کی تھی۔

۳۴- خواب کی ایسی تعبیر بیان کرنا کہ جس میں غلطی کی کوئی گنجائش نہ ہو۔

۳۵- کسی بھی چیز کے بارے میں بالکل درست اندازہ لگا لینا اور پھر اس اندازے کا بالکل درست ثابت ہونا۔

۳۶- لوگوں کی احکام کی طرف رہنمائی کرنا۔

۳۷- لوگوں کو دینی اور دنیاوی معاملات صحیح طریقے سے انجام دینے کی تعلیم کرنا۔

۳۸- لوگوں کو نیکی اور ہدایت کی طرف دعوت دینا۔

۳۹- طب کے قوانین کے مطابق لوگوں کو جسمانی صحت سے متعلق مشورے دینا۔

۴۰- قرب الٰہی کے حصول کیلئے لوگوں کی رہنمائی کرنا۔

۴۱- لوگوں کو مفید صنعتوں کی تعلیم دینا۔

۴۲- غیب سے متعلق ان امور کی خبر دینا کہ جن کا ذکر پہلے کسی نے نہ کیا ہو۔

۴۳- مستقبل کے واقعات سے آگاہ ہونا۔

۴۴- لوگوں کے پوشیدہ معاملات اور اسرار سے واقف ہونا۔

۴۵- استدلال کے طریقوں کی تعلیم دینا۔

۴۶- بہترین معاشرتی اقدار کی تعلیم دینا۔

لہٰذا اس طرح نبوت کے اجزاء (حصہ) کی تعداد (۴۶) چھیالیس ہو جاتی ہے۔اور ان تمام اجزاء کو خواب کے ہمراہ منسلک بھی کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ حدیث شریف میں خواب کو نبوت کا (۴۶) چھیالیس واں حصہ قرار دیا گیا ہے۔ اگر چہ بیشتر خوابوں کا تعلق غیر انبیاء کے ساتھ ہوتا ہے۔ لیکن نبی کو دکھائی دینے والے خواب میں غلطی کا کوئی امکان موجود نہیں ہوتا۔

حلیمی کے بیان پر نقد

امام حلیمی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ بیان محل نظر ہے۔ کیونکہ انہوں نے مطلق اعتبار سے نبوت کے اجزاء شمار کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ جبکہ جن اجزاء کا انہوں نے ذکر کیا ہے۔ ان میں سے بیشتر ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خاص ہیں۔ جیسے بھیڑ بکریوں کا گفتگو کرنا۔ پتھروں کا سلام کرنا۔ کھجور کے تنا کی گریہ وزاری اور جانوروں کی زبان سمجھنا۔ بیت المقدس کو اپنے سامنے دیکھنا۔ بادل کو دیکھ کر بنو کعب کی فتح سے واقف ہو جانا۔ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کی جنابت سے واقف ہو جانا۔ غزوہ خندق کے دوران خندق کی کھدائی کے وقت شام اور ایران کی فتوحات سے واقف ہو جانا وغیرہ یہ تمام جزئیات ہیں۔ جو کہ رونما ہو کر ختم ہو گئی ہیں۔ لہٰذا ان کو اجزائے نبوت قرار نہیں دیا جا سکتا (کیونکہ اجزاء ہمیشہ باقی رہتے ہیں) اور حلیمی کے بیان کردہ ابتدائی (۶) چھ اجزاء کا تعلق صرف لغت کی معرفت کے ساتھ ہے۔ اسی طرح صلح حدیبیہ کا واقعہ اور اگلے چار نکات انجام کی معرفت کی چار مختلف صورتیں ہیں۔ اس طرح کل گیارہ اقسام درحقیقت صرف دو اقسام ہیں۔ نیز حلیمی کی بیان کردہ تمام تر صورتوں کو سیدی عبدالعزیز دباغ کی بیان کردہ ''حرف رسالت'' کے صرف ایک جز یعنی ''علم کامل'' میں سمویا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ ہم اس سے پہلے علم کامل کی تشریح میں یہ بیان کر چکے ہیں۔ مزید برآں حلیمی نے صرف حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صادر ہونے والے چند معجزات کو مطلق

طور پر نبوت کے اجزاء قرار دیدیا۔ حالانکہ نبوت کے اجزاء حضور نبی کریم ﷺ کے ہمراہ دیگر تمام انبیاء علیہم السلام میں بھی پائے جاتے ہیں۔ جبکہ حلیمی نے جن معجزات کو اجزائے نبوت قرار دیا ہے۔ ان میں سے بعض معجزات کی مانند کرامات حضور نبی اکرم ﷺ کے اولیائے کرام رضوان اللہ علیہم سے بھی صادر ہوئی ہیں۔'' کیونکہ اہل سنت کا یہ متفقہ عقیدہ ہے۔ کہ نبی سے صادر ہونیوالے بہت سے معجزات ولی سے بھی بطور کرامت صادر ہو سکتے ہیں''۔ اس لئے ان معجزات کو اجزائے نبوت قرار دینا درست نہیں ہے۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی تشریح

اس حدیث شریف کی شرح بیان کرتے ہوئے حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ حضور اقدس ﷺ نے ایک حقیقت کو بیان فرماتے ہوئے خواب کو نبوت کا (۴۶) چھیالیس واں حصہ قرار دیا ہے۔ اور یہ عدد اتفاقیہ طور پر حضور اقدس ﷺ کی زبان اقدس سے جاری نہیں ہوئے۔ بلکہ یہ ایک درست اندازہ ہے۔ اور عام امتی اس سے کبھی بھی واقف نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ نبوت ایک ایسے مرتبے کا نام ہے۔ جو صرف مخصوص افراد (انبیاء علیہم السلام) کے ساتھ خاص ہے۔ اور اسی مرتبہ کی بدولت نبی اور غیر نبی کے درمیان امتیاز کیا جا سکتا ہے۔ اور اس مرتبہ کی چند خصوصیات ہیں۔ تاکہ نبی اللہ رب العزت اس کی صفات۔ فرشتوں۔ آخرت کے بارے میں حقیقی معرفت حاصل کر سکے۔ نبی کی معرفت عام لوگوں کی معرفت سے بہت مختلف ہوتی ہے۔ کیونکہ نبی کو عام لوگوں کی نسبت کثیر تعداد میں یقینی معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ اور نبی کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے۔ کہ اس کو ایک ایسی بصیرت حاصل ہوتی ہے۔ کہ جس کی بدولت وہ عالم ملکوت اور فرشتوں کا مشاہدہ کر سکتا ہے۔ اور اسی بصیرت کے حوالہ سے نبی اور غیر نبی کے درمیان وہ فرق ہوتا ہے۔ جو ''بینا'' اور ''نابینا'' کے درمیان ہوتا ہے۔

نبی کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے۔ کہ وہ اپنی بصیرت کے ذریعے بہت سے عیوب سے آگاہ ہوتا ہے۔ لوح محفوظ کا بھی مطالعہ کرسکتا ہے۔ اور اس خصوصیت کے اعتبار سے نبی اور عام شخص کے درمیان وہی فرق ہوگا جو کسی پڑھے لکھے اور ان پڑھ شخص کے درمیان ہوسکتا ہے۔

نبی کے اندر ایک خصوصیت یہ بھی ہے۔ کہ وہ خرق عادت امور کو اس طرح انجام دیتا ہے۔ جیسے کوئی انسان حسب عادت امور انجام دیتا ہے۔ لہٰذا یہ تمام خصوصیات حضور اقدس ﷺ کی ذات میں بھی پائی جاتی ہیں۔ ان میں سے ہر ایک قسم کو مزید ذیلی اقسام میں بھی تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ اور یہ ممکن ہے۔ کہ ہم ان اقسام کو ۴۰۔ ۵۰ یا اس سے بھی زیادہ اقسام میں تقسیم کرلیں اور یہ بھی ممکن ہے۔ کہ ہم ان اقسام کو (۴۶) چھیالیس حصوں میں تقسیم کرلیں۔ وہ اس طرح کہ خواب بھی ان کا ایک حصہ بن جائے۔ لیکن ہماری یہ تقسیم ہمارا اپنا اندازہ ہوگی اور ہم اسے حضور اقدس ﷺ کی مراد قرار نہیں دے سکتے۔

دیگر علمائے کرام کی تشریحات

امام مازری رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں۔ کہ یہ لازم نہیں ہے۔ کہ ہر عالم کو اس چیز کا اجمالی یا تفصیلی علم ہو۔ کیونکہ اللہ رب العزت نے ہر عالم کیلئے ایک مخصوص حد مقرر فرمائی ہے۔ کہ جس کے پاس پہنچ کر وہ ٹھہر جاتا ہے۔ اور بہت سی معلومات ایسی ہیں۔ کہ جن کے بارے میں کسی بھی عالم کو اجمالی یا تفصیلی کوئی بھی علم نہیں ہوتا ہے۔ اور بہت سی معلومات ایسی ہیں۔ کہ جن کا اجمالی علم حاصل ہوتا ہے۔ لیکن تفصیلی علم حاصل نہیں ہوتا اور یہ (روایت) بھی اسی قبیل سے تعلق رکھتی ہے۔

یعنی وہ روایت کہ جس میں خواب کو نبوت کا (۴۶) چھیالیس واں جز قرار دیا گیا ہے۔ شیخ ابن ابطال رحمۃ اللہ علیہ، ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی نوعیت کی رائے

بیان کی ہے۔

شیخ ابن ابطال رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ ابوسعید سفاقسی کے حوالے سے یہ بات نقل کرتے ہیں۔ بعض علمائے کرام نے اس روایت کی یہ توجیہہ بیان کی ہے۔کہ اللہ رب العزت نے اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر (۱۶) سولہ ماہ تک خواب کی حالت میں وحی نازل کی پھر بقیہ ساری زندگی میں بیداری کی حالت میں وحی نازل ہوتی رہی۔

مشہور روایت کے مطابق حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پہلی وحی کے نزول کے بعد (۲۳) تیئس برس زندہ رہے۔ اس طرح خواب اور بیداری کی وحی کے درمیان ایک اور (۴۶) چھیالیس کی نسبت پائی جاتی ہے۔

لیکن اس جواب پر بہت سے اِشکال وارد ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا سب سے پہلا اِشکال تو یہ ہے۔کہ خواب کی حالت میں نازل ہونے والی سب سے پہلی وحی کے بعد کتنے عرصہ تک وحی کا نزول جاری رہا؟ اس بارے میں مختلف روایات منقول ہیں۔ اور ۲۳ برس کا قول متفقہ نہیں ہے؟

دوسرا اِشکال یہ ہے۔کہ بالفرض اس روایت کو درست تسلیم کر لیا جائے تو ان روایات کی کیا توجیہہ پیش کی جائے گی کہ جن میں (۴۶) چھیالیس کے بجائے ۴۵-۴۹-۷۰-۵۰ اور دیگر اعداد کا ذکر ہے؟

تیسرا اِشکال یہ ہے۔کہ ہم قول کو ہی درست تسلیم نہیں کرتے کہ خواب کی حالت میں نازل ہونے والی وحی کی مدت صرف (۶) چھ ماہ تھی۔ کیونکہ اس کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے؟

چوتھا اِشکال یہ ہے۔کہ اگر بالفرض چھ ماہ تک خواب کی حالت میں وحی نازل ہوئی تھی تو اس کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔کہ اس کے بعد وحی ہمیشہ بیداری ہی کی حالت میں نازل ہوتی رہی۔ بلکہ بعد میں بھی خواب کی حالت میں وحی کے نزول کی روایات موجود

ہیں۔ اگر انہیں آپ کے ذکر کردہ چھ ماہ میں شامل کرلیا جائے تو خواب میں وحی کے نزول کا زمانہ چھ ماہ سے بڑھ جائے گا۔

بہرحال ان میں سے تیسرے سوال کا جواب یہ ہے۔کہ (مشہور سیرت نگار) شیخ ابن اسحاق نے یہ روایت نقل کی ہے۔کہ حضور نبی اکرم ﷺ پر وحی کے نزول کا آغاز (خواب کی شکل میں) ۴۰ چالیس برس کی عمر میں ماہ ربیع الاول کے مہینہ میں ہوا۔ پھر اسی سال رمضان شریف میں غار حرا میں حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔

لہٰذا اس جواب پر اب یہ اِشکال وارد ہوگا کہ یہ روایت بھی متفقہ نہیں ہے۔ کیونکہ بعض دیگر محدثین اور سیرت نگاروں نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کی آمد کے بارے میں رمضان المبارک کے بجائے رجب المرجب اور بعض دیگر حضرات نے ربیع الاول ہی روایت کی ہے۔اور اگر بالفرض اس روایت کو درست تسلیم کرلیا جائے تو اس کے الفاظ میں اس بات کی صراحت موجود نہیں ہے۔کہ ان تمام چھ ماہ کے دوران خواب کی صورت میں وحی نازل ہوتی رہی۔

بہرحال مذکورہ بالا اعتراضات میں سے چوتھے اعتراض کا یہ جواب ہے۔کہ خواب سے ہماری مراد متواتر خواب ہیں اس لئے بعد میں دکھائی دینے والے خوابوں سے ہم پر اعتراض وارد نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے۔کہ روایات میں اختلاف اس وقت کے اعتبار سے ہے۔کہ جب حضور اقدس ﷺ نے یہ حدیث بیان فرمائی تھی کہ مثلاً وحی کے نزول کے ۱۳ تیرہ سال مکمل ہونے کے بعد آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا ہوگا کہ ''خواب نبوت کا ۲۶ چھبیسواں حصہ ہے'' پھر وحی کے نزول کے ۲۰ بیس سال مکمل ہونے کے بعد یہ فرمایا کہ ''چالیسواں حصہ ہیں'' ۲۲ بائیس سال مکمل ہونے کے بعد فرمایا کہ ''۴۴ چوالیسواں حصہ ہیں'' اور پھر آخری عمر میں ارشاد فرمایا کہ ''۴۶ چھیالیسواں

حصہ ہیں"

اور ان روایات کے علاوہ دیگر تمام روایات مستند نہیں ہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے۔ کہ ۵۰ پچاس ویں حصہ یا ۷۰ سترویں حصہ کی روایت درست ہو۔ اس صورت میں ۵۰ پچاس ویں حصہ سے مراد (عربوں کے عام محاورے کے مطابق اکائی کی شکل میں ۴۶ کہنے کی بجائے دہائی کی شکل میں) ۴۶ واں حصہ مراد ہو۔ (یعنی ۵۰ سے مراد یہ ہے۔ کہ ۴۱ سے لے کر ۵۰ تک کوئی ایک عدد مراد ہوسکتا ہے)۔ جبکہ ۷۰ ستر واں حصہ قرار دے کر مبالغہ کرنا مقصود ہوگا اور یہ تمام گفتگو شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کی ہے۔اور فرماتے ہیں۔ کہ اس توجیہ کے بعد میں آنے والے اہل علم میں سے کسی ایک نے بھی اختلاف نہیں کیا۔

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا اعتراف

شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ کہ اس میں ایک اِشکال باقی رہ جاتا ہے۔اور وہ یہ کہ حدیث شریف کا باقی مضمون یہ ہے۔ کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی نیک مسلمان کو دکھائی دینے والے خواب کی فضیلت بیان کر رہے ہیں۔ جبکہ مذکورہ بالا تشریح سے یہ ظاہر ہوتا ہے۔ کہ صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دکھائی دینے والے خواب مراد ہیں۔ کیونکہ خواب اور بیداری کے درمیان نازل ہونے والی وحی میں ایک اور چھیالیس کی نسبت پائی جاتی ہے۔ لیکن عام مسلمان کے ساتھ یہ صورتحال پیش نہیں آتی۔ اس لئے شیخ ابن ابی حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس تاویل کو مسترد کرتے ہوئے تحریر کیا ہے۔اور اس تاویل کے ذریعے مسئلے کا حل سامنے نہیں آیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسی فصیح و بلیغ ہستی کے کلام سے اس طرح کے معنی اخذ کرنا مناسب نہیں ہے۔اور ہوسکتا ہے۔ کہ یہ تاویل پیش کرنے والے کے ذہن میں یہ بات موجود ہو کہ وہ اس تاویل کے ذریعے خواب اور نبوت کے درمیان کوئی مناسبت واضح کرنا چاہتا ہو۔ پھر تعداد کے اختلاف کو اس نے اس تاویل کے ذریعے منطبق کرنے کی کوشش کی

ہو۔

حضرت امام ابو جعفر طبری رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں۔ کہ ۷۰ سترویں حصے والی روایت ہر مسلمان کو دکھائی دینے والے سچے خواب کے بارے میں ہے۔اور ۴۰ چالیسویں حصہ والی روایت کسی متقی اور پرہیزگار مسلمان کو دکھائی دینے والے خواب کے بارے میں ہے۔اور دیگر تمام روایات دیگر مسلمانوں کے احوال پر منطبق ہوں گی۔

شیطانی خواب

انسان دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو ہر وقت اللہ رب العزت کے ساتھ متعلق اور مشغول رہتے ہیں۔ اور دوسرے وہ جو باطل کے ساتھ متعلق یا مشغول رہتے ہیں۔ پھر ان میں ہر ایک کو اپنے حسب حال (حق یا باطل) کی مدد حاصل رہتی ہے۔اور ان کی یہ حالت ہمیشہ برقرار رہتی ہے۔

لہٰذا فرض کریں کہ دو سائل ہیں دونوں نے دس ہزار روپیہ کا سوال کیا۔ اور دونوں کو دس دس ہزار روپیہ مل بھی گئے اور دونوں بہت خوش ہوئے۔ لیکن ایک کی خوشی کا تعلق عطاء کرنے والی ذات کے ساتھ تھا۔ اور اس کی یہ خوشی اس کے باطن پر بھی اثر انداز ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ اس کا باطن بھی عطاء کرنے والی ذات سے منسلک ہو جاتا ہے یہ وہ شخص ہے۔ جو کہ ہمیشہ حق کے ساتھ مشغول اور متعلق رہتا ہے۔ جبکہ دوسرے سائل کی ساری خوشی کا تعلق حاصل ہونے والی رقم کے ساتھ ہے۔ لہٰذا جب اس کی توجہ حاصل ہونے والی رقم کی طرف ہوگی تو اسے اپنی بہت سی ضروریات کا خیال آئے گا۔ جو کہ اس رقم کے ذریعے پوری ہوسکتی ہیں۔ پھر ان ضروریات کی تکمیل کے بعد وہ مزید رقم کا سوال کرنا شروع کر دے گا اور کہے گا کہ

اے میرے پروردگار! مجھے مزید دس ہزار روپیہ عطا فرما۔ کیونکہ اس کی پوری توجہ اپنی

ضروریات کی طرف مبذول ہے اس لئے درحقیقت وہ اللہ رب العزت کی طرف مشغول اور متعلق نہیں ہے۔ صرف ظاہری طور پر اللہ رب العزت کو مخاطب کر رہا ہے۔ اور درحقیقت وہ اللہ رب العزت سے لاتعلق اور محجوب ہے۔ ''یہی وہ شخص ہے۔ جو ہر وقت باطل کے ساتھ متعلق اور مشغول ہے''۔

اس طرح پہلی قسم والے خواب کو اللہ رب العزت کی ذات سے اور دوسری قسم کے خواب کو شیطان لعین سے منسوب کیا جائیگا۔ حالانکہ درحقیقت دونوں طرح کے خواب اللہ رب العزت ہی کی جانب سے آتے ہیں۔ لیکن دوسری قسم کو شیطان سے اس لئے منسوب کیا گیا ہے۔ کہ ان کے ذریعے شیطان خوش ہوتا ہے۔ اور وہ اس بات کو بہت پسند کرتا ہے۔ کہ اولاد آدم اس طرح کے خواب دیکھے۔ کیونکہ یہ خواب شیطان لعین کی پسندیدہ ظلمتوں کے نتیجہ میں پیدا ہوتے ہیں۔ اور شیطان کی اصل بھی ظلمت ہی ہے اس لئے وہ ظلمت کو پسند کرتا ہے۔

اہل ظلمت کے خواب

قرآن مجید میں وارد ہے کہ

''وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّیْ اَرٰی سَبْعَ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ'' (یوسف' آیت ۴۳)

''بادشاہ نے کہا کہ میں نے خواب میں سات صحت مند گائیں دیکھی ہیں''۔

اس خواب میں حضرت یوسف علیہ السلام کا ''سرّ'' پوشیدہ تھا۔ کیونکہ یہی خواب حضرت یوسف علیہ السلام کی رہائی۔ شہرت اور عزت وحکومت کا باعث بنا اور اگر خواب کا تعلق کسی اور کے ساتھ ہو۔ تو بعض اوقات کسی کافر کو دکھائی دینے والا خواب بھی سچا ثابت ہوتا ہے۔ جیسا کہ مصر کے بادشاہ کو دکھائی دینے والے خواب کا تعلق پورے ملک کے ساتھ تھا۔ اور یہ خواب صرف بادشاہ کی ذات تک محدود نہ تھا۔

بہر حال خواب کی یہ وجہ بھی ہے۔ کہ اس خواب کے ذریعے حضرت یوسف علیہ السلام کی شہرت اور رہائی کا راستہ نکلتا تھا۔ لیکن عام اصول یہی ہے۔ کہ اہل ظلمت کو دکھائی دینے والا خواب اس وقت سچا ثابت ہوتا ہے جب اس کا تعلق کسی دوسرے کے ساتھ ہو یا پھر خواب میں اسے دین حق پر گامزن ہونے کی تلقین کی گئی ہو یا وہ خواب اس دیکھنے والے کی توبہ کا باعث بن سکتا ہو یا اسی طرح کا کوئی اور دینی فائدہ حاصل ہوسکتا ہو۔ تو اہل ظلمت کو دکھائی دینے والا خواب سچا ثابت ہوسکتا ہے۔

جبکہ علم تعبیر کے ماہرین کی یہ رائے ہے۔ کہ اگر کوئی بددیانت یا گنہگار شخص کوئی اچھا خواب دیکھ لے تو یہ اس کیلئے ایمان یا توبہ قبول کرنے کی خوشخبری ثابت ہوتا ہے یا کفر اور فسق پر گامزن رہنے کے بارے میں تنبیہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور بعض اوقات اس کے خواب کا تعلق کسی اور صاحب فضیلت شخص کی عظمت کے شان کے اظہار کی طرف ہوتا ہے۔ اور بعض اوقات انہیں ایسا خواب بھی دکھائی دیتا ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ کفر یا گناہ پر ان کی ثابت قدمی لائق تعریف ہے۔ ایسا خواب ایک دھوکہ اور فریب ہوتا ہے۔ اللہ رب العزت ہمیں اس سے محفوظ رکھے۔

پریشان کن خواب

ایک مرتبہ ایک خاتون نے ایک خواب دیکھا کہ اس کے گھر کا ایک ستون گر گیا ہے۔ اور اس کے ہاں ایک یک چشم (کانا) بچہ پیدا ہوا ہے۔ جس وقت اس نے یہ خواب دیکھا تھا۔ اس وقت اس کا شوہر تجارت کے سلسلے میں کہیں دور گیا ہوا تھا۔ اس نے حضور اقدس ﷺ کو یہ خواب سنایا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ انشاء اللہ! تمہارا شوہر صحیح سلامت واپس آئیگا اور تمہارے ہاں صحت مند بچہ پیدا ہوگا۔

کچھ دن بعد وہ عورت دوبارہ حاضر خدمت ہوئی تو حضور نبی کریم ﷺ اس وقت

وہاں تشریف فرما نہ تھے تو اس عورت نے ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اپنا خواب سنایا تو ام المومنین رضی اللہ عنہا نے جواب میں فرمایا کہ اگر تمہارا خواب سچا ہے۔ تو تمہارا شوہر سفر کی حالت میں انتقال کر جائے گا اور تمہارے ہاں ایک فاسق و فاجر بچہ پیدا ہوگا۔

جب حضور اقدس تشریف فرما ہوئے تو حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے یہ خواب اور اس کی تعبیر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتائی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس تعبیر کو ناپسند کرتے ہوئے فرمایا: اے عائشہ رضی اللہ عنہا! کسی بھی مسلمان کو اس کے خواب کی اچھی تعبیر بتایا کرو۔ کیونکہ خواب تعبیر کے مطابق واقع ہوتے ہیں۔

پریشان خواب اللہ رب العزت کی طرف سے انسان کیلئے تنبیہ اور آزمائش ہوتے ہیں۔ کہ کیا یہ شخص اب بھی اپنے پروردگار کے ساتھ تعلق برقرار رکھتا ہے یا کہ اسے منقطع کر دیتا ہے۔ لہٰذا جب انسان اپنے پروردگار کے ساتھ تعلق برقرار رکھے تو کوئی بھی پریشان خواب اسے ہرگز پریشان نہیں کر سکتا۔ کیونکہ وہ یہ بات بخوبی جانتا ہے۔ کہ یہ خواب اس ذات کی طرف سے ہے جس کے دست قدرت میں ہر چیز کا تصرف ہے۔ اور جس نے اپنے اختیار کے مطابق سب کچھ طے کر دیا ہے اس لئے ایسا شخص کبھی بھی کسی خواب سے پریشان یا خوفزدہ نہیں ہو سکتا اور انشاء اللہ تعالیٰ ایسا کوئی بھی خواب انسان کو کوئی بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا اور اس کے برعکس جو شخص اللہ رب العزت سے لاتعلق ہوگا اور وہ کوئی پریشان خواب دیکھ لے تو اس کی پوری توجہ اسی خواب کی طرف مبذول ہو جائے گی اور اس کے دل میں یہ اندیشہ پیدا ہوگا کہ یہ خواب ضرور سچ ہوگا۔ لہٰذا یہ شخص تقدیر سے غافل ہو کر خواب کی طرف متوجہ ہو جائے گا اور آخر کار اسی مصیبت کا شکار ہو جائے گا کہ جس سے وہ خوفزدہ تھا۔ لہٰذا پریشان خواب اسی طرح کے لوگوں کے لئے نقصان کا باعث بن سکتے ہیں۔

پریشان یا برا خواب دیکھنے پر تعوذ کی حکمت

چونکہ ہر مسلمان کا دل اللہ رب العزت ہی کے ذکر کی حالت میں سوتا ہے۔اور اسی حالت میں بیدار ہوتا ہے۔ گویا سوتے اور جاگتے وقت ہر حالت میں اللہ رب العزت کی یاد ان کے دل میں موجود ہوتی ہے۔ لہٰذا ایسا شخص جب کوئی پریشان خواب دیکھ کر بیدار ہو۔تو اس کا دل اس حالت سے متزلزل ہو چکا ہوتا ہے۔ جو کہ سوتے وقت موجود تھی اس لئے حضور نبی اکرم ﷺ نے اسی سابقہ حالت کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا ہے۔اور اس پریشان خواب کے بارے میں اللہ رب العزت کی مدد طلب کرے اور پھر اس پریشان کن خواب سے لاتعلق ہو جائے۔ کیونکہ شیطان اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ انسان کا تعلق دوبارہ اللہ رب العزت کی ذات کے ساتھ ہو جائے اس لئے شیطان کے شر سے محفوظ رہنے کیلئے اللہ رب العزت سے مدد طلب کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔اور تھوکنے کا حکم دینے کی یہ حکمت ہے۔کہ وہ متزلزل ہونے کی سابقہ کیفیت کو ایک گندگی شمار کرتے ہوئے اس کی جانب تھوک دے اور بائیں جانب تھوکنے کا حکم اس لئے دیا گیا ہے۔کہ شیطان ہمیشہ بائیں جانب سے حملہ آور ہوتا ہے۔

جبکہ ہر بھلائی دائیں جانب سے ہوتی ہے۔ لہٰذا ہر مسلمان کا وہ محافظ فرشتہ کہ جس کا نور مضبوط ہو وہ دائیں جانب موجود رہتا ہے۔اور جس کا نور کمزور ہوگا وہ بائیں جانب موجود رہتا ہے۔ جبکہ جنت بھی دائیں جانب موجود ہے۔ جبکہ دوزخ بائیں جانب موجود ہے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام ہمیشہ دائیں جانب سے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔

اور حضور نبی اکرم ﷺ ہمیشہ دائیں جانب سے متوجہ ہو کر شہداء کی ارواح کا مشاہدہ فرمایا کرتے تھے۔ جب کبھی آپ ﷺ کو شہدائے بدر و اُحد یاد آتے تو آپ ﷺ اپنے

دائیں جانب متوجہ ہوتے اور شہداء کو کفار کے ساتھ نبرد آزما دیکھا کرتے تھے۔

عرش بھی دائیں جانب موجود ہے۔ جبکہ فرش بائیں جانب موجود ہے۔ زمین کے جس حصہ میں اولاد آدم میں سے اہل ایمان آباد ہیں۔ وہ زمین کا دایاں حصہ ہے۔ اور جس میں جنات آباد ہیں۔ وہ بایاں حصہ ہے۔ انسانی جسم میں دائیں طرف موجود رگیں شدت کے ساتھ اللہ رب العزت کا ذکر کرتی ہیں۔ اور بائیں جانب کی رگوں پر خاموشی طاری رہتی ہے۔ حق کا نور ہمیشہ دائیں جانب سے آتا ہے۔ اور باطل ہمیشہ بائیں جانب سے آتا ہے۔

مختصر یہ کہ ہر بھلائی دائیں جانب سے اور ہر برائی بائیں جانب سے آتی ہے۔

دائیں اور بائیں کا حکم

میرے خیال میں جہاں تک صاحب معرفت لوگوں کا تعلق ہے۔ تو ہمیشہ ہر بھلائی دائیں جانب سے آتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ اور ہر برائی بائیں جانب سے آتی ہے۔ اگر وہ رخ بدل دے تو بھلائی اور برائی کی سمت بھی تبدیل ہو جاتی ہے۔

اگر کوئی [illegible] مشرق کی طرف منہ کر کے کھڑا ہے۔ تو [illegible] بھلائی
[illegible] دائیں جانب یعنی جنوب کی سمت میں [illegible]
جنت، عرش، شہداء کی [illegible] دائیں جانب [illegible]
[illegible] بائیں طرف یعنی شمال کی جانب [illegible]
[illegible]
[illegible] مغرب کی طرف [illegible] دائیں جانب یعنی شمال کی
سمت میں [illegible] دائیں جانب یعنی جنوب کی سمت
میں [illegible]

ان بھلائیوں اور برائیوں کی جہت بھی بدل جائے گی''۔

اس کی حکمت یہ ہے۔کہ ہر ولی کے پاس دو آئینے ہوتے ہیں۔کہ جن کی مدد سے وہ تمام اشیاء کو دیکھتا ہے ان میں سے ایک آئینہ نورانی ہوتا ہے۔کہ جس کی مدد سے صرف نورانی اشیاء ہی دکھائی دیتی ہیں۔ جبکہ دوسرا آئینہ ظلماتی ہوتا ہے۔کہ جس سے صرف ظلمت والی اشیاء ہی دکھائی دیتی ہیں۔ اور نورانی آئینہ اس کے دائیں جانب موجود ہوتا ہے۔اور یہی اللہ رب العزت کی ذات پر ایمان کا نور ہے۔ جبکہ ظلماتی آئینہ بائیں جانب موجود ہوتا ہے۔ جو کہ درحقیقت خبیث نفس کی شہوات کی خباثت ہوتی ہے۔ جو کہ ایمان کے نور کے مدمقابل موجود ہوتی ہے اس لئے جب وہ شخص دائیں طرف دیکھتا ہے۔تو اس کے ایمان کے نور کی مدد شامل حال ہوتی ہے۔کہ جس کے نتیجے میں اسے وہ تمام اشیاء دکھائی دیتی ہیں جو اس کے ایمان کے نور کی مانند حق اور نور ہوتی ہیں۔ اور اسی طرح جب وہ اپنے بائیں طرف دیکھتا ہے۔ تو اس وقت نفسانی خواہشات کی ظلمت اس کی مدد کرتی ہے۔اور اس وقت اسے صرف وہی اشیاء دکھائی دیتی ہے۔ جو کہ نفسانی خواہشات ظلمت اور تاریکی کا شکار ہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے۔کہ وہ ہر چیز کو اپنی ذاتی فطرت کے اعتبار سے دیکھتا ہے۔ کیونکہ فطری طور پر وہ روح اور جسم کا مجموعہ ہے۔ جب روح پوری رضامندی اور رغبت کے ساتھ اس کے جسم میں قیام پذیر ہو جائے تو روح اور جسم دونوں کو ایمان کا نور نصیب ہوتا ہے۔اور یہ نور اس وجود کا حصہ بن جاتا ہے۔ جب کسی بھی چیز کو عقل دیکھتی ہے۔ لہٰذا جب عقل روح کے نور کے آئینے کی مدد سے کچھ دیکھنے کی کوشش کرتی ہے تو اسے صرف ظلمت اور اس کی مانند دیگر اشیاء دکھائی دیتی ہیں۔

لہٰذا اسی اصول کے تحت ہم اس حدیث شریف کا مفہوم بھی باآسانی سمجھ سکتے ہیں۔ کہ جس کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام جب اپنے دائیں جانب دیکھتے تھے تو مسکرا

دیتے تھے۔ اور جب بائیں جانب دیکھتے تھے تو رونے لگ جاتے تھے۔ کیونکہ ان کے دائیں جانب اہل ایمان کی ارواح موجود تھیں اور بائیں جانب بدبخت ارواح موجود ہوتی تھیں۔

تین بار تھوکنے کی حکمت

برا خواب دیکھ کر بیدار ہونے پر بائیں جانب تین مرتبہ تھوکنے کا حکم اس لئے دیا گیا ہے۔ کیونکہ پہلی مرتبہ جسم کی طرف سے دوسری مرتبہ روح کی طرف سے اور تیسری مرتبہ اللہ رب العزت کی رحمت اور مدد حاصل ہو جانے کے بعد تھوکا گیا ہے۔

اور حکم یہ ہے۔ کہ جیسے ہی انسان کی آنکھ (برا خواب دیکھنے کے بعد) کھلے تو فوراً کروٹ تبدیل کر لے۔ تا کہ سابقہ نیند کا تعلق وہیں ختم ہو جائے اور گویا وہ نئے سرے سے اپنی نیند کا آغاز کر رہا ہے۔ کہ جس میں وہ اللہ رب العزت کے ذکر میں مشغول ہوگا۔ لیکن اگر وہ کروٹ تبدیل نہیں کرتا تو گویا سابقہ نیند کا حکم برقرار ہے۔

برا خواب دیکھ کر بیدار ہونے پر نماز پڑھنے کا حکم حضور اقدس ﷺ نے صرف ایک بار دیا تھا۔ اور یہ بات امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی نقل کی ہے۔ جبکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی نقل کردہ روایت کے مطابق حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا۔ کہ ”اگر کوئی چاہے تو ایسی حالت میں اٹھ کر نماز پڑھ لے“۔

لہٰذا ایسی حالت میں نماز کی ادائیگی کا حکم اس لئے دیا گیا ہے۔ تا کہ پریشان خواب دیکھ کر پیدا ہونے والی ظلمت سے اپنے وجود کو پاک کر سکے۔

پریشان کن خواب سے متعلق آداب

پریشان کن خواب دیکھنے کے آداب درج ذیل ہیں۔

۱- اس خواب کے شر سے اللہ رب العزت کی پناہ مانگی جائے۔

۲-شیطان لعین کے شر سے اللہ رب العزت کی پناہ مانگی جائے۔
۳- بائیں جانب تین بار تھوکا جائے۔
۴- کروٹ تبدیل کر لی جائے۔
۵- اٹھ کر نوافل ادا کئے جائیں۔

ان میں سے ابتدائی چار امور ضرور کرنے چاہئیں اور پانچویں کے بارے میں اختیار ہے۔ کہ اسے ادا کیا جائے یا نہ کیا جائے۔ کیونکہ ابتدائی چاروں اور اس بارے میں منقول تمام روایات میں مذکور ہیں۔ جبکہ پانچویں امر کا تذکرہ صرف ایک روایت میں اور وہ بھی صرف ایک بار مذکور ہے۔ بہرحال علمائے کرام نے ان کے علاوہ دیگر آداب بھی ذکر کئے ہیں۔

مثلاً آنکھ کھلنے کے بعد "آیۃ الکرسی" پڑھ لی جائے۔ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ کہ بعض علماء نے اس بات کا تذکرہ کیا ہے۔ لیکن مجھے اس بارے میں کوئی حدیث نہیں مل سکی ہے۔ میرے (راقم الحروف) خیال کے مطابق حضرت امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا بیان بالکل درست ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے آیۃ الکرسی پڑھنے کا حکم نہیں دیا۔

اور دوسرا ادب یہ ہے۔ کہ پریشان کن خواب کا تذکرہ کسی سے نہ کیا جائے اور یہ بات صحیح بخاری شریف میں بھی موجود ہے۔

برا خواب دیکھنے کے بعد کن الفاظ میں اللہ رب العزت کی پناہ مانگی جائے؟ اس بارے میں امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ ایک مستند روایت (مشہور تابعی) ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے۔ کہ جسے سعید بن منصور۔ ابن ابی شیبہ اور حافظ عبدالرزاق نے اپنی اپنی تصانیف میں نقل کیا ہے۔ کہ جب کوئی شخص برا خواب دیکھے تو بیدار ہونے کے بعد یہ دعا پڑھا کرے کہ

"اعوذ بما اعاذت به ملائكة الله ورسله منشر رؤياى هذا ان يصبنى

منهاما اکرہ فی دینی و دنیای"
"میں اس ذات کی پناہ مانگتا ہوں۔ کہ جس کی فرشتے اور رسول پناہ مانگتے ہیں (اس بات سے کہ) مجھے اس خواب کے نتیجہ میں کوئی دینی یا دنیاوی مصیبت درپیش ہو"۔

حضرت خالد بن ولید کا خواب میں ڈر جایا کرنا

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں۔ کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ خواب میں ڈر جایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے اس بات کا تذکرہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں (بیدار ہونے کے بعد) یہ دعا پڑھنے کا مشورہ دیا۔

"اعوذ بکلمات التامة من غضبه و عقابه و شر عباده. ومن همزات الشیاطین ان یحضرون" (موطا امام مالک' ۲:۹۵۰)

"میں اللہ تعالیٰ کے مکمل کلمات کی پناہ مانگتا ہوں۔ اس کی ناراضگی سے اس کے عذاب سے اس کے بندوں کے شر سے شیطانی وسوسوں سے اور (اے اللہ! میں اس بات سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ کہ وہ شریر شیاطین اور انسان) میرے پاس آسکیں"۔

اس روایت کو امام نسائی نے بھی نقل کیا ہے تاہم نسائی کی روایت میں اس بات کا اضافہ موجود ہے۔ کہ سونے سے پہلے اس دعا کو پڑھا جائے۔

"بسم اللّٰه اعوذ باللّٰه"

اسی روایت کو امام ابوداؤد۔ حاکم اور ترمذی نے بھی نقل کیا ہے۔

ایک حدیث کی تشریح

ایک خواب کا واقعہ ہے۔ کہ جس کی تعبیر حضرت سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور نبی

اکرم ﷺ کی موجودگی میں بیان کی تو حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: آدھی تعبیر درست ہے۔اور آدھی تعبیر غلط ہے۔اور اس واقعہ کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے یوں نقل کیا ہے۔

الحدیث:اَنَّ رَجُلًا اَتَی رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّیْ رَاَیْتُ اللَّیْلَةَ فِی الْمَنَامِ ظُلَّةً تَنْطُفُ السَّمْنَ وَالْعَسَلَ فَاَرَی النَّاسَ یَتَکَفَّفُوْنَ مِنْھَا فَالْمُسْتَکْثِرُ وَالْمُسْتَقِلُّ وَاِذَا سَبَبٌ وَّاصِلٌ مِّنَ الْاَرْضِ اِلَی السَّمَاءِ فَاَرَاكَ اَخَذْتَ بِہٖ فَعَلَوْتَ ثُمَّ اَخَذَ بِہٖ رَجُلٌ اٰخَرُ فَعَلَا بِہٖ ثُمَّ اَخَذَ بِہٖ رَجُلٌ اٰخَرُ فَعَلَا بِہٖ ثُمَّ اَخَذَ بِہٖ رَجُلٌ اٰخَرُ فَانْقَطَعَ ثُمَّ وُصِلَ فَقَالَ اَبُوْ بَکْرٍ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ بِاَبِیْ اَنْتَ وَاللّٰہِ لَتَدَعَنِّیْ فَاَعْبُرَھَا فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اعْبُرْھَا قَالَ اَمَّا الظُّلَّةُ فَالْاِسْلَامُ وَاَمَّا الَّذِیْ یَنْطُفُ مِنَ الْعَسَلِ وَالسَّمْنِ فَالْقُرْاٰنُ حَلَاوَتُہٗ تَنْطُفُ فَالْمُسْتَکْثِرُ مِنَ الْقُرْاٰنِ وَالْمُسْتَقِلُّ وَاَمَّا السَّبَبُ الْوَاصِلُ مِنَ السَّمَاءِ اِلَی الْاَرْضِ فَالْحَقُّ الَّذِیْ اَنْتَ عَلَیْہِ تَاْخُذُ بِہٖ فَیُعْلِیْكَ اللّٰہُ ثُمَّ یَاْخُذُ بِہٖ رَجُلٌ مِّنْ بَعْدِكَ فَیَعْلُوْ بِہٖ ثُمَّ یَاْخُذُ بِہٖ رَجُلٌ اٰخَرُ فَیَعْلُوْ بِہٖ ثُمَّ یَاْخُذُہٗ رَجُلٌ اٰخَرُ فَیَنْقَطِعُ بِہٖ ثُمَّ یُوَصَّلُ لَہٗ فَیَعْلُوْ بِہٖ فَاَخْبِرْنِیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ بِاَبِیْ اَنْتَ اَصَبْتُ اَمْ اَخْطَاْتُ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَصَبْتَ بَعْضًا وَّاَخْطَاْتَ بَعْضًا قَالَ فَوَاللّٰہِ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ لَتُحَدِّثَنِّیْ بِالَّذِیْ اَخْطَاْتُ قَالَ لَا تُقْسِمْ (صحیح بخاری)

''ایک مرتبہ ایک صحابی بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! آج رات میں نے خواب میں بادل دیکھا کہ جس سے گھی اور شہد ٹپک رہا تھا اور لوگ اسے جھولیوں میں بھر رہے تھے۔کسی کو کم ملا اور کسی کو زیادہ

ملا۔ پھر میں نے ایک رسی کو دیکھا۔ جو کہ زمین سے آسمان کی طرف جاتی ہوئی دکھائی دی۔ پھر میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ نے اس رسی کو تھاما اور آسمان پر چڑھ گئے۔ پھر ایک اور شخص نے اس رسی کو تھاما اور وہ بھی آسمان پر چڑھ گیا۔ پھر ایک اور شخص نے رسی کو تھاما تو وہ رسی ٹوٹ گئی۔ لیکن پھر جڑ گئی (یہ خواب سن کر"۔

حضرت سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہو جائیں۔ اگر آپ اجازت فرمائیں تو میں اس کی تعبیر بیان کروں؟ حضور اقدس ﷺ نے اجازت فرما دی۔ حضرت سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: کہ بادل سے مراد اسلام ہے۔ اور اس سے ٹپکنے والے شہد اور گھی سے مراد قرآنِ مجید ہے۔ کیونکہ مٹھاس کے اعتبار سے کوئی اس قرآن مجید سے کم فیض حاصل کر رہا ہے۔ اور کوئی زیادہ فیض حاصل کر رہا ہے۔ اور آسمان سے زمین کی جانب جانے والی رسی سے مراد وہ حق ہے۔ کہ جس پر آپ ﷺ گامزن ہو کر۔ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں پہنچ جاتے ہیں۔ پھر آپ ﷺ کے یکے بعد دیگرے دو اشخاص بھی پہنچ جاتے ہیں۔ پھر تیسرے کیلئے رسی ٹوٹ کر دوبارہ جڑ جاتی ہے۔ یارسول اللہ ﷺ مجھے بتایئے کہ کیا میں نے صحیح تعبیر بیان کی ہے؟

حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ تمہاری کچھ تعبیر درست ہے۔ اور کچھ غلط ہے۔

حضرت سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! خدارا مجھے فرمایئے کہ اس میں کیا غلطی ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے قسم نہ دو۔

تعبیر میں غلطی کیا تھی؟

اس روایت کے بعض الفاظ ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ کہ جنہیں دیگر محدثین نے

نقل بھی کیا ہے۔اور علمائے کرام کے درمیان اس بارے میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔کہ حضرت سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خواب کی تعبیر کے دوران کہاں غلطی کی؟ مہلب اور ان کے متبعین کی رائے یہ ہے۔کہ خواب دیکھنے والے نے یہ خواب دیکھا تھا کہ تیسرے شخص کے لئے رسی ٹوٹ کر دوبارہ جڑ گئی۔ جبکہ حضرت سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تعبیر میں یہ بات فرمائی کہ وہ رسی اس تیسرے شخص کیلئے دوبارہ جڑ گئی۔ کیونکہ اگر رسی جڑتے وقت خاص اس شخص کا ذکر نہ کیا جائے تو خواب کا مفہوم یہ ہوگا کہ حضرت سیّدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے لئے رسی ٹوٹ جائے گی۔ اور پھر کسی اور کیلئے جڑ جائے گی یعنی خلافت کسی اور کو منتقل ہو جائے گی۔

قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں۔کہ تعبیر کی غلطی یہی تھی کہ اس شخص نے خواب بیان کرتے ہوئے یہ کہا تھا کہ وہ رسی ٹوٹنے کے بعد دوبارہ جڑ گئی۔لیکن حضرت سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تعبیر فرماتے ہوئے یہ بات بیان کی کہ جس تیسرے شخص کیلئے رسی ٹوٹی تھی اسی کیلئے دوبارہ جڑ گئی۔ بلکہ حقیقت یہ ہے۔کہ حضرت سیّدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بجائے حضرت سیّدنا علی شیر خدا کرم اللہ وجہہ الکریم کیلئے رسی کو جوڑا گیا یعنی حضرت سیّدنا علی شیر خدا کرم اللہ وجہہ الکریم کو خلافت ملی۔

اس کے علاوہ چند دیگر روایات میں یہ بات موجود ہے۔کہ جس شخص کیلئے یہ رسی ٹوٹی تھی اسی کیلئے دوبارہ جوڑی گئی۔ جبکہ بعض علماء نے یہ بات بیان کی کہ حضرت سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے یہ غلطی سرزد ہوئی۔کہ انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم فرمانے سے پہلے خود ہی اپنے آپ کو تعبیر بیان کرنے کیلئے پیش کر دیا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس کا مفہوم یہ ہوگا کہ تم نے تعبیر صحیح بیان کی ہے۔لیکن بیان کرنے کیلئے خود کو پیش کر کے غلطی کی ہے۔

بہرحال یہ درست نہیں ہے۔ کیونکہ حضرت سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تعبیر بیان کرنے

کیلئے باقاعدہ اجازت حاصل کی تھی۔ اور حضور اقدس ﷺ کے الفاظ سے بھی یہی بات ظاہر ہوتی ہے۔ کہ حضرت سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ تعبیر نصف درست ہے۔ اور نصف غلط ہے۔

امام ابوجعفر طحاوی رحمۃ اللہ علیہ۔ خطابی رحمۃ اللہ علیہ۔ ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ۔ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر محدثین کی ایک جماعت کی یہ رائے ہے۔ کہ حضرت سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے گھی اور شہد سے مراد قرآن مجید لیا ہے حالانکہ یہ دو الگ چیزیں ہیں۔ اس لئے دونوں کی تعبیر ایک دوسرے سے مختلف ہوگی۔ جیسے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ایک روایت حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے نقل کی ہے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ

"رایت فیما یدی النائم لکان فی احدی اصبعی سمنا و فی الاخری عسلا ' فانا العقهما ' فلما اصبحت ذکرت ذلك لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقال: تقرا الکتابین التوراۃ والفرقان ' فکان یقروھما بعد ذلك" (مسند احمد ۲:۲۲۲)

"ایک رات میں نے خواب دیکھا کہ میری ایک انگلی پر گھی اور دوسری انگلی پر شہد لگا ہوا ہے۔ اور میں ان دونوں کو چاٹ رہا ہوں۔ جب میں نے اس خواب کا تذکرہ حضور اقدس ﷺ سے کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم تورات اور قرآن مجید دونوں کے عالم بنو گے" (راوی کہتے ہیں) کہ بعد میں ایسا ہی ہوا۔

ایک روایت میں گھی اور شہد کی تعبیر الگ الگ بیان کی گئی ہے اس لئے حضرت سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی تعبیر بیان کرتے وقت گھی اور شہد کی الگ الگ تعبیر بیان کرنی چاہئے تھی کہ دونوں سے مراد کتاب وسنت ہو سکتے ہیں یا علم وعمل ہو سکتے ہیں یا حفظ وفہم بھی

ہو سکتے ہیں۔

بعض اہل علم اس بات کے قائل ہیں۔ کہ تعبیر میں بادل سے مراد اسلام کی بجائے حضور اقدس ﷺ کی ذات لینی چاہیے تھی۔ نیز گھی اور شہد سے مراد کتاب وسنت ہو سکتے ہیں یا علم وعمل ہو سکتے ہیں یا حفظ وفہم ہو سکتے ہیں۔

جبکہ بعض اہل علم کے نزدیک خطا (غلطی) سے مراد ترک کرنا ہے۔اور حضور اقدس ﷺ کے فرمان کا مطلب یہ ہوگا کہ تم نے خواب کے کچھ حصے کی تعبیر تو بیان کر دی ہے۔اور کچھ حصے کو ترک کر دیا ہے۔ کیونکہ حضرت سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خواب کی تعبیر بیان کرتے ہوئے تین اشخاص کی تعبیر بیان نہیں کی تھی۔ اسی وجہ سے حضور اقدس ﷺ نے حضرت سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قسم دینے کے باوجود اس خواب کی تعبیر بیان نہ فرمائی۔ ''کیونکہ قسم اس وقت دی جاتی ہے جب قسم پوری کرنے کی صورت میں کسی خرابی کا اندیشہ موجود نہ ہو۔لیکن اگر اس میں کوئی خرابی پائی جائے تو پھر قسم پوری کرنا ضروری نہیں ہوگا''۔ اور یہ بھی ممکن ہے۔کہ حضور اقدس ﷺ کو حضرت سیّدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور میں پیش آنے والے واقعات کا علم ہو۔اور اگر آپ ﷺ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قسم کو پورا کر دیتے تو ان تینوں افراد کو بھی متعین کرنا پڑتا اور اگر ان تینوں کو متعین کر دیا جاتا تو یہ ان تینوں حضرات کی خلافت کا صریح حکم قرار پاتا جبکہ اللہ رب العزت کی مشیت یہ تھی کہ خلافت کو متعین نہ کیا جائے اسی لئے حضور اقدس ﷺ نے ان تینوں اشخاص کا تعین نہیں کیا۔

بعض اہل علم نے حضرت سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تعظیم کے پیش نظر اس بحث کو ممنوع قرار دیا ہے۔ یہاں تک کہ شیخ ابوبکر بن العربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔کہ میں نے ''علم تعبیر'' کے ایک ماہر سے دریافت کیا: کہ اس خواب کی تعبیر کے دوران حضرت سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کیا غلطی سرزد ہوئی؟ تو اس نے جواب دیا: ''کہ اگر حضور اقدس ﷺ کی

موجودگی میں حضرت سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا خود کو تعبیر کیلئے پیش کرنا غلطی ہے۔تو حضرت سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی غلطی کی نشاندہی کرنا اس سے بھی بڑی اور سخت غلطی ہے اس لئے اس بحث سے گریز ہی کرنا چاہئے''۔

اس خواب سے متعلق فقیر کی رائے

اس حدیث میں بادل سے مراد اسلام ہے۔ جبکہ شہد اور گھی سے مراد نیک اعمال ہیں۔ جو کہ بارگاہ الٰہی میں مقبول ہوتے ہیں۔ قرآن مجید کی تلاوت کے ساتھ اس میں نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ۔ صدقہ خیرات کرنا۔ کسی کی حاجت روائی کرنا۔ نماز جنازہ ادا کرنا۔ ناحق قیدیوں کو آزاد کروانا وغیرہ تمام نیک اعمال شامل ہیں۔ یہی وہ اعمال ہیں۔ جو کہ برزخ کی طرف بلند ہوتے ہیں۔ اور برزخ میں موجود ارواح ان کو دیکھ کر کہتی ہیں۔ کہ یہ فلاں شخص کی نیکیاں ہیں۔ جو کہ فلاں دن ہم تک خود بھی پہنچ جائے گا۔ یہاں تک کہ اس نیکی کرنیوالے شخص کے آباؤاجداد بھی اس نیکی کو ملاحظہ کرتے ہیں۔ اور تمام ارواح ان نیکیوں کا مشاہدہ کرتی ہیں۔ خواہ وہ ارواح ان اعمال کے بعد زمین پر اتر کر دوبارہ برزخ میں چلی گئی ہوں یا زمین پر نازل ہی نہ ہوئی ہوں۔ یہاں تک کہ اگر اللہ رب العزت کسی کم سن بچے کو معرفت نصیب کر دے تو وہ ہر شخص کو یہ بات بتا سکتا ہے۔ کہ تمہارا فلاں نیک عمل فلاں دن برزخ میں ہمارے پاس پہنچا تھا۔

اے فلاں! فلاں دن تمہارا فلاں نیک عمل مجھے دکھائی دیا تھا۔ لیکن کیونکہ اللہ رب العزت نے اعمال کی مقبولیت کو پوشیدہ رکھنے کا ارادہ فرمایا ہے اس لئے روح کے جسم میں داخل ہونے کے بعد اسے یہ تمام باتیں بھلا دی جاتی ہیں۔

اعمال کی دو اقسام ہوتی ہیں۔ کچھ اعمال ایسے ہیں۔ جو کہ صرف اللہ رب العزت کیلئے

مخصوص ہیں۔ اور بظاہر مخلوق کو ان سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ جیسے نماز۔ روزہ۔ رکوع۔سجود۔خشیت الٰہی اور دیگر تمام نیکیاں کہ جن کا تعلق صرف اللہ رب العزت کی ذات سے ہے۔

دوسری قسم کے وہ اعمال ہیں۔ کہ جن میں ظاہری طور پر مخلوق کو کوئی فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ جیسے صدقہ وخیرات وغیرہ اور ایسے ہی دیگر نیک اعمال شامل ہیں۔

پہلی قسم کے اعمال کی جزاء یہ ہے۔کہ اللہ رب العزت عمل کرنیوالے شخص کو ایک ایسا نور عطا فرماتا ہے۔ کہ جس کی بدولت اس شخص کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔اور اس کی معرفت مضبوط ہوتی ہے۔ وسوسے اور شکوک وشبہات دور ہوتے ہیں۔ دنیا میں بھی ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔

جبکہ دوسری قسم کے تعلق رکھنے والے اعمال کی جزا یہ ہے۔کہ انسان کی ذات کی اصلاح ہوتی ہے۔ رزق میں برکت ہوتی ہے۔اور انسان آفات و بلیات سے محفوظ رہتا ہے۔کہ جس کے نتیجہ میں انسان کو دنیا میں بہت سی نعمتیں حاصل ہوتی ہیں۔ اور آخرت میں یہی صدقات جنت کی نعمتوں کی شکل میں ڈھل جائیں گے کہ جن سے وہ شخص لطف اندوز ہوگا۔

لہٰذا اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ پہلی قسم کے اعمال کی جزا کا فائدہ ایمان کی شکل میں حاصل ہوتا ہے۔اور دوسری قسم کے اعمال کی جزاء کا فائدہ ذات کی اصلاح کی شکل میں ہوتا ہے اس لئے اس خواب میں شہد سے مراد پہلی قسم کے اعمال ہوں گے اور گھی سے مراد دوسری قسم کے اعمال ہوں گے۔ کیونکہ بنیادی طور پر شہد جسم کو طاقت دیتا ہے۔اور کمزوری کو دور کرتا ہے۔لیکن اس کے ذریعے مزید گوشت پیدا نہیں ہوتا اس لئے شہد سے مراد ایمان ہوگا۔ کیونکہ ایمان کے ذریعے روحانی قوت تو حاصل ہوتی ہے۔لیکن یہ رزق میں اضافے کا باعث نہیں بنتا۔ اس کے برعکس گھی کے ذریعے گوشت میں اضافہ ہوتا ہے۔اور انسان کا

جسم فربہ ہو جاتا ہے۔ لیکن اس کے ذریعے وہ طاقت پیدا نہیں ہوتی۔ جو کہ شہد کے ذریعے پیدا ہوتی ہے۔ لہٰذا مخلوق کے فائدے سے تعلق رکھنے والے دوسری قسم کے اعمال کی مثال گھی کی مانند ہوگی۔ کیونکہ انہی اعمال کے نتیجہ میں رزق میں برکت پیدا ہوتی ہے۔ مصائب و آلام دور ہوئے ہوتے ہیں اس لئے مذکورہ بالا خواب میں شہد اور گھی سے مراد یہی دونوں طرح کے اعمال ہوں گے۔

ضروری نوٹ

حضرت سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی اس خواب کی صحیح تعبیر سے واقف تھے۔ بلکہ ان کا علم اس سے کئی ہزار گنا زیادہ تھا۔ لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی کے باعث اس خواب کی حقیقی تعبیر حضرت سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نگاہوں سے اوجھل ہوگئی۔ کیونکہ جس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما ہوں اس وقت جملہ حاضرین کے علوی انوار غائب ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ ان حضرات کا باطن مکمل طور پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اور شوق میں مستغرق ہوتا ہے۔ لہٰذا جب علوی انوار غائب ہوں اور محبت و شوق کے انوار روشن ہوں تو ایسی حالت میں گفتگو کرنے والے شخص کی مثال بالکل اسی طرح ہوگی۔ جیسا کہ کوئی لاعلم شخص گفتگو کر رہا ہو۔ کیونکہ جب انسان مکمل طور پر کسی ایک چیز کی طرف متوجہ ہو جائے تو دوسرے امور کی طرف سے اس کی توجہ ہٹ جاتی ہے۔ ''چونکہ حضرت سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تمام اہل معرفت کے پیشوا ہیں اس لئے ان کی تمام تر توجہات کا مرکز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس تھی''۔ اس وجہ سے ان کی توجہ کسی اور جانب مبذول نہ ہو سکی۔ کیونکہ علم حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس کا ایک نور ہے۔ اور جب ذات سامنے موجود نہ ہو۔ پھر اس نور کے ذریعے ذات تک رسائی حاصل کی جا سکتی ہے۔ لیکن جب اصل ذات سامنے موجود ہو۔ تو تمام وسائل نگاہوں سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔ اور مکمل طور

پر ذات کی طرف متوجہ ہونا واجب ہو جاتا ہے''۔

ذات اقدس کی طرف کامل توجہ کیسے حاصل کی جا سکتی ہے؟

تین چیزوں کے ذریعے ذات کی طرف کامل توجہ حاصل کی جا سکتی ہے۔

۱-محبت ۲-تعظیم ۳-آپ ﷺ کے فضائل و کمالات کو پیش نظر رکھنا

اگر مصر کی عورتیں حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں یہ کہہ سکتی ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید نے ان کا قول نقل کیا ہے۔

''حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ'' (یوسف' آیت ۳۱)

''خدا کی قسم یہ کوئی انسان نہیں۔ بلکہ یہ کوئی معزز فرشتہ ہے''۔

تو پھر کوئی صاحب معرفت حضور اقدس ﷺ کے بارے میں کیا رائے رکھ سکتا ہے۔اور درج بالا تینوں نعمتیں اسی وقت حاصل ہو سکتی ہیں۔ کہ جب انسان کے وجود کے سات حصے مکمل طور پر حضور اقدس ﷺ کی طرف متوجہ ہو جائیں۔

۱-سوچ ۲-غور و فکر ۳-عقل

۴-ذات ۵-روح ۶-علم

۷-توجہ

جب یہ ساتوں انوار انسان کے وجود کا حصہ بن جائیں گے تو محبت تعظیم اور حیرانگی تینوں نصیب ہو جائیں گی اور انسان کی توجہ دیگر تمام اشیاء سے ہٹ جائے گی۔ یہاں تک کہ اگر ایسی کیفیت کے دوران کسی صاحب معرفت شخص سے یہ دریافت کیا جائے کہ تمہارے بیٹے کا رنگ کیا ہے؟ کیا وہ سفید ہے؟ یا وہ کوئی اور رنگ ہے؟ تو وہ صاحب معرفت حیران اور ششدر رہ جائے گا اور کوئی بھی جواب نہ دے سکے گا۔ اگر بالفرض ایسی حالت میں وہ کوئی جواب دے دیتا ہے۔ تو یہ جواب اس کے ذاتی شعور کے مطابق نہ ہوگا

اور اگر ایسی حالت میں وہ درست جواب دے دیتا ہے۔تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہر بات کا صحیح جواب دینا اس کی غیر شعوری عادت کا حصہ ہے۔

اسی لئے حضرت سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس خواب کی درست تعبیر بیان نہ کر سکے تھے۔ بالفرض اگر وہی سائل حضرت سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں حاضر ہو کر ان سے اس خواب کی تعبیر معلوم کرتا تو اس کے جواب میں بہت سے حیران کن امور کا تذکرہ سنتا۔

''جبکہ خود مجھے خواب کی تعبیر کا علم حضرت محبوب ذات قدس سرہ کے وسیلے اور برکت سے حاصل ہوا ہے۔تو یہ کیسے ممکن ہے۔کہ مجھے خواب کی تعبیر کا درست علم ہو۔ اور حضرت سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو درست علم نہ ہو اس لئے حضرت سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے تعبیر بیان نہ کرنے کی وجہ وہی ہے۔ جو کہ میں نے اوپر بیان کر دی ہے''۔

خواب کی حقیقت

خواب کی حقیقت کہ یہ کیا ہے؟ کس طرح وقوع پذیر ہوتا ہے۔ کیونکہ اس بارے میں اہل علم کے درمیان شدید اختلاف پایا جاتا ہے؟

بہرحال علم طب کے ماہرین کی رائے یہ ہے۔کہ انسانی جسم میں چار مادوں (بلغم۔ صفرا۔ خون۔ سوداء) کی کمی بیشی خوابوں پر اثر انداز ہوتی ہے۔ جیسے بلغمی مزاج رکھنے والا شخص اکثر اوقات میں خواب میں پانی دیکھے گا۔ کیونکہ پانی اور بلغم کے درمیان ظاہری مناسبت پائی جاتی ہے۔

صفراوی مزاج رکھنے والا اکثر اوقات خواب میں آگ۔ ہوا میں بلند ہونا اور اسی طرح کی پریشان کن صورتحال دیکھے گا۔

سوداوی مزاج رکھنے والا شخص خواب میں ترش چیزیں دیکھے گا اور جس شخص کا خون گاڑھا ہوگا۔ وہ خواب میں میٹھی اور خوش کن چیزیں دیکھے گا۔ کیونکہ فطری طور پر خون میٹھا اور فرحت بخش ہوتا ہے۔

امام مازری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ کہ یہ بالکل غلط ہے اگرچہ عقل اس کے امکان کو درست تسلیم کرتی ہے۔ لیکن اس کی کوئی مستند دلیل موجود نہیں ہے۔ اور عام طور پر اکثر ایسا ہوتا بھی نہیں ہے اس لئے کسی امکانی چیز کو قطعی قرار نہیں دیا جا سکتا۔

فلاسفر کی رائے

فلاسفر اس بات کے قائل ہیں۔ کہ زمین پر پیش آنے والے تمام واقعات کی تصویریں نقوش کی صورت میں عالم بالا میں موجود ہوتی ہیں۔ ان میں سے جب کوئی ایک صورت سوچ کے مقابل آ جائے تو اس کا نقش انسان کے ذہن پر مشتعل ہو جاتا ہے۔ اور یہی خواب کی حقیقت ہے۔

امام مازری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ کہ یہ رائے بھی درست نہیں ہے۔ کیونکہ اس کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔ نیز کسی جسم ہی کا نقش منتقل ہو سکتا ہے۔ جبکہ عالم بالا میں موجود تمام اشیاء "عرض" کی شکل میں موجود ہوتی ہیں۔ اور "عرض" کا کوئی نقش نہیں بن سکتا۔

معتزلہ کی رائے

معتزلہ اس بات کے قائل ہیں۔ کہ خواب دراصل ایسے خیالات ہوتے ہیں۔ کہ جن کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ گویا معتزلہ عذاب قبر کی طرح خواب کی حقیقت کا بھی انکار کرتے ہیں۔ شیخ ابن العربی بیان کرتے ہیں۔ کہ معتزلہ نے اپنے بے بنیاد اصولوں کے باعث بہت سے شرعی احکام کا انکار کیا ہے مثلاً جنات فرشتے ان کا کلام کرنا۔ سب کا انکار کیا ہے۔ اور یہاں تک کہ بعض معتزلہ اس بات کے قائل ہیں۔ کہ اگر حضرت جبرائیل علیہ السلام

حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کے ہمراہ آواز میں گفتگو کرتے تو تمام حاضرین بھی اس آواز کو سنتے۔

جبکہ صالح معتزلی اس بات کا قائل تھا کہ خواب کا تعلق انسان کی جسمانی آنکھ سے دیکھی ہوئی چیز کے ساتھ ہوتا ہے۔ جبکہ ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ اس بات کو بھی درست تسلیم نہیں کرتے اور بعض اہل علم اس بات کے قائل ہیں۔ کہ ہر دل میں دو آنکھیں اور دکان موجود ہوتے ہیں۔ کہ جن کی مدد سے دل خواب دیکھتا ہے۔ اور خواب میں گفتگو بھی سنتا ہے۔

خواب سے متعلق فقیر کی رائے

میری رائے کے مطابق خواب ادراک کی ایک ایسی کیفیت ہے۔ کہ جسے اللہ رب العزت سونے والے شخص کے ذہن میں پیدا کر دیتا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے بیدار شخص کی آنکھ دیکھتی اور ذہن سوچتا ہے۔ اور جب ادراک کی اس کیفیت کو پیدا کیا جاتا ہے۔ تو اس کیلئے کوئی نشانی مقرر کر دی جاتی ہے جس کے نتیجہ میں آئندہ آنے والی صورتحال کا پہلے سے اندازہ ہو جاتا ہے۔ ادراک کی اس کیفیت کی تخلیق کے وقت بعض اوقات کوئی فرشتہ موجود ہوتا ہے۔ کہ جس کے نتیجہ میں انسان کو کوئی اچھا خواب دکھائی دیتا ہے۔ اور بعض اوقات کوئی شیطان موجود ہوتا ہے جس کے نتیجہ میں برا خواب دکھائی دیتا ہے۔ جبکہ بعض اہل علم اس بات کے بھی قائل ہیں۔ کہ خوابواں کیلئے ایک مخصوص فرشتہ مقرر ہے۔ جو کہ نیند کی حالت میں ان خوابوں کو انسان کے سامنے پیش کرتا ہے۔ اور بعض اوقات یہ خواب ایسی صورت میں پیش کئے جاتے ہیں۔ جو کہ آئندہ ایام میں پیش آنیوالی ہوتی ہیں۔ اور بعض اوقات خواب میں تمثیلی صورتیں پیش کر دی جاتی ہیں۔ کہ جن کی تعبیر کیلئے ماہرین کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ اور بعض اہل علم اس بات کے قائل ہیں۔ کہ خواب میں دکھائی دینے والے مناظر کا تعلق روح کے عرش کی طرف بلند ہونے کے ساتھ ہے۔ اگر روح کے عرش

تک پہنچنے سے پہلے خواب دیکھنے والا شخص بیدار نہ ہو۔تو خواب سچا ہوگا اور اگر وہ اس سے پہلے بیدار ہو جائے تو پھر خواب سچا نہیں ہوگا۔

ان حضرات نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے منقول اس روایت سے استدلال کیا ہے۔کہ جسے امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ اور عقیلی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے۔اور جس کے مطابق ایک مرتبہ حضرت سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت سیّدنا علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا:

اے ابوالحسن رضی اللہ عنہ! انسان جو خواب دیکھتا ہے ان میں سے بعض خواب سچے ثابت ہوتے ہیں۔ اور بعض خواب جھوٹے ثابت ہوتے ہیں۔ حضرت سیّدنا علی شیر خدا کرم اللہ وجہہ الکریم نے جواب دیا: ہاں! میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانی یہ بات سنی ہے کہ

"مامن عبد لا امة ينام فيمتلي نوما الا عرج بروح الى العرش۔ فالذى ولا يستيقظ دون العرش ذلك الرؤيا التى تصدق۔ والذى يستيقظ دون العرش فذلك الرؤيا التى تكذب"

"جو انسان سو جاتا ہے۔اور اس کی نیند جب گہری ہو جاتی ہے۔اور اس کی روح عرش کی طرف بلند ہونے لگتی ہے۔ اگر روح کے عرش تک پہنچنے سے پہلے وہ شخص بیدار نہ ہو۔تو خواب سچا ثابت ہوتا ہے۔اور اگر روح کے عرش تک پہنچنے سے پہلے وہ شخص بیدار ہو جائے تو اس کا خواب جھوٹا ثابت ہوتا ہے"۔

جنت اور دوزخ کا مکالمہ

ایک حدیث شریف ہے کہ

"تحاجت الجنة والنار فقالت النار امرت بالتكبرين وقالت الجنة مالى لا يدخلنى الاضعفاء و سقطهم"

"جنت اور دوزخ کے درمیان یہ گفتگو ہوئی۔ دوزخ نے کہا کہ مجھے متکبر لوگوں

پر مامور کیا گیا ہے۔اور جنت کہنے لگی کہ میرے اندر صرف کمزور اور بظاہر نچلے طبقے کے لوگ داخل ہوں گے''۔

چونکہ آخرت میں مکان ہی مکینوں کا اثر قبول کریں گے۔ کیونکہ جہنم میں اکثریت متکبرین کی ہوگی۔ اس لئے جہنم میں بھی تھوڑے سے آثار تکبر کے پیدا ہو جائیں گے اور جنت میں اکثریت متواضع اور منکسر المزاج لوگوں کی ہوگی اس لئے اس کا اثر جنت پر بھی پڑے گا۔ لہٰذا بظاہر جنت اور دوزخ کی تکرار کا حقیقی مفہوم یہ ہے۔کہ ان کے اندر رہنے والوں کا طبعی رجحان کیا ہوگا۔ اگر باریک بینی سے جائزہ لیا جائے تو حقیقت میں جنت دوزخ پر غالب آ گئی۔

کیونکہ جنت کے کلام کا مفہوم یہ ہے۔کہ جو لوگ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں عاجزی اور انکساری کرتے ہیں وہ اس میں داخل ہوں گے۔

اور دوزخ کے کلام کا مفہوم یہ تھا کہ میرے اندر صرف متکبر' جابر اور اپنے پروردگار سے جاہل اور اپنے پروردگار کی بارگاہ سے مردود شدہ لوگ داخل ہوں گے۔ گویا جنت کے کلام کا مفہوم یہ ہے۔کہ ''میرے اندر اللہ رب العزت کے پسندیدہ افراد داخل ہوں گے اور دوزخ کے کلام کا مفہوم یہ ہے۔کہ میرے اندر وہ لوگ داخل ہوں گے۔ جو کہ اللہ رب العزت کے دشمن ہیں''۔

قرآنی انوار کی مثال

قرآن مجید میں جو اسرار و انوار موجود ہیں اس کی مثال یوں بیان کی جا سکتی ہے۔ جیسے کوئی شخص عمدہ کپڑے کو کاٹ کر ٹوپی۔ عمامہ اور بقیہ کپڑے کا اپنا لباس تیار کرے اور پھر ساری مخلوق کا جائزہ لے کر یہ سوچے کہ ساری مخلوق میں سے صرف نبی اکرم ﷺ ہی اس لباس کو پہننے کے صحیح حقدار ہیں۔ کیونکہ اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کو مخصوص مرتبہ و

مقام اور صلاحیت عطا فرمائی ہے۔اور جو مشاہدہ حضور اقدس ﷺ کو حاصل ہے۔ اس کی طاقت کسی اور میں نہیں ہو سکتی۔ یہی ہمارا ایمان ہے۔ اس کے علاوہ مشاہدے کا تعلق معرفت کے ساتھ ہے۔اور حضور اقدس ﷺ کو اس وقت معرفت نصیب ہوئی تھی کہ جب اللہ رب العزت کے علاوہ کوئی اور موجود نہ تھا۔ کیونکہ حضور سرکار دو عالم ﷺ کو ساری مخلوق سے پہلے پیدا فرمایا گیا تھا اس لئے آپ ﷺ کی ذات نور اور ضیاء کے ہر ایک طلبگار کیلئے مرجع و ماویٰ کی حیثیت رکھتی ہے۔

پھر جب آپ ﷺ کی جسمانی پیدائش کے وقت آپ ﷺ کی روح مبارکہ پوری محبت اور رضامندی کے تحت جسم میں داخل ہوئی تو جسم بھی روح کی معرفت سے فیض حاصل کرنے لگا۔ یہاں تک کہ ۴۰ چالیس برس کی عمر میں روح اور جسم کے درمیان موجود تمام کے تمام حجابات اٹھا لئے گئے اور اس وقت جسم اطہر کو بھی وہ مشاہدہ حاصل ہوا کہ جسے کوئی اور برداشت نہیں کر سکتا۔ یہ مشاہدہ بالکل اسی طرح تھا۔ جیسے آپ ﷺ ظاہری آنکھ کے ہمراہ یہ بات ملاحظہ کر رہے ہوں۔ کہ ساری مخلوق کے اندر اللہ رب العزت ہی کا فعل کارفرما ہے۔اور ساری مخلوق کی مثال صرف کٹھ پتلی کی مانند ہے جو کہ اپنے کسی نفع یا نقصان کی مالک نہیں ہوتی۔ یہ مشاہدہ اس لئے عطا کیا گیا۔ تا کہ آپ ﷺ ساری کائنات کیلئے رحمت بن جائیں اس سے پہلے چند سابقہ انبیاء علیہم السلام نے دعا کرنے میں عجلت کا مظاہرہ کیا۔لیکن حضور اقدس ﷺ نے اپنی دعا کو گناہگاروں کی شفاعت کیلئے قیامت کے دن تک مؤخر کر دیا۔ گویا کہ آپ ﷺ کی دعا بھی ایک رحمت ہے۔اور آپ ﷺ اللہ رب العزت کے اس فرمان کا حقیقی مصداق ہیں۔ کہ

"وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ" (الانبیاء آیت ۱۰۷)

اور "اے رسول محتشم! ہم نے آپ ﷺ کو نہیں بھیجا۔ مگر تمام جہانوں کیلئے رحمت بنا کر"۔

اس کے علاوہ آپ ﷺ اس حدیث مبارکہ کا بھی حقیقی مصداق ہیں۔ کہ

"انما انا رحمة مهداة" (سنن دارمی)

''میں (ساری مخلوق کیلئے) رحمت اور ہدایت ہوں''۔

مشاہدہ نبوی کامل ترین ہے

حضور اقدس ﷺ کے مشاہدے کے آغاز کی یہ کیفیت تھی کہ اس کے بعد لمحہ بہ لمحہ آپ ﷺ کو عروج اور ترقی نصیب ہوتی رہی۔ کہ جس کی کیفیت بیان نہیں کی جا سکتی۔ بالفرض حضور اقدس ﷺ آج بھی ظاہری طور پر حیات ہوتے تو یہ ترقی جاری رہتی۔ کیونکہ اللہ رب العزت کے کمالات کی کوئی حد نہیں ہوتی۔ اس کے بعد سید دباغ رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ ایسے کشفی حقائق بیان فرمائے کہ جن کو تحریر نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ قرآن مجید میں اس قدر علوم و معارف موجود ہیں۔ کہ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کہ جن پر تورات نازل ہوئی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہ جن پر انجیل نازل ہوئی۔ حضرت داؤد علیہ السلام کہ جن پر زبور نازل ہوئی۔

یہ تینوں حضرات اگر قرآن مجید کے نزول کے زمانے تک دنیا میں موجود رہتے تو اپنے اوپر نازل ہونے والی کتابوں کے بجائے قرآن مجید اور حضور اقدس ﷺ کی پیروی کرتے۔ جیسا کہ ایک حدیث شریف میں بھی انہی الفاظ میں بیان فرمایا گیا ہے کہ

"لو کانا موسٰی و عیسٰی حیین لاتبعانی" (تفسیر ابن کثیر ۱:۳۷۹)

''اگر آج موسیٰ اور عیسیٰ علیہ السلام دنیا میں موجود ہوتے تو وہ میری ہی پیروی کرتے''۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ''کتاب التوحید'' کے آخر میں اس روایت کے مختلف طرق بیان فرمائے ہیں۔ اگر یہ اس مضمون سے مختلف نہ ہوتے تو میں وہ سب کے سب یہاں

ضرور درج کرتا۔

حدیث جبرائیل علیہ السلام اور عظمت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ حدیث جبرائیل علیہ السلام کے آخر میں یہ بات نقل کرتے ہیں۔ کہ جب وہ تمام سوالات کے جوابات حاصل کر کے واپس چلے گئے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس سائل کو واپس بلا کر لاؤ تو صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم نے انہیں ڈھونڈنے کی بہت کوشش کی۔ لیکن کوئی سراغ نہ مل سکا۔ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ حضرت جبرائیل علیہ السلام تھے۔ کہ جنہیں میں آج پہچان نہ سکا؟

بہرحال اس واقعہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جو عظمت اور بزرگی پوشیدہ ہے اس سے صرف وہی شخص واقف ہوسکتا ہے۔ کہ جس پر اللہ رب العزت کی خاص رحمت ہو۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعض اوقات مشاہدۂ حق میں اس قدر مستغرق ہو جایا کرتے تھے۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جملہ وجود اپنے تمام تر اجزاء سمیت اس دنیا سے لاتعلق ہو جاتا تھا۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توجہ کسی ایک شخص کی جانب بھی مبذول نہ ہوتی تھی۔ لہٰذا جب فرشتے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس مخصوص کیفیت کو دیکھتے تو برکت کے حصول کیلئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ کیونکہ وہ یہ بات جانتے تھے۔ کہ ساری مخلوق میں یہ کیفیت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہی نصیب ہوسکتی ہے۔ اس لئے ایک ایسے ہی موقع پر حضرت جبرائیل علیہ السلام اخذ فیض کیلئے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں جوابات عنایت فرمائے۔

کلام نبوی کی مختلف کیفیات

ایک روایت کے مطابق حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنو اشعر کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ

"واللہ لا احملکم علیہ والا عندی ما احملکم علیہ"

''اللہ تعالیٰ کی قسم میں تمہیں سواری کیلئے جانور نہ دوں گا۔اور میرے پاس تمہیں دینے کیلئے کوئی جانور نہیں ہے''۔

لیکن اس کے باوجود حضور اقدس نے انہیں اونٹ عطا فرما دیئے۔ حالانکہ حضور اقدس کی زبان مبارک سے حق اور سچ کے علاوہ اور کچھ نہیں نکل سکتا۔ پھر آپ ﷺ نے ایسا کیوں کیا؟

اس کا جواب یہ ہے۔کہ بلاشبہ حضور اقدس ﷺ ہمیشہ حق اور سچ بات بیان فرماتے ہیں۔لیکن آپ ﷺ کا کلام آپ ﷺ کی باطنی کیفیت اور مشاہدے کے اعتبار سے صادر ہوتا تھا اس لئے بعض اوقات مشاہدۂ حق کے غلبہ کے تحت آپ ﷺ کی توجہ مخلوق سے ہٹ جاتی۔ جیسا کہ سابقہ صفحات میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کو نہ پہچاننے سے متعلق حدیث شریف کی شرح میں ذکر کر چکا ہوں۔کسی وقت آپ ﷺ اللہ رب العزت کی قدرت کو سارے جہان میں مشاہدہ فرماتے۔ اس وقت آپ ﷺ کے باطن سے مشاہدہ حق کے اثرات ختم ہو جاتے اور صرف افعال باری تعالیٰ کا مشاہدہ باقی رہ جاتا۔ اسی کیفیت میں آپ ﷺ تبلیغ دین کا فریضہ بھی سرانجام دیتے تھے۔ اس لئے کسی بھی کلام کے صدور کے وقت آپ ﷺ کو مذکورہ بالا تین اقسام میں سے کسی ایک قسم کا مشاہدہ نصیب ہوتا کہ جس قول کے متعلق ذکر ہے۔ اس کے صدور کے وقت حضور اقدس ﷺ اپنے آپ اور ساری مخلوق سے لاتعلق ہو کر مشاہدۂ حق میں مستغرق تھے۔ اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا۔ کہ میرے پاس تمہیں دینے کے لئے اونٹ یا جانور نہیں ہیں۔لیکن پھر جب آپ ﷺ کو تیسری قسم کا مشاہدہ نصیب ہوا۔ تو آپ ﷺ کی توجہ مخلوق کی طرف مبذول ہوئی۔ تو آپ ﷺ نے دریافت فرمایا۔ کہ اشعری کہاں ہیں؟ پھر آپ ﷺ نے انہیں بلوا کر اونٹ عطا فرمائے۔

تو انہوں نے عرض کی۔ کہ آپ ﷺ نے تو قسم کھائی تھی کہ آپ ﷺ ہمیں اونٹ

عطا نہیں کرینگے۔ پھر اب کیوں عنایت کر رہے ہیں۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا! کہ ''یہ اونٹ میں نہیں۔ بلکہ اللہ رب العزت تمہیں دے رہا ہے''۔

حضرت موسیٰ اور دیدار الٰہی

اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

''قَالَ رَبِّ اَرِنِیۡۤ اَنۡظُرۡ اِلَیۡكَ ؕ قَالَ لَنۡ تَرٰىنِیۡ وَلٰكِنِ انۡظُرۡ اِلَی الۡجَبَلِ فَاِنِ اسۡتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوۡفَ تَرٰىنِیۡ '' (اعراف آیت ۱۴۳)

''یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا! اے میرے پروردگار تو مجھے اپنا جلوہ دکھا۔ کیونکہ میں تجھے دیکھنا چاہتا ہوں۔ رب تعالیٰ نے فرمایا: تو مجھے نہیں دیکھا سکتا البتہ تو اس پہاڑ کی طرف دیکھ۔ اگر وہ اپنے مقام پر ٹھہرا رہا تو۔ پھر تو مجھے دیکھ لے گا''۔

اہم سوال

حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اکابر عارفین میں سے ایک تھے اور کوئی بھی شخص اس وقت تک عارف نہیں ہوسکتا۔ جب تک کہ وہ مشاہدے کے سمندروں میں غوطہ زن نہ ہو۔ لہٰذا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مشاہدۂ باری تعالیٰ مستقل طور پر نصیب تھا۔ تو انہوں نے پھر دیدار کا مطالبہ کیوں کیا۔ کیا دیدار کے ذریعے مشاہدے میں اضافہ ہو جاتا ہے؟

جواب

اس کا جواب یہ ہے۔ کہ کوئی بھی صاحب مشاہدہ جب ذات باری تعالیٰ کے مشاہدے میں مستغرق ہوتا ہے۔ تو یہ مشاہدہ اللہ رب العزت کے افعال کی صورت میں دکھائی دیتا ہے۔

افعال کے ذریعہ کے بغیر محض ذات کا مشاہدہ اس وقت تک ممکن نہیں ہوتا کہ جب

تک اللہ رب العزت اس شخص سے اپنا فعل منقطع نہ فرما دے۔ اور اگر کسی بھی چیز سے ایک لمحہ کے لئے بھی اللہ رب العزت کا فعل منقطع ہو جائے۔ تو وہ چیز باقی نہ رہے گی۔ لہٰذا کائنات میں موجود ہر ایک چیز کے اندر اللہ رب العزت کا فعل پایا جاتا ہے۔ اور اسی فعل کی بدولت کائنات کا وجود باقی ہے۔ اور یہی فعل اللہ رب العزت اور مخلوق کے درمیان حجاب کی حیثیت رکھتا ہے۔ لہٰذا اگر یہ حجاب موجود نہ ہو۔ تو کائنات فنا ہو جائے گی۔

اور اس کا بالواسطہ نتیجہ یہ نکلا کہ ہر صاحب مشاہدہ افعال باری تعالیٰ کے آئینے میں ذات باری تعالیٰ کا مشاہدہ کرتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ رب العزت کی بارگاہ میں یہ درخواست کی تھی کہ جو فعل میرے لئے حجاب کی حیثیت رکھتا ہے اس کو درمیان سے ہٹا لے۔ تاکہ میں تیری ذات کا مشاہدہ کر سکوں۔ تو اللہ رب العزت نے جواب دیا۔ کہ اگر میں کسی حادث وجود میں سے اپنے فعل کو نکال دوں۔ تو اس حادث کا وجود باقی نہ رہے گا۔

مثلاً تمہارے سامنے موجود پہاڑ ظاہری طاقت کے اعتبار سے تم سے زیادہ مضبوط ہے۔ لہٰذا تم اس کی طرف دیکھو! اور جب میں اس میں سے اپنا فعل منقطع کر دوں گا۔ تو پھر جیسا کہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

"فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ"

"اگر وہ اپنے مقام پر ٹھہرا رہا"۔

اور اللہ رب العزت نے اس سے اپنا فعل منقطع کر دیا۔ جو کہ اس کی ذات کی عظمت کے لئے حجاب کی حیثیت رکھتا تھا۔ تو وہ پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا۔ اور اس کے اجزاء اڑ کر بکھرنے لگے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو گئے۔

نبی اور ولی میں فرق

ہر نبی میں فطری طور پر درج ذیل خصوصیات لازمی پائی جاتی ہیں۔

۱- ہر نبی فطری طور پر ہمیشہ حق بات کہے گا خواہ وہ کتنی ہی تلخ کیوں نہ ہو۔

۲- بغیر کسی الجھن کے صبر و رضا پر کاربند رہے گا۔لیکن انتہائی مہربان ہوگا۔

۳- اسے اللہ رب العزت کی معرفت نصیب ہوگی۔ ظاہری اور باطنی ہر اعتبار سے اللہ رب العزت کا خوف اس کی فطرت میں موجود ہوگا۔

۴- وہ ہر قسم کے باطل کو سخت ناپسند کرے گا۔ اور بے انتہا بردبار طبیعت کا مالک ہوگا۔ یہاں تک کہ اگر کوئی اس کو نقصان پہنچائے تو یہ پھر بھی اسے نفع پہنچانے کی کوشش کرے گا۔ اور اگر کوئی شخص اس سے لاتعلق ہو جائے۔ تو یہ اسے تھامے رکھے گا۔

یہ درج بالا خصوصیات ہیں جو کہ ہر نبی میں فطری طور پر موجود ہوتی ہیں۔ لیکن ''معرفت'' کے حصول سے پہلے ''ولی'' ایک عام آدمی کی مانند ہوتا ہے۔ اس میں کوئی نمایاں خصوصیت نہیں ہوتی۔ اور ''معرفت'' کے حصول کے بعد اس کو بہت سے انوار نصیب ہوتے ہیں۔گویا اس کے انوار عارضی ہوتے ہیں اسی لئے معرفت کے حصول سے پہلے یا بعد میں ولی ''معصوم'' نہیں ہوتا۔ اور یہ کہنا بھی غلط ہے۔ کہ نبی اور ولی کے درمیان بنیادی فرق صرف فرشتے کا نزول ہے۔ کیونکہ جب اللہ رب العزت جب کسی ولی کو معرفت نصیب کرتا ہے۔تو وہ فرشتوں کو ان کی اصل شکل میں چلتے پھرتے اور بول چال کرتے ہوئے بھی دیکھ لیتا ہے۔ اور جن لوگوں نے ولی اللہ کے لئے فرشتے کو دیکھنے کی صلاحیت کا انکار کیا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں۔ کہ جن کو معرفت نصیب ہی نہیں ہوئی۔

حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن العربی الدمشقی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصنیف ''فتوحات مکیہ'' کے باب نمبر (۳۶۴) میں تحریر فرماتے ہیں کہ

بعض حضرات جن میں حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل ہیں' نے یہ اصول غلط بیان

کیا ہے۔ کہ نبی اور ولی کے درمیان بنیادی فرق صرف فرشتے کا نزول ہے۔ حالانکہ انبیائے کرام علیہم السلام کی طرح اولیائے کرام پر بھی فرشتے نازل ہوتے ہیں۔ تاہم فرشتے کے حکم میں فرق ہوتا ہے۔ کیونکہ فرشتہ ولی کو نبی کی تابعداری کا حکم دیتا ہے۔ یا کسی ایسی روایت کی صحت کے بارے میں اطلاع دیتا ہے۔ کہ جس کو علمائے کرام نے ضعیف قرار دیا ہو۔ اور کبھی فرشتہ ولی کو کوئی بشارت بھی دیتا ہے۔ جیسا کہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

"لَهُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیَاةِ الدُّنْیَا وَ فِی الْاٰخِرَةِ" (یونس آیت ۶۷)

"ان کے لئے دنیا اور آخرت کی زندگی میں خوشخبری ہے"۔

بہرحال ان حضرات کی غلطی کا سبب یہ ہے۔ کہ یہ حضرات اس غلط فہمی کا شکار ہو گئے ہیں۔ کہ اللہ رب العزت نے جو مقام ہمیں نصیب کیا ہے۔ اور باقی ہر ایک کو بھی یہی مقام عطا فرمایا ہے۔ کیونکہ ہم پر فرشتہ نازل نہیں ہوا۔ اس لئے کسی بھی دیگر اولیائے کرام پر کیسے نازل ہو سکتا ہے۔ اور اگر کوئی معتبر ولی ان حضرات کو یہ اطلاع دے دیتا کہ مجھ پر فرشتہ نازل ہوا ہے۔ تو یہ حضرات یقینی طور پر اپنے موقف سے رجوع کر لیتے۔ کیونکہ یہ سب اولیائے کرام کی کرامات کو حق سمجھتے تھے اور بعض حضرات نے میرے اس قول کی طرف رجوع بھی کیا ہے حالانکہ اس سے پہلے ان کا موقف بالکل مختلف تھا۔

حضرت سرکار میاں میر قادری رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

حضرت سرکار میاں میر قادری رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں آیا ہے۔ کہ ایک دفعہ آپ کی آنکھ میں پھوڑا نکل آیا۔ بہت زیادہ علاج معالجہ بھی کروایا۔ لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔ آخرکار یہ بات طے ہوئی کہ اس پر عمل جراحی کروایا جائے۔

اتنے میں ان کے ایک طالب درویش نے عرض کیا۔ کہ جناب آپریشن کی تکلیف نہ

فرمایئے۔ اس سے خطرہ ہے۔ کہ مبادا آنکھ کا ڈیلا پھٹ جائے۔ میں عالم ملکوت میں کسی فرشتے سے اس کی دوائی معلوم کرلوں گا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے حکم دیا۔ کہ بہت اچھا۔ چنانچہ رات کے وقت اس درویش نے مراقبہ کر کے ایک فرشتہ سے دوائی دریافت کر لی۔ کہ فلاں بوٹی کا پانی نکال کر آنکھ میں ٹپکایا جائے۔ چنانچہ ایسا کرنے سے آنکھ ٹھیک ہوگئی۔

اس پر ایک دوسرے درویش نے حضرت سرکار میاں میر قادری رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا۔ کہ جناب اس درویش کے مربی اور مرشد ہیں۔ کیا آپ خود فرشتوں سے اس کا علاج دریافت نہ کر سکتے تھے۔ اس پر آپ نے فرمایا۔ کہ میری منزل عالم ملکوت سے بہت بالا ہے۔ لہٰذا میرے لئے ہتک اور توہین کی بات ہے۔ کہ میں اپنی منزل سے نیچے اور اپنے سے ادنیٰ ملائکہ سے التجا اور استدعا کروں۔ اور میرا یہ طالب آج کل عالم ملکوت میں طیر سیر رکھتا ہے۔ اور ان سے استمداد اور استعادہ کرنا اس کا منصبی کام ہے۔

صاحب معرفت ولی کے مشاہدات

کوئی بھی ''صاحب معرفت'' معرفت کے حصول کے بعد مشاہدہ کرتا ہے۔ اور وہ سب سے پہلے ان امور کا مشاہدہ کرتا ہے۔ مثلاً بندوں کے وہ افعال۔ جو کہ وہ خلوت میں انجام دیتے ہیں۔ سات زمینیں' سات آسمان' پانچویں زمین میں موجود آگ' زمین اور آسمان میں موجود جملہ اشیاء۔ کیونکہ پانچویں زمین میں موجود آگ برزخ کی آگ ہوتی ہے۔

کیونکہ برزخ ساتویں آسمان سے لے کر ساتویں زمین تک پھیلا ہوا ہے۔ تمام ارواح جسم سے جدا ہونے کے بعد برزخ میں اپنے مخصوص مقام میں آ کر ٹھہرتی ہیں۔ بدبخت لوگوں کی ارواح برزخ کے آگ والے حصے میں رہتی ہیں۔ اور یہ حصہ تنگ مقامات۔ کنویں۔ غار۔ گھونسلوں۔ وغیرہ کی مانند ہے۔ اور اس حصے کے رہنے والے مسلسل اوپر چڑھنے اور پھر نیچے گرنے کے عذاب میں مبتلا رہتے ہیں۔ بہرحال یہ آگ دوزخ کی

آگ نہیں ہے۔ کیونکہ دوزخ اور جنت سات زمینوں اور سات آسمانوں کے دائرہ سے باہر ہے۔ پھر اس کے بعد صاحب معرفت زمینوں کے درمیان موجود فرق۔ آسمانوں کے درمیان فرق اور ان پر آباد جملہ مخلوقات کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اس کے علاوہ شیاطین ان کے معمولات اور افزائش نسل کا مشاہدہ کرتا ہے۔ پھر جنات اور ان سے متعلق امور کا مشاہدہ کرتا ہے۔ سورج۔ چاند۔ ستاروں۔ ان کی حرکات۔ خوفناک خلائی آوازوں۔ جیسے بجلی کی کڑک وغیرہ کا مشاہدہ کرتا ہے۔

''یہاں صاحب معرفت کو چاہئے۔ کہ اس مشاہدے کو کمال نہ سمجھے۔ ورنہ وہ یہیں تک محدود رہ جائے گا۔ بلکہ یہاں سے دوبارہ واپسی کا سفر شروع کر دے گا''۔

کیونکہ معرفت کے حصول کے بعد انسان کی بصیرت اس قدر تیز ہو جاتی ہے۔ کہ وہ جس چیز کو بھی نظر بھر کے دیکھ لے۔ اس کے تمام اسرار سے واقف ہو جاتا ہے۔ مذکورہ بالا جملہ اشیاء ظلمت کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اور اگر کوئی شخص ان پر اکتفا کر لے۔ تو گویا اس نے تاریکیوں میں قیام کو پسند کر کے خود کو اللہ رب العزت سے لاتعلق کر لیا ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ وہ لوگ زیادہ محفوظ ہوتے ہیں۔ کہ جن کو معرفت نصیب نہیں ہوتی۔ اور اللہ رب العزت کی حفاظت اگر شامل حال نہ ہو۔ تو صاحب معرفت کے بھٹکنے کا زیادہ اندیشہ ہوتا ہے۔ کیونکہ ہم یہ دیکھتے ہیں۔ کہ فطری طور پر ایک عام انسان مال و زر اور عورتیں تو بہت دور کی چیز ہے۔ بادام' منقیٰ حتیٰ کہ چنے کے دانے پر ہی فریفتہ ہو جاتے ہیں۔ اور اگر کوئی صاحب ان عجائبات کے مشاہدے کے دوران پھسل جائے۔ تو یہ کوئی حیران کن بات نہ ہوگی۔ کیونکہ شیاطین ہر وقت اس کو بہکانے پر تیار رہتے ہیں۔ اور اگر اللہ رب العزت کی مدد شامل حال نہ ہو تو کوئی بھی انسان بھٹکنے سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ اور جو صاحب معرفت اسی مقام پر ٹھہر جائے۔ تو شیاطین اسے بہکا کر جادوگر یا کاہن بنا دیتے ہیں۔ لہٰذا اللہ رب

العزت ہمیں اس سے محفوظ رکھے۔ البتہ جس شخص پر اللہ رب العزت کی خاص رحمت ہو۔ وہ ان عجائبات کو نظر انداز کر کے ان مقامات سے آگے بڑھ جاتا ہے۔

مشاہدے کا دوسرا مقام

اس کے بعد دوسرے مقام پر صاحب معرفت کو درج ذیل امور کا مشاہدہ نصیب ہوتا ہے۔ پہلے مشاہدے میں ظلمانی اور فانی امور کا مشاہدہ کروایا گیا تھا۔ جبکہ دوسرے مشاہدے میں ''انوار باقی'' کا مشاہدہ کروایا جاتا ہے۔ کہ جس میں عام فرشتے۔ محافظ فرشتے اور صالحین کی حضوری کے اراکین وغیرہ شامل ہوتے ہیں۔ پھر اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقام۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام۔ پھر حضرت ادریس علیہ السلام۔ پھر حضرت یوسف علیہ السلام۔ پھر تین دیگر رسولوں کے مقامات کا مشاہدہ نصیب ہوتا ہے۔ ان تینوں رسولوں کے اسماء غیر معروف ہیں۔ ان میں سے بعض حضرت ادریس علیہ السلام سے پہلے تشریف لائے۔ اور بعض بعد میں تشریف لائے۔ اور اگر میں یہ تشریح بیان کرنا شروع کروں۔ کہ ان میں سے ہر ایک نبی کی خصوصیت کیا ہے۔ یا کہ فرشتے کی اصل شکل کیسی ہوتی ہے۔ تو آپ کو ایسی باتیں سننے کو ملیں گی۔ جو کہ آپ کے وہم و گمان سے بھی ماورا ہوں گی۔ لیکن صاحب مشاہدہ کو اسی مقام پر نہیں ٹھہر جانا چاہئے۔ کیونکہ وہ جس مقام پر بھی ٹھہرے گا۔ وہاں کے تمام اسرار اپنے اندر جذب کر لے گا۔ مثلاً اگر وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مخصوص مقام پر آ کر ٹھہر جاتا ہے۔ تو وہ فوراً عیسائیت کو اختیار کر جاتا ہے۔ اور اسلام کے حلقہ سے خارج ہو جائے گا۔ اس لئے صاحب معرفت ہر مقام پر خطرات سے دوچار رہتا ہے۔ لیکن جب اسے مقام محمدی ﷺ کا مشاہدہ نصیب ہو جائے تو۔ پھر کوئی خطرہ باقی نہ رہے گا۔

کیونکہ حضور نبی اکرم ﷺ کو ایک خاص قوت عطا فرمائی گئی ہے۔ جو کہ ساری مخلوق

میں صرف آپ ﷺ کو عطا فرمائی گئی ہے۔ کہ جسکی بدولت آپ ﷺ کسی بھی شخص کو پکڑ کر بارگاہ رب العزت تک پہنچا دیتے ہیں۔ اسی وجہ سے آپ ﷺ اللہ رب العزت کے نزدیک معزز اور فضیلت کے مالک ہیں۔ لہٰذا کوئی بھی صاحب معرفت جب ''مقام محمدی ﷺ'' تک پہنچ جاتا ہے۔ تو اب گویا وہ بارگاہ رب العزت تک رسائی حاصل کر چکا ہے۔ اور یہ امکان باقی نہیں رہا کہ وہ اللہ رب العزت سے لاتعلق ہوسکتا ہے۔ اس کے علاوہ یہاں مزید کچھ اسرار بھی ہیں۔ کہ جن سے ''صاحبان معرفت'' بخوبی واقف ہیں۔ اللہ رب العزت ہمیں ان کے گروہ میں شامل کرے اور ہمیں ان کی برکات نصیب کرے۔

اس کے بعد صاحب معرفت کو ساری کائنات میں موجود تقدیر کے اسرار کا مشاہدہ نصیب ہوتا ہے۔ پھر اس کے بعد اگلے مقام پر اس نور کا مشاہدہ نصیب ہوتا ہے۔ جو کہ فعل الٰہی میں اس طرح گھل مل گیا ہے۔ کہ جیسے زہر پانی میں حل ہو جاتا ہے۔ اور فعل کی مثال زہر کی مانند ہے۔ اور نور کی مثال پانی کی مانند ہے۔ اس مقام پر پہنچ کر بہت سے افراد اس غلط فہمی کا شکار ہوجاتے ہیں۔ کہ شاید یہ نور ہی اللہ رب العزت کی ذات ہے۔ حالانکہ اللہ رب العزت کی ذات اس سے بہت ہی بلند و برتر ہے۔ اور پھر صاحب معرفت جب اگلے مقام پر فائز ہوتا ہے۔ تو اس وقت اسے نور اور اللہ رب العزت کے فعل کا الگ الگ مشاہدہ نصیب ہوتا ہے۔ اور اس کو پتہ چلتا ہے۔ کہ میری سابقہ رائے درست نہیں تھی۔

لہٰذا میں نے تمام مقامات کے اسماء ان کے معانی اور ہر مقام سے متعلق دیگر تفصیلات۔ اس لئے بیان نہیں کی ہیں۔ کیونکہ میرا مقصد صرف یہ ہے۔ کہ جس شخص کو معرفت نصیب ہوتی ہے۔ اسے خبردار کیا جا سکے اور میرا یہ مقصد مذکورہ بالا بیان سے ہی پورا ہو جاتا ہے۔ تاہم اس سے متعلق دیگر تفصیلات سے کسی بھی صاحب مشاہدہ کو بالمشافہ طور پر آگاہ کیا جا سکتا ہے۔

نبی اور فرشتے میں فرق

میں ولی اور نبی کے درمیان بنیادی فرق کی وضاحت کر چکا ہوں۔ اب میں نبی اور فرشتے کے درمیان بنیادی فرق کی وضاحت کروں گا کہ ہر فرشتے کا وجود نورانی ہوتا ہے۔ اور اس میں عقل اور حواس موجود ہوتے ہیں۔

ہر فرشتے کے پانچ سر ہوتے ہیں۔ اور ہر ایک سر میں (۶۳) منہ ہوتے ہیں۔ گویا پانچوں سروں میں (۳۱۵) منہ ہوتے ہیں۔ اور ہر منہ میں (۳) تین زبانیں ہوتی ہیں۔ کسی فرشتہ کے منہ میں پانچ یا سات زبانیں بھی ہوتی ہیں۔ لیکن اگر ہم کم از کم مقدار یعنی تین ہی کو سامنے رکھیں۔ تو ہر فرشتے کے منہ میں کم از کم (۹۴۵) نو سو پینتالیس زبانیں بنتی ہیں۔ اور پانچ زبانوں والے فرشتے کی (۱۵۷۵) پندرہ سو پچھتر زبانیں بنتی ہیں۔ اور سات زبانوں والے فرشتے کی (۲۲۰۵) دو ہزار دو سو پانچ زبانیں بنتی ہیں۔

جب کوئی فرشتہ کوئی بات کہتا ہے۔ تو ان تمام زبانوں سے بیک وقت آواز نکلتی ہے۔ اور اللہ رب العزت کی ذات پاک ہے۔ کہ جس نے انہیں پیدا کیا ہے۔ اور اگر اللہ رب العزت کی مدد شامل حال نہ ہو۔ تو کوئی بھی صاحب معرفت صرف فرشتے کی آواز سن کر ہی انتقال کر جائے۔ اور اگر فرشتے کی اصل صورت دیکھنے کا موقع ملے۔ تو پھر اس کی کیفیت کیا ہوگی۔ اسکا اندازہ آپ خود کر سکتے ہیں۔

فرشتے کا وجود نور پر مشتمل ہوتا ہے کہ جس میں عقل اور حواس موجود ہوتے ہیں۔ گویا یہ بھی روح کی مانند ہوتا ہے۔ کیونکہ روح بھی نور سے پیدا ہوتی ہے۔ اور اس کے اندر وہ تمام اجزاء موجود ہوتے ہیں۔ کہ جن کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔ کہ روح کے تمام علوم اس کی فطرت میں موجود ہوتے ہیں۔ اسی طرح ہر فرشتے کو پیدائش کے ساتھ ہی ''معرفت'' نصیب ہو جاتی ہے۔

لیکن نبی کے بشری وجود کو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔ کہ جس میں روح اپنے جملہ اسرار سمیت پوشیدہ ہوتی ہے۔ اپنی اصل فطرت کے اعتبار سے بشری وجود محجوب ہوتے ہیں۔ لیکن کیونکہ نبی کے بشری وجود میں اس کی تخلیق کے وقت ہی نور نبوت ڈال دیا جاتا ہے۔ اس لئے بشری تقاضوں سے متعلق حجاب کمزور ہوجاتا ہے۔ اور وہ ہر وقت اللہ رب العزت کی بارگاہ میں حاضر رہتا ہے۔ نبی کا ہر قول اور ہر عمل حق کا تابع ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ بالفرض اگر کوئی نبی کسی ایسی قوم میں پیدا ہو۔ جو کہ سراسر گمراہی میں ڈوبی ہوئی ہو۔ اور اس نبی پر کوئی شریعت یا وحی نازل نہ ہو۔ پھر بھی وہ نبی اس قوم کے عقائد ونظریات کی مخالفت کرے گا۔ اور اپنی فطرت کے اعتبار سے ''معرفت'' کے حصول سے پہلے نبی کی یہ کیفیت ہوتی ہے۔ لیکن جب اسے معرفت نصیب ہو جائے۔ اور بشری حجاب مکمل طور پر زائل ہو جائے۔ اور وہ پوری طرح بارگاہ رب العزت میں حاضر ہوجائے۔ تو اس وقت نبی کی معرفت کے سمندر کے بارے میں کوئی سوچ بھی نہیں سکتا اور یہ کیفیت کسی بھی فرشتے یا کسی اور مخلوق کو نصیب نہیں ہوسکتی۔

''وجد'' کیوں پیدا ہوتا ہے؟

ایک مرتبہ ایک دوست پوچھنے لگے کہ بعض لوگ (وجد کے عالم میں) مضطرب ہوجاتے ہیں۔ اور چیخنے چلانے لگتے ہیں۔ (اس کی کیا وجہ ہے؟) بلکہ دوست کے بقول اس کی اپنی یہی کیفیت ہے۔ کہ بعض اوقات ذکر اور عبادت کے دوران ہی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ اور وہ اس بات سے خوف زدہ ہے۔ کہ کہیں یہ شیطان کی فریب کاری نہ ہو۔ اور اس نے یہ بھی ذکر کیا۔ کہ جب وہ دنیاوی امور کی طرف متوجہ ہو جائے۔ تو یہ کیفیت زائل ہو جاتی ہے۔

بہرحال بعض اوقات روح اپنے اندر موجود نور کا فیض ذات پر ڈالتی ہے۔ اس وقت

جسم پر اضطراب کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ اور کبھی گناہ کے ارتکاب کے وقت بھی طاری ہو جاتی ہے۔ اگر گناہ کے ارتکاب کے وقت کسی شخص پر یہ کیفیت طاری ہو جائے۔ تو وہ گناہ کے ارتکاب سے باز آ جاتا ہے۔ کیونکہ اس وقت روح اپنے نور کا فیض جسم پر ڈالتی ہے۔ کہ جس کے نتیجہ میں جسم پر خشیت طاری ہو جاتی ہے۔ اور وہ اللہ رب العزت کی ذات کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔

اگر اطاعت کے عالم میں یہ کیفیت طاری ہو۔ تو انسان کو ہرگز یہ نہیں سمجھنا چاہئے۔ کہ یہ کیفیت اس کی عبادت یا ریاضت کی بدولت پیدا ہوتی ہے۔ کیونکہ اس طرح وہ خود پسندی کا شکار ہو جائے گا۔ انسان کو اپنے نفس کو یہ تنبیہ کرنی چاہئے۔ کہ اگر یہ کیفیت عبادت کا نتیجہ ہوتی۔ تو عبادت کے علاوہ کسی بھی وقت طاری نہ ہوتی (جبکہ درحقیقت ایسا نہیں ہے) روح کی طرف سے جسم کو حاصل ہونیوالے اس نور کی مثال لگام کی مانند ہے۔ جب روح یہ دیکھتی ہے۔ کہ جسم صحیح راستہ سے بھٹک رہا ہے۔ اور اس کے گمراہ ہونے کا اندیشہ موجود ہے۔ اس وقت یہ نور جسم پر ظاہر ہوتا ہے۔ تاکہ درست سمت اس کی رہنمائی کرے۔ یہ کیفیت ہر ان لوگوں پر طاری ہوتی ہے۔ کہ جن کے ساتھ اللہ رب العزت بھلائی کا ارادہ کر لے۔ کیونکہ یہ کیفیت بھی ہدایت کے حصول کا ایک بنیادی سبب ہے۔ لیکن جن لوگوں کے نصیب میں ہدایت نہ ہو ان کے لئے یہ کیفیت ظلمت بن جاتی ہے۔ کہ جو انہیں راہ حق سے بھٹکا کر حضور اقدس ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری سے باز رکھنے کا باعث بنتی ہے۔

ہر شخص کے وجود کے اندر ایک خاص روشنی ہوتی ہے۔ جو اس کی رہنمائی کرتی ہے۔ اگر یہ روشنی انسان کو صحیح راستہ پر گامزن کر دے۔ تو نہایت مناسب ہے۔ اور اگر یہی روشنی انسان کو بے راہ روی کا شکار کر دے۔ تو وہی انسان ذلیل و خوار ہو کر رہ جاتا ہے۔

روح کے اسرار

میرے خیال کے مطابق روح میں (۳۶۶) تین سو چھیاسٹھ اسرار پائے جاتے ہیں۔ اور ان میں سے ایک سرّ ایسا بھی ہے۔ کہ اگر اسے روح اپنے جسم پر ڈال دے۔ تو انسان ہمیشہ گریہ وزاری میں مشغول ہو جائے۔

ایک سرّ ایسا بھی ہے۔ کہ اگر اسے جسم پر ڈال دیا جائے۔ تو انسان ہمیشہ مسکراتا رہے۔

ایک سرّ ایسا بھی ہے۔ کہ اگر روح اسے جسم پر ڈال دے۔ تو انسان ہمیشہ چیخ و پکار کرتا رہے۔

لیکن روح جسم پر وہی اسرار ڈالتی ہے۔ جو کہ پہلے سے تقدیر میں لکھ دیئے گئے ہوں۔ میں ایک دن اپنے شیخ حضرت سید افتخار احمد حسین شاہ گیلانی غوث زماں قدس سرہ کی خدمت میں حاضر تھا۔ آپ کچھ بیان فرما رہے تھے کہ اچانک حاضرین میں سے ایک شخص بلند آواز سے چیخ و پکار کرنے لگا۔ اور کافی دیر تک ان پر یہ کیفیت طاری رہی۔ میرے شیخ نے بعد میں مجھے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ یہ بہت زبردست کیفیت ہے۔ لیکن شرط یہ ہے۔ کہ اس کیفیت میں شیطان انسان کو فریب نہ دے۔ اور اس کی نماز کو فاسد نہ کر دے۔

میرے شیخ نے فرمایا۔ کہ دل کا اللہ رب العزت کی طرف متوجہ ہونا ہی دل کی نماز ہے۔ جیسا کہ رکوع و سجود وغیرہ کرنا جسمانی نماز ہے۔ نماز سمیت دیگر تمام شرعی احکام کی بنیادی حکمت اسی توجہ کا حصول ہے۔ اور اسی کے نتیجہ میں انسان عبادات کے صحیح فوائد حاصل کر سکتا ہے۔ لہٰذا جب شیطان یہ دیکھتا ہے کہ کوئی بندہ اللہ رب العزت کا ذکر یا کوئی رقیق کلام سن کر اللہ رب العزت کی طرف متوجہ ہونے لگا ہے۔ تو شیطان اس کے اندر جا کر اس کیفیت کو زائل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ کیونکہ آخر کار وہ انسان کا بدترین دشمن

ہے۔ اور شیطانی کوشش کے نتیجہ میں انسان کی حقیقی توجہ فاسد ہوجاتی ہے۔ اور اس کی مختلف صورتیں ہوسکتی ہیں۔ وہ توجہ مکمل طور پر ختم بھی ہوسکتی ہے۔ یا پھر انسان یہ سمجھنے لگتا ہے۔ کہ شاید اسے معرفت نصیب ہوگئی اور پھر یہ اندیشہ سامنے آتا ہے۔ کہ کہیں وہ اللہ رب العزت سے لاتعلق نہ ہو جائے۔ کیونکہ چیخنے چلانے کی وجہ سے خود انسان اور دوسرے لوگ اسے کچھ سمجھنے لگے ہیں۔ اور اس کی طرف اشارے کیۓ جاتے ہیں اور یہ بات ذہن نشین کر لیں۔ کہ جس کی طرف اشارے کیۓ جانے لگیں وہ ضرور تباہ ہو جاتا ہے۔

صحبت کا اثر

فرض کریں کہ کچھ لوگ ناؤ نوش سجا کے بیٹھے ہوں۔ اور اس کے ہمراہ دیگر لوازمات بھی وہاں موجود ہوں اور شراب کے نشہ میں مست ہوں۔ بہک رہے ہوں۔ فحش اور بدکلامی میں مشغول ہوں۔ اور پھر وہاں ایک شخص آ جائے۔ کہ جس کے ہاتھ میں ''دلائل الخیرات'' ہو۔ اور پھر وہ ان سب لوگوں کے سامنے اسے (دلائل الخیرات) پڑھنا شروع کر دے۔ اور پورے ایک دن تک ان کے پاس بھی رہے۔ اس سارے عرصے کے دوران وہ شراب نوشی میں مشغول رہیں اور یہ پڑھتا رہے۔ زیادہ امکان یہی ہے۔ کہ یہ شخص بھی ان نشئی لوگوں میں گھل مل جائے گا۔ اس کی وجہ وہی ہے۔ جو کہ ہم نے ابھی بیان کی ہے (یعنی وہاں سے فرشتے رخصت ہو جاتے ہیں) یہی وجہ ہے۔ کہ شریعت نے بدکار لوگوں کی ہم نشینی سے منع کیا ہے۔ کیونکہ خون شہوت اور غفلت' نیک و بد سب کے اندر پائی جاتی ہے۔ بہت کم لوگ ان (کی آفات) سے محفوظ رہے ہیں۔

صحبت اور اس کے آداب واحکام

القرآن: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِیْكُمْ نَارًا اَیْ اَدِّبُوْهُمْ

ترجمہ: ''اے ایمان والو! اپنی جانوں اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ۔ یعنی ان کی درستگی کرو''۔

اللہ رب العزت کے حبیب ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

''حسن الادب من الایمان''

''حسن ادب ایمان کا حصہ ہے''۔

نیز فرمایا کہ

''ادبنی ربی فاحسن تادیبی''

''میرے رب تعالیٰ نے مجھے ادب سکھایا اور بہت اچھا ادب مجھے سکھایا''۔

حضرت سید علی بن عثمان جلابی المعروف حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ اپنے شہرۂ آفاق تصنیف ''کشف المحجوب'' میں تحریر فرماتے ہیں۔ کہ دین اور دنیا کے تمام امور کی شائستگی آداب سے وابستہ ہے۔ اور ہر قسم کے لوگوں کے مقامات کے لئے ہر مقام کے آداب جداگانہ ہیں۔ تمام انسان خواہ وہ کافر ہوں یا مسلمان ملحد ہوں یا موحد۔ سنی ہوں یا کہ مبتدع۔ سب کا اس پر اتفاق ہے۔ کہ معاملات میں حسن ادب بڑی اور عمدہ چیز ہے۔

اور جہان میں کوئی رسم و رواج استعمال ادب کے بغیر ثابت نہیں ہوسکتا۔ لوگوں میں ادب ہی مروت کی حفاظت ہے۔ اور دین میں سنت کی حفاظت اور دنیا میں عزت و احترام کی حفاظت بھی اسی ادب سے متعلق ہے۔ کیونکہ یہ تینوں ایک دوسرے سے منسلک ہیں جس میں مروت نہ ہوگی۔ وہ سنت کا متبع نہ ہوگا۔ اور جس میں سنت کی حفاظت نہ ہوگی۔ اس میں عزت و احترام کی رعایت بھی نہ ہوگی۔

معاملات یعنی طریقت کے سلوک میں حفظ ادب۔ مطلوب کی تعظیم سے حاصل ہوتی ہے یعنی دلوں میں اللہ رب العزت اور اس کی مغائرت کی عظمت و عزت پر طریقت میں یہ تعظیم تقویٰ سے حاصل ہوتی ہے۔ اور جو تعظیم کی بے حرمتی کرتا ہے۔ اور مشاہدہ حق کو پامال کرتا ہے طریق تصوف میں اس کا کوئی مقام نہیں ہوتا۔ سکر و غلبہ یا کسی اور حال میں ہونا طالب کو ادب کی حفاظت سے کسی صورت بھی منع نہیں کرتا۔ وہ اس لئے۔ کہ ادب ان کی عادت ہے۔ اور عادت طبیعت کی مانند ہوتی ہے ہر جاندار سے کسی بھی حالت میں طبائع کی جدائیگی کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ جب تک کہ اس کی زندگی برقرار ہے اس کا افتراق اس سے محال ہے۔ لہٰذا جب تک انسانی تشخص برقرار ہے ہر حال میں ادب کی پیروی لازم ہے خواہ وہ تکلف سے ہو یا کہ بے تکلف۔ جب ان کا حال صحت مندی میں ہوتا ہے۔ تو وہ بے تکلف آداب کی رعایت استعمال کرتے ہیں۔ اور جب ان کا حال سکر و مدہوشی میں ہوتا ہے اس وقت اللہ رب العزت انہیں ادب پر قائم رکھتا ہے۔ غرض کہ کسی حالت میں بھی دل ادب سے روگرداں نہیں ہوتا۔

"لِاَنَّ الْمَوَدَّةَ عِنْدَ الْاَدَبِ وَحُسْنِ الْاَدَبِ صِفَةُ الْاَحْبَابِ"

''کیونکہ محبت بہترین ادب ہے۔ اور حسن ادب محنت کرنے والوں کی خوبو ہے''۔

اللہ رب العزت جس پر جتنی کرامت فرماتا ہے وہ اس کی دلیل ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ دین کے ادب کی حفاظت کرتا ہے۔ بخلاف ملحدوں کے اس گروہ کے کہ اللہ تعالیٰ ان پر

لعنت کرے جو یہ کہتے ہیں۔ کہ بندہ محبت میں جب غالب ہو جاتا ہے۔تو حکم متابعت اس سے ساقط ہو جاتا ہے۔لہٰذا یہ خالص بے دینی ہے۔

ادب کی اقسام

ادب کی تین بڑی اقسام ہیں۔ ایک اللہ رب العزت کے ساتھ اس کی توحید میں اس طرح پر کہ جلوت وخلوت کی ہر حالت میں خود کو اس کی بے حرمتی سے بچائے۔ اور وہ سلوک کرے۔ جو کہ بادشاہوں کے ہاں کیا جاتا ہے۔ صحیح حدیث میں وارد ہے۔ کہ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ چہارزانو تشریف فرما تھے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حاضر خدمت ہو کر پیغام پہنچایا کہ

"یَا مُحَمَّدُ اِجْلِسْ جِلْسَةَ الْعَبْدِ"

"شان بندگی کے ساتھ جلوس فرمایئے"۔

یعنی آپ ﷺ اللہ رب العزت کے مقرب بندے ہیں۔لہٰذا اس کی بارگاہ میں اس کی شان کے لائق جلوس فرمایئے۔

مشائخ حضرات بیان فرماتے ہیں۔ کہ حضرت حارث محاسبی رحمۃ اللہ علیہ نے چالیس سال تک دن رات کسی حصہ میں دیوار سے ٹیک لگا کر کمر بھی سیدھی نہ کی۔ اور دو زانوں کے علاوہ کسی اور طریقہ سے بھی نہ بیٹھے۔ لوگوں نے عرض کیا آپ اتنی تکلیف اور مشقت کیوں اٹھاتے ہیں؟ فرمایا: مجھے شرم آتی ہے۔ کہ میں اللہ رب العزت کے مشاہدہ میں اس طرح نہ بیٹھوں۔ کہ جس طرح بندہ بیٹھتا ہے۔

حضور سیدنا داتا گنج بخش قدس سرہ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے خراسان کے ایک شہر ملند نامی میں ایک شخص کو دیکھا۔ جو کہ بہت مشہور تھا۔ اور لوگ اسے "ملند ادیب" کہتے تھے وہ بڑا صاحب فضیلت تھا۔ کہ اس نے بیس سال قدموں پر کھڑے کھڑے گزار دیئے اور سوائے نماز میں تشہد کے کبھی نہ بیٹھتا۔ میں نے اس سے اس کی وجہ دریافت کی۔ تو اس

نے کہا کہ ابھی مجھے وہ درجہ حاصل نہیں ہوا ہے۔ کہ میں مشاہدۂ حق میں بیٹھ سکوں۔

اسی طرح حضرت بایزید بسطامی رضی اللہ عنہ سے کسی نے دریافت کیا کہ

"بما وجدت ماوجدت"

"آپ نے جو کچھ پایا وہ کس چیز کی بدولت پایا"۔

"قال بحسن الصحبة مع الله"

فرمایا: "اللہ رب العزت کے ساتھ حسنِ صحبت کی بدولت"۔

لہٰذا میں نے اللہ رب العزت کے ساتھ اتنا ہی جلوت میں ادب اور حسن صحبت کو ملحوظ رکھا ہے جتنا کہ خلوت میں ہے۔

معبود کا مشاہدہ

اہل جہان کو چاہئے۔ کہ اپنے معبود کے مشاہدہ میں ادب کی حفاظت کا سلیقہ زلیخاہ سے سیکھیں۔ کہ جس وقت اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ خلوت اور تنہائی کی۔ اور حضرت یوسف علیہ السلام سے اپنی خواہش کی تکمیل کی درخواست کی۔ لیکن اس نے پہلے اپنے بت کے چہرہ کو کسی چیز سے ڈھانپ دیا تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اس سے پوچھا کہ یہ کیا کر رہی ہو؟ اس نے کہا کہ اپنے معبود کے چہرہ کو چھپا رہی ہوں۔ تاکہ وہ بے حرمتی میں مجھے آپ علیہ السلام کے ساتھ نہ دیکھے۔ کیونکہ یہ شرائط ادب کے خلاف ہے۔ اور جب حضرت یوسف علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام باہم ملے اور انہیں جمال یوسفی سے ہم آغوش کیا۔ تو زلیخا کو جوان کر کے دین حق کی راہ دکھائی۔ تب حضرت یوسف علیہ السلام کی زوجیت میں دیا اور جب حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کی طرف قصد فرمایا۔ تو زلیخا آپ علیہ السلام سے بھاگی۔ فرمایا:

اے زلیخا! کیا میں تیرا دلربا نہیں ہوں؟ یا غالباً میری محبت تیرے دل سے جاتی رہی

ہے؟ تو زلیخا نے عرض کیا۔ کہ خدا کی قسم! یہ بات ہرگز نہیں۔ بلکہ اپنی جگہ قائم ہے۔ بلکہ زیادہ ہے۔لیکن میں نے ہمیشہ اپنے معبود کی بارگاہ کے ادب کو ملحوظ رکھا ہے۔

اس دن جب کہ میرے اور آپ علیہ السلام کے درمیان خلوت ہوئی تھی اس وقت میرا معبود ایک بت تھا۔ جو کہ قطعاً دیکھ نہیں سکتا تھا۔مگر اس کے باوجود اس کی بے نور دو آنکھیں تھیں۔ اسپر میں نے پردہ ڈال دیا تھا۔ تاکہ بے ادبی کی تہمت مجھ سے اٹھ جائے۔ اب میرا معبود ایسا ہے۔ جو کہ دانا اور بینا ہے۔ کہ جس کے لئے دیکھنے کا نہ کوئی حلقہ ہے۔ اور نہ کوئی آلہ؟ مگر میں جس حال میں بھی ہوں وہ مجھے دیکھتا ہے۔ اس لئے میں نہیں چاہتی کہ اس کی بارگاہ میں ترک ادب کا الزام مجھ پر عائد ہو۔

حضور اقدس ﷺ کو شب معراج میں لے جایا گیا۔تو آپ ﷺ نے حفظ ادب میں کونین کی طرف نظر نہ اٹھائی یہاں تک کہ اللہ رب العزت نے فرمایا! کہ

"مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی"

"نہ آنکھ جھپکی اور نہ بے راہ ہوئی"۔

یعنی دنیا کی طرف نظر کرنے میں آنکھ جھپکی اور نہ آخرت کے دیکھنے میں آنکھ بے راہ ہوئی۔

ادب کی دوسری قسم معاملات میں اپنے ساتھ ہے وہ اس طرح کہ ہر حال میں اپنے ساتھ مروت کو ملحوظ رکھے یہاں تک کہ لوگوں کی صحبت ہو یا اللہ رب العزت کی بارگاہ کی حاضری۔ جلوت ہو یا کہ خلوت۔ کسی بھی حال میں بے ادبی کا ارتکاب نہ کرے۔ اس کی صورت یہ ہے۔ کہ سچ کے سوا کوئی کلام نہ کرے اور جو بات اپنے دل کو جھوٹی معلوم ہو اسے زبان پر لانا کیسے درست ہوسکتا ہے۔ کیونکہ اس میں بے مروتی ہے۔

دوسری صورت یہ ہے۔ کہ کم کھائے۔ تاکہ طہارت گاہ میں زیادہ نہ جانا پڑے۔

تیسری صورت یہ ہے۔ کہ کسی کی شرم گاہ نہ دیکھے۔ حتیٰ کہ اپنی شرمگاہ بھی کسی مجبوری

کے سوا نہ دیکھے۔ کیونکہ حضرت سیدنا علی شیر خدا کرم اللہ وجہہ کے بارے میں منقول ہے۔ کہ انہوں نے کبھی بھی اپنے جسم کے پوشیدہ حصوں کونہیں دیکھا۔ کسی نے اس کی وجہ دریافت کی۔ تو فرمایا: میں شرم کرتا ہوں۔ کہ اس حصہ کو دیکھوں۔ کہ جس کی جنس پر نظر ڈالنا حرام ہے۔

ادب کی تیسری قسم لوگوں کے ساتھ صحبت کرنے میں ادب کا لحاظ رکھنا ہے۔ صحبت کے آداب میں بہترین ادب یہ ہے۔ کہ سفر وحضر میں حسن معاملہ اور سنت کی حفاظت کرے۔

آداب کی یہ تینوں اقسام ایک دوسرے سے جدانہیں ہوسکتیں۔ اب میں حتی المقدور ترتیب اور آداب کو بیان کرتا ہوں۔ تا کہ بآسانی سمجھ میں آسکے۔

آداب صحبت

اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

"اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا اَىْ بِحُسْنِ رِعَايَتِهِمُ الْاَخْوَانِ"

"جو ایمان لائے۔ اور عمل صالح کئے۔ اللہ تعالیٰ ان کو محبوب بنا کر دوست بنا لے گا یعنی انہوں نے اپنے دلوں کی حفاظت کی۔ اور اپنے بھائیوں کے حقوق کو ادا کیا۔ اور اپنے مقابلہ میں ان کی بزرگی اور شرافت کو دیکھا"۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

"ثَلٰثٌ لَكَ وُدَّ اَخِيْكَ لِتَسْلِمَ عَلَيْهِ اَنْ لَقِيْتَهٗ وَتَوَسَّعَ لَهٗ فِى الْمَجْلِسِ وَتَدْعُوْهُ بِاَحَبِّ اَسْمَائِهٖ"

"حسن رعایت اور حفظ مراتب کے سلسلہ میں مسلمان بھائیوں کی محبت کو تین چیزیں پاکیزہ بناتی ہیں۔ ایک یہ کہ جب کسی سے کلام کرو۔ تو اسے سلام کرو۔

دوسرے یہ کہ اپنی مجالس میں اس کے لئے جگہ بناؤ۔ تیسرے یہ کہ اسے اچھے القاب سے یاد کرو"۔

ایک اور جگہ پر اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے! کہ

"اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْكُمْ"

"تمام مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ لہٰذا اپنے بھائیوں سے صلح و آشتی رکھو"۔

مطلب یہ کہ باہم لطف و مہربانی سے پیش آؤ۔ کسی کی دل شکنی نہ کرو۔

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ

"اکثر وامن الاخوان فان ربکم حی کریم یستحی ان یعذب عبده بین اخوته یوم القیمة"

"اپنے بھائی زیادہ بناؤ اور ان کے حقوق میں حسن سلوک کر کے بھائی بناؤ۔ کیونکہ تمہارا رب حی و کریم ہے۔ وہ حیا فرماتا ہے کہ روز قیامت باہمی آداب و معاملات کی وجہ سے اپنے بندے پر اس کے بھائیوں کے درمیان عذاب فرمائے"۔

لہٰذا یہی مناسب ہے۔ کہ اپنے بھائی کے ساتھ صحبت بوجہ اللہ کی جائے نہ کہ نفسانی خواہش یا کسی اور غرض و مفاد کی خاطر۔ تاکہ وہ بندہ حفظ ادب کی وجہ سے ممنون و متشکر ہو۔

حضرت مالک بن دینار رضی اللہ عنہ نے اپنے داماد حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"اے مغیرہ! جس بھائی یا ساتھی کی رفاقت تمہیں دینی فائدہ نہ پہنچائے تم اس جہان میں اس کی صحبت سے بچو۔ تاکہ تم محفوظ رہو"

اس نصیحت کا مطلب یہ ہے۔ کہ تمہاری صحبت یا تو اپنے سے بڑے یا اچھے کے ساتھ ہوگی یا پھر اپنے سے کمتر کے ساتھ۔ اگر اپنے سے بڑے یا اچھے کی رفاقت اختیار کرو گے۔ تو اس سے تمہیں دینی اور دنیاوی فائدہ پہنچے گا۔ اور اگر اپنے سے کمتر کے ساتھ بیٹھو گے۔ تو

تم سے اس کو دینی اور دنیاوی فائدہ پہنچے گا۔ اور تم اپنے سے بڑے سے جو حاصل کرو گے وہ بھی دینی فائدہ حاصل کرنا ہوگا۔

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

"ان من تمام التقوٰی تعلم من لا یعلم"

''کمال پرہیز گاری یہ ہے۔ کہ بے علم کو علم سکھائے''۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

''وہ دوست بہت بُرا ہے جس کو دعا کرنے کی وصیت کرنی پڑے۔ کیونکہ ایک لمحہ کی صحبت کا حق یہ ہے۔ کہ اسے ہمیشہ دعائے خیر میں یاد رکھا جائے۔ اور وہ دوست بہت بُرا ہے جس کی صحبت خاطر تواضع کی محتاج ہو۔ کیونکہ صحبت کا سرمایہ ہی یہ ہے۔ کہ ہمیشہ خوشی و مسرت سے گزرے اور وہ دوست بہت ہی بُرا ہے۔ کہ جس سے گناہ کی معافی مانگنے کی نوبت آئے وہ اس لئے۔ کہ عذر خواہی بیگانگی کی علامت ہے۔ اور صحبت میں غیریت اور بیگانگی ظلم ہے۔

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

"المرء علی دین خلیله فلینظر احد کم من یخالل"

''آدمی اپنے دوست کے دین اور اس کے طور اور طریق پر ہوتا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے۔ کہ وہ دیکھے کہ کس سے دوستی رکھنی ہے؟''۔

اگر اس کی صحبت نیکوں کے ساتھ ہے۔ اگرچہ وہ خود نیک نہ ہو۔ تو وہ صحبت نیک ہے۔ وہ اس لئے کہ نیک کی صحبت اسے بھی نیک بنا دے گی۔ اگر اس کی صحبت بُروں کے ساتھ ہے اگرچہ وہ نیک ہے۔ تو یہ بُرا ہے۔ کیونکہ وہ اس کی برائیوں پر راضی ہے۔ اور جو برائیوں پر راضی ہوا اگرچہ وہ نیک ہو بہر حال بُرا ہے۔

ایک شخص دوران طواف خانہ کعبہ دعا مانگ رہا تھا۔ کہ

"اللھم اصلح اخوانی فقیل له لم تدع لك فی ھذا المقام"

''اے خدا! میرے بھائیوں کی اصلاح فرما۔ لوگوں نے پوچھا: اس مقام میں تم اپنے لئے دعا کیوں نہیں مانگتے۔ بھائیوں کے لئے دعا کیوں کرتے ہو؟''۔

اس نے جواب دیا کہ

"ان لی اخواناً ارجع الیھم فان صلحوا صلحت معھم وان فسدوا فسدت معھم"

''میں چونکہ انہی بھائیوں کی طرف واپس جاؤں گا۔ اگر وہ درست ہوئے۔ تو میں بھی ان کے ساتھ درست رہوں گا۔ اور اگر وہ خراب ہوئے۔ تو میں بھی ان کے ساتھ خراب ہو جاؤں گا''۔

کیونکہ قاعدہ ہے۔ کہ اپنی درستگی مصلحین کی درستگی پر موقوف ہے۔ لہٰذا میں اپنے بھائیوں کے لئے دعا کرتا ہوں۔ تا کہ میرا مقصود ان سے حاصل ہو جائے۔

اس ارشاد ونصیحت کی بنیاد یہ ہے۔ کہ نفس کی عادت ہے۔ اور وہ اپنے ساتھیوں سے راحت پاتا ہے۔ اور جس قسم کے لوگوں کی صحبت اختیار کی جائے گی۔ وہ انہی کی عادت اور خصلت اختیار کر لیتا ہے وہ اس لئے کہ تمام معاملات' ارادۂ حق اور ارادۂ باطل سے مرکب ہیں۔ وہ جس ارادے کے معاملات کے ساتھ صحبت رکھے گا اسی پر اس کا غلبہ ہوگا۔ کیونکہ اپنی ارادت دوسروں کے ارادہ پر مبنی ہے۔ اور طبع و عادت پر ان کی صحبت کا بڑا اثر اور غلبہ ہے یہاں تک کہ ''باز'' آدمی کی صحبت میں سدھ جاتا ہے۔ طوطی آدمی کے سکھانے سے بولنے لگتی ہے۔ گھوڑا اپنی بہیمانہ خصلت ترک کر کے مطیع ہو جاتا ہے۔ لہٰذا یہ مثالیں ثابت کرتی ہیں۔ کہ صحبت کا کتنا اثر اور غلبہ ہوتا ہے۔ اور کس طرح وہ عادات کو تبدیل کر دیتی ہے۔ اور یہی حال تمام اچھی یا بری صحبتوں کا ہے۔

اسی بنا پر تمام مشائخ حضرات سب سے پہلے صحبت کے حقوق کے خواہاں رہتے ہیں۔

اور اپنے مریدین کو بھی اسی کی ترغیب دیتے ہیں حتیٰ کہ ان کے نزدیک صحبت کے حقوق آداب اور ان کی مراعات فرض کا درجہ رکھتی ہیں۔ گزشتہ مشائخ کی کثیر جماعت نے صحبت کے آداب میں مفصل کتب تحریر فرمائی ہیں۔

۱- حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ (تصحیح الارادۃ)

۲- حضرت احمد بن خصرویہ بلخی رضی اللہ عنہ (الرعایۃ بحقوق اللہ)

۳- حضرت محمد بن علی ترمذی رحمۃ اللہ علیہ (بیان آداب المریدین)

اس کے علاوہ حضرت ابوالقاسم الحکیم رحمۃ اللہ علیہ، حضرت ابوبکر وراق رحمۃ اللہ علیہ، حضرت سہیل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت ابوعبدالرحمٰن سلمی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت استاذ ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس موضوع پر بھرپور کتابیں لکھی ہیں۔ یہ تمام مشائخ اپنے فن کے امام گزرے ہیں۔ اور اب تمام طالبان طریقت کے لئے اقسام آداب میں معاملات مشائخ پر مشتمل چند عنوانات پیش کرتا ہوں۔

صحبت کے حقوق

حضور داتا گنج بخش قدس سرہ فرماتے ہیں۔ کہ مریدین کے لئے سب سے اہم ترین چیز صحبت ہے۔ کیونکہ صحبت کے حق کی رعایت کرنا اہم ترین فرض ہے۔ چونکہ مریدین کے لئے انفرادی اور علیحدگی کی زندگی گزارنا موجب ہلاکت ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

"الشیطان مع الواحد. وھو من الاثنین ابعد"

''اکیلے آدمی کے ساتھ شیطان ہوتا ہے۔ اور جب دو ایک ساتھ ہوں۔ تو دور رہے گا''۔

اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے! کہ

"مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰی ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ"

''تم میں جو تین آدمی راز کی باتیں کرتے ہیں۔ ان میں چوتھا حق تعالیٰ ہوتا ہے''۔

لہٰذا مرید کے لئے اکیلے رہنے سے بڑھ کر کوئی آفت نہیں ہے۔

کشف کا حکم

ایک شخص نے سوال کیا۔ کہ کشف کیا ہے۔ اور اس کے بارے میں غور و فکر کرنا اور اس کے نتیجہ میں حاصل ہونے والے غیب کے علم کی کیا حیثیت ہے؟

اس کا جواب یہ ہے۔ کہ کشف یا اس جیسے دیگر کمالات دل کو اللہ رب العزت سے لاتعلق کر دیتے ہیں۔ اور پھر انسان کا باطن معرفت الٰہیہ سے دور ہو جاتا ہے اس کی بنیادی وجہ یہ ہے۔ کہ جب کوئی بندہ اپنے دل میں اللہ رب العزت کا تصور کرتے ہوئے اس بات کا پختہ یقین کر لے کہ اللہ رب العزت جو چاہے کر سکتا ہے۔ اور اپنی پسند کے مطابق کوئی بھی حکم دے سکتا ہے۔ اور اس کے سوا کوئی دوسرا امور کی تدبیر نہیں کر سکتا۔ اور اس کی بادشاہی میں کوئی دوسرا شریک نہیں۔ وہ اپنے بندوں پر نہایت مہربان ہے۔ اور ان کی آرزوؤں سے بڑھ کر انہیں عطا فرماتا ہے ان کے گمان سے زیادہ ان پر رحمت کرتا ہے۔ اس کیفیت میں انسان پوری رضامندی کے ساتھ اپنے پروردگار کو اپنا کارساز سمجھنے لگتا ہے۔ اور اپنے تمام امور میں اسی کی ذات کو رہنما سمجھتا ہے۔ اور مکمل طور پر اسی کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ اور وہ اپنی ذات کی ساری کنجیاں اور لگامیں اسی کے ہاتھ میں دے دیتا ہے۔ ہر معاملے میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہے۔ پھر ایسی صورت میں اسے ان چیزوں کا مشاہدہ نصیب ہوتا ہے۔ کہ جن کو کسی آنکھ نے نہ دیکھا ہو کسی کان نے نہ سنا ہو۔ اور نہ ہی کسی انسان کے ذہن میں کبھی ان چیزوں کا خیال بھی آیا ہوگا۔ لہٰذا یہ وہ فضل و کرم ہے۔ جو کہ آقا و مولا اس بندے پر کرتا ہے۔ اور یہ کیفیت اس شخص کی ہے۔ کہ جس کا دل اللہ رب

العزت کے ذکر سے معمور ہو۔

غافل دل

راقم المعروف کی درج بالا تحریر کے برعکس جس کا دل اللہ رب العزت کی یاد سے غافل ہو۔ اور اس پر مکمل غفلت چھا چکی ہو۔ وہ صرف اپنے آپ کا اور اپنے اعمال کا مشاہدہ کرتا ہے۔ یہ وہ شخص ہے جو مذکورہ بالا امور (کشف وغیرہ میں) مشغول ہو کر غیب کی اطلاعات حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ تاکہ پوشیدہ چیزوں سے آگاہ ہو کر ان گنت فوائد حاصل کر سکے۔ تو ایسی صورت میں اللہ رب العزت اسے اس کے نفس کے حوالے کر دیتا ہے۔

اور ایسی صورت میں اس کی اپنی تدبیر ہی اس کی بربادی کا باعث بنتی ہے۔ اور اس پر بلائیں اور مصیبتیں نازل ہوتی ہیں۔ امیدیں پوری نہیں ہوتیں۔ اور کوئی مقصد بھی پورا نہیں ہوتا۔ اس طرح کے لوگوں سے متعلق عام مشاہدات بھی اس بات کی تائید کرتے ہیں۔ کہ اللہ رب العزت اپنے خاص فضل و کرم کی بدولت ہمیں اس سے محفوظ رکھے۔ یہ اس شخص کے لئے نہایت ہلکی سی سزا ہے۔ کہ جو اپنے آقا و مولا سے منہ موڑ کر اپنی تقدیر پر راضی نہ ہو۔

عیسائی راہب کا واقعہ

ایک عیسائی راہب کا نہایت حیرت انگیز قصہ منقول ہے۔ کہ وہ اپنے گرجا میں سب سے مقدس اور محترم سمجھا جاتا تھا۔ اس کی عادت یہ تھی کہ وہ گرجا سے باہر جاتے ہوئے۔ کبھی بھی اپنی پشت صلیب کی طرف نہ کرتا تھا۔ ایک مرتبہ اس کا بیٹا سمندر کے سفر پر روانہ ہوا۔ اور سمندر بھی ان دنوں طغیانی کی زد میں تھا۔ اسے اپنے بیٹے کی خیریت کے بارے میں طرح طرح کے خدشات پریشان کرنے لگے۔

اور وہ اپنے بیٹے کی خیریت کی اطلاعات کا شدت سے منتظر تھا۔ آخر کار ایک دن اسے

اطلاع ملی کہ اس کا بیٹا بخیریت واپس آ گیا ہے۔ وہ خوشی کے مارے اس قدر دیوانہ ہوا کہ گرجا سے باہر نکلتے وقت اپنی عادت کو بھول گیا۔ اور صلیب کی طرف پشت کر کے باہر نکلا۔ بیٹے سے ملاقات کے بعد اسے خیال آیا کہ اس سے کیا غلطی سرزد ہوئی ہے؟ وہ فوراً واپس آیا اور دوسرے پادریوں سے کہا کہ مجھے (۱۰۰۰) ایک ہزار کوڑے لگاؤ۔ انہوں نے حیرانگی سے دریافت کیا۔ وہ کیوں؟ اس نے جواب دیا۔ کہ آج میں نے صلیب کی طرف پشت کر لی تھی۔ انہوں نے اس غلطی کو عظیم شمار کرتے ہوئے اسے پورے ہزار کوڑے مارے اسے شدید تکلیف ہوئی۔

لوگوں کا خیال تھا۔ کہ کوڑوں کی اس شدید تکلیف کے باعث اس کے دل سے صلیب کا ادب واحترام ختم ہو جائے گا۔ اور وہ اپنے دین سے بھی دستبردار ہو جائے گا۔ مگر اس نے چھری لے کر اپنے دونوں پاؤں ٹخنوں سے کاٹ لئے۔ اور بولا ''جو اپنے آقا سے منہ موڑے اس کا یہی انجام ہونا چاہئے''۔

لہٰذا اگر گمراہ اور باطل عقائد کے حامل لوگوں سے یہ عمل سرزد ہوسکتا ہے۔ تو ان کا حال کیا ہونا چاہئے۔ جو کہ صحیح عقیدہ پر قائم ہیں؟ حالانکہ اللہ رب العزت کے علم اور ارادے میں پہلے سے یہ بات طے تھی کہ وہ کچھ لوگوں کو اپنی رحمت کے لئے پیدا کرے گا۔ اور کچھ کو عذاب کے لئے پیدا کرے گا۔ اس لئے لوگوں کی حرکات اس کی تقدیر کے مطابق ہوتی ہیں۔

مگر جو لوگ اہل رحمت ہیں۔ اللہ رب العزت نے ان کے قلوب کو اپنی ذات سے متعلق کر دیا ہے۔ ان کی تمام تر کوششیں اللہ رب العزت کی رضا کے حصول کے لئے ہوتی ہیں۔ ان کی حرکات وسکنات احکام الٰہی کی تابع ہوتی ہیں۔ ان کی نماز۔ روزے۔ قیام قعود۔ شب بیداری اور محبت سب کچھ اللہ رب العزت کے لئے ہوتا ہے۔ اور اللہ رب العزت انہیں اپنی پسندیدہ چیزوں کی طرف متوجہ رکھتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ واصل باللہ ہو

جاتے ہیں۔ اور اللہ رب العزت کی رحمت کی آغوش میں آ کر اپنی تقدیر کا لکھا حاصل کر لیتے ہیں۔ جبکہ ان کے برعکس اہل عذاب کے دل غیر اللہ تعالیٰ سے متعلق ہوجاتے ہیں۔ اور ان کی تمام تر کوششیں ان چیزوں کے لئے ہوا کرتی ہیں۔ کہ جن کی حیثیت مکڑی کے جالے سے زیادہ کمزور ہوتی ہے۔ کہ جس کی طرف ہم پہلے اشارہ کر چکے ہیں۔ اس لئے ان کی تمام حرکات انہی امور کی تابع ہوتی ہیں۔ اور ان کا قیام غیر اللہ تعالیٰ کے لئے ہوتا ہے۔ ان کا بیٹھنا راتوں کا جاگنا۔ غرض یہ کہ ہر کام غیر اللہ تعالیٰ کے لئے ہوتا ہے۔ اور وہ اپنے مقدر کے مطابق عذاب کے حقدار قرار پاتے ہیں۔

ولی کی صلاحیت

ولی کے اندر یہ صلاحیت موجود ہوتی ہے۔ کہ اگر وہ کسی عام شخص کے بارے میں یہ بات کہہ دے۔ تو فوراً وہ عام شخص اور ولی ''معرفت'' کے ایک ہی مرتبہ پر فائز ہو جائیں گے اور ان دونوں کے درمیان کوئی فرق نہ رہے گا یعنی کوئی بھی ولی ایک لمحے میں کسی بھی شخص کو رحمت باری تعالیٰ تک واصل کرسکتا ہے۔ لیکن اس کا سارا دارومدار اس گوند پر ہے۔ کہ جس کے ذریعے اس سرّ کو چپکایا جاتا ہے۔ لہٰذا اگر اس عام شخص کے اندر اس سرّ کو چسپاں کرنے کی صلاحیت نہ ہوگی۔ تو سر اپنے اصل کی طرف لوٹ آئے گا۔ اس کی مثال بالکل اسی طرح ہے۔ جیسے کوئی شخص ہوا میں قمیض، شلوار یا عمامہ لٹکا دے۔ تو وہ ہوا کے سامنے نہ ٹھہر سکیں گے۔

خودنمائی کا وبال

یعنی خود کو دوسروں سے نمایاں رکھنے کی حرص یا خواہشمند رہنا۔ مثلاً جو سواری۔ لباس۔ رہائش۔ خوراک وغیرہ کے حوالہ سے اپنے تیئں دوسرے سے نمایاں کرنے کا خواہشمند ہو۔ کیونکہ یہ لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر کے اللہ رب العزت سے غافل کر دیتا ہے۔ اس لئے

یہ خود بھی اللہ رب العزت سے غافل ہو جاتا ہے۔

بلکہ یہ لوگ پہلے ہی لاتعلق ہو گئے ہوتے ہیں مگر اب ان کی عدم توجہ میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔ اور جو اس امتیاز میں مشغول ہو جائے۔ تو پھر روح اس سے متنفر ہونے لگتی ہے۔ کیونکہ اس عمل کی بدولت روح کو ذلت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ لہٰذا وہ جسم کے فعل پر ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے اس سے نفرت کرنے لگتی ہے۔ کیونکہ اب اسے اپنے پروردگار کی طرف جانے کا راستہ دکھائی نہیں دیتا۔ اور اپنی بربادی صاف دکھائی دیتی ہے۔

گویا خودنمائی میں دو آفات پائی جاتی ہیں۔ ایک اپنی ذات کے لئے اور دوسری آفت لوگوں کے لیے۔ لہٰذا جہاں تک ممکن ہو پوشیدہ طور پر صدقات و خیرات کرنی چاہئے۔ بہرحال میں ایک ایسے شخص سے واقف ہوں۔ کہ جس نے مغرب اور عشاء کے درمیان ساڑے تین لاکھ روپیہ حاجت مندوں میں بطور خیرات تقسیم کیا۔ لیکن کوئی اس شخص کو جانتا تک نہیں۔ لہٰذا اگر وہ اپنے آپ کو بہت نیک سمجھتا ہے۔ تو بھی اسی طرح صدقہ کرنے میں زیادہ بہتر ہے۔ کیونکہ عین ممکن ہے۔ کہ کسی بھی وقت وہ خود پسندی سے باز آ جائے۔ اور اس وقت اس کے صدقہ میں کوئی کھوٹ نہ ہو۔ اور وہ صدقہ بارگاہ الٰہی میں مقبول ہو۔

غفلت کا وبال

انسان کے اعمال پر گرفت اس لئے کی جاتی ہے۔ کہ انسان اپنے اعمال کی بدولت اپنے آپ کو تباہ کر لیتا ہے۔ اور اپنے آپ کو اللہ رب العزت سے لاتعلق کر لیتا ہے۔ اور صرف اپنی کی ہوئی تدبیر کو سامنے رکھتا ہے۔ اور پھر اپنے ذاتی مقاصد کے حصول کے لئے اس قدر تگ و دو کرتا ہے۔ کہ اس دوران مکمل طور پر اللہ رب العزت سے غافل ہو جاتا ہے۔ اور پھر اللہ رب العزت بھی اسے اس کے حال پر چھوڑ دیتا ہے۔ اس کے بعد پہلے تو اس کا تعلق غیر اللہ تعالیٰ سے ہو جاتا ہے۔ پھر وہ باقاعدہ غیر اللہ تعالیٰ کو محسوس کرنے لگتا

ہے۔ چنانچہ موسم کی سردی یا گرمی اس کو محسوس ہونے لگتی ہے۔ اور زخم یا بیماری اسے تکلیف دہ محسوس ہوتے ہیں۔ اگر وہ اللہ رب العزت سے لاتعلقی اختیار نہ کرتا اور اپنا آپ اللہ رب العزت کے سپرد کر دیا ہوتا۔ اور غیر اللہ سے مکمل طور پر صرف نظر کر لیتا اور تمام اغیار کو اپنے دل سے نکال دیتا۔ تو خواہ اسے لوہے کے کیلوں پر ہی کیوں نہ چلنا پڑتا۔ اسے کسی قسم کی کوئی تکلیف ہی نہ ہوتی۔

اس ہی غفلت کی وجہ سے انسان پر بھاری بوجھ ڈالا گیا ہے۔ اور انسان کو احکام کا مکلّف قرار دیا گیا ہے۔ انبیائے کرام علیہم السلام کو شرائع کے ہمراہ مبعوث کیا گیا ہے۔ تا کہ وہ اسے غفلت سے نکال کر اللہ رب العزت کی طرف لے جاسکیں اور اگر یہ غفلت درمیان میں نہ ہوتی۔ تو انسان فرشتوں کی مانند ہوتے اور انہیں کسی قسم کی تکلیف کا سامنا کرنے کی ضرورت نہ ہوتی۔ اور اگر غفلت نہ ہوتی۔ تو دوزخ کو پیدا ہی نہ کیا جاتا۔ اگر غفلت نہ ہوتی۔ تو انسان اللہ رب العزت کو اپنے تمام اعمال کا خالق سمجھتا اور ساتھ ہی نفس کی چالاکیوں سے بھی محفوظ رہتا۔ کیونکہ نفس ہی انسان کو اعمال پر بھروسہ کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ اور اعمال کو ہی اپنا کارنامہ سمجھتا ہے جب انسان کی یہ کیفیت ہوتی ہے۔ کہ اس میں نفس ہی نہیں ہے۔ تو وہ ہر وقت اپنے آپ کو خالی محسوس کرتا۔ تو ایسے شخص کو کیسے مکلّف بنایا جا سکتا ہے۔

جبکہ سب سے بڑا جاہل اور احمق وہ ہے۔ جو کہ رخصت ہو جانے والی چیز یعنی دنیائے فانی کے حصول کے لئے دوڑ دھوپ کرے اور سب سے بڑا عقل مند اور دور اندیش وہ شخص ہے۔ جو کہ ہمیشہ باقی رہنے والی ذات یعنی اللہ رب العزت کی خاطر تگ و دو میں مشغول رہے۔ کیونکہ اگر فانی دوسرے فانی کے لئے مر جائے گا۔ تو دونوں میں سے کسی ایک کو بھی کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ لیکن اگر ایک فانی کسی باقی کے لئے موت کو گلے لگا لے گا (تو مجازی طور پر) وہ فانی بھی باقی ہو جائے گا۔

''لوگ کہتے ہیں۔ کہ موت کی کوئی دوائی (میڈیسن) نہیں ہے حالانکہ اس کی دوائی (میڈیسن) موجود ہے۔ اور وہ یہی ہے۔ جو کہ میں نے اوپر بیان کی ہے۔ اس کے علاوہ کوئی دوسری دوائی نہیں ہے''۔

جب انسان ظاہری اور باطنی اعتبار سے اللہ رب العزت کی رضا کے لئے کوشش کرتا ہے۔ تو اللہ رب العزت کی قسم! وہ کبھی فنا نہ ہوگا۔ اور نہ ہی اس کی موت ایسی موت ہوتی ہے۔ جو کہ عام لوگ موت کے بارے میں سمجھتے ہیں۔

اہل حضوری کی موت

جب اہل حضوری میں سے کسی کا وصال ہوتا ہے۔ تو بیشتر حضرات وصال کے بعد خود اپنے جسم کو غسل دیتے ہیں اور بظاہر میت تختے پر موجود ہوتی ہے۔ اور غسل دینے والا بھی پاس کھڑا ہوتا ہے۔ لیکن درحقیقت دونوں ایک ہی ہوتے ہیں۔

حضرت غوث زماں رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

ایک مرتبہ میں نے حضور غوث زماں قدس سرہ سے دریافت کیا۔ کہ بہت سے لوگ دورافتادہ غاروں یا سمندری جزائر میں تنہا رہ کر اللہ رب العزت کی عبادت میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ اور مخلوق سے کنارہ کشی اختیار کر لیتے ہیں ایسے لوگ نہایت قابل تعریف ہیں۔

اس پر ''حضرت سید غوث زماں سید افتخار احمد حسین شاہ گیلانی رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین درگاہ حضرت محبوب ذات رضی اللہ عنہ'' نے فرمایا۔ کہ میں تمہیں ایک واقعہ سناتا ہوں اور اسے غور سے سنو! اگر میں اس واقعہ میں ذرا بھر بھی غلط بیانی کروں۔ تو اللہ رب العزت مجھ سے شدید باز پرس فرمائے۔

میں نے عرض کیا: کہ سرکار! ہم تو ایسا کبھی سوچ بھی نہیں سکتے کہ آپ کسی قسم کی غلط بیانی کر سکتے ہیں۔

ایک دن قطب وقت منصور بن احمد کے ہمراہ میں اپنی روحانی طیر و سیر اور پرواز کے دوران باب الفتوح کی مسجد میں بیٹھا ہوا تھا۔ کہ اچانک ہمارے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ ہم سمندر کے پاس جزیرے میں جائیں۔ کہ جس کے کنارے ''سلا'' نامی ایک شہر آباد ہے۔ لہٰذا ہم دونوں وہاں چلے گئے ہم نے دیکھا کہ جزیرہ کا رقبہ تقریباً ایک مربع میل پر مشتمل ہے۔ اور جزیرے میں میٹھے پانی کے دو چشمے موجود ہیں۔ وہاں ہماری ملاقات ایک اور شخص سے ہوئی کہ جس کی عمر (۴۵) پینتالیس برس کے لگ بھگ ہوگی اور وہ اللہ رب العزت کی عبادت میں مشغول تھا۔ اس جزیرے میں چٹانوں کو تراش کر گھر بنائے گئے تھے اور ان گھروں میں اس طرح کھڑکیاں موجود تھیں۔ جیسے ہمارے ہاں عام طور پر حمام میں موجود ہوتی ہیں۔ بہرحال ہمیں نہیں معلوم یہ گھر کس نے بنائے تھے۔ کیونکہ یہ جگہ ایک عام آبادی سے بہت دور تھی اور یہاں آمدروفت بالکل ہی نہ تھی شاید کبھی کبھار کوئی کشتی وہاں پہنچ جاتی ہو۔

وہاں دو مختلف قسم کے درخت تھے۔ ان میں سے ایک قسم کے درخت پر بادام نما کوئی پھل لگتا تھا۔ لیکن یہ بادام سے قدرے مختلف تھا۔ لیکن دوسری قسم کے درخت ایسے ہی تھے۔ جیسے ہمارے ہاں تغزار کے درخت ہوتے ہیں۔ تاہم یہ تغزار کے درخت سے کچھ چھوٹے تھے۔ البتہ وہاں کے درختوں کے پتے کچھ چوڑے تھے اور ہمیشہ سبز رہتے تھے۔ انہی دونوں درختوں کا پھل اس عابد کی خوراک تھی اور جب ہماری توجہ اس کے لباس کی طرف متوجہ ہوئی۔ تو ہم نے دیکھا کہ اس نے تغزار کی شاخوں اور پتوں کو ملا کر اپنی شرمگاہ کو ڈھانپ رکھا ہے۔ اور اس کا بقیہ بدن لباس سے بے نیاز تھا۔ ہم نے اس سے گفتگو شروع کی۔ اور دریافت کیا۔ کہ تم کب سے یہاں رہ رہے ہو؟ اس نے جواب دیا۔ کہ میں تقریبا پانچ برس کی عمر میں اپنے والد کے ہمراہ یہاں آیا تھا۔ پھر (۲۵) پچیس برس تک اپنے والد صاحب کے ہمراہ یہاں رہا۔ اس کے بعد ان کا انتقال ہوگیا۔ اور میں نے انہیں

یہیں دفن کر دیا۔

ہم نے فرمائش کی۔ کہ اپنے والد کی قبر ہمیں بھی دکھاؤ۔ تا کہ ہم بھی اس کی زیارت کریں۔ چنانچہ وہ ہمیں اپنے والد کی قبر کے پاس لے گیا۔ ہم نے وہاں مرحوم کے لئے دعائے خیر کی۔ اور پھر اس عابد کے ساتھ گفتگو میں مصروف ہو گئے۔ کیونکہ وہ نہایت کم عمری میں وہاں آ گیا تھا۔ اور لوگوں کے ساتھ اس کا میل جول بالکل ہی نہ تھا۔ اس لئے اس کی زبان سمجھنے میں ذرا مشکل پیش آتی تھی۔ اس کا آبائی وطن تیونس کا نواحی علاقہ تھا۔ اس لئے وہ عربی بول سکتا تھا۔ ہم نے اس سے ایمان کے بارے میں دریافت کیا۔ تو پتہ چلا کہ وہ اللہ رب العزت پر ایمان رکھتا ہے۔ لیکن وہ اللہ رب العزت کے لئے ''جہت'' کا بھی قائل تھا۔ ہم نے اسے اس نظریہ سے باز رہنے کی تلقین کی۔ اور صحیح عقیدہ بیان کیا۔ پھر وہ شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی واقف تھا۔ اور یہ بھی جانتا تھا۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام مخلوق کے سردار ''سید عالم'' اور ''آقا'' ہیں وہ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا خاتون جنت سلام اللہ علیہا سے بھی واقف تھا۔ ہم نے اس سے حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کے متعلق دریافت کیا۔ تو پتہ چلا کہ وہ ان سے واقف نہیں ہے۔ پھر ہم نے اس سے رمضان المبارک کے بارے میں دریافت کیا۔ کہ وہ اس سے بھی ناواقف ہے۔ تاہم اس نے ہمیں بتایا کہ وہ پورے سال میں متفرق طور پر تیس دن کے روزے رکھتا ہے۔ ہم نے اسے بتایا کہ رمضان المبارک کے روزے فرض ہیں اور پھر اسے سمجھایا کہ ہر سال میں فلاں مخصوص مہینہ ماہ رمضان المبارک کا ہوتا ہے۔

ہم نے اس سے دریافت کیا! کہ کیا قرآن مجید کا کچھ حصہ اسے یاد ہے؟ اس نے جواب دیا ہاں اور اس نے ہمیں پڑھ کر سنایا۔

''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ اَلَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ''

اسے صرف یہی کلمات یاد تھے (جو ترتیب کے لحاظ سے غلط تھے) ہم نے اس سے

دریافت کیا۔ تم عبادت کس طرح کرتے ہو؟ اس نے جواب دیا۔ کہ میں اللہ رب العزت کے سامنے رکوع اور سجدہ کر لیتا ہوں۔ ہم نے دریافت کیا کیا تم سوتے بھی ہو؟ اس نے جواب دیا ہاں میں سورج غروب ہونے کے بعد سے لے کر ابتدائی حصے تک سوتا ہوں۔ پھر اس کے بعد ساری رات رکوع وسجود میں مصروف ہو جاتا ہوں۔ میں نے اس سے دریافت کیا کیا تم ہمارے ساتھ کسی اسلامی ملک میں جاؤ گے؟ تا کہ وہاں قیام کر سکو۔ کیونکہ تمہارا دین بھی وہی ہے جو وہاں کے مسلمانوں کا ہے۔ اور تم بھی ان کے نبی حضور اقدس ﷺ پر ایمان رکھتے ہو۔ اس نے جواب دیا یہ ٹھیک ہے۔ کہ میں مسلمان ہوں۔ لیکن میں اس جگہ کو چھوڑنا پسند نہ کروں گا۔ بلکہ بقیہ ساری عمر بھی یہیں بسر کروں گا۔ جب ہم گفتگو کے دوران اس کے قریب ہونے کی کوشش کرتے۔ تو وہ ہم سے دور ہو جاتا۔۔ کیونکہ وہ انسانوں سے مانوس نہیں تھا۔ اس لئے وہ ہمارے ہاں رائج خوراک کھانے کی صلاحیت بھی نہیں رکھتا تھا۔ کیونکہ ایک طویل مدت سے وہ مختلف طرح کی چیزیں کھانے کا عادی تھا۔ اچانک ہماری نگاہ پڑی۔ تو کیا دیکھتے ہیں۔ کہ اس کے آس پاس سونے اور چاندی کے سکے بکھرے پڑے ہیں۔ ہم نے دریافت کیا۔ کہ یہ کہاں سے آئے ہیں؟ اس نے جواب دیا۔ کہ سمندر میں سفر کرنے والے اگر کبھی غلطی سے یہاں آ جائیں۔ تو مجھے دیکھ کر دعا کی درخواست کرتے ہیں اور نذر کے طور پر یہ سکے دے جاتے ہیں۔ ہم نے اس سے کہا کہ تمہیں اس رقم کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ نہ تو تم نے کوئی مکان تعمیر کرنا ہے۔ اور نہ شادی کرنی ہے۔ اور نہ ہی لباس حاصل کرنا ہے۔ ہمیں ان کی اشد ضرورت ہے۔ لہٰذا انہیں ہم لے لیتے ہیں۔ اس نے انکار کر دیا اور کہا کہ یہ درہم میری ملکیت ہیں۔ اور میں یہ تمہیں نہیں دوں گا۔

خیر ہم کافی دیر تک اس کے پاس ٹھہرے رہے۔ اور اس کو شریعت کے مختلف احکام کی تعلیم دیتے رہے۔ اور آخر اس سے رخصت ہو کر واپس آ گئے۔ واپسی پر اس نے جب

ہمیں دیکھا کہ ہم سمندر کی تہہ پر پیدل چل رہے ہیں۔ اس واقعہ میں نصیحت کے حصول کے لئے کافی نکات پوشیدہ ہیں۔

پہلا نکتہ

ہمیں اللہ رب العزت کی اس عظیم نعمت کا شعور حاصل ہوا۔ جو کہ اہل ایمان کے ساتھ رہنے کی وجہ سے ہمیں حاصل ہوئی ہے یعنی اسلامی احکام کا علم حاصل ہوا۔ حضور اقدس ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے حالات و واقعات سے آ گاہی حاصل ہوئی اور اسی طرح کی دیگر معلومات حاصل ہوئیں۔ کہ جن کے نتیجے میں ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔ چنانچہ مسلمانوں کے ساتھ عدم تعلق کی وجہ سے جزیرے میں رہنے والا وہ شخص ان تمام چیزوں سے محروم رہا۔ یہاں تک کہ میں نے اپنے شیخ کی خدمت میں عرض کیا۔ کہ اس کے والد نے جزیرہ میں لا کر اور مسلمانوں سے لاتعلق کر کے اس شخص کے ساتھ بہت بڑی زیادتی کی ہے۔ اگر وہ اپنے بیٹے کے ہمراہ کسی مسلمان آبادی میں رہتا۔ تو یہ اس کے لئے زیادہ بہتر تھا۔ میرے شیخ نے میری اس بات کی تائید فرمائی۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے۔ کہ مسلمان اللہ رب العزت کے کتنے ہی نافرمان کیوں نہ ہوں۔ ان کی قربت کی اہمیت پھر بھی باقی رہتی ہے۔ کیونکہ دین اور شریعت کے احکامات کی معرفت ہی سب سے قیمتی چیز ہے۔ لہٰذا ہمیں اللہ رب العزت کا شکر ادا کرنا چاہئے۔ کہ ہم مسلمانوں کے ہمراہ رہتے ہیں۔ گلیوں اور بازاروں میں ہمارا واسطہ مسلمانوں سے پڑتا ہے۔ اور بطور خاص وہ مقامات کہ جہاں پر نیکی کی دعوت دی جاتی ہے۔ اور دین اسلام کی تبلیغ کی جاتی ہے۔

حضرت سلطان شیخ سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "مسلمانوں کے چہروں کی طرف نظر کرنے سے بھی ایمان میں اضافہ ہوتا ہے"۔

دوسرا نکتہ

اللہ رب العزت کی ان نعمتوں کی معرفت حاصل ہوئی کہ جن کا تعلق ہماری روزمرہ کی زندگی کے ساتھ ہے۔ مثلاً انواع واقسام کے کھانے۔ قیام و طعام کی سہولتیں۔ نکاح اور اولاد وغیرہ جیسی نعمتیں اس میں شامل ہوں گی۔ جبکہ جزیرے میں رہنے والا وہ عابد ان تمام نعمتوں سے محروم رہا ہے۔ اگر وہ کسی مسلم معاشرے میں رہائش اختیار کرتا۔ تو اس نوعیت کی تمام نعمتوں سے لطف اندوز ہوتا۔ اور ان نعمتوں کے حصول پر اللہ رب العزت کا شکر ادا کرتا اور اس کا یہ شکر ادا کرنا جزیرے میں ساری زندگی عبادت کرنے کے برابر ہوتا۔

تیسرا نکتہ

اکثر لوگ خلوت نشینی اختیار کرنے والے ظاہر دار فقیروں اور پیروں کے ہاتھوں دھوکہ کھا جاتے ہیں اور اس غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ کہ یہ گوشہ نشین فقیر بہت بڑے صاحب کمال لوگ ہیں۔ اور یہ جس مرتبہ پر فائز ہیں۔ اس مقام پر وہ اولیائے کرام فائز نہیں ہو سکتے۔ جو کہ لوگوں میں گھل مل کر رہتے ہیں۔

حضرت سید غوث زماں رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ میں اکثر ان انوار کا مشاہدہ کرتا ہوں جو لوگوں کے ایمان کے نتیجے میں ان کی ذات سے ظاہر ہوتے ہیں۔ اور آخر کار برزخ میں مل جاتے ہیں۔ کمزوری اور طاقت کے اعتبار سے ان کے درمیان فرق پایا جاتا ہے۔ کیونکہ بعض لوگوں کا ایمان مضبوط ہوتا ہے۔ جبکہ بعض لوگوں کا ایمان کمزور ہوتا ہے۔ اور اکثر ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ تنہائی یا غار میں رہنے والے شخص کا ایمان کمزور دکھائی دیتا ہے۔ اور معاشرے میں رہنے والے کسی عام مسلمان کا ایمان نسبتاً زیادہ مضبوط دکھائی دیتا ہے۔

کیونکہ عام مسلمان اللہ رب العزت کے فضل و کرم پر زیادہ بھروسہ کرتے ہیں۔ اور ان کا یہ بھروسہ غار میں بسنے والوں کی عبادت پر فوقیت رکھتا ہے۔

کوئی بھی عبادت گزار اپنی عبادت کی وجہ سے صرف اس وقت نجات کا مستحق قرار پائے گا۔ جبکہ اسے اس بات کا یقین ہو کہ اس کی ساری عبادت اللہ رب العزت کی عطا کردہ توفیق کا نتیجہ ہے۔ اور اس کا یہ یقین مستقل ہونا چاہئے۔ اگر وہ کبھی اس یقین سے ہٹ گیا۔ تو اس کے تمام اعمال کے ہلاک ہونے کا اندیشہ ہوگا۔

حضور غوث زماں رحمۃ اللہ علیہ کا یہ بیان سن کر اس وقت میرے اوپر رقت طاری ہوئی۔ کیونکہ یہ وہ نعمتیں ہیں کہ جن کی طرف ہماری توجہ مبذول نہیں ہوتی۔ اس کے بعد میں نے عرض کیا۔ کہ آپ اس عابد کو اپنے ہمراہ لا کر کسی متمدن شہر میں آباد کر دیتے۔ تاکہ وہ اللہ رب العزت کی مختلف نعمتوں سے لطف اندوز ہو کر اللہ رب العزت کے خاص فضل و کرم کا مستحق قرار پاتا۔ تو آپ نے فرمایا! کہ اللہ رب العزت نے اس کے نصیب میں وہی مقام مقرر کر دیا تھا۔ اللہ رب العزت کی ذات پاک ہے۔ کہ جس کے قبضۂ قدرت میں بادشاہی ہے۔

اس کے بعد حضور غوث زماں نے ارشاد فرمایا! کہ جو شخص روئے زمین پر بکھرے ہوئے عجائبات پر غور کرنا شروع کرے گا۔ تو اس کے لئے اللہ رب العزت کی وحدانیت پر ایمان لانے کے لئے یہی کافی ہے۔ اور اسے مزید کسی دوسری چیز کی ضرورت نہ ہوگی۔ کیونکہ روئے زمین پر بسنے والی مخلوقات میں تنوع دکھائی دے گا۔ کوئی شخص عقل مند ہوگا اور کوئی بے وقوف۔ کسی کو نعمتیں میسر ہوں گی اور کوئی نعمتوں سے محروم ہوگا۔ کوئی ایک شخص کسی دوسرے کو قتل کر رہا ہوگا اور کوئی دوسرا کسی اور پر رحم کرنے میں مشغول ہوگا۔ کوئی ایک شخص امور دنیا میں غور و فکر میں مشغول ہوگا اور کوئی دوسرا تجارت میں سر کھپا رہا ہوگا۔ کسی کی توجہ پڑوسیوں کے معاملات میں مشغول ہوگی اور کوئی دوسرا علمی موشگافیوں میں الجھا ہوا ہوگا۔

جبکہ کوئی آخرت کی طرف متوجہ بیٹھا ہوگا۔

ایک مرتبہ جمعرات کے دن آپ باب مخروق کے پاس بیٹھے ہوئے دروازے سے باہر نکلنے والوں کی باطنی کیفیت کے جائزہ میں مشغول تھے اس دوران مختلف احوال رکھنے والے لوگوں کا مشاہدہ کرتے رہے۔

۱۔ ایک شخص باہر نکلا۔ اس کے باطن کی طرف توجہ کی۔ تو پتہ چلا کہ وہ کسی عورت کی محبت کا اسیر ہے۔ اور اس کی تمام توجہ اسی نقطے پر مرکوز ہے۔ کہ وہ کس طرح اس عورت کو حاصل کر سکتا ہے۔ اور اس عورت کے خیال نے اسے تمام دوسری اشیاء سے غافل کر دیا تھا۔

۲۔ ایک اور شخص باہر نکلا۔ تو اس کی کیفیت بھی یہی تھی البتہ اس کی توجہ کا مرکز عورت کی بجائے ایک لڑکا تھا۔

۳۔ تیسرا شخص باہر نکلا کہ جس کا دل مکمل طور پر دنیا کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔ اور دنیا کی طلب اس قدر اس پر مسلط ہو چکی تھی کہ اسے دنیا کے علاوہ اور کسی بھی چیز کا خیال ہی نہ آتا تھا۔

۴۔ چوتھا شخص باہر آیا کہ اس کا باطن شراب کی محبت میں چور تھا۔ اس کی طلب اور آرزو کا مرکز صرف اور صرف شراب تھی۔

۵۔ پانچواں شخص باہر آیا۔ تو اس کا باطن آخرت میں منہمک تھا۔ کہ جس کا اثر اس کے جسم پر بھی نمایاں تھا۔

۶۔ چھٹا شخص باہر آیا۔ تو اس کا باطن علم اور حصول علم کی توجہ میں غرق تھا۔ اسے علم کے سوا کسی بھی اور چیز کا خیال نہ آتا تھا۔

۷۔ ساتواں شخص باہر نکلا کہ اسے گھوڑے خریدنے کا بہت شوق تھا۔ اس کی تمام توجہ کا مرکز گھوڑوں کی خریداری تھی۔

۸۔ آٹھواں شخص باہر نکلا جس کی تمام تر توجہ کھیتی باڑی کی طرف مبذول تھی۔

۹۔ نواں شخص باہر نکلا کہ جس کا دل حضور اقدس ﷺ کی محبت سے معمور تھا۔ اور اس کے تمام تر خیالات کا مرکز صرف حضور نبی اکرم ﷺ کے احوال و واقعات تھے۔ وہ ہر وقت اسی سوچ میں گم رہتا تھا۔ کہ بعثت سے پہلے اور بعثت کے بعد حضور سرور کائنات ﷺ کا اسوۂ حسنہ کیا تھا۔ اور وحی کے نزول کے وقت حضور اقدس ﷺ کی کیفیت کیا ہوتی تھی۔ مکی اور مدنی زندگی میں آپ ﷺ کا طریقۂ کار کیا ہوتا تھا۔

۱۰۔ دسواں شخص باہر نکلا کہ جسکا دل اللہ رب العزت کی محبت سے معمور تھا۔ اللہ رب العزت کی صفات وعظمت اور جلال کے بارے میں غور وفکر کرنا اس کا مشغلہ تھا۔

حضرت غوث زماں رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے اس ساری صورتحال کا بنظر غائر جائزہ لیا۔ تو یوں محسوس ہوا کہ جیسے ان تمام کو ایک ہی رسی کے ذریعے اللہ رب العزت کی مشیت کی طرف کھینچا جا رہا ہے۔ مگر انہیں خود اس بات کی خبر نہیں ہے۔ اور وہ اس غلط فہمی کا شکار ہیں۔ کہ یہ تمام افعال ان کی اپنی ذات سے سرزد ہو رہے ہیں۔

حضور غوث زماں رحمۃ اللہ علیہ کا یہ بیان سن کر مجھے بہت عبرت حاصل ہوئی اور مجھے اس بات کا یقین کامل ہو گیا کہ اللہ رب العزت کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ اور اس کی بادشاہی میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔ وہ جو چاہے کرتا ہے۔ اور اپنی پسند کے مطابق فیصلہ کرتا ہے اس کے فیصلے کو کوئی رد نہیں کر سکتا۔ وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔

جیسا کہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

"وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابُ" (البقرۃ' آیت ۲۰۲)

یعنی "اس کے فیصلے کو رد نہیں کر سکتا۔ اور وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے"۔

میرے خیال کے مطابق اس طرح غور وفکر کرنا عارفین کاملین ہی کی خصوصیت ہے۔

ایک مرتبہ میں نے حضور غوث زماں رحمۃ اللہ علیہ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ دو اشخاص ایک

ہی جگہ سے گزرتے ہیں۔ اور کچھ چلنے کے بعد دونوں میں سے ایک کی بخشش ہو جاتی ہے۔ میں نے عرض کیا وہ کس طرح؟ آپ نے فرمایا! کیونکہ وہ شخص چلنے کے دوران اللہ رب العزت کی مخلوق میں غوروفکر کر رہا تھا۔ کہ جس کے نتیجہ میں اس کو اللہ رب العزت کی معرفت نصیب ہوئی۔ جبکہ اس کا ساتھی بے خبر اپنے حال میں مست جا رہا تھا۔

محبت کی علامات

محبت کی دو بڑی نشانیاں ہیں۔ ایک یہ کہ مرید کو صرف اپنے شیخ کی ذات سے سکون ہو۔ مرید کی زندگی کا محور۔ اس کے خیالات کا مرکز، خوشی اور غم سب شیخ کی ذات سے متعلق ہوں۔ یہاں تک کہ محفل اور تنہائی ہر حال میں مرید کی تمام تر حرکات وسکنات اس کی اپنی ذات کی بجائے اپنے شیخ کے کسی فائدے کی تکمیل کے لئے ہوں۔

جبکہ دوسری علامت یہ ہے۔ کہ دل میں شیخ کا ادب و احترام اس قدر زیادہ ہو کہ بالفرض شیخ کسی کنویں میں موجود ہو۔ اور مرید کسی پہاڑ کی چوٹی پر بیٹھا ہو۔ تو محض شیخ کی تعظیم کے جذبات کے تحت مرید کو یوں محسوس ہو کہ گویا اس کا شیخ پہاڑ کی چوٹی پر بیٹھا ہے۔ اور وہ خود کنویں میں موجود ہے۔

لوگ یہ سمجھتے ہیں۔ کہ شیخ اپنے مرید پر احسان کرتا ہے حالانکہ درحقیقت مرید اپنے شیخ کے لئے سودمند ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ میں نے پہلے بھی بیان کیا ہے۔ کہ محض شیخ کی محبت فائدہ مند نہیں ہوتی۔ بلکہ اصل صلاحیت مرید کی محبت میں ہوتی ہے۔ لہٰذا اگر کسی مرید کا وجود پاک نہ ہو اس کی عقل صاف نہ ہو اس کے نفس میں بھلائی کو قبول کرنے کی صلاحیت نہ ہو۔ اور اس کی محبت شیخ کے اسرار کو جذب نہ کر سکتی ہو تو کوئی بھی شیخ کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اگر صرف شیخ کی محبت ہی فائدہ مند ہوتی۔ تو اس کے حلقۂ بگوش ہونے والا ہر مرید مرتبۂ کمال پر فائز ہوتا۔ جبکہ عملاً ایسا نہیں ہے۔

بہرحال شیخ کے ساتھ کسی مرید کی سچی اور پکی محبت کی نشانی یہ ہے۔ کہ بالفرض اگر شیخ کی ذات میں موجود تمام اسرار۔ خوبیاں اور کمالات یک لخت ختم ہو جائیں اور شیخ بھی عام دیگر انسانوں کی مانند ایک عام انسان رہ جائے۔ تو اس وقت بھی اس مرید کو اپنے شیخ کے ساتھ پہلے کی سی سچی محبت ہو۔ لیکن اگر ان کمالات کے رخصت ہو جانے کے باعث اس محبت میں دراڑ آ جائے۔ تو یقیناً وہ محبت جھوٹی تھی۔

سچی اور خالص محبت کی ایک نشانی یہ بھی ہے۔ کہ مرید اپنے شیخ کو آزمانا اور تولنا چھوڑ دے۔ یہاں تک کہ اس کی نظر میں اپنے شیخ کے تمام افعال۔ اقوال اور احوال بالکل درست ہوں جو بات سمجھ میں آ جائے۔ ٹھیک ہے۔ اور جو بات سمجھ میں نہ آئے اسے اللہ رب العزت کے سپرد کر دے۔ لیکن اس بات کا یقین کامل ہو کہ شیخ کا عمل درست ہے۔ لیکن اگر وہ شیخ کے بظاہر کسی غلط کام کو دیکھتا ہے۔ اور یہ یقین کر لے کہ شیخ غلطی پر ہے۔ تو ایسا شخص ہمیشہ سر کے بل گر جاتا ہے۔ اور اپنے دعویٰ ارادت میں ہمیشہ جھوٹا ثابت ہوتا ہے۔

کوئی بھی شیخ اپنے مرید سے کسی قسم کی ظاہری خدمت نذر و نیاز یا کسی اور فائدے کا طلبگار نہیں ہوتا۔ بلکہ اسے اپنے مرید سے صرف یہ توقع ہوتی ہے۔ کہ اس کا مرید ہر حالت میں اپنے شیخ کو صاحب کمال۔ صاحب توفیق۔ صاحب بصیرت۔ صاحب معرفت اور صاحب قرب سمجھے اور پھر ساری زندگی اسی نظریہ پر قائم بھی رہے۔ اس صورت میں ہر قسم کی خدمت مرید کے لئے فائدہ مند ثابت ہوگی۔ لیکن اگر یہ خوش اعتقادی موجود نہ ہو یا اگر ہو۔ اور پختہ نہ ہو۔ تو ایسے میں مرید کا دل وسوسوں کا شکار رہے گا۔ اور اس صورت میں مرید کچھ بھی حاصل نہ کر سکے گا۔

ایک مرتبہ حضرت سید غوث زماں رحمۃ اللہ علیہ باب الحرید کے پاس موجود تھے۔ اس وقت آپ کے پاس آپ کا ایک مرید بھی تھا۔ جو کہ تمام مریدین میں سے سب سے زیادہ اپنے شیخ یعنی حضرت سید غوث زماں رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت کیا کرتا تھا۔

حضرت نے اس سے دریافت کیا کیا مجھ سے صرف اللہ رب العزت کی رضا کے لئے محبت کرتے ہو؟ تو اس نے عرض کیا جی ہاں! میری محبت صرف اللہ رب العزت کے لئے ہے۔ اس میں کوئی ریا کاری اور شہرت کا حصول مقصد نہیں ہے۔

یہ سن کر مجھے بہت تاؤ آیا۔ شیخ نے اس سے دریافت کیا۔ کہ اگر تمہیں پتہ چلے کہ میرے اندر موجود تمام اسرار سلب ہو گئے ہیں تو کیا۔ پھر بھی تمہاری محبت باقی رہے گی؟ اس نے عرض کیا جی ہاں! آپ نے فرمایا اگر لوگ تم سے یہ کہیں۔ کہ میں ایک عام شخص کی مانند ہو گیا ہوں۔ تو بھی یہ محبت باقی رہے گی؟ اس نے پھر اقرار کیا شیخ نے کہا کہ اگر لوگ تمہیں بتائیں۔ کہ میں نے گناہوں کا ارتکاب شروع کر دیا ہے کیا۔ پھر بھی تمہاری محبت باقی رہے گی؟ اس نے عرض کیا جی ہاں۔ آپ نے فرمایا۔ کہ اگر میں کئی برس تک مثلاً (۲۰) بیس برس تک گناہوں کی دلدل میں غرق رہوں۔ تو پھر؟ اس نے عرض کیا: کہ پھر بھی میرے دل میں کوئی شک وشبہ داخل نہ ہوگا۔

میں نے اس سے کہا کہ تم ایسا نہیں کر سکتے۔ جبکہ شیخ نے اس سے کہا کہ میں عنقریب تمہارا امتحان لوں گا۔

میں نے اس شخص سے کہا کہ میں تمہارے بارے میں اندیشوں کا شکار ہو گیا ہوں۔ کیونکہ ایک اندھا شخص کسی دانا و بینا شخص کو بھلا کیسے امتحان دے سکتا ہے؟ اس لئے تم شیخ سے معافی مانگ لو اور اپنی عاجزی اور کمزوری کا اعتراف کرو۔ اس کام میں میں بھی تمہارا ساتھ دیتا ہوں۔ پھر ہم دونوں نے شیخ سے معافی مانگ لی۔ لیکن تقدیر کا لکھا پورا ہو کر رہا (کچھ عرصہ بعد) شیخ نے اس شخص کو ایک کام کہا (جو کہ بظاہر اسے پسند نہ تھا)۔ لیکن درحقیقت اس کے لئے فائدہ مند تھا۔ لیکن وہ اس کی حکمت کو نہیں سمجھ سکا۔ اور اس نے وہ کام نہیں کیا۔ یہاں تک کہ آخر کار وہ حضرت کے بارے میں بدگمانی کا شکار ہو گیا۔

بعض افعال نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حکمت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس سے بھی کچھ افعال ایسے ظاہر ہوئے۔ کہ جن کی بنیادی علت یہی تھی۔ مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو مشورہ دیا۔ کہ اگر تم کھجوروں میں پیوندکاری ترک کر دو گے۔ تو پیداوار بہتر ہوگی۔ لیکن جب صحابہ کرام نے اس پر عمل کیا۔ تو پیداوار پہلے سے بھی کم ہوگئی۔ اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو اپنا خواب سنایا کہ ہم سب مسجد الحرام میں امن کی حالت میں داخل ہوئے۔ اور ہم میں سے کسی نے سر منڈوا رکھا تھا۔ اور کسی نے بال کتروا رکھے تھے۔ پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے ہمراہ کعبۃ اللہ کی زیارت کے لئے نکلے۔ تو مشرکین نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ معظّمہ میں داخل نہ ہونے دیا اور پھر معاہدے کے مطابق آئندہ برس مسلمان مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ اللہ رب العزت نے یہ تمام امور اس لئے ظاہر فرمائے۔ تاکہ کوئی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں الوہیت کا عقیدہ اختیار نہ کرے۔

اس لئے اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

"اِنَّكَ لَا تَهْدِىْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ" (القصص' آیت ۵۶)

"بے شک یہ نہیں۔ کہ تم جسے اپنی طرف سے چاہو۔ ہدایت کر دو۔ ہاں اللہ تعالیٰ ہدایت فرماتا ہے۔ جسے چاہتا ہے"۔

پھر اللہ رب العزت نے ایک اور مقام پر یوں ارشاد فرمایا! کہ

"لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَىْءٌ" (آل عمران' آیت ۱۲۸)

"یہ بات تمہارے ہاتھ نہیں"۔

اس نوعیت کی تمام آیات کا بنیادی مقصد یہی ہے۔ کہ لوگوں کو اللہ رب العزت کی

ذات کی طرف متوجہ رکھا جائے۔

ولی کامل بھی زائرین کی طبیعت کے مطابق اسی رنگ میں ان سے ملاقات کرتا ہے مثلاً اگر کوئی شخص نیک نیتی کے ارادہ سے آیا ہے۔ تو اسے ولی کے کمالات اور کرامات دکھائی دیں گی اور اگر کسی کی نیت ٹھیک نہیں تھی۔ تو اسے ولی ایک عام شخص کی مانند محسوس ہوگا گویا ہر شخص کے سامنے ولی کا ظہور اس شخص کے اپنے باطن کے حسن یا قبیح کے مطابق ہوتا ہے۔ اور ولی کی حیثیت ایک آئینے کی مانند ہوتی ہے۔ کہ جس میں اچھی یا بری ہر طرح کی صورت کا عکس دکھائی دیتا ہے۔ لہٰذا اگر کسی شخص کے سامنے کسی ولی کی کرامات اور کمالات ظاہر ہوں۔ تو اسے اللہ رب العزت کا شکر ادا کرنا چاہئے۔ اور اگر کسی کے سامنے ولی کی خامیاں ظاہر ہوتی ہوئی محسوس ہوں۔ تو اسے اپنے نفس کا فوراً محاسبہ کرنا چاہئے۔

ولی کی مخالفت بدبختی کی علامت ہے

اللہ رب العزت جب کسی قوم کو بدبختی میں ثابت قدم کر دے۔ تو ان کے نصیب میں کسی ولی کے فیض کا حصول نہ ہو۔ تو ایسے لوگ اولیائے کرام کی مخالفت میں مزید پختہ ہو جاتے ہیں وہ یہ سمجھتے ہیں۔ کہ شاید ولی بھی ان ہی کی مانند ہے۔ پھر یہ مخالفت اس حد تک پہنچ جاتی ہے۔ کہ وہ یہ تصور کرنے لگتے ہیں۔ کہ شاید ولی ان کے ہمراہ بیٹھ کر شراب پی رہا ہے۔ لہٰذا وہ اس ولی کو شرابی سمجھنے لگتے ہیں حالانکہ یہ صرف ان کی اپنی روح کا عمل ہوتا ہے۔ جو کہ ایک غیر موجود شے کو موجود صورت میں ظاہر کر دیتی ہے حالانکہ درحقیقت وہ کچھ بھی نہیں ہوتا۔ بلکہ اس شخص کے اپنے وجود کا سایہ ہوتا ہے جو اس طرح حرکت کرتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ جیسے آئینے میں کوئی تصویر حرکت کرتی ہوئی محسوس ہو۔ لہٰذا جب آپ آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر کچھ بولنا شروع کر دیں گے۔ تو آئینہ بھی بولتا ہوا محسوس ہوگا اگر آپ اس آئینہ کے سامنے کچھ کھائیں یا پئیں گے۔ تو آئینے میں موجود صورت بھی کچھ

کھاتی ہوئی دکھائی دے گی۔ غرض یہ کہ آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر کچھ پئیں۔ مسکرائیں یا حرکت کریں۔ تو آئینہ میں موجود صورت آپ کی ہر ایک ادا کی ادائیگی کرتی ہوئی محسوس ہوگی۔ حالانکہ اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے یہ صرف آپ کے وجود کا سایہ ہے۔ لہٰذا جب اللہ رب العزت کسی قوم کو بدبختی میں مبتلا کردے۔ تو ولی ان کے اپنے سائے کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ اور انہی کی مانند حرکات کا ارتکاب کرتا ہے۔

ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است

ایک مرتبہ میں بہار کے موسم میں ایک باغ میں داخل ہوا۔ وہاں پھولوں کے رنگ اور خوشبو کے تنوع کو ملاحظہ کیا۔ اور پھر میرے دماغ میں آیا کہ جو شخص اولیائے کرام کے احوال اور مقامات میں موجود اختلافات کا جائزہ لینا چاہے اسے ان پھولوں کو دیکھنا چاہئے۔ کہ ان کے رنگ اور خوشبو کس طرح ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ اسی طرح تمام اولیائے کرام صاحب ہدایت ہوتے ہیں۔ اور ان کی محبت لوگوں کے دلوں میں موجود ہوتی ہے۔

پس اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ فلاں بزرگ ایسے نہیں ہیں۔ تو گویا وہ اللہ رب العزت کی رحمت کو اسی فلاں بزرگ کی حد تک محدود کر رہا ہے۔ احادیث مبارکہ کی کتب میں یہ بات منقول ہے کہ

ایک مرتبہ ایک دیہاتی نے مسجد نبوی ﷺ میں پیشاب کر دیا۔ (اور پھر جاتے وقت کہنے لگا) اے اللہ! مجھ پر اور محمد ﷺ پر رحم فرما۔ ہم دونوں کے علاوہ اور کسی پر رحم نہ کرنا۔ اس کی یہ بات سن کر حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"لقد حجرت واسعا" (بخاری شریف)

''تم نے ایک وسیع چیز کو تنگ کر دیا''۔

اور اگر معترض یہ سوچتا ہو کہ ہر ولی کو اس بزرگ کی مانند ہونا چاہئے جس سے معترض

واقف ہے۔ تو یہ بھی ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ ہم یہ بات پہلے بیان کر چکے ہیں۔ کہ اولیائے کرام کی مختلف اقسام ہوتی ہے۔ اور یہ نکتہ بھی قابل غور ہے۔ کہ جس ولی کی مثال بیان کی جارہی ہے وہ اپنے سے پہلے موجود ولی کی مانند نہیں ہے۔

میں نے اس موضوع پر اس کتاب ''تبیان الطریقت'' میں خاصی تفصیل سے مختلف مقامات پر بیان کیا ہے۔ اور اس بارے میں چند لوگوں کے ساتھ کی جانے والی اپنی ذاتی بحثیں بھی ذکر کی ہیں۔ اور اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ فقہاء اور طلباء اس سے سیر حاصل فائدہ حاصل کر سکیں اور یہ صرف ان کی محبت میں نصیحت کرنے کے لئے کیا ہے۔ کیونکہ ہر زمانے میں اور ہر جگہ لوگ اولیائے کرام پر اعتراض کرتے رہتے ہیں۔ اور اس کی بنیادی وجہ وہی ہوتی ہے۔ جو کہ میں نے ذکر کردی ہے۔ اگر کوئی شخص نظر انصاف کے ساتھ میری اس گفتگو کو پڑھ لے گا۔ تو وہ اولیائے کرام پر اعتراض کرنے سے باز آ جائے گا۔ اور حق اس کے ساتھ واضح ہو جائے گا۔

اگر کوئی شخص کسی ولی کی ظاہری حالت دیکھ کر اس کی ولایت کا وزن کرنا چاہے۔ تو وہ شخص دنیا اور آخرت میں خسارے کا شکار ہو گیا۔ کیونکہ ولی کا باطن عجائبات وعزائبات سے معمور ہوتا ہے۔ اس کی مثال اس موٹے اونی کپڑے کی مانند ہوتی ہے۔ کہ جس کے درمیان میں ریشم بھرا ہوا ہو۔ اور ولی کے وہ عجائبات صرف آخرت میں ظاہر ہوں گے۔ جبکہ جو شخص ولی نہ ہو اس کی مثال اس ریشمی کپڑے سی ہے۔ کہ جس کے اُونی کپڑا لگا ہوا ہو۔

میں یہاں پر ایک واقعہ بیان کرتا ہوں کہ ایک بزرگ ولی کا مرید ان سے شدید محبت کرتا تھا اللہ رب العزت نے جب اس مرید کو اس کے روحانی اسرار پر مطلع فرمایا۔ تو اس کی محبت اس قدر بڑھ گئی کہ ڈر تھا۔ کہ وہ اپنے شیخ کو مقام نبوت سے بھی بلند مرتبہ پر سمجھنے لگے۔ آخر کار اللہ رب العزت نے اس مرید پر خاص کرم فرماتے ہوئے ایسی صورت پیدا

کی جس سے یہ ظاہر ہوتا تھا۔ کہ شاید شیخ نے زناکاری کا ارتکاب کیا ہے۔ (حالانکہ درحقیقت ایسا نہیں تھا) جب اس مرید نے یہ دیکھا۔ تو اپنی خوش اعتقادی میں غلو سے باز آ گیا۔ اور اپنے شیخ کے اصل مرتبہ کے مطابق اس سے عقیدت رکھنے لگا اس پر اللہ رب العزت نے اس مرید کو بھی معرفت سے نواز دیا۔ لیکن اگر وہ مرید اپنی سابقہ خوش اعتقادی میں مبتلا رہتا تو اس کا انتقال حالت کفر میں ہو جاتا۔ اللہ رب العزت ہمیں اس سے محفوظ رکھے۔

مقصود صرف باطن ہے

جو لوگ ولی کی زیارت کے لئے آتے ہیں۔ ولی صرف ان کے باطن کا جائزہ لیتا ہے۔ ان کے ظاہر کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ زیارت کے لئے آنے والے لوگ چار طرح کے ہوتے ہیں۔

۱۔ ایک وہ لوگ ہوتے ہیں۔ کہ جن کا ظاہر اور باطن ولی کے بارے میں خوش اعتقاد ہوتا ہے۔ اور یہ لوگ سب سے زیادہ سعادت مند ہوتے ہیں۔

۲۔ دوسرے وہ لوگ جن کا ظاہر اور باطن ولی پر تنقید کے لحاظ سے یکساں ہوتا ہے یہ لوگ سب سے زیادہ محروم ہوتے ہیں۔

۳۔ تیسرے وہ لوگ ہیں۔ کہ جن کا ظاہر عقیدت مند ہو۔ لیکن باطنی طور پر وہ ولی کے مخالف ہوں۔ ایسے لوگ ولی کو سب سے زیادہ ضرر پہنچاتے ہیں۔ بالکل اسی طرح۔ جیسے منافق لوگ اپنی دوغلی پالیسی کے باعث حضور اقدس ﷺ کو ایذا پہنچایا کرتے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ جب ولی ان کی ظاہری حالت کے پیش نظر ان کو فیض دینا چاہتا ہے۔ تو ان کا باطن رکاوٹ بن جاتا ہے۔ اور اگر ولی ان کے باطن کی بدولت ان سے دور رہنا چاہے۔ تو ان کی ظاہری عقیدت کے باعث چھٹکارا حاصل

نہیں کر سکتا۔

ولی جس طرح ظاہری کلام سنتا ہے۔ اسی طرح باطنی گفتگو بھی سن لیتا ہے۔ لہٰذا دو غلے شخص یعنی منافقین کی حیثیت ولی کے سامنے بالکل اسی طرح ہوتی ہے۔ جیسے اس شخص کے پیٹ میں ایک اور شخص ہو۔ بظاہر وہ شخص کہتا ہوا دکھائی دے کہ حضور! آپ میرے آقا ہیں۔ میں آپ کا غلام ہوں اور اندر موجود شخص یہ بات چلا رہا ہو کہ تم ولی نہیں ہو۔ اور لوگ۔ تو تمہارے متعلق غلط فہمی کا شکار ہیں۔ مجھے تمہارے بارے میں اور تمہارے متعلق لوگوں کی رائے کے بارے میں شک وشبہ ہے۔

جو لوگ انسانوں کی باطنی کیفیت سے آگاہ نہیں ہوتے۔ وہ اکثر اس بات پر حیران ہوتے ہیں۔ کہ پہلی قسم سے تعلق رکھنے والے لوگ ولی سے بہت سا فیض حاصل کر لیتے ہیں۔ جبکہ تیسری قسم سے تعلق رکھنے والے لوگ بھی بظاہر عقیدت مند نظر آتے ہیں۔ لیکن انہیں فیض حاصل نہیں ہوتا ایسا کیوں ہے؟ شاید اس ولی میں کوئی خامی ہے۔ اور پھر اولیائے کرام کے بارے میں مختلف طرح کے وسوسوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔

۴۔ چوتھی قسم کے وہ لوگ ہیں جو باطنی طور پر اولیائے کرام کے معتقد ہوتے ہیں۔ لیکن بظاہر اولیائے کرام پر تنقید کرتے ہیں۔ اس کا سبب عام طور پر حسد ہوتا ہے۔ اللہ رب العزت ہمیں ان بیماریوں سے محفوظ فرمائے۔

کامل ولی ہر وقت مشاہدۂ حق میں مستغرق رہتا ہے۔ اور پلک جھپکنے کے عرصہ کے برابر بھی اس مشاہدہ میں انقطاع نہیں آتا۔ البتہ ولی کا ظاہر مخلوق کے ساتھ متعلق ہوتا ہے۔ لہٰذا اللہ رب العزت زائرین کی نیت اور ان کے مقدر کے مطابق ولی کو ظاہری طور پر مخلوق کی طرف متوجہ کر دیتا ہے۔ چنانچہ جس شخص کے نصیب میں اللہ رب العزت کا خاص فضل و کرم ہوگا اس کے سامنے ولی کی زبان سے معرفت کے امور بیان ہوتے ہیں۔ اور وہ شخص ولی کی ذات میں بہت سی کرامات کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اور جس شخص کے نصیب میں محرومی

ہو۔ ولی اس کے سامنے کوئی بھی معرفت کی بات بیان نہیں کرتا۔'' گویا لوگوں کی مثال اس پتھر کی مانند ہے۔ کہ جب بنی اسرائیل اس کے پاس پہنچے۔ تو وہاں سے پانی کے بارہ چشمے پھوٹ پڑے۔ لیکن جب کفار اس پتھر کے پاس پہنچے۔ تو اس میں سے پانی کا ایک قطرہ بھی نہ نکلا''۔

بلکہ میں نے خود کئی مرتبہ اس بات کا مشاہدہ کیا۔ کہ جب تک حضرت غوث زماں قدس سرہ کے سامنے کوئی غیر معتقد شخص بیٹھا ہوا ہوتا۔ تو آپ کے منہ سے معرفت کی کوئی ایک بات بھی نہ نکلتی اور جب وہ شخص اٹھ کر چلا جاتا۔ تو آپ معارف بیان کرنا شروع کر دیتے۔ آپ اکثر ہمیں یہ ہدایت فرماتے کہ جب کوئی غیر معتقد شخص بیٹھا ہوا ہو۔ تو اس کے سامنے مجھ سے کوئی سوال نہ کیا کرو۔ آپ کی اس ہدایت سے پہلے ہم اکثر غیر معتقدین کے سامنے آپ سے سوال کیا کرتے تھے۔ تاکہ آپ کی زبانی ظاہر ہونے والے معارف کو سن کر وہ شخص اپنے نظریے کی اصلاح کر کے آپ کا حلقہ بگوش ہو جائے۔ لیکن جب ہم سوال کرتے۔ تو یوں محسوس ہوتا کہ آپ کی شخصیت بدل گئی ہے۔ ہم آپ سے اور آپ ہم سے واقف ہی نہیں ہیں۔ اور آپ کی زبان سے کبھی بھی کوئی بھی معرفت کی بات صادر نہیں ہوئی۔ پھر جب آپ نے اس نکتہ کی وضاحت کی۔ تو اس صورتحال کا بنیادی سبب ہماری سمجھ میں آیا۔

بعض اوقات کوئی بزرگ لوگوں کے سامنے کسی گناہ کا ارتکاب کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ لیکن درحقیقت ایسا نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کی روح اس کی ذات کو محجوب کر دیتی ہے جس کی وجہ سے دیکھنے والوں کو ظاہری طور پر ایسا دکھائی دیتا ہے۔ چنانچہ ظاہری طور پر معصیت دکھائی دینے والا عمل درحقیقت معصیت نہیں ہوتی مثلاً اگر کوئی ولی حرام چیز کھاتا ہوا دکھائی دے۔ تو وہ چیز اس نے صرف اپنے منہ میں ڈالی ہوگی اور پھر وہ جب چاہے۔ جہاں چاہے اسے باہر پھینک دیتا ہے۔ اس ظاہری معصیت کا بنیادی سبب حاضرین کی بدبختی ہوتی ہے۔

اللہ رب العزت اس سے محفوظ رکھے۔ اگر تم کسی ولی کو لوگوں کے سامنے کرامت ظاہر کرتے ہوئے دیکھو۔ تو سمجھ جاؤ کہ حاضرین نیک بخت ہیں۔ اور اگر ولی گناہ کا ارتکاب کرتا ہوا دکھائی دے۔ تو سمجھ جاؤ کہ حاضرین بدبخت ہیں۔

بعض اوقات ولی کی ذات پر شہود کی کیفیت طاری ہوتی ہے۔ اس وقت اسے یہ اندیشہ ہوتا ہے۔ کہ کہیں اس کا خاکی وجود فنا نہ ہو جائے۔ اس لئے وہ ایسے افعال کا مرتکب ہوتا ہے جو اسے شعور و ادراک کی طرف واپس لے آئیں۔ اگرچہ ظاہری طور پر وہ کوئی معیوب حرکت ہی کیوں نہ ہو۔ جیسا کہ عام اصول ہے۔ کہ دو برائیوں میں سے کم تر برائی کو اختیار کرنا چاہئے۔ لہٰذا جب کوئی شخص ایسے کسی عمل کی بنیادی علت سمجھے بغیر ولی کو اس کا مرتکب دیکھے گا۔ تو فوراً اعتراض کر دے گا۔ اور ولی کی برکت سے محروم رہ جائے گا۔

عام شرعی حکم یہ ہے۔ کہ اگر کسی عضو کی وجہ سے بقیہ جسم کے ہلاک ہونے کا اندیشہ ہو۔ تو اس عضو کو کاٹ کر پھینک دیا جائیگا۔ حالانکہ ذاتی طور پر اس عضو کا کوئی قصور نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص بہت زیادہ بھوکا ہو۔ یہاں تک کہ مرنے کا اندیشہ ہو۔ تو اس کے لئے مردار کھانا جائز ہے۔ اسی طرح کے دیگر بہت سے مسائل اسی اصول کے تحت آئیں گے۔ اس مسئلہ کو ہم اسی بیان پر اکتفا کریں گے۔ کیونکہ اس کی مزید تفصیل پڑھنے والوں کے لئے الجھاؤ کا باعث بنے گی۔

جب کسی غیر ولی کی شرمگاہ بے پردہ ہو جائے۔ تو ملائکہ وہاں سے رخصت ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ ان پر حیا کا غلبہ ہوتا ہے۔ لیکن جب کسی ولی کی ظاہری شرمگاہ بے پردہ ہو جائے۔ تو فرشتے وہاں سے نہیں جاتے۔ کیونکہ کوئی ولی کسی خاص حکمت کی وجہ سے یہ عمل کرتا ہے۔ اس لئے ولی کو بے پردگی کی صورت میں بھی گناہ نہیں ہوگا۔ اور ہر وہ چیز جو ولی کو احساس و شعور کی طرف واپس لے آئے۔ لہٰذا اگر کسی ولی کا شعور کشف عورت کی وجہ سے واپس آ سکتا ہے۔ تو وہ اس کا مرتکب ہوگا۔ اور اگر کسی کا شعور نازیبا الفاظ استعمال

کرنے سے واپس آ سکتا ہے۔تو وہ اس طریقہ کو اختیار کرے گا۔غرضیکہ کوئی سا بھی عمل ہو اس کا شعور واپس آنا چاہئے۔

مشاہدہ کیا ہے؟

یہ ایک بہت بڑی چیز ہے۔ مجھے ایک بزرگ ملے۔ یہ واقعہ درگاہ حضرت سرکار میاں میر سرکار رحمۃ اللہ علیہ دھرمپورہ لاہور کا ہے۔ میں نے ان سے درخواست کی۔ کہ آپ دعا فرمائیں۔ کہ مجھے مشاہدہ نصیب ہو۔تو انہوں نے فرمایا کہ تم مشاہدہ کے حصول کے لئے دعا نہ کرو۔ اللہ رب العزت خود ہی تمہیں یہ نعمت عطا فرما دے گا۔ کیونکہ اگر تم نے دعا جاری رکھی۔تو اللہ رب العزت تمہیں مایوس نہیں کرے گا۔لیکن اس بات کا امکان موجود ہے۔ کہ وہ تمہیں تمہارے حال پر چھوڑ دے۔اور پھر تم اس آزمائش کو برداشت نہ کر سکو۔لیکن اگر اللہ رب العزت تمہیں تمہاری دعا کے بغیر مشاہدہ عطا کرے گا۔تو پھر وہ تمہیں اس آزمائش کو برداشت کرنے کی قوت بھی عطا فرما دے گا۔ مگر میں نے دوبارہ درخواست کر دی کہ آپ میرے لئے دعا فرمائیں اور میں اس کی صلاحیت رکھتا ہوں۔

انہوں نے جواب دیا۔ کہ تم روئے زمین پر بسنے والے تمام لوگوں کے بارے میں یہ گمان کرو کہ تمہارے سامنے ان کی حیثیت ایک انگوٹھی کی مانند ہے۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ انہوں نے کہا کہ تمام جنات کے بارے میں بھی یہی تصور کرو میں نے یہ بھی کیا۔ پھر انہوں نے اور بھی دیگر بہت سے جہانوں کا ذکر کیا۔ کہ جن میں جنت اور اس کی نعمتیں۔ جہنم اور اس کے متعلقات بھی شامل ہیں۔ پھر فرمایا۔ کہ ان تمام کو جمع کرو میں نے ایسا ہی کیا۔ انہوں نے فرمایا۔ کہ اب تم یہ تصور کرو کہ یہ سب تمہارے سامنے موجود ہیں۔ اور تم ایک ہی نظر میں ان تمام کو الگ الگ دیکھ سکتے ہو۔ میں نے لاکھ کوشش کی۔لیکن یہ تصور قائم نہ کر سکا۔ انہوں نے فرمایا۔ کہ تم مخلوقات کا تصور بھی نہیں کر سکتے اور تصور میں انہیں اپنے سامنے

حاضر بھی نہیں کر سکتے۔ تو پھر تم خالق کا مشاہدہ کیسے کر سکو گے۔

یہ سن کر مجھے حقیقت کا پتہ چل گیا۔ اور دل ہی دل میں میرے آنسو جاری ہو گئے۔ کہ میں نے ایسی چیز کے حصول کی کوشش کیوں کی؟ کہ جس کو برداشت کرنے کی میرے اندر صلاحیت نہیں ہے۔

کوئی بھی انسان ایک ہی نظر میں تمام مخلوق کو اپنے سامنے حاضر نہیں کر سکتا جو اولیائے کرام حالت بیداری میں حضور اقدس ﷺ کی زیارت کرتے ہیں۔ یہ شرف اس وقت حاصل ہوتا ہے۔ کہ جب وہ تمام جہانوں کا مشاہدہ کر لیتے ہیں۔ لیکن وہ بھی ان تمام کو ایک نگاہ کے سامنے حاضر نہیں کر سکتے۔

میری جب پہلی اس بزرگ سے ملاقات ہوئی تو میں نے روح کے موضوع پر آپ سے گفتگو کی۔ تو انہوں نے فرمایا۔ کہ کوئی بھی شخص روح کی حقیقت سے اس وقت تک واقف نہیں ہو سکتا کہ جب تک اسے تمام جہانوں کا کشف حاصل نہ ہو جائے۔ اور اگر کسی شخص کو چند جہانوں کا کشف باقی ہو۔ اور اس دوران اسے روح کا مشاہدہ حاصل ہو جائے۔ تو ایسا شخص فتنے کا شکار ہو جاتا ہے۔ اور اگر کوئی غیر معمولی پڑھا لکھا شخص روح کے موضوع پر مجھ سے سوالات کرے اور میں ان سوالات کے جوابات دوں۔ تو چار برس تک اگر ہم روح کے موضوع پر بحث کرتے رہیں۔ تو بھی بحث مکمل نہ ہو سکے گی۔ کیونکہ اس میں ان گنت اشکالات پائے جاتے ہیں۔

مخلوق میں کوئی بھی شخص اللہ رب العزت کی عظمت وکبریائی کے مطابق اس کی معرفت حاصل نہیں کر سکتا۔ اور اس نقطہ کو میں ایک مثال کے ذریعے یوں بیان کرتا ہوں۔ کہ بالفرض اللہ رب العزت کسی برتن کو ادراک کی صلاحیت عطا فرما دیتا ہے۔ اور پھر کوئی شخص اس برتن سے اس کے بنانے والے کے بارے میں دریافت کرے کہ وہ کون ہے؟ اس کا قد۔ رنگ۔ عقل۔ ادراک۔ سماعت۔ بصارت۔ زندگی۔ زیر استعمال آلات۔ ظاہری

و باطنی۔خوبیاں وغیرہ کیسی ہیں؟

تو وہ برتن اس کا جواب نہ دے سکے گا۔ کیونکہ کوئی بھی مصنوع (بنی ہوئی چیز) اپنے صانع (بنانے والے) کی حقیقت سے آگاہ نہیں ہوسکتی۔ جبکہ برتن اور کمہار دونوں ہی۔تو حادث ہیں۔ اور ان دونوں کے درمیان نسبت کی یہ کیفیت ہے۔تو پھر قدیم اور حادث کے درمیان فرق کا کیا عالم ہوگا؟

لہٰذا کوئی بھی مخلوق دنیا یا آخرت میں کبھی بھی اللہ رب العزت کی حقیقت سے آگاہ نہیں ہوسکتی۔

مشاہدہ ختم ہونے کا سبب

میرے خیال کے مطابق مشاہدہ میں حجاب کا باعث ایک تاریکی ہے۔ کہ جس کا تعلق جہنم کے ساتھ ہے۔ اور جو ذات کا احاطہ کرے۔تو معرفت محجوب ہو جاتی ہے۔

کیونکہ تاریکی اور خون کے درمیان کوئی نسبت نہیں۔ البتہ خون اللہ رب العزت کی ذات سے دوری کا باعث بنتا ہے۔ اور یہ تاریکی حجاب میں اضافے کا باعث بنتی ہے۔ میں اسے ایک مثال کے ذریعے بیان کرتا ہوں کہ کس طرح خون اللہ رب العزت سے دوری کا باعث بنتا ہے۔ ایک شخص کا ایک کمسن بیٹا تھا وہ اپنے بچے سے بہت زیادہ محبت کرتا تھا۔ بالفرض اگر وہ بچہ چیچک وغیرہ کا شکار ہو جاتا ہے۔ اور یہ بیماری اس کے چہرے اور دیگر تمام جسم کو گھیر لیتی ہے۔تو اب اس بچے کے والد کو اپنے بچے پر بہت ترس آئے گا۔ اور اسے اپنے بیٹے کی تکلیف کے باعث خود بھی شدید تکلیف محسوس ہوگی۔ لیکن اس تکلیف کے باعث وہ اپنے بیٹے سے دور نہیں بھاگے گا۔ بلکہ اپنے بیٹے کی محبت غالب آنے کے باعث اسے بیٹے کی ظاہری حالت کے باعث بھی اس سے نفرت محسوس نہیں ہوگی اور اس بیماری کے باوجود وہ اپنے بیٹے کو چومے گا۔ اور اسے اپنے ساتھ لگائے گا۔

اس کی بنیادی وجہ صرف اس کے اور اس کے بیٹے کے درمیان موجود تعلق ہوگا۔ اب ہم یہ فرض کریں۔ کہ اگر یہی بیماری کسی اجنبی بچے کو لاحق ہو جائے۔ کہ جس کا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہ ہو۔ تو یہ شخص اسی بیماری کے باعث اس بچے سے دور بھاگے گا۔ لہٰذا مومن اور کافر کے جسم میں موجود خون کی یہی کیفیت ہے۔

کیونکہ جو لوگ انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت کو قبول کر لیتے ہیں۔ ان کی دو بڑی اقسام ہوں گی۔

۱۔ وہ لوگ کہ جنہوں نے انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت کو قبول کر لیا اور ان پر ایمان لائے۔ لیکن ان کو معرفت نصیب نہ ہوئی' یہ عام مسلمان ہیں۔

۲۔ وہ لوگ کہ جن کو معرفت نصیب ہوئی۔ ان کی آگے مزید دو اقسام ہیں۔ ایک وہ کہ جن کی معرفت میں مسلسل ترقی ہوتی رہی۔ دوسرے وہ جو معرفت کے حصول کے بعد ایک خاص مقام پر پہنچ کر ٹھہر گئے۔

جن لوگوں کی معرفت میں اضافہ ہوتا رہا۔ وہ ہر وقت ترقی کی منازل طے کرتے رہیں گے۔ لیکن جو ایک مقام پر آ کر ٹھہر گئے۔ ان کی کیفیت میں کمی بھی ہوسکتی ہے۔ یہاں ایک اور مثال کے تحت ان لوگوں کے درمیان فرق کی وضاحت بیان کرتا ہوں۔

فرض کریں۔ کہ دو فقیر ایک مالدار شخص کے گھر جاتے ہیں۔ اور خیرات مانگتے ہیں۔ وہ مالدار شخص دونوں کو ایک ایک ہزار روپیہ دے دیتا ہے۔ اور ان دونوں فقیروں میں سے ایک فقیر اسی ایک ہزار روپیہ پر قناعت کر کے بیٹھ جاتا ہے۔ اور دوسرا فقیر دوبارہ دست سوال دراز کرتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ دس بار بھیک مانگتا ہے۔ اور ہر بار اسے ایک ہزار روپیہ ملتا ہے۔ اب بالفرض وہ مالدار شخص ایسا ہے۔ کہ اس کا خزانہ کبھی ختم نہیں ہوتا۔ تو سائل جب تک اس سے مانگتا رہے گا۔ تو مالدار شخص اسے دیتا رہے گا۔

یہی حال ان اولیائے کرام کا ہے۔ جو کہ کبھی ایک روحانی مقام پر نہیں ٹھہرتے۔ بلکہ

انکے روحانی مقامات میں مسلسل اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ جب موت ان کے دروازے پر دستک دیتی ہے۔تو انہیں موت کا بھی احساس نہیں ہوتا۔ کیونکہ ان کی توجہ مکمل طور پر اللہ رب العزت کی طرف مبذول ہوتی ہے۔اور غیر اللہ تعالیٰ کا ان کو قطعاً کوئی خیال نہیں ہوتا۔اب کیونکہ موت بھی غیر اللہ ہے۔اس لئے انہیں اس کا بھی احساس نہیں ہوتا۔

لہٰذا جس شخص کی روح اللہ رب العزت کے راستے میں قبض ہوگی۔ اسے معروف معنی کے مطابق موت نہیں آئے گی۔لہٰذا اللہ رب العزت کے راستے پر چلنا ہی موت کا بہترین علاج ہے۔

حضرت بایزید بسطامی رضی اللہ عنہ کی موت کا واقعہ

حضور قبلہ سلطان العارفین حضرت سلطان باہو رضی اللہ عنہ اپنی شہرہ آفاق کتاب ''عین الفقر'' باب پنجم میں حضرت بایزید بسطامی رضی اللہ عنہ کے وصال شریف کا واقعہ یوں بیان فرماتے ہیں کہ

ایک روز حضرت بایزید بسطامی رضی اللہ عنہ اللہ رب العزت سے ہم کلام تھے کہ اللہ رب العزت نے فرمایا: اے بایزید رضی اللہ عنہ! کیا تو اپنی محنت اور مشقت اور ریاضت۔ مشاہدہ۔ مجاہدہ۔عرش تک رسائی کے لئے کرتا ہے؟

حضرت بایزید بسطامی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: اے پروردگار! عرش تو روحانیوں کا مقام ہے۔ میں روحانی تو نہیں۔

پھر ندا آئی:

کیا تو کرسی تک پہنچنا چاہتا ہے؟

عرض کی:

الٰہی! کرسی تو کروبیوں کا مقام ہے۔ میں کروبی تو نہیں۔

پھر ندا آئی:

کیا تو آسمان تک رسائی چاہتا ہے؟

عرض کی:

الٰہی! آسمان تو فرشتوں کے رہنے کی جگہ ہے' میں فرشتہ تو نہیں۔

پھر ندا آئی:

کیا تو جنت میں جانا چاہتا ہے؟

عرض کی:

الٰہی! بہشت تو پرہیز گاروں کے رہنے کی جگہ ہے۔ مٰیں پرہیز گار تو نہیں۔

پھر ندا آئی:

کیا تو دوزخ چاہتا ہے؟

عرض کی:

الٰہی: دوزخ تو منکروں کے رہنے کی جگہ ہے۔ میں منکر تو نہیں۔

پھر لطف وکرم کی ندا آئی:

کیا تو ہمیں چاہتا ہے؟ اور اگر ہم تجھے نہ ملیں۔ تو تو کیا کرے گا؟

بس یہ سننا تھا۔ کہ حضرت بایزید بسطامی رضی اللہ عنہ نے آہ بھری اور سر سجدہ میں رکھا اور جان بھی اللہ رب العزت کے سپرد کر دی۔

ابیات:

۱- ''خام تھے خام! کہ ایک ہی آہ سے جان نکل گئی۔ عاشق تو وہ ہے جو ہر دم آتش عشق میں جلتا رہے''۔

۲- ''میں تو یادِ حق میں اس قدر غرق ہوں۔ کہ اگر میری جان بھی آتش دوزخ میں جلا دی جائے۔ تو مجھے خبر تک نہ ہو''۔

۳- ''راہ عشق میں اگر کوئی تیری گردن بھی اڑا دے۔ تو دم نہ مار۔ کہ عاشق سر تو دے

دیتے۔ لیکن بھید نہیں کھولتے"۔

۴- "اے باہو! خدا تعالیٰ سے اجر نہ مانگ کہ اجر تو مزدور مانگا کرتے ہیں۔ تو خدا تعالیٰ سے صرف اس کی رضا مانگ"

کشف اور اولیائے کاملین

کامل اولیائے کرام آئندہ آنے والے واقعات کے بارے میں گفتگو کو پسند نہیں کرتے۔ کیونکہ یہ مشاہدے کی ابتدائی کیفیت ہوتی ہے۔ لہٰذا جب اولیائے کاملین کو بھی اللہ رب العزت کا مشاہدہ نصیب نہ ہوا تھا۔ اس وقت تک وہ بھی گزشتہ اور آئندہ کا مشاہدہ کیا کرتے تھے۔ لیکن جب انہیں مشاہدہ حق نصیب ہوگیا۔ تو اب پہلا مشاہدہ ان کے نزدیک باطل ہوگیا۔ اس لئے وہ اسے یا اس کے بارے میں گفتگو کو پسند نہیں کرتے۔ نیز دنیا اللہ رب العزت کو ناپسند ہے۔ اور جو چیز اللہ رب العزت کو ناپسند ہو۔ یہ حضرات بھی اسے ناپسند کرتے ہیں۔ بالفرض اگر کبھی انہیں اس موضوع پر گفتگو کرنی پڑ جائے۔ تو یہ اپنے مقام سے اتنا نیچے آ کر گفتگو کرتے ہیں۔ کہ جیسے کوئی اوج ثریا سے اتر کر تحت الثریٰ میں آ کر گفتگو کرے۔ کیونکہ دنیاوی معاملات بھی ایک لحاظ سے ظلمت کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اس کی ایک وجہ اور بھی ہے۔ کہ اولیائے کاملین کو اللہ رب العزت کے انوار کے ذریعے مشاہدہ نصیب ہوتا ہے۔ اور یہ انوار زمان و مکان کے پابند نہیں ہوتے۔ اس لئے اس مقام میں آ کر ماضی، حال اور مستقبل کے درمیان کوئی فرق باقی نہیں رہتا۔ لہٰذا کسی ولی کو نورحق کے ذریعے صرف اس بات کا پتہ چلتا ہے۔ کہ فلاں واقعہ یقینی طور پر رونما ہوگا۔ لیکن اس کا مخصوص دن اور وقت کیا ہوگا؟ اس کا جواب اس وقت مل سکتا ہے جب وہ نیچے اتر کر اس مقام پر آ جائیں۔ کہ جہاں وقت کی تقسیم شروع ہوتی ہے۔ اور یہ مقام نورحق کے مقابلے میں ظلمت کی حیثیت رکھتا ہے اس کی مثال بالکل اسی طرح ہوگی۔ جیسا کہ سورج

آسمان سے زمین پر نازل ہو۔ اور کسی آئینے کے سامنے بیٹھ کر اس آئینے میں موجود سورج کو دیکھنے لگے۔

چونکہ اللہ رب العزت کا علم ہر شے پر محیط ہے۔ اسلئے ہر بات اس کے علم میں موجود ہے۔ مگر اللہ رب العزت قوی ہے۔ اور بندہ انتہائی کمزور ہے۔ لہٰذا بندے کو اللہ رب العزت پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ یہی وجہ ہے۔ کہ حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مخاطب کر کے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ

''میرا اور تمہارا علم اللہ رب العزت کے علم کے سامنے وہ حیثیت بھی نہیں رکھتا۔ جو کہ سمندر کے سامنے پانی کے اس قطرے کی ہے جو کسی چڑیا نے پیا ہو''

لہٰذا کوئی بھی ولی اپنے مقام سے خاصا نیچے آ کر آئندہ آنے والے واقعات کی خبر دیتا ہے۔ بہر حال یہ عمل گناہ نہیں ہے۔ مگر روحانی اعتبار سے آپ اسے ایک خامی قرار دے سکتے ہیں۔

اگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روحانی مرتبہ و مقام کا خیال کیا جائے۔ تو بھی یہ بات بے ادبی میں شمار ہوگی۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسا مرتبہ و مقام کسی اور کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ تاہم بیشتر اولیائے کرام جب مستقبل کی بات کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں۔ تو وہ صرف تقدیر کے تابع ہوتی ہے۔ اور چونکہ اولیائے کرام اللہ رب العزت کا مظہر ہیں۔ اس لئے اللہ رب العزت ایسی باتوں کو ان کی زبان پر جاری کر دیتا ہے۔

عام لوگوں کی غلط فہمی

بہت سے لوگوں کو اولیائے کرام کی صحبت کے بارے میں یا صحبت کے نتیجہ میں اسی لئے نقصان کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کیونکہ انہیں اہل حق اور اہل ظلمت کی معرفت کے درمیان فرق کا اندازہ نہیں ہو پاتا اور وہ یہ گمان کرتے ہیں۔ کہ شاید کشف اور خرق عادت ہی کمال کی دلیل ہے۔ لہٰذا وہی شخص ولی اللہ ہوگا کہ جس کے ذریعے کشف اور کرامت کا

ظہور ہوگا۔ اس لئے بعض لوگ اس غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ کہ شاید کشف ہی ولایت کی انتہا ہے۔ اور بعض لوگ اس بات کے قائل بھی ہو جاتے ہیں۔ کہ جو شخص ظاہری طور پر ہمیشہ عبادت و ریاضت میں مشغول رہے۔ وہی ولی کامل ہے۔ اگرچہ اس شخص کا باطن (درحقیقت) اللہ رب العزت سے خالی اور غیر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو۔ اس لئے بھی ولی کی صحبت سے اس وقت نقصان ہوتا ہے۔ کہ جب اللہ رب العزت کسی شخص کو کسی کامل ولی کی بارگاہ میں حاضر ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور پھر وہ شخص اس کامل ولی کے بارے میں الٹ سوچ اختیار کر لے۔

کیونکہ ولی کی صحبت اختیار کرنے کا بنیادی مقصد یہ ہے۔ کہ انسان اپنے پروردگار کی معرفت حاصل کرے اور ہر اس چیز سے بچنے کی کوشش کرے کہ جس کے ذریعے اللہ رب العزت سے لاتعلقی کی صورت پیدا ہو سکتی ہے۔ اور ان میں سب سے بڑی چیز دنیا اور اس میں موجود دیگر اشیاء کی محبت ہے۔

''ادھی لعنت دنیا ساری دنیا داراں ھوٗ'' (حضرت سلطان باہو)

لہٰذا جب کوئی انسان ایک طویل عرصہ تک کسی ولی کی خدمت میں رہتے ہوئے۔ صرف دنیا کے حصول کا خواہشمند رہے۔ اور اللہ رب العزت کی معرفت کے بارے میں کچھ بھی دریافت نہ کرے۔ تو ولی اللہ اس سے ناراض ہو جاتا ہے۔ اس لئے ایسے شخص پر اگر کوئی مصیبت نازل ہو۔ تو یہ اس کی بہت بڑی خوش قسمتی ہوگی اور اس ناراضگی کے بہت سے اسباب ہوتے ہیں۔

ولی کی ناراضگی کے اسباب

ولی کی ناراضگی کی ایک وجہ یہ ہے۔ کہ وہ شخص اس ولی سے اللہ رب العزت کی رضا کے حصول کے لئے محبت نہیں کرتا۔ بلکہ اس کی محبت ذاتی اغراض کی وجہ سے ہے۔ اور یہ محبت انتہائی نقصان دہ ہوتی ہے۔ کیونکہ اس کی موجودگی میں شیطانی حملے اور وسوسے سامنے

آتے ہیں۔ اور ایسے شخص کو کبھی بھی نور حق نصیب ہی نہیں ہوتا۔

دوسری وجہ یہ ہے۔ کہ جب ولی یہ دیکھتا ہے۔ کہ دنیا کے ساتھ تعلق رکھنے کی وجہ سے اس شخص کا باطن اللہ رب العزت سے لاتعلق ہو چکا ہے۔ تو وہ اس کے باطن میں موجود اس لاتعلقی کو ختم کرنا چاہتا ہے۔ جبکہ وہ شخص (مزید دنیا کے حصول کے ذریعے) اس میں اضافے کا خواہشمند ہوتا ہے۔

میرے نزدیک ولی کی مثال ایک فنکار کی سی ہے۔ یا فنکار کی مانند ہے۔ اس کے پاس اگرچہ بہت سا مال و دولت موجود ہو۔ لیکن اس کی توجہ اس مال و دولت کی بجائے صرف اپنے فن کی طرف مبذول ہو۔ اور وہ اس بات کا خواہشمند ہو کہ ہر شخص اس کے ساتھ اس کے فن کے بارے میں تبادلہ خیال کرے۔ فن کے علاوہ کسی اور موضوع پر گفتگو اسے اتنی ناپسند ہو کہ اس بات کا اندیشہ موجود ہو کہ فن کے علاوہ کسی اور موضوع پر گفتگو کرنیوالے شخص کو اس سے نقصان نہ پہنچ جائے۔ پھر اس کے پاس دو اشخاص اور آئیں اور انہیں اس فنکار کی طبیعت کے بارے میں پتہ ہو۔ لیکن ان دونوں کی یہ خواہش ہو کہ ہم اس فنکار سے اس کی دولت حاصل کریں۔ تو ان دونوں میں عقل مند وہ شخص ہوگا۔ جو کہ اس فنکار سے اس کے فن کے بارے میں گفتگو کرے۔ تاکہ فنکار اس سے مانوس ہو جائے۔ اور اس شخص کے ساتھ محبت بھی کرنے لگے۔ اور پھر اگر وہ فنکار سے کچھ رقم طلب کرے گا۔ تو وہ بآسانی رقم فراہم کر دے گا۔ لیکن وہ شخص انتہائی احمق ہوگا۔ جو کہ آنے کے فوراً بعد رقم کے حصول کے لئے دست سوال دراز کر دے گا۔ کیونکہ اب اگر وہ فنکار طیش میں آ کر اس کے سر میں کوئی چیز مار کر اس کا سر نہیں پھوڑتا۔ تو یہ اس شخص کی خوش قسمتی ہوگی۔

لہٰذا ولی کی مثال بھی اسی طرح ہے۔ کہ اس کا تمام فن صرف اللہ رب العزت کی معرفت اور اس سے متعلق دیگر اشیاء کی تعلیم و تربیت پر مشتمل ہے۔ اور اس کے علاوہ ولی کو اور کسی بات کی ہوش نہیں ہوتی۔ اور اس کے علاوہ وہ کسی اور موضوع پر گفتگو کرنا بھی نہیں

چاہتا۔ اوراس کے علاوہ اس کی کوئی خواہش یا مقصد ہوتا بھی نہیں۔ لہٰذا جو شخص یہ بات پیش نظر رکھے گا وہ دنیا و آخرت میں لاتعداد فوائد سے مالا مال ہوگا۔ اور جو کوئی اس کا خیال نہ رکھے گا۔اس کا معاملہ برعکس ہوگا۔

کیا دنیاوی معاملات باطل ہیں؟

میرے ایک دوست نے ایک مرتبہ (راقم الحروف) سے سوال کیا۔ کہ کیا باطل اس چیز کو کہتے ہیں۔ کہ جس کی کوئی حقیقت نہ ہو۔لیکن دنیاوی معاملات کا ہم اپنی آنکھوں کے ذریعے مشاہدہ کرتے ہیں۔ اور دیگر حواس کے ذریعے بھی اِن سے آگاہی حاصل کرتے ہیں۔تو پھر دنیاوی معاملات کوکس طرح باطل قرار دیا جا سکتا ہے؟

میرے سامنے ایک دیوار موجود تھی۔ اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جواب دیا۔ کہ کیا ہمیں یہ دیوار نظر نہیں آ رہی؟ حالانکہ یہ فنا ہو جائے گا۔لیکن ہم اس کے خالق کو نہیں دیکھ سکتے کہ جس نے اسے پیدا کیا ہے۔ اور پھر اس کا وجود بھی برقرار رکھا ہے حالانکہ وہ ہمیشہ زندہ رہے گا اس پر کبھی بھی فنا طاری نہیں ہوگی اور وہ ہماری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ وہ ہمارا مالک ہے۔ اور جس طرح چاہے ہمارے وجود کے اندر تصرف کرسکتا ہے۔ لہٰذا اللہ رب العزت کی ذات کے مقابلے میں دنیا کے مشاہدے کی حیثیت نہ ہونے کے مترادف ہوگی۔ گویا میں یہاں نظریہ اضافت کو سامنے رکھ رہا ہوں یعنی جو چیز بظاہر ہمارے مشاہدے میں موجود ہے۔ وہ اس چیز کے مقابلے میں معدوم کی حیثیت رکھتی ہے۔ کہ جس کا ہم بظاہر مشاہدہ نہیں کر رہے۔

جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں۔ کہ جب تک الفاظ سمجھ میں نہ آئیں اس وقت تک کسی بھی تحریر کا مشاہدہ بے فائدہ اور بے کار ہوگا۔ لہٰذا جس شخص پر رحم کرتے ہوئے اللہ رب العزت اسے معرفت نصیب کرتے ہوئے اپنی ذات۔ صفات اور افعال کا مشاہدہ عطاء فرمائے۔ تو اس کا تعلق اللہ رب العزت کے ساتھ ہو جائے گا کہ جس کی قربت کے بعد

ایسی زندگی نصیب ہوتی ہے۔ کہ پھر اس کے بعد موت کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہتی اور نہ ہی آخرت میں کسی قسم کی پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کیونکہ جب کسی ''فانی'' کا تعلق ''باقی'' کے ساتھ ہو جائے گا۔ تو (بالواسطہ طور پر) وہ فانی بھی باقی ہو جائے گا۔ بہرحال اس سے پہلے بھی میں اس نکتہ کی وضاحت کر چکا ہوں۔

معرفت کی پہلی قسم اگرچہ اہل حق اور اہل باطن کے درمیان مشترک ہوتی ہے۔ لیکن دونوں کے مقاصد میں بنیادی فرق پایا جاتا ہے۔ اہل باطل اس معرفت کے نتیجے میں اللہ رب العزت کی بارگاہ سے اور دور ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ اللہ رب العزت ان سے ناراض ہو کر ان کو اپنی ذات سے لاتعلق کر دیتا ہے۔ اور ان کے قلوب کو دوسری چیزوں کی طرف متوجہ کر دیتا ہے اور ان کو مختلف نوعیت کے ظاہری کمالات عطا کر دیتا ہے۔ تاکہ وہ اسی غلط فہمی کا شکار رہیں۔ کہ وہ کسی مرتبہ پر فائز ہیں۔

جبکہ اہل حق اس معرفت کے نتیجہ میں اللہ رب العزت سے پہلے کی نسبت اور بھی زیادہ محبت کرنے لگتے ہیں۔ اور ان کے درجات میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ جب انہیں معرفت نصیب ہوتی ہے۔ تو ان کی نگاہوں کے سامنے سے حجابات ہٹتے چلے جاتے ہیں۔ اور ان کے قلوب اللہ رب العزت کی طرف متوجہ ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اس وقت اللہ رب العزت انہیں بھی خوارق عطا فرماتا ہے۔ تاکہ ان کی بصیرت مضبوط ہو۔ اور معرفت پختہ ہو جائے جیسا کہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

''فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْھُمْ اِیْمَانًا وَّھُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَ۝ وَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْھُمْ رِجْسًا اِلٰی رِجْسِھِمْ وَمَاتُوْا وَھُمْ کٰفِرُوْنَ۝''

(التوبہ' آیت:۱۲۴)

''جو لوگ ایمان لائے (قرآن کی آیات) ان کے ایمان میں اضافہ کر دیتی ہیں۔ وہ ایک دوسرے کو مبارکباد دیتے ہیں۔ لیکن جن کے قلوب میں بیماری

موجود ہو ان کی غلاظت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اور وہ کفر کی حالت میں مرتے ہیں"۔

ولایت اور کشف میں کمی وبیشی

بعض اوقات کسی کم مرتبہ ولی کو دنیاوی معاملات میں کامل اولیائے کرام کی نسبت زیادہ کشف حاصل ہو جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ کامل ولی ہر وقت مشاہدۂ حق میں مستغرق رہتا ہے۔ لیکن کم مرتبہ کے ولی کی قوت پرواز صرف دنیاوی امور کے مشاہدے تک محدود ہوتی ہے۔ اگرچہ (ایک خاص حد تک) اسے بھی مشاہدۂ حق نصیب ہوتا ہے۔ لیکن کسی کامل ولی کے مقابلہ میں بہت ہی کم ہوتا ہے۔ گویا کامل ولی کا مشاہدہ حق مضبوط اور مشاہدہ خلق کمزور ہوتا ہے۔ لیکن کم مرتبہ کے مالک ولی کا مشاہدہ خلق مضبوط اور مشاہدہ حق کمزور ہوتا ہے۔

اس اصول کے پیش نظر حضرت خضر علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کی حکمت سامنے آ جاتی ہے۔ کہ جس کا ذکر اللہ رب العزت نے قرآن میں بھی ارشاد فرمایا ہے یعنی کشتی۔ بچے اور دیوار کے واقعہ میں اصل حکمت سے حضرت خضر علیہ السلام آگاہ تھے۔ لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کی طرف متوجہ نہ تھے۔ کیونکہ وہ مشاہدۂ حق میں مستغرق تھے۔ لہٰذا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اس معاملے میں عدم علم ان کے کمال کی نشانی ہوگا۔

چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے واقعہ کو ہم ایک عام فہم مثال کے ذریعے اس طرح واضح کر سکتے ہیں جیسا کہ ایک بادشاہ کے دو غلام ہوں۔ کہ جن میں سے ایک کو بادشاہ اپنی خدمت کے لئے خاص کر لے۔ اس غلام کا فرض صرف یہی ہو کہ وہ ہمیشہ بادشاہ کی خدمت میں حاضر رہے اور جب بادشاہ کہیں آئے یا جائے۔ کھائے یا پیئے یا گفتگو کرے ہر وقت یہ غلام پاس موجود رہے۔ جبکہ دوسرے غلام کو رعایا کے امور کی

انجام دہی کے لئے مخصوص کر لیا جائے۔

اب پہلا غلام چونکہ ہر وقت بادشاہ کی خدمت میں حاضر رہتا ہے۔ اس لئے اگر اس سے رعایا سے متعلق کسی مسئلے کے بارے میں دریافت کیا جائیگا۔ تو وہ کوئی جواب نہ دے سکے گا۔ یہی حال حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تھا۔ کہ وہ ہر وقت بارگاہ اللہ رب العزت میں حاضر رہتے تھے۔ جبکہ حضرت خضر علیہ السلام دنیاوی امور کی انجام دہی پر مامور تھے۔ اس لئے تمام اہل علم اس بات پر متفق ہیں۔ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مرتبہ اور مقام حضرت خضر علیہ السلام سے ہزارہا گناہ زیادہ بلند اور برتر ہے۔ کیونکہ آپ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام اوالعزم رسول تھے۔ بلکہ اس کے علاوہ کلیم اور صفی بھی تھے۔

حضرت خضر علیہ السلام نبی نہ تھے

سوال: بعض اہل علم حضرت خضر علیہ السلام کی نبوت کے قائل ہیں۔ یہاں تک کہ حافظ ابن الحجر عسقلانی نے بخاری شریعت کی شرح میں یہ بات تحریر کی ہے۔ کہ حضرت خضر علیہ السلام کی نبوت کا اعتقاد رکھنا ضروری ہے۔ تا کہ کسی غیر نبی کا کسی نبی سے زیادہ عالم ہونا لازم نہ آئے؟

جواب: حضرت خضر علیہ السلام نبی نہیں تھے۔ اللہ رب العزت نے انہیں معرفت اور تصرف کرنے کی صلاحیت عطا کی ہے۔ آپ کو وہی معرفت اور تصرف عطا فرمائے گئے ہیں۔ جو کہ حضور اقدس ﷺ کی امت کے ایک غوث کو عطا کئے جاتے ہیں۔ اور حضرت خضر علیہ السلام نے یہ مقام کسی بھی شیخ کی تربیت یا سلوک کی منازل باقاعدہ طور پر طے کئے بغیر حاصل کیا تھا۔ اللہ رب العزت نے انہیں براہ راست اس مقام پر فائز کیا تھا۔ لیکن یہ مقام مرتبہ نبوت یا مرتبہ رسالت کے برابر نہیں ہوسکتا۔ نیز ان معاملات میں حضرت خضر علیہ السلام کا علم حضرت موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ نہ تھا اگر ایسا ہوتا۔ تو کسی بھی غیر نبی کا نبی سے زیادہ عالم ہونا لازم آتا۔ لیکن اس مسئلہ میں اصل وجہ یہ تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام

مشاہدہ حق میں مستغرق تھے کہ جس کے برابر اور کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا حضرت خضر علیہ السلام کی نبوت کا اعتقاد ضروری نہیں ہے۔

سوال: جبکہ بعض حضرات قرآن مجید کی اس آیت کے ذریعے حضرت خضر علیہ السلام کی نبوت پر استدلال کرتے ہیں۔

"وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ اَمْرِیْ ط ذٰلِكَ تَاْوِیْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَیْهِ صَبْرًا ○

(کہف آیت ۸۲)

"میں نے اپنی خواہش کے مطابق یہ کام نہ کئے تھے کہ جنہیں دیکھ کر آپ صبر نہ کر سکے۔ ان کی اصل حکمت یہ ہے"۔

جواب

کوئی بھی غوث یا قطب یا کوئی اور اہل تصرف اپنی ذاتی خواہش کے تحت تصرف نہیں کرتے۔ بلکہ ان کا تصرف اللہ رب العزت کی مشیت کے تابع ہوتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود ان کو نبی یا رسول قرار نہیں دیا جا سکتا۔ لیکن بہت سے لوگ اس بات سے واقف نہیں ہوتے۔ کیونکہ ان کے پاس معرفت نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی۔

بہرحال ہم اس موضوع پر نہایت نفیس گفتگو کر سکتے ہیں۔ مگر ہم اسے تحریر نہیں کر سکتے۔ اس لئے ہم وہ باتیں یہاں بیان نہیں کریں گے۔

ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ظاہری عدم علم کی جو حکمت بیان کی ہے۔ اسی کے پیش نظر کسی بزرگ کا وہ واقعہ میرے ذہن میں تازہ ہو گیا کہ جس کے مطابق وہ بزرگ بہت سے دنیاوی معاملات میں اپنے مرید سے استفادہ کیا کرتے تھے۔ مگر ان کا نام یہاں نہیں دے سکتا۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں۔ کہ میرے فلاں مرید کا جب انتقال ہوا۔ تو آسمان سے متعلق اطلاعات منقطع ہو گئیں۔ لیکن جب وہ دوسرا فلاں مرید آ گیا۔ تو پھر اطلاعات

موصول ہونا شروع ہوگئیں۔ لہٰذا وہ چیز جو مجھ سے جدا ہوگئی تھی۔ وہ مجھے دوبارہ مل گئی ہے۔

پاگل اور مجذوب میں فرق

سوال: اس بارے میں میرے ایک دوست کے ذہن میں سوال پیدا ہوا کہ اگر ایک شخص کی معرفت کے حصول کے بعد عقل رخصت ہو جاتی ہے۔ اور دوسرے کی عقل کسی اور وجہ سے رخصت ہو جاتی ہے۔ پھر دونوں کے درمیان بنیادی فرق کیا ہے۔

جواب

معرفت کے حصول کے بعد جس شخص کی عقل سلب ہو جاتی ہے۔ درحقیقت اس کی عقل سلب نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کی توجہ مکمل طور پر مشاہدہ حق کی طرف مبذول ہوگئی ہے۔ اور وہ ہر وقت مشاہدہ کے سمندر میں تیرتا رہتا ہے۔ اور اللہ رب العزت اپنی خاص حکمت کے تحت اس کی عقل کو اس کے وجود سے لاتعلق کر دیتا ہے۔

البتہ دوسرے شخص کی عقل مکمل طور پر زائل ہو جاتی ہے۔ عام طور پر اس کا سبب یہ ہوتا ہے۔ کہ جب اللہ رب العزت کسی کی عقل کو زائل کرنے کا ارادہ فرمالے۔ تو اس کی روح کو گھڑی بھر کے لئے اپنی ذات کے مشاہدے سے لاتعلق کر دیتا ہے۔ اور اس ایک لمحے میں اس شخص کی روح کی توجہ اس شخص کے افعال کی طرف مبذول ہو جاتی ہے۔ کیونکہ وہ بندہ گناہگار ہوتا ہے۔ اس لئے اس کے افعال کے لحاتی مشاہدے کے نتیجہ میں روح پر قبض کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ کہ جسکے نتیجہ میں عقل زائل ہو جاتی ہے۔ اللہ رب العزت اس سے ہمیں محفوظ رکھے۔ جب قبض کی یہ کیفیت مستقل طور پر روح پر طاری ہو جائے۔ تو پھر عقل بھی مستقل طور پر زائل ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر قبض کی کیفیت مستقل طور پر نہ ہو۔ تو روح کو دوبارہ مشاہدہ حق نصیب ہو جاتا ہے۔ اور اس شخص کی عقل واپس آ جاتی ہے۔

اس کے بعد میرے دوست نے ایک اور سوال کیا۔

سوال

بعض اوقات کسی بچے کی عقل بھی زائل ہو جاتی ہے۔ جبکہ بچے سے کوئی قبیح فعل سرزد نہیں ہوتا۔ اور بچے کو گنہگار بھی نہیں کہا جا سکتا؟

جواب

روح کے نزدیک بندے کا ہر عمل گناہ ہوتا ہے۔ کیونکہ فطری طور پر روح کے مشاہدہ کا بنیادی تقاضا یہ ہے۔ کہ انسان ہر وقت اللہ رب العزت کی بارگاہ میں سربسجود رہے۔ اور اس معاملہ میں روح کے سامنے بالغ یا نابالغ کے درمیان کوئی فرق نہیں ہوتا۔

لہٰذا اگر کسی صاحب معرفت ولی کے پاس دو اشخاص آ کر بیٹھ جائیں۔ کہ جن کی عقل زائل ہو چکی ہو۔ اور ان میں سے ایک کی عقل معرفت کی وجہ سے زائل ہوئی ہو۔ اور دوسرے کی کسی اور وجہ سے زائل ہوئی ہو۔ پھر وہ دونوں کوئی گفتگو شروع کر دیں۔ تو صاحب معرفت ولی اس گفتگو کے ذریعے اسے پہچان لے گا کہ جس کی عقل معرفت کے حصول کے بعد ضائع ہوئی ہو۔ کیونکہ ایسے شخص کا ظاہری کلام اگرچہ سمجھ میں نہ آئے۔ مگر باطنی طور پر اس کے کچھ اسرار ظاہر ہو جاتے ہیں۔ کہ جنہیں اہل بصیرت بخوبی پہچان لیتے ہیں۔ اور اس کے برعکس جس شخص کی عقل کسی اور وجہ سے زائل ہوئی ہو۔ تو اس سے کسی قسم کے کوئی اسرار ظاہر نہیں ہوتے۔

ولی کی ایک اور پہچان یہ بھی ہے۔ کہ اس کی روح ہمیشہ خوش وخرم دکھائی دیتی ہے۔ جبکہ دوسرے شخص کی روح مغموم اور رنجیدہ دکھائی دیتی ہے۔

جن لوگوں کی عقل کسی اور وجہ سے زائل ہوتی ہے۔ ان افراد کی حیثیت جانوروں کی سی ہوتی ہے۔ تاہم اللہ رب العزت ایسے شخص پر رحم فرماتے ہوئے اسے جنت میں داخل کر دے گا۔ اور ان کی انسانی صورت ان کے لئے شفاعت کرے گی۔ بلکہ آپ یوں سمجھ لیں۔ کہ وہ انسانی شکل میں موجود بعض جانور ہیں۔ لیکن کیونکہ اللہ رب العزت نے انبیاء کرام

علیہم السلام کو بھی انسانی صورت میں پیدا فرمایا ہے۔ اس لئے ان پاگلوں کی ظاہری صورت کا احترام کرتے ہوئے ان کو بھی جنت میں داخل کر دیا جائیگا۔ تا کہ وہ دوسرے جانوروں کی مانند مکمل طور پر فنا نہ ہو جائیں۔

ایک بات یاد رہے۔ کہ حصول معرفت کے بعد جس شخص کی عقل زائل ہو جائے وہ پھر بھی قابل احترام ولی ہوتا ہے۔ لیکن اسے تصرف کرنے کا اختیار نہیں ہوتا۔ اور ایسا شخص غوث یا قطب کے مرتبہ پر فائز ہونے کا بھی اہل نہیں ہوتا۔

البتہ جب دجال کے خروج کا زمانہ قریب آئے گا۔ تو اس طرح کے اشخاص کو تصرف کا اختیار دے دیا جائے گا۔ بلکہ اس وقت کے غوث کی حالت بھی یہی ہوگی کہ جس کے نتیجہ میں دنیا کے نظام میں ایک عظیم خلل واقع ہوگا۔ اور اسی طرح کے لوگوں کے تصرف کے زمانہ میں دجال لعین کا خروج ہوگا۔ اور دجال کے مرنے کے بعد ان لوگوں کا تصرف بھی ختم ہو جائے گا۔ اور پھر دوبارہ کبھی بھی انہیں تصرف کرنے کا اختیار حاصل نہیں ہوگا۔

سب سے عظیم ترین نعمت اور آفت کون سی ہیں؟

ایک مرتبہ کسی دوست نے (راقم الحروف) سے دریافت کیا۔ کہ آپ کے خیال میں دنیا کی کون سی نعمت ایسی ہے۔ جو کہ جنت سے بڑھ کر ہو؟

اور کون سی آفت ایسی ہے۔ جو کہ جہنم سے بدتر ہو؟ میرے وہ دوست اسی سال رمضان المبارک میں وصال فرما گئے ہیں۔

میں نے ان کو جواب دیا۔ کہ حالت بیداری میں حضور نبی اکرم ﷺ کی مستقل زیارت جنت سے بہتر ہے۔ اور حصول معرفت کے بعد اس کا سلب ہو جانا جہنم سے بھی بدتر ہے۔

میرا یہ جواب سن کر میرے دوست جناب مظہر قیوم صاحب مرحوم جھکے اور انہوں نے میرے پاؤں کو بوسہ دینا شروع کر دیا۔ میں نے دریافت کیا۔ کہ آپ میرے پاؤں کو کیوں

بوسہ دے رہے ہو؟

انہوں نے فرمایا۔ کہ میں نے ان گنت مشائخ سے یہ سوال کیا۔لیکن ان میں سے کسی ایک کا جواب بھی آپ کے جواب جتنا بہترین نہیں تھا۔

انہوں نے دوبارہ دریافت کیا۔ کہ حصول معرفت کے بعد اس کا سلب ہو جانا جہنم سے بدتر کیوں ہے؟

جواب یہ ہے۔ کہ معرفت کا سلب ہو جانا اس شخص کے لئے جہنم سے بدتر ہے جسے اس بات کا اندیشہ ہو کہ کہیں اس سے معرفت سلب نہ ہو جائے تاہم جس شخص سے معرفت سلب ہو جائے اس کی یہ کیفیت نہیں ہوتی۔ کیونکہ پھر اس کا دل پتھر سے بھی سخت ہو چکا ہوتا ہے۔ اور اسے یہ بھی یاد نہیں رہتا کہ معرفت کے حصول کے بعد اس نے کن ادوار کا مشاہدہ کیا تھا۔ بلکہ اس کا خبیث وجود معرفت سے نجات حاصل کرنے کے بعد اپنے آپ کو ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگتا ہے۔ لہٰذا دنیا میں اگر کسی کی امارت سلب ہو جائے۔ تو اس کی حالت معرفت سلب ہو جانے والے شخص سے بہتر ہوتی ہے۔ چونکہ اس امیر کو اپنی سلب شدہ امارت کا خیال آ جاتا ہے۔ اور اپنے مال و دولت کو یاد کر کے وہ شخص خوش ہو جاتا ہے۔ لیکن جس شخص کی معرفت سلب ہوگئی ہو۔ اسے کچھ بھی یاد نہیں رہتا اور اس کا دل ایک صاف سلیٹ کی مانند ہو جاتا ہے۔ اور اس کی بصیرت کا سورج تاریک ہو جاتا ہے۔

میں یہاں پر ایک واقعہ بیان کرنا چاہتا ہوں۔ کہ سید محمد البناطر ابلسی (١٤) چودہ برس تک کسی کامل درویش کی تلاش میں رہے۔ آپ نے اس سلسلہ میں مصر۔ شام۔ عراق۔ ترکی اور ہندوستان کا بھی سفر کیا۔ اور ان مقامات پر ولایت کے دعویدار بہت سے لوگوں کو دیکھا۔ لیکن گوہر مقصود حاصل نہ ہوا۔ آپ اپنے والد صاحب کے ہاتھ پر بیعت ہوئے تھے۔ جو کہ ایک مشہور بزرگ تھے۔ مگر بدقسمتی سے آپ کو معرفت نصیب نہیں ہوئی تھی اور اسی کے حصول کے لئے آپ کسی کامل ولی کی تلاش میں تھے اور یہ تلاش باطنی اعتبار سے تھی

اور دنیاوی شہرت کا اس میں کوئی دخل نہیں تھا۔ آخر کار عراق میں آپ کی ملاقات ایک شخص سے ہوئی کہ جس کے بے شمار مریدین بھی تھے اور اس نے ایک خانقاہ قائم کر رکھی تھی۔ جہاں زائرین کی کثرت کے باعث روزانہ چار من کے قریب کھانا پکتا تھا۔ اور زائرین کے قیام کے لئے رہائشی کمرے بھی موجود تھے۔ اس شیخ نے اپنے ذاتی رہائش کے لئے ایک خلوت گاہ قائم کر رکھی تھی۔ وضو اور رفع حاجت کا انتظام اسی خلوت گاہ میں تھا۔ خلوت گاہ کے دروازے پر کھانا رکھ دیا جاتا۔ جسے وہ شیخ حاصل کر لیتا۔

شیخ کا معمول تھا۔ کہ وہ ستائیس (۲۷) دن تک اسی خلوت گاہ میں ریاضت و عبادت میں مشغول رہتا تھا۔ اور صرف (۳) تین دن کے لئے لوگوں سے ملاقات کی خاطر خلوت گاہ سے باہر آتا اور جب وہ باہر آیا۔ تو میری (سید محمد البنا طرابلسی کی) ملاقات اس سے ہوئی۔ میں نے اس سے کہا کہ میں آپ سے دو باتیں دریافت کرنا چاہتا ہوں۔

ایک کا تعلق حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کی ہستی سے ہے۔ اور دوسری اللہ رب العزت کی ذات سے متعلق ہے اس نے کہا کہ پوچھو! میں نے کہا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

"اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۝ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ" (الفتح آیت ۱-۲)

"بے شک ہم نے تم کو روشن فتح عطا کر دی ہے۔ تا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اگلے اور پچھلے "ذنوب" کو معاف کر دے"۔

اس آیت سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے۔ کہ حضور نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم سے پہلے بھی گناہ کا صدور ہوتا تھا۔ اور بعد میں بھی ہوگا۔ لیکن ان دونوں طرح کے گناہوں کو معاف کرنے کی بشارت دی گئی ہے۔ جبکہ (ہمارا عقیدہ یہ ہے) کہ نبی معصوم ہوتا ہے۔ اور اعلان نبوت سے پہلے اور بعد میں اس سے گناہ کا صدور ممکن نہیں ہے (جب یہ طے ہو گیا تو)۔ تو پھر آیت کا مفہوم کیا ہوگا؟

اس نے جواب دیا۔ کہ گناہ کی دو اقسام ہوتی ہیں۔ خفیف اور ثقیل

ثقیل گناہوں میں زنا کاری، شراب نوشی اور اس طرح کے دیگر گناہ شامل ہوتے ہیں جبکہ

خفیف گناہوں میں کسی ایک بیوی کی طرف زیادہ مائل ہونا ایام کی تقسیم میں ایک دوسری پر ترجیح دینا اور اس نوعیت کے دیگر امور شامل ہوتے ہیں۔ اور یہ خفیف امور حضور اقدس ﷺ سے صادر ہوئے ہیں۔ اور انہی کی مغفرت کی اس آیت میں بشارت دی گئی ہے۔

سید محمد البناطر ابلسی فرماتے ہیں۔ کہ مجھے اندازہ ہو گیا کہ یہ شخص حضور اقدس ﷺ کے مرتبہ و مقام سے آگاہ نہیں ہے۔ اور اسے تو یہ بھی معلوم نہیں۔ کہ نبی کی ذات صغیرہ و کبیرہ ہر قسم کے گناہوں سے پاک ہوتی ہے۔ کیونکہ کوئی بھی گناہ اس شخص سے صادر ہوگا۔ جو کہ محجوب ہو۔ اور غفلت و ظلمت کا شکار ہو۔ جبکہ اہل قرب اور اہل مشاہدہ سے بھی گناہ کا صدور نہیں ہوتا۔ اور انبیائے کرام علیہم السلام کا تو معاملہ ہی بالکل جدا ہے۔ پھر سید الانبیاء ﷺ کے بارے میں کس طرح یہ گمان کیا جا سکتا ہے؟

پھر میں نے کہا کہ میرا دوسرا سوال قرآن مجید کی اس آیت کے بارے میں ہے۔ کہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

"وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ" (الحدید آیت ۴)

"تم جہاں کہیں موجود رہو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ (موجود ہوتا) ہے"۔

یہاں معیت سے کیا مراد ہے؟

اس نے جواب دیا۔ کہ اس سے مراد اہل ایمان ہیں۔ کیونکہ اللہ رب العزت اہل ایمان کے دل میں موجود ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ ہمیشہ اللہ رب العزت کے ذکر اور اس کی عبادت میں مشغول رہتے ہیں۔

سید محمد البناطر ابلسی فرماتے ہیں۔ کہ اس کا یہ جواب سن کر مجھے انداز ہو گیا کہ یہ شخص اپنے پروردگار کی عظمت شان کا بھی علم نہیں رکھتا اور صرف ایک بہروپیا ہے۔

آپ فرماتے ہیں۔ کہ اسی طرح مجھے ہندوستان میں ایک شخص سے ملنے کا اتفاق ہوا کہ جس کی کثرت عبادت کا بہت چرچا تھا۔ جب میں اس کے ہاں پہنچا۔ تو دیکھا کہ واقعی وہ کثرت سے عبادت کرتا تھا۔ اور اس کی خوراک انتہائی کم تھی۔ میں نے اس سے اللہ رب العزت کے بارے میں ایک سوال کیا۔ تو وہ اس سے ناواقف تھا جس سے مجھے اندازہ ہو گیا کہ اس کی عبادت کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔

آپ فرماتے ہیں۔ کہ ایک مرتبہ ایک شہر کی بندرگاہ پر کھڑا ہوا مزدوروں کو انتہائی وزنی سامان اٹھاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ اور ان کی مشقت پر دل میں حیران ہو رہا تھا۔ کہ اچانک میرے پاس ایک مزدور آ کر کھڑا ہوا اس نے کشف کے ذریعے میری حیرانگی کا پتہ چلا لیا اور مجھے مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ اس میں حیران ہونے والی کون سی بات ہے؟

تم اللہ رب العزت کی اس قدرت پر حیران ہونا۔ جو کہ ابھی ہونے والی ہے۔ چنانچہ وہ شخص اپنا سامان اٹھا کر مقررہ مقام تک پہنچ کر واپس ہوا اور ہاتھ پاؤں پھیلا کر لیٹ گیا۔ اور اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی اس کا اشارہ اس بات کی طرف تھا۔ کہ درحقیقت ''قوی'' اللہ رب العزت کی ذات ہے۔ جو کہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور جسے جتنی چاہے قوت عطا کر سکتا ہے۔ اور جس سے چاہے قوت واپس لے سکتا ہے۔ اس لئے اللہ رب العزت کی عظمت شان کے بارے میں غور و فکر کر کے حیران ہونا چاہئے۔ کیونکہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

''فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ'' (المومنون' آیت ۱۴)

''اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکت ہے جو سب سے بہترین خالق ہے''۔

سید محمد البناطر ابلسی فرماتے ہیں۔ کہ اس کے بعد مجھے اولیاء کرام کا ایک گروہ ملا۔

انہوں نے میری رہنمائی کی۔ کہ مجھے اپنے وطن واپس چلے جانا چاہئے۔ کیونکہ وہیں پر میرا مقصد حل ہوگا لہٰذا میں اپنے وطن واپس آ گیا۔

ان کے وطن (طرابلس) میں ایک شخص نے انہیں بتایا کہ تمہارا مقصد ''فاس'' پہنچ کر پورا ہوگا۔ اور وہاں ان کی ملاقات ایک شخص سے ہوئی کہ جس کی بدولت انہیں معرفت نصیب ہوگئی اور وہ اللہ رب العزت کے مقرب بندوں میں شمار ہو کر مجلس حضوری کے رکن بن گئے۔

سرّ اور سرّ ذات

کسی نے ایک درویش سے دریافت کیا۔ کہ سید محمد البنا طرابلسی کو (آپ کے وسیلہ سے) آپ کی زندگی میں کس طرح معرفت نصیب ہوئی؟ کیونکہ (اصول یہ ہے) کسی بھی ولی کو اس کے شیخ کی موجودگی میں معرفت نصیب نہیں ہوتی۔ کیونکہ معرفت صرف ذات کے ''سرّ'' پر نازل ہوتی ہے۔ لہٰذا جب شیخ کی ذات کا ''سرّ'' مرید کی طرف منتقل ہوگا۔ اس وقت اس مرید کو معرفت نصیب ہوگی۔ جبکہ شیخ کی زندگی میں اس کا ''سرّ'' کسی دوسرے کی طرف منتقل نہیں ہوسکتا۔ اس لئے شیخ کی زندگی میں مرید کے لئے معرفت کا حصول ممکن نہیں ہے۔ اور بالفرض اگر شیخ کی موجودگی میں مرید کو معرفت مل بھی جائے۔ تو بھی یہ برقرار نہیں رہتی۔ بلکہ بہت جلد زائل ہو جاتی ہے۔ جبکہ سید محمد البنا طرابلسی کو آپ کے ذریعے معرفت نصیب ہوئی ہے۔ اور ان کی معرفت بھی برقرار ہے۔ اور آپ بھی ابھی بقید حیات ہیں؟

اس درویش نے اس کا یہ جواب دیا۔ کہ وہ میرا روحانی جانشین نہیں ہے۔ بلکہ کسی اور کا فیض میرے ذریعے اسے ملا۔

اس نے پھر دریافت کیا۔ کہ فیض کس کا ملا۔ تو اس درویس نے جواب دیا۔ کہ مراکش میں رہنے والے ایک صوفی بزرگ کا وصال ہوگیا۔ ان کے وصال کے بعد ان کا ''سرّ''

میرے پاس آ گیا۔ اور جب محمد البناطرابلسی میرے پاس آیا۔ تو میں نے وہ ''سر'' انہیں دے دیا۔

سر اور معرفت میں فرق

ایک مرتبہ کسی شخص نے ایک درویش سے دریافت کیا۔ کہ صوفیاء کرام جس چیز کو ''سر'' قرار دیتے ہیں وہ کیا ہے؟

اس درویش نے ایک مثال کے ذریعے جواب ارشاد فرمایا! کہ فرض کرو کہ ایک بادشاہ کے پاس سونا موجود ہے۔ اور بادشاہ وہ سونا اپنے مقرب امراء کو دے گا۔ اسی طرح اللہ رب العزت اپنی مخلوق میں سے صرف چند منتخب لوگوں کو ''سر'' کی نعمت عطا کرتا ہے۔

اس شخص نے دریافت کیا۔ کہ کیا ''سر'' معرفت کا دوسرا نام ہے؟ تو اس درویش نے فرمایا۔ کہ ہرگز نہیں۔ معرفت ایک الگ چیز ہے۔ لیکن معرفت کی موجودگی میں ''سر'' زیادہ طاقتور ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جس چیز کو معرفت عطا کر دی جائے۔ اس کی چشم بصیرت وسیع تر کر دی جاتی ہے۔ کہ جس کی وجہ سے وہ آسمانوں اور زمینوں کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اس کی ساعت کو کھول دیا جاتا ہے۔ کہ جس کی وجہ سے وہ آسمان میں اڑتے ہوئے پرندوں کے پر کی حرکت کی آواز بھی سن لیتا ہے۔ اور ایک برس کی مسافت کے برابر فاصلے سے چیونٹی کے چلنے کی آواز بھی سن لیتا ہے۔ اور اس شخص کے سونگھنے کی حس بھی کھول دی جاتی ہے۔ کہ جس کی وجہ سے وہ مٹی۔ پانی۔ خاکی وجود۔ ارواح۔ زندوں اور مردوں کی مخصوص بُو کو فوراً پہچان لیتا ہے۔ پھر اس شخص کی چکھنے کی حس کو کھول دیا جاتا ہے۔ کہ جس کی مدد سے وہ کوئی بھی چیز چکھے بغیر اس کے ذائقہ سے آگاہ ہو سکتا ہے۔ اسی طرح اس کے چھونے کی حس کو بھی کشادہ کر دیا جاتا ہے۔ اس کی ساعت کو بھی کشادہ کر دیا جاتا ہے۔ کہ جس کی وجہ سے بہت سی آوازیں اس کے لئے اشتباہ کا باعث نہیں بنتی ہیں۔ اور ایک آواز دوسری کے لئے رکاوٹ نہیں بنتی ہے۔ یہاں تک کہ اگر ایک ہی لمحے میں ہزاروں لوگ اس سے مخاطب

ہوں۔ تو پھر بھی وہ ہر ایک کی بات کو سن اور سمجھ لیتا ہے۔ اس لئے اگر ''سرّ'' کے ہمراہ معرفت بھی نصیب ہو جائے۔ تو پھر دو قوتیں حاصل ہو جاتی ہیں۔ لیکن اگر صرف ''سرّ'' ہی نصیب ہو۔ تو یہ بھی بہت بڑی نعمت ہے۔ تاہم صرف ''سرّ'' کے مالک کے پاس وہ قوت موجودنہیں ہوتی۔ جو کہ کسی صاحب معرفت ولی کو حاصل ہوتی ہے۔

اس شخص نے پھر دریافت کیا۔ کہ اگر معرفت کے بغیر ''سرّ'' حاصل ہو جائے۔ تو کیا صورتحال پیش آتی ہے؟

تو اس درویش نے جواب دیا۔ کہ سرّ کے حصول کے نتیجہ میں بہت سی صفات باری تعالیٰ کا پرتو حاصل ہوتا ہے۔ اور ایسا شخص ہمیشہ حق پر قائم رہتا ہے۔ اور اس کا کہنا سننا حرف حق ہوتا ہے۔ کیونکہ اللہ رب العزت کی صفات سے فیض حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح ایسے شخص کو عفو۔ بردباری۔ حیا۔ مہربانی اور اس طرح کی دیگر بہت سی اچھی صفات حاصل ہو جاتی ہیں۔ اور پھر جب معرفت بھی حاصل ہو جائے۔ تو دونوں قوتیں نصیب ہو جاتی ہیں۔ کہ جنکا ذکر اوپر کر چکا ہوں۔

جب نور سے پہلے کسی شخص پر معرفت نازل ہو جائے۔ تو ایسا شخص یا تو انتقال کر جاتا ہے۔ یا پھر اس کی عقل زائل ہو جاتی ہے۔ کیونکہ معرفت کے حصول کے بعد اس کے وجود میں ایک بہت بڑا خلل پیدا ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر قوت کا نور پہلے سے موجود ہو۔ اور پھر معرفت کے حصول کے باعث جسم کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔

اس شخص نے پھر دریافت کیا۔ کہ یہ قوت کیا ہے؟

اس درویش نے ایک کمزور تنکے کو دیکھتے ہوئے فرمایا۔ کہ اگر اس کمزور سے تنکے کو وہ قوت دے دی جائے۔ تو یہ تنکا پہاڑ کو اٹھانے کے قابل ہو جائے گا۔ لہٰذا جس شخص کو توفیق نصیب ہو وہ معرفت کا نور حاصل ہونے سے پہلے قوت کے نور کے حصول کی بھی دعا کرتا رہے۔

روضہ انور کے انوار

حضور سید عالم ﷺ کے روضۂ مبارک سے بھی نور کا ایک ستون نکل کر برزخ میں اس مقام کی طرف جاتا ہے۔ کہ جہاں آپ ﷺ کی روح مبارک قیام کرتی ہے۔ اور فرشتے گروہوں کی شکل میں آ کر اس نور کا طواف کرتے ہیں اور برکت کے حصول کے لئے اس نور کے قریب ہوتے ہیں۔ اور اس طرح اس نور کی طرف لپکتے ہیں۔ کہ جیسے شہد کی مکھیاں یعسوب (ملکہ مکھی) کی طرف لپکتی ہیں۔ چنانچہ اگر کسی فرشتے کو اللہ رب العزت کے کسی حکم یا سرّ کو برداشت کرنے میں دقت محسوس ہو یا کوئی اور دقت ہو۔ تو وہ فوراً آ کر اس نور کا طواف شروع کر دیتا ہے جس کے نتیجہ میں اس کی قوت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اور اس نور کے گرد فرشتوں کا طواف ہر وقت جاری رہتا ہے۔ ایک گروہ آتا اور دوسرا جاتا ہے۔ اور سب کے سب نہایت تیزی کے ساتھ طواف کرتے ہیں۔

''جب اللہ رب العزت نے اپنے خاص فضل و کرم کی بدولت یہ دولت عطا فرمائی۔ تو میں اس وقت منڈیر شریف میں تھا۔ میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کی قبر انور میرے سامنے موجود ہے۔ پھر میں نے اس میں سے نکلنے والے نور کو دیکھا۔ جو کہ میرے قریب آتا چلا گیا۔ اور جب میرے بالکل قریب آ گیا۔ تو اس میں سے ایک صاحب باہر تشریف لائے وہ حضور اقدس ﷺ تھے۔ اس وقت میرے شیخ (غوث زماں) ''سید افتخار احمد حسین شاہ گیلانی رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین درگاہ حضرت محبوب ذات رضی اللہ عنہ منڈیر سیداں شریف'' نے فرمایا۔ کہ اے فقیر صاحب! یہ حضور سرکار دو عالم ﷺ ہیں۔ اور آج اللہ رب العزت نے تجھے اپنی آغوش رحمت میں لے لیا ہے۔ اور اب یہ ڈر نہیں۔ کہ شیطان تجھے بہکا سکے گا''۔

میں بہک سکوں یہ مجال کیا

میرا رہنما کوئی اور ہے

40

حقیقتِ نفس

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ

"اشد العذاب روية النفس و تدبير ها"

''بندہ کے لئے سخت ترین حجاب۔ نفس کو دیکھنا اور اس کی تدبیر کی پیروی کرنا ہے''۔

کیونکہ نفس کی پیروی میں اللہ رب العزت کی مخالفت مخفی ہے۔ اور اللہ رب العزت کی مخالفت حجابات کا منبع ہے۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

"النفس صفة لا تسكبن الا بالباطل"

''نفس کی خوبو ایسی ہے۔ کہ وہ باطل ہی سے چین پاتا ہے''۔

اور راہ حق سے اسے کبھی فرحت محسوس نہیں ہوتی۔

حکیم محمد بن علی ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

"تريد ان تعرف الحق مع بقاء نفسك فيك و نفسك لا توف نفسها فكيف تعرف غيرها"

''تم یہ چاہتے ہو کہ اپنے نفس کی بقا کے باوجود جو تمہارے اندر ہے۔ حق تعالیٰ کی معرفت نصیب ہو جائے۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا؟ جبکہ تمہارا نفس اپنے وجود کے باقی رکھنے کی تدبیر سے بھی آشنا نہیں ہے۔ وہ اپنے غیر کو کیسے پہچان سکے

گا''۔

مطلب یہ ہے۔ کہ نفس تو خود اپنی بقا کی حالت سے نابلد اور محجوب ہے۔ اور جو خود اپنے آپ سے نابلد اور محجوب ہو۔ وہ اللہ رب العزت کو کس طرح پہچان سکے گا۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

"اساس الکفر قیامك علی مراد نفسك"

''کفر کی بنیاد اپنے نفس کی آرزو پر تیرا قائم رہنا ہے''۔

گویا نفس کی خواہشات پر قائم رہنے میں بندے کے لئے کفر کی بنیاد ہے۔ کیونکہ اسلام کی لطافت کے ساتھ نفس کو کوئی لگاؤ نہیں ہے۔ لہٰذا خواہشات نفس سے اعراض کرنے کی پوری کوشش کرنی چاہئے۔ اور اس سے پہلوتہی کرنے والا منکر ہوتا ہے۔ بلکہ منکر بیگانہ

حضرت ابوسلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

"النفس خائنة بالآمانة ومانعة من الرضا وافضل الاعمال خلافها"

''نفس امانت میں خیانت کرنے والا اور رضائے الٰہی سے روکنے والا ہے۔ اور سب سے بہتر عمل نفس کشی ہے''۔

کیونکہ امانت میں خیانت سے بیگانگی اور رضائے الٰہی سے ترک میں گمشدگی ہے۔ اس سلسلہ میں مشائخ کے اقوال بکثرت ہیں۔ کہ جن کی تفصیل پیش کرنا دشوار ہے۔

اب میں اپنے مقصود کی طرف آتا ہوں اور حضرت سہیل رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب اور ان کے مجاہدۂ نفس، ریاضت اور حقیقت کو بیان کرتا ہوں۔

مجاہدۂ نفس کی بحث

اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

"وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا"

''جنہوں نے ہماری راہ میں مجاہدہ کیا یقیناً ہم نے انہیں اپنا راستہ دکھایا''۔

حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا ہے کہ

"المجاھد من جاھد نفسه فی اللّٰه"

''مجاہد وہ ہے جس نے راہ خدا میں اپنے نفس کے ساتھ جہاد کیا''۔

پھر آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے مزید ارشاد فرمایا کہ

"رجعنا من الجهاد الاصغر الی الجهاد الاکبر قیل یارسول الله ماالجهاد الاکبر قال الا وهی مجاهدة النفس"

''اب ہم چھوٹے جہاد یعنی غزوے سے جہاد اکبر کی طرف لوٹ رہے ہیں۔

صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم نے عرض کیا یارسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم! جہاد اکبر کیا ہے؟

فرمایا سن لو! وہ نفس سے مجاہدہ ہے''۔

حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے مجاہدہ نفس کو جہاد اکبر یعنی غزوات پر فضیلت دی ہے اسی لئے اس میں رنج اور مشقت زیادہ ہے۔ اور اس میں پائمال کرنا واجب ہے۔ اور مجاہدۂ نفس میں نفس کو مغلوب و مقہور کرنا ہے۔

حضور داتا گنج بخش فرماتے ہیں۔ کہ اے عزیز! اللہ رب العزت تجھے عزت بخشے۔ آگاہ رہو۔ کہ مجاہدۂ نفس کا طریقہ کتاب وسنت سے ظاہر اور واضح ہے۔ تمام ادیان اور تمام تر ملتوں میں اس کی تعریف کی گئی ہے۔ جبکہ اہل طریقت تو خاص طور پر اسے ملحوظ رکھتے ہیں۔ اور تمام خاص و عام مشائخ حضرات میں اس کے معمولات جاری اور مستعمل ہیں۔ اس بارے میں مشائخ کے بکثرت رموز و اشارات ہیں۔

حضرت سہیل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ تو اس خصوص میں بہت زیادہ اصرار کرتے ہیں۔ مجاہدے کے سلسلے میں ان کے دلائل و براہین بکثرت ہیں۔ عرفاء حضرات فرماتے ہیں۔ کہ حضرت سہیل رحمۃ اللہ علیہ کی عادت تھی کہ ہر پندرھویں روز ایک مرتبہ کھانا کھاتے تھے اور اتنی قلیل غذا پر انہوں نے طویل عمر پائی اور تمام محققین نے مجاہدے کو ثابت کیا ہے۔ اور اس کو

مشاہدے کا ذریعہ بتایا ہے۔ مشائخ حضرات فرماتے ہیں۔ کہ حضرت سہیل رحمۃ اللہ علیہ نے بھی مجاہدے کو مشاہدے کی علت قرار دیا ہے۔ اور فرمایا ہے۔ کہ طالب کے لئے عرفان حق میں مجاہدہ نہایت مؤثر عمل ہے۔

حضرت سہیل رحمۃ اللہ علیہ دنیاوی زندگانی کو جو طالب عرفان حق میں ہو اس آخرت کی زندگانی کے مقابلہ میں۔ جو کہ حصول مراد سے تعلق رکھتی ہے۔ افضل بتاتے ہیں۔ اسی بنا پر ان کا یہ ارشاد ہے۔ کہ اخروی حصول مراد اس دینوی مجاہدے کا ثمر ہے۔ جب تم دنیا میں خدمت وعبادت کرو گے۔ تو آخرت میں قربت پاؤ گے۔ بغیر خدمت کے وہ قربت حاصل نہیں ہوسکتی۔ حتیٰ کہ یہ اتنا ضروری ہے۔ کہ وصول حق کی علت بندہ کا مجاہدہ ہے بشرطیکہ اللہ رب العزت اس کی توفیق بخشے۔

"المشاهدات مواريث المجاهدات"

"مجاہدوں کی میراث مشاہدہ ہے"۔

اس کے برعکس دیگر مشائخ یہ فرماتے ہیں۔ کہ وصول حق کے لئے کوئی علت وسبب نہیں ہے جو بھی واصل ہوتا ہے وہ فضل الٰہی سے ہوتا ہے۔ اور فضل کے مقابلہ میں بندے کے افعال کی کیا حقیقت ہے؟ جبکہ مجاہدہ تو تہذیب نفس اور اس کے تزکیہ کے لئے ہے نہ کہ حقیقت قریب کے لیے۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ مجاہدے کی طرف رجوع ہونا بندے کی جانب سے ہے۔ اور مشاہدہ کے احوال حق تعالیٰ کی طرف اس صورت میں محال ہے۔ کہ بندے کے افعال اس کا سبب یا اس کا آلہ بن سکیں۔ اس مسئلہ میں ان کیخلاف حضرت سہیل رحمۃ اللہ علیہ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ

"وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا"

"جس نے ہماری راہ میں مجاہدہ کیا۔ یقیناً ہم اسے اپنی راہ دکھاتے ہیں"۔

مطلب یہ ہے۔ کہ جو مجاہدہ کرتا ہے۔ وہ مشاہدہ پاتا ہے۔ نیز انبیائے کرام علیہم

السلام کی بعثت۔ شریعت کا قیام۔ کتابوں کا نزول اور تمام احکام مکلفہ یہ سب کے سب مجاہدے ہی تو ہیں۔ اگر مجاہدہ مشاہدے کی علت نہ ہو۔ تو ان سب کا حکم باطل قرار پاتا ہے۔ نیز دنیا و آخرت کے تمام احکام علل وحکم کے ساتھ ہی متعلق ہیں۔ اور جو حکم سے علت کی نفی کرتا ہے۔ وہ شریعت اور اس کے احکام کو اٹھاتا ہے۔ اس صورت میں نہ اصل میں۔ احکام مکلفہ کا ثبوت درست ہوگا۔ اور نہ فرع میں۔ کھانا بھوک کو ختم کرنے اور لباس سردی کو دور کرنے کی علت ہوتے ہیں۔ لہٰذا علتوں کی نفی سے تمام مقصود و معانی میں تعطل وخلل واقع ہوتا ہے۔ لہٰذا افعال میں اسباب پر نظر توحید اور اس کی نفی تعطیل ہے۔ اس بارے میں اس کے مسلک کے بموجب مشاہدے کے اسباب میں دلائل ہیں۔ اور مشاہدہ کا انکار مکابرہ اور ہٹ دھرمی ہے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ سرکش گھوڑے کو چابک کے ذریعے سدھا کہ بہادری کی شان پیدا کی جاتی ہے۔ اور اس کی سرکشی کو ختم کیا جاتا ہے۔ اور وہ اپنے منہ میں لگام لے لیتا ہے۔ اس طرح نادان عجمی بچے پر محنت کر کے عربی زبان سکھا دی جاتی ہے۔ اور اس کی طبعی بولی کو بدل دیا جاتا ہے۔ پھر یہ کہ وحشی جانوروں کو ریاضت کے ذریعے ایسا سدھا دیا جاتا ہے۔ کہ جب اسے چھوڑتے ہیں تو وہ خود چلا جاتا ہے۔ اور جب بلاتے ہیں تو آجاتا ہے۔

پنجرے میں رہنا آزادی اور چھوڑنے سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ ناپاک کتے کو سدھا کر اس منزل تک پہنچا دیا جاتا ہے۔ کہ اس کا شکار حلال ہو جاتا ہے۔ حالانکہ مسلمان کے لئے بغیر سدھائے ہوئے کتے کا شکار حرام ہے۔ اس قسم کی بے شمار مثالیں ہیں۔ لہٰذا پوری شریعت اور اس کے احکام کا مدار مجاہدے پر ہے۔ اللہ رب العزت کے حبیب ﷺ نے خود بکثرت مجاہدے فرمائے ہیں۔ آپ ﷺ کو حصول قرب۔ وصول مقصود۔ عافیت عقبیٰ اور قیام برعصمت حاصل تھا۔ اس کے باوجود خالی پیٹ رہنے کو ترجیح دی۔ اس کے علاوہ طویل مدت تک صوم وصال بھی رکھے اور کتنی ہی راتوں تک شب بیداری فرمائی۔ جیسا کہ

اللہ رب العزت قرآن مجید میں فرماتا ہے کہ

"طٰهٰ ۝ مَآ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰٓى"

"اے محبوب ﷺ! آپ پر قرآن ہم نے۔ اس لئے نازل نہیں کیا۔ کہ اپنی جان کو ہلاکت میں ڈال لیں"۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ کہ مسجد نبوی کی تعمیر کے وقت رسول اللہ ﷺ اینٹیں اٹھا رہے تھے اور میں دیکھ رہا تھا۔ کہ حضور اقدس ﷺ کو تکلیف ہو رہی تھی۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! اینٹوں کا کام میرے سپرد کر دیں میں یہ خدمت بجالاؤں۔ تو حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا! کہ اے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ!

"خذ غیرھا فانہ' لا عیش الا عیش الاخرۃ"

"تم اور کام کرو کیونکہ حقیقی عیش تو آخرت ہی کا عیش ہے"۔ (دنیا تو رنج و غم کی جگہ ہے۔)

میں نے درج بالا موضوعات "حقیقت نفس" اور "مجاہدہ نفس کی بحث" کے موضوعات حضور داتا گنج قدس سرہ کی کتاب کشف المحجوب سے حاصل کئے ہیں۔ لہٰذا اب میں اپنی کتاب بتیان الطریقت کے اصل موضوع کی طرف آتا ہوں۔

نفس انسانی

محمد بن علیان نسوی رحمۃ اللہ علیہ جو کہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے قابل احترام دوستوں میں سے تھے۔ بیان کرتے ہیں۔ کہ ایک روز میں نے نفس کو لومڑی کے بچے کی صورت میں دیکھا اور اس پر پاؤں رکھ کر اس کو روندے رکھا۔ مگر وہ پھر بھی پھیلتا ہی گیا۔ میں نے پوچھا اے نفس! ہر چیز مارنے اور مجروح ہونے سے ہلاک ہو جاتی ہے۔ لیکن تو کیوں پھیلتا چلا جا رہا ہے۔

نفس نے کہا: کہ وہ اس لئے۔ کہ میری پیدائش الٹی ہے۔ اور دل کو جو چیزیں تکلیف پہنچاتی ہیں۔ اس سے مجھے راحت ہوتی ہے۔ اور جو چیزیں دوسروں کو راحت دیتی ہیں۔ ان سے مجھے تکلیف ہوتی ہے۔

ایک دوسرے بزرگ نے نفس کو چوہے کی شکل میں دیکھا اور پوچھا کہ تو کون ہے۔ اس نے جواب دیا۔ کہ میں غافلوں کو ہلاکت میں پھنسانے والا اور شرارت و برائی کی راہ پر چلانے والا ہوں۔ مگر اللہ رب العزت کے دوستوں کی نجات بھی ہوں۔ کیونکہ میرا وجود آفت سے ہے۔ اگر میں اس کے ساتھ نہ ہوں۔ تو وہ اپنی پاکیزگی اور طہارت پر مغرور ہو کر اپنے افعال پر تکبر کرنے لگیں۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے ایک شخص کو فضا میں اڑتے دیکھا اور اس سے پوچھا! کہ تمہیں یہ درجہ کیسے حاصل ہوا؟ اس نے جواب دیا۔ کہ میں ہوائے نفس پر پاؤں رکھ کر ہوا میں اڑ جاتا ہوں۔ ایک دوسری روایت کے مطابق یہ ہوا تین سو ساٹھ قسم کی الوہیت کا لباس پہن کر انسان کو روزانہ گمراہی کی طرف بلاتی ہے۔

(از مراۃ الرحمٰن)

اب میں (راقم الحروف) نفس کی مختلف اقسام کے بارے میں بیان کرتا ہوں۔ جو کہ درج ذیل اقسام پر مشتمل ہے۔

ظالم نفس

القرآن: كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ○ فَرِيْقًا هُدٰى وَفَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ

(الاعراف' آیت ۲۹-۳۰)

ترجمہ: ''اسی طرح تم لوٹائے جاؤ گے۔ اس وقت بعض حق پر ہونگے اور بعض گمراہ''۔

پھر اللہ رب العزت قرآن مجید میں ایک اور جگہ ارشاد فرماتا ہے! کہ

''پھر ہم نے کتاب کا وارث اپنے برگزیدہ بندوں کو بنایا۔ بعض ان میں سے اپنی جان پر ظلم کرنے والے ہیں۔ اور بعض میانہ رو اور بعض حکم الہٰی سے نیکی میں سبقت لے جانے والے ہیں'' (فاطر آیت ۳۲)

الحدیث: كما تعيسون تموتون وكما تموتون تحشرون''

ترجمہ: ''جس طرح تم زندگی بسر کرو گے اسی طرح مرو گے اور جس طرح مرو گے۔ اسی حالت میں تمہارا حشر ہوگا''۔

ایک بات واضح رہے کہ نفوس انسانی کی بازگشت بارگاہِ الہٰی میں ہوتی ہے۔ جیسے نیک بخت انسانوں کے نفوس یا بدبخت انسانوں کے نفوس گھبراہٹ سے۔ ان تمام کی بازگشت بارگاہ الہٰی ہے۔ کیونکہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

''اِنَّ اِلَيْنَا اِيَابَهُمْ'' (الغاشیہ' آیت ۲۵)

''بے شک ان کی بازگشت ہماری طرف ہے''۔

نیز ارشاد فرمایا:

''كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ''

''اسی طرح تم لوٹائے جاؤ گے''۔

''یعنی جس طرح تمہیں پہلے پیدا کیا اسی طرح دوبارہ پیدا کئے جاؤ گے''

یہاں نفوس انسانی روح' دل اور نفس کا مجموعہ مراد ہے۔ اور لفظ نفس سے اسے اس لئے موسوم کیا گیا ہے۔ کہ اللہ رب العزت نے بھی مراجعت کے وقت اس کو لفظ معنی سے پکارا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

''يٰاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ'' (الفجر' آیت ۲۷)

''یعنی جو اللہ رب العزت کے فرمانبردار تھے۔ ان کو ارشاد ہوگا کہ اے اطمینان والی روح تو اپنے پروردگار کے جوار رحمت کی طرف چل۔ وہ اس طرح سے کہ تو اس سے خوش اور وہ تجھ سے خوش پھر تو ادھر چل کر میرے خاص بندوں میں شامل ہو جا کہ یہ بہت بڑی نعمت روحانی ورحمانی ہے)

بہرحال اس درج بالا آیت میں خطاب ہے۔ کہ اسے نفس مطمئنہ لیکن حقیقت میں انسانی ذات کو مخاطب فرمایا ہے۔ جو کہ ایک مجموعہ ہے۔ اور نہ صرف ایک جزو سے کہ جس کو قالب سے تعلق یا اپنے وقت روح کے نام سے موسوم کیا کہ

''وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ''

''اس میں میں نے اپنی روح پھونکی''۔

وہ اس لئے کہ اصل تو وہی ہے دل۔ نفس۔ روح اور قالب کے ملنے سے پیدا ہوئے ہیں۔ جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں۔ لہٰذا مراجعت کے وقت اس سارے مجموعہ کو لفظ نفس سے پکارا وہ اس لئے کہ نفس کہہ کر اس سے مراد ذات لیتے ہیں۔ جیسا کہ

''نفسی الشیء ذاته''

''کسی چیز کا نفس اس کی ذات ہے''۔

اور اللہ رب العزت نے اپنی ذات کو بھی نفس فرمایا ہے

جیسا کہ

''تَعۡلَمُ مَا فِیۡ نَفۡسِیۡ وَلَاۤ اَعۡلَمُ مَا فِیۡ نَفۡسِكَ''

یعنی ''فی ذاتک'' ''نفس سے مراد ذات ہے''۔

جیسے باغبان بیج کر بوتے وقت باغ میں لے جاتا ہے۔ تاکہ اسے بوئے۔ لیکن جب وہ بیج اپنے کمال کو پہنچ جاتا ہے۔ تو پھر اس کو گھر لایا جاتا ہے۔ حالانکہ بیج خود اس پھل میں داخل ہوتا ہے۔ اور انسانی نفس بھی روحانی بیج کا پھل ہے۔ اور جب بیج بویا گیا۔ تو اسے روح کے نام سے پکارا اور جب وہ بیج پھل لایا پھر اس کو نفس کے نام سے پکارا۔ لیکن محقق اور اہل سلوک اس موضوع پر مختلف الرائے ہیں۔ کہ نفس آیا کہ اپنے پہلے مقام سے آگے بڑھ سکتا ہے۔ یا کہ نہیں۔ بعض کی یہ رائے ہے۔ کہ تربیت سے ترقی پاتا ہے۔ اور پہلے مقام سے ترقی کر کے دوسرے مقام پر آتا ہے۔

بعض کہتے ہیں۔ کہ جب اپنے معلومہ مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ تو اس کی ترقی مسدود ہو جاتی ہے۔ اور دوسرے مقام میں۔ کہ جہاں کی استعداد اس میں نہیں ہوتی ہے۔ وہاں نہیں پہنچ سکتا۔ جیسا کہ گندم کا بیج تربیت کرنے سے بھی گندم ہونے کے مقام سے آگے ترقی نہیں کر سکتا۔ یعنی وہ گندم ہی رہے گا چنا وغیرہ ہرگز نہیں بن سکتا۔ اور نہ ہی معکوس ترقی کر کے جو وغیرہ بن سکتا ہے۔ اور اسی طرح جو یا چنا وغیرہ بھی تربیت کے باوجود گندم نہیں بن سکتے۔

البتہ اتنا ضرور ہے۔ کہ ان میں سے ہر ایک جب اپنے مقام میں تربیت پاتے ہیں۔ تو اپنے مرتبہ کی کمالیت کو ضرور پہنچ سکتے ہیں۔ اور اگر تربیت میں کسی قسم کی کوتاہی وغیرہ آ جائے۔ تو اس کی کمالیت میں بھی نقصان آتا ہے۔ اور بعض اوقات ناقص تربیت کی وجہ سے

کمزور یا بغیر مغز کے رہتا ہے۔

لیکن جو کچھ اس ضعیف (راقم الحروف) نے مختلف چیزوں کے حقائق اور معانی کو کشف سے مشاہدہ کیا ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ بعض نفوس تربیت کی وجہ سے اپنے پہلے مقام سے ترقی کر جاتے ہیں۔ پھر وہ دوسرے مقام میں پہنچ جاتے ہیں۔ اور بعض اگرچہ تربیت پاتے ہیں۔تو بھی دوسرے مقام میں نہیں پہنچتے اور یہ اسی طرح ہے۔ کہ جس طرح ارواح کی پیدائش کے شروع میں چار صفیں ہوگئی تھیں۔

"الارواح جنود مجندة"

پہلی صفت میں انبیاء کرام علیہم السلام کی ارواح طیّبات مقام بے واسطگی میں تھیں۔

دوسری صف میں عام اولیائے کرام اور خاص مومنین کی ارواح تھیں۔ تیسری صف میں عام مومنین اور خاص خاص گنہگاروں کی ارواح تھیں۔

چوتھی صف میں عام گنہگاروں۔ کافروں اوز منافقین کی ارواح تھیں۔

پس چوتھی صف والے تیسری صف میں پہنچتے ہیں۔ اور تیسری والے دوسری میں اور اسی طرح دوسری صف والے پہلی صف میں پہنچتے ہیں۔ جبکہ پہلی صف والے مقام بے واسطگی میں اور جن کی پرورش حضرت الوہیت کی صفات کے انوار سے ہوئی ہے۔ وہ الوہیت کے جذبات کے مستحق ہوتے ہیں۔ تاکہ روحانیت کے مقام سے صفات خداوندی کے عالم میں پہنچیں۔

جیسے بجھا ہوا کوئلہ کہ جس نے آگ کے تصرف سے پرورش پائی ہے۔ اور اسی لئے آگ کی چنگاری کو قبول کر لینا اس کے وجود میں شامل ہے۔ کہ اگر بجلی چمکے یا پتھر کو لوہے پر ماریں اور شعلہ اس پر پڑے۔تو اس میں آگ لگے گی اور قریب میں بے شک ہزاروں قسم کا نفیس سامان و اسباب اور جواہرات ہی کیوں نہ پڑے ہوئے ہوں۔ مگر ان پر کوئلہ کی نسبت کارگر نہ ہوگی کیونکہ

''جلے ہوئے کی طرح جان شوق کی زبان سے جذبات کی آگ کی چنگاری کو کہتے ہیں'' کہ

قدر سوز توچہ دانند ازیں مشتے خام
ہم مرا سوز کہ صد بار دگر سوختہ ام

جب وہ آتش اشتیاق کے جلے ہوئے بشریت کے فراق کے جنگل سے خلاصی پاتے ہیں۔ اور پھر کعبۂ وصال کی سرحد پر پہنچتے ہیں۔ تو خود بخود اس مقام سے آگے نہیں بڑھ سکتے۔ ہاں البتہ عنایات الٰہی کے استقبال کرنیوالے ازراہ لطف وجذبات کی صورت میں ان کا استقبال کرتے ہیں۔ اور اسی استعداد کے مطابق۔ جو کہ شروع میں اس کے اندر رکھی گئی تھی۔ دولت کی پناہ میں لاتے ہیں کیونکہ

"سبحة يظلهم الله تحت ظله"

اسی بارے میں فرماتا ہے کہ

"جذبات من جذبات الحق توازی عمل الثقلين"

''ایک جذبہ حق دونوں جہان کے اعمال کے برابر ہے''۔

وہ اس لئے کہ اگر تمام فرشتوں' جنات اور انسانوں کے معاملات کو جمع کیا جائے۔ تو ایک بندے کو اللہ رب العزت کی تجلی کے لائق بناتا ہے۔ لیکن ایک جذبۂ حق بندے کو ''اوادنیٰ'' کے قرب کی بساط پر بٹھا دیتا ہے۔ اسی لئے ایک جذبۂ حق تمام خلفت کے معاملات سے بہتر ہے۔ اور اللہ رب العزت کے وہ بندے کہ جنہوں نے دُوری سے خلاصی پالی ہے۔ اور جذبات کے تصرف سے عالم الوہیت کی سیر کرتے ہیں۔ ان کا ایک دم (سانس) دونوں جہان کے جملہ معاملات کے برابر ہے۔ بلکہ اس سے بھی برتر کیونکہ

صوفیاں در دمے دو عید کنند
عنکبوتاں مگس قدید کنند

فانی صوفی

درج بالا اس مقام پر پہنچ کر فانی صوفی کے لئے ہر دم ایک نیا ہی وجود پیدا ہوتا ہے۔ اور پھر وہ وجود جذبۂ حق کے تصرف سے محو ہو جاتا ہے۔ اور پھر اس محویت سے عالم الوہیت کی سیر میں ایک قدم آگے بڑھتا ہے۔ جیسا کہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

"یَمْحُوا اللّٰہُ مَا یَشَآءُ وَیُثْبِتُ" (الرعد آیت ۳۹)

"اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے مٹاتا ہے۔ اور جسے چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے"۔

پس ہر دم انہیں محو اور اثبات حاصل ہوتا ہے اسی لئے صوفی کو دو خوشیاں ہوتی ہیں ایک محو کی۔ اور دوسری اثبات کی۔ اور یہ ایک ایسا مقام ہے۔

مقام روح اللہ وکلمۃ اللہ

کہ اس مقام پر پہنچ کر سالک کا وجود "لا الٰہ الا اللہ" کا وجود ہو جاتا ہے۔ اور عین نفی اور اثبات کی حالت میں اسے اگر اس مقام میں "روح اللہ" اور "کلمۃ اللہ" کہا جائے۔ تو بجا ہے۔ اور یہ لباس اس کے بدن پر ٹھیک آتا ہے۔

جبکہ دوسری صفوں والے اس کمالیت کی دولت سے تو محروم ہیں۔ لیکن اتنا ضرور ہے۔ کہ جب وہ اپنے مقام میں بدرجۂ کمال پرورش پاتے ہیں۔ تو ترقی پا کر ایک ایسے مقام تک پہنچ جاتے ہیں۔ جو کہ انہیں پہلے نصیب نہ تھا جیسا کہ گندم کے بیج کو جب بویا جاتا ہے۔ تو اس وقت وہ کمزور ہوتا ہے۔ لیکن جب مناسب طریق سے اس کی پرورش ہوتی ہے۔ تو پھر ایک کے سات سو بھی ہو جاتے ہیں۔ بلکہ ایک ڈھیر بن جاتا ہے اسی طرح ہر صف والے جب استعداد کی خوبی اور صفائی حاصل کر لیتے ہیں۔ تو وہ اپنے سے اوپر کی صف کے مقابل آ جاتے ہیں۔ اور اعلیٰ صف کے عکسی کمالات کے قبول کرنے کے لائق ہو جاتے ہیں۔ اگر یہ ان میں سے نہیں ہوتے۔ تو بھی ان کے ساتھ ضرور ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ

"المرء مع من احب"

"مرد اسی کے ساتھ ہوتا ہے جس سے محبت کرتا ہے"۔

جیسا کہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

"فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ؈" (النساء، آیت ۶۹)

"پس ایسے اشخاص بھی ان حضرات کے ساتھ ہوں گے کہ جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صلحاء اور یہ حضرات بہت اچھے رفیق ہیں۔ یہ فضل ہے۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے"۔

یعنی یہ مرتبہ جو انہیں حاصل ہے۔ اس کی استعداد ان کی فطرت میں نہ تھی۔ بلکہ محض فضل الٰہی ہے۔

اللہ رب العزت قرآن مجید میں ایک اور جگہ ارشاد فرماتا ہے! کہ

"لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَ زِيَادَةٌ" (یونس آیت ۲۶)

"نیکی کرنے والوں کے لئے نیکی ہے۔ بلکہ اس سے کچھ زیادہ بھی"۔

کا اشارہ بھی اسی کی طرف ہے "حسنیٰ" جنت کی نعمتیں ہیں جو "اَحْسَنُوْا" کے بیج کا پھل ہیں۔ اور صفات الٰہی کا مشاہدہ اور دیدار الٰہی کی دولت۔ جو کہ انہیں ملتی ہے۔ یہ فضل و کرم ہے پس اللہ رب العزت چاروں صفوں والوں کو چار اقسام میں منقسم فرماتا ہے۔ ان میں تین اقسام اہل اصطفا اور قبول۔ جبکہ چوتھی بد بخت کی۔ جیسا کہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

"ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ" (فاطر آیت ۳۲)

"پھر ہم نے کتاب بطور ورثہ اپنے برگزیدہ بندوں کو دی پس ان میں بعض اپنی

جانوں پر ظلم کرنیوالے ہیں۔ اور بعض میانہ رو اور بعض اللہ تعالیٰ کے حکم سے نیکی میں سبقت لے جانے والے ہیں''۔

یہ تینوں گروہ اہل قبول ہیں وہ اس لئے کہ لفظ ''اصطفا'' سے ان کا ذکر کیا گیا ہے یعنی ہم نے ان کو برگزیدہ بنایا۔ اپنے بندوں میں سے اور اس کتاب (قرآن مجید) کو بطور میراث انہیں دیا۔ اگرچہ بعض ان میں سے اپنے نفس کے لئے ظالم تھے اور قرآن مجید پر عمل کیا۔ اگرچہ انہوں نے گناہ کیا۔ لیکن اس گناہ کا اعتراف کرلیا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں وارد ہے۔ کہ

''وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ'' (التوبہ آیت ۱۰۲)

''اور کچھ اور لوگ ہیں جنہوں نے اپنی خطا کا اقرار کیا۔ اور جنہوں نے ملے جلے عمل کئے۔ کچھ بھلے اور کچھ بُرے سو عجب نہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ ان کی بھی توبہ قبول کرلے''۔

اس کے علاوہ مردودوں کی جدا قسم کر کے فرمایا۔ کہ

''لَا يَصْلٰهَا اِلَّا الْاَشْقٰى ۝ الَّذِىْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ۝'' (الیل آیت ۱۵۔۱۶)

''اس میں وہی بد بخت داخل کیا جائیگا جس نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی۔ اور ہم سے روگردانی کی''۔

پہلے تین گروہوں کا مرجع اور معاد ان کے درجات کے مطابق جنت ہے جیسا کہ

''اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِىْ نَعِيْمٍ''

''نیک لوگ جنت کی نعمتوں میں بسر کریں گے''۔

جبکہ مردودوں کافروں اور منافقین کا مرجع اور معاد دوزخ ہے۔ کیونکہ اللہ رب العزت قران مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

"اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ الْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعًا ٥" (النساء آیت ۱۴۰)

"اللہ تعالیٰ سارے کافروں اور منافقوں کو دوزخ میں اکٹھا کرے گا"۔

چونکہ انسانی وجود دو عالموں روحانی اور جسمانی کا مجموعہ ہے۔ اس لئے جو کچھ ان دونوں عالموں میں ہے۔ وہ انسانی وجود میں بھی نمودار ہوتا ہے۔ کہ جس طرح عالم ارواح میں چار اقسام ہیں۔ اسی طرح وجود انسانی کے عالم میں نفس کے چار مراتب امارہ۔ لوامہ۔ ملہمہ۔ اور مطمئنہ ہیں۔ تا کہ ارواح کی چار صفوں میں سے ہر ایک کے لئے ایک خاص قسم کا نفس ہو۔

پہلی صف والوں کا نفس مطمئنہ ہوتا ہے۔ دوسری صف والوں کا نفس ملہمہ۔ تیسری صف والوں کا نفس لوامہ اور چوتھی والوں کا نفس امارہ ہوتا ہے۔ ان میں سے ہر ایک اپنے مقام سے نہیں گزر سکتا۔ وہ اس لئے کہ اس کے بیج میں اس سے زیادہ استعداد رکھی ہی نہیں گئی البتہ پہلی صف والوں کو یہ حاصل ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان کر چکا ہوں۔

سوال

لہٰذا اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ چونکہ اسی مقام میں جائیگا کہ جہاں سے آیا تھا۔ تو پھر اس آنے کا سبب کیا ہے؟

جواب

اس کا جواب یہ ہوگا کہ اگرچہ جاتے تو اسی مقام میں ہیں۔ کہ جہاں سے آئے تھے۔ لیکن ویسی حالت میں نہیں جاتے کہ جیسی حالت میں آئے تھے۔ ان میں بعض نیک بختی کے درجات حاصل کر کے جاتے ہیں۔ اور بعض بد بخت ہو کر جاتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

"وَالْعَصْرِ ٥ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ٥ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوْا

الصّٰلِحٰتِ " (العصر آیت ا۔۲۔۳)

''عصر کے وقت کی قسم کہ سارے ہی انسان گھاٹے میں ہیں۔ مگر وہ جو ایمان لائے۔ اور انہوں نے نیک عمل بھی کئے''۔

اس کی مثال اس بیج کی طرح ہے۔ جو کہ زمین میں بویا جاتا ہے۔ زمین میں پہلے تو وہ بیج بگڑتا ہے۔ اور نیست ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اور جس بیج کی پرورش مناسب طور پر ہوتی ہے۔ اور آفات سے محفوظ رہتا ہے۔ تو اس کے دس یا سو یا سات سو ہو جاتے ہیں اور جس کی پرورش درست نہیں ہوتی۔ وہ بالکل زائل ہو جاتا ہے۔ اور بیج رہتا ہے۔ نہ پھل ہی لاتا ہے۔ نیز بیج بھی مختلف اقسام کے ہوتے ہیں ان میں بعض ایسے بھی ہوتے ہیں۔ کہ جب بیج کی پرورش ہو جاتی ہے۔ تو اس کا پھل بھی بعینہ بیج کی طرح ہوتا ہے۔ جیسے گندم۔ مکئی۔ جو۔ چنے۔ مسور وغیرہ جب یہ اپنے کمال کو پہنچ جاتے ہیں۔ تو ان کا چھلکا یا مغز نہیں ہوتا۔ اور بعض بیج ایسے ہوتے ہیں۔ جو کہ بعینہ اسی طرح تو ہوتے ہیں۔ لیکن ان کا چھلکا ہوتا ہے۔ مگر بے مزہ' البتہ ان کے گودے میں لذت ہوتی ہے۔ جیسے اخروٹ' بادام وغیرہ اور ان کا بھی چھلکا تو ہوتا ہے۔ لیکن بے مزہ اور بعض بیج ایسے ہوتے ہیں۔ کہ بعینہ اسی طرح پیدا ہوتے ہیں۔ اور ان کا چھلکا مزیدار ہوتا ہے۔ لیکن گودا بے لذت ہوتا ہے۔ جیسے کھجور۔ زیتون۔ آم۔ وغیرہ ان کا چھلکا لذیذ ہوتا ہے۔ لیکن گٹھلی وغیرہ بے مزہ ہوتی ہے۔ اور بعض بیج ایسے ہیں۔ کہ بعینہ اسی طرح پیدا ہوتے ہیں۔ اور ان کا پھل بھی ہوتا ہے ان کے بیج اور پھل دونوں مفید ہوتے ہیں مثلاً شفتالو۔ انگور۔ اور انجیر وغیرہ۔ تمام اقسام کے میوہ جات ان پر چار اقسام سے باہر نہیں ہو سکتے۔

لہٰذا انسانوں کی ارواح۔ جو کہ چار گروہوں میں منقسم ہوئی ہیں۔ ان میں بھی یہی مناسبت ہے جب قالب کی زمین میں بیج بویا جاتا ہے۔ تو اس کا بھی پھل چار طرح کا ہوتا ہے۔

۱۔ کافروں کی ارواح کا بیج ہے۔ جو کہ صاحب نفس امارہ ہیں۔ جیسا کہ اوپر ذکر کر چکا ہوں۔ یہ چھلکے اور مغز کے بغیر ہوتے ہیں۔ جیسے گندم اور جو وغیرہ۔

۲۔ دوسرے ظالم مسلمانوں کی ارواح۔ جو کہ صاحب نفس لوامہ ہیں ان کا چھلکا تو ہوتا ہے۔ لیکن لذیذ نہیں ہوتا۔ جیسے اخروٹ' بادام وغیرہ۔ مگر ان کا گودا لذیذ ہوتا ہے۔

۳۔ تیسرے مقتصد مومنین کی ارواح۔ جو کہ صاحب نفس ملہمہ ہوتی ہیں۔ یہ ربانی الہامات کا چھلکا لے کر پیدا ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کا چھلکا لذیذ ہوتا ہے۔ جیسے کھجور وغیرہ۔ لیکن گودا نہیں ہوتا۔

۴۔ سابقین کی ارواح جو کہ صاحب نفس مطمئنہ ہیں۔ ان کا چھلکا اور گودا دونوں ہی لذیذ ہوتے ہیں۔ جیسے انجیر اور انگور وغیرہ۔

ان تمام کی مختصر تفصیل انشاء اللہ العزیز میں آگے چل کر بیان کروں گا۔ بہر حال اس باب میں نفس لوامہ کا مفصل حال بیان کروں گا کہ جس سے مراد

"فَمِنۡهُمۡ ظَالِمٌ لِّنَفۡسِهٖ" (فاطر' آیت ۳۲)

"بعض تو ان میں اپنی جانوں پر ظلم کرنیوالے ہیں"۔

جس طرح اللہ رب العزت نے اسی سے ابتداء کی ہے۔ اس لئے پہلے اس کی جائے بازگشت کا حال لکھوں گا۔

نفس لوامہ

واضح رہے کہ ظالم عالم ارواح میں تیسری صف والے ہیں۔ اور اس عالم میں بھی ان کا درجہ تیسرا ہے۔ اس لئے کہ وہ صاحب نفس لوامہ ہیں۔ اور قرآن مجید میں بھی ان کا درجہ تیسرا ہی ہے۔ سابق اور مقتصد کے بعد تیسرا درجہ ظالم کا ہے۔ اور یہ عام مومنین اور خاص گنہگاروں کی ارواح ہیں۔ اور ظالم کے اسم سے اس لئے موسوم ہیں۔ کہ باوجود انوار ایمان کے۔ جو کہ ان کے دل میں ہوتے ہیں۔ اور ظاہر میں اہل کفر کا سا معاملہ کرتے ہیں۔ کیونکہ ظلم کی یہ تعریف ہے کہ

"وضع الشيء في غير موضعه"

"کسی چیز کو ایسی جگہ میں رکھنا جہاں اس کا رکھنا مناسب نہ ہو"۔

نیز یہ کہ ایمانی نور کو خطاؤں کے ظلم کی تاریکی سے ڈھانپ لیتا ہے۔ اس لئے اسے ظالم کہا گیا ہے۔ اور عادل وہ شخص ہوتا ہے۔ جو کہ ایمان کے نور کو خطاؤں کے ظلم کی تاریکی سے نہ ڈھانپے۔ جیسا کہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

"اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ" (الانعام آیت ۸۲)

"ایمان والے جو اپنے ایمانوں کو ظلم سے نہیں ڈھانپتے"۔

نیز یہ اپنے نفس کے لئے ظالم اس لئے ہے۔ کہ وہ طاعت کے علاوہ خطا کرتا ہے۔ اور جب قیامت کے دن اس کی خطاؤں کا پلڑا جس قدر اس کی طاعتوں کے پلڑے سے بھاری

ہوگا اسی قدر وہ دوزخ کا مستحق ہوگا۔ کیونکہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے!

"فَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُهٗ○فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ" (القارعہ پارہ ۳۰)

"جس شخص کی نیکیوں کا پلڑا ہلکا ہوگا پس اس کے لئے دوزخ ہے"۔

اور حقیقت میں ہے بھی اسی طرح کہ دوسری مرتبہ کے مقبولین کی ہر ایک صف تین طرح کی ہوتی ہے۔ کچھ دائیں والے۔ کچھ بائیں والے اور کچھ درمیان والے۔ جیسا کہ اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے! کہ :

وَ كُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ○ فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ مَا اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ○ وَاَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ مَا اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ○ وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ○ اُوْلٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ○ (سورہ واقعہ آیت ۷ تا ۱۱)

"تم تین گروہ تھے۔ کچھ دائیں والے سو دائیں والوں کا کیا کہنا۔ کچھ بائیں والے اور کچھ سابق سو یہی مقرب ہیں"۔

دائیں جانب والے

ہر ایک صف میں اس صف کے مناسب دائیں بائیں والے اور سابق ہوتے ہیں۔ دائیں والے وہ اشخاص ہوتے ہیں۔ کہ جب ان کی روحانیت کے بیج کا تعلق قالب کی زمین سے ہوا۔ اگرچہ ان کی پرورش بدرجۂ کمال نہ ہوئی کہ ایک سو سے لے کر سات سو ہو جاتے اور وہ قالب کی زمین میں صفات بشری کے تصرف میں بند نہیں ہوئے۔ اور نہ ہی بوسیدہ ہو گئے۔ ان سے درخت تو پیدا ہوتا ہے۔ اور وہ تہمتی مقام میں بھی پہنچ جاتا ہے۔ اس صورت میں اگر زیادہ نہیں ہوتا۔ تو اس میں نقصان بھی نہیں آ جاتا۔ اس گروہ پر ملکی صفت غالب ہوتی ہے۔ یہ لوگ اہل طاعت ہوتے ہیں۔ ان کا میلان طبع گناہ کیطرف بہت کم ہوتا ہے۔ اور یہ لوگ صاحب نجات بھی ہوتے ہیں۔ لہٰذا دائیں جانب والے جنت کی راہ لیتے ہیں۔ یعنی پھر اپنی روحانیت کے مقام میں بے توقف پہنچ جاتے ہیں۔

بائیں جانب والے

بائیں جانب والے وہ اشخاص ہیں۔ کہ جنہوں نے روحانیت کے بیج کو نقصان پہنچایا ہے۔ اگرچہ بیج بالکل بیکار تو نہیں ہو گیا۔ لیکن پھر بھی صفات بشری کے معاملات کے تصرف سے اس میں خلل اور نقصان آ گیا ہے۔ ان لوگوں کا میلان طبع زیادہ تر گناہوں کی طرف ہوتا ہے جس کی وجہ سے ان کو بائیں طرف دوزخ میں دھکیل دیا جاتا ہے۔ اور اس نقصان کے مطابق ان کو درجات کی کمی دے دی جاتی ہے۔ تاکہ ان سے وہ آلائش دور ہو جائے۔ اور پھر اپنے معلومہ مقام پر آ جائیں۔

درمیان والے

درمیان والے وہ لوگ ہیں۔ جو کہ سابق ہیں۔ اور جنہوں نے روحانیت کے بیج کی پرورش کی۔ اور اسے بدرجۂ کمال پہنچا دیا ہے۔ بلکہ یہاں تک کہ سویا سات سو تک پہنچا دیا ہے۔ ان کی بھی دو اقسام ہیں۔ ایک وہ جن پر ابتداء سے لے کر انتہا تک روحانی صفات غالب رہی ہیں۔ اور کبھی بھی گنہگاری کی آفت میں ملوث نہیں ہوئے۔ اور سابقین کے لئے ہماری طرف سے نیکی ہے۔ اور وہ لوگ اس سے دور رہیں گے۔ جیسا کہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

"اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤى اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ٥"

(الانبیاء: آیت ۱۰۱)

"جن کے لئے ہماری طرف سے بھلائی مقدر ہو چکی ہے وہ (اس دوزخ) سے (اس قدر) دور کئے جائیں گے"۔

کے مطابق نفس کی موافقت اور حرص کی تابعداری سے دور رہے ہیں۔

جبکہ دوسرے وہ لوگ ہیں۔ کہ جنہوں نے ابتداء میں تو نفس کی مراد کے موافق کارروائی کی ہے۔ اور طبیعت کی خواہش کے موافق کچھ عرصہ گزارا ہے۔ اور پھر جذبہ الٰہی اور

عنایت کی کمند سے حیوانی مراتب اور ڈھورڈنگروں کی چراگاہوں سے منہ پھیر لیا ہے۔ اور شریعت کی اکسیر سے طبیعت کے تانبے کے سے معاملات کو عبودیت کا خالص سونا بنا لیا ہے۔ کیونکہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے۔

''اُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنَاتٍ '' (الفرقان آیت ۷۰)

''یہ وہی لوگ ہیں جن کی برائیاں اللہ تعالیٰ نیکیوں سے بدل ڈالے گا''۔

ان دونوں گروہوں کو زندگی میں اختیار سے سلوک کے مطابق اپنے مقام کی طرف واپس جانا حاصل ہوتا ہے۔ اور ان کو سابق اس لئے بھی کہتے ہیں۔ کہ وہ دائیں اور بائیں والوں سے اس بات میں سبقت لے گئے ہیں۔ کہ وہ تو موت کے بعد اپنے مقام کو پہنچ جاتے ہیں۔ اور جبکہ یہ زندگی کی حالت میں ہی پہنچ جاتے ہیں۔ جیسا کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا! کہ

''سیروا سبق المفردون''

''مفرد لوگوں کی سبقت کا مطالعہ کرو''۔

لیکن نفس لوامہ والے۔ جو کہ تیسری صف والے ہیں۔ اصحاب یمین (دائیں والے) کہلاتے ہیں۔ ان کی بندگی ان نافرمانیوں پر غالب ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے یہ لوگ اہل نجات ہوتے ہیں۔ کیونکہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

''فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ۝ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۝'' (القارعۃ آیت ۶۔۷)

''جس کا نیکیوں کا پلڑا بھاری ہوگا وہ حسب منشاء زندگی بسر کرے گا''۔

اور جو بائیں والے ہیں ان کی نافرمانیاں ان کی طاعت پر غالب ہوتی ہیں جس طرح انہوں نے دنیا میں حرص و ہوا کی تابعداری کی۔ اسی طرح ان کا مقام بھی ''ھاویہ'' ہوگا۔ وہ اس لئے کہ جب اللہ رب العزت نے دل کو پیدا فرمایا۔ تو عقل کو اس کے دائیں جانب رکھا اور حرص و ہوا کو بائیں جانب رکھا اور عشق کو اس کے سامنے رکھا۔ اس لئے جنہوں نے عقل کی پیروی کی۔ وہ صاحب یمین کہلائے۔ اور جنہوں نے حرص و ہوا کی متابعت کی وہ

صاحب شمال کہلائے۔ اور جنہوں نے عشق کی متابعت کی۔ انہوں نے سابق کہلایا۔

پس عقل عاقل کو ''معقول'' تک پہنچا دیتی ہے۔ اور حرص ہوا۔ حرص و ہوا والے کو ''ہاویہ'' میں پہنچا دیتی ہے۔ اور عشق عاشق کو ''معشوق'' تک پہنچا دیتا ہے۔ اور جو دنیا میں حرص و ہوا کی پیروی کرتا ہے۔ جیسا کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ

''کما تعیشون تموتون' کما تموتون تحشرون''

''جس طرح تم زندگی بسر کرو گے۔ اسی طرح تم مرو گے اور اسی طرح تمہارا حشر بھی ہوگا''۔

کے مطابق ''ھاویہ'' میں دھکیلا جائے گا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں وارد ہے کہ

''فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ'' (القارعہ' پارہ ۳۰)

''یعنی اس کی ماں ھاویہ ہے''۔

لہٰذا اس سے اس بات کی طرف واضح اشارہ ہے۔ کہ وہ نفس ''لوامہ'' کے وجود میں بند ہے۔ اور اس جہان میں اس نے اپنے تئیں سے کچھ نہیں جنا۔ ہاں البتہ ایمان کے طفل سے حاملہ ضرور ہے۔ اور اگر جنتا۔ تو صفات حیوانی اور سبعی کے رحم سے نکلتا اور ''ھاویہ'' سے خلاصی پا جاتا۔ لیکن چونکہ وہ حاملہ تھا۔ اور یہاں نہ جنا اس لئے ''ھاویہ'' میں اس قدر رہے گا کہ آگ اس سے حرص و ہوا اور صفات حیوانی۔ سبعی اور شیطانی وغیرہ کی آلائش کو دور کر دے۔ اور چونکہ طفل ایمان ہے۔ وہ دل کے رحم میں ''ھاویہ'' کی ماں سے پیدا ہوا اور جنت کا حق حاصل کرے۔ جیسا کہ

''یخرج من النار فی قلبه مثقال ذرة من الایمان''

''آگ سے وہ شخص بھی نکالا جائیگا جس کے دل میں ذرہ بھر بھی ایمان ہوگا''۔

بہرحال اس شخص کی مثال اخروٹ کی سی ہے۔ کہ اس میں ایمانی مغز تو ہے۔ لیکن ایمان خالص کا کڑوا چھلکا اس پر چپکا ہوا ہے۔ لہٰذا چھلکے پر چند چوٹیں لگا کر بیچ میں سے مغز

نکال کر چھلکے کو جلا دیتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے کہ

"کُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَیْرَهَا" (النساء آیت ۵۶)

''جب ان کے چمڑے پک جاتے ہیں۔ تو ان کو اور چمڑے دے دیئے جاتے ہیں''۔

اور مغز کو لطائف الٰہی کے میووں کے پتوں میں لپیٹ کر جنت کے صحن میں رکھا جاتا ہے۔ اور پھر

"عَلٰی صَدْرٍ مُّتَقَابِلِیْنَ"

کے دستر خوان پر لایا جاتا ہے۔ اور یہ ان لوگوں کا حال ہے۔ کہ جن کے حق میں اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

"وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا یُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا یَتُوْبُ عَلَیْهِمْ"

(التوبہ آیت ۱۰۶)

''اور کچھ لوگ اور ہیں۔ کہ حکم الٰہی کے انتظار میں ان کا معاملہ ملتوی ہے۔ اس (اللہ تعالیٰ) کو اختیار کہ یا تو ان کو عذاب دے یا ان کی توبہ قبول کرے''۔

اور اگر فضل الٰہی اور تائید آسمانی مرنے سے پہلے یکدم بھی پہنچ جائے۔ تو اپنے الطاف کی خوشبو دار ہوا اس کی جان کے دماغ میں پہنچا دیتی ہے۔ یہاں تک کہ اس کے شکستہ دل اور خستہ جان سے یہ آواز نکلتی ہے کہ

باد آمد و بوئے زلف جاناں آورد
دیں عشق کہن ناشدہ ما نو کرد
اے باد! تو بوئے آشنائی داری
زنہار بگرد ہیچ بیگانہ نہ گرد (رباعی)

تو فوراً اس کے وجود میں درد پیدا ہوتا ہے۔ اور اس کے معاملات کے خرمن میں ندامت کی آگ لگ اٹھتی ہے۔ اور اس آگ سے ایک گھڑی بھر میں اس سے وہ چیز جل

جاتی ہے۔ جو کہ دوزخ کی آگ بہت سے سالوں میں بھی نہیں جلا سکتی ہے۔ اور پھر اسے حرص و ہوا کی ماں کے رحم سے جو کہ ''ھاویہ'' صفت تھی' پیدا کیا۔ کیونکہ ندامت بھی بمنزلہ توبہ کے ہوتی ہے۔ اور وہ نصوحی توبہ اسے ایک دم میں ایسا پاک کر دیتی ہے۔ کہ گویا اس آلودگی سے کبھی آلودہ ہی نہیں ہوا تھا جیسا کہ

"التائب من الذنب كمن لا ذنب له"

''جو شخص گناہ سے توبہ کرتا ہے وہ ایسے شخص کی طرح ہو جاتا ہے۔ کہ جس نے کوئی گناہ نہ کیا ہو''۔

لہٰذا اس میں دوزخ کا حصہ نہیں رہتا اور اسے دوزخ کے دروازہ پر لے جایا جاتا ہے۔ تو دروازے سے فریاد آتی ہے کہ

"جر يامومن فان نورك اطفاء لهبي"

''اے مومن! جا چلا جا۔ کیونکہ تیرا نور میرے شعلوں کو بجھاتا ہے''۔

یہ کیا اشارہ ہے؟ کیونکہ حقیقت میں انسان کے اندر ہی ہے۔ اور وہ ''امارہ'' بہت بری صفات ہیں۔ کہ جن سے دوزخ کے درجات ملتے ہیں۔ اور جب اس پر عنایات الٰہی کی نسیم چلتی ہے۔ تو حرص۔ غضب۔ شہوت۔ بخل اور خود پسندی کی آگ بجھ جاتی ہے۔ اور توبہ کا نور۔ جو کہ صفات توابی کے انوار میں سے کا ایک نور ہے۔ دل میں قرار پکڑتا ہے۔ اور وجود بشریٰ کے دوزخ سے فریاد نکلتی ہے کہ

"جر ياتائب" ''اے توبہ کرنے والے جا''۔

کہ اب تو اللہ رب العزت کا محبوب ہو گیا ہے۔ کیونکہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

"اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ" (بقرہ آیت ۲۲۲)

''بے شک! اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے''۔

جبکہ محبوبین کی تاب تو آٹھوں جنتیں بھی نہیں لا سکتیں اور یہ تنگ حوصلہ دوزخ ان کی کیا تاب لائے گا۔

نفس ''لوامہ'' اگرچہ عالم ارواح کی تیسری صف میں پڑا ہوا تھا۔ لیکن مجلس انس میں ''وسقیھم ربھم'' کا ساقی اور پہلی صف والے خواص اولیائے کرام اور انبیاء علیہم السلام کی ارواح کو فیضان الٰہی کی پاکیزہ شراب کے جام بھر بھر کر دے رہا تھا۔ اور وہ مشاہدۂ جمال صمدی پر نوش کر رہے تھے کہ اس شراب کا ایک گھونٹ دوسری صف والوں کی ارواح کو بھی مل گیا۔ جیسا کہ

''شربنا واھر قنا علی الارض سورنا و للارض من کاس الکرام نصیب''

''ہم نے پی اور زمین پر اپنی ضیافت سے گرائی اور البتہ بڑے آدمیوں کے پیالوں سے کچھ حصہ زمین کو بھی ملتا ہے''۔

لہٰذا اس گھونٹ کی خوشبو تیسری صف والوں نے بھی سونگھی۔ جو کہ اس شراب کی تیزی سے مست ہو گئے۔

اور جب اس جہان میں آئے تو پھر اسی خوشبو کے لالچ میں دنیاوی شراب خانوں میں گئے۔ اور اسی خوشبو کی امید پر مٹکے کا ذائقہ چکھا اور جب کسی مٹکے سے بھی وہ ذائقہ نہ پایا۔ تو پھر طاعت کی طرف جھکے۔ یہاں سے کچھ خوشبو حاصل ہوئی اور اسی خوشبو سے میری (راقم الحروف) مراد ایمان ہے۔ لہٰذا اب ایمانی نور نے نہ چاہا کہ وہ دنیاوی شہوتوں سے یکبارگی میں ہی مست ہو جائیں اور لذات سے آرام حاصل کریں۔ جیسا کہ دوسرے بے خبر۔ جو کہ دنیا کی واہیات باتوں اور یاوہ گوئیوں میں مغرور ہیں۔ اور اپنی زندگی پر تکبر کرتے ہیں۔ اور اسی پنج روزہ زندگی پر راضی ہو بیٹھے ہیں۔ اور دھوکہ دینے والی فانی نعمتوں میں آرام کئے ہوئے ہیں۔ جیسا کہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

"رَضُوۡا بِالۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَاطۡمَاَنُّوۡبِھَا" (یونس آیت ۷)

"دنیاوی زندگی پر راضی ہو گئے ہیں۔ اور اسی پر مطمئن ہیں"۔

اور کبھی نفسانی مرادوں کا جام پیتے ہیں اور طاعت روحانی کے خم خانہ سے پیالہ لیتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

"خَلَطُوۡا عَمَلاً صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَیِّئًا" (التوبہ ۱۰۲)

"انہوں نے نیک و بد اعمال کو گڈ مڈ کر دیا"۔

لہٰذا جس وقت دنیاوی شہوتوں کے خم خانہ سے جام پیتے۔ تو نفس "لوامہ" ملامت کا جوشن پہن لیتا اور اس شراب کا خمار اسے دنیاوی کاموں سے نفرت دلاتا۔ تو وہ آخرت کے کاموں میں مشغول ہوتا ہے۔ پھر یہاں تک کہ عنایات بے علت کمال مہربانی سے جیسا کہ

"عَسَی اللّٰہُ اَنۡ یَّتُوۡبَ عَلَیۡھِمۡ" (التوبہ ۱۰۲)

"ممکن ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کر لے"۔

کے مطابق مدد کے لئے زیادہ ہوتی ہے۔ اور اس کی عمر کے معاملات کی نقدی کو توبہ کی کٹھالی میں رکھ کر پھر شوق کی آگ میں رکھتی ہے۔ اور صرف ایک جوہر کیمیائے محبت اس پر ڈال کر سب کو محبوبیت کا خالص سونا بنا دیتی ہے۔ کیونکہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

"اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیۡنَ وَیُحِبُّ الۡمُطَھِّرِیۡنَ" (البقرۃ ۲۲۲)

"بے شک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں اور پاکیزہ لوگوں کو پیار کرتا ہے"۔

پھر اس مقام پر پہنچ کر نفس "لوامہ" حضرت خداوندی کی قسم کا مقام بنتا ہے۔ کیونکہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

"لَا اُقۡسِمُ بِیَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ ؕ وَلَا اُقۡسِمُ بِالنَّفۡسِ اللَّوَّامَۃِ ؕ" (القیمۃ، پہلی آیت)

"ہم روز قیامت کی قسم کھاتے ہیں۔ اور قسم کھاتا ہوں ایسے نفس کی جو اپنے اوپر ملامت کرے"۔

نفسِ ملہمہ

القرآن: كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ○ (بقرۃ:۲۸)

ترجمہ: تم کس طرح اللہ تعالیٰ کی ناشکرگزاری کرتے ہو حالانکہ تم مردے تھے۔ پس اس نے تمہیں زندہ کیا۔ پھر وہ مارے گا۔ اور پھر زندہ کرے گا۔ اور پھر تم اس کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔

الحدیث: "مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا"

ترجمہ: "مرنے سے پہلے مر جاؤ"۔

واضح رہے کہ ملہمہ وہ نفس ہے۔ کہ جسے الہامات حسن کا شرف حاصل ہو۔ اور اسے قسم الٰہی کا مرتبہ بھی حاصل ہو۔ جیسا کہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

"وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا ○ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا ○ (شمس آیت:۷۔۸)

"اور انسان اور اس کی ذات کی قسم جس نے اس کو ایسا درست بنایا۔ پھر اس کی بدکاری اور پرہیزگاری دونوں باتیں اسے سمجھا دیں"۔

اور وہ یہ ہے۔ کہ وہ عالم ارواح میں دوسری صف میں تھا۔ جیسا کہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

"فَمِنۡهُمۡ ظَالِمٌ لِّنَفۡسِهٖ ج وَمِنۡهُمۡ مُّقۡتَصِدٌ" (فاطر، آیت ۳۲)

"بعض ان میں سے اپنی جان کے لئے ظالم ہیں۔ اور میانہ رو"۔

مقتصد کا نام اس لئے رکھا گیا ہے۔ کہ وہ دونوں عالموں کا متوسط ہے وہ نہ تو سابقین کے عالم میں ہے۔ جو کہ پہلی صف والے ہیں۔ اور نہ ظالمین کے عالم میں۔ جو کہ تیسری صف والے ہیں، اور وہ عام اولیائے کرام اور خواص مومنین کے نفوس ہیں۔ اور الہام الٰہی کا شرف انہیں۔ اس لئے حاصل ہے۔ کہ عالم ارواح میں ان کے اور حضرت حق کے درمیان انبیاء علیہم السلام اور خواص اولیائے کرام کی ارواح کا وسیلہ تھا۔ اور فیض ربانی کی جو امداد پہلی صف والی ارواح کو پہنچتی تھی اس کا پرتو دوسری صف والوں کو بھی پہنچتا تھا۔ اور ان الطاف الٰہی میں سے انہیں بھی حصہ ملتا تھا۔ اور مخاطبات الٰہی کا ذوق پردے پیچھے سے انہیں حاصل تھا۔ اور جب اس عالم میں آئے۔ تو اگرچہ وہ نفس "امارگی" کی صفت میں مبتلا ہوئے۔ لیکن پھر بھی فیض الٰہی کا ذوق ان کی جان سے نہ گیا۔ اور "الست بربکم" کے سننے کی لذت ابھی تک ان کے دلی کانوں میں باقی تھی۔ بلکہ اس شوق کے اثر کی وجہ سے جو کہ ان کی روحانیت کے بیج میں تھا۔ لہٰذا انہوں نے فانی جہان میں دل نہ لگایا اور طبیعت کے "اسفل السافلین" سے عبودیت کے اعلیٰ علیین کے کنگرے کا رخ کیا۔ جیسا کہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

"قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَكّٰهَا" (الشمس، آیت ۹)

"جس نے اسکو پاکیزہ بنایا اس کو فلاحت حاصل ہوئی"۔

کے مطابق نفس کو پاکیزہ بنانے کی کوشش کی۔ اور اس بیج کی تربیت شریعت کے مطابق اعمال صالحہ کے پانی سے کی۔ اور قوت طریقت سے اسے تقویت دی کہ جس تربیت کا اثر "امارہ" صفت کے بیج میں ظاہر ہوا اور شریعت کا نور نفس کی تاریکی پر حملہ آور ہوا اور اس بیج کو جسے ہم نے دانۂ خرما سے نسبت دی ہے۔ اپنی فصل پر ہلایا اور سبزے نے سر

نکالا۔ لہٰذا جب اپنی قید اور حجاب سے تھوڑی سی رہائی پائی اور وجود کے قید خانے کی کھڑکی ہوائے عبودیت کی فضا کی طرف کھلی دیکھی۔ تو اپنے تئیں دانے کے وجود میں محبوس رہنے پر ملامت کی۔ اور کہنے لگا کہ جب تو تربیتیہ اور تزکیہ سے اس وجود سے خلاصی پا سکتا ہے۔ اور فلاح حاصل کر سکتا ہے۔ تو پھر دیر کس چیز کی۔ کیونکر ہمت نہیں باندھتا اور لئیموں کی طرح اس گہرائی اور کمی پر راضی ہے اس کو اس مقام میں ''نفس لوامہ'' کہتے ہیں۔ لہٰذا جب وہ اپنی ملامت سے اٹھتا ہے۔ تو پھر عنایات کی تاثیر پہلے اسے بندگی کے کام میں ہر گھڑی جرات دلاتی ہے۔ اور اس کے شوق و محبت کو زیادہ سے زیادہ کرتی رہتی ہے۔ اور شوق کے غلبات اور ذوق کی رغبتوں سے وہ مجاہدے کی کثرت اور معاملے کی تیزی میں زیادہ کوشش کرتا ہے۔ اور جو کام فرمان الٰہی کے قانون کے مطابق کرتا ہے اس سے ایک خاص قسم کا نور پیدا ہو کر اس کے ایمان کو تقویت پہنچاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

''لِيَزْدَادُوٓا اِيمَانًا مَّعَ اِيمَانِهِمْ'' (الفتح، آیت ۴)

''تا کہ ان کا ایمان اور زیادہ ہو جائے''۔

اور عبودیت کا پودا ہر روز نئی طراوت حاصل کر کے عالم سفلی سے عالم علوی کی طرف ترقی کرتا ہے۔ یہاں تک کہ یہ سارے کا سارا دانہ سے نکل آتا ہے۔ کیونکہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

''وَكُنتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ'' (بقرہ، آیت ۲۸)

''تم مردے تھے۔ پس تمہیں زندہ کیا''۔

یعنی دانہ مردہ تھا جب اس سے سبزہ پیدا ہوا۔ تو گویا وہ زندہ ہو گیا۔

''ثُمَّ يُمِيتُكُمْ'' ''پھر تمہیں مار ڈالے گا''۔

یعنی دوسری مرتبہ دانہ پردے میں بالکل محو ہو جاتا ہے۔ اللہ رب العزت پھر فرماتا ہے

کہ

"ثُمَّ یُحۡیِیۡکُمۡ"

"پھر تمہیں زندہ کرے گا"۔

یعنی دوسری مرتبہ اس دانے کو شگوفے کے لباس میں درخت سے پیدا کرے گا۔ اگرچہ وہ درخت میں مٹ چکا تھا۔ اور مردہ ہوگیا تھا۔ پھر دوسری مرتبہ شاخ پر لگ کر زندہ ہوگیا۔ اور شاخ کی قبر سے سر نکالا اور شگوفے کا کفن پہن لیا۔

لہٰذا نفس اس حال میں اپنے اصلی مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ جبکہ شگوفے کی طرح عبودیت کے درخت پر لگ جاتا ہے۔ لیکن چونکہ پھل کی طرح اپنے کمال کو نہیں پہنچا۔ اس لئے ایک قدم ابھی پھل پیدا ہونے کے مقام میں باقی رہتا ہے اس دوران اس بات کا ڈر ہوتا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں وارد ہے کہ

"فَجَعَلۡنَاہُ ھَبَآءً مَّنۡثُوۡرًا" (الفرقان' آیت ۲۳)

"پس ہم نے اسے ملیا میٹ کر دیا"۔

کی تند ہوائیں یا سردی کا کورا اسے نقصان نہ پہنچائے۔ لہٰذا اسے اس مقام میں اس بات کا استحقاق حاصل ہوجاتا ہے۔ کہ وہ اپنا نفع یا نقصان مشاہدہ کرتا ہے۔ اور ہمیشہ ڈرتا اور کانپتا رہتا ہے۔ اور الہامات ربانی کی مدد اسے لاحق ہوکر اس کی پرہیزگاری اور بدکاری اس پر عیاں کرتی رہتی ہے۔ اس حالت میں وہ بہت بڑے خطرے میں ہوتا ہے وہ اس لئے کہ اس پر مخلصی ہے یعنی دانے اور درخت کی قید سے اسے خلاصی حاصل ہوتی ہے۔ اور اخلاص کی شاخ پر ہوتا ہے جیسا کہ

"والمخلصون علی خطر عظیم"

"اور مخلص لوگ بڑے بھاری خطرے میں ہوتے ہیں"۔

لہٰذا اس سے پیشتر جبکہ درخت میں بند تھا۔ حقیقت میں یہ دانہ کے اندر قید تھا۔ کہ ہوا یا

سردی سے زائل ہو جائے گا۔ لیکن اب چونکہ درخت کے رحم سے نکل چکا ہے۔ اور شگوفے کی نازک جھلیوں میں لپٹا ہوا ہے۔ تو اس کی حالت نئے پیدا شدہ بچے کی سی ہے۔ اور تھوڑی سی تکلیف سے وہ زائل ہو سکتا ہے۔ اور اگر اس کے احوال کی نگہبانی شرائط کے مطابق نہ کی جائے۔ تو نفس کو اس مقام میں الہامات حق کا جو ذوق حاصل ہوا ہے۔ اور عالم غیب سے آشنائی حاصل ہوئی ہے اسے اِس بات کا سخت ڈر ہے۔ کہ وسوسۂ شیطانی کی ہوا یا نفسانی خود پسندی کی سردی کے سبب عبودیت کے درخت سے بلعم کی طرح گر نہ پڑے۔ اللہ رب العزت نے اس حالت میں تاکید کے لئے پندرہ قسمیں کھائی ہیں۔ تاکہ سالک غفلت نہ کر جائے۔

اور فرمایا ہے۔ کہ اگر نفس کی پرورش کریں۔ تو اس مقام میں فلاح حاصل ہوتی ہے یعنی ملہمگی کے شگوفے سے مطمئنگی کے پھل کو پہنچ جاتے ہیں۔ اور اگر تربیت سے محروم رہ جائے۔ تو نقصان میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ اور شگوفے کی حالت میں کملا کر ناچیز ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

"قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ○ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ○" (الشمس آیت۹)

"جس نے اسے پاکیزہ بنایا۔ اس نے فلاح حاصل کی۔ اور جس نے اسے ردّی کر دیا اس نے نقصان اٹھایا"۔

قرآن مجید میں کسی بھی مقام پر اس قدر قسمیں اکٹھی نہیں اٹھائی یا کھائی گئیں۔ اس میں یہ بھید ہے۔ کہ مخلوقات میں سے کوئی چیز شریف نہیں ہے۔ لہٰذا جب یہ اپنے کمال کو پہنچ جاتا ہے۔ تو اشرف المخلوقات ہو جاتا ہے۔ اور نفس کے لئے جو خطرہ مقام ملہمگی میں ہے وہ اور کسی مقام پر نہیں ہے۔ کیونکہ ابھی تک اس نے اپنے تئیں سے پورے طور پر خلاصی نہیں پائی اور الہامات غیبی کا ذوق پا کر اس پر مغرور ہو سکتا ہے۔ جو کہ مقام کمال کا مکر ہے۔ لہٰذا خطرہ ہے۔ کہ شاید شیطان کے دھوکے یا نفس کے فریب میں آ جائے۔ اور پھر خود پسندی

اختیار کر کے اپنی بزرگی اور نیکی کا خیال کرے اور ابلیس وقت بن کر لعنت کی تند ہوا سے شگوفے کی طرح قبولیت کی شاخ سے خواری کی خاک پر گر پڑے اور نفس کو اس مقام میں بعد اس کے کہ جب وہ پہلے درخت کی طرح دانہ سے پیدا ہوا۔ درخت میں بند تھا۔ اور پھر دوسری مرتبہ شگوفے کی طرح درخت سے پیدا ہوا اور پیدائش کی ٹہنی پر لگا۔ اور الہامات الٰہی کا ذوق پایا اور دوسری مرتبہ بھی شگوفے سے پیدا ہونا چاہئے۔ تاکہ پھل بن سکے اور پھر پھل کی حالت میں پکنے کے کمال کو پہنچ جائے۔ تاکہ اس کا مقام کامل ہو جائے وہ اس لئے کہ ہر ایک مقام میں نفس کے لئے ابتداء بھی ہوتی ہے۔ اور انجام بھی ہوتا ہے۔

مقام ملہمگی میں اس کی ابتدا یہ ہے۔ کہ اپنے تئیں الہامات الٰہی کا ذوق پائے۔ اور ہر بدکاری یا نیکی کا بھید معلوم کرے۔ تاکہ حق کو باطل سے تمیز کر سکے اور سچ جھوٹ میں فرق کر سکے۔ حق کی پیروی کرے اور باطل سے کنارہ کشی اختیار کرے۔ کیونکہ حضور اقدس ﷺ بھی اس مقام میں یہ دعا فرمایا کرتے تھے کہ

"اللھم ارنا الحق حقاً وارزقنا اتباع وارنا الباطل باطلًا وارزقنا اجتنابه"

"اے پروردگار! ہمیں ٹھیک حق دکھا اور اس کی تابعداری ہمارے نصیب میں کر اور جھوٹ بھی ہم پر ظاہر کر دے۔ اور اس سے کنارہ کشی ہمارے نصیب میں کر دے"۔

لہٰذا شروع میں سچ جھوٹ میں تمیز کرتا ہے۔ اور انجام کار حق کی پیروی کی توفیق اور باطل سے کنارہ کشی کی قوت طلب کرنا اور یہ بات صفات ذمیمہ سے نفس کو مارنا اور صفات حمیدہ سے دل کو زندہ کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ کہ حدیث شریف ہے! کہ

"مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا"

"مرنے سے پہلے مر جاؤ"۔

اس مقام میں صادق مرید کے لئے سماع حلال ہے۔ اور اس کی کئی وجوہات ہوتی ہیں۔

۱۔ ایک تو یہ ہے۔ کہ جب نفس بری صفات سے مر جاتا ہے۔ تو اس کے عرس کا سماع کرنا چاہئے۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ جب صوفیائے کرام کا کوئی عزیز انتقال کر جاتا ہے۔ تو اس کے عرس پر سماع کرتے ہیں۔

۲۔ دل کو مبارکباد دینے کے لئے کہ معانی غیب سے اس کا نکاح ہوا ہے۔ اور صفاتِ حمیدہ سے اس کا عقد ہوا ہے۔ اور نکاح کے اعلان میں سماع سنت ہے۔ کیونکہ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ

"اعلوا النکاح ولو بضرب دف"

''نکاح کا اعلان کردو۔ خواہ دف سے ہی کیوں نہ کرنا پڑے''۔

۳۔ جب نفس کو حق بین آنکھ اور حق سننے والے کان حاصل ہو جاتے ہیں۔ اور الہامات کا ذوق حاصل کرنا ہے۔ تو پھر کسی مناسبت سے وہ الہامات غیب کا ذوق حاصل کر سکتا ہے۔ اور اس کی جنبش حق کی طرف ہوتی ہے۔ جیسا کہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

''اَلَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ'' (الزمر آیت:۱۸)

''وہ لوگ ہیں جو بات کو سن لیتے ہیں۔ اور جو اس بات کی خوبی ہو اس کی پیروی کرتے ہیں''۔

پس جو قول قوال سے سنتا ہے اسے عمدہ آواز اور موزوں وزن میں سن کر خطاب ''الست'' کا ذوق یاد آتا ہے۔ اور اس آواز اور وزن سے شوق کی جنبش حق کی طرف ہوتی ہے۔ لہٰذا آخر اونٹ سے کم تو نہیں۔ جو کہ ساربان کی خوش آوازی سے جو اپنے وطن مالوف اور ایسی مشہور چراگاہ کی طرف شوق سے ہلتا ہے پس اس موزوں وزن سے روحانیت کا

مرغ اپنے اصلی ٹھکانے اور گھونسلے کا قصد کرتا ہے۔ اور جب پرواز کرنا چاہتا ہے۔ تو قالب کا پنجرا جس میں مرغ روح حواس کی قید میں مقید ہے۔ مزاحمت کرتا ہے۔ چونکہ خطاب کا ذوق اس نے پالیا ہے۔ اس لئے مرغ روح آرام نہیں کرسکتا۔ گھبراتا ہے۔ اور پنجرے کو توڑ کر اپنے عالم میں جانا چاہتا ہے۔ ایک شاعر نے کیا خوب کہا ہے کہ

آں بلبل محبوس کہ نامش جان است
دستش بشکستن قفس مے نرسد

اور قالب کا پنجرا بھی گھبراتا ہے۔ کہ جس سے مراد رقص اور حالت ہے۔

رقص آں نبود کہ ہر زمان برخیزی
بے درد چو گرداز میان جرخیزی
رقص آں باشد کز دو جہاں برخیزی
دل پارہ کنی و ز سرجان برخیزی

لہٰذا جب صاحب ریاضت مرید اس حالت اور اس مقام میں ہو۔ تو اسے مناسب ہے۔ کہ کبھی کبھی ایسے سماع میں شریک ہو کہ جس میں دف اور بانسری ہو۔ لیکن شرط یہ ہے۔ کہ اپنے شیخ کی خدمت میں ہو یا کم از کم ہمدرد دوستوں کی صحبت میں اور جہاں تک ہو سکے۔ غیروں کی صحبت سے انتہائی دور رہے۔ مگر ہاں ان کی صحبت میں جانے کا کچھ ڈر بھی نہیں۔ جو کہ بہت نیاز اور اعتقاد سے حاضر ہوں اور جن کی صحبت باادب اور حرمت ہو۔ مرید کو چاہئے کہ سماع میں تکلف سے حرکت نہ کرے اور اپنے دل کو نغمات اور اشعار کے معنوں کی طرف لگائے۔ اور جو درد دل میں پیدا ہو یا جو حالت ظاہر ہو اس کے سبب حرکت نہ کرنے لگے۔ اور جہاں تک ہو سکے سماع کو دل میں پی جائے۔ اور اگر اس پر سماع غالب آجائے۔ اور بے اختیار اسے حرکت میں لائے۔ تو پھر حرکت کرنا جائز ہے۔ یاروں' دوستوں کی موافقت میں تواجد کو بھی جائز رکھا گیا ہے۔ اور جب اس رعونت سے نفس خالی

ہو۔ سماع میں بہت سے آداب کو ملحوظ رکھنا پڑتا ہے۔

سماع کے آداب

درج بالا بیان کو ساتھ ساتھ چلاتے ہوئے کہ سماع میں بہت سے آداب کو ملحوظ رکھنا پڑتا ہے یہاں پر ان کا پورا بیان کرنا ممکن نہیں ہے البتہ کچھ بیان کر دیتا ہوں۔ وہ یہ ہے۔ کہ جہاں تک ہو سکے، یاران طریقت کی حرمت میں کوشش کرے۔ تاکہ اس کی حرکات سے کسی کا دل ناراض نہ ہو جائے۔ اور سماع کو شرب کے خیال سے نہ کرے۔ معنوں کے چھپانے اور دعووں کے ترک کی کوشش کرے اور تمام الہامات میں حق کا منتظر رہے۔ اور یہاں تک کہ جو کچھ کرے الہامات کے نور سے کرے نہ کہ طبیعت کی تاریکی سے کرے اور اس مقام کے ابتداء میں اپنے احوال کی بھلائی اور برائی الہام سے معلوم کر سکتے ہیں۔ اور وسط میں اللہ رب العزت کی اشارت سے۔

الہام اور اشارت

الہام حق اور اشارت کلام میں فرق یہ ہے۔ کہ الہام ایک ایسا خطاب ہوتا ہے۔ جو کہ اللہ رب العزت کی طرف سے دل میں باذوق ہوتا ہے۔ لیکن بے شعور ہوتا ہے۔ اور اشارت ایک ایسا خطاب ہوتا ہے۔ جو کہ باذوق اور باشعور ہوتا ہے۔ لیکن رمز کے طور پر ہوتا ہے نہ کہ صریح مگر مقام ملہمگی میں نفس کلام ظاہر نہیں ہوتا البتہ مقام مطمئنگی میں نفس کلام ظاہر ہوتا ہے۔ کیونکہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

"یٰٓاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ○ ارْجِعِیٓ اِلٰی رَبِّكِ" (الفجر آیت ۲۷۔۲۸)

"اے نفس مطمئنہ! اپنے پروردگار کی طرف لوٹ آ"۔

یہ ایک صریح خطاب ہے۔ اور مقام ملہمگی کی انتہا یہ ہے۔ کہ نور حق دل میں مقام کر جائے۔ تاکہ سب کی طرف دیکھے اور وہ بھی نور حق سے دیکھے کیونکہ

"یَنظُرُ بِنُورِ اللّٰهِ" "مومن اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے"۔

جس وقت سے الہام شروع ہوتا ہے تب سے لے کر اس وقت تک نورالٰہی دل میں مقیم ہو۔ یہ خواص مومنین کا مرتبہ ہے۔ پھر اس کے بعد عام مومنین کا مرتبہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

''اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ'' (بقرۃ آیت ۲۵۷)

''جو لوگ ایمان لاتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کا دوست ہے۔ اور ان کو تاریکی سے نکال کر نور کی طرف لے آتا ہے''۔

اور بندہ جب اس مقام پر پہنچ جائے۔ تو اس گروہ کی جائے بازگشت کے کمال کو پہنچ جاتا ہے جسے مقتصد کہتے ہیں۔ اور جو عالم ارواح میں دوسری صف میں تھے اور جنہیں الطاف الٰہی کے انوار اور فیض حق ارواح انبیا علیہم السلام اور خواص اولیاء کرام کے پردوں کے پیچھے سے کھینچتا رہا۔ پس دوسری صف والوں میں سے ہر شخص میں دنیا کے اندر انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام کی متابعت کی کوشش اور طلب اسی قدر ہوتی ہے۔ کہ جس قدر اسے اس جہان میں فیض کا نور پہنچتا رہا اور جس طرح ہر صف میں نزدیک دور اور دائیں بائیں کا فرق رہا ہے۔ اسی طرح بعض ارواح بعض دیگر ارواح سے کوشش اور طلب حق میں مختلف ہیں۔ اور اسی کوشش کے مطابق پاتے ہیں۔ اور جس طرح دوسری صف میں جو روح دوسری صف کی روح کے مقابل تھی۔ لہٰذا دنیا میں بھی اسی روح یا نبی سے اسے ارادت واقع ہوتی ہے۔ اور اس کی محبت اس کے دل میں زیادہ ہوتی ہے۔ جیسا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

"الارواح جنود مجندة فما تعارف منها اتیلف وماتناکو منها اختلف"

''ارواح بمنزلہ افواج کے ہیں جس نے انہیں پہچان لیا اس نے ان سے رغبت کی۔ اور جس نے نہ پہچانا اس نے ان سے اختلاف کیا''۔

یعنی جس نے وہاں پر جسے پہچانا یا اس کے مقابل تھا یا پاس تھا۔ یہاں پر اسی قدر اس سے اس کی جان پہچان الفت اور محبت ہوتی ہے۔ اگر ظاہری طور پر اس شخص کو نہ دیکھے گا۔ تو

خواب میں ضرور دیکھے گا۔ اور اس سے مدد بھی حاصل کرے گا۔ اور مشائخ حضرات کا مرید ہونا اسی ہی مناسبت کا نتیجہ ہے۔ اور اس گروہ کو جو دوسری صف والے ہیں۔ مثال میں ہم نے انہیں کھجور کے پھل سے تشبیہہ دی تھی۔ کسی میں اگرچہ مزا اور مٹھائی ہے۔ لیکن اس کے چھلکے میں ہے اس کے دانہ یا مغز میں نہیں۔ جو کہ کچھ مزا دے سکتے میرا اس سے اس بات کا اشارہ ہے کہ اس گروہ کی جائے بازگشت اگرچہ جنت کا اعلیٰ طبقہ ہے۔ اور انبیائے کرام علیہم السلام اور خواص اولیائے کرام رضوان اللہ کے قرب و جوار میں ہوں گے۔ جیسا کہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں فرماتا ہے کہ

''فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ'' (النساء' آیت ٦٩)

''یہ ان لوگوں کے ہمراہ ہوں گے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔ اور وہ لوگ نبی' صدیق' شہداء اور صالح ہوں گے''۔

بہرحال یہ لوگ ان کے ساتھ تو ہوں گے۔ لیکن اللہ رب العزت قرآن مجید میں ایک اور جگہ فرماتا ہے! کہ

مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ (القمر' آخری آیت)

''عمدہ مقام میں قدرت والے بادشاہ کے پاس''۔

کے مقام عندیت میں ان سے نہیں ہوں گے اور حضور سید عالم ﷺ نے تمام مریدین اور محبین کیلئے اس تشریف معیت کا اثبات کیا ہے۔ کہ

''المرء مع من احب'' ''آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرے گا''۔

لیکن اختصاص اہلیت کی دولت دل جلے مسلمانوں ہی کو ملی۔ وہ ایسے کہ

''السلمان منا اهل البيت''

انشاء اللہ العزیز اس مقام کی شرح آگے صفحات میں بیان کروں گا۔

نفس مطمئنہ

القرآن: ”یٰاَیَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ ارْجِعِیْ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً“

(الفجر آیت ۲۷)

ترجمہ: اے نفس مطمئنہ! اپنے پروردگار کی طرف راضی خوشی لوٹ آ۔

الحدیث: ”جذبة من جذبات توازی عمل الثقلین“

ترجمہ: ایک جذبۂ الٰہی دونوں جہان کے عمل کے برابر ہے۔

واضح رہے کہ نفس مطمئنہ انبیائے کرام علیہم السلام اور خواص اولیائے کرام کا نفس ہے۔ جو کہ عالم ارواح میں پہلی صف میں تھے۔ اگرچہ ہر ایک نفس کو اطمینان کا ایک خاص درجہ عطا ہے۔ جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں اور وہ ہر صف کے سابقین اور دائیں بائیں والوں کو حاصل ہوتا ہے۔ اور اصل بات تو یہ ہے۔ کہ نفس ''امارگی'' کے درجے سے مطمئنگی کے مقام میں سوائے جذبات حق اور اکسیر شرع کے تصرف کے پہنچ ہی نہیں سکتا۔ جیسا کہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

”اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ“ (یوسف آیت ۵۳)

''نفس امارہ بری چیزوں کے لئے حکم کرتا ہے اس سے وہی بچتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ رحم کرے''۔

ابتداء میں تمام نفوس ''امارگی'' صفت سے موصوف ہوتے ہیں خواہ وہ نبی کا نفس ہو یا کسی ولی کا نفس ہو۔ پھر شرعی تربیت سے اطمینان کے مقام تک پہنچتا ہے جو جوہر انسانیت کی استعداد کا انتہائی مقام ہے۔ پھر یہ ''ارجعی'' کے خطاب کا مستحق ہوتا ہے۔ کیونکہ شروع میں جب ارواح کو عالم ارواح سے عالم اجساد کے ساتھ تعلق دیا گیا۔ تو ملک و ملکوت کے تمام ممالک سے اسے گزارا۔ یہاں تک کہ آسمانوں۔ ستاروں۔ عناصر۔ عالم نباتات اور عالم حیوانات وغیرہ سے گزر کر مرتبہ انسانی میں۔ جو کہ موجودات میں سب سے گھٹیل درجہ ہے۔ پہنچا۔ جیسا کہ میں اوپر مفصل طور پر بیان کر چکا ہوں۔

پھر دوسری مرتبہ ایمانی نور اور نیک اعمال کی وجہ سے اعلیٰ علیین کا رخ کرتا ہے۔ جیسا کہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں فرماتا ہے! کہ

''اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ'' (والعصر)

''مگر وہ جو ایمان لائے۔ اور جنہوں نے نیک عمل کئے۔

لیکن جب تک اسے خطاب کہ

''اِرْجِعِیْ اِلٰی رَبِّكِ'' (الفجر، آیت ۲۸)

کا ذوق حاصل نہیں کر لیتا۔ تب تک مشکل ہے۔ کہ اس میں ایمانی نور پیدا ہو جب تک کہ نیک اعمال کو شروع نہ کرے۔ لیکن نفس کو اس کا ہرگز شعور نہیں ہوتا۔ اور جو جس کو دیا جاتا ہے۔ وہ ایک ''سرّی'' خطاب جذبۂ حق کے لباس میں ہوتا ہے جو روحی سرّ کو پہنچتا ہے۔ اور نفس اس سے بوجہ صفت ''امارگی'' روگردانی کرتا ہے۔ اور ایمان کو قبول کر کے شرع پر چلتا ہے۔ جیسا کہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

''یَا نَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلَامًا'' (الانبیاء، آیت ۶۹)

''اے آگ! ٹھنڈی اور باعث سلامتی ہو جا''۔

کا خطاب آگ کے ''سرّ'' کو پہنچتا ہے۔ اور آگ کی بے شعوری سے آگ کا چہرہ جلانے والی صفت سے باز رہے گا۔ اور ٹھنڈک اور سلامتی کی صفت اس میں آ گئی۔ اس وقت سے لے کر۔ جبکہ نفس خطاب ''ارجعی'' کے تصرف سے طبیعت کے گھٹیل مقام سے پھرتا ہے۔ اس وقت تک۔ جبکہ اپنی جائے بازگشت پر پہنچتا ہے۔ اب وہاں سے واپسی میں ہے۔ پھر یہاں تک کہ خاص جائے بازگشت تک پہنچ جاتا ہے۔ اور وہ جائے بازگشت یہ ہے۔ جیسا کہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

''فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ ○ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ'' (الفجر آیت ۲۹)

''پس میرے بندوں میں داخل ہو جا اور میری جنت میں چلا آ''۔

اور یہ جنت جسے الٰہی جنت ہونے کا شرف حاصل ہے۔ دوسری جنتوں پر اس قدر شرف رکھتی ہے۔ کہ جس طرح بیت اللہ شریف کو دیگر دوسری مساجد پر فضیلت ہے۔

''یہ ایک بہت ہی بڑا بھید ہے۔ جس کے معانی ہر شخص نہیں سمجھ سکتا۔ اور نہ ہی اس اشارت کا بیان دنیا کی کسی بھی عبارت میں سما ہی سکتا ہے''۔

اور نفس کو ''امارہ'' اس لئے کہتے ہیں۔ کہ یہ قالب کا امیر ہے۔ اور امارہ مبالغے کا صیغہ ہے۔ لہٰذا امیر اور امر سے یعنی اپنی طبیعت کے موافقات اور فرمان الٰہی کی مخالفات پر نہایت بڑھ کر حکم کرنے والا اور حکمران اور دیگر تمام اعضاء پر حاکم ہے۔ یہ چاہتا ہے۔ کہ سب کے سب اس کے فرمان اور اس کی مرضی کے تابع کام کریں اور جب تک نفس فرمان الٰہی نہیں مانتا اور شرع کا فرمانبردار نہیں بنتا۔ وہ کسی بھی صورت آمارگی کی صفت سے خلاصی نہیں پا سکتا۔ کیونکہ یہ دونوں صفات ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ اور جب تک امارہ (حکمران) ہوگا۔ وہ ماموره (محکوم) نہیں ہو سکتا۔ اور جب یہ نفس امارہ محکوم ہو جاتا ہے۔ تو پھر وہ امارگی کی صفت سے خلاصی بھی پالیتا ہے۔

فلسفیوں کی غلطی

فلسفیوں کو اس مقام پر بہت بڑی غلطی واقع ہوئی ہے۔ اور انہوں نے یہ خیال کیا ہے۔ کہ امارگی نفس کے لئے حیوانی بری صفت ہے۔ پس اسی خیال کی بنا پر اخلاق کی تہذیب اور صفات کی تبدیلی کے لئے انہوں نے اس امید پر تکلیف اٹھائی کہ جس طرح بری صفات نیک صفات میں تبدیل ہوسکتی ہیں۔ اسی طرح امارگی بھی مطمئنگی میں تبدیل ہو سکتی ہے۔ لیکن انہیں یہ معلوم نہ ہوا کہ ان معاملات سے مجرد ہونے کے سبب امارگی نہیں جا سکتی۔ جب تک کہ شرع کا مامور نہ بنے۔ انہوں نے خیال کیا۔ کہ شرع تہذیب کے لئے چاہئے۔ پس انہوں نے کہا۔ جبکہ ہم تہذیب اخلاق عقلی حاصل کر سکتے ہیں۔ تو پھر ہمیں شرع اور انبیائے کرام علیہم السلام کی کیا ضرورت ہے؟

شیطان انہیں اسی وجہ سے دوزخ میں دھکیل دیتا ہے۔ کیونکہ انہوں نے حقیقی ایمان کے نور کو نہ جانا۔ کہ انہیں معلوم ہو جاتا کہ طبعی حجاب سے طبیعت کے وسیلے باہر نہیں آ سکتے۔ کیونکہ اگر کوئی شخص عقلی نظر سے ہزار سال بھی نفس کو ریاضت میں مشغول رکھے اور نفس میں ہزار طرح کی صفائی اور بینائی بھی آ جائے۔ اور صفات بشری کے بعض حجاب اٹھ بھی جائیں۔ تو بھی ان تمام سے طبعی حجاب کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔ اور حقیقی نابینائی اور کدورت زیادہ ہو جاتی ہے۔ وہ اس لئے کہ جب اس سے پیشتر اسے صفائی اور بینائی حاصل نہ تھی۔ تو اس بات کا طالب تھا۔ اور یہی خیال جمائے بیٹھا تھا۔ کہ وہ کدورت اور نابینائی میں ہے۔ اب جبکہ اسے نفس میں کچھ صفائی اور بینائی معلوم ہوتی ہے۔ تو خیال کرتا ہے کہ یہی حقیقی صفائی اور بینائی ہے۔ اس لئے وہ طلب حق سے باز رہ جاتا ہے۔ اور وہ خیال و گمان اس کے لئے بہت بڑا اور بھاری حجاب ہو جاتا ہے۔ اور حقیقی نابینائی بڑھ جاتی ہے۔ اور یہ معانی اس کے دل کے علاوہ اور کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ اور جو تائید الٰہی سے موئید ہو۔ اور اس کے سر کی آنکھ الٰہی نور سے دیکھنے والی ہو کہ

"المؤمن ينظر بنور الله"

''مومن اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے''۔

لہٰذا شریعت کے اسرار میں سے ایک یہ ہے۔ کہ درحقیقت طبیعت کے کم درجات سے شریعت کی کمند ہی سے خلاصی پا سکتے ہیں۔ کیونکہ شریعت میں جذبۂ حق ہوتا ہے۔ جبکہ طبع تاریک ہوتی ہے۔ اور شرع نور ہوتی ہے۔ لہٰذا تاریکی سے نور کی وجہ سے خلاصی پا سکتے ہیں۔ کیونکہ بزرگان دین نے بھی فرمایا ہے کہ

"وبضد ها تتبيين الاشياء "

''اپنی ضد سے چیزیں ظاہر ہوتی ہیں''۔

اور جس شخص کو شرعی نور جو کہ جذبۂ حق کی صورت اور اس کی رحمت کا سر ہے۔ امارگی کے بھنور سے خلاصی نہیں دیتا اور اسے کوئی چیز بھی خلاصی نہیں دے سکتی۔ کیونکہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

"اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ" (یوسف آیت ۵۳)

''مگر وہ جس پر میرے پروردگار نے رحم کیا''۔

اور حضور نبی کریم ﷺ سے باوجود نبوت اور رسالت کے درجۂ کمال کے کہا گیا کہ

"اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ"

''جس کو تو چاہے اس کو راہ راست پر نہیں لا سکتا''۔

تو خود اپنی طبیعت سے کسی کو طبیعت کے کنویں سے باہر نہیں نکال سکتا۔ کیونکہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

"وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ"

''لیکن اللہ تعالیٰ ہی جسے چاہتا ہے راہ راست پر لاتا ہے''۔

اللہ رب العزت فرماتا ہے۔ کہ ہماری ہدایت کا نور۔ جو کہ جذبہ کی حقیقت ہے وہی اہل طبع کو طبیعت کے ادنیٰ درجے سے قربت کے اعلیٰ ترین درجہ پر لے جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشادفرماتا ہے! کہ

''اِرْجِعِیْ اِلٰی رَبِّكِ'' (الفجر آیت ۲۸)

''اپنے پروردگار کی طرف لوٹ آ''۔

اور اس حالت میں جب کہ نفس کو اس کی اصلی جائے بازگشت کی طرف واپس بلاتے ہیں۔ اور اسے تمام مختلف عوالم پر سے گزرنا پڑتا ہے جن سے کہ وہ ابتداء میں گزر آیا تھا۔ اور چاہیئے بھی ایسا ہی۔ کیونکہ اس آمدورفت میں یہ حکمت ہے۔ کہ تین سو ساٹھ مختلف عوالم حق کو دیکھتا ہے۔ اور ہر عالم میں جو بھی خزانہ مخفی رکھا گیا ہے۔ اسے بھی لیتا جاتا ہے۔ اور جو بھید اس میں رکھا گیا ہے وہ بھی جان لیتا ہے۔ جیسا کہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشادفرماتا ہے! کہ

''وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا'' (بقرۃ آیت ۳۱)

''اور ان سب کے نام آدم (علیہ السلام) کو سکھلا دیئے''۔

کیونکہ روحانیت کی ابتداء میں یہ عالم کلیات تھا نہ کہ عالم جزئیات اور عالم غیب تھا نہ کہ عالم شہادت۔ لہٰذا جب اس جہان میں آیا اور اپنی پرورش اور روش کی داد دی تو کلیات اور جزئیات کا عالم بن گیا۔ اور ساتھ ساتھ غیب و شہادت کا بھی عالم بن گیا۔ اور آخرکار خلیفۃ اللہ ہو گیا۔ وہ اس لئے کہ عالم ارواح میں ربوبیت کی خلافت کے معاملات پر قدرت اور دسترس نہ رکھتا تھا اور یہاں پر پہنچ کر اسے قدرت اور دسترس حاصل ہوئی اور خلافت کے درجۂ کمال کو پہنچ گیا۔ اور ابتداء میں جب ان مخالف عوالم میں سے گزارا تو ہر عالم میں کچھ نہ کچھ بطور قرض لیتا گیا۔ اور اپنی طرف سے کوئی چیز گروی رکھتا گیا۔ اب واپس ہوتے

وقت جب تک قرضہ ادا کر کے اپنی چیز واپس نہیں لے لیتا۔ اسے آگے گزرنے ہی نہیں دیتے۔ جیسا کہ ایک بزرگ نے کتنا خوب فرمایا ہے کہ

گرت باید کہ کزیں قفس برہی

باز دہ دام ہفت و پنج و چہار

دنیاوی منازل میں آخری اور آخرت کی منزلوں میں پہلی منزل

پہلے خاکی منزل سے قدم باہر رکھنا چاہئے۔ اور یہ دنیا کی آخری منزل ہے۔ اور روح اور دنیا میں تعلق ہوتے وقت پہلی منزل ہے۔ اور واپس ہوتے وقت آخرت کی پہلی منزل ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ آدمی کو قبر میں رکھتے وقت کہتے ہیں کہ

"هذا آخر منزلك من منازل الدنيا واول منزلك من منازل الآخرة"

''یہ تیرے لئے دنیاوی منزلوں میں سے آخری ہے۔ اور آخرت کی منزلوں میں سے پہلی ہے''۔

لیکن مردہ کو بحالت بے اختیاری لے جاتے ہیں۔ اور لے کر چلنے والا زندہ ہوتا ہے۔ جو سلوک کے قدموں میں صفات خاکی سے گزارتا ہے نہ کہ خاک کی صورت سے گزرتا ہے۔

جبکہ خاک کی صفات حسب ذیل ہوتی ہیں۔

تاریکی۔ کدورت۔ کثافت۔ ثقل۔ ظلمت سے نابینائی۔ کدورت سے ہر چیز کے ساتھ تعلق پیدا کرنا اور تفرقہ بھی پیدا ہوتا ہے۔ اور کثافت سے بے رحمی' بے شفقتی اور سخت دلی پیدا ہوتی ہے۔ اور ثقل سے طبع کی کمینگی۔ کمینہ پن۔ بے ہمتی۔ خواری۔ سستی اور گرانی ظاہر ہوتی ہے۔

سالک نے یہ تمام بری صفات خاک سے بطور قرض لی ہوتی ہیں۔ اور بخشش۔ مروت۔ جواں مردی۔ عالی ہمتی۔ نرمی۔ رحمت۔ شفقت۔ علم۔ یقین۔ صفا۔ صدق۔ جمعیت۔ نرم دلی۔ نورانیت اور سب کچھ یہاں گروی رکھا ہوا ہے۔ پس خاکی مقام سے اس وقت تک آگے نہیں بڑھ سکتا کہ جب تک یہ تمام واپس نہ لے لے اور تب تک اسے اپنے عالم کی راہ نہیں ملتی کہ جب تک رہن شدہ صفات کو بری صفات دے کر واپس نہ لے لے۔ لہٰذا اسی طرح تینوں عناصر یعنی پانی۔ آگ اور ہوا سے بھی دوسری بری صفات بطور قرض لی ہوتی ہیں۔ اور ہر ایک کے بدلے نیک صفت گروی رکھی گئی ہے۔ اور اسی طرح آسمانوں۔ ستاروں اور دیگر دوسرے عالموں سے بھی اسی طرح ہے۔

لہٰذا جب تک یہ تمام قرض ادا نہیں کر لیتا اور اپنی مرہونہ چیز واپس نہیں لے لیتا۔ اس وقت تک وہ اصلی ٹھکانے پر واپس نہیں آ سکتا اور جب ایسا کرنے سے اپنے اصلی ٹھکانے پر واپس آ جاتا ہے۔ تو پھر اسے سلطنت کا خلیفہ بنایا جاتا ہے۔ اور غیب و شہادت کے تمام کے تمام ممالک کا مالک کر دیا جاتا ہے۔ اور حکمرانی کی باگ اس کے ساتھ میں دے دی جاتی ہے۔ کیونکہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

"قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ" (آل عمران' آیت ۲۶)

"کہہ دے کہ اے پروردگار! تو ملک کا مالک ہے' جسے تو چاہے دے۔ اور جس سے چاہے چھین لے"۔

اور جب ملک کا مالک ہو گیا تو جو کچھ اس وقت اس نے بطور قرض لیا تھا اسے واپس دینا چاہئے۔ لہٰذا اب ملک اس کا ہو گیا۔ پھر وہ اس میں بحیثیت مالکی تصرف کرتا ہے۔ اور اللہ رب العزت کی خلافت اور نیابت میں غیب اور شہادت کے تمام عوالم کو بندگی کے کام پر لگاتا ہے۔ اور پھر توحید کی دہلیز پر اقرار کرتا ہے۔

ایک شاعر نے کتنے خوبصورت طریقے سے اس ساری کیفیت کو صرف دو اشعار میں قلم بند کیا ہے کہ

حلقہ درگوش چرخ و انجم کن
تادہندت بہ بندگی اقرار
آفرینس نثار فرق تو اند
برمچیں چوں خساں ز راہ نثار (نظم)

''یعنی جب بارگاہ الٰہی کے خواصوں میں سے ہو گیا۔ اور اس بارگاہ کا ذوق پا لیا اور پھر خلافت کی عزت دیکھی تو کہنے لگا''۔

شعر:

ویبدو والی من الصفا برق
یخبرنی بها قرب المزار

''یعنی صفائی سے میری طرف ایک بجلی سی ظاہر ہوتی ہے جو مجھے قرب مزار کی خبر دیتی ہے''۔

فلا ارحمنی الاقامة فی فلاة
فرق الفرقدین رآیت داری

''پس میں چٹیل میدان میں رہنے پر راضی نہیں ہوں اور مجھے اپنا گھر بہت فاصلے پر دکھائی دیتا ہے''۔

وکیف اکون للزید ان عبد
واربعة العناصر فی جواری

''میں اب ایک سے زیادہ کا غلام کس طرح نہ ہوں۔ بلکہ میرے قرب و جوار میں اربعہ عناصر موجود ہیں''۔

بہرحال اس راہ پر چلنے والوں کی دو اقسام ہیں۔

مقام سالک اور مجذوب

۱- سالک ۲- مجذوب

مجذوب

یہ وہ لوگ ہیں۔ کہ جنہیں جذبے کی کمند سے لے جایا جاتا ہے۔ اور ان مقامات سے جلدی سے گزر جاتے ہیں۔ اور شوق کے غلبات کی وجہ سے انہیں راستے کے احوال اور مقامات کی شناخت۔ مفتیوں کے کشف اور اس کے علاوہ جو کچھ راستے میں ہوتا ہے۔ مجذوب کو ان چیزوں کے متعلق کچھ زیادہ خبر نہیں ہوتی۔ اور نہ ہی انہیں نیکی۔ بدی۔ نفع یا نقصان کی خبر ہوتی ہے۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ یہ لوگ شیخ بنائے جانے کے قابل نہیں ہوتے۔

سالک

اور سالک وہ ہوتا ہے۔ کہ اگر چہ اسے بھی جذبے کی کمند سے لے جایا جاتا ہے۔ لیکن ہر ایک مقام میں آہستگی اور سکونت سے اس مقام کی داد اس سے لی جاتی ہے۔ اور راستے کی نیکی۔ بدی۔ بہتری اور برائی سب اسے دکھلائی جاتی ہے۔ اور اسے کبھی راہ پر اور کبھی بے راہ لے جایا جاتا ہے۔ تاکہ اسے راہی اور بے راہی سے واقفیت حاصل ہو جائے۔ اور ایسا شخص دوسروں کی راہبری اور رہنمائی کے قابل ہوتا ہے۔ جس قدر علم سے معلوم ہوا ہے۔ اس راہ کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ اور اس میں ان گنت مقامات ہیں۔ البتہ ہر ایک مقام کی نسبت۔ جو کہ واقعات میں پیش آتا ہے۔ وہ کچھ کچھ بطور اشارہ و رمز بیان کیا جاتا ہے۔ تاکہ چلنے والوں کے لئے شناخت۔ علامت اور کسوٹی رہنمائی کا کام دے۔

سالک کے سلوک

سالک کو جن جن مقامات سے گزارا جاتا ہے۔ان کی تفصیل درج ذیل ہے۔

(i) خاکی صفات

ابتداء میں جب سالک کو خاکی صفات پر سے عبور کرایا جاتا ہے۔تو وہ واقعات میں ایسا دیکھتا ہے۔کہ نیچی جگہات، گوچوں، کنوؤں اور تاریک جگہوں سے باہر نکلتا ہے۔اور پھر جنگلات۔ویرانوں۔ٹیلوں۔پہاڑوں پر سے گزرتا ہے۔ثقل اور کثافت اس سے دور ہو جاتی ہے۔ہلکا پن اور لطافت ان میں ظاہر ہوتی ہے۔

آبی صفات

سالک جب دوسرے مرحلے میں صفات آبی سے عبور کرتا ہے۔تو سبزہ زاروں۔چراگاہوں۔درخت۔کھیتیاں۔بہتے پانی۔حوض۔چشمے اور اسی طرح کی چیزیں دیکھتا ہے۔اور ان سے عبور کرتا ہے۔

ہوائی صفات

سالک جب تیسرے مرحلے میں صفات ہوائی پر سے گزرتا ہے۔تو ہوا پر چلنے۔اڑنے اور وادیوں پر سے اڑ کر جانے وغیرہ کو دیکھتا ہے۔

آتشی صفات

سالک جب چوتھے مرحلے میں آگ کی صفات پر سے گزرتا ہے۔تو جلتی ہوئی چیزیں۔شعلے۔مشعلیں۔آسمانی بجلی۔آگ کے ڈھیر۔آگ کے جنگلات اور اسی قسم کی دیگر اشیاء کو دیکھتا ہے۔

افلاکی صفات

پانچویں مرحلے میں جب صفات افلاک اور اجرام سماوی سے گزر کرتا ہے۔تو دیکھتا

ہے۔ کہ میں آسمان پر جا رہا ہوں' اڑتا ہوں اور ایک آسمان سے دوسرے آسمان پر جاتا ہوں اور تمام آسمانوں کی سیر کر کے پھر واپس آتا ہے۔

ملکوتی صفات

چھٹے مرحلے میں جب سالک آسمانوں اور اس کے ستاروں کے ملکوت کو عبور کرتا ہے۔ تو سورج۔ چاند۔ ستارے۔ وغیرہ اور اسی قسم کی دیگر اشیاء دیکھتا ہے۔

احیوانی وسبعی صفات

ساتویں مرحلے میں جب صفات حیوانی اور سبعی سے عبور کرتا ہے۔ تو مختلف حیوانات کو جن میں قابل عبرت صفات پائی جاتی ہیں۔ دیکھتا ہے۔ اور اگر اپنے تیئں اس حیوان پر غالب دیکھے۔ تو سمجھے کہ اس بری صفت سے بھی اسے عبور حاصل ہو گیا ہے۔ اور اگر اپنے تیئں اس حیوان کے آگے مغلوب دیکھے۔ تو سمجھ لے کہ وہ صفت اس پر غالب ہے۔ لہٰذا مختلف عوالم سب کے سب اس کے لئے مختلف درجات اور مراتب ہوتے ہیں۔ باقی اس کے علاوہ کئی ہزار اور عالم ہیں۔ کہ جن سے سالک کو عبور کرنا پڑتا ہے۔ اور ہر عالم میں اس کے مطابق مشاہدات اور واقعات ظاہر ہوتے ہیں اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ ایک ہی قسم کے واقعات کئی ایک مقامات پر بھی دیکھنے کو ملتے ہیں۔ اور ہر مقام میں اس مقام کے مناسب اس واقعہ سے خاص ہی اشارہ ہوتا ہے۔ جبکہ ان اختلافات اور فرق کو ہر شخص تمیز نہیں کر سکتا۔

پیر کامل کی اشد ضرورت

میرے درج بالا بیان کے مطابق کسی کامل شیخ کے علاوہ ان مشاہدات کی شناخت نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا جب سالک واقعات اور ان مشاہدات وغیرہ کی شناخت نہیں کر سکے گا۔ تو وہ واقعات میں آ کر پھنس جائے گا۔ اور آگے مزید راہ طے نہ کر سکے گا۔ اس لئے ان حالات

و واقعات میں کسی کامل شیخ کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ مثلاً آگ کو چند ایک مقامات میں دیکھتا ہے۔ اور ہر ایک مقام میں اس کے کچھ اور ہی معانی ہوتے ہیں۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ وہ صفت آتشی پر سے عبور کرنے کی علامت ہوتی ہے۔ اور کبھی گرمیٔ طلب کی علامت اور کبھی صفت غضب کے غلبہ کی علامت ہوتی ہے۔ اور کبھی صفت شیطنت کے غلبہ کا نشان اور وہی آگ کبھی ذکر کا نور ہوتی ہے۔

اس حالت میں وہ آگ صفات بشری کے ایندھن کو مٹا دیتی ہے۔ اور کبھی یہ آگ قہر کی بھی ہو جاتی ہے۔ اور کبھی ہیبت کی۔ اور کبھی شوق کی ہو جاتی ہے۔ اور کبھی ہدایت کی بھی بن جاتی ہے۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے تھی کہ

"الَّتِیْ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا" (مریم:۵۲)

"کوہ طور کے طرف اس نے آگ دیکھی"۔

اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ یہ آگ محبت کی آگ ہوتی ہے۔ اور ماسوائے حق کو جلا کر خاک کر ڈالتی ہے۔ اور کبھی یہ آگ معرفت کی ہوتی ہے کہ

"وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ" (النور:۳۵)

"اگر اسے آگ چھو جائے۔ تو نور علیٰ نور ہو جائے"۔

اور کبھی یہ ولایت کی آگ ہوتی ہے۔ کہ

اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

"اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ" (بقرۃ آیت:۲۵۷)

"یعنی اللہ تعالیٰ دوست ہے۔ ان کا جو ایمان لائے۔ ان کو ظلمت (تاریکی) سے نکال کر نور کی طرف لے آتا ہے"۔

اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ یہ آگ مشاہدہ کی ہوتی ہے۔ کہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

"اَنْ بُوْرِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا" (النمل ٨)

"بے شک جو آگ میں ہے۔ اور جو اس کے گرد ہے' برکت دیا گیا ہے"۔

بہرحال اس کے علاوہ بھی کئی اقسام کی آگ ہوتی ہے۔ جس کو صاحب ولایت اور صاحب تجربہ شیخ کامل کے علاوہ ہر شخص تمیز نہیں کر سکتا۔ البتہ ان دلائل اور نشانات سے معلوم ہوسکتا ہے جو ولایت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ باقی واقعات اور ان کے فرق کو اسی پر قیاس کرلو۔ کیونکہ ان موضوعات کی شرح لکھنے سے میں عاجز ہوں۔ کیونکہ میں اپنی کتاب "تبیان الطریقت" کو مختصر رکھنا چاہتا ہوں۔ تاکہ طالبان راہِ حق کے لئے کم از کم جگہ میں زیادہ سے زیادہ بیان کرسکوں۔

لہٰذا جب انسانی نفوس کا ان مقامات سے عبور شروع ہوتا ہے۔ تو ہر نفس استعداد اور تائید ربانی کے مطابق ایسے مقام میں پہنچتا ہے۔ کہ جس کا وہ مستحق ہوتا ہے۔ اور عالم ارواح میں اس درجے کو پہنچتا ہے جس کی قابلیت اس میں ہوتی ہے۔ مثلاً لوامگی۔ ملہمگی اور مطمئنگی۔ پھر اس مقام میں بند ہو جاتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ

"وَمَا مِنَّا اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ" (الصافات' آیت' ١٦٤)

"ہم میں سے ہر ایک کا ایک معلومہ مقام ہے"۔

اور فریاد کرتا ہے

"لودلوت انملة لا حترقت"

"اگر میں ایک انگل بھر تک نزدیک ہوتا۔ تو بے شک جل جاتا"۔

وہ اس لئے کہ ہر ایک جانور کا مقام کوہ قاف کی چوٹی پر نہیں ہوسکتا۔ اور اس کی چوٹی پر رہنے کے لئے سیمرغ ہی چاہئے۔ نیز ہر ایک جانور شمع کی چوٹی پر گھونسلا نہیں بنا سکتا۔ کیونکہ اس کے لئے دیوانہ پروانہ چاہئے۔ اور ہر ایک مردار خور پرندہ بادشاہوں کے ہاتھ پر نہیں بیٹھ سکتا۔ اور اس کے لئے سفید باز چاہئے۔

چونکہ مور میں اگرچہ جمال بدرجۂ کمال ہے۔ اور بلبل خوش آواز ہے۔ اور طوطی انسان کی سی زبان رکھتی ہے۔ لیکن یہ صرف دیکھنے کے لائق ہیں۔ اور دیکھنے والے کو بہت ہی خوبصورت اور پیارے معلوم ہوتے ہیں۔

لیکن جہاں پر شمع کے شعلے پر جانبازی کرنی پڑتی ہے۔ وہاں پروانہ کے علاوہ اور کوئی جانور کام نہیں آتا۔ کیونکہ عاقل کا کام صرف دیکھنا ہے۔

لہٰذا اے جان جہاں ایک بات اچھی طرح واضح رہے کہ جو لوگ مجلس انس کے ندیم ہونے اور طائر قدس کی ملازمت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ اور وصول وصال کے صاحب ہیں۔ اور فضل و بخشش کے مالک وہ تو یہاں پر غیرت کے گنبد تلے چھپے ہوئے ہیں۔ جیسا کہ اللہ رب العزت حدیث قدسی میں ارشاد فرماتا ہے! کہ:

"اولیائی تحت قبائی لایعرفھم غیری"

''میرے اولیاء میری قبا کے نیچے چھپے ہوئے ہیں ان کو میرے علاوہ کوئی نہیں جانتا''

وہ بہت شوریدہ حال۔ بے سروسامان اور بے پروبال ہوتے ہیں۔ جب کہ:

"ربّ اشعث اغبر ذی طمرین"۔

''بہت سے بکھرے بالوں والے غبار آلود پھٹے پرانے کپڑوں والے''

ہی ہیں۔ اور:

"الفقرآء الصابرین ھم جلساء اللّٰہ"۔

''صابر فقیر اللہ تعالیٰ کے ہم جلیس ہیں''

اور اصل میں وہی درویش ہوتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں۔ جو مقبولان بارگاہ الٰہیہ ہیں۔ اور جن کی نفسانی لذات اور شہوات اور انسانی مرادیں اور دیگر ہوسیّات ان کی جان کے حلق پر تلخ کر دی گئی ہیں۔ اور جن کو کسی اور ہی گھاٹ سے چاشنی چکھائی گئی ہے۔ جیسا کہ ایک

شاعر نے کتنا خوب فرمایا ہے کہ:

ما کہ از دست روح قوت خوریم
کے نمک سود عنکبوت خوریم

اور ان کا دل ہے۔ کہ دونوں جہان میں کسی بھی چیز سے اطمینان نہیں پاتا۔ البتہ اس حدیث شریف کے ذکر سے مطمئن ہوتا ہے کہ:

"اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ"

''ہاں اللہ تعالیٰ کی یاد سے دلوں کو تسکین وطمانیت حاصل ہوتی ہے''۔

اور وہ ابھی تک خطاب ''اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ'' کی شراب کے ذوق کے سرمست ہیں۔ اور موجودات پر یہ آیت پڑھتے ہیں۔

"قُلِ اللّٰہُ ثُمَّ ذَرْھُمْ"۔ (الانعام:۹۱)

''اللہ تعالیٰ کہو۔ اور ان تمام کو ترک کر دے''۔

لہٰذا ان کا مقام ہمیشہ وجود کے شراب خانوں میں ہوتا ہے۔ اور ان کا جام ہمیشہ شرابِ شہود سے لبالب۔ جو کچھ آٹھوں جنتوں میں ہے۔ وہ ان شرابیوں کی نقل کے لائق ہے۔ اور یہ سب کچھ نفسِ ملہمہ اور نفسِ لوامہ کا من بھاتا کھاجا ہے۔ جب کہ نفسِ مطمئنہ کو ان سے اطمینان حاصل نہیں ہوتا۔ کیونکہ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

"ربیت عند ربی یطعمنی ویسقینی"۔

''میں اپنے پروردگار کے ہاں رہا۔ وہی مجھے کھلاتا پلاتا رہا''۔

کے دستر خوان سے:

"اِرْجِعِیْ اِلٰی رَبِّکِ"۔ (الفجر:۲۸)

''اپنے پروردگار کی طرف لوٹ آ''۔

کا لقمہ دیا جاتا ہے۔

بلکہ اگر حقیقت پوچھو! تو اس بات کا یہ کون سا موقع ہے۔ مگر کیا کرتا۔ اب تو دل سے منہ آئی بات کب رک سکتی ہے۔ کیونکہ اب داستان چل نکلی ہے۔ تو سن کہ اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ:

"اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰى اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ"۔ (الانبیاء:۱۰۱)

''جن کو ہماری طرف سے نیکی پہنچتی ہے۔ وہی اس سے دور رہتے ہیں''

لہٰذا وہ اس کے جانور یا باز ہونے کے مرتبہ کو قبول نہیں کرتے۔ بلکہ اس مقام کو ایک کھیل خیال کرتے ہیں۔ اور باز اگرچہ سفید باز ہی کیوں نہ ہو۔ وہ پھر بھی پروانے کی طرح کب جان پر کھیل سکتا ہے۔ کیونکہ باز تو جان کا شکاری ہے۔ اور پروانے کو اپنی جان سے کیا سروکار ہے۔ باز ایک شکاری ہے۔ کہ جس سے شکار جانبر نہیں ہوتا۔ جبکہ پروانہ ایک عاشق ہے۔ جو کہ معشوق کے لئے صرف جان کا تحفہ لے کر جاتا ہے۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام اور حضرت میکائیل علیہ السلام شکارگاہ ملکوت کے سفید باز تھے۔ اور وہ مرغان تقدیس اور تنزیہہ کے مرغوں کا شکار کرتے تھے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے کہ:

"وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ"۔ (البقرۃ:۳۰)

''ہم تیری تعریف کی تسبیح کرتے ہیں۔ اور تیری تقدیس کرتے ہیں''۔

اور جب جمال و جلال صمدیت کے شکار کا کام کرنے کو کہا گیا۔ تو ان کے پر و بال رہ گئے۔ اور شکار اور شکاری پنے سے ہاتھ بھی اٹھالیا۔ وہ اس لئے کہ:

"لو دنوت انہلة لا حترقت"

''اگر میں انگلی بھر اور زیادہ آگے ہوتا تو ضرور جل جاتا''۔

پھر ان سے کہا گیا۔ کہ ہم نے ایک شکاری کو ازل کی شکارگاہ میں ''یحبنھم'' کے جال سے پکڑ لیا ہے۔ اب ہم اسے ہی اس مقصود گاہ میں لائیں گے جیسا کہ قرآن میں اللہ ربّ

العزت ارشاد فرماتا ہے! کہ:

"اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً"۔ (بقرہ:۳۰)

''میں زمین پر ایک نائب بنانے والا ہوں''۔

تا کہ وہ شکاری تمہیں دکھلاوے۔ کہ شکاری کس طرح ہو سکتے ہیں۔

آخر کار سب نے کہہ دیا۔ کہ اگر یہ شکاری شکار کھیلنے میں ہم پر سبقت لے جائے۔ یا پھر اس میدان میں دعویٰ کی گیند معنی کے بلّے سے لے جائے۔ اور کوئی ایسا کام کرے۔ کہ جسے ہم نہیں کر سکتے۔ اور کوئی ایسا شکار کھیلے۔ کہ جسے ہم نہیں کھیل سکتے۔ تو پھر ہم سب اس کی خدمت کے لئے کمر بستہ ہو جائیں گے۔ اور بڑی خوشی اور انتہائی تہہ دل سے اسے سجدہ کریں گے۔ تو حضرتِ الٰہی سے خطاب ہوا۔ کہ خبردار اسے کمزور ساز و سامان والا نہ دیکھنا۔ کیونکہ اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ:

"وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا"۔ (النساء:۲۸)

''اور انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے''۔

مگر اس کو حقارت کی نگاہ سے نہ دیکھنا۔ ورنہ تم ہمارے افعال کے منکر ٹھہرو گے۔ اور نہ ہی اپنے فرشتہ پر و بال پر گھمنڈ کرنا۔ کہیں ایسا نہ ہو۔ کہ شیطان لعین کی طرح اس درگاہ سے دور ہو جاؤ۔ کیونکہ حقیقت میں اس کے پر و بال ہم ہی ہیں۔ اور نہ ہی ہم چاہتے ہیں۔ کہ ہمارے علاوہ اس کے کوئی اور پر و بال ہوں۔ کیونکہ اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ:

"وَحَمَلْنٰهُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ"۔ (بنی اسرائیل:۷۰)

''اور ہم ہی اس کو خشکی اور سمندر میں اٹھائے پھرتے ہیں''۔

وہ ہمارے ہی پروں سے پرواز کرتا ہے۔ اور جو ہمارے پروں سے پرواز کرتا ہے۔ اور دیکھو کہ وہ کیسا شکار کرتا ہے۔

لہٰذا جب نفسِ مطمئنہ کو جو کہ سابقین میں سے تھا۔ جب کہ اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ:

"وَمِنۡهُمۡ سَابِقٌۢ بِالۡخَيۡرَاتِ"۔

"یعنی اور بعض نیکیوں میں سبقت لے گئے"۔

پس ان کو "ارجعی" کو شکار کرنے کے لئے اڑایا۔ اور موجودات کے گرد شکار کرنے کے لئے بھیجا۔ تو اسے ساتوں ولایات میں سے کوئی ایسا ہرن نہ ملا۔ جو کہ اس کے پنجے کے لائق ہو۔ اور پھر آٹھوں جنتوں کے کرّہ ہوائی میں کوئی چکور ایسا نہ ملا۔ جو کہ اس کی چونچ کے لائق ہو۔ اور دیوانے پروانے کی طرح ان سب سے گزر گیا۔ پھر شمعِ جمال کے وصال کا رخ کیا۔ اور اپنی مجازی ہستی کی بالکل پرواہ نہ کی۔ اور اپنا وجود اسے دوبر کا معلوم ہونے لگا۔ اور جان تک اسے ناگوار معلوم ہونے لگی۔

بے پرواہ

اور وہ اسی طرح بے پرواہوں کی طرح آگے بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ ساتوں آسمانوں اور آٹھوں جنتوں سے گزر گیا۔ اور تمام کے تمام فرشتے حیران رہ گئے۔ کہ یہ کس قسم کا پرندہ ہے۔ لہٰذا اتنا کمزور اور یہ ظلم وستم۔ جیسا کہ قرآن مجید میں وارد ہے کہ:

"اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوۡمًا جَهُوۡلًا"۔ (احزاب:۷۲)

"بے شک وہ ظالم ہے۔ جاہل ہے"۔

اور زبان حال سے انہیں کہہ رہا تھا۔ کہ میں وہی پرندہ ہوں۔ جو ابھی نغمہ کے گھونسلے سے اڑا بھی نہ تھا۔ اور نہ ہی قالب کے پنجرے میں گرفتار ہوا تھا۔ کہ تم مجھے ملامت کرتے تھے۔ جیسا کہ قرآن مجید ارشاد فرماتا ہے! کہ:

"اَتَجۡعَلُ فِيۡهَا مَنۡ يُّفۡسِدُ فِيۡهَا وَيَسۡفِكُ الدِّمَآءَ"۔ (البقرۃ:۳۰)

"کیا تو اس میں ایسے شخص کو بنانا چاہتا ہے۔ جو اس میں فساد برپا کرے گا۔ اور

خون ریزیاں کرے گا"۔

اور

"وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ"۔ (البقرۃ: ۳۰)

کے شکار پنے پر ناز کرتے تھے۔ لیکن تمہیں یہ معلوم نہ تھا۔ للہذا اب تم میرے شکار کھیلنے کو دیکھو۔ اور میری خونریزی اور فساد کو بھی دیکھو۔ کہ میں خون ریزی تو کرتا ہوں۔ لیکن حقیقت میں اپنے وجود کی۔ اور فساد بھی کرتا ہوں۔ لیکن جمال حضرت پر اپنے وجود کو پھینکتا ہوں۔

اور وہ اسی تیز پروازی میں مصروف تھا۔ یہاں تک کہ اڑتے اڑتے لا مکاں کی سرحد تک پہنچ گیا۔ پھر فرشتوں نے کہا۔ وہ تو مکانی ہے۔ للہذا وہ لا مکاں کی سیر نہ کر سکے گا اور یہاں پہنچ کر ضرور رہ جائے گا۔ تو اللہ ربّ العزت نے انہیں فرمایا کہ:

"قَالَ اِنِّیٓ اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ"۔ (البقرۃ: ۳۰)

"کیا میں نے تمہیں نہیں کہا تھا۔ کہ میں زیادہ جاننے والا ہوں۔ جسے تم نہیں جانتے"

اور اب انکار کی تلوار سونتتے ہو۔ اور عاجزی نہیں کرتے۔ اور اس جان پر کھیل جانے والے پرندے کو اپنے مطابق خیال نہ کرو۔ مگر انہوں نے نہ جانا۔ کہ یہ قلندروں کا سا پروانہ کیا چیز بن جائے گا۔ اور جب پروانہ شمعِ جلال کی شعاعوں کے سرا پردوں کے پاس پہنچا۔ تو ایک شعلہ پروانے کے لئے بطور دربان بھیجا گیا۔ جب پروانے نے دربان کو دیکھا۔ چونکہ اس کو اپنے آپ کی بالکل پرواہ نہ تھی۔ اس لئے اس نے محافظ کی گردن میں بازو ڈال دیئے۔ اور جب اس نے غور سے دیکھا تو پروانے کے پر و بال نہ تھے۔ للہذا جب ان مجازی پر و بال کو دے دیا۔ تو جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ ربّ العزت ارشاد فرماتا ہے کہ:

"مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا"۔ (الانعام: ۱۶۰)

"جو نیکی سے آئے۔ اس کے لئے ویسی ہی دس اور ہیں"۔

کے مطابق شعلے کے محافظ نے جو کہ شمع کی زبان تھی۔ شمع کے سے اسے حقیقی اور باقی رہنے والے پر و بال عنایت فرمائے۔ کہ جس سے اس نے شمع کی ہوائے ہویت میں پرواز کیا۔ اور پرندے نے دوگانگی کو بیگانگی کی دہلیز پر گرا دیا۔ اور اپنی ہستی سے ہستی کو فنا کر کے شمع کی ہستی میں دوڑ گیا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں وارد ہے کہ:

"فَفِرُّوْا اِلَی اللّٰہِ"۔

''پس اللہ تعالیٰ کی طرف بھاگو''۔

اور اپنے وجود کو چھوڑ کر اسی میں لپٹ گیا۔ اور نیست ہو گیا۔ اور اس کی نیستی ہستی میں مل گئی۔ لہٰذا جب اپنی ہستی کو اس کی ہستی کی خاطر خرچ کر دیا۔ تو ساتھ ہی پھر دوزخ کے خوف اور جنت کے لالچ کو بھی چھوڑ دیا۔ اور جیسا کہ قرآن مجید میں وارد ہے کہ:

"وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ"۔ (الفجر:۲۸)

کا اشارہ اور جذبہ کی خاصیت انہی معنوں کے لئے ہے۔ اور اس قسم کے وہ لوگ ہیں۔ جو کہ ظاہری موت مرنے سے پیشتر

"مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا"۔

''مرنے سے پہلے مر جاؤ''۔

کے اشارے کے مطابق حقیقی موت مرے ہیں۔ چونکہ وہ موت سے پہلے مرے ہیں۔ اس لئے اللہ ربّ العزت نے ان کو حشر سے پہلے ہی زندہ کر کے ان کی جائے بازگشت اپنی بارگاہ مقرر فرمائی ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ ربّ العزت ارشاد فرماتا ہے! کہ:

"ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ ثُمَّ اِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ"۔ (البقرۃ:۲۸)

''پھر وہ تمہیں زندہ کرے گا۔ اور پھر تم اس کی طرف لوٹ جاؤ گے''۔

لہٰذا یہ لوگ بیٹھے ہوئے تو اس عالم میں ہیں۔ لیکن درحقیقت وہ آٹھوں جنتوں سے بھی گزر گئے ہیں۔ جیسا کہ اللہ ربّ العزت نے قرآن مجید میں فرمایا کہ:

"وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ صُنْعَ اللّٰهِ".

(النمل:۸۸)

تو پہاڑوں کو ایک جگہ جمے ہوا دیکھتا ہے۔ حالانکہ وہ بادلوں کی طرح ہوا میں اڑ رہے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے"۔

اور یہی نفس مطمئنہ کی جائے بازگشت ہے جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے کہ:

"اِرْجِعِیْ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً".

"اپنے پروردگار کی طرف راضی خوشی لوٹ آ"۔

(واللہ اعلم)

نفسِ امّارہ

القرآن: فَاَمَّا مَنْ طَغٰی ○ وَاٰثَرَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا○ فَاِنَّ الْجَحِیْمَ هِیَ الْمَاْوٰی○ (النازعات:۳۷ تا ۴۱)

ترجمہ: ''پس جس نے سرکشی کی۔ اور دنیاوی زندگی کو پسند کیا بے شک اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے''۔

اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ایک اور جگہ ارشاد فرماتا ہے! کہ:

القرآن: لَا یَصْلٰھَا اِلَّا الْاَشْقَی○ الَّذِیْ کَذَّبَ وَتَوَلّٰی○ (الیل:۱۵-۱۶)

ترجمہ: ''دوزخ کی آگ میں اس بد بخت کے علاوہ کوئی اور نہیں ڈالا جائے گا۔ جس نے آیات الٰہی کو جھٹلایا اور اس سے پھر گیا''۔

الحدیث: جفت الجنة بالمکارہ وخفت النار باالشهوات۔

ایک بات اچھی طرح واضح رہے۔ کہ راہ معاد (لوٹ کر جانے کی جگہ۔ روز محشر۔ قیامت) کے چلنے والے دوطرح کے ہوتے ہیں۔

نیک بخت اور بد بخت

ان میں سے ہر ایک کے لئے خاص قدم ہیں کہ جن سے وہ چلتے ہیں۔ اور ایک خاص راہ ہے۔ کہ جن کی یہ سیر کرتے ہیں۔ اور ہر ایک کے لئے ایک خاص جائے بازگشت ہے۔

کہ ان قدموں سے وہ راہ کو طے کر کے اس جائے بازگشت میں پہنچ جاتے ہیں۔

اب نیک بختوں کے پھر دو گروہ ہیں۔

ایک خاص اور دوسرے عام

عام تو نفس و حرص کی مخالفت۔ شہوات اور لذات کے ترک کے قدموں سے شریعت کے فرمان کی پیروی اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابعت کی راہ چل کر آٹھوں جنتوں اور ان کے درجات کو پہنچ جاتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ:

"وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۝ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى"۔ (النازعات:۴۰-۴۱)

"جو اپنے پروردگار سے ڈرا۔ اور نفس کو خواہشات سے روکا اس کا ٹھکانہ بے شک وشبہ جنت ہے"۔

اور جو خاص ہیں۔ وہ "یحبوھم" کے قدم سے "یحبونہ" کی راہ مقعد (بیٹھنے کی جگہ۔ کون) صدق اور مقامت عنایت کی جائے بازگشت کو پہنچتے ہیں کہ:

"اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ"۔

"جو لوگ پرہیز گار ہیں۔ وہ جنت کے باغوں اور نہروں میں سچی عزت کی جگہ بادشاہ دو جہاں قادر مطلق کے مقرب ہوں گے"۔

جیسا کہ مفصل طور پر پہلے بیان کر چکا ہوں۔ کہ بد بختوں کے بھی دو گروہ ہیں۔

۱-کم درجہ کے بد بخت ۲-اعلیٰ درجہ کے بد بخت

کم درجہ کے بد بخت

ان میں جو کم درجہ کے بد بخت ہیں۔ وہ امت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعض گنہگار ہیں۔ جو کہ خواہشاتِ نفسانی پر جمے رہے۔ اور فرمانِ الٰہی کی مخالفت کرتے رہے۔ اور نفسانی لذات کو پورا کرنے کے لئے نافرنی کر کے دوزخ میں جا پہنچے۔ جیسا کہ اللہ ربّ العزت قران مجید

میں ارشاد فرماتا ہے:

"فَاَمَّا مَنْ طَغٰی ٥ وَاٰثَرَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا ٥ فَاِنَّ الْجَحِیْمَ ھِیَ الْمَاْوٰی ٥"

(النازعات:۳۷)

"پس جس نے نافرمانی کی اور دنیاوی زندگی کو پسند کیا اس کا ٹھکانہ بے شک و شبہ دوزخ ہے"

اور یہی وجہ ہے کہ: حضور سید دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اکثر ما یدخل امتی النار الاجو فان القم والفرج".

"جو چیز زیادہ تر میری امت کو دوزخ میں لے جائے گی وہ منہ اور شرمگاہ ہے"۔

یعنی منہ سے حرام کھانا۔ اور حلال کے کھانے میں اسراف کرنا۔ اور شرم گاہ سے حرام کاری کرنا۔ اور شہوت رانی کے لئے طرح طرح کے ظلم وفساد کرنا"۔

اعلیٰ درجہ کے بد بخت

جو اعلیٰ درجہ کے بد بخت ہیں۔ وہ کافر اور منافق لوگ ہیں۔ جو کہ ہمہ تن دنیا کی طلب اور اس کے منافع میں مشغول ہیں۔ اور جانوروں اور درندوں کی طرح اپنی ساری ہمت نفسانی اور حیوانی لذات۔ شہوات اور دنیاوی نعمتوں پر خرچ کرتے ہیں۔ اور دینی اور آخروی کاموں اور راہِ آخرت سے روگردانی کرتے ہیں۔ اور جنہوں نے باقی رہنے والی نعمتوں کو فنا ہو جانے والی عیش وعشرت کے عوض برباد کر دیا ہے۔ لہٰذا ان کی تو دنیا بھی گئی۔ اور آخرت بھی برباد ہو گئی۔

"مَنْ کَانَ یُرِیْدُ حَرْثَ الدُّنْیَا نُؤْتِہٖ مِنْھَا وَمَالَہٗ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنْ نَّصِیْبٍ"۔

"جو دنیا کی کھیتی کی خواہش کرتا ہے۔ ہم اسے اس میں سے کچھ دے دیتے ہیں۔

لیکن آخرت میں اسے کچھ نہیں ملے گا"۔

کم درجہ کے بد بخت اور اعلیٰ درجہ کے بد بخت میں فرق صرف یہ ہے۔ کہ اگر چہ کم درجہ کے بد بخت فرمانِ الٰہی کی مخالفت اور اللہ ربّ العزت کی نافرمانی کی بدبختی میں گرفتار ہیں۔ لیکن ان کے دل قبول ایمان اور تسلیم فرمان الٰہی کی سعادت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

اور انہیں زبانی اقرار اور دلی تصدیق کی دولت حاصل ہوتی ہے۔ اور اگر چہ ارکان کے عہد میں نقصان کرتے ہیں۔ لہٰذا ایسے لوگ وعیدِ الٰہی کے مطابق دوزخ میں تو جائیں گے۔

جیسا کہ اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ ٥ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ"۔ (ہود:١٠٦-١٠٧)

"لیکن وہ لوگ جو بد بخت ہیں۔ وہ دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔ جہاں پر وہ (مارے مصیبت کے) گدھے کی طرح چلائیں گے۔ اور جب تک زمین و آسمان ہے وہ اسی میں رہیں گے۔ مگر تیرا پروردگار چاہے"

لیکن شفاعتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" انہیں وہاں نہیں رہنے دیں گے۔ اور "اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ" کے مطابق آخر کار دوزخ سے خلاصی پا جائیں گے۔ اور اپنی اصلی جائے بازگشت یعنی جنت میں آجائیں گے۔

کیونکہ صحیح حدیث میں آیا ہے:

"کہ ایک گروہ کو دوزخ کے جلے ہوئے کوئلے کی مانند نکالا جائے گا۔ اور پھر اس

کونہر الحیوٰۃ میں لے جایا جائے گا۔ جہاں پر گوشت اور چمڑا نیا پیدا ہوگا۔ اور ان کے چہرے بدر کی طرح چمکتے ہوں گے۔ اور ان کی پیشانیوں پر لکھا ہوگا۔ کہ

''ھو لا عتقاء اللّٰہ من النار ''

(یہ وہ لوگ ہیں۔ جن کو اللہ ربّ العزت نے دوزخ سے آزاد کر دیا ہے۔)''۔

لیکن اعلیٰ درجہ کے بد بخت وہ ہیں۔ جو کہ ہمیشہ اور ابدالآباد تک دوزخ ہی میں رہیں گے۔ اور ان میں ''لا الٰہ الا اللّٰہ'' کا نور نہیں ہوگا۔ کہ اس کے وسیلے خلاصی پا سکیں۔ اور نہ ہی وہ شفاعت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لائق ہوں گے۔ اور صرف ایسے لوگ ہی ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔

کیونکہ اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

"لَا یَصْلٰھَآ اِلَّا الْاَشْقَی٥الَّذِیْ کَذَّبَ وَ تَوَلّٰی٥"۔ (اللیل:۱۵-۱۶)

''دوزخ کی آگ میں اس بد بخت کے علاوہ کوئی اور نہیں ڈالا جائے گا۔ جس نے آیات الٰہی کو جھٹلایا اور اس سے پھر گیا''۔

اور مومنین کے لئے ورود ہوگا۔

جیسا کہ اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

"وَاِنْ مِّنْکُمْ اِلَّا وَارِدُھَا"۔ (مریم:۷۱)

''اور تم میں سے کوئی بھی نہیں۔ جس کا اس پر سے گزر نہ ہو''۔

یعنی تھوڑے عرصے کے لئے پکڑیں گے۔ لیکن اس میں تکلیف نہیں اٹھائیں گے۔ جبکہ ''صلیٰ'' صرف اعلیٰ درجے کے بد بخت ہوں گے۔

جیسا کہ اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں فرماتے ہیں:

"لَا یَصْلٰھَا اِلَّا الْاَشْقٰی". (اللیل:۱۰)

سے ظاہر ہے۔ بدکار۔ گنہگار اور کافر وغیرہ۔ میں سے ہر ایک کو اس کے چال چلن کے مطابق دوزخ کے مختلف درجات ملیں گے۔

کیونکہ منافقین کے حق میں اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

"اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْکِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ".

"بے شک منافقین دوزخ کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے"۔

(النساء:۱۴۵)

کفر کفر میں فرق ہے۔ اور نفاق نفاق میں بھی فرق ہے۔ اور ان میں سے ہر ایک کی راہ اور جائے بازگشت الگ الگ ہے۔ ان میں تقلیدی کافر اور ہیں۔ اور محقق کافر اور ہیں۔ اور جس طرح کہ اہل ایمان بھی بعض مقلد ہیں۔ اور بعض محقق۔ جس طرح محقق کے ایمان کو مقلد کے ایمان پر فضیلت ہے اسی طرح محقق کافر کا عذاب مقلد کافر سے کہیں بڑھ کر ہوگا۔

تقلیدی کفر تو یہ ہے۔ کہ والدین سے بطور تقلید حاصل کیا جاوے۔

جیسا کہ اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشا فرماتا ہے:

"اِنَّا وَجَدْنَا اٰبَائَنَا عَلٰی اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰی اٰثَارِھِمْ مُّقْتَدُوْنَ".

(الزخرف:۲۳)

"ہم نے اپنے باپ داداوں کو ایک خاص امت پایا اور ہم بھی انہی کے قدموں کے نشانات کی پیروی کرتے ہیں"

جو کچھ انہوں نے اہل شہر۔ ولایت اور ماں باپ سے دیکھا یا سنا۔ اسی کی تقلید کرتے

رہے۔ اوراسی کی خواری میں پڑے رہے۔ وہ تو دوزخ کے پہلے درجے میں ہوں گے۔

دراصل کفراس بات کا نام ہے۔ کہ جو کچھ انہیں والدین سے بطور تقلید حاصل ہوا ہے۔ اس پر قناعت نہ کر کے عقل کے مطابق کاروئی کرنے میں تکلیف اور محنت برداشت کی جائے۔ اور علومِ کفر میں عمریں بسر کی جائیں۔ اور کتب وغیرہ حفظ کی جائیں۔ اور مجاہدہ۔ ریاضت میں مشغول رہ کر تصفیہء دل ونفس کی کوشش کی جائے۔ اور عقلی دلائل و براہین سے ایسے شبہات حاصل کریں۔ کہ جن سے صانع حقیقی کی نفی اور صانع ناقص کا اثبات ہو۔ اور کہیں کہ وہ تو مختار نہیں۔ اور عالم کی جزئیات میں سے بنیں۔ اور نہ ہی جہان کا پیدا کرنے والا ہے۔ اور نہ ہی اس کا موجد ہے۔ اور اس کو از سرنو پیدا کرنے والا بلکہ خود موجب اور موثر ہے۔ اور جہاں اس کا اثر ہے۔ مؤثر اثر پر مقدم ہوتا ہے۔ نا کہ بلحاظ تقدم زمانی۔

اس سے خواہش یہ ہو۔ کہ جہاں قدیم ہے۔ اور باقی ہے۔ اس کو فنا نہیں ہو گی۔ اور اس چیز کا اقرار کریں۔ کہ اللہ ربّ العزت اس جہان کو فنا کر دینے پر قادر نہیں ہے۔ اور دوسرے جہان کو پیدا کرنے سے قاصر ہے۔ (معاذ اللہ)

کیونکہ اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

"سُبْحٰنَهٗ وَتَعَالٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا"۔ (بنی اسرائیل: ۴۳)

"یعنی جو کچھ ظالم لوگ اللہ تعالیٰ کی نسبت کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند ہے"۔

لہٰذا اس قسم کے کفر کو شیطان ان کی نظروں میں آراستہ کرتا ہے۔ اور ان کے نفوس میں غرور پیدا کرتا ہے۔ کہ معرفت اور حکمت کا کمال تو اسی میں ہے۔ اور جو شخص اس پر اعتقاد نہیں کرتا۔ وہ مقلد ہے۔ نابینا ہے۔ تاکہ انبیاء کرام علیہم السلام کا سہارا لے۔ اور نیز کہتے ہیں۔ کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام صرف حکیم تھے۔ اور جو کچھ انہوں نے کہا۔ از روئے حکمت کہا۔ لیکن جاہلوں سے ان کی سمجھ اور ان کے حوصلے کے مطابق ان سے گفتگو کی۔ ان کو کہا کہ ہم اللہ

ربّ العزت کے رسول ہیں۔ اور جبریل علیہ السلام ہمارے پاس آتا ہے۔ اور اللہ ربّ العزت کا پیغام لاتا ہے۔ اور اللہ ربّ العزت کی طرف سے ہمارے پاس کتاب لایا ہے۔

اور یہ کہ دراصل کتابیں انہی کا کلام ہے۔ اور تمام شرعی احکام سب کے سب انہی رسولوں نے از خود ہی بنائے۔ کہ جن کی بناء پر قانونِ حکمت کے مطابق مصالحت خلق پر مبنی تھی۔ اور انہوں نے جو کچھ خلقت کو کہا۔ وہ بطور اشارہ کہا۔ اور اس سے معنی اور لئے۔ اور حضرت جبریل علیہ السلام سے مراد کام کرنے والی عقل۔ اور میکائیل علیہ السلام سے مراد فائدہ رساں عقل تھی۔ اور جنہوں نے عقلِ کل سے فائدہ اٹھایا۔ اور معقول معانی سیکھے اور نفسِ مدرکہ اور نفس ناطقہ کو آگاہی دیتے تھے۔ یہ لوگ اسی قسم کے اور برے برے خیالات۔ توہمات اور شبہات کھڑے کرتے ہیں۔ اور دوسروں کی من گھڑت باتیں قبول کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ نفسانی خواہشات کے مطابق ہوتی ہیں۔

نفس کافر ہے

میرے (راقم الحروف) کے درج بالا بیان کے مطابق نفس خود از روئے جبلت کافر ہے۔ کیونکہ اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

"اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ"۔ (یوسف:۵۳)

"بے شک نفس بری باتوں کا حکم کرتا ہے"۔

اور جب ان شبہات کو دلائل اور براہین معقول نما کے ساتھ سنتا ہے۔ تو جان و دل سے ان کو مانتا ہے۔ جب کہ:

"وافق شبه طبعه"۔

"اس کے شبہات اس طبیعت سے موافقت کھا جاتے ہیں"۔

اور یہاں تک کہ پھر اس کفر کا اقرار بھی کر لیتا ہے۔ اور اس کے بعد نفس دین اور شرع سے بھی اور زیادہ انکار کر جاتا ہے۔

مسلمانی کی آفت

لہٰذا کفر کا اقرار اور دین کا انکار ہی نفس کے دو قدم ہیں کہ جن سے دوزخ کے سب سے نچلے طبقے میں پہنچ سکتے ہیں۔ کیونکہ:

"خطرتان وقد وصلت"۔

''دو ہی قدم سے وہاں پہنچ جاتا ہے''۔

اور یہ آفت آج کل مسلمانی میں عام ہوگئی ہے۔ کیونکہ بہت سے بداصل اور خبیث نفس اس قسم کے علوم میں مشغول ہیں۔ اور انہوں نے اس کا نام ''علم اصول دین'' رکھا ہوا ہے۔ (اللہ ربّ العزت ان لوگوں کے شر سے ہمارے ایمان کو محفوظ فرمائے) تاکہ کوئی شخص ان کے عقیدے کی خباثت اور ان کے معاملے کی برائی سے واقف نہ ہو جائے۔ اور زمانے کے بہت سے طالب علم کہ جن کو دینی علوم کی خبر نہیں۔ یا عالم یقین کا نور انہیں حاصل نہیں۔ وہ علم کی طلب میں سفر اختیار کرتے ہیں۔ اور بے ہودہ تکالیف بھی اٹھاتے ہیں۔

لہٰذا اتفاقاً جب کسی ایسے ہی فلسفی کے پاس جا پھنستے ہیں۔ کیونکہ آج کل کے مدارس اور خانقاہیں بالعموم ایسے ہی فلسفیوں کے سپرد ہیں۔ تو وہ اس ہی قسم کا علم انہیں سکھاتے ہیں۔ اور بتدریج یہ کفر کی باتیں ان کی نظروں میں آراستہ کر دیتے ہیں۔ اور ان کے دل میں اس علم کی تحصیل اور اس کفر اور گمراہی کا اعتقاد (کہ جس کا نام انہوں نے علم حکمت اور اصول رکھا ہوا ہے۔) اسے دلاتے ہیں۔ اور وہ بے چارے ناتجربہ کار طالبان راہ حق دین کے حقائق اور اہل یقین کے مقامات سے بے خبر اس جہالت میں پھنس جاتے ہیں۔ اور وہ اس دھوکہ میں آجاتے ہیں۔ کہ کسی نہ کسی دن محقق بن جائیں گے۔ میرے (راقم الحروف) کے مطابق وہ کفر میں محقق ضرور بن جاتے ہیں۔ اور تقلید سے بھی خلاصی پا جائیں گے۔ مگر وہ بھی تقلید ایمانی سے۔ اور وہ خواص میں سے ہو جاتا ہے۔ لیکن وہ بھی شیطان کا خواص بن جاتا ہے۔ اور جو عام سمجھ کا بے چارہ آدمی ان میں سے کسی کی صحبت میں آجاتا ہے۔ تو اس قوم کے مرد اور نفس اور دم کی وجہ

سے اس کے ایمان میں ہزار طرح کے شک۔ شبہات۔ نقصان اور خلل پیدا ہو جاتے ہیں۔

بہت دفعہ ایسا ہوا ہے۔ کہ وہ ان کفر کی باتوں کے لئے آمادہ بھی ہو جاتا ہے۔ اور ان کافروں کی کفریات کی تقلید کو قبول کر لیتا ہے۔ اور آخر کار بالکل دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ اور پھر انجام کار یہ بد اعتقادی ان کے وسیلے سے دوسروں میں بھی اثر کر جاتی ہے۔ جیسا کہ خارشی اونٹ دوسرے اونٹوں کو بگاڑ دیتا ہے۔ یا کوئی ایک گندی مچھلی سارے تالاب کا بیڑا غرق کر کے رکھ دیتی ہے۔

لہٰذا کسی حاکم وقت۔ یا مجدد دین وملت کو بھی اس بات کا خیال نہ آیا۔ کہ اس مصیبت کو فوراً دور کرے۔ یا کم از کم اس خلل کو رفع کرے۔ اور یہ آفت گذشتہ تیس سالوں میں بہت زیادہ قوت پکڑ گئی۔ لیکن پہلے وقتوں میں کسی کو ایسی مجال نہ تھی کہ اس قسم کی باتوں کو ظاہر کرے۔ کیونکہ اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے!

"وَالْعَصْرِ ○ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ○"۔ (العصر:۱-۲)

''زمانہ کی قسم! بے شک انسان بہت بڑے گھاٹے میں ہے''۔

اس کے علاوہ اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ایک اور جگہ ارشاد فرماتا ہے!

"ذَرْهُمْ يَاْكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا وَيُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ"۔ (الشوری:۲۰)

''اہل دنیا کو چھوڑ دو۔ تاکہ وہ کھائیں نفع اٹھائیں اور تمناؤں میں مگن رہیں۔ عنقریب پتہ چل جائے گا''

بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جو کہ ہمیشہ اپنے کفر کو پوشیدہ رکھا کرتے تھے۔ تاکہ اہل دین میں پرہیزگار۔ خداترس اور اپنے آپ کو امامِ وقت ثابت کرتے رہیں۔

جیسا کہ کچھ ہی عرصہ قبل سعودی عرب میں بھی گندگی کا یہ وائرس گلی گلی بلکہ گھر گھر میں سرایت کر چکا تھا۔ اور جھوٹے مدعیان معرفت اپنی اپنی دکانیں سجا کر بیٹھ گئے تھے۔ اور ان میں تو اکثر ''امام مہدی'' اور ''ظلی نبی'' اور طرح طرح کے خود ساختہ غوث اور قطب بن بیٹھے

تھے۔ کہ خاندان سعود نے ان خبیث حضرات کی گردن زنی کر کے ان کی خباثت سے سعودی خطے کو پاک اور صاف کیا۔

لہٰذا دیندار حاکمِ وقت یا علاقائی با اثر اور دیندار حضرات کو بھی درج بالا فعل کی تقلید کرنی چاہئے۔ اور اصل میں اس فعل کو جہاد اکبر سمجھنا چاہیے۔ کیونکہ اس عہد میں پرہیز گار ائمہ حضرات بہت ہی کم ہیں۔ جو کہ دینی امور میں حصہ لیتے ہیں۔ اور اس قسم کی باتوں کو کس کے سامنے پیش کیا جائے۔ کہ حاکمِ وقت خود بے دین سے ہیں۔ یعنی باعمل نہیں رہ گئے۔ لہٰذا اب اس بات کا سخت خدشہ ہے۔ کہ دین کے بارے میں جو قیل و قال بعض کے دلوں میں ہے۔ اور وہ بھی رہی سہی اٹھ جائے۔ اور جہان بھر میں کفر کا ذکر مذکور ہو جائے۔ اور جو مسلمانی کی حقیقت ہے۔ وہ بھی دلوں میں نہ رہے۔

''اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰہِ '' زبانوں میں بھی اس کی بُو آتی ہے۔ کہ نہ رہے گی۔ (یعنی سننے میں بھی آیا ہے) انہی احوال کی نحوست ہے۔ کہ اللہ ربّ العزت نے اپنے قہر وغضب کو تاتار کے کافروں کی صورت میں بھیجا۔ پھر عراق۔ لبنان۔ کشمیر۔ فلسطین۔ اری ٹیریا۔ چیچنیا۔ فلپائن۔ ایتھوپیا۔ تھائی لینڈ۔ افغانستان وغیرہ میں بھی اپنے قہر وغضب کا نزول فرمایا۔ تا کہ جس طرح مسلمانی اٹھ گئی ہے۔ اب تو یہ چند بے معنی سی صورتیں بھی اُٹھ جائیں۔ ان درج بالا حالات کو سامنے رکھتے ہوئے میرے ذہن میں ایک مصرعہ آتا ہے:

''ایں کار کجا رسیدہ خواہد گوئی''

اور اب یہ حالت ہے۔ کہ دن بدن ان ملعونوں کا غلبہ۔ مکر اور حلیہ ترقی بلکہ بام عروج پر ہے۔ اور اہل اسلام کی غفلت اور گناہ گاری کے متعلق اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

"ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيَ النَّاس". (الروم: ۴۱)

''جو کچھ آدمیوں کے ہاتھوں نے کمایا۔ اس کے سبب خشکی اور تری میں فساد ظاہر

ہوا''۔

ایک شاعر نے کتنا خوب بیان کیا ہے کہ:

باقی است شراب تلخ در جام ہنوز
تاخود بکجا کشد سر انجام ہنوز

اور جیسا کہ:

"الحکم للّٰہ انا للّٰہ رضینا بقضاء اللّٰہ"۔

''حکم پروردگار کے لئے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ کے ہیں اور اس کی قضاء پر راضی ہیں''

نفاق اور اس کی اقسام

نفاق بھی الگ الگ ہے۔ ایک نفاق اسلام میں ہے۔ اور ایک کفر میں۔ اسلامی نفاق تو وہ ہے۔ کہ جس کی بابت حضور سرور کائنات ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

"ثلث من کن فیه فهو منافق ومن کانت فیه خصلة منها ففیه خصلة من النفاق حتی یدعها وان صام وصلی وزعم انه مسلم اذا حدث کذب واذا وعد خلف واذا ائتمن فان"۔

''تین خصائل ہیں۔ جن میں یہ تین خصائل ہیں۔ وہ منافق ہے۔ اور جس میں ان تینوں میں سے ایک پائی جائے۔ ان میں دو وانگ نفاق ہوتا ہے۔ اور جب تک ان خصائل کو بالکل ترک نہ کر دے۔ خواہ وہ نماز اور روزہ رکھے۔ اور کہے کہ میں مسلمان ہوں۔ اور وہ خصائل یہ ہیں۔ کہ جب بات کرے۔ تو جھوٹ بولے۔ اور جب وعدہ کرے۔ تو اس کے خلاف کرے۔ اور جب امانت اس کے پاس رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے''۔

ایک اور روایت کے مطابق دو اور خصائل بھی نفاق میں داخل ہیں۔

"اذا عاهد غدرو اذا خاصم فحش"۔

"یعنی جب عہد کرے۔ تو بے وفائی کرے۔ اور اگر کسی سے جھگڑے تو فحش بکے۔ یاوہ گوئی کرے اور گالی دے"

اور یہ معاملات اہل اسلام کا نفاق ہیں۔ اور جو کچھ حقیقت ہے۔ ان احادیث مبارکہ میں جھڑکی وغیرہ اسلام کے لئے جتلا دی گئی ہے۔ اس لئے بہت کم لوگ ایسے ہیں۔ کہ جن میں یہ خصائل نہ پائے جاتے ہوں۔

دعاؤں میں بھی اکثر اللہ ربّ العزت کے حبیب حضور اقدس ﷺ فرمایا کرتے ہیں:

"اللهم انی اعوذ بك من الشقاق والنفاق وسوء الاخلاق"۔

"اے پروردگار! دشمنی۔ اخلاق اور بداخلاقی سے میں تیری پناہ چاہتا ہوں"

لہٰذا ہم پر بدرجہ اوّلی واجب ہے۔ کہ ہمیشہ یہ دعا کرتے رہا کریں۔

کفر کا نفاق

کفر کا نفاق وہ ہے۔ جو دہریئے۔ قادیانی۔ تناسخی۔ طبیعی مباحی اور اسماعیلی وغیرہ کرتے ہیں۔ اور جو مسلمانوں میں رہ کر یہ کہتے ہیں۔ کہ ہم مسلمان ہیں۔ لیکن ان کا اعتقاد بدستور کفریات اور شبہات پر ہوتا ہے۔ جن کا کہ میں اوپر بیان کر چکا ہوں۔ اور یہ لوگ جب اپنے ہم خیال لوگوں سے ملتے ہیں۔ تو اپنا اعتقاد ظاہر کر کے کہتے ہیں۔ کہ ہم مقلدین کو مذاق کرتے ہیں۔ جبکہ اللہ ربّ العزت ان کے احوال کی خبر دیتے ہوئے قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ:

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ۝ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِىْ

طُغۡيَانِهِمۡ يَعۡمَهُوۡنَ ○ (البقرۃ:۱۴-۱۵)

''اور جب یہ لوگ اہل ایمان سے ملتے ہیں۔ تو کہتے ہیں۔ کہ ہم بھی ایمان لائے ہیں۔ اور جب اپنے ہم جولیوں سے ملتے ہیں۔ تو کہتے ہیں۔ کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہی ہیں۔ ہم تو صرف ان سے مذاق کرتے ہیں۔ دراصل اللہ تعالیٰ ان سے مذاق کرتا ہے۔ اور ان کی سرکشی زیادہ کرتا ہے۔ مگر وہ اس بات کو سمجھتے نہیں''۔

اور جو کافر اپنے کفر کو پوشیدہ رکھتا ہے۔ اور زبانی طور پر مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ وہ بھی انہی میں سے ہے۔ اور منافقین کا انجام اور جائے بازگشت وہی ہے۔ جس کا ذکر اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں یوں فرماتا ہے:

''اِنَّ الۡمُنٰفِقِيۡنَ فِى الدَّرۡكِ الۡاَسۡفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَنۡ تَجِدَلَهُمۡ نَصِيۡرًا''۔

(النساء:١٤٥)

''منافقین کا مقام دوزخ کا سب سے نچلا درجہ ہوگا۔ اور وہاں پر ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا''

ہزاروں مصیبتیں اور آفات جو کہ آدمی کی راہ میں رکھی گئی ہیں۔ اور کئی اقسام کی آزمائشوں میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ اور اگر اللہ ربّ العزت کی نظر عنایات اس کی فریاد رسی اور دستگیری نہ کرے۔ تو دنیا کی آرامگاہ سے جو کہ زین للناس سے آراستہ ہے۔ اور شہوات کی محبت کے بندوں سے مضبوطی کے ساتھ جکڑی ہوئی ہے۔ تو اس سے بندہ کس طرح خلاصی پا سکتا ہے۔ اور خصوصاً جبکہ اس جال پر جیسا کہ اللہ ربّ العزت قرآن مجید مین ارشاد فرماتا ہے!

''وَالۡبَنِيۡنَ وَالۡقَنَاطِيۡرِ الۡمُقَنۡطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالۡفِضَّةِ وَالۡخَيۡلِ الۡمُسَوَّمَةِ وَالۡاَنۡعَامِ وَالۡحَرۡثِ ''۔(ال عمران:١٤)

''اولاً وہ سونے چاندی کی تھیلیاں۔ عمدہ گھوڑے چوپائے اور کھیتی باڑی''۔

لہٰذا ان دنیاوی نعمتوں کے سات دانے بکھیرے ہوں۔ اور اگر ان سات قسم کے دانوں میں سے ایک قسم کا بھی دانہ ہوتا۔تو بھی نفس چوپائیوں کی طرح اس کو کھالیتا۔

جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو باوجود اس قدر شرف و مرتبہ کے صرف ایک ہی دانہ کے کھانے سے منع فرمایا گیا تھا:

"وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ"۔

"اس درخت کے پاس نہ جانا"۔

لیکن چونکہ منع رکھنے کی توفیق اس کی رفیق نہ بنی۔ اس لئے آپ علیہ السلام نسیان کے جال میں پھنس گئے۔

"وَعَصٰى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى"۔

"آدم علیہ السلام نے نافرمانی کی۔اور وہ بہک گیا"۔

اور جب اسے اسی پر چھوڑ دیا۔تو "وَعَصٰى آدَمُ" اس کی صفت تھی۔اور جب اس (حضرت آدم علیہ السلام) پر اپنا لطفِ کرم فرمایا۔تو اس کی صفت "اصطفی آدم" ہوگئی۔اور جنت اس کی مقصودگاہ ہوگئی۔ کیونکہ:

"وَلٰكِنْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ"۔

"جب تک توفیقِ الٰہی آدم علیہ السلام کی رفیق نہ بنی۔ وہی جنت بمنزلہ جال ہوگئی"

لہٰذا شیطان لعین نے ایک دانہ سے دو شکار کئے۔

"فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ"۔

"ان دونوں کو شیطان نے پھسلایا"۔

لہٰذا دنیا بھی جال کا مقام تھی۔لیکن جب توفیقِ الٰہی رفیق بنی۔تو یہی دنیا صرف ایک کلمے سے مقصود کا مقام ہوگئی۔

"رَبَّنَا ظَلَمْنَا" اور "ثم اجلنا"

کے مقصود کو حاصل کرلیا۔ صرف ایک گھڑی لطف الٰہی کی مدد نہ پہنچی۔ تو اسی دم قائم نہ رہ سکا۔ لیکن جب لطف الٰہی کی مدد آپہنچی تو اپنے قدموں پر قائم رہا۔

اور درحقیقت جو زنجیریں اور طوق بدبختوں اور اعلیٰ درجہ کے بدبختوں کے لئے تیار کئے گئے ہیں۔ ان تمام کا اسباب انہی سات چیزوں سے لیا گیا ہے۔ جیسا کہ اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

"ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنيَا"۔ (ال عمران: ١٤)

''دنیاوی زندگی کے یہی اسباب ہیں''۔

اور دوزخ کے گھٹیل درجات جو کہ ان کے لئے خالی کئے گئے ہیں۔ ان سب کا سرمایہ ''ذین للناس'' کی دکان سے لیا گیا تھا۔ اور ''حب الشھوات'' کی سات شہوتوں سے دوزخ کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ جیسا:

"لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ"۔

''اس کے سات دروازے ہیں''۔

اور سات مختلف راستے اس کی طرف جاتے ہیں۔ ''صفت النار بالشھوات'' ان ساتوں شہوتوں کا بیج انسان کے ساتوں اعضاء میں بو دیا۔ اور حواس خمسہ کو ان کی تربیت کے لئے مقرر کیا گیا۔ تا کہ پندرہ سال کے عرصہ میں ہر درخت پر شہوت کا پھل لگ جائے۔ بعد ازاں صاحب شرع کو اس کا عامل بنا کر بھیجا۔ اور اس نے جا کر ہر عضو پر سجود کا اخراج کیا:

"امرت ان السجد علی سبعة اٰراب"۔

''مجھے اسباب کا حکم ہوا ہے۔ کہ ساتوں اعضاء پر سجدہ کروں''۔

اور فرمایا: کہ ان درختوں کے پھلوں کو سعادت اُخروی کا بیج بناؤ اور عبودیت کی زمین میں شریعت کے ہاتھ سے بوؤ۔ کیونکہ:

"الدنیا مزرعة الآخرة"۔ ''دنیا آخرت کی کھیتی ہے''۔

عنایت لایزالی اور عاطفت ذوالجلالی نے ایک گروہ کو پیدائش کے شروع ہی سے
درجات کی طرف جیسا کہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشادفرماتا ہے' کہ
"وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا".(زمر:۷۳)
''وہ لوگ جو اپنے پروردگار سے ڈرتے رہے۔ وہ سب کے سب جنت کی طرف
لے جائے جائیں گے''۔
کی باگ کھینچنے سے جیسا کہ اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ایک اور جگہ ارشاد فرماتا
ہے:
"وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّه". (النازعات: ٤٠)
''اور جو شخص اپنے ربّ کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا''۔
کی راہ پر
"وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى". (النازعات: ٤٠)
''نفس کو حرام خواہش سے روکا ہوگا''۔
کے قدم سے
"فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى". (النازعات: ٤١)
''سو جنت اس کا ٹھکانہ ہوگا''۔
کی جائے بازگشت کو پہنچا دیا۔ اور غیرتِ الٰہی نے بے پرواہی کی تیزی کے سبب ایک
گروہ کو پیدائش ہی سے درجات کی کمی کی طرف قہر کے چابک سے
"وَسِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا". (الزمر: ۷۱)
''جنھوں نے ناشکری کی وہ دوزخ کی طرف دھکیل دیئے جائیں گے''۔
"فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ". (النازعات:۳۷)
''جس نے سرکشی کی ہوگی''۔

کی راہ پر

"وَاٰثَرَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَاO فَاِنَّ الْجَحِیْمَ هِیَ الْمَاْوٰیO". (النازعات:۳۸-۳۹)

"اس نے دنیاوی زندگی کو پسند کیا۔ پس اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے"۔

کے قدم سے دوڑایا:

"هٰولاءِ فی الجنة ولا اوبالی و هٰولاءِ فی النار ولا اوبالی"۔

"وہ جنت میں ہیں۔ تو بھی مجھے پرواہ نہیں۔ اور وہ دوزخ میں ہیں۔ تو بھی ان کی مجھے پرواہ نہیں"۔

اگر عنایت بے علت جان کر گریبان سے سر نکالتی۔ تو اس کے قہر کی کمند اور اس کے مکر کی زنجیروں سے کس طرح نکل سکتے۔ اور اس کے طلسمات اعظم کے بند کس قوت سے توڑ سکتے۔

سلوک کی تمنا کے خیال کو بادشاہوں۔ پیروں۔ سرمایہ داروں۔ سلطانوں کے سر نہیں چاہئیں۔ ہر ایک مفلس۔ قلاش اور گداگر کے ہاتھ پاؤں سے اس طرح کی بڑی فتح نہیں ہو سکتی۔ البتہ اگر مکار شیطان کے تصرف سے خلاصی پا کر اسلام کا لباس اور ایمان کی پوشاک لے کر اس جہان سے جان بچا کر نکل جائیں۔ تو بے شک یہ بڑی بھاری نعمت ہے۔

"اللهم اختم لنا نجاتم الایمان والاسلام"۔

"یا الٰہی! ہمارا خاتمہ ایمان اور اسلام پر کر"۔

زندہ کرنے کے بعد مارنے اور مارنے کے بعد زندہ کرنے میں حکمت

واضح رہے۔ کہ آدمی کی پانچ حالتیں ہیں:

۱- حالتِ عدم

جیسا کہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے۔ کہ

"هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا ○ (الدھر:۱)
یعنی (عدم کے پردے میں انسان کا علم حق میں وجود تھا۔لیکن اسے اپنے وجود کی خبر نہ تھی۔نہ ہی یہ اپنا ذکر تھا۔اور نہ ہی مذکور"۔

۲- حالتِ وجود

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

"الارواح جنود مجندة فما تعارف منها اتیلف وما تناکر منها اختلف"۔
"یعنی جب عدم کے پردے سے عالم ارواح میں آیا۔تو پھر اسے اپنے وجود کا کچھ شعور ہوا۔اور اپنا ذاکر اور مذکور بنا۔"

۳- روح اور قالب کا تعلق

اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:
"وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ"۔(الحجر:۲۹)
"اس میں میں نے اپنی روح پھونکی"۔

۴- روح کا قالب سے علیحدہ ہونا

چوتھی وہ حالت جب روح کا تعلق قالب سے جدا ہوتا ہے۔جیسا کہ اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے۔
"كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ"۔(ال عمران:۱۸۵)
"ہر ایک نفس کو موت چکھنی پڑے گی"۔

۵- روح کا قالب میں دوبارہ آنا

اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:
"وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَءُ وا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ"۔(الروم:۲۷)

''اور وہی ہے۔ جو اوّل بار پیدا کرتا ہے۔ پھر وہی دوبارہ پیدا کرے گا''۔

لہٰذا یہ پانچوں حالتیں انسان کے لئے ضروری تھیں۔ تا کہ ذات و صفات الٰہی کی معرفت میں اپنے کمال کو پہنچ جاتا۔ اور نیز خلقت کو پیدا کرنے میں جو اللہ ربّ العزت کی حکمت تھی۔ وہ بھی حاصل ہو جائے۔ کہ:

''کنت کنزًا مخفیًا فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق لکی اعرف فلھٰذا تبین ان اللہ تعالٰی خلق الانسان لمعرفۃ''۔ (تبان الاسلام صفحہ:۶۷)

''اللہ ربّ العزت حدیث قدسی میں ارشاد فرماتا ہے۔ کہ میں ایک مخفی خزانہ تھا۔ میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں۔ پس میں نے مخلوق کو پیدا کیا۔ کہ وہ میری معرفت حاصل کریں''۔

۱- پہلی حالت عدم

حالت عدم تو اس لئے چاہیے تھی۔ کہ جب عالم ارواح میں اس کا وجود از سر نو پیدا ہو۔ تو اسے اپنی ہستی کا شعور حاصل ہو جائے۔ اور اپنے حدوث سے بھی آگاہ ہو جائے۔ اس سے یہ بھی لازم آتا ہے۔ کہ اپنے بنانے والے کے قدم کو بھی پہچانے۔

۲- دوسری حالت یعنی عالم ارواح میں آنا

یہ اس لئے ضروری تھا۔ کہ اس سے پیشتر کہ عالم اجسام میں آئے۔ اور روحانیت کی صفائی میں شہود بے واسطہ کا ذوق حاصل کرے۔ اور بے حجاب فیض سے فیض اٹھائے۔ اور خطاب ''الست بربکم'' کے سننے کا استحقاق اور ''بلٰی'' کہنے کی سعادت کی استعداد اسے حاصل ہو سکے اور جب بے واسطہ ہم کلام ہونے کی دولت اسے مل جائے۔ تو پہچان لے۔ کہ اللہ ربّ العزت میرا پرورش کنندہ ہے۔ نیز اس کی باقی صفات یعنی

مریدی۔حی۔ متکلمی۔ سمیعی۔ بصیری۔ عالمی۔ قادری اور باقی وغیرہ کو پہچان لے۔ جو کہ

ذاتی صفات ہیں اگر عالم ارواح میں اس کا وجود نہ ہوتا۔ اور عالم ارواح میں آئے بغیر عالم اجسام میں آجاتا۔ تو نہ ہی ان صفات ذاتی کی حقیقی معرفت اسے حاصل ہوتی۔ اور نہ ہی اسے یہ استحقاق ہوتا۔ کہ عالم اجسام میں دوسری مرتبہ تربیت سے روحانی صفائی حاصل کرتا۔ یا یہ کہ اللہ ربّ العزت کی ہم کلامی کا مرتبہ حاصل کرتا۔ لہٰذا یہ بیج ابتداء ہی میں ہونے چاہئیں۔ تا کہ انجام میں یہ پھل حاصل ہوسکیں۔

۳۔روح کا قالب سے تعلق ہونا

روح کو قالب سے تعلق ہونے کی حالت بھی بہت ضروری ہے۔ تا کہ کمالات معرفت کے آلات حاصل کر سکے۔ اوراس حالت میں اللہ ربّ العزت کو رزاق۔ رحمٰن۔ رحیم۔ غفار۔ ستار۔ نعمت دہندہ۔ محسن۔ وہاب اور تواب جانے۔ اور روح کی تربیت میں ان آلات کی مدد سے معرفت میں مقامات کو پہنچ جائے۔ جو کہ عالمِ ارواح میں حاصل نہیں ہوسکتے تھے۔ اور وہ حسب ذیل ہیں:

مشاہدات۔ مکاشفات۔ علوم لدنی۔ تجلیات۔ تصرفات۔ جذبات۔ بارگاہ الٰہی میں پہنچنا۔ اورطرح طرح کے معارف کہ جن کا قدرے قلیل ذکر ''راقم الحروف'' اوپر بیان کر چکا ہے۔ مگران کی شرح کہ آسمان اور زمین میں بھی نہیں سما سکتی۔

۴۔روح کا قالب سے جدا ہونا

اس حالت کی ضرورت کی دو وجوہات ہیں۔ ایک یہ کہ جو آلائش روح کو جسم کی صحبت سے حاصل ہوئی ہیں۔ وہ اب مفارقت میں آہستہ آہستہ اس سے دور ہو جائیں۔ اور جوانس اور الفت اسے جسم سے پیدا ہوگئی ہے۔ اسے دور کر دے۔ اور دوبارہ روحانی صفائی حاصل کرے اور یہ بات نیک بخت حضرات کی ارواح کو حاصل ہوتی ہے۔ جو کہ خلاصۂ موجودات بھی ہیں۔ اور یہ کہ ان صفات کے ذریعے جو کہ قالب کے اوزار

سے حاصل کی ہیں۔ قالب کی رکاوٹ بشریت کی آلائشوں کے بغیر اور حقیقت کی کدورت کے بغیر بارگاہ الٰہی سے معرفت اور قرب حاصل کر سکے۔

دوسرے یہ کہ معارف غیبی کے ذوق ان آلات کے وسیلے جو کہ قالب سے حاصل کئے ہیں۔ بے قالبی کی حالت میں حاصل کر سکے۔ جو کہ اسے عالم ارواح میں حاصل نہ تھے۔ وہ اس لئے کہ اگر عالم اجسام میں ان کے ادراک کے آلات نہ تھے۔ تو اس کا ذوق ہی نہ رکھتا تھا۔ کیونکہ جو کچھ اُسے ملتا تھا۔ وہ قالب کے پردہ پیچھے سے ملتا تھا۔ اور وہی کچھ اب اسے قالب کی مزاحمت کے بغیر ملتا ہے۔ اور جس سے کہ لطف دوبالہ ہو جاتا ہے۔ پھل کی طرح کہ جب تک درخت پر ہوتا ہے۔ جیسے انگور وغیرہ تک اس کا ذائقہ خالص ہی ہوتا ہے۔ اور جب درخت سے اتار کر کچھ مدت دھوپ میں رکھے جاتے ہیں۔ کہ انگور کا منقّیٰ بن جائے۔ تو پھر ان کا اور ہی قسم کا ذائقہ بن جاتا ہے۔ اگر چہ درخت پر بھی اسے دھوپ تو لگتی تھی۔ مگر چونکہ درخت پر تھا۔ اس لئے درخت کی طبعی خاصیت کی وجہ سے آفتاب کی مدد سے کچھ جمع کرنا تھا۔ اور اس میں رطوبت اور کھٹاس باقی تھی۔ اب جب کہ درخت کا وسیلہ بیچ میں سے اُٹھ گیا۔ تو منقّیٰ کا مزہ یہی ہو گیا۔ اور کہ جو درخت کی رکاوٹ کے بغیر آفتاب کی تربیت سے اس میں پیدا ہو گیا۔ ابتداء میں انگور کو تربیت حاصل کرنے کے لئے درخت کی ضرورت تھی۔ اگر درخت نہ ہوتا۔ تو محض آفتاب کے تصرف سے انگور پیدا ہی نہ ہوتا۔ لہٰذا جب انگور درخت (بیل) پر پک جائے۔ تو درخت پر رہ کر وہ منقّیٰ نہیں بن سکتا۔ بلکہ ایسا کرنے کے لئے انگور کو درخت سے اتار کر دھوپ میں اس کی پرورش کرنی چاہئے۔ تا کہ منقّیٰ میٹھا ہو جائے۔ پس اسی طرح روح کو اعمال کے پھلوں کی پرورش کے لئے قالب کے درخت کی ضرورت تھی۔ اور جب درخت ہونے کی کمالیت کو پہنچ گیا۔ تو جب تک قالب کے درخت پر رہا۔ اگر چہ عنایت الٰہی کا آفتاب اس کی پرورش کرتا رہا۔ لیکن پھر بھی قالب

کے درخت کی طبعی خاصیت سے اعمال کا بادل مزاحمت کرتا رہا۔ جیسا:

"انه لیغان علی قلبی"۔

''وہ میرے دل پر پردہ سا ڈالتا ہے''۔

اور جو ذوق معارف غیبی کا اسے حاصل ہوتا تھا۔ وہ قالبی صفات کی رطوبت اور کھٹاس کے بغیر نہ ہوتا تھا۔ اور اب روح کو پھل کی طرح قالب کے درخت سے اتار کر نظر الٰہی کی دھوپ میں رکھنا چاہئے۔ تا کہ اس دھوپ کا اثر قالب کے درخت کے وسیلے کے بغیر اس پر عمل کرے۔ کیونکہ ابتداء میں جب کہ انسان درجہ کی کمالیت کو نہیں پہنچا تھا۔ اس وقت وہ عالم ارواح میں ان نظروں کے تصرفات کے قابل نہ تھا۔ نیز یہ کہ ظاہری موت بغیر اللہ ربّ العزت کی ممیتی (مارنے والی) صفت کا حقیقی عارف نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اس میں بہت ہی بڑے اور گہرے راز ہیں۔ کہ جن کی مفصل کیفیت بڑی سے بڑی کتابوں میں بھی نہیں سما سکتی۔

۵- روح کا دوبارہ قالب میں آنا

یہ اس لئے ضروری ہے۔ کہ اس میں انسان کا کمال ہے کیونکہ ایسا کرنے سے غیب و شہادت اور دنیا و آخرت کے تمام ممالک میں خلافتِ خداوندی سے متصرف ہوتا ہے۔ اور دونوں جہان کی گونا گون نعمتوں سے بدرجۂ کمال فائدہ حاصل کرتا ہے۔

"اعددت لعبادی الصالحین مالا عین رات ولا اذن سمعت...... الخ"

''میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے وہ وہ چیزیں تیار کر رکھی ہیں۔ جن کو نہ آنکھوں نے دیکھا۔ نہ کانوں نے سنا۔ اور نہ ہی انسان کو کبھی اس کا وہم و گمان ہی ہوا''۔

یہ نعمتیں بعض روحانی ہیں۔ اور بعض جسمانی جو جسمانی ہیں۔ ان میں دوسرے

آلات جسمانی بغیر تصرف نہیں کر سکتے۔ پس دنیاوی فانی قالب کو نورانی اور باقی آخرت کی صورت میں اٹھائیں گے۔

"یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَیْرَ الْاَرْضِ"۔ (ابراھیم:٤٨)

''قیامت کے دن زمین اور زمین میں تبدیل ہو جائے گی''۔

اگر وہی قالب ہوگا۔ تو اسی صورت میں ہوگا۔ مگر اس طرح کا نہیں ہوگا۔ دنیاوی قالب تو چار عناصر مٹی۔ ہوا۔ آگ اور پانی سے بنا تھا۔ مگر پانی اور مٹی اس پر غالب تھے۔ جب کہ اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے!

"مِنْ طِیْنٍ لَّازِبٍ"۔ (الصفت:١١)

''چپک جانے والی مٹی سے''۔

اور یہ دونوں محسوس اور کثیف ہیں۔ کہ جن کو آنکھ دیکھ سکتی ہے۔ جبکہ ہوا اور آگ دونوں لطیف اور نا محسوس ہیں۔ کہ جن کو انسانی آنکھ نہیں دیکھ سکتی۔ جبکہ یہ دونوں مغلوب ہیں۔ اور اسی قالب کو آخرت میں جو کہ عالم لطیف ہے۔ بنائیں گے تو انہیں چار عناصر سے مگر وہاں ہوا اور آگ کو مٹی اور پانی پر غالب کریں گے۔ کیونکہ پہلے دونوں لطیف ہیں۔ اور مؤخر الذکر کثیف ہیں۔ تا کہ جسم نہایت ہی لطیف ہو جائے۔ اور دنیا میں جو نور مومن کے دل میں ہے۔ قیامت کے دن وہی نور اس کے قالب پر ہوگا۔ کیونکہ اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے!

یَسْعٰی نُوْرُھُمْ بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ"۔ (الحدید:١٢)

''ان کا نور ان کے سامنے دوڑتا ہوگا''۔

اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ایک اور جگہ پر ارشاد فرماتا ہے:

"یَوْمَ تَبْیَضُّ وُجُوْہٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْہٌ"۔ (ال عمران:١٠٦)

''قیامت کے دن بعض کے چہرے سفید ہوں گے اور بعض کے سیاہ''۔

درج بالا آیت کا اشارہ بھی اسی لئے ہے۔ پس جبکہ قالب لطیف اور نورانی ہو گا۔ تو روح کے لئے رکاوٹ نہیں ہو گا۔ وہ اس لئے کہ جس چیز سے رکاوٹ پیدا ہوتی تھی۔ جیسا کہ اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ:

نَزَعْنَا مَافِیْ صُدُوْرِھِمْ مِّنْ غِلٍّ"۔ (اعراف:۴۳)

''ہم نے ان کے سینوں کے کھوٹ دور کر دیئے ہیں''۔

کے تصرف سے باہر نکال دیا جائے گا۔ اور وہ اس آئینے کی طرح ہوں گے کہ جس کے جوہر سے خاک اور کدورت صاف کی گئی ہو۔ اور اس کے ظاہر و باطن سے دکھائی دیتا ہو۔ تا کہ ظاہر و باطن یکساں ہو جائے۔ یعنی آر پار دکھائی دیتا ہو۔

"یَوْمَ تُبْلَی السَّرَآئِرُ"۔

''قیامت کے دن بھید ظاہر ہو جائیں گے''۔

کا اشارہ اسی طرف ہے۔ یعنی جو کچھ باطن میں ہو گا وہ ظاہر ہو جائے گا کیونکہ:

"رق الزجاج و رقت الخمر فتشابھا فتشا کل الامر"۔

''شراب اور شیشہ دونوں روشن ہوئے۔ اور وہ دونوں ہر بات میں ایک دوسرے کے مشابہہ ہو گئے''۔

یہاں تک کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ:

''جنتی کی ہڈیوں میں بہ سبب ان کے شفاف ہونے کے مغز تک دکھائی دے گا''۔

پس قالب کو اس لطافت سے اُٹھایا جائے گا۔ تا کہ آٹھوں جنتوں کی نعمتوں سے فائدہ اٹھا سکے۔ اور اس سے کسی قسم کی کدورت پیدا نہ ہو۔ جو کہ مشاہدات روح کی مزاحمت کر سکے۔ نیز یہ بھی فرمایا: کہ صورتی زندگی کے وسیلہ کے بغیر اللہ ربّ العزت کی زندہ کرنے والی صفت کے حقیقی عارف نہیں ہو سکتے۔ جیسا کہ اللہ ربّ العزت قراان مجید میں ارشاد فرماتا

ہے!

"قُلْ یُحْیِیْهَا الَّذِیْ اَنْشَاَهَا اَوَّلَ مَرَّةٍ"۔ (یٰسین:۷۹)

"کہہ دے! کہ ان کو وہی زندہ کرے گا جس نے انہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا"۔

اور روح کو اس کے بعد کہ قالب کی صورت میں اس نے پوری پرورش پالی تھی۔ اور معرفت کے تمام آلات حاصل کر لئے تھے۔ اور قالب سے جدا کر کے مدتوں تک عالم غیب میں نظر عنایت کی گرمی سے تربیت پانے کے سبب جسمانی آلائش اس سے دور ہو گئی تھی۔ اور پھر اللہ ربّ العزت سے بے واسطہ رزق اسے نصیب ہوا۔ جیسا کہ اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے!

"یُرْزَقُوْنَ○فَرِحِیْنَ بِمَا اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ"۔ (ال عمران:۱۷۰)

"ان کو رزق بھی ملتا ہے۔ وہ خوش ہیں۔ اس چیز سے جو ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے عطاء فرمائی"

لہٰذا اس کی بدولت پوری طرح سے طاقت حاصل کر چکا تھا۔ پھر اسے عالم غیب میں بھیجا۔ تاکہ آلات جسمانی کے ذریعے تمام ممالک میں تصرف کرے۔ اور بے واسطگی کے مقام میں آلات جسمانی کی مزاحمت کے بغیر روحانی نعمتوں کا لطف اٹھائے۔ اور معرفت اور مقام عندیت جیسا کہ اللہ ربّ العزت نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے!

"فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْكٍ مُّقْتَدِرٍ"۔ (القمر: آخری آیت)

"صاحب اقتدار بادشاہ کے پاس خاص مقام ہیں"۔

کی کمالیت کا ذوق حاصل کر لے۔ وہ اس طرح کہ روح اپنے کام میں لگی رہے۔ اور جسم اپنے کام میں لگا رہے۔ کیونکہ:

"لا یشغله شان عن شان"۔

"کوئی اور حالت اس حالت سے نہیں ہٹا سکتی"۔

نامۂ الٰہی کا عنوان اور بندگی اور خداوندی میں فرق

اس لئے کہ نامۂ الٰہی کا عنوان میرے اس درج بالا بیان کا شروع تھا کیونکہ:

"من الملك الحی الذی لا یموت الی الملك الحی الذی لا یموت".

''زندہ اور نہ مرنے والے بادشاہ کی طرف سے زندہ رہنے والے اور نہ مرنے والے بادشاہ کی طرف''

اس مقام میں بندگی اور خداوندی میں یہ فرق ہے۔ کہ اللہ ربّ العزت ان مما لک میں بغیر ضرورتِ آلات بطور استقلال اور اصالت متصرف ہے۔

اور بندہ بوسیلہ آلات بطور نیابت اور خلافت متصرف ہے۔ جیسا کہ:

"واللہ اعلم با الصواب والیہ مرجع والماب".

''اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ اور اسی کی طرف لوٹ جانا اور واپس جانا ہے''۔

اس قدر اشارہ کافی ہے۔ اسرار الٰہی کو ظاہر کرنے کی اجازت نہیں کیونکہ:

"افشاء سر الربوبیة کفر".

''ربوبیت کے اسرار کا ظاہر کرنا کفر ہے''۔

لہٰذا جو سمجھ گیا۔ سو سمجھ گیا۔ اور جو نہ سمجھا۔ نہ سمجھا''۔

واللہ اعلم بالصواب

حاکم وقت اور ان کے نفوس

القرآن: يَادَاوُدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ط اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ م بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ ○ (ص:۲۶)

ترجمہ: ''اے داؤد! ہم نے روئے زمین پر تجھے اپنا خلیفہ بنایا ہے۔ پس لوگوں میں عدل سے حکمرانی کر اور حرص وہوا کی پیروی نہ کرنا۔ کیونکہ یہ تجھے راہ خدا سے گمراہ کر دے گی۔ اور جو لوگ راہ خدا سے بھٹک جاتے ہیں۔ ان کے لئے اس کے عوض روز قیامت کو بڑا سخت عذاب ہوگا''۔

الحدیث: ''السلطان ظل اللہ فی الارض یاوی الیه کل مظلوم''۔

ترجمہ: بادشاہ روئے زمین پر اللہ ربّ العزت کا سایۂ ہوتا ہے۔ ہر ایک مظلوم اس کی پناہ میں آتا ہے''۔

واضح رہے کہ سلطنت روئے زمین پر اللہ ربّ العزت کی خلافت اور نیامت ہے۔ جیسا کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بادشاہ کو اللہ ربّ العزت کا سایہ قرار دیا ہے۔ حقیقت میں اس کے بھی معنی خلافت ہی کے ہیں۔ وہ اس لئے کہ عالم صورت میں جب کوئی شخص کسی مکان کی چھت پر ہو۔ اور اس کا سایہ زمین پر پڑے۔ تو وہ سایہ اس کی ذات کا خلیفہ ہوتا

ہے۔ اور وہ سایہ اسی شخص کا سایہ کہلاتا ہے۔ اور کہتے ہیں۔ کہ یہ فلاں شخص کا سایہ ہے۔ اور جو کچھ اس شخص کی ذات اور صفات میں ہوتا ہے۔ اس کا اثر عکس کے طور پر اس سائے میں ظاہر ہوتا ہے۔ یہ ایک بہت ہی بڑا بھید ہے۔ کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے:

"ان الله خلق آدم علیٰ صورته"۔

"اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی صورت کا سا بنایا"۔

کا اشارہ بھی اسی بارے میں ہے۔ اور اللہ ربّ العزت نے اپنے لطف کے اسرار سے ایک سرّ "ھما" میں جو کہ ایک کمزور سا پرندہ ہے رکھا۔ لہٰذا اے انسان تو دیکھ کہ اس کے سائے میں کیا خاصیت آ گئی۔

اسکی تاثیر یہ ہے۔ کہ جس پر اس کا سایہ پڑے۔ وہ بادشاہ ہو جاتا ہے۔ پس اللہ ربّ العزت جب کمال عنایت الٰہی سے بندے کو تمام مخلوقات سے برگزیدہ کرے۔ اور اسے ظل الٰہی سے مخصوص کرے۔ اور پھر ذات وصفات خداوندی کے عکس کی قبولیت کی استعداد اسے عنایت فرمائے۔ تو اس ذات مشرف اور گوہر مکرم میں کس قسم کا اقبال۔ عزت۔ اور کرامت رکھی ہو گی۔ جبکہ اس شریف ذات اور لطیف عنصر کی ادنیٰ خاصیت یہ ہے۔ کہ جس لائق یا نالائق پر نظر عنایت کرتا ہے۔ تو اسے سارے جہان کا مقبل اور مقبول بنا دیتا ہے۔

پھر وہ بندہ جسے قہر کی نظر سے دیکھتا ہے۔ اسے سارے جہان کا مردود اور بد بخت بنا دیتا ہے۔ کسی گذشتہ بادشاہ کے بارے میں کہتے ہیں۔ کہ وہ کہا کرتا تھا:

"نحن الزمان فمن رفعناه ارتفع ومن وضعناه ارتضع"۔

"ہم ہی زمانہ ہیں۔ جسے ہم اونچا کرتے ہیں۔ وہی اونچا ہوتا ہے۔ اور جسے ہم گرا دیتے ہیں۔ وہ گر جاتا ہے"۔

یہ بات بلحاظ معنی کے تو بالکل ٹھیک ہے۔ مگر اس بادشاہ کی نظر حاصل نہ تھی۔ لہٰذا اگر وہ کامل ہوتا۔ تو اپنے آپ کو بہتر خیال نہ کرتا اور "نحن الزمان" کی بجائے "نحن خلفاء

الرحمن'' کہتا۔

حاکمین وقت کی اقسام

میرے (راقم الحروف) کے نزدیک حاکمین وقت کی دو اقسام ہیں۔ایک دنیاوی حاکم (بادشاہ۔صدر۔وزیراعظم وغیرہ)۔اور دوسرے دینی حاکم (غوث۔قطب ابدال۔نجیب۔اوتاد دیگر اولیائے کرام)

دنیاوی بادشاہ

جو دنیاوی حاکم ہیں۔وہ اللہ ربّ العزت کی صفات لطف وقہر کی صورت ہیں۔لیکن اپنی صورت ہی میں بند ہیں۔اور اپنی صفات کی شناخت سے محروم ہیں۔اور اللہ ربّ العزت کی صفات قہر کی صورت ہیں۔لیکن ان پر ظاہر نہیں ہوتی۔مثلاً چاند کا چہرہ جو کہ اپنے جمال سے خود بے خبر ہے۔جبکہ اس کے جمال سے دوسروں کو فائدہ پہنچتا ہے۔جو کہ اسے دیکھتے ہیں۔

دینی بادشاہ

جو دینی بادشاہ ہیں۔وہ اللہ ربّ العزت کی صفات قہر ولطف کے ظاہر کرنے والے اور جائے ظہور ہیں۔جنھوں نے صورت کے طلسم اعظم کو شریعت کی کنجی سے طریقت کی دستکاری سے کھولا ہے۔اور احوال وصفات کے خزانوں اور دفینوں کو جو ان کے وجود کی بنیاد میں گاڑے گئے ہیں۔اُس کو حقیقت کی آنکھ سے دیکھ لیا ہے۔اور

"من عرف نفسه فقد عرف ربه"۔

''جس نے اپنے نفس کو پہچانا۔اس نے اپنے ربّ کو پہچان لیا''۔

کے خزانے تک پہنچ گئے ہیں۔اور خلافت ابدی کی سلطنت کے تخت اور ہمیشہ رہنے والی سلطنت کے تخت کے مالک ہو کر بیٹھے ہیں۔جیسا کہ اللہ ربّ العزت نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے!

"وَاِذَا رَاَیْتَ ثَمَّ رَاَیْتَ نَعِیْمًا وَّمُلْکًا کَبِیْرًا"۔ (الدھر: ۲۰)

''اگر تو اس جگہ کو دیکھے تو تجھ کو بڑی نعمت اور بڑی سلطنت دکھائی دے''۔

جیسا کہ

"ان اللہ ملو کا تحت اظھار"۔

لہٰذا ایسے لوگوں کے لئے بادشاہ۔ سلطان۔ دہقان برابر ہیں۔ اگر چہ وہ گدڑیوں میں ہیں۔ لیکن ان کے دل زندہ ہیں۔

خوشی سے زندگی بسر کرنے والے بظاہر گداگروں کی ہمت کو

"غُدُوُّھَا شَھْرٌ وَّرَوَاحُھَا شَھْرٌ"۔

''صبح کسی شہر میں اور شام کو کسی شہر میں''۔

سے شرم آتی ہے۔ کیونکہ ایک لمحہ میں وہ دونوں جہان کے ملکوں کی سیر کر آتے ہیں۔

اور اگر سچ پوچھو تو دونوں جہان بھی ان کی جاگیر کے لائق نہیں۔

لیکن بڑی سعادت اور اعلیٰ درجہ کی نعمت ان کے حصہ میں ہے۔ کہ کسی صاحبِ دولت کو دین و دنیا کی سلطنت عنایت کریں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے:

"وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَۃَ وَالْاُوْلٰی"۔ (اللیل: ۱۳)

''اور ہمارے لیے آخرت ہے۔ اور وہی بہتر ہے''۔

کی خلافت میں دونوں جہانوں پر قابض ہو جائے۔ جس طرح کہ حضرت داؤد علیہ السلام کو یہ مرتبہ عنایت ہوا تھا۔ جیسا کہ اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں فرماتا ہے:

"یَا دَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰکَ خَلِیْفَۃً فِی الْاَرْضِ"۔ (ص: ۲۶)

''اے داؤد! ہم نے تمہیں زمین پر بادشاہ بنایا ہے''۔

میرے (راقم الحروف) کے خیال کے مطابق اللہ ربّ العزت نے اس ایک آیت میں دس حکمتیں ثابت کیں ہیں۔ اور دیگر فرمانرواؤں۔ بادشاہوں اور حاکمین وقت کو فرمانروائی۔

حکمرانی۔ آدابِ سلطنت اور انصاف کے طریقے کی نسبت متنبہ فرمایا ہے۔ دس حکمتیں مندرجہ ذیل ہیں:

۱- یہ فرمایا کہ: ''انا جعلنك خليفة'' (ہم نے ہی تجھے بادشاہ بنایا) اس سے یہ اشارہ ہے۔ کہ بادشاہ کو اپنی بادشاہی اللہ ربّ العزت کی عنایت کردہ ہی سمجھنی چاہئے۔ جیسا کہ اللہ ربّ العزت نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے:

''تُؤْتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ''۔ (ال عمران:۲۶)

''جسے چاہتا ہے۔ ملک عنایت کر دیتا ہے''۔

۲- بادشاہ کے لئے یہ تنبیہہ ہے۔ کہ ہم نے تجھے ملک دیا ہے۔ اور جسے ہم نے دیا ہے۔ اس سے نہ لے۔ کیونکہ اس سے بھی ایک روز یہ ملک لے لیا جائے گا۔ اور پھر کسی دوسرے کو دے دیا جائے گا۔ جیسا کہ اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

''وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ''۔ (ال عمران:۲۶)

''اور جس سے چاہتا ہے۔ ملک لے لیتا ہے''

لہٰذا اس بات کی کوشش کرے۔ کہ اس فانی اور مستعمار ملک سے حقیقی ملک حاصل کرے۔ اور اپنے تئیں (آپ) دونوں جہان میں نیک تعریف اور عمدہ جزا سے محروم نہ کر لے۔

۳- تیسرے یہ کہ بادشاہی کو اللہ ربّ العزت کی نیابت اور خلافت سمجھے۔ اور خلقِ خدا تعالیٰ سے خوش اخلاقی اور خوش اسلوبی سے پیش آئے۔

۴- اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے!

''فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ''۔ (ص:۲۶)

''لوگوں میں انصاف کے ساتھ فیصلے کرتے رہنا''۔

اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے۔ کہ خلق خدا تعالیٰ میں خود اپنی ذات سے حکمرانی

کرے۔ اور جہاں تک ہو سکے۔ رعیت کے کاروبار اور احکام کو دوسروں کے سپرد نہ کرے۔ کیونکہ سلطنت کے حکمرانوں۔ نوابوں۔ سرمایہ داروں۔ وزراء وغیرہ کو رعایا پر وہ شفقت۔ نرمی۔ مہربانی نہیں ہوتی۔ جو کہ خود بادشاہ کو اس کے حال پر ہوتی ہے۔ وہ اس لئے کہ جو شفقت اور رحمت پانچ خلقوں کو پانچ خلقوں پر ہوتی ہے۔ وہ ان کے غیر پر نہیں ہوتی۔

۵- اوّل اللہ ربّ العزت کی رحمت بندے پر۔ دوم نبی کی نرمی امت پر۔ سوم بادشاہ کی شفقت رعایا پر۔ چہارم والدین کی محبت فرزندوں پر۔ پنجم شیخ کامل کی عزت مرید صادق پر۔

۶- جب حکومت راستی سے کرے۔ تو فرمان الٰہی کے مطابق کرے۔ اور اللہ ربّ العزت کی خاطر کرے۔ نہ کہ خلقت کی خاطر کرے۔

۷- اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

"وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰی"۔ (ص:۲۶)

''خواہشاتِ نفسانی کی پیروی مت کرنا''۔

اور جو شخص کسی قسم کی تابعداری کی خواہش کرے گا۔ وہ کسی طرح بھی کوئی اور کام محض اللہ ربّ العزت کی خاطر نہیں کر سکے گا۔ اور اس میں ضرور خواہش ملی ہوئی ہوگی۔ وہ اس لئے کہ جب حرص و ہوا مرد پر غالب ہوتی ہے۔ تو پھر اس کے اوامر ونواہی پر حرص وہوا قابض ہوتی ہے۔ اور حرص و ہوا ہی اسے ہمیشہ اللہ ربّ العزت کے فرمان کے بر خلاف ظہور پذیر ہوتی ہے۔ اور کوئی کام جو اس کے برخلاف نہ کیا جائے۔ وہ اللہ ربّ العزت کو پسند نہیں آتا۔ لہٰذا بندوں نے جب خدائی کا دعویٰ بھی کیا تھا۔ تو ان کی اسی خواہش نے کیا تھا۔ کیونکہ اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

"اَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰهُ"۔ (الفرقان:۴۳)

''کیا تو نے اس شخص کو دیکھا۔ جس نے حرص۔ ہوا کو اپنا معبود ٹھہرایا''۔

لٰہذا اگر فرعون۔ نمرود۔ شدا داور اکبر مغل بادشاہ نے خدائی کا دعویٰ کیا۔ تو صرف خواہشِ نفسانی کے سبب۔ اگر بنی اسرائیل نے بچھڑے کی پرستش کی تو بھی خواہش کے سبب اور اگر مسیلمہ کذاب۔ اسود عنسی اور مرزا قادیانی جیسے لعینوں نے نبوت کا دعویٰ کیا تو صرف خواہش نفسانی کے سبب اور اگر ایک قوم نے بتوں کو خدا مانا تو وہ بھی خواہشِ نفسانی کے سبب سے ہی ایسا کیا۔ اللہ ربّ العزت کے حبیب سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

"ما عبد الله البغض على الله من الهوى"۔

''حرص سے بڑھ کر کسی معبود کا کوئی بندہ اللہ ربّ العزت سے بغض نہیں کرتا''۔

اور درحقیقت یہ خواہش ہی ہے۔ جو کہ خدا انگیز ہے۔ ایک شاعر نے کتنے خوبصورت انداز میں میرے اس درج بالا بیان کو اپنے ایک شعر میں سما دیا:

اے ہوا ہائے تو ہوا انگیز
دلے خدایان تو خدا انگیز

۸- پھر درج بالا آیت میں ظاہر کیا کہ حرص کی پیروی کرنا راہ اللہ تعالیٰ سے بھٹک جانا ہے۔ جیسا کہ اللہ ربّ العزت نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے:

"فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ"۔ (ص:۲٦)

''وہ اللہ تعالیٰ کے رستہ سے تم کو بھٹکا دے گی''۔

اور حرص وہوا کی مخالفت کرنا ہی اللہ ربّ العزت کی راہ میں چلنا ہے۔ جیسا کہ اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے!

"وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ○ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى○"۔ (النازعات:۴۰-۴۱)

''اور نفس کو خواہشات سے روکا۔ پس اس کا ٹھکانہ جنت ہے''۔

۹- اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

"اِنَّ الَّذِیْنَ یُضِلُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ عَذَابٌ شَدِیْدٌ بِمَا نَسُوْا یَوْمَ الْحِسَابِ". (ص:٢٦)

''اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے رستہ سے بھٹکتے ہیں۔ ان کے لئے بہت سخت عذاب ہوگا۔ اس وجہ سے کہ وہ روز حساب سے بھولے رہے''۔

اس سے یہ اشارہ ہے۔ کہ جو شخص اللہ ربّ العزت کی راہ سے بھٹک جائے۔ اور حرص و ہوا کا شکار ہو جائے۔ اور ایسی حالت میں کہ اگر وہ اسی پر بضد رہے۔ تو پھر اس سے کفر لازم آتا ہے۔ کہ جس کی وجہ سے وہ سخت عذاب میں مبتلا ہوگا۔ اس لئے کہ اب وہ کفر کی مراد ہے۔ اور آخرت کا بھول جانا اور اللہ ربّ العزت کو فراموش کر دینا نہایت ہی سخت عذاب کا سبب ہوتا ہے:

"نَسُوا اللّٰہَ فَنَسِیَھُمْ".

''وہ اللہ تعالیٰ کو بھول گئے اور اللہ تعالیٰ ان کو بھول گیا''۔

۱۰- اللہ ربّ العزت نے پھر یہ بات واضح کر دی۔ کہ نبی ہو کر بھی جہان کی بادشاہی کر سکتے ہیں۔ وہ اس طرح پر کہ حکمرانی۔ جہانگیری۔ اور عدل۔ انصاف کے حقوق کو ملحوظ رکھے۔ اور رعیت پروری کرے۔ اور ساتھ راہ دین کے سلوک اور معاملات شرع کے حفظِ مراتب بجا لائے۔ اور ولایت کی رسوم اور نبوت کی شرائط کو بھی بجا لائے۔ تاکہ بادشاہوں اور فرمانرواؤں کو اس بہانہ کا موقع نہ ملے۔ کہ ہم تو دنیاوی سلطنت اور رفاہ عامہ کے امور میں رہ کر دینی فوائد اور سلوک کے نفع جات سے محروم رہ گئے۔ بلکہ اصل بات تو یہ ہے۔ کہ اللہ ربّ العزت کی عبادت کرنے کے لئے سب سے کامل ترین ذریعہ ہے۔ اور قرب الٰہی کا سب سے اعلیٰ وسیلہ بھی ہے۔ لہٰذا حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسی بات کو مدنظر رکھ کر ملک کی درخواست کی تھی۔ بلکہ علم اور نبوت نہیں مانگا۔ اور نہ ہی اس کی خواہش کی تھی۔ جیسا کہ اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

"قَالَ رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَهَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا یَنْبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْ بَعْدِیْ". (ص:۳۵)
''اے پروردگار! مجھے ایسا ملک عنایت کر جو میرے بعد کسی کو نصیب نہ ہو''۔
اس میں بھی حسب ذیل فوائد اور حکمتیں تھیں:

۱- بادشاہ ہونا اللہ ربّ العزت کی صفت ہے۔ جبکہ علم اور نبوت اس کے علاوہ ہے۔ اور مؤخر الذکر دونوں بندگی کی علامات ہیں۔

۲- دوسرے انہوں نے یہ جانا تھا۔ کہ جب سارا ملک ہو جائے گا تو علم و نبوت بھی اس میں شامل ہوں گے۔ جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو جب خلافت عطاء ہوئی۔ تو اس میں علم اور نبوت بھی شامل تھے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں وارد ہے:

"اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً"۔
''میں روئے زمین پر ایک بادشاہ بناتا ہوں''

اور یہ نہ فرمایا کہ: میں کوئی رسول۔ پیغمبر۔ عالم۔ یا عادل پیدا کرتا ہوں۔ اور اسی طرح حضرت داؤد علیہ السلام کے حق میں اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے!

"اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِیْفَةً"۔ (ص:۲٦)
''بے شک ہم خلیفہ بناتے ہیں''۔

اور یہ نہیں فرمایا کہ: ''بنیاد مولا او عالما'' اس لیے کہ خلافت کے تحت یہ سب کچھ شامل ہے۔

۳- تیسرے یہ کہ نبوت اور علم کے ساتھ جب سلطنت کی طاقت اور شوکت بھی مددگار ہو۔ تو اس کی تاثیر اور اس کا تصرف پہلے سے ہزار گنا ہو جاتا ہے۔ اور پھر دین کی عزت تلوار کے ذریعے ظاہر کر سکتے ہیں۔ جیسا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ ربّ العزت کی بارگاہ میں دعا فرمائی تھی کہ:

''یا الٰہی! تو اسلام کو عمر بن خطاب یا عمر بن ہشام سے عزت بخش''۔

پھر ایک اور جگہ اپنی نبوت کو تلوار سے تشبیہ دی کہ:

"انا النبی السیف"۔

''میں صاحبِ تلوار نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں''

۴۔ چوتھے یہ کہ جب بادشاہ حکمرانی میں رعیت کے ساتھ عدل و انصاف کے ساتھ زندگی بسر کرتا ہے۔ اور ظالموں کو ظلم سے اور بدکاروں کو برے کاموں سے منع کرتا ہے۔ اور کمزوروں کو طاقت دیتا ہے۔ اور طاقتوروں کی تربیت کرتا ہے۔ اور علماء کی عزت کرتا ہے۔ تا کہ علم شریعت کے سیکھنے اور سکھانے کی انہیں رغبت ہو۔ اور نیک بختوں سے یمن اور برکت کا متلاشی ہوتا ہے۔ تا کہ وہ صلاحیت اور عبودیت کی طرف زیادہ مائل ہوں اور امر معروف پر قائم رہیں۔ اور نہی عن المنکر سے باز رہیں۔ اور اپنی رعایا کو بھی آسودہ رکھتا ہے۔ تا کہ بندگی میں مشغول ہوں۔ اور آمد و رفت اور سفر وغیرہ کرنے والوں کے لئے راستے پر امن کرتا ہے۔ اور شہروں سے ملعون کافروں وغیرہ کی شرارت کو دور کرتا ہے۔ تو جو نیکی۔ طاعت۔ عبادت اور سکھانا وغیرہ اس کی رعایا کرتی ہے۔ اور جو آرام اور فارغ البالی اور خوشحالی اس کی رعایا کو حاصل ہوتی ہے وہ سب کچھ اللہ ربّ العزت اس کی نیکیوں کے دفتر میں درج کرتا ہے۔

اور جو ظلم و ستم۔ فسق و فجور اور خلافِ شرع کھیل سے منع کرتا ہے۔ اور اس کی جھڑکی سے رعیت ان کاموں سے باز آ جاتی ہے۔ یہ سب کچھ اس کے لئے بارگاہ الٰہی میں قرب کا وسیلہ بن جاتا ہے۔ بلکہ ان میں سے ہر ایک اس کے لئے راہ حق طے کرنے میں بمنزلہ قدم ہو جاتا ہے۔ تا کہ اگر کوئی اور ایک قدم سے راہ حق طے کرے تو بادشاہ کئی ہزار قدموں سے اس راہ کو طے کرتا ہے۔ جس طرح رعایا میں سے ہر شخص کسی صنعت و حرفت میں دن رات محنت و شاقہ اٹھاتا ہے۔ یا تجارت اور زراعت وغیرہ کرتا ہے۔ اور ان سب کا محصول بغیر تکلیف اور مشقت سرکاری خزانہ میں لایا جاتا ہے۔ اور

سلطنت کی عزت کی وجہ سے سب اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اسی طرح بغیر کسی محنت۔ مشقت اور معاملات ومجاہدات دینی کے محصول رعیت۔ عادل۔ حاکم کے ثواب کے خزانہ میں پہنچاتے ہیں۔ یہ نیک بختی ہر ایک کو حاصل نہیں۔ کیونکہ اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے!

"ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ"۔ (الجمعہ: ۴)

"یہ فضل الٰہی ہے۔ جسے چاہے عطاء فرمائے"۔

۵- یہ کہ سلطنت اور بادشاہی نفسانی مرادوں کے حاصل کرنے اور اس کی شہوتوں اور لذات کے پورا کرنیکے لئے ایک کامل اوزار ہے۔ اور جسے نفسانی خواہش پورا کرنے کی مقدرت نہ ہو۔ وہ اس خواہش کو پورا نہیں کرسکتا۔ اور اسی سبب سے طاعت میں مشغول ہوتا ہے۔ اگرچہ اس میں بھی ثواب تو بہت ہے لیکن اس شخص کا سا نہیں۔ کہ جس کے پاس نفسانی خواہشات کو پورا کرنے کا سامان دستیاب ہو۔ اور پھر سب کو ترک کر کے خواہشات کو پورا کرنے سے باز رہے۔ اور محض اللہ ربّ العزت کی خاطر ان خواہشات کو ترک کئے رکھے۔ ایسے شخص کو ہر ایک آلے۔ قوت اور قدرت کے سبب جو کہ نفسانی خواہشات کو پورا کرنے کے لئے اسے حاصل ہیں۔ اور جن سے وہ قرب الٰہی حاصل کرنا چاہتا ہے۔ ایک خاص قرب۔ درجہ۔ مرتبہ اور عزت بارگاہ الٰہی میں حاصل ہوتی ہے۔ جو کہ اس کے غیر کو حاصل نہیں ہوتی۔

جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ:

"صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت بابرکت میں عرض کیا کہ:

" یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذھب اھل الدثور والاموال بالغوز التام والنعم المقیم فی الدنیا والآخرۃ"۔

"یعنی ان دولت مندوں نے نجات۔ ثواب اور دونوں جہان کی نعمتیں حاصل کر

لیں۔ حضور اقدس ﷺ نے پوچھا: کس طرح؟

انہوں نے عرض کیا: کہ ہم بھی نماز پڑھتے ہیں۔ وہ بھی پڑھتے ہیں۔ روزہ ہم بھی رکھتے ہیں۔ وہ بھی رکھتے ہیں۔ لیکن وہ صدقہ اور زکوٰۃ دیتے ہیں۔ اور ہم نہیں دے سکتے تو حضور اقدس ﷺ نے فرمایا!

میں تمہیں ایسی بات سکھلاتا ہوں۔ کہ جب تم وہ کرو گے۔ تو وہ تمہارے حق میں اس سے بہتر ہو گی۔ کہ ساری دنیا تمہارے قبضے میں ہو۔ اور اسے راہ خدا میں صرف کرو۔ اور کسی کی طاعت تمہاری طاعت کے برابر نہ ہو سکے گی۔ مگر اس شخص کی جو کہ یہی عمل کرے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی۔ یارسول اللہ ﷺ وہ کونسی بات ہے؟

حضور اقدس ﷺ نے فرمایا!

''وہ یہ ہے۔ کہ ہر فرض نماز کے بعد (۳۳) تینتیس مرتبہ الحمد للہ اور (۳۳) تینتیس مرتبہ ''اللہ اکبر'' اور (۱) ایک مرتبہ ''لا الٰہ الا اللہ'' پڑھا کرو''۔

انصاری صحابۂ کرام میں سے ایک صحابی نے خواب میں دیکھا۔ کہ حضور اقدس ﷺ اسے ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ اگر

''(۲۵) پچیس مرتبہ ''سبحان اللہ'' اور (۲۵) پچیس مرتبہ ''لا الٰہ الا اللہ'' اور (۲۵) مرتبہ ''الحمد للہ'' پڑھو تو بہتر ہو گا''۔

اس انصاری نے آ کر حضور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سارا خواب عرض کر دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا! کہ

"افعلوا کما قال الانصاری"

''اچھا جیسے یہ انصاری کہتا ہے۔ ویسے ہی کرو''۔

اس کے بعد صحابۂ کرام ہر نماز کے بعد یہی بات کیا کرتے تھے۔ پھر صحابہ

کرام رضی اللہ عنہم میں سے جو دولت مند تھے۔ جب انہوں نے یہ بات سنی۔ تو انہوں نے بھی ایسی ہی عرض کی۔ اور یہی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پھر دوبارہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کہ دولت مند بھی وہی تسبیح پڑھتے ہیں۔ جو ہم پڑھتے ہیں اور خیرات وغیرہ جو وہ کرسکتے ہیں۔ ہم نہیں کرسکتے۔ یہ سن کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے!

"ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ"۔ (الجمعہ: ۴)

"یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ جسے چاہتا ہے۔ عنایت کرتا ہے"۔

یعنی یہ ایک فضیلت ہے۔ جو اللہ ربّ العزت نے انہیں دے رکھی ہے۔ کہ وہ نفس سے بھی اللہ ربّ العزت کی عبادت کریں اور مال سے بھی۔ پس حضرت سلیمان علیہ السلام نے چاہا۔ کہ نفس مال۔ ملک۔ جنات۔ انسانوں۔ وحشیوں۔ پرندوں۔ درندوں اور کیڑے مکوڑوں کی رعیت اور دوسرے اسبابِ سلطنت سے اللہ ربّ العزت کی عبودیت کرے۔ اور ان سب کے ذریعے قرب الٰہی حاصل کرے۔ کیونکہ جس قدر قرب کا سامان زیادہ ہوگا۔ اتنا ہی قرب زیادہ ہوگا۔ اور قرب کے درجات بھی اعلیٰ ہوں گے۔

۶۔ چھٹے یہ کہ سلطنت اور حکمرانی نیک و بد صفات کی پرورش کے لئے بڑا ہی زبردست آلہ ہے۔ لہٰذا اگر ان آلات سے نفس کی پرورش کریں تو بری صفات میں ایسے درجہ کو پہنچ جاتا ہے۔ کہ خدائی کا دعویٰ کرنے لگتا ہے۔ اور یہی بری صفات کی انتہا ہے۔ اور اس ادنیٰ درجہ میں ان آلات کے علاوہ نہیں پہنچ سکتے۔ اس لئے کہ کسی عاجز و بے کس فقیر نے کبھی خدائی کا دعویٰ نہیں کیا۔ کیونکہ اس کے نفس کو تکبر اور تجبر اور انانیت کی صفات

بدرجۂ کمال پرورش کرنے کے اسباب مہیا نہ تھے۔ اور فرعون کے پاس یہ اسباب مکمل طور پر موجود تھے۔ اس لئے اس نے نفس کی پرورش تکبر۔ تجبر اور انانیت میں بدرجۂ کمال کی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ اس نے

"اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی"۔ (النزعت: ٢٤)

''میں ربِ اعلیٰ ہوں''۔

اور اس دعویٰ میں سلطنت کو دلیل ٹھہرایا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ ربّ العزت نے اس کے متعلق ارشاد فرمایا ہے!

"اَلَیْسَ لِیْ مُلْکُ مِصْرَ وَھٰذِہِ الْاَنْھٰرُ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِیْ"۔ (الزخرف: ٥١)

''کیا یہ ملک مصر میرا نہیں ہے۔ اور یہ نہریں میرے نیچے نہیں بہتیں''۔

اسی طرح اگر نفس کو نیک صفات میں انہی آلات کے ذریعے تربیت کیا جائے۔ تو ایسے مقام کو پہنچ جاتا ہے۔ کہ اخلاق الٰہی سے متخلق ہو کر صفاتِ ربوبیت سے متصف ہو جاتا ہے۔ اور یہ نیک صفات اور دین کے کمال کی انتہا ہے۔ جیسا کہ حضور سرور کائنات ﷺ ارشاد فرمایا! کہ:

"بعثت لا تمم مکارم الاخلاق"۔

''میں اس لئے نبی بنایا گیا ہوں۔ کہ عمدہ اخلاق کو مکمل کروں''۔

لہٰذا ان اخلاق کا کمال سلطنت اور حکمرانی کے آلات کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ مثلاً اگر کوئی شخص چاہے۔ کہ اپنے تئیں بخشش کی صفت میں پرورش کرے۔ جو کہ صفت الٰہی ہے۔ اور وہی صفت اس میں آجائے۔ جیسا کہ اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ:

"تخلقو با خلاق اللہ"۔

''اللہ تعالیٰ کی سی عادات پیدا کرو''۔

یہ ایک ایسا حکم ہے۔ جو کہ نہایت ہی واجب ہے۔ بلکہ انبیائے کرام علیہم السلام کی شریعت کتابوں کا نازل ہونا۔ مختلف مذاہب اور دین سب اسی کمال کے حاصل کرنے کے لئے

ہیں۔ جو کہ سوائے بہت سا مال اور مرتبہ خرچ کرنے کے پرورش نہیں پا سکا۔ اور اگر حلم کی صفت کی پرورش کرنا چاہے۔ تو اس کے لئے بھی سلطنت کی قوت اور قدرت درکار ہے۔ تا کہ جب خلق خدا کی طرف سے تکلیف پہنچے۔ تو تحمل کرے۔ اگر اس میں قوت اور قدرت نہ ہوگی۔ تو یہ تحمل اضطراری ہوگا' نہ کہ اختیاری۔ اور وہ حلم نہیں بلکہ عجز ہوگا۔ حلم اللہ ربّ العزت کی صفت ہے۔ اور عجز خلقت کی صفت ہے۔ اور جب چاہے کہ معاف کرنے کی صفت پرورش کرے۔ تو اس کے بھی غلبہ اور قدرت درکار ہیں۔ تا کہ مجرموں کے جرائم سے درگزر کرے۔ اور صفت الٰہی سے موصوف ہو کر محبوب خدا ٹھہرے۔ کیونکہ:

"اِنَّ اللّٰہَ عَفُوٌّ یُحِبُّ الْعَفْوَ"۔

"اللہ تعالیٰ خود معاف فرماتا ہے۔ اور معاف کرنے کو عزیز جانتا ہے"۔

یہ سب کچھ لطفِ الٰہی کی صفات ہیں۔ اور اب اگر وہ قہرِ الٰہی کی صفت سے متصف ہو۔ تو اس کے لئے بھی سلطنت اور حکمرانی درکار ہے۔ تا کہ کافروں اور اہلِ نفاق اور اہلِ بدعت کا اچھی طرح قلع قمع کر سکے۔ جیسا کہ اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

"لِیُعَذِّبَ اللّٰہُ الْمُنٰفِقِیْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِکِیْنَ وَالْمُشْرِکٰتِ"۔

(الاحزاب: آخری آیت)

"اللہ تعالیٰ منافق اور مشرک مرد و عورتوں کو ضرور عذاب دے گا"۔

اور یہ بات مذہبی لڑائی لڑنے۔ کفار کی ولایتوں کو فتح کرنے اور اہل ظلم وفسق کو سزا دینے۔ کمزور۔ مظلوم کا انصاف طاقتور سے دلانے۔ ڈاکوؤں اور چوروں کو دور کرنے۔ گنہگاروں پر شرعی احکام استعمال کرنے۔ قاتلین سے خون کا بدلہ لینے۔ ممالک میں ملک کی حفاظت رعایا کی مصلحت اور فساد کے دور کرنے کے لئے بے دھڑک حکمرانی کرنے اور اس قسم کی باتوں سے حاصل ہوتی ہے۔ اگر کوئی چاہے کہ رحمت۔ راحت اور عاطفت کی صفات

سے موصوف ہو۔ تو اس کے لے بڑی وسیع سلطنت درکار ہے۔ تا کہ رعایا بہت ہو۔ اور ساتھ میں خزانہ بھی وافر مقدار میں ہو۔ کہ جس سے ہر ایک جماعت پر اس کے استحقاق کے مطابق شفقت۔ نرمی اور مہربانی کر سکے۔ اور ان صفات میں اپنے کمال کو پہنچ جائے۔ بندے کے لئے عبودیتِ حق۔ درجات کے حاصل کرنے۔ قرب کے پالنے اور مقامات کے سلوک میں سب سے زبردست آلہ انسان کی ہمت ہے۔ کیونکہ دوسری صفات کے ذریعے اللہ ربّ العزت کی بارگاہ کی سیر کر سکتے ہیں کہ:

"المئر یطیر بھمة الطائیر بجنائیر بجنا حیه"۔

''مرد اپنی ہمت سے اسی طرح پرواز کرتا ہے۔ کہ جس طرح پرندے اپنے دونوں بازوؤں سے''۔

اور تمام نیک اخلاق اور صفات ہمت کے ذریعے کمال کو پہنچائی جاسکتی ہیں۔ پس ہمت کی پرورش اچھی طرح سے سلطنت ہی کی صورت میں ہوسکتی ہے۔ کیونکہ اس میں مال۔ نعمت۔ دولت۔ سرداری۔ مرادوں پر فتح پانا اور قسم قسم کی نعمتیں اور آلائشیں حاصل ہوتی ہیں۔ ان میں سے کسی کی طرف بھی توجہ نہ کر کے حیوانی۔ بشری اور ڈھور ڈانگروں کی سی خواہشات سے فائدہ نہ اٹھائے۔ اور نہ ہی ان میں سے کسی ایک کی طرف مائل ہو جائے۔ اور طبیعت و خواہش کے مطابق عمل نہ کرے۔ بلکہ سب سے روگردانی کر کے فرمانِ الٰہی اور قانونِ شریعت کی پیروی کر کے دین کی راہ پر مستقل رہے۔ اور ہمت کو ان سب سے مبرا رکھے۔ تا کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی طرح ان تمام کے شرک سے خلاصی پائے۔ کہ ''اِنِّی بَرِیٌٔ مِّمَّا تُشْرِکُوْنَ'' بلکہ دشمن کی نگاہ سے سب کی طرف دیکھے۔ جیسا کہ اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے!

"فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّیْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ"۔ (الشعرا:۷۷)

''یعنی یہ معبودین میرے (یعنی تمہارے) لئے باعث ضرر ہیں۔ مگر ہاں رب العلمین سرتا سر نافع ہے''۔

اور ہمت بلند رکے۔ اور ان میں نہ پھنسا رہے۔ بلکہ دل اللہ ربّ العزت کی طرف لگائے۔ کیونکہ اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے!

"اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ"۔ (الانعام:۷۹)

"میں نے اپنا رخ اس کی طرف کیا ہے۔ جس نے زمین وآسمان پیدا کیئے۔ اور میں مشرکوں میں سے نہیں"۔

لہٰذا جب ہمت بدرجۂ کمال پرورش پا جاتی ہے۔ تو تمنائے الٰہی کا مقام حاصل ہو جاتا ہے۔ جو کہ صاحب سلوک کے لئے سب سے شریف مقام ہے۔ اور جب تک حضور سرکار دو عالم ﷺ نے علو ہمت میں کمالیت کا درجہ حاصل نہ کیا جیسا کہ اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے!

"مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی"۔ (النجم:۱۷)

"نگاہ نہ تو ہٹی اور نہ ہی بڑھی"۔

پھر اللہ ربّ العزت نے قرآن مجید میں ایک اور جگہ ارشاد فرمایا!

"وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰی"۔ (الضحیٰ:۸)

"اور تم کو مفلس پایا تو غنی کر دیا"۔

کے غنا کے درجے کا استحقاق حاصل نہ ہوا۔ جبکہ حضرت سلیمان علیہ السلام اس لئے کہ ہمت کو سلطنت۔ حکومت۔ مال و دولت اور نعمت سے پرورش کریں۔ لہٰذا آپ خود دست مبارت سے زنبیل سیاہ کرتے تھے۔ اور اس کی قیمت سے سادہ غذا حاصل کرتے تھے۔ اور پھر وہ بھی کسی شکستہ حال درویش کو کھلا دیا کرتے تھے۔ اور ساتھ ہی فرمایا کرتے تھے:

"مسكين جالسا مسكينا"۔

"مسکین مسکین کا ہم نشین ہے"۔

سوال: اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ جب ملک اور سلطنت سے اس قسم کے فائدے حاصل ہو سکتے ہیں۔ اور اس سے قبولیت اور قربِ حق حاصل ہوتے ہیں۔ تو پھر حضور رسالت مآب صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کو سلطنت کیوں نہ دی گئی؟ تا کہ حضور سرور کائنات صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم اس کی وجہ سے زیادہ قرب حاصل کرتے اور اخلاق اور صفات کی پرورش اور بھی احسن طریقہ سے کر سکتے۔

جواب: اس سوال کے جواب دو طرح سے ہیں۔

۱- اول یہ کہ اللہ ربّ العزت کے خاص بندوں کی دو جماعتیں ہیں۔ ان میں سے ایک نازنین اور دوسری نیاز مند اس میں نازنین کو تو بغیر مانگے مقصود عطاء ہوتا ہے۔ اور ان کو اس کے حصول کے اسباب کی تکالیف سے بری رکھا جاتا ہے۔ جیسا کہ ایک شاعر نے میری (راقم الحروف) ذہنی کیفیت کو کتنے اچھے الفاظ میں قلم بند کیا ہے کہ:

؎ خلیلی هل ابصرتها وسمعتی

باکرام من مولیٰ یمشی الی عبد

''اے میرے دوستو! کیا تم نے میرے آقا (اللہ تعالیٰ) سے بڑھ کر کوئی کریم دیکھا یا سنا ہے۔ جو کہ بندے کی طرف آتا ہے''۔

؎ انی زائیراً من غیر وعدٍ وقال لی

اصوك عن تعذیب قلبك بالوعد

''وہ بغیر کسی وعدہ کے میرے پاس آیا۔ اور کہنے لگا۔ کہ میں تیرے دل کو وعدوں کے عذاب سے بچاتا ہوں''۔

۲- دوسرے یہ کہ نیاز مندوں کو اس وقت ان کی حاجت دی جاتی ہے۔ جب وہ خواہش کرتے ہیں۔ نیز اس کے حاصل کرنے کا احسان بھی ان پر ہوتا ہے۔ اور ان دونوں کی مثال ایسی ہے۔ جیسے کوئی شخص بہت ہی محنت۔ مشقت سے یا تیر و کمان مانگے۔ اور

جب اسے مل جائے۔ اور وہ شکار کو جاوے۔ اور تکالیف اٹھائے اور کئی ایک تیر جانوروں پر پھینکے۔ تب کہیں شکار اس کے ہاتھ آئے۔ اور دوسرے شخص کو کوئی شخص مرغابی عنایت کر دے۔ یا ایسا باز سفید دے دے۔ جو کہ بجائے خود شکاری ہے۔ اور اس شخص کو خود کسی قسم کی تکلیف نہ اٹھانی پڑے۔ پس حضور اقدس ﷺ بارگاہ الٰہی کے نازنین تھے۔ چنانچہ اللہ ربّ العزت حضور سرور کائنات ﷺ کی جان اور سر کی سوگند (قسم) کھایا کرتا تھا۔ کہ "لعمرك" تیری عمر کی قسم۔ یعنی تیری جان کی قسم۔

جو مقصود کہ سلطنت اور حکمرانی سے ہوتا تھا۔ وہ بغیر طلب محنت۔ مشقت اور احسان کے خود ہی اللہ ربّ العزت نے حضور اقدس ﷺ کو عنایت فرما دیا تھا۔ جیسا کہ اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

"وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَظِيْمًا"۔ (النساء:۱۱۳)

"بے شک اللہ تعالیٰ کی تم پر بڑی ہی مہربانی ہے"۔

اس فضل عظیم سے مراد تخلق باخلاق الٰہی ہونا ہے۔ جو کہ حضور سرور کائنات ﷺ میں بدرجۂ کمال تھا۔ اور پھر ہر طرح کی ناز برداری بھی فرمائی۔ جیسا کہ اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ:

"وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ"۔ (القلم)

"اور بے شک آپ ﷺ کے اخلاقِ حسنہ اعلیٰ ترین پیمانہ پر ہیں"۔

لہٰذا جب مرغِ وصال کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جیسا کہ اللہ ربّ العزت نے قرآن مجید میں ان کے حق میں ارشاد فرمایا ہے:

"اَرِنِیْ اَنْظُرْ اِلَیْكَ"۔ (الاعراف:۱۴۳)

"یعنی اے پروردگار! اپنا دیدار مجھ کو دکھا دے۔ کہ پس ایک نظر دیکھ لوں"۔

کے تیر کمان سے شکار کرنا چاہا۔ تو نہ کر سکے۔ کیونکہ اس مرغِ وصال کو "لن ترانی"

کے کبریائی اوج کی عزت حاصل تھی۔ اور لاکھوں لطف و اعزاز سے اسے حضور سرور کائنات ﷺ کے باز کی شست میں دیا کہ:

"اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّكَ"۔ (الفرقان:٤٥)

''کہ تو نے اپنے پروردگار پر نظر نہیں کی''۔

لہٰذا اگر نظر حقیقت سے دیکھا جائے۔ تو حضور نبی اکرم ﷺ خود ہی اس جال کا شکار بھی تھے۔ اور ایک ایسے پرند کے شکاری بھی تھے۔ جو کہ ''انا من اللہ'' کے گھونسلے سے اڑ کر شکاری کی صورت میں ''الی الاحمر والا سود'' کائنات کے گرد پرواز کرتا تھا۔ نہ اس طرح کہ جیسے باز کے پر۔ وہ اس لئے کہ اس کے پر و بال کائنات میں نہیں سما سکتے۔ کیونکہ وہ خود ہی مرغ تھا۔ اور خود ہی دانہ اور خود ہی شمع تھا۔ اور خود ہی پروانہ بھی۔

اسے چھوڑ دے اور برّی ہو جا

حضرت سلیمان علیہ السلام کو پہلے جیسا کہ اللہ ربّ العزت نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے!

"وَهَبْ لِيْ مُلْكًا"۔ (ص:٣٥)

''مجھ کو ایسی سلطنت دے''۔

کی درخواست کے مطابق بڑے احسان سے سلطنت کی اونٹنی کی مہار نیاز مندی کے ہاتھ دی گئی۔ اور درمیان میں باز خواست کی تکلیف دی گئی۔ جیسا کہ اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے!

"وَاَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا"۔ (ص:٣٤)

''اور ان کے تخت پر ایک بے جان بدن ڈال دیا''۔ (ص:۳۴)

اور آخر کار ''اِنِّیْٓ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ''۔ (ص:۳۲) میں مبتلا کیا۔ اس سے جس بات کی طرف اشارہ ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ چونکہ وہ نیاز مند تھے اور انہوں نے خواہش کی تھی۔ اس

لئے انہیں اتنی باز پرس ہوئی۔ مگر چونکہ حضور سرکارِ دو عالم ﷺ ''السری بعبدہ '' کے نازنین تھے۔ اس لئے جب سلطنت کے مقام ''سدرۃ المنتھا '' میں دونوں جہان حضور سیّد عالم ﷺ کے روبرو آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں پیش کئے گئے۔ تو حضور رحمتہ العالمین ﷺ نے آنکھ اٹھا کر بھی ان کی طرف نہ دیکھا۔ بلکہ فرمایا:

"یا طالب الدنیا لتبر فترکھا ابر ابر ابر"۔

''اے دنیا کے طالب! اس سے بیزار ہو۔ اور اسے چھوڑ دے۔ بری ہو جا۔ بری ہو جا۔ بری ہو جا''۔

نازنینی کی داد

جبکہ نازنینی کی داد اللہ ربّ العزت نے قران مجید میں ارشاد فرما کر یوں دی! کہ:

"مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی"۔ (القمر:۱۷)

''نگاہ نہ تو ہٹی اور نہ بڑھی''۔

کے بعید میں بدرجہ کمال دی۔ اس لئے دونوں جہان کے مقصود بغیر کسی محنت۔ تکلیف اور طلب کے خود بخود عطا کئے گئے۔ جیسا کہ اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے!

"لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْکُبْرٰی"۔ (النجم:۱۸)

''انہوں نے اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں''۔

یہاں ایک واقعہ یاد آ گیا۔ کہ شیخ ابو سعید فقاع رحمۃ اللہ علیہ اسی لئے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا کرتے تھے۔ کہ اے پروردگار! مجھے روٹی دے گاؤں نہ دے۔ انگور دے زر نہ دے۔

۲- دوسرے یہ کہ حضور سید عالم ﷺ ''نحن الآخرون السابقون '' کے گرم اور تھے۔ اور جو مقامات تمام انبیاء علیہم السلام نے اپنی ساری عمر میں عبور کئے۔ اور پھر بھی ایک خاص ہی مقام میں رہے۔ جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام صفوت میں۔ حضرت نوح علیہ السلام دعوت میں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام خلعت میں۔ حضرت موسیٰ مکالمت میں۔ حضرت

عیسیٰ علیہ السلام کلمہ میں۔ حضرت داؤد علیہ السلام خلافت میں۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام سلطنت میں۔

لہٰذا ان سب کو حضور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تھوڑی سی مدت میں عبور کر لیا تھا۔ جیسا کہ اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے!

"اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ هَدَی اللّٰهُ فَبِهُدٰهُمُ اقْتَدِهْ"۔ (الانعام: ۹۰)

"یہ وہ لوگ ہیں۔ جن کی راہنمائی اللہ تعالیٰ نے کی ہے پس تو ان کی ہدایت کی پیروی کر"۔

لہٰذا آپ ان سب سے آگے بڑھ گئے کہ:

"نحن الآخرون السابقون"۔

اور ایسے مقامات پر پہنچے۔ جہاں پر کوئی اور نہ پہنچ سکا۔ اور ایسے فضائل کا ذائقہ چکھا۔ جو کہ کسی نے نہ چکھا تھا۔ جیسا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ کہ:

"فضلت علی الانبیاء لبستت"۔

"چھ چیزوں سے مجھے دیگر انبیاء کرام علیہم السلام پر فضیلت حاصل ہے"۔

اور جو مقامات۔ درجات۔ کمالات دیگر تمام انبیاء علیہم السلام کو دیئے گئے۔ وہ سب کے سب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاصل تھے۔ اور چھ چیزوں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیگر انبیاء کرام علیہم السلام پر فضیلت حاصل تھی۔

۱۔ ایک یہ کہ "بعثت الی لاحمر والا سود" ہر ایک نبی کو کسی خاص قوم کے لئے مبعوث کیا گیا۔ لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام دنیا کے لئے مبعوث کیا گیا۔ اور تمام دنیا کی سلطنت اور حکومت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور پیش کی گئیں۔ جیسا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

"خیرت بین ان اکون ملکا نبیا وبین ان اکون فقیر انبیا فاخترت

ان اکون نبیا فقیرا اجوع یوما واشبع یوماً"۔

''مجھے اس بات کا اختیار دیا گیا۔ کہ میں بادشاہ پیغمبر ہوں۔ خواہ فقیر پیغمبر ہوں۔ سو میں نے فقیر پیغمبر ہونا پسند کیا۔ تاکہ ایک دن بھوکا رہوں۔ اور ایک دن پیٹ بھروں''۔

پھر ایک جگہ پر ارشاد فرمایا:

"اوتیت بمفاتیح خزائن الارض"۔

''یعنی روئے زمین کے خزانوں کی چابیاں مجھے دی گئیں''۔

''اور حکم ہوا۔ کہ اگر تو چاہے۔ تو ایسا بھی ہوسکتا ہے۔ کہ مکے کے تمام پہاڑ سونا بن جائیں۔ اور جہاں تو جائے یہ بھی تیرے ساتھ چلیں۔ میں نے کچھ قبول نہ کیا۔ اس لئے جہان کے سارے ملک میری امت کو دیئے گئے''

لہٰذا حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

"رویت الی الارض فاریت مشارقها و مغاربها سیبلغ ملك امتی ......الخ"۔

''مجھے زمین دکھائی گئی۔ اور میں نے اس کے مشرق و مغرب کو دیکھا۔ اور عنقریب ہی میری امت ان ممالک کو لے لے گی۔ جو کہ مجھے دکھائے گئے ہیں''۔

''اولاد آدم میں سے سردار بننے کی سلطنت تمام انبیاء کرام علیہم السلام میں سے خاص میرا ہی حصہ ہے''۔

میں ان سب سے گزر گیا۔ اور کسی کی طرف مائل نہ ہوا اور کہیں بھی توقف نہ کیا۔ لہٰذا جب یہ سلطنتیں مجھے حاصل ہوگئیں۔ تو جو کچھ ان کا خلاصہ اور مغز تھا۔ وہ میں نے ہمت کی پرورش اور ماسویٰ اللہ ربّ العزت کی طرف بے التفاتی سے لے لیا۔ اور باقی جو کچھ چھلکا اور

فضلہ وہ بادشاہی صورت سے جو کہ تکبر اور تجبر کا گھر ہے۔ پھینک دیا۔ کہ ''مالی والدنیا''
اور باقی جوابات اور بہت سے ہیں۔ لیکن انہی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ تا کہ یہ کتاب زیادہ طول
اور طویل نہ ہو جائے۔

لہٰذا ثابت ہوا۔ کہ بادشاہی۔ سلطنت اور مال و دولت بارگاہ الٰہی میں قرب حاصل
کرنے کا بہت بھاری وسیلہ ہے۔ اور یہ کہ درحقیقت سلطنت خلافت الٰہی ہے۔ اور یہی سبب
ہے۔ کہ بادشاہ ظل اللہ تعالیٰ ہوتا ہے۔ کیونکہ ہر چیز کا سایہ اس چیز کا خلیفہ ہوتا ہے۔ لیکن یہ
سایہ ہونا اور خلافت اس وقت حاصل ہوتے ہیں۔ جبکہ اس میں یہ صفات بھی پائی جاتی
ہوں۔ اور اسی لئے ''ظل اللہ'' کی تفصیل میں بیان کیا ہے:

"یاوی الیه کل مظلوم".

''سارے مظلوم اس کی پناہ ڈھونڈتے ہیں''۔

یعنی بادشاہ سارے مظلوموں کی پناہ گاہ ہے۔ تا کہ ان پر کسی قسم کا ظلم وستم نہ ہونے
پائے۔ لیکن جب بادشاہی کی طرف سے ظلم وستم ہونے لگے۔ تو وہ ''ظل اللّٰہ'' اور ''خلیفة
اللّٰہ'' کیسے ہو سکتا ہے۔

مختصر یہ ہے۔ کہ بادشاہ کو دو قدموں سے سلوک حاصل ہوتا ہے۔ ان میں ایک قدم اللہ
ربّ العزت کے ساتھ راست رکھنا۔ اور دوسرا قدم خلقت سے انصاف سے پیش آنا۔

۱- لہٰذا جو قدم اللہ ربّ العزت کے ساتھ ہے وہ یہ ہے۔ کہ فرمان الٰہی پر سختی سے قائم
رہے۔ اور خواہشات کی پیروی سے کنارہ کشی کرے۔ اور سلطنت کے مال و اسباب کو
کلمہ شریف کے دشمنوں کے خاتمہ اور دین۔ مذہب کو تقویت دینے میں خرچ کر کے
سلطنت کی نعمت کا شکر ادا کرے۔ اور سلطنت اور حکومت کو درجات اور قرب کا وسیلہ
بنائے۔ اور نہ کہ ان آلات سے دنیا پر مفتون ہو جائے۔ اور نفسِ امارہ کی خواہشات کو
پورا کرتا رہے۔ بلکہ اسے چاہئے۔ کہ ہر لحظہ اور ہر دم عالی ہمتی کے سبب جمال حضرت

کے شوق میں دنیاوآخرت دونوں کا خیال برطرف کردے۔

۲- لیکن جو خلقت کے ساتھ قدم رکھنا ہے۔ اس سے یہ مراد ہے۔ کہ رعایا کو دولت کی پناہ میں رکھا جائے۔ اور عمدہ طور پر نگہبانی کی جائے۔ اور حکمرانی کی جائے۔ انصاف اور عدل کے ذریعے عبودیت کی داد دی جائے۔ اور سلطنت میں جو اہل اور معرفت ہوں ان کے ساتھ احسان اور نیکی کی جائے۔ ظالموں اور بدکاروں کو ظلم اور برے کاموں سے روکا جائے۔ جب یہ دونوں قدم صدق سے رکھے جائیں اور بادشاہی میں بندگی کی داد دی جائے۔ تو اللہ ربّ العزت اپنے فضل وکرم اور عنایت سے صفات الوہیت میں اس کی راہ کھول دیتا ہے۔ اور ایسا ہونے سے وہ بارگاہ الٰہی میں باریاب ہو جاتا ہے۔ کہ ''خطوتان قد وصلت'' ایسی حالت میں وہ موجودات کا خلاصہ اور کائنات کا برگزیدہ ہو جاتا ہے۔ اور اسے خلافت کا مرتبہ اور ''ظل الله'' کا درجہ مل جاتا ہے۔ اور اس شخص کا وجود لطف ربوبیت کی صفات کی صورت بن جاتا ہے پھر:

''مِنَ الْمُلْكِ الْحَيِّ الَّذِیْ لَا یَمُوْتُ اِلَی الْمُلْكِ الْحَيِّ الَّذِیْ لَا یَمُوْتُ''۔

''زندہ رہنے والے اور نہ مرنے والے بادشاہ سے زندہ رہنے والے اور نہ مرنے والے بادشاہ کی طرف''۔

کے خطاب کا مستحق ہو جاتا ہے۔ اور دنیاوی فانی چھوٹے جہاں سے اخروی اور بڑا جہان اسے مل جاتا ہے:

''وَاِذَا رَاَیْتَ ثَمَّ رَاَیْتَ نَعِیْمًا وَّمُلْكًا كَبِیْرًا''۔

''لہٰذا جب تو جنت کی مجموعی حالت کو دیکھے۔ تو تجھ کو اس میں ہر ایک قسم کی نعمت اور بڑی سلطنت کا ساز وسامان دکھائی دے گا۔ اور بااختیار لوگوں (بادشاہوں) کے احوال اور ان کے احوال انشاء اللہ العزیز آگے بیان کروں گا۔

علمائے کرام اور اہل ذکر حضرات

القرآن: "وَالَّذِيْنَ اُوْتُو الْعِلْمَ دَرَجٰتٍO"۔(المجادلہ:۱۱)
ترجمہ: وہ لوگ جن کو علم دیا گیا۔ گویا درجات عطاء ہوئے ہیں"۔

الحدیث: العلماء ورثة الانبياء ولم تورثوا دينارًا ولا درهم ولكنهم ورثو العلم فمن اخذ به اخذ بحظ وافر"۔

ترجمہ: "عالم (باعمل) انبیائے کرام علیہم السلام کے وارث ہوتے ہیں۔ انہیں درہم اور دینار (مال ودولت) ورثے میں نہیں ملتے۔ بلکہ علم ملتا ہے۔ سو جو شخص انہیں دیتا ہے۔ کافی حصہ لے لیتا ہے"۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک اور جگہ ارشاد فرمایا: کہ

الحدیث: علما امتی کانبیاء بنی اسرائیل"

ترجمہ: "میری امت کے عالم (باعمل) بنی اسرائیل کے انبیاء علیہم السلام کے سے ہیں"۔

واضح رہے۔ کہ علم اللہ ربّ العزت کی معرفت۔ قرب اور صفت کا سب بڑا اور بہترین وسیلہ ہے۔ اور ہم لوگ صرف علم کے وسیلہ سے اعلیٰ ترین درجات پر پہنچ سکتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

"وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ"۔ (المجادلہ:۱۱)

"جن کو علم دیا گیا۔ ان کو گویا درجات عنایت فرمائے گئے"۔

لیکن اس میں ضروری شرط یہ ہے کہ:

حصول علم کے لئے ضروری شرط

حصول علم کے سلسلہ میں سب سے ضروری شرط یہ ہے کہ: علم کے ساتھ خوف الٰہی بھی ہو۔ کیونکہ تمام تر علوم کا اصل اصول خدا ترسی ہے۔ اور اللہ ربّ العزت بھی عالم دین اس شخص کو فرماتا ہے۔ جو کہ اللہ ربّ العزت سے ڈرتا ہو۔ جیسا کہ اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے!

"اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا" (فاطر:۲۸)

"بے شک اللہ تعالیٰ کے عالم بندے اسی سے ڈرتے ہیں"۔

اور جس قدر علم زیادہ ہوتا جاتا ہے۔ اسی ہی قدر خدا ترسی زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ جیسا کہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ کہ:

"ان اعلمکم باللّٰہ واخشیکم منه"۔

"میں تمہاری نسبت اللہ تعالیٰ کو اچھی طرح جانتا ہوں اور اس سے تمہاری نسبت زیادہ ڈرتا ہوں"۔

ڈرنے کی علامت یہ ہے۔ کہ علم پر عمل کرے۔ اور اسے آخرت کے درجات کا وسیلہ بنائے۔ نا کہ دنیاوی مال وجاہ کے سمیٹنے اور حیوانی خواہشات کو پورا کرنے کا وسیلہ جو شخص علم پر عمل نہیں کرتا۔ بلکہ اسے مال و دولت جمع کرنے کا وسیلہ بناتا ہے۔ وہ درحقیقت عالم نہیں بلکہ جاہل ترین ہے۔ اللہ ربّ العزت ایسے لوگوں کو گدھوں کے مشابہہ قرار دیتا ہے۔ کیونکہ اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ:

"مَثَلُ الَّذِیْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰةَ ثُمَّ لَمْ یَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا"۔

"وہ لوگ جو تورات کو اٹھائے پھرتے ہیں۔ اور اس پر عمل نہیں کرتے۔ ان کی

مثال ایسی ہے جیسے گدھا جو بوجھ اٹھاتا ہے"۔
علم انبیائے کرام علیہم السلام کی میراث ہے۔ جیسا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

"وان الانبیاء لم تور اثوا دینار ولا درھما ولکنھم ورثو العلم"۔
"انبیاء علیہم السلام کو ورثے میں دنیا اور درہم نہیں ملتے۔ بلکہ ان کو ورثے میں علم ملتا ہے"۔

انبیائے کرام علیہم السلام نے ورثہ میں دو طرح کا علم چھوڑا۔ جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

"مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دو طرح کا علم حاصل ہوا ہے۔ ایک تو ساری دنیا میں پھیلا دیا ہے۔ اور اگر دوسرے کو ظاہر کرنا چاہوں۔ تو میں مارا جاؤں گا"۔

(بخاری شریف۔ مشکوۃ شریف)

لہٰذا انبیاء کرام علیہم السلام نے ورثے میں جو دو طرح کا علم چھوڑا وہ درج ذیل ہے۔

۱۔علم ظاہری ۲۔علم باطنی

علم ظاہری

علم ظاہری تو وہ علم ہے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال و افعال سے حاصل ہوا۔ اور اسی پر تابعین۔ تبع تابعین نے بھی سلسلہ بسلسلہ عمل کیا۔ اور اسے سیکھا۔ اور وہ علم کتاب۔ علم سنت۔ علم تفسیر۔ علم اخبار۔ علم آثار۔ علم فقہ اور جو ان کے متعلق ہے۔

علم باطنی

علم باطن احوال کی معرفت اور معنی کا وہ علم ہے۔ جو کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کے وسیلہ

کے بغیر غیب الغیب سے مقام ''او ادنیٰ '' میں بحالت ''لی مع اللّٰہ وقت '' حضور سرور کائنات صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کو عطاء ہوا۔ جیسا کہ اللہ ربّ العزت نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے!

''فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَا اَوْحٰی''۔ (النجم: ۱۰)

''پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے پر وحی نازل فرمائی جو وحی نازل فرمائی''۔

اور نبوت کی ولایت کے بھرے ہوئے پیالوں سے ایک گھونٹ علم طلب کے جگر سوختوں کی جان میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاتھ سے گرایا۔

حضرت سیّدنا ابو بکر صدیق کا مقام

حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم ارشاد فرماتے ہیں:

''ما اصب اللّٰہ فی صدری شیاً الا وصبۃ فی صدر ابی بکر''۔

''جو چیز اللہ تعالیٰ نے میرے سینے میں گرائی۔ (جو مجھے علم عطا ہوا) وہی میں نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کے سینے میں گرادی''۔

ضروری تنبیہہ

(رافضی نواز سنی حضرات بالخصوص پیران حضرات کے لئے درج بالا حدیث شریف کافی ہے۔ دل تو چاہتا ہے۔ کہ اس موضوع پر جی بھر کر بیان کروں۔

مگر یہ موضوع میری اس کتاب ''تبیان الطریقت'' سے متعلق نہیں ہے۔ مگر درج بالا حدیث شریف مضمون کے لحاظ سے بیان کرنا ضروری تھی۔)

لہٰذا جس طرح علم ظاہری کی کئی اور بھی مختلف اقسام ہیں۔ اسی طرح علم باطن بھی مختلف اقسام پر مبنی ہے۔ مثلاً

۱۔علم ایمان ۲۔علم احسان

۳۔علم ایقان ۴۔علم عیان

۵-علم توبہ
۶-علم زہد
۷-علم ورع
۸-علم تقویٰ
۹-علم اخلاص
۱۰-علم معرفت نفس
۱۱-علم صفات واوقات نفس
۱۲-علم معرفت دل
۱۳-علم احوال واطوار دل
۱۴-علم تزکیہ وتربیت نفس
۱۵-علم تصفیہ و پرورش دل
۱۶-علم معرفت سرّ وخاصیت آں
۱۷-علم معرفت روح
۱۸-علم تربیت وتجلیۂ روح
۱۹-علم معرفت خفی اوراس کے فوائد
۲۰-علم فرق میان فواطر نفسانی۔شیطانی۔عقلی۔دلی۔ایمانی۔ملکی۔روحانی۔اور رحمانی
۲۱-علم فرق میان۔اشارت۔الہام۔خطاب۔ندا۔یافت۔وحی۔کلامِ الٰہی
۲۲-علم تہذیب اخلاق۔
۲۳-علم تبدیل صفات
۲۴-علم خلق باخلاق اللہ
۲۵-علم مشاہدات اوراس کی اقسام
۲۶-علم مکاشفات اوران کا باہمی فرق
۲۷-علم توحیداوراس کے مقامات
۲۸-علم اسماء۔صفات الٰہی
۲۹-علم صفات جمال
۳۰-علم صفات جلال
۳۱-علم صفات ذات
۳۲-علم صفات افعال
۳۳-علم صفات معانی
۳۴-علم تجلی صفات
۳۵-علم تجلی ذات
۳۶-علم مقامات
۳۷-علم احوال
۳۸-علم قرب وبعد
۳۹-علم فنا
۴۰-علم بقا
۴۱-علم سکر
۴۲-علم صحو

۴۳-علم معرفت اور اس کی اقسام　　　۴۴-علم فناء الفنا
۴۵-علم وصول　　　۴۶-علم غیبی
۴۷-علم لدنی اور علم لدنی کی اقسام

کہ جن کا باعث تطویل ہے۔ اور ان کی شرع ازل و ابد کے صفحات مین بھی نہیں سما سکتی۔ بلکہ لوحِ محفوظ کو بھی ان کی شرح کی تاب نہیں ہے۔ لہٰذا ان علوم کو ام الکتاب سے مطالعہ کرنا چاہیے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں وارد ہے:

"وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ"۔ (الرعد: آخری آیت)

"وہ شخص جس کے پاس کتاب (آسمانی) کا علم ہے"۔

اور یہ سارے علوم وہ ہیں۔ کہ جن کے بارے میں اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ:

"وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ"۔ (القرۃ: ۳۱)

"علم دیدیا اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو کل چیزوں کے اسماء کا"۔

کے معلم نے محقق کا شقوں اور مدقق سالکین کو ارواح کے آئینے کے وسیلے اُم الکتاب کے عکس کو قبول کرنے کی طاقت اور رب الارباب کی صفات کی تجلی عنایت فرمائی ہے۔

ظاہری۔ فٹ پاتھی اور ٹھگ پیر حضرات

لیکن وہ لوگ جو کہ اس سعادت سے محروم ہیں۔ اور چند ایک الف۔ لام پر جو کہ انہوں نے ظاہری طور پر سیکھ لیا ہے۔ مغرور اور متکبر ہیں۔ اور جب ان علوم کی کوئی رمز سن لیتے ہیں۔ تو انکار کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

"ان من العلوم کھنینه المکنون لا یعلمھا الا العلماء باللّٰہ فاذا نطقوا بھا لا ینکرہ الا اھل العزۃ اللّٰہ"۔

"علوم چھپے خزانوں کی طرح ہیں۔ کہ جنہیں عالم باللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔

اور جب عالم (باعمل) ان کا ذکر کرتے ہیں۔تو جاہل ان سے منکر ہوتے ہیں''۔
اسی لئے حضرت سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

"حفظت من رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم دعائين من العلم اما احد هما فقد تثبت واماالآخر لو ثبثته تقطع هذا البلعوم"۔

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دو دعائیں علم کے بارے میں یاد کیں۔ ان میں سے ایک کوتو میں نے ظاہر کر دیا۔اگر دوسری کو ظاہر کرتا تو بے شک انتڑیاں پھٹ جاتیں''۔

علماء کی اقسام

علمائے کرام کی تین اقسام ہیں:

۱-عالم علم ظاہر ۲-عالم علم باطن ۳-عالم ظاہر و باطن

ان میں تیسری قسم شاذ و نادر ہی ہوتی ہے۔اور سارے جہان میں ایک آدھ ہی پایا جاتا ہے۔اگر کسی زمانے میں ایسا عالم ہوتواس کی برکت مشرق سے لے کر مغرب پہنچتی ہے۔اور وہ غوث یا قطبِ وقت ہوتا ہے۔اور اہل جہان اس کی دعا اور دولت کے زیرِ سایہ ہوتے ہیں۔اور وہ ان علمائے کرام سے ہوتا ہے۔کہ جن کی نسبت حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فخریہ طور پر ارشاد فرمایا ہے:

"علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل"۔

''میری امت کے عالم بنی اسرائیل کے انبیاء کرام علیہم السلام کا سا مرتبہ رکھتے ہیں''۔
انہوں ہی نے علم ظاہری اور باطنی کی وراثت حاصل کی ہے جیسا کہ:

"العلماء ورثه الانبياء"۔

''عالم انبیائے کرام علیہم السلام کے وارث ہوتے ہیں''۔

ظاہری علماء

ظاہری علمائے کرام کی بھی تین اقسام ہیں۔

۱-مفتی ۲-قاضی ۳-مذکر

مفتی حضرات جو فتوے دیں۔ اور ان کی بھی دو اقسام ہیں۔ ایک وہ جو دل اور زبان دونوں کے عالم ہیں۔ اور ان کے دلوں میں خوف خدا ہے۔ اور عالم باعمل ہیں۔ اور فتویٰ دیتے ہوئے۔ تقویٰ کا خیال کرتے ہیں۔ اور علم کو سیکھنا یا سکھانا درجات اور نجات کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ اور دنیاوی زر و مال کی بالکل پرواہ نہیں کرتے۔ اور قناعت کئے بیٹھے ہیں۔ اور امن و امان سے گزر بسر کر رہے ہیں۔ اور یہی خاص بندے ہیں۔ جیسا کہ اللہ ربّ العزت نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے:

"اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا"۔ (فاطر:۲۸)

''بے شک کہ اللہ تعالیٰ کے عالم (باعمل) بندے اسی سے ڈرتے ہیں''۔

عالم زبان

دوسرے وہ جو عالم زبان ہوتے ہیں۔ مگر دل کے جاہل ہوتے ہیں۔ ان کے دل میں اللہ ربّ العزت کا خوف ہوتا ہے۔ نہ کوئی شرم و حیا۔ اور یہ مردگی کی علامت ہے۔ اور اس کی نیت علم کے حاصل کرنے یا سکھانے میں ثواب آخرت اور قرب الٰہی حاصل کرنے کی بالکل نہیں ہوتی۔

آجکل کے آستانوں کا حال

بلکہ قبولیت خلق اور مال و دولت جمع کرنے کی ہوتی ہے۔ اسی لئے خواہش ان حضرات پر غالب ہوتی ہے۔ اور ان کا علم بمنزلہ تلوار ہو جاتا ہے۔ اور اپنی نفسانی خواہش کے مطابق کام کرتے ہیں۔ اور علمائے دین اور مفتیوں پر حسد کرتے ہیں۔

اور ان کی عیب جوئی کرتے ہیں۔ اور ان پر بہتان لگانے کے علاوہ بحث اور حجت ان کا مشغلہ ہوتا ہے۔ اور ان لوگوں کو تکلیف دینے میں مشغول رہتے ہیں۔ اور بات یا دلیل نہیں کرتے۔ اس کے علاوہ سچ کو بالکل نہیں مانتے۔ اور اس کوشش میں رہتے ہیں کہ اپنی زبان سے سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ ثابت کر دکھائیں۔ اور انہیں اس بات کی دھن رہتی ہے۔ کہ کسی طرح اپنے حریف پر غالب آجائیں اور اپنے فضل۔ ہنر کو ظاہر کریں۔ انہیں دینی فوائد اور اظہار حق کا خیال تک نہیں ہوتا۔ اور ایسی ان گنت مثالیں اور واقعات میں (راقم الحروف) نے اپنی آنکھوں سے مختلف آستانوں اور خانقاہوں میں فٹ پاتھی اور فرضی لٹیرے پیروں کے ہاں دیکھے ہیں۔ کہ ایسے لاتعداد آستانوں اور خانقاہوں میں کئی کئی پیر حضرات ایک دوسرے کے مد مقابل سلسلہ طریقت کو ذریعہ معاش بنا کر مسندیں لگا کر بیٹھے ہوئے ہیں۔ اور وہ عرس اور دیگر اہم موقعوں پر کرایہ پر علماء حضرات کو لے آتے ہیں۔ جو خوب ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالتے ہیں۔ مگر بدقسمتی کہ ان لوگوں کے دلوں میں ایک بال برابر بھی خوف خدا نہیں ہوتا۔ اور انہی بد بخت لوگوں کے متعلق حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

"اتقوا کل منافق علیھم اللسانیقول ما یعرفون و یفعل ما ینکرون"۔

''ہر ایک زبان آور منافق سے ڈرو۔ کیونکہ پسندیدہ باتیں کہتا ہے۔ اور منکرات کو کرتا ہے''۔

فرمانِ علی رضی اللہ عنہ

اور درحقیقت جو تباہی اور بربادی اور خرابی دین میں ایسے بد بخت انسانوں کی بدولت آئی یا آئے گی۔ وہ کسی اور چیز سے ہرگز نہیں آتی۔ جیسا کہ حضرت سیّدنا علی المرتضیٰ شیر خدا کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں:

"ما قطع ظھری فی الاسلام وجدان عالم فاجر وناسك مبتدع فا العالم

الناس یرغب الناس فی بدعته لی یردون من نسکه".

''اسلام میں میری کمر بدکار عالم اور بدعتی عابد نے توڑی ہے۔ کیونکہ عالم لوگوں کو نئی نئی باتیں سکھاتا ہے۔ اور عابد دکھلاوے کے لئے عبادت کرتا ہے''۔

اس لئے برے علماء۔ ریاکار۔ زاہدوں اور گداگر اور بھکاری درویشوں کی شامت اعمال کی وجہ سے جو کہ لالچ کی وجہ سے دین کو دنیا کے لالچ کی قیمت میں بیچ ڈالتے ہیں۔ اور پھر انتہائی خواری اور ذلالت سے با اثر افراد کی بارگاہوں میں کمینے کتے کی طرح مارے مارے پھرتے ہیں۔ اور حق جتانے کی خاطر سرمایہ داروں اور دولت مندوں کے دروازوں پر جاتے ہیں۔

اور بڑی ذلت سے ان کی خدمت بجا لاتے ہیں۔ اور اللہ ربّ العزت اور اس کے پیارے حبیب ﷺ کی بجائے ان سودخور راشی اور بدکار سرمایہ داروں اور دولت مندوں کی تعریف اور فضیلت بیان کرتے ہیں۔ اور نفاق سے جو اوصاف ان میں نہیں بھی پائے جاتے۔ انہیں بھی انہی کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اور دولت مندوں اور سرمایہ داروں کے پکے اور سچے خیر خواہ ہونے کا دم بھرتے ہیں۔ اور فاسد طمع کی وجہ سے ''امر معروف'' اور ''نھی منکر'' کی بجا آوری میں سستی کرتے ہیں۔ تاکہ ان سے کوئی کام نکل آئے۔ یا کچھ روپیہ یا پیسہ وغیرہ مل جائے۔

بلکہ اکثر پیر حضرات ایسے بھی دیکھنے کو ملے ہیں۔ کہ جنہوں نے مریدین کے گھروں میں شادی۔ محفل اور کھانے وغیرہ پر جانے کی بھاری بھرکم فیس عائد کر رکھی ہیں۔ افسوس اور انتہائی شرم کا مقام ہے۔ ایک واقع یاد آیا۔ جس کو یہاں بیان کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔

''جب بھی کوئی مانگنے والا بھکاری گداگر جب کسی دروازہ پر دستک دیتا ہے۔ تو اگر آس پاس کوئی کتا اس شخص کو دیکھ لے تو فوراً بھونکنا شروع کر دیتا ہے۔ اور جب تک بھکاری کو اپنے علاقہ سے نکال باہر نہ کرے۔ کتا ہرگز خاموش نہیں

ہوتا۔ کیونکہ کتا انسان کو اس لئے برا بھلا بولتا ہے۔ کہ کتا کہتا ہے کہ: میری طرف دیکھ میں ایک نجس اور پلید جانور ہونے کے باوجود اپنے مالک کے در پر صبر کر کے بیٹھا ہوں۔ اور اے بد بخت انسان تو انسان ہو کر اپنے مالک کو چھوڑ کر غیروں کے دروازے پر کیوں قسمت آزمائی کر رہا ہے''۔

بہر حال یہ لوگ دوسروں کو رشوت وغیرہ دے کر کوئی عہدہ یا کام حاصل کر کے دین فروشی کرتے ہیں۔ اور دوسرے نیک علماء کے لئے بدنامی کا باعث بنتے ہیں۔

اور پھر سرمایہ دار حضرات یہ خیال کرنے لگتے ہیں۔ کہ زمانہ بھر کے علماء و مشائخ حضرات میں بھی یہی برے خصائل کمینگی اور کم ہمتی پائی جاتی ہیں۔ اور اسی وجہ سے اولیائے کرام اور اللہ ربّ العزت کے خاص بندوں کو نظر حقارت سے دیکھا جاتا ہے۔ بلکہ آجکل تو سُنی حضرات کی اکثریت انہی وبال جان اور جھوٹے پیروں کے اعمال کی وجہ سے جماعت در جماعت نجدی اور وہابی اور بد مذہب ہو رہے ہیں۔ اور اصل اولیائے کرام کے بھی منکر ہوتے جا رہے ہیں۔ اور ایسا کرنے سے وہ ان کی صحبت با برکت اور فوائدِ خدمت سے محروم رہتے ہیں۔ اور ان کی ولایت کے پرتو اور ان کے علم کے نور سے بے نصیب ہی رہ جاتے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

''کہ جس عالم کی غرض علم سے صرف دنیاوی فائدے حاصل کرنا ہو۔ اس کو علم ثواب میں بھی صرف دنیاوی مال و دولت ملتا ہے۔ اور اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ملتا۔ اور قیامت کے روز سب سے پہلے یہی لوگ دوزخ کا ایندھن بنیں گے''۔

(لہٰذا فائدہ نہ پہنچانے والے علم سے توبہ اچھی ہے۔)

حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

"اللهم انی اعوذ بك من علم لا ینفع"۔

''اے پروردگار! میں ایسے علم کی بابت جو فائدہ نہ پہنچائے تیری پناہ مانگتا ہوں''۔

فائدہ نہ پہنچانے والے علم

فائدہ نہ پہنچانے والا علم بھی دوطرح کا ہوتا ہے۔

۱-علم بے عمل ۲-علم نجوم

علم بے عمل

علم بے عمل خواہ وہ شریعت ہی کیوں نہ ہو۔ جب تک اس پر عمل نہ کیا جائے گا۔ اس سے کچھ فائدہ حاصل نہ ہوگا۔ خواہ وہ ''فی نفسہ'' نافع ہی کیوں نہ ہو۔ لہٰذا جب تک اس پر عمل نہ کیا جائے گا۔ اس سے کچھ بھی فائدہ حاصل نہ ہوگا۔

دوسرا علم نجوم ہے۔ اور رمل علم فلسفہ کہ جسے حکمت بھی کہتے ہیں۔ اور بعض اسے علم کلام یا علم اصول بھی کہتے ہیں۔ تاکہ اس علم سے صرف اس کا نیک نام رکھ کر بیچاری خلقت کو کفر اور گمراہی میں ڈال دیں۔ اس قسم کا علم ''فی نفسہ'' بے فائدہ ہے۔ بلکہ الٹا گمراہی۔ کفر۔ تباہی۔ اغوا کا باعث ہے۔ اور بہت سے اسی کی وجہ سے دین کی سیدھی راہ سے منحرف بھی ہو گئے ہیں۔ وہ بھی صرف اس خیال سے کہ ہم تو علم معرفت اور حقیقت حاصل کرتے ہیں۔ لیکن انہیں یہ معلوم نہ ہوا کہ معرف الٰہی قرآت اور روایت سے حاصل نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ تو اللہ ربّ العزت کے حبیب ﷺ کی روش کی متابعت سے حاصل ہوتی ہے۔ جیسا کہ اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

''وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝'' (الانعام:۱۵۳)

''یہی میری سیدھی راہ ہے پس تم اسی پر چلو۔ اور دوسرے رستوں پر نہ پڑ جانا کہ یہ تم کو اللہ تعالیٰ کے رستہ سے بھٹکا کر تتر بتر کر دیں گے غرض یہ سب وہ باتیں ہیں۔ جن کا اللہ تعالیٰ نے تم کو حکم دیا ہے۔ تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ''۔

مفتی کے متقی ہونے کی شرائط

مفتی کے لئے متقی ہونا ضروری شرط ہے۔ تا کہ علوم اور ان کی آفات سے کنارہ کشی کرے۔ اور علم شریعت کے سیکھنے اور سکھانے میں نیت صاف رکھے۔ اور جو فتویٰ دے یا جو سبق پڑھائے۔ یا جو مناظرہ کرے۔ حق بات کو ظاہر کرے۔ شرع اور دین کو تقویت دے۔ اور نفس کو علم کی رعونتوں سے پاک صاف رکھے اور حرص و طمع کی آلائشوں سے بھی پاک کرے۔ کیونکہ اکثر علماء حضرات حرص و طمع کی وجہ سے ذلیل و خوار ہو جاتے ہیں۔

اور جب فتویٰ دینے کی قابلیت اس میں ہو۔ تو فتویٰ دیتے ہوئے بڑی احتیاط کرے۔ تا کہ نفس کی رغبت اور کسی غرض اور اُمید سے فتویٰ نہ دے۔ اور اگر کوئی وقف اس کے ماتحت ہو۔ تو بجا طور پر اس کا استعمال کرے۔ اور بے جا استعمال سے بچتا رہے۔ اور حق سے زیادہ نہ کرے۔ تا کہ لقمۂ حرام میں نہ جا پڑے۔ کیونکہ جب مشتبہ لقمہ کھائے گا۔ تو اس کی تاثیر سے حرص۔ شہوت۔ حسد اور ریا کاری جیسی بری ترین صفات پیدا ہوں گی۔ اور ایسا ہونے سے اس کی ساری عمر کی محنت خاک میں مل جائے گی۔ اور بدعتوں سے بالکل الگ رہے۔ سنت اور متابعت کے طریق پر چلے اور صالحین سلف کے خصائل اور اعتقاد کے مطابق چال چلن رکھے۔ اور اہل سنت و جماعت حنفی۔ قادری۔ بریلوی مذہب پر سختی سے کار بند رہے۔ اور اپنے اوقات کے لئے کوئی نہ کوئی وظیفہ مقرر کرے۔ تا کہ اس کی عمر کا کوئی حصہ لغو اور بے حاصل امور میں صرف نہ ہو۔

علی الصبح جب فجر کی نماز ادا کرے۔ تو سورج نکلنے تک ذکر اور قرآنی تلاوت میں مشغول رہے۔ پھر دو رکعت نماز ادا کر کے درس و تدریس میں مشغول ہو جائے۔ پھر نو یا دس بجے تک اس کام سے فارغ ہو جائے۔ تو پھر چاشت کی نماز ادا کرے۔ اور دو رکعت سے لے کر بارہ رکعت جتنی ہو سکے۔ ادا کرے۔ اس کے بعد اپنی روزی اور نفس کے ضروری حقوق اور اس کی آسائش کے امور میں مشغول ہو جائے۔ یہاں تک کہ نمازِ عصر کے بعد پھر دوبارہ ذکر یا

تلاوت کلامِ پاک میں مشغول ہو جائے تا کہ:

"وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا"۔

"صبح وشام اپنے پروردگار کو یاد کر"۔

پر اس کا عمل درآمد ہو جائے۔ کیونکہ ایسا کرنے میں نیکی اور برکت زیادہ ہوتی ہے۔ اور ان دو اوقات میں ذکر کو خاص فوقیت حاصل ہے۔ اور جب شام کی نماز ادا کر چکے۔ تو دونوں عشاؤں کے مابین جاگ سکے۔ اور قرأت اور درودِ پاک کے ورد میں مشغول ہو جائے۔ ایسا کرنا اس کے لئے بہت ہی نیک بختی کی بات ہوگی۔ لہٰذا جب نمازِ عشاء ادا کر چکے۔ تو کسی سے بات نہ کرے کیونکہ ایسا کرنا سنت ہے۔ البتہ اگر کسی دینی معاملہ میں کسی سے گفتگو کرنی پڑ جائے۔ تو وہ جائز ہے۔ پھر مطالعہ یا تکرار میں مشغول ہو جائے۔ یہاں تک کہ رات کا چوتھائی حصہ گزر جائے۔ بعد ازاں ایک گھڑی کے لئے روبقبلہ بیٹھے۔ اور سخت ذکر کرے۔ اور جب نیند غلبہ کرے۔ تو دل جمعی سے ذکر کرتا ہوا۔ دائیں کروٹ لیٹ جائے۔ اور چہرہ قبلہ شریف کی طرف رکھے۔ اور دل اور زبان سے یہ دعا پڑھے جو کہ سنت نبوی ﷺ ہے:

"اللهم اسلمت نفسی علیك ووجهت وجهی الیك والجات ظهری الیك رغبته ورهبة ولا ملجا ولا منجا منك الا الیك امنت بكتابك الذی انزلت ونبیك الذی ارسلت"۔

"اے خداوند کریم! میں اپنے نفس کو تیرے حوالے کرتا ہوں۔ اور تیری طرف رخ کرتا ہوں۔ اور از روئے رغبت اور خوف تجھے اپنی پشت پناہ بناتا ہوں۔ تیرے ہاتھوں تیرے سوا میرا کوئی ٹھکانہ اور جائے پناہ نہیں۔ تیری اتاری ہوئی کتاب اور بھیجے ہوئے نبی پر ایمان لایا"۔

پس دل اور زبان سے ذکر کرتا ہوا۔ دوسری مرتبہ سو جائے۔

نیز مروی ہے کہ:

''جو شخص وضو کر کے ذکر کرتا ہوا سو جائے۔ تو اس کی روح کو عرش کے نیچے لے جایا جاتا ہے۔ تا کہ وہاں پر طاعت میں مشغول ہووے۔ اور ایسی حالت میں جو خواب دیکھے گا عین سچ ہو گا''۔

لہٰذا عالم جب سوتا ہے تو:

''نوم العلماء عبادة''۔

''علمائے کرام کا سونا بھی عبادت میں شامل ہے''۔

اس پر صادق آتا ہے۔ پھر اس بات کی کوشش کرے۔ کہ رات کے آخری نصف حصے میں جاگ کر نماز تہجد جو کہ بہت بڑی اور پیاری سنتِ نبوی ﷺ ہے۔ ادا کرے۔ بہر حال یہ نماز زمعہ وتر تیرہ رکعت ہوتے ہیں۔ ان میں دس رکعت ایک سلام سے اور تین رکعت وتر ایک سلام پڑھے۔ رات کی نماز میں قرأت جس قدر طویل ہو اسی قدر بہتر ہے۔ اگر چاہے تو یہ نماز ادا کرنے کے بعد پھر سو جائے۔ صبح دوبارہ اٹھ کر تازہ وضو کرے۔ اور دوبارہ ذکر میں مشغول ہو جائے۔ اور اپنے نفس کو کسی نہ کسی قسم کے مجاہدے سے کسی وقت بھی خالی نہ چھوڑے۔ اور اس کی خواہشات میں کسی طرح بھی مشغول نہ ہووے۔ اور ہمیشہ نفس کا دشمن بنا رہے۔ اور دل کو طلب کرتا رہے۔

دل کی راہ

لہٰذا جو کچھ میں نے تزکیۂ نفس۔ تصفیۂ دل اور تجلیۂ روح کے بارے میں لکھا ہے۔ اس پر حتی الوسع کار بند رہے۔ ممکن ہے۔ کہ آہستہ آہستہ اس کے دل کی راہ عالم غیب کی طرف کھل جائے۔ اور بعض حقائق ایسے دکھائی دینے لگیں۔ اور اسرار کا کشف ہونے لگے۔ تا کہ اس بات سے وہ محروم نہ رہ جائے۔ اور ساری عمر بے فائدہ ہی برباد ہو جائے۔

ایک سکھ شاعر نے کتنا خوب کہا ہے کہ:

داماد لے گئے بیٹیاں
بہوئیں لے گئیں پوت
تریا لے گئی جوبن
رہے اوت کے اوت

مذکر

یہ حضرات بھی تین اقسام پر مبنی ہیں۔
ایک فصال کہ جنہیں ہم نے قصاص کہا ہے۔ دوسرے تیسرے مذکر حقیقی۔

فصال

فصال وہ ہیں۔ کہ جنہوں نے علومِ دینی کی چند ایک مصنع۔ مسجع باتیں یاد کرلی ہوں۔ کہ جن سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ بعض انبیائے کرام علیہم السلام کے قصے اور مشائخ حضرات کی حکایات کبھی تو رنگین عبارات میں ادا کرتے ہیں۔ اور کبھی کسی آیت کی تفسیر کر کے حفظ کر لیتے ہیں۔ اور سوال و جواب کے طور پر اشعار پڑھتے ہیں۔ اور اسی قسم کی تصنیفات جو کہ فصالوں کے پاس ہوتی ہیں۔ ان کو جمع کر کے عوام کے پاس خوب خوش الحانی اور شد۔ مد سے پڑھتے ہیں۔ اور عام لوگ بیچارے یہی سمجھتے ہیں۔ کہ یہ انہی کی تصنیف کردہ ہیں۔ اور کبھی لوگ ان کو انہی کی تصنیف بتاتے ہیں۔ کہ جس سے وہ غرور اور تکبر میں آجاتے ہیں۔ اور اس جماعت کی غرض بھی یہی ہوتی ہے۔ کہ قبولیت عامہ پاکر دنیاوی مقصود حاصل کریں۔ اور اس مطلب کو حاصل کرنے کے لئے سینکڑوں طرح کی بناوٹی۔ مکر۔ خوشامدیں اور تعجب انگیز باتیں کرتے ہیں۔ اور منبر پر چڑھ کر بادشاہوں۔ حاکموں۔ وزراء۔ سرمایہ داروں۔ صنعت کاروں اور دیگر بڑے بڑے با اثر علاقائی شخصیات کی مدح کرتے ہیں۔ اور عام کی طبیعتوں کی من بھاتی کہانیاں سناتے ہیں۔ اور جھوٹی اور فرضی کہانیوں اور روایات کو جمع کر کے با اثر افراد کو خوش

کرنے کے لئے پھینک دیتے ہیں۔ اور چند ایک روپوں کی خاطر منبر پر بیٹھ کر وہ یاوہ گوئی کرتے ہیں۔ کہ جس کی وجہ سے ان حضرات کو کچھ حرام اور حلال سے مل جاتا ہے۔ اور وہ روپیہ بھی زیادہ تر زکوٰۃ کے مال سے ہوتا ہے۔ جو کہ ان کے لئے قطعاً جائز نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ لوگ خود صاحب زکوٰۃ اور نصاب ہوتے ہیں۔

مختصر یہ کہ آج کل اس قسم کے گندے لوگ کثیر تعداد میں موجود ہیں۔ جو جہان بھر میں پھر کر خلقت کو بدعت اور گمراہی میں ڈالتے ہیں۔ اور بری امیدوں سے وابستہ ہو کر گناہوں پر دلیر ہو جاتے ہیں۔ میں یہاں پر ایک انتہائی اہم اور دلچسپ واقعہ نقل کرتا ہوں کہ:

ایک حیرت انگیز اور دلچسپ واقعہ

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے۔ کہ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ نے مسجد رصافہ میں نماز پڑھی۔ اسی دوران ان کے سامنے ایک قصہ گو بظاہر عالم دین کھڑا ہو گیا۔ اور اس نے حدیث شریف بیان کی:

"از حضرت احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ اور یحییٰ بن معین رضی اللہ عنہ از عبدالرزاق رضی اللہ عنہ از معمر رضی اللہ عنہ از قتادہ رضی اللہ عنہ از انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے "لا الہ الا اللہ" کہا۔ اللہ ربّ العزت اس کے ہر کلمہ سے ایک پرندہ پیدا کرتا ہے۔ کہ جس کی چونچ سونے کی ہوتی ہے۔ اور پر مرجان کے۔ اور اس نے بیس ورق کا ایک طویل قصہ بیان کر دیا"۔

حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ حیرت سے حضرت یحییٰ بن معین کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اور حضرت یحییٰ بن معین اور بھی زیادہ حیرت سے حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اور ایک دوسرے سے پوچھا: کیا آپ نے یہ حدیث بیان کی ہے؟

ہر ایک نے کہا: ہرگز نہیں۔ لہٰذا جب وہ قصہ سے فارغ ہو گیا۔ تو انہوں نے اس جھوٹے ملعون قصہ گو کو بلایا۔ انہوں نے اس قصہ گو سے پوچھا: کہ تو نے یہ حدیث شریف کس سے روایت کی ہے؟

تو اس قصہ گو ملعون نے کہا۔ کہ حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ اور حضرت یحییٰ بن معین رضی اللہ عنہ سے۔ حضرت یحییٰ بن معین نے کہا کہ میں یحییٰ بن معین ہوں۔ اور یہ احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ ہیں۔ ہم نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث ہرگز نہیں سنی۔ اور تم کیوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جھوٹ باندھتے ہو؟

تو اس قصہ گو ملعون نے کہا: کہ میں ایک عرصہ سے سن رہا تھا۔ کہ حضرت یحییٰ بن معین ایک احمق آدمی ہے۔ آج مجھے اس کی تصدیق ہو گئی۔ حضرت یحییٰ بن معین نے پوچھا کہ وہ کیسے؟

اس نے کہا: کہ تم یہ سمجھتے ہو۔ کہ دنیا میں صرف تم ہی یحییٰ بن معین ہو۔ اور صرف یہی احمد بن حنبل ہیں۔ میں سترہ ایسے آدمیوں سے حدیث روایت کرتا ہوں کہ جن کے نام احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین ہے۔ اور ان دونوں ہستیوں کا خوب مذاق اڑایا اور آگے چل دیا"۔ (شرح مسلم شریف از علامہ غلام رسول سعیدی صاحب)

لہٰذا یہ لوگ بری امیدوں سے گناہوں پر دلیر ہو کر تعصب دلاتے ہیں۔ اور وہ وقت بھی آنے والا ہے۔ کہ ساری دنیا میں بہت بھاری فساد برپا ہونے والا ہے۔ اور ناحق خون ریزیاں ہوں گی۔ اور یہ وہی لوگ ہیں کہ اہل علم لوگوں کی عزت کو بٹہ لگاتے پھرتے ہیں۔ اور لوگوں کی ارادت میں نفاق اور فرق ڈالتے ہیں۔ اور علم کی وقعت لوگوں کے دلوں سے دور کرتے ہیں۔ اور ایسے لوگ ان علماء میں سے ہیں۔ جو زبان کے تو عالم ہیں۔ مگر دل کے جاہل ترین ہیں۔ یہ سب کے سب دوزخ کا ایندھن بنیں گے۔

(واللہ اعلم)

واعظ

دوسرے واعظ حضرات ہیں۔ جو کہ متقی امام ہوتے ہیں۔ اور دینی علوم سے آراستہ ہوتے ہیں۔ اور بات صرف اللہ ربّ العزت کی رضا آخرت کے ثواب اور درجات کے حاصل کرنے کے لئے کہتے ہیں۔جبکہ بدعت اور گمراہی سے بالکل دور رہتے ہیں۔ اور رعونت کے قریب تک نہیں پھٹکتے اور سجع و مصنوع سے بھی بالکل پرہیز کرتے ہیں۔ بلکہ سنت کے اور سیرت سلف صالح کے مطابق نص۔ اخبار۔ آثار۔ مشائخ اور صلحاء کی سیرت کی بابت بات کرتے ہیں۔ اور خلقت کو بغیر کسی طمع کے جیسا کہ اللہ ربّ العزت نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے:

"اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ"۔ (النحل:۱۲۵)

''اپنے پروردگار کی راہ کی طرف لوگوں کو حکمت اور نیک نصیحت سے بلا''۔

کے مطابق وعظ۔ نصیحت۔ اور حکمت سے اللہ ربّ العزت اس کی راہ سنت نبوی ﷺ شرعی طریقہ۔ زہد۔ ورع۔ توبہ۔ بازگشت۔ اور پرہیزگاری بتلاتے ہیں۔ اور لوگوں کو بری امیدیں دلا کر دلیر نہیں کرتے۔ اور نہ ہی زیادہ خوف زدہ کر کے بخشش حق سے نا اُمید کرتے ہیں۔ کیونکہ ایسا کرنا بھی برا ہے۔ اور طریقہ الٰہی کے مطابق وعدہ اور وعید دونوں کو گفتگو میں استعمال کرتے ہیں۔ اور ابتداء میں دلی خلوص کے مطابق کوشش کرتے ہیں۔ تا کہ دنیاوی تعلقات سے اس میں کھوٹ نہ پیدا ہو جائے۔ کیونکہ سچی بات اسی وقت کہی جا سکتی ہے۔ اور سن بھی سکتے ہیں۔ جبکہ دل کسی منشاء سے خالی ہو۔ کیونکہ بزرگان دین نے فرمایا ہے:

"الكلام اذا خرج من قلب وقع على القلب"۔

''جب کلام دل سے نکلتا ہے۔ تو اس کا اثر دل پر پڑتا ہے''۔

اور جو بات نفسانی غرض سے آلودہ ہو گی۔ وہ کسی دل پر اثر نہیں کرے گی۔ اور بعض

اوقات ایسا ہوتا ہے۔ کہ کانوں کو بھلی معلوم ہوتی ہے اور طبیعتیں اس کو قبول کرتی ہیں۔لیکن صاحب دل لوگ اس کو قبول نہیں کرتے۔اور جیسا کہ

"اوحی اللّٰہ الی داؤد علیه السلام یا داؤدلا یسالن عن عالم قد استکثرته حب الدنیافاولیك قطاع الطریق علی عبادی"

"اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ اے داؤد!ایسے عالم دین سے کچھ نہ پوچھ۔کہ جس پر دنیا کی محبت غالب ہو۔کیونکہ ایسے لوگ میرے بندوں کے لئے بمنزلہ رہزن اور لٹیرے کے ہیں"

اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ:

"علما ھذا الا متی وجلان فرجل اتاہ اللّٰہ علماء فبدله للناس ولم یاخذ علیه طمعاً ولم یشتر به ثمنا فذالك یصلی علیه طیر السماء وحیتان الماء و دواب الارض وکرام الکاتبین بقدم علی اللّٰہ یوم القیامة سیداً شریفاً حتی یرافق المرسلین ورجلا اتاہ اللّٰہ علماً فی الدین یضن به عن عباد اللّٰہ واخذ علیه طمعا واشتری به ثمناً یعذب حتی یفرغ اللّٰہ من عذاب الخلائق"

"اس امت کے علماء دو قسم کے ہیں۔ایک وہ کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے علم عطا کیا ہے۔اور وہ اسے لوگوں کے لئے خرچ کرتے ہیں۔اور اس میں طمع کرتے ہیں۔ اور نہ اس کی قیمت لیتے ہیں۔سو ایسے لوگوں پر آسمان۔ پرندے۔ پانی کی مچھلیاں۔زمین کے چوپائے اور کرام الکاتبین درود بھیجتے ہیں۔اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے پاس سردار۔شریف اور معزز ہو کر آئیں گے۔ یہاں تک کہ رسولوں کے ہمراہ ہوں گے۔اور دوسرے وہ ہیں کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے دینی علم عطاء کیا ہے۔لیکن وہ اس میں لوگوں سے بخل کرتے ہیں۔اور اس سے طمع پوری

کرتے ہیں۔ اور اس کی قیمت لیتے ہیں۔ سو ایسے اشخاص کو اللہ تعالیٰ اس وقت تک عذاب دے گا کہ تمام خلقت کے عذابوں سے فارغ ہو جائے گا''۔

اور ''قوت القلوب'' میں حضرت شیخ ابی طالب مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"ومن اغلظ ما سمعت فيمن اتباع الدنيا بالعلم ما حد ثو عن عبيد بن واقد عن عثمان بن ابى سليمان قال كان رجل يحدم موسىٰ عليه السلام بقول حدثنى موسىٰ عليه السلام صفى الله حدثنى موسىٰ نجى الله. حدثنى موسىٰ كليم الله حتى اثرى واكثر ماله وفقده موسىٰ عليه السلام فعل يسعل عنه اثرا حتى جاء رجل ذات يوم وفى يده خنزير فى عنقه حبل اسود فقال له موسىٰ عليه السلام يعرف فلا نا فقال نعم فقال هو هذا الخنزير وقال موسىٰ عليه السلام يا رب اسئلك ان تردة الى حاله حتى اساله مما اصحابه فاوحى الله اليه لدوتنى بالذى دعانى ادم فمن دونه ما اجبتك فيه ولكن اخبرتك لم ضعت هذبه لانه كان يصلب الدنيا بالدين"

''سب سے سخت بات وہ ہے۔ جو میں نے اس شخص کے بارے میں سنی جو کہ علم بیچ کر دنیا خریدتا ہو۔ وہ یہ ہے۔ کہ عبید بن واقد عثمان بن ابی سلیمان کی زبانی بیان کرتے ہیں۔ کہ ایک آدمی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت کیا کرتا تھا وہ مالدار ہو گیا۔ اور اس وجہ سے اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے میل جول منقطع کر لیا۔ اور جب وہ گم ہو گیا۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بہت جستجو کی لیکن نشان تک نہ پایا۔

ایک دن کا ذکر ہے۔ کہ ایک شخص ایک سؤر لایا۔ کہ جس کے گلے میں سیاہ رسی پڑی ہوئی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس شخص سے پوچھا کہ تجھے فلاں شخص کا کچھ پتہ معلوم ہے۔ اس نے کہا: ہاں یہ سؤر وہی شخص ہے۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے

بارگاہ الٰہی میں عرض کی۔ کہ اے پروردگار! اسے اپنی اصل حالت پر لاتا کہ میں اس سے اس کی اس صورت کی وجہ پوچھوں۔ بارگاہ الٰہی سے حکم ہوا کہ اگر تو دعا کرے۔ جو کہ حضرت آدم علیہ السلام نے کی تھی۔ یا اس کے علاوہ کوئی اور تو بھی میں قبول نہیں کرتا۔ البتہ یہ بتائے دیتا ہوں۔ کہ میں نے اس کی یہ صورت کیوں کر دی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ یہ شخص دین کے بدلے دنیا چاہتا تھا۔ تا کہ اس کے حال سے ان سب علماء سوء کو حرصِ دنیا اور طلبِ دنیا کی حقیقت معلوم ہو جائے''۔

بہر حال ہم نے اس قدر تھوڑا سا اور اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے۔ کہ جب واعظ کو دنیا کی طلب نہ ہو اور ان شرائط۔ آداب اور اوراد کو جو کہ مفتی صاحبان کے لئے بیان کئے گئے ہیں بجا لائے۔ تو وہ ان اشخاص میں سے ہو گا کہ جن کے بارے میں اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے!

"یَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ"۔ (المجادلہ:۱۱)

''اللہ تعالیٰ تم میں ایمان والوں اور علم والوں کے درجات بلند کرتا ہے''۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

''علماء کو سخیوں پر سات سو درجات اور پانچ سو سالہ مسافت کے برابر فضیلت حاصل ہے۔ جو وعظ اور نصیحت ایسا شخص کرے اس کو ہر حرف اور کوشش کے بدلے درجہ اور قرب حاصل ہوتی ہے۔ اور جو شخص وعظ سن کر ہدایت پائے۔ اور توبہ کر کے طاعت میں مشغول ہو اور دنیا سے روگردانی کر کے طلب حق کی طرف متوجہ ہو تو وہ اس کے طالب اور ہر وہ شخص جو ان سے نصیحت سن کر دینی امور میں مشغول ہو گا۔ اور جب تک جہان باقی ہے۔ سب کا ثواب اس کے نامۂ اعمال میں لکھا جائے گا''۔

اور یہ ان علمائے کرام میں سے ہو گا۔ کہ جن کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد

فرماتے ہیں:

''عالم تو قبر میں سوئے پڑے ہوتے ہیں''۔

لیکن ان کا عمل اس علم کی برکت سے کہ جس سے لوگوں کو فائدہ ہوا۔ ان کا عمل برابر جاری رہتا ہے۔

حقیقی مذکرین

ان میں تیسری جماعت حقیقی مذکرین کی ہے۔ یہ بزرگانِ دین اور مشائخ حضرات ہوتے ہیں۔ جو کہ علوم ظاہری اور علوم باطنی دونوں سے آراستہ ہوتے ہیں۔ اور انہوں نے عنایت الٰہی کے جذبات سے راہ دین کو طے کیا ہوا ہوتا ہے۔ اور عالم یقین کی سیر بھی کی ہوئی ہوتی ہے۔ اور الطافِ الٰہی کے مکاشفات سے انہیں علم لدنی حاصل ہوتا ہے۔ اور انوارِ الٰہی کے تجلی کے پرتو میں اللہ ربّ العزت کی تعریف اور اسرار کے معنی ہو گئے ہوتے ہیں۔ اور مقامات کے احوال اور راہ حق کے سلوک کی ان کو کامل واقفیت ہوتی ہے۔ اور اللہ ربّ العزت کی طرف سے لوگوں کو اللہ ربّ العزت کی طرف بلانے اور ان کی تربیت پر مامور ہوتے ہیں۔ لیکن اس سے پیشتر کچھ مدت وہ اپنے نفس کے واعظ ہوتے ہیں جیسا کہ:

"عظ نفسك فان اتعظت فعظ الناس وافا سستحى من الله واذا واعظ الله في قلب كل مومن"۔

''اپنے نفس کو نصیحت کر۔ اگر تو نے اپنے تئیں نصیحت کر لی ہے۔ تو پھر لوگوں کو واعظ اور نصیحت کر نہیں تو اللہ تعالیٰ سے شرم کر اور جب تیرے واعظ سے مومن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ اثر ڈال دے۔ تو بار بار وعظ کر''

اور جنہیں نفس کے مکر و فریب اور حیلہ کی گھاتیں معلوم ہیں۔ اور جنہوں نے ہزار مرتبہ لا او بالی حق کی آگ یقین اور اس کی صفات کے خرمن میں لگائی ہے۔ اور معرفت کے آب

حیات کا چشمہ پی گئے ہیں۔ اور اس کی انابت کی خاک عنایت کے جھونکے سے ہویت کی ہوا میں اڑا دی ہے۔ پس فرمانِ الٰہی کے مطابق لوگوں کو اللہ ربّ العزت کی طرف بلانے میں مشغول ہیں۔ اور خلقت کو خرابات اور شہوات کی شراب اور غفلتوں کی مستی سے ان خطائیر قدس۔ مجلس انس اور مقصد صدق کی طرف بلاتے ہیں۔ جن کی روح کا تعلق قالب کی وحشت سرائے اور جسم کے تاریک گھونسلے سے ہونے سے کئی ہزار سال پیشتر مجاور رہ چکے ہیں۔ اور جہان پر تجلیٰ جمال کے جام میں جیسا کہ اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے!

"وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا"۔ (الدھر: ۲۱)

''ان کو ان کے پروردگار نے پاک شراب پلائی''۔

کے ساقی سے شرابِ طہور اور شہود پی ہے۔ اور خزانہ کرم سے ملاطفت الٰہی کی پوشاکیں بغیر کسی وسیلے کے پہنی ہیں۔ اور ان خاکی پنگوڑے والے بچوں اور ان بے وفا بدعہدوں کو کہ جنہوں نے غلامی کا بالا پہننے کی بجائے غفت کی روئی کانوں میں دے رکھی ہے۔ اور یا پھر مہربان دوست اور پرانے اقرار کو بالکل فراموش کر بیٹھے ہیں۔ دوبارہ ولایت کے پستان سے وہی پہلا دودھ پلاتے ہیں۔ اور پھر ان کی جان کے باغ میں تذکیر کے ہاتھ سے جیسا کہ اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے!

"وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰمِ اللّٰهِ"۔ (ابراھیم: ۵)

''اور ان کو اللہ تعالیٰ کے معاملات یاد دلاؤ''۔

کے تحت شوق اور محبت کا پودا لگا رہے ہیں۔ اور حقیقی مذکر یہی ہیں۔ اور پروانہ صفت دیوانوں کا سلسلہ جنبانی کرنی اور پروانوں کو شمع کے جمال سے جلال کی شمع تک پہنچانا انہی کی خاصیت ہے۔ اور ہر ایک پرند کے لئے جدا جدا دانہ ہوتا ہے۔ ایسے لوگ ہر قوم سے ان کی عقل سمجھ اور فہم و فراست کے مطابق شریعت۔ طریقت۔ معرفت اور حقیقت کا کافی وشافی بیان کرتے ہیں۔ تاکہ ہر شخص اپنی ہمت کے مطابق اس میں حصہ لے سکے کہ:

"قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ"۔

"ہر شخص نے اپنا گھاٹ پہچان لیا"۔

مگر وہ جانور جو "یحبھم" کے گھونسلے سے اڑا ہے۔ وہی ارادت کے جال میں پھنستا ہے۔ اور "یحبونہ" کی خوشبو سے بلائے عشق کے جال میں پھنستا ہے۔ سفید باز جو کہ ایک نایاب ترین پرندہ ہے۔ خلوت خانہ میں لے جاتے ہیں۔ اور اس کی نفسانی خواہشات کی آنکھ دونوں جہان کی مرادوں کے جہان سے سی دیتے ہیں۔ اور ذکر کے طعمے سے اس کی پرورش کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس کے لب وحشت ماسویٰ حق کی التفات سے بالکل کنارہ کش ہو جاتے ہیں۔ اور پہلے انس کے مقام میں پہنچ جاتا ہے۔ اور پھر اس بات کا مستحق ہو جاتا ہے۔ کہ بادشاہ کے ہاتھ پر بھی بیٹھ سکے۔ اور ایسے لوگ خلاصۂ موجودات۔ خلیفہ۔ نائبِ الٰہی اور انبیائے کرام علیہم السلام کے میراث دار ہوتے ہیں۔ جیسا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

"علماء امتی کانبیاء بنی اسرآئیل"۔

"میری امت کے علماء (باعمل) بنی اسرائیل کے انبیاء کے سے ہیں"۔

ہر شخص کی آنکھ ان کے جمال با کمال پر نہیں پڑتی۔ کیونکہ وہ اللہ ربّ العزت کے مضبوط قلعوں کے دامن میں چھپے ہوئے ہوتے ہیں۔ ان کا مشاہدہ کرنے کے لئے ایسی آنکھ ہونی چاہئے۔ کہ جس میں الٰہی سرمہ لگا ہوا ہو۔ ان کی داڑھی، اور سر بھی ایسا ہی دیکھتے ہیں۔ جیسے اپنا۔ اور ان کے احوال کو بھی اپنے اور دوسروں کی طرح خیال کرتے ہیں۔ اور ان کو ایک معمولی واعظ یا عالم دین خیال کرتے ہیں لیکن حقیقت میں انہیں معلوم نہیں کہ:

"لا تقاس الملائکۃ بالحداوین"۔

"فرشتوں کو لوہاروں کا سا قیاس نہیں کر سکتے"۔

قاضی

اسی طرح قاضی حضرات بھی تین اقسام پر مشتمل ہوتے ہیں۔ جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے ارشاد فرمایا ہے:

"القضات ثلث قاضیان فی النار وقاضی فی الجنة"۔

''قاضی تین قسم کے ہوتے ہیں۔ دو دوزخ میں جانے والے اور ایک جنت میں''۔

دوزخ میں جانے والے یہ ہیں کہ پہلے وہ کہ جن کو قاضیوں کا علم نہیں ہے۔ محض جہالت نفسانی خواہشات اور میلان طبع سے بغیر علم کے قاضی کا کام کرتے ہیں۔ اور ان کو سچ اور جھوٹ کی تمیز نہیں ہوتی۔ اور نہ ہی حق کو باطل سے تمیز ہی کر سکتے ہیں۔ لہٰذا ایسے قاضی ضرور دوزخ میں جائیں گے۔

دوسرے وہ جن کو قاضی کا علم تو ہے۔ لیکن اس پر عمل نہیں کرتے۔ بلکہ جہالت اور نفسانی خواہشات کے مطابق کام کرتے ہیں۔ اور لوگوں کے پہلو کو اللہ ربّ العزت کے پہلو پر ترجیح دیتے ہیں۔ اور رشوت لے کر سائل کا من پسند فتویٰ تحریر کر دیتے ہیں۔ نیز اس کے سبب لوگوں سے بھاری بھرکم خدمت بھی وصول کرتے ہیں۔ اور ورثہ اور یتیموں کے مال پر بیجا تصرف کرتے ہیں۔ مسجدیں مدرسے۔ خانقاہیں۔ نالائقیوں اور رشوت خواروں کو رشوت۔ غرض خدمت اور کسی کام کے عوض جو ان سے نکل سکتا ہے۔ دے دیتے ہیں۔ اور اہل دین کی تقویت کا کچھ خیال نہیں کرتے۔ اور امر معروف اور نہی منکر کی بجا آوری اور باز پرس کو مہمل چھوڑتے ہیں۔ اور نیک نائبین کے جو متعلقات ہیں۔ کہ قاضی حق کی رعایت کرے۔ مگر بدقسمتی سے یہ لوگ ایسا نہیں کرتے۔ بلکہ اپنے نائبین اور خادموں کو رشوت ستانی کی جرأت دلاتے ہیں۔

اور حق کو باطل ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور مکر پھیلاتے ہیں۔ کمزوروں اور مفلسوں کے پہلو کو فروگذاشت کرتے ہیں۔ یہ بدخصلتیں جب قاضی میں خود پائی جائیں تو وہ اپنے نائبین اور خادموں کو ایسا کرنے سے کیسے روک سکتے ہیں۔ بلکہ الٹی مزید غفلت کرتے ہیں۔ لہٰذا اس قسم کے قاضی بھی دوزخ میں جائیں گے۔

جنتی قاضی حضرات

اب رہے وہ قاضی جو کہ جنت میں جائیں گے۔ وہ خود ہی جنت ہوتے ہیں۔ ورنہ جو دنیاوی قاضی ہیں۔ وہ قضاء کے حقوق کی رعایت از خود کر سکتے ہیں۔ اسی لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

"من جعل قاضیا فقد ذبح بغیر سکین"۔

"جس کو قاضی بنایا اس کو بغیر چھری کے ذبح کیا"۔

لہٰذا قضاء کے لائق وہ شخص ہوتا ہے۔ جو تحصیل علوم۔ مرتبہ۔ اجتہاد اور عقل کامل کے علاوہ ریاضت پروردہ نفس رکھتا ہو۔ اور جس کے اخلاق حمیدہ ہوں۔ اور ارادت نیک اور دل نظر الٰہی سے منور اور جان لطیف اور صاف ہو۔ عالی ہمت اور نیک نیت ہو۔ اور بغیر طمع اور رعایت کے محض اللہ ربّ العزت کی خاطر قضاء کے فرائض کو بجا لائے۔ اور جس وقت قضاء کی مسند پر بیٹھے۔ اور مدعا علیہ اس کے روبرو دو زانو بیٹھے۔ جبکہ وکیل اور گواہ آس پاس کھڑے ہوں۔ تو اس حالت کو یاد کرے۔ جبکہ عرصات کے دارالقضاء میں عدل کی مسند رکھی جائے گی۔ اور قاضی خود اللہ ربّ العزت ہو گا۔ اور مدعی اللہ ربّ العزت کا پیارا حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں گے۔ اور گواہ کراماً کاتبین اور دعویٰ اس پر دائر ہو گا۔ اور اس کا ما حاصل تکالیف کا برداشت کرنا یا دوزخ میں پڑنا ہو گا۔ پس خلق خدا کے مابین حکومت اس طرح کرے۔ کہ قیامت کو اس دارالقضاء میں واضح حجت سے سرخروئی حاصل کر سکے۔ لہٰذا قاضی کو مناسب ہے۔ کہ قضاء کے شغل سے فارغ ہو کر باقی اوقات ان اوراد و وظائف میں مشغول رہے۔ کہ جن کا میں نے اوپر ذکر کر دیا ہے۔ اپنا کام سنت اور سیرت سلف صالحین کے مطابق کرے۔ اور قضاء کا کام بڑی خوش اسلوبی سے کرے۔ تا کہ لوگوں کے دلوں میں اس کی وقعت اور ہیبت ہو۔ اور کوئی شخص دھوکہ فریب کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔

میں نے بھی تقریباً تیس سال کا عرصہ اپنے اطراف۔ جوانب میں پھر کر دیکھا تو بہت سے دینی عہدہ داروں کو اپنے فرائض منصبی عمدہ طور پر بجالاتے ہوئے دیکھا۔ جیسا کہ مفتی۔ مدرس۔ مذکر اور مشائخ حضرات کا دیدار نصیب ہوا۔ لیکن ایسے قاضی (مفتی) حضرات بہت کم دیکھے۔ کہ جو قضاء کی شرط کے مطابق شرعی احکامات پر قائم رہتے ہوں۔ اور اگر کوئی شخص خود ان شرائط پر کار بند دیکھا۔ تو اس کے نائب اور خادم حضرات کار بند نہ دیکھے۔

مختصر یہ کہ اگر کوئی شخص ان شرائط پر عمل درآمد کرے گا۔ اور رعایا کے پہلو کو ترجیح دے گا۔ اور جو کچھ پاک اور درست ہو اسے اختیار کرے گا۔ تو وہ ولی اللہ اور برگزیدۂ الٰہی ہو جائے گا۔ اور جو حکم نافذ کرے گا۔ یا جو شفقت رعایا کے احوال پر کرے گا۔ اور اس میں شرعی حدود کو ملحوظ رکھے گا۔ تو اس کے بدلے اس کو درجہ۔ مرتبہ۔ قرب اور رفعت حاصل ہوگی۔ اور اس سارے جہان میں ایسا شخص نادر الوجود ہوگا۔ اور ایسے شخص سے ضرور برکت طلب کرنی چاہیے۔ اور اسی کی صحبت اختیار کرنی چاہیے۔

سرمایہ دار۔ دولت مند۔ غنی حضرات

القرآن: وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ" ○ (القصص: ۷۷)

ترجمہ: جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تجھے دیا ہے۔ اس سے آخرت کے لئے کچھ حاصل کر۔ اور اپنے دنیاوی حصے کو نہ بھول جا۔ اور جیسے اللہ تعالیٰ نے تجھ پر احسان کیا ہے۔ تو بھی کر۔ اور روئے زمین پر فساد کو پسند نہ کر۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا"

الحدیث: "من اصاب مالا حلا لا فكف به وجه وصل به رحمه وقص له دينه واقام به على جاره لقى الله يوم القيمة ووجه على ضوء القمر ليلة البدر ومن اصاب مالا حراماً وكان مكا ثراً مفاخراً درائيا لقى يوم القيامه وهو عليه غضبان"

ترجمہ: جسے حلال مال ملے۔ اور وہ اس پر فخر وغیرہ نہ کرے۔ صلۂ رحم کا خیال رکھے۔ اپنے فرض کو ادا کرے۔ اور ہمسائیوں کی مدد کرے۔ تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے ایسی حالت میں ملے گا۔ کہ اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح منور ہو گا۔ اور جسے حرام مال ملے اور اس پر فخر کرے۔ اور اترائے۔ تو

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس پر سخت ناراض ہوگا''۔

واضح رہے کہ دنیاوی مال و دولت اور جاہ وحشمت سیڑھی کی طرح ہے جس سے اوپر بھی چڑھ سکتے ہیں۔ اور نیچے بھی اتر سکتے ہیں۔پس اسی مال و دولت کے ذریعے جنت کے درجات اور قرب الٰہی بھی حاصل کر سکتے ہیں۔ اور اسی کے وسیلے دوزخ کے درجات بھی خریدے جا سکتے ہیں۔ اور بدبختی کے باعث اللہ ربّ العزت سے دوری بھی حاصل ہوسکتی ہے۔ جیسا کہ اللہ ربّ العزت نے اس کیمیا گری کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

''وَابْتَغِ فِيمَآ اٰتٰكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ ''۔(القصص:۷۷)

''جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تجھے دیا ہے۔اس سے آخرت کے لئے کچھ بنالے''۔

اس دنیاوی مال و دولت سے انسان کا حصہ وہی ہوتا ہے۔ جو راہ خدا تعالیٰ میں خرچ کیا جائے۔ نہ کہ جو خواہشات کو پورا کرنے کے لئے خرچ کیا جائے۔ کیونکہ اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے!

''وَمَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ''۔(النحل:۹۶)

''نہ ان کے پاس رہتا ہے۔اور نہ اس کا ثواب ہی اللہ تعالیٰ سے ان کو ملتا ہے''۔

لہٰذا راہ خدا تعالیٰ میں خرچ کرنے کی شرح خود حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمائی ہے کہ:

''من اصاب مالا حلا لًا فكف به وجه ......الخ''۔

''یعنی جسے حلال مل جائے۔ اور اس سے اپنی آبرو قائم رکھے۔ اور اس کے ذریعے خلقت سے بے پرواہ رہے۔ اور طمع کی بے عزتی نہ اٹھائے۔ اور اس کی عزت سے قناعت کرے۔ اور صلۂ رحم ادا کرے''۔

خویش کی اقسام

خویش دو طرح کے ہوتے ہیں۔

ایک دنیاوی جس کی مدد مال و دولت سے کرنی چاہیے۔ جیسا کہ اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

"وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى"۔ (البقرة:١٧٧)

''اور مال اللہ تعالیٰ کی حب پر رشتہ داروں کو دیا''۔

حضور اقدس صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّم کا ارشاد ہے:

"من اصاب مالا حلا لًا فكف به وجه"۔

''جس کو حلال مال ملے۔ وہ اس پر فخر وغیرہ نہ کرے''۔

دوسرے دینی خویش ہوتے ہیں۔ کہ جیسا کہ فرمایا ہے:

"اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ"۔

''مومن آپس میں بھائی ہیں''۔

لہٰذا دینی اخوت کا صلۂ رحم بھی واجب ہے۔ اور اس اخوت کی تفصیل اللہ ربّ العزت نے قرآن مجید میں خود فرمائی ہے کہ:

" ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِى الرِّقَابِ"۔ (البقرة:١٧٧)

''رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور مسکینوں کو اور مسافروں کو اور سوال کرنے والوں کو اور گردن چھڑانے میں''

پھر ایک جگہ ارشاد فرمایا کہ:

"قضى به دينه"۔

''اور اس سے اپنا قرض ادا کرے''۔

درج بالا بیان کا مطلب یہ ہے۔ کہ اس مال سے حقوق اور قرض ادا کرے۔ یعنی اس مال میں کسی کا حق ہو۔ یا اس پر قرض ہو تو ادا کرے۔ اور زکوٰۃ اس کے مستحقین کو ادا کرے۔

اور زکوٰۃ ادا کرتے ہوئے مفصلہ ذیل باتوں سے بچے:

۱-دکھلاوا	۲-فخر	۳-تکبر
۴-رفعت	۵-ڈھونڈنا	۶-ایذا دینا
۷-احسان جتلانا	۸-امید	۹-شہوت
۱۰-لاف	۱۱-مکر	۱۲-جھوٹ
۱۳-دھوکہ وغیرہ		

کیونکہ یہ سب خصلتیں ثواب۔ قبول زکوٰۃ اور صدقہ وغیرہ کو باطل کر دیتی ہیں۔ کیونکہ اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ:

"یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰی كَالَّذِیْ یُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاس"۔ (البقرۃ: ۲٦٤)

"اے ایمان والو! اپنے صدقات کو احسان جتا کر یا تکلیف پہنچا کر باطل نہ کرو۔ ایسے شخص کی طرح جو محض دکھلاوے کی طرح مال خرچ کرتا ہے"۔

اور بزرگانِ دین نے بھی فرمایا ہے۔ کہ زکوٰۃ کے علاوہ مال میں کئی ایک اور حقوق بھی ہیں۔ جیسا کہ اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ:

"وَفِیْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْم"۔ (الذریت: ۱۹)

"اور ان کے مال میں سے سوالی اور غیر سوالی کا حق تھا"۔

حضور سرکارِ دو عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا کہ:

"فی المال حق سوی الزکوٰۃ"۔

"مال میں زکوٰۃ کے علاوہ اور بھی حق ہیں"۔

اور دوسرے جو"قام به علی جاره" فرمایا ہے
"یعنی مال سے ہمسایوں کے حقوق ادا کرو"۔
کیونکہ ہمسائیگی کے حقوق بہت زیادہ ہیں۔ جیسا کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

"ہمیشہ جبریل علیہ السلام مجھے ہمسایوں کے لئے وصیت لاتے۔ یہاں تک کہ مجھے اس بات کا گمان ہوا کہ شاید ہمسایوں کو وارث نہ قرار دیں"۔

ایک اور حدیث شریف میں حضور اقدس ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

"من کان یؤمن باللہ والیوم الأخرہ فلیکرم جارہ"۔

"جو شخص اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لاتا ہے۔ اسے اپنے ہمسائے کی عزت کرنی چاہئے"۔

حقیقت کیمیاء

واضح رہے کہ دنیاوی مال و دولت درحقیقت کیمیا کے لئے تانبے کی طرح ہے۔ اور جسے اکسیر کا علم حاصل ہوگا۔ اور جس قدر اس کے پاس تانبہ زیادہ ہوگا۔ لہٰذا اسی قدر وہ سونا بھی زیادہ بنا سکے گا۔

لہٰذا اکسیر کا علم یہ ہے۔ کہ تانبے سے سیاہی۔ کدورت۔ ہلکا پن۔ بے ثباتی۔ نکال دی جائے۔ اور سرخی۔ صفائی۔ وزن اور ثبات اس میں پیدا کی جائے۔ اور جب اس میں یہ صفات ہوں گی۔ تو خالص سونا بھی بن جائے گا۔ اس کے علاوہ ایک کے سات سو بن جائیں گے۔

اور دنیاوی مال و دولت کا بھی یہی حال ہے۔ اس میں بھی چند ایک بری صفات ہیں۔ اگر ان کو نکال کر ان کی جگہ چند اچھی صفات پیدا کی جائیں تو گویا اکسیر ہو جاتا ہے۔ اور دنیاوی فانی مال کے تانبے جیسا کہ:

"الحسنه بعشرا مثالها الی سبع مائیة"۔

''نیکی کی ویسی ہی دس نیکیاں ملتی ہیں''۔

یہاں تک کہ ان کی تعداد سات سو تک ہو جاتی ہے۔ کے مطابق سعادت ابدی اور دولت سرمدی کے خالص سونے کی خاصیت پیدا ہو جاتی ہے۔ میرے خیال کے مطابق دنیاوی مال و دولت میں حسب ذیل دس بری صفات ہیں:

۱-طغیان (سرکشی)

اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ:

"كَلَّا اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَيَطۡغٰىۤۙ اَنۡ رَّاٰهُ اسۡتَغۡنٰىؕ"۔ (العلق:۶-۷)

''اگر انسان اپنے تئیں بے نیاز سمجھے تو سرکشی کرتا ہے''۔

طغیان کے معنی فرمان الٰہی کی مخالفت کرنا اور اللہ ربّ العزت سے دور ہونا ہے۔

۲-بغی

اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ:

"وَلَوۡ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزۡقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوۡا فِى الۡاَرۡضِ"۔ (الشوریٰ:۲۷)

''اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا رزق وسیع کر دیتا تو بے شک وہ روئے زمین پر بغاوت کرتے''۔

بغی کے معنی بندوں اور شہروں پر ظلم اور فساد کرنا ہے۔

۳-اعراض

اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ:

"وَاِذَاۤ اَنۡعَمۡنَا عَلَى الۡاِنۡسَانِ اَعۡرَضَ"۔ (بنی اسرائیل:۸۳)

ترجمہ: ''اور جب ہم نے انسان کو نعمت دی۔ تو اس نے ہم سے روگردانی کی''۔

''اعراض کے معنی اللہ ربّ العزت سے روگردانی کرنا ہے۔ جیسا کہ یہ صفت فرعون میں تھی۔ مال اور مرتبہ کے گھمنڈ میں آ کر کہتا تھا۔ جیسا کہ فرعون کے بارے اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں فرماتا ہے کہ!

''اَلَيْسَ لِيْ مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِيْ''۔ (زخرف:۵۱)

''کیا یہ ملک میرا (فرعون کا دعویٰ) نہیں ہے۔ اور کیا یہ نہریں میرے محلوں کے نیچے نہیں بہتیں''۔

۴۔ تفاخر

اللہ ربّ العزت قرآن مجید ارشاد فرماتا ہے کہ:

''وَتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ''۔ (الحدید:۲۰)

''پس تم آپس میں ایک دوسرے پر فخر حاصل کرنا چاہتے ہو''۔

تفاخر کے معنی ہیں۔ ہمعصروں پر فخر حاصل کرنے کی خواہش کرنا اور یاروں دوستوں سے بڑھنے اور اعلیٰ و افضل ہونے کی خواہش رکھنا۔

۵۔ تکاثر

جب کہ اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ:

''اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ''۔ (التکاثر:۱)

''یعنی دنیاوی ساز و سامان پر فخر کرنا''۔

تکاثر کے معنی ہیں۔ زیادتی مال پر گھمنڈ اور تکبر کرنا اور اللہ ربّ العزت سے غافل ہو جانا۔

۶۔ مشغولی

اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ:

"سَيَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ شَغَلَتْنَا اَمْوَالُنَا وَاَهْلُوْنَا"۔

(الفتح: ۱۱)

"عنقریب ہی پیچھے رہ گئے ہوئے دیہاتی تجھے کہیں گے۔ کہ ہم کو مال و اسباب اور ہمارے اہل و عیال نے روک رکھا تھا"۔

مشغولی کے یہ معنی ہیں۔ کہ انسان مال و دولت کے جمع کرنے اور اس کی حفاظت کرنے اور دیگر دنیاوی مرادوں۔ نفسانی لذتوں اور حیوانی خواہشات میں اسے خرچ کرنے میں ساری عمر برباد کر دے۔ اور اللہ ربّ العزت کی عبادت دوزخ سے نجات اور جنت کے درجات حاصل کرنے سے محروم رہے۔

۷-تبذیر

اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ:

"اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنَ"۔ (بنی اسرائیل: ۲۷)

"بے شک فضول خرچ شیطان کے بھائی ہوتے ہیں"۔

اسراف کے یہ معنی ہیں۔ کہ اللہ ربّ العزت کی رضا مندی اور اس کے فرمان کے برخلاف مال صرف کرنے میں فضول خرچی کی جائے۔ اور اپنے جاہ و منصب کے لئے مال ضائع کیا جائے۔ شہرت اور لوگوں کی واہ واہ کی خاطر اپنا مال خرچ (تباہ) کیا جائے۔ اور کمینوں۔ بدکاروں اور ظالموں کو خرچ دیا جائے۔ اور آخرت۔ موت۔ حیات۔ ترازو۔ پل صراط اور ثواب و عذاب کو فراموش کر دیا جائے۔ اور اللہ ربّ العزت کی ہیبت و عظمت اور قہاری و جباری سے بے خبر رہنا۔

۸-توبہ

اللہ ربّ العزت کی مہربانی عنایات رحمت اور لطف پر بغیر طاعت کئے یا اپنے گناہوں

پر توبہ کیے بغیر مغرور ہو بیٹھنا۔ یہ تمام مصائب ہیں۔

۹-دشمن

اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ:

"اِنَّمَا اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ عَدُوٌّ لَّكُمْ"۔ (التغابن: ١٤)

''تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمہارے لئے بمنزلہ دشمن کے ہیں''۔

۱۰-بدبختی

پس جس صاحب دولت کو اللہ ربّ العزت بدبختی سے بچا کر نیک بختی میں مدد کرے۔ اور توفیق الٰہی بھی اس کی مددگار ہو۔ تو وہ شریعت کی اکسیر طریقت کے ہاتھ سے مال و دولت کے تانبے پر ڈالتا ہے۔ تو درج بالا دس نقائص دفع ہو کر دس اچھے اوصاف جو کہ ان کے نقیض ہیں۔ پیدا ہو کر وہی مال و دولت عین قبولیت اور قرب الٰہی اور درجات و مراتب کی زیادتی کا سبب بن جاتے ہیں۔ جیسا کہ:

"نعم المال الصالح للرجل الصالح"۔

''صالح مرد کے پاس صالح مال کا ہونا بہت بہتر ہے''۔

اور وہ دس صفات حسب ذیل ہیں:

۱-عاجزی

پہلے یہ کہ اگر سارا جہان بھی اس کی ملکیت میں آجائے تو بھی اس پر مغرور نہ ہو۔ اور اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھے۔ اور یہی خیال کرے۔ کہ یہ سب کچھ اللہ ربّ العزت کی ملکیت ہے۔ اور دل کو خوش کرنے کی غرض سے اس کی طرف بالکل نہ دیکھے۔ تا کہ اس میں سرکشی نہ آجائے۔ اور نیز ایسا کرنے سے حضور اقدس ﷺ کی متابعت بھی پائی جاتی ہے۔ جیسا کہ آپ ﷺ کے بارے میں اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ:

"اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰىo مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى"۔(النجم:۱۶-۱۷)

''جبکہ اس سدرہ پر چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا۔ (یعنی نور) اور آپ ﷺ کی نظر نہ کسی طرف کو بہکی اور نہ بے راہ چلی''۔

۲-عفت

جب خود پاک دامن ہوگا۔ تو اپنے اوپر اور دوسروں پر ظلم وستم اور فساد کو جائز نہیں رکھے گا۔

۳-توجہ

اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ:

"اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ"۔(الانعام:۷۹)

''میں اپنا رخ زمین اور آسمان کے پیدا کرنے والے کی طرف کرتا ہوں''۔

یعنی اپنے آپ کو اور اپنے مال و ملک کو اللہ ربّ العزت کے لئے رکھے۔ اور سب کی دوستی سے منہ پھیر کر اللہ ربّ العزت کی دوستی کی طرف رخ کر لے۔ اور سب کو دشمن جانے۔ اور دشمن کو دوست کے حاصل کرنے کی خاطر خرچ کر دے۔ جیسا کہ اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ:

"فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ"۔(الشعراء:۷۷)

''پس اہل جہان کے پروردگار کے علاوہ باقی سب میرے لئے دشمن ہیں''۔

۴-شکر

اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ:

"وَاشْكُرُوْا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ"۔(البقرۃ:۱۷۲)

''اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو۔ تو اس کا شکر بجالاؤ''۔

اس سے مراد صرف ''الحمد للہ'' کہہ دینا ہی کافی نہیں۔ بلکہ حقیقی شکر اس بات کا نام ہے۔ کہ اللہ ربّ العزت کے دیئے ہوئے مال سے اس کی راہ پر خرچ کرنا۔ اور اللہ ربّ العزت کی طرف سے توفیق اور اپنا عجز جاننا۔ اور اللہ ربّ العزت کی بے انتہا نعمتوں کا شکر بجالانا ہے۔

۵-تواضع

فرمان ہے کہ:

"من تواضع للّٰه رفعه اللّٰه"۔

''جس نے اللہ تعالیٰ کی خاطر تواضع کی اس کا مرتبہ اللہ تعالیٰ نے بلند کیا''۔

تواضع اپنا آپ پہچاننے سے پیدا ہوتی ہے۔ پہلے اپنی حالت پر نظر کرے کہ شروع میں ایک ناپاک قطرۂ ناچیز تھا۔ پھر اس قطرہ سے بڑھ کر قوت۔ شوکت۔ اوزار۔ اسباب۔ مال و نعمت۔ جاہ و حرمت۔ عقل و دانائی اور علم و معرفت سب کو اللہ ربّ العزت کی عنایت۔ مہربانی۔ نعمت اور رحمت سمجھے۔ اور اس کے سبب لوگوں پر تکبر۔ فخر۔ ڈینگ اور گھمنڈ نہ کرے۔ تا کہ اس ناشکری کے عوض اللہ ربّ العزت اس سے عاریۃً دی ہوئی چیزیں واپس نہ لے لے۔ کیونکہ اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ:

"وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ"۔ (ابراھیم: ۷)

''اور اگر تم ناشکری کرو گے تو (یاد رکھو) میرا عذاب بہت سخت ترین ہے''۔

۶-سخاوت

"لسخا شجرة تنبت فی الجنه"۔

''سخاوت ایک درخت ہے۔ جو جنت میں اگتا ہے''۔

سخاوت کی حقیقت یہ ہے۔ کہ مال کو اپنے آپ سے دریغ نہ رکھے۔ اس کا مال وہی

ہے۔ جو کہ وہ اپنے ہاتھوں سے راہِ خدا میں دے لے۔ اور وہ مال اس کا نہیں کہ جس کو وہ دنیا کے لیے جمع کر رکھے۔

حضور ﷺ کا امت کے لئے فرمان

رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو فرمایا کہ:

"ربکم احب مالا من مال وارثه".

یعنی تم میں سے کون ایسا شخص ہے۔ جو اپنے مال کو اپنے وارث کے مال سے زیادہ دوست رکھتا ہو۔ سب نے عرض کیا:

کہ ہم اپنے مال کو وارث کے مال سے زیادہ اچھا سمجھتے ہیں۔ تو اللہ ربّ العزت کے حبیب ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

''تمہارا مال وہی ہے۔ جو تم آخرت کے لئے بھیجو۔ اور تمہارے وارث کا مال وہ ہے۔ جسے تم اس جگہ (دنیا) چھوڑ جاؤ''۔

۷-فراغت

اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ:

"رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ". (النور:۳۷)

''ایسے لوگ بھی ہیں کہ جن کو خرید وفروخت ذکرِ الٰہی سے نہیں روک سکتی''۔

فراغت اس بات کا نام ہے۔ کہ مال اور ملک ہاتھ میں رکھے۔ نہ کہ دل میں۔ بلکہ دل کو اللہ ربّ العزت کی یاد میں مشغول رکھے۔ تاکہ ایسا کرنے سے وہ اللہ ربّ العزت سے دور نہ جا پڑے۔ کیونکہ اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے!

"مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ". (احزاب:٤)

''اللہ تعالیٰ نے انسانی قالب میں دو دل تو نہیں بنا رکھے''۔

حضور سرکارِ دوعالم ﷺ کو اللہ ربّ العزت نے ارشاد فرمایا کہ:

"فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ۝ وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ"۔ (الم نشرح:۷-۸)

"جب تجھے فراغت ہو۔تو محنت اٹھا۔اور اپنے رب تعالیٰ کی طرف مائل ہو"۔

جن کو خرید وفروخت اور لوگوں کی بات چیت یادِ الٰہی سے غافل نہیں کرسکتی۔ان کو اللہ ربّ العزت "رجال" کے لفظ سے پکارتا ہے۔اگر مال و دولت والا اس زندگی میں موت کے درجات کو بوجہ مشغولی نہیں پہنچ سکتا۔تو اپنے مال و دولت سے ان لوگوں کی مدد اور تربیت کرے۔جو کہ اس درجات کو پہنچے ہوئے ہیں۔اور ان کے لئے فراغت اور دل جمعی کے اسباب مہیا کرے۔تاکہ ان کی مدد سے جو درجہ وہ حاصل کریں۔اس کا ثواب اس کے نامۂ اعمال میں لکھا جائے۔اور ان کی محبت و خدمت کی برکت سے اس کو ان میں سے کردیں۔ اور انہی کے ساتھ اس کا حشر کریں کہ:

"المرء من احب"۔

"مرد اسی کے ساتھ ہوگا۔جس سے وہ زیادہ محبت کرتا ہے"۔

۸-تقویٰ

اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ:

"اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ"۔ (الحجرات:۱۳)

"جو تم میں سے سب سے بڑھ کر متقی ہے وہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم سب سے معزز ہے"۔

لہٰذا تقویٰ کے یہ معنی ہیں۔کہ حرام مال مشتبہ لقمہ حرام شہوات۔نفس کی رعونت۔ بداخلاقی اور فرمان الٰہی کی مخالفت سے پرہیز کرے۔اور اوامر اور واجبات و فرائض کے بجا لانے میں بڑی کوشش کرے۔اور نیک اخلاص کی کوشش کرے۔تاکہ جو کچھ وہ کرے۔ریا۔ مکر۔حیلے وغیرہ اور لوگوں کی واہ واہ سے پاک ہو۔

۹۔قوام

اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ:

"وَالَّذِیْنَ اِذَا اَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا وَلَمْ یَقْتُرُوْا وَکَانَ بَیْنَ ذٰلِکَ قَوَامًا"۔

(الفرقان:۲۷)

''اور وہ لوگ جو خرچ کرتے ہیں۔تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں۔نہ کنجوسی۔ان کی درمیانی حالت کو قوام کہتے ہیں''

قوام کے معنی

قوام کے معنی ہیں۔اعتدال کو نگاہ میں رکھنا۔تا کہ خرچ کرتے وقت فضول خرچی نہ کی جائے۔اور نہ ہی قتر کیا جائے۔لہٰذا اسراف کا یہ مطلب ہے۔کہ اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کے برخلاف حظ نفس کی خاطر خرچ کیا جائے۔خواہ ایک لقمہ ہی ہو۔

قتر

قتر کا یہ مطلب ہے۔کہ جہاں پر اللہ ربّ العزت کے فرمان اور رضا کے مطابق خرچ کرنا چاہیے وہاں خرچ نہ کیا جائے۔

قوام واعتدال

قوام واعتدال کا یہ مطلب ہے۔کہ اللہ ربّ العزت کے راستہ میں خرچ کرتے ہوئے مبالغہ کیا جائے۔گویا خود مجسم مال ہے۔اور سب راہِ خدا میں خرچ کر دے۔جیسا کہ حضرت سیّدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کیا تھا۔اور جو دے سکے اس میں تکلیف اور رعونت نہ کرے۔کھانے۔پینے۔رہنے۔سواری۔اسباب خانہ داری اور مال ومتاع میں میانہ روی کا خیال رکھے۔تا کہ ایسا نہ کرنے سے مجحوب نہ ہو جائے۔

۱۰۔ تسلیم

"الرضا باب الله الاعظم"۔

"رضا اللہ تعالیٰ کا بڑا دروازہ ہے"۔

تسلیم کا مطلب یہ ہے۔ کہ جس طرح "الست بربکم" کے عہد کے وقت نفس اور مال کو اللہ ربّ العزت کے ہاتھ بیچ کر جنت خریدی تھی۔ آج تسلیم کر لے۔ کیونکہ تسلیم کا وقت آج ہی ہے۔ تا کہ جب قیامت کے روز جنت کی تسلیم کا وقت ہو۔ تو وہ بھی تسلیم کرے۔ جیسا کہ اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ:

"اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ"

(التوبہ:۱۱۱)

"بے شک اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں کو۔ ان کے مالوں کو اس بات کے عوض میں خرید لیا ہے۔ کہ ان کو جنت ملے گی"۔

نفس اور مال تسلیم کرنے کا یہ مطلب ہے۔ کہ نفس اور مال کو اپنی ملکیت نہ خیال کیا جائے۔ بلکہ اللہ ربّ العزت کو اس کا مالک سمجھنا چاہئے اور اپنے تئیں صرف اس کو خرچ کرنے والا جاننا چاہئے۔ اور خلقت کو اللہ ربّ العزت کے بندے جاننا چاہیے۔ اور جہاں تک ممکن ہو سکے۔ بذات خود خلق اللہ کی مصلحت اور بہتری کے لئے قول و فعل سے کوشش کرنی چاہئے۔ اور فرمان الٰہی کے مطابق ان پر خرچ کرنا چاہیے۔ اور کسی کو بھی حقارت کی نگاہ سے نہیں دیکھنا چاہیے۔ اپنے تئیں ان کا تابعدار خیال کرنا چاہیے۔ اور روٹی کپڑا خود خرید کر ان کو دینا چاہئے۔ اور اپنے تئیں ایک ادنیٰ بندہ خدا تعالیٰ خیال کرنا چاہیے۔ اور کبھی بھی کسی پر احسان نہیں جتانا چاہیے۔ اور جو شخص احسان کو قبول کر لے۔ سمجھے کہ ایسا کرنا مجھ پر واجب ہے۔ بلکہ الٹا اس کا احسان مند ہو۔ اس لئے کہ وہ مدد کر کے اسے قیمت میں جنت دلاتا ہے۔ تا کہ قیامت کے میدان میں لے جا کر اس کے ترازو میں رکھ دے۔ اور اسے اللہ ربّ

العزت کے سپرد کرے۔ اسی لئے حضور سیّد عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

''اللہ ربّ العزت انسان کے اوپر جو حکم کرے۔ اس پر راضی رہے۔ اور اس کی نازل کردہ مصیبت پر ثابت قدم رہے۔ اور دنیا میں دل نہ لگائے۔ اور نفس کے فریب اور شیطانی غرور سے متکبر نہ ہو جائے۔ اور اپنی جان ہمیشہ تسلیم کے لئے آمادہ رکھے''۔

تا کہ جس وقت طلب کی جائے۔ فوراً حاضر کر دے۔ کہ:

'' الصدقة يقع فی یدالرحمن قبل ان یقع فی ید الفقیر ''۔

''صدقہ فقیر کے ہاتھ پر رکھنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں پہنچا دیا جاتا ہے''۔

اور اس بات کی کوشش کرے۔ کہ چونکہ مال اور ملک اس سے چھوٹ جاتا ہے۔ اس لئے وہ اسے کارِ خیر کے لئے وقف کر دے تا کہ اس کی وفات کے بعد جو طاعت اس جگہ میں ہو اس کا ثواب اس کے نامۂ اعمال میں بھی لکھا جائے۔ اور ایسا ہی ہوتا ہے۔ جیسا کہ حالت زندگی میں ہوتا تھا۔ لہٰذا جو شخص بھی حالت زندگی میں طاعت نہیں کرتا۔ وہ درحقیقت مردہ ہے۔ اور جس کی طاعت مرنے کے بعد بھی جاری ہے۔ وہ درحقیقت زندہ ہی ہے۔ پس جب دولت مند اور نعمت والے دنیاوی مال و دولت کو ان دس آفتوں سے کہ جن کا بیان ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ پاک کریں گے اور ان آفات کے بدلے اس میں دس صفات پیدا کریں گے۔ تو سعادت ابدی کی کیمیا حاصل کرلیں گے۔ اور دنیاوی اور فانی مال و دولت کو ایک سو ہی نہیں بلکہ سات سو اور چند در چند آخرت کے باقی رہنے والے درجات اور قرب و جوارِ الٰہی میں تبدیل کرلیں گے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ:

''مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ

وَاسِعٌ عَلِيْمٌ o" (البقرة:٢٦١)

''جولوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے مالوں کوخرچ کرتے ہیں۔ان کے خرچ کئے ہوئے۔مالوں کی حالت (عند اللہ) ایسی ہے۔کہ ایک دانہ کی حالت جس سے (فرض کرو) سات بالیں جمیں (اور) ہر بال کے اندر سو دانے ہوں۔ اور یہ لغزونی اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے۔عطاء فرماتا ہے۔اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا ہے۔ جاننے والا ہے''۔

اور اگر نیاز کے ہاتھ سے ارادت کا جال بچھا کر اس پر مال و جاہ کا دانہ بکھیرا ہے۔تو ساری عمر میں بھی اگر کوئی اللہ ربّ العزت کا محبوب اور اس کا خاص بندہ اس جال سے دانہ لے۔تو خواہ ایک ہی لقمہ بھر کیوں نہ ہو۔پھر جو عبادت وہ کرلے گا۔اس میں اس کا بھی حصہ ہوگا۔اور یہ ان صاحبان دولت کو کبھی کبھی جذبات الوہیت کے تصرف کی قابلیت آجاتی ہے۔ اس حالت میں ایک دم بھر کی عبادت اہل زمین و آسمان کی طاعت کے برابر ہوتی ہے۔ کیونکہ:

"جذبة من جذبات الحق توازی عمل الثقلين".

''جذبات الٰہی میں کا ایک جذبہ دونوں جہان کے اعمال کے برابر ہوتا ہے''۔

پھر اس حالت میں جو حصہ اس شکاری کو ملتا ہے۔اس کا حساب اہل مشرق و مغرب بھی نہیں کر سکتے۔ وہ اس لئے کہ الطاف الٰہی بے نہایتی کے عالم سے آتی ہیں۔مگر ہر ایک کوتاہ بین کی نظر اس بات کی کمالیت کے جمال پر نہیں پڑتی۔

تاجر اور کاروباری حضرات

القرآن: ''رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَابَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ۝''.

(النور:۳۷)

ترجمہ: ''جن کو اللہ تعالیٰ کی یاد سے اور (بالخصوص) نماز پڑھنے سے اور زکوٰۃ دینے سے نہ خرید غفلت میں ڈالنے پاتی ہے۔ اور نہ فروخت (اور) وہ ایسے دن کی (دار و گیر) سے ڈرتے رہتے ہیں۔ جس میں بہت سے دل اور بہت سی آنکھیں الٹ جائیں گی''۔

الحدیث: ''التاجر الصدیق الامین فی الجنة مع الانبیاء والمرسلین یوم القیامة''

ترجمہ: ''صادق اور امین سوداگر قیامت کے دن انبیاء علیہم السلام اور رسولوں کے ہمراہ جنت میں داخل ہوں گے''۔

واضح رہے کہ تجارت دو قسم کی ہے:

۱- دنیاوی تجارت ۲- آخروی تجارت

دنیاوی تجارت

دنیاوی تجارت بھی دو اقسام کی ہوتی ہے۔ ایک وہ جو فقط دنیاوی فائدے کے لئے کی جائے۔ اور دوسری وہ جو آخرت کے فائدے کے لئے کی جائے۔ اور اس میں ضمناً دنیاوی فائدہ بھی آجائے۔ جیسا کہ اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ:

"مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْلَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ"۔ (الشوریٰ:۲۰)

''جوشخص آخرت کی کھیتی کا طالب ہو۔ ہم اس کی کھیتی کو اور بھی رونق بخشتے ہیں''۔

مگر وہ تجارت جو محض دنیاوی فائدے کے لئے کی جائے۔ بہت ہی بری ہے۔ اور اس کا نتیجہ آخرت کا عذاب۔ حساب۔ وبال۔ بوجھ اور لاحاصل ہے۔ اور یہ سراسر نقصان بلکہ وبال جان و دین بھی ہے۔ اور اس کا فائدہ محض نقصان کے اور کچھ بھی نہیں ہے۔ اللہ ربّ العزت اس تجارت کو ''لھو'' کے قریب قریب فرماتا ہے۔

"قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ"۔ (جمعہ:آخری)

''کہہ دے کہ کھیل کود اور تجارت کی کوئی نیکی اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہیں''۔

اور اللہ ربّ العزت کے حبیب ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

"التجار تحشرون یوم القیامة فجارا لامنه اتقی"۔

''متقی تاجر کے علاوہ باقی سب تاجروں کا قیامت کے روز فاجروں کے ساتھ حشر ہوگا''۔

ان دنیاوی تاجروں کو جن میں تقویٰ۔ نیکی۔ اور صدق نہیں پایا جاتا۔ اللہ ربّ العزت ان کو فاجر کے نام سے پکارتا ہے۔ جیسا کہ اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ:

"وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ ٥ يَصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّيْنِ ٥"۔ (الانفطار:۱۴-۱۵)

''بے شک فاجر دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔ اور قیامت کو وہ اس کی آگ میں جلیں گے''۔

اخروی تجارت

اور جو تجارت آخرت کے نفع کے لئے کی جائے اس کی بابت اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ:

"رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ"۔ (النور:۳۷)

''ایسے لوگ بھی ہیں۔ کہ جن کو تجارت اور خرید و فروخت ذکر الٰہی سے باز نہیں رکھ سکتی''۔

مفسرین کی رائے

مفسرین نے اس آیت کے دو معانی لئے ہیں۔ ایک وہ جو آخرت کی تجارت سے تعلق رکھتا ہے۔ یعنی ایسے لوگ بھی ہیں۔ جو ظاہر میں دنیاوی خرید و فروخت میں شامل نہیں ہوتے۔ تا کہ کہیں اللہ ربّ العزت کی یاد سے غافل نہ ہو جائیں۔ درحقیقت ایسے لوگ آخرت کی تجارت میں مشغول ہیں۔ اور اپنا مال و جان راہ خدا میں صرف کرتے ہیں۔ اور بالکل دنیا سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ:

"هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ○ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ "۔ (الصف:۱۰-۱۱)

''کیا میں تمہیں ایسی تجارت بتاؤں۔ جو تمہیں درد ناک عذاب سے نجات دلائے وہ یہ ہے۔ کہ تم اللہ ربّ العزت اور اس کے حبیب ﷺ پر ایمان لاؤ۔ اور اپنے جان و مال سے اللہ ربّ العزت کی راہ میں کوشش کرو۔ اور اگر تم سمجھو تو ایسا کرنا تمہارے لئے بہتر ہے''

اور دوسرے معنی میں جو دنیاوی تجارت سے تعلق رکھتے ہیں یہ ہے کہ تجارت جس میں آخرت کا نفع ہے۔ یعنی ایسے مرد خدا بھی ہیں۔ کہ اگرچہ ظاہر میں خرید و فروخت تو کرتے ہیں۔ لیکن ان کا دل ذکر خدا سے خالی نہیں رہتا۔ جیسا کہ اللہ ربّ العزت ان لوگوں کے بارے میں قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ:

"وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِیْتَآءَ الزَّكٰوةِ"۔ (النور:۳۷)

"یعنی نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں"۔

اور زکوٰۃ اسی وقت دے سکتے ہیں۔ جب دنیاوی تجارت میں مشغول ہوں۔ ورنہ جو شخص سارا مال ہی خرچ کر دے۔ اور دنیا سے کنارہ کش ہو جائے۔ تو وہ زکوٰۃ دے ہی کس طرح سکتا ہے۔

پس ضروری شرط یہ ہے۔ کہ آخرت کے نفع کے لئے تجارت کرے۔ انبیائے کرام اور رسول علیہ السلام کی صحبت سے یہ مراد ہے۔ کہ ظاہر و باطن میں پرہیزگاری اختیار کرے۔ اور مال و دولت کو اللہ ربّ العزت کا مال خیال کرے۔ اور اخلاص کے ساتھ نیت یہ کر لے۔ کہ اللہ ربّ العزت کے مال پر اس کے بندوں کے لئے اس کی رضا اور امر کے مطابق تصرف کرتا ہوں۔ لہٰذا یہاں تک کے جو محنت سے کمائی کروں۔ اسے بندگان خدا تعالیٰ کو ہی دے دوں۔ اور اپنے تئیں اور اپنے اہل و عیال کو انہی بندوں میں سے خیال کرے۔ اور امانت اور دیانت کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھے۔ اور خرید و فروخت میں انصاف کو مدنظر رکھے۔ اور نرمی سے خرید و فروخت کرے۔

کیونکہ حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

"رحمه الله امرء سهل البيع والشرى"۔

"اس مرد پر اللہ تعالیٰ رحم فرماتا ہے۔ جو خرید و فروخت میں نرمی کرے"۔

خرید و فروخت میں قسم جھوٹی ہو خواہ سچی ہرگز نہ کھائے۔ کیونکہ اللہ ربّ العزت قسم

کھانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ بلکہ دشمن خیال فرماتا ہے۔ انسان کو چاہیے۔ کہ تھوڑے نفع پر قناعت کرے۔ اور برکت بھی قناعت ہی میں ہے۔ اور بدنصیبی لالچ میں ہے کہ:

"الحریص المحروم"۔

"لالچی ہمیشہ بے نصیب رہتا ہے"۔

امانت کی کوشش کرے اور خیانت سے بچے۔ کیونکہ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا ہے:

"الامانة تجر الرزق والخیانة تجر الفقر"۔

"امانت رزق کو کھینچ لاتی ہے۔ اور خیانت مفلسی کو کھینچ لاتی ہے"۔

لہٰذا مال کو جب خریدے تو بُرا نہ کہے۔ اور جب فروخت کرے۔ اس کی تعریف نہ کرلے۔ اور اس کے عیب پوشیدہ نہ رکھے۔ اور جو خوبیاں و خامیاں اس میں ہوں۔ انہیں ظاہر کردے۔

اور تجارت کی غرض سے جس شہر میں بھی جائے۔ وہاں کے متبرک مقامات اور مزارات وغیرہ کی بڑی نیاز مندی اور عقیدت و احترام سے زیارت کرے۔ زاہدین۔ مشائخ۔ امام۔ گوشہ نشینان اور شہر کے دیگر مردان خدا کی زیارت کرے۔ بشرطیکہ یہ شیاطین انسانی روپ میں نہ ہوں۔ اور ان سے قرب الٰہی کی جستجو کرے اور جہاں بھی جائے۔ ان کی خدمت میں صدق نیت سے حاضر ہو۔ اور ہر شخص کی تھوڑے بہت یا اپنی استطاعت کے مطابق ان کی دلداری بھی کرے۔ اور اس عمل کو اپنے لئے غنیمت سمجھے۔ کیونکہ سفر میں مردان خدا کی صحبت اور ان کی خدمت کے پالینے سے بڑھ کر کوئی چیز افضل اور غنیمت نہیں ہوتی۔ اور ہر ایک شہر میں جہاں تک اس سے ہو سکے۔ درویشوں اور کمزوروں کی مدد کرے۔ اور جو فائدہ اسے سفر سے یا متعلقہ شہر میں قیام سے حاصل ہو۔ وہ سب خیرات کے کاموں میں صرف کردے۔ مگر ہاں اس میں سے اپنے اہل و عیال کے خرچ وغیرہ کے لئے تھوڑا بہت رکھ لے۔ اور مال و

دولت کے جمع کرنے کی بیماری میں ملوث نہ ہو جائے۔ جیسا کہ اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

"وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ○ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَامَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ○ (التوبہ:۳۴-۳۵)

''جو سونے چاندی کو جمع کرتے ہیں۔ اور راہ خدا میں اسے خرچ نہیں کرتے۔ انہیں درد ناک عذاب کی خوشخبری دے۔ کہ جس دن دوزخ سے انہیں جلایا جائے گا۔ اور اس سے ان کی پیشانیوں۔ پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغ دیا جائے گا۔ (اور ان سے کہا جائے گا) یہ وہی مال ہے۔ جو تم اپنے لئے جمع کرتے تھے۔ پس اپنے جمع کئے کا مزہ چکھو''

لہٰذا مناسب تو یہ ہے۔ کہ اس طرح زندگی بسر کرے کہ آخرت کا سفر در پیش ہو۔ تو آخرت کے لئے سرمایہ پہلے ہی بھیج چکا ہو۔ اور خود اپنے مال کے پیچھے جائے۔ جیسا کہ کاروباری حضرات جب کبھی سفر کو جاتے ہیں۔ تو مال پہلے ہی بھیج دیتے ہیں۔ جس کو آج کی جدید دنیا میں ایل سی (لیٹر آف کریڈٹ) کا نام بھی دیا جا سکتا ہے۔ اور پھر انہیں شہر میں ٹھہرنا مشکل ہو جاتا ہے کیونکہ مال آگے روانہ کیا ہوا ہوتا ہے۔ وہ پھر جلدی میں مال کے پیچھے جاتے ہیں۔

لہٰذا جب کُوچ کا وقت آتا ہے۔ تو وہ بہت خوش ہوتے ہیں اسی طرح انسان کو چلتے وقت صرف اہل و عیال کے خرچ کے لیے کچھ چھوڑ کر باقی سب کچھ آگے بھیج دینا چاہیے۔ یعنی اس سے کوئی وقف یا کار خیر کرنا چاہئے۔ جو کہ اس کی زندگی کے بعد جاری رہنے والا صدقہ ہو۔ ورنہ بہت ہی افسوس کی بات ہوگی۔ کہ تو جمع کرے۔ اور مزے دوسرے لوگ

اڑائیں۔

حضور غوث اعظم کا فرمان

اے بندے! تو ساری عمر گھر بناتا رہا۔ رہے گا کوئی اور حساب تو دے گا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان

حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ قیامت کے روز جو حسرت چار اشخاص کو ہوگی۔ وہ اولین وآخرین میں سے کسی اور کو نہ ہوگی۔

۱- وہ عالم دین کے جس کے علم پر لوگوں نے تو عمل کیا۔ لیکن اس نے خود اپنے علم پر عمل نہ کیا۔ وہ قیامت کے میدان میں دیکھے گا۔ کہ عمل کرنے والوں کو تو جنت میں لئے جارہے ہیں۔ اور اسے دوزخ میں لے جایا جارہا ہے۔ اور اس وقت وہ کہے گا۔ کہ افسوس انہوں نے تو میرے علم پر عمل کیا۔ تو انہیں جنت مل گئی۔ اور میں نے خود اپنے علم پر عمل نہ کیا۔ تو مجھے دوزخ ملی۔

۲- وہ آقا کہ جس کے پاس غلام ہو۔ اور آقا تو بری باتوں میں مشغول ہو۔ وہ بھی میدان حشر میں دیکھے گا۔ کہ غلام کو تو جنت میں لئے جارہے ہیں۔ اور اسے دوزخ میں لے جایا جارہا ہے۔ اس وقت وہ افسوس کرے گا۔ کہ میرے غلام کو طاعت کی وجہ سے جنت مل گئی۔ اور میری بدعملی کی وجہ سے مجھے دوزخ نصیب ہوا۔

۳- وہ شخص کہ جس نے ہر قسم کی عبادت تو بہت کی ہو۔ مگر کسی پر ظلم کیا ہو۔ کسی کو گالی دی ہو۔ کسی سے بے انصافی کی ہو۔ کسی کی غیبت کی ہو۔ کسی پر بہتان لگایا ہو۔ کسی کو مار پیٹ کی ہو۔ اور کسی کو دھوکہ دیا ہو۔ اور جب یہ میدان حشر میں آئے گا۔ تو یہ سب آکر کوئی تو اس کی نماز لے جائے گا۔ کوئی روزہ۔ کوئی زکوٰۃ اور کوئی حج اور یہاں تک کہ وہ شخص بالکل مفلس رہ جائے گا۔ اور ان دشمنوں کے گناہوں کا بوجھ اس کی گردن پر رکھا

جائے گا۔ اور وہ تو ہلکے پھلکے ہو کر جنت میں جائیں گے۔ اور یہ کم بخت دوزخ میں جا دھنسے گا۔ اس وقت افسوس سے کہے گا۔ کہ میں نے تو بہت طاعت کی۔ اور انہوں نے گناہ اور مجھے ان کے گناہوں کے بدلے دوزخ میں لے جایا جا رہا ہے۔ اور میرے دشمنوں کو میری طاعت کے عوض جنت میں لے گئے۔

۴- وہ صاحب کہ جنہوں نے بڑی محنت سے مال جمع کیا۔ اور نہ کھایا۔ اور نہ ساتھ لیا۔ بلکہ وارثوں کے لئے یہیں کا یہیں چھوڑ دیا۔ اور اس وارث نے اس مال کو خیرات کے کاموں میں صرف کیا۔ اور خوب صدقات وغیرہ دیئے۔ حتیٰ کہ سب کا سب راہ خدا میں صرف کر دیا۔ حتیٰ کہ جب دونوں کو میدان حشر میں لایا جائے گا۔ تو پہلے کو تو دوزخ میں لے جائیں گے۔ اور دوسرے کو جنت میں۔ تو اس وقت صاحب مال کہے گا۔ کہ افسوس! کہ میں نے بڑی محنت سے حرام و حلال جمع کیا۔ اب مجھے اس کے وبال کے سبب دوزخ میں لئے جا رہے ہیں۔

کسی کو بھی ایسی حسرت نہ ہو گی۔ جیسی کہ مذکورہ بالا چار اقسام کے افراد کو ہو گی۔ اس لئے کوشش کرنی چاہیے کہ اللہ ربّ العزت ان آفات سے محفوظ فرمائے۔ اور امین سوداگر اپنی راستکاری راست گفتاری اور راست کرداری کی وجہ سے نجات والوں کے درجات کو پہنچے۔ جیسا کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

"التاجر الصدوق الامين في الجنة مع الانبياء والمرسلين".

''معاملات کا سچا اور امین سوداگر جنت میں انبیاء و مرسلین علیہم السلام کے ہمراہ ہو گا''۔

راست کاری کے یہ معنی ہیں۔ کہ خلقت کے ساتھ سچ کہے۔ اور سچ پر چلنے سے سلوک کرے۔ اور مکر و حیلہ اور فریب کاری نہ کرے۔ راست کرداری کا یہ مطلب ہے۔ کہ شریعت کی راہ پر رہ کر طریقت کی چال سے بھی بے خبر نہ ہو۔ اور اس بات کا خاص خیال رکھے کہ کسی وقت بھی دنیاوی مصلحتوں کو دینی مصلحتوں پر ترجیح نہ دے۔ اور کسی حالت میں بھی دنیاوی

مشاغل کی وجہ سے دینی امور کی بجا آوری سے غافل نہ ہو جائے۔ اور ہر حال میں ذکر الٰہی کرتا رہے۔ اور اخلاص کے ساتھ آخرت کا طالب رہے۔ تا کہ ان لوگوں میں سے ہو جائے کہ جن کے متعلق اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

"لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ"۔ (النور:۳۷)

"انہیں تجارت اور خرید وفروخت ذکر الٰہی سے نہیں روک سکتی"۔

اور اللہ ربّ العزت بھی انہی حضرات کو "مرد" کہتا ہے۔ اور جو ایسا نہیں۔ وہ مرد نہیں ہو سکتا۔ اور جس میں عقل اور دین دونوں پائے جاتے ہیں۔ وہ مردی کے مقام پر ہی نہیں بیٹھا رہتا۔ اور اس فانی دنیا کی چندروزہ زندگی پر فریفتہ نہیں ہو جاتا۔

زمیندار اور مزارعین حضرات

القرآن: مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْآخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ ٥"۔

(الشوریٰ: ۲۰)

ترجمہ: ''جو شخص آخرت کی کھیتی کا طالب ہو۔ ہم اس کو اس کی کھیتی میں ترقی دیں گے۔ اور جو دنیا کی کھیتی کا طالب ہو۔ تو ہم اس کو کچھ دنیا دے دیں گے۔ اور آخرت میں سے اس کا کچھ بھی حصہ نہیں''۔

الحدیث: "من یزرع زرعًا اویفرس غرسا فی اکل منه الطیور والدواب یکتب فی دیوان حسناته"

ترجمہ: ''جو شخص کھیتی بوتا ہے۔ یا درخت لگاتا ہے۔ تو جو پرندہ یا چوپایہ اس سے کھاتا ہے۔ اس کی نیکی اس شخص کے نامۂ اعمال میں لکھی جاتی ہے''۔

واضح رہے۔ کہ زراعت وغیرہ اللہ ربّ العزت سے سوداگری کرنا ہے۔ اور یہ کام تمام صنعت وحرفت سے اعلیٰ اور پاک ہے۔ اگر کوئی شخص اسے کرے۔ یا جس کو معرفت صنائع کی نظر اللہ رب العزت بخش دے۔ اسے معلوم ہو جائے گا کہ درحقیقت کھیتی باڑی کا کام اللہ ربّ العزت کی خلافت اور نیابت ہے۔ اور صفات رزاقی کی صنعت ہے۔ لہٰذا جب کوئی شخص

عقلمندی اور خلوصِ نیت سے اس کام کو شروع کرے۔ تو اس کے ثواب کی کوئی انتہا نہیں رہتی۔ اور اس کو بہت اعلیٰ مراتب اور درجات ملتے ہیں۔ اور کاشتکار لوگ تین اقسام پر مشتمل ہوتے ہیں۔ اور ہر ایک کے آداب اور شرائط الگ الگ ہیں۔ جب ان پر کاربند ہوں۔ تو صدیقین۔ شہداء اور صالح مردوں کے درجات کو پہنچ جاتے ہیں۔

۱- زمیندار

یعنی دہقان جو کہ زمین کے مالک ہوتے ہیں۔ اور جنہیں مزارعین۔ ہاری اور مزدور وغیرہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ تاکہ ان کے ذریعے زراعت کے کام کو چلاسکیں۔ اور ان کے آداب و شرائط درج ذیل ہیں:

اپنے ملک اور مال پر مغرور نہ ہوں۔ اور نہ اس سے دل لگائیں۔ بلکہ اسے اپنے ہاتھ میں بطور مستعار اور امانت سمجھیں۔ اور جو کچھ بھی ہے۔ سب اللہ ربّ العزت کی ملکیت جانیں۔ کیونکہ اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے!

"وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْض"۔

"آسمان اور زمین کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے"۔

مال جمع کرنے اور ذخیرہ اندوزی اور زیادہ مہنگا کرنے کی کوشش نہ کریں۔ اور اپنے مزدوروں۔ مزارعین اور علاقے کے دیگر درویشوں کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھیں۔ اور اپنی زراعت اور زمینداری میں آخرت کی زراعت کو مدنظر رکھے:

"الدنیا مزرعة الآخرہ"۔

"دنیا آخرت کی کھیتی ہے"۔

اور جب زمیندار انبار میں سے بیج نکالے۔ تو اس نیت سے کہ وہ آخرت کے لئے بیج بوتا ہے۔ نہ کہ دنیا کے لئے۔ اور یہ نیت ان معنوں کی کرے۔ کہ جب اللہ ربّ العزت اس بیج کی پرورش کرے گا۔ اور یہ ہری بھی وہ گی۔ تو جو انسان وغیرہ اس میں سے کھائیں گے۔

ان سب کے لئے میں نے اسے حلال کیا۔ بلکہ یہ نیت کرے کہ اللہ ربّ العزت کی مخلوق خوراک کی محتاج ہے۔ اور ہر شخص کھیتی باڑی نہیں کرسکتا۔ لہٰذا میں اللہ ربّ العزت کی رضا کی خاطر ان کی خدمت میں مشغول ہوتا ہوں۔ تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہوں سکیں۔ لہٰذا اس طور پر مخلوق خدا تعالیٰ کی خدمت بجا لائے۔ اور چاہئے کہ مزارعین اور مزدوروں سے بخل نہ کرے۔ مزدور کی مزدوری پوری ادا کرے۔ اور جو باغ کھیتی وغیرہ کی آمدنی ہو۔ پہلے اس میں سے شرعی قوانین کے مطابق زکوٰۃ ادا کرے۔ اور یہ زکوٰۃ (عشر) حرمن میں سے علیحدہ کر کے مستحقین کو دیدے۔ کیونکہ اگر زکوٰۃ میں سے مال اس کے مال میں ملا رہے گا۔ تو سارا مال مشتبہ رہے گا۔ اور باقی جو کچھ بھی رہے۔ اس میں سے دوسرے سال کے لئے نہ رکھے۔ بلکہ اللہ ربّ العزت پر توکل کرے۔ کیونکہ دہقانی بجائے خود توکل ہے۔ اس لئے آمدنی ہونا محض اللہ رب العزت کے فضل وکرم پر منحصر ہے۔ کیونکہ اس معاملہ میں کسی بھی مخلوق کا کوئی دخل نہیں ہے۔ اور چاہئے کہ گھر کا دروازہ آنے والوں کے لئے وہ امیر ہوں یا غریب غرباء کھلا رکھے۔ اور کشادہ دلی اور خوش اعتقادی اور خلوص نیت سے مخلوقِ خدا کی خدمت کو اپنا شعار بنائے۔ اور اس کو ہرگز تکلیف خیال نہ کرے۔ اور اگر کسی سال آمدنی کم ہو یا قحط۔ خشک سالی اور بارش وغیرہ نہ برسے تو ہرگز نہ گھبرائے۔ اور نہ ہی اپنی روزی کے بارے میں افسردہ ہو۔ اور مال کو جاتے ہوئے دیکھ کر اللہ ربّ العزت کی ناشکری ہرگز نہ کرے۔ اور اس کے کاموں پر دل اور زبان سے انکار یا اعتراض نہ کرے۔ بلکہ یہی خیال رکھے۔ کہ اس میں ضرور اس کی کوئی حکمت ہے۔ اور رضا اور تسلیم کو اختیار کرے۔ اور روزی کو اللہ ربّ العزت کی طرف سے خیال کرے۔

حضرت شفیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان

حضرت شفیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ اگر آسمان لوہے کا ہو جائے۔ اور زمین مشتاق اور آسمان سے بارش نہ برسے اور زمین پر پیداوار نہ ہو۔ اور تمام جہان کی خلقت میرا کنبہ ہو۔ تو

بھی مجھے ذرہ بھر بھی روزی کا کھٹکا نہ ہو۔ لہٰذا جب زمیندار اپنا کام اس طرح پر کرے۔ اور بیج اس طرح پر بوئے اور درخت اس اخلاص سے لگائے۔ اور دوسروں کی زمین یا پانی میں بے جا تصرف نہ کرے۔ اور شرعی احکامات کے مطابق اس کی نگہداشت کرے۔ تو جو لقمہ دانہ یا پھل اس کی ملکیت کھیت یا باغ میں سے کوئی پرند یا چرند کھائے گا۔ تو اس کا ثواب اس کے نامۂ اعمال میں لکھا جائے گا۔ اور وہ لقمہ وغیرہ اس کے لئے قرب الٰہی اور درجات کا وسیلہ ہو گا۔ بلکہ جب اس کی نیت یہ ہوگی۔ کہ میں یہ کام مسلمانوں کے لئے کرتا ہوں۔ تا کہ وہ اس سے فائدہ اٹھائیں۔ تو جو پھل یا دانہ اس کی محنت کی کمائی کا خواہ قیمتاً خریدا جائے۔ تو اس کا ثواب بھی اس کے نامۂ اعمال میں لکھا جائے گا۔

بزرگان دین کا قول ہے۔ کہ روٹی کا لقمہ جب پکتا ہے۔ تو اس کے لئے تین سو ساٹھ افراد کو کام کرنا پڑتا ہے۔ مثلاً مزدور۔ کاٹنے والے۔ بونے والے۔ لوہار۔ بڑھئی۔ کمہار وغیرہ اور جب وہ لقمہ کوئی ولی اللہ وغیرہ کھاتا ہے۔ تو اس کی برکت سے وہ سارے کے سارے بخشے جاتے ہیں۔ اور اللہ ربّ العزت اس ولی کے صدقے ان تمام کے قصور بھی معاف فرما دیتا ہے۔

نمبردار اور مقدم وغیرہ

جو کچھ میں نے اوپر بیان کیا ہے۔ اس پر بھی عمل کیا جائے۔ اس کے علاوہ رعایا کو بھی مساوی نگاہ سے دیکھیں۔ اور طاقتور کو کمزور پر ترجیح نہ دیں۔ اور نہ ہی رشوت خوری کریں۔ اور حق کو اپنا پکا دوست بنا لیں۔ دین اور اہل دین کو تقویت دیں۔ رعایا آسودہ اور مرفہ الحال رکھیں۔ اور ان سے ظلم کو دور کرنے کے لئے بڑی محنت کے ساتھ کوشش کریں۔ رعیت کے ملک اور مال و اسباب وغیرہ کی طمع ہرگز نہ کریں۔ اس سلسلہ میں کوتاہ دست اور قانع بنے رہیں۔ اپنی زندگی عمدہ طور پر نیکی سے بسر کریں۔ اور فساد کے اسباب سے دور رہیں۔ مفسدوں کو تنبیہہ کرتے رہیں۔ اور احکام شرعی کو اچھی طرح بجالائیں۔ رعایا میں سے کسی قسم

کی فضولی یا فساد کرے تو اسے توبہ کرائیں۔ اور حکومت اور مقدمات کی شرائط پر قائم رہیں۔ اور یقین جان لیں۔ کہ جو کچھ دنیا میں ان کے اور ان کی رعایا کے درمیان ہو رہا ہے۔ سب کی بابت اس سے جوابدہی ہوگی۔ جیسا کہ:

"کلکم راع و کلکم مسؤل عن رعیته"

"تم میں سے ہر ایک رعیت والا ہے۔ اور ہر ایک سے اس کی رعیت کے متعلق باز پرس ہوگی"

لہٰذا جب مقدم اور رعایا دونوں ان شرائط پر قائم رہیں گے۔ تو اللہ ربّ العزت اس طاعت۔ نیکی۔ بہتری اور راحت کے بدلے کہ جو اس سرزمین میں رعایا کو حاصل ہوگی۔ ان کو درجات اور ثواب عطاء فرمائے گا۔

۳-مزارعین۔ ہاری۔ مزدور

ان لوگوں کی اپنی ملکیت تو ہوتی نہیں۔ اور دوسروں کی زمین کاشت کرتے ہیں۔ لہٰذا ان کے لئے بھی ضروری ہے۔ کہ جزو نمبر (۱) پر بیان شدہ ہدایات پر عمل کریں۔ اور امانت و دیانت کو کام میں لائیں۔ اور خیانت اور بے جا تصرف سے کنارہ کشی کریں۔ شفقت اختیار کریں۔ اپنے مالک (زمیندار۔ دہقان) کے سامنے یا پیچھے راستی اور پاکیزگی اختیار کریں۔ ان کے مال اور ملک کی حفاظت کریں۔ زراعت اور آبادی کے لئے بڑی محنت سے کام کریں۔ اور چوپائیوں پر ظلم نہ کریں۔ اور مشینری کو بھی جائز طرح سے استعمال کریں۔ جانوروں پر بھاری بھرکم بوجھ نہ لادیں۔ اور نہ ہی ان جانوروں سے حد سے زیادہ کام لیں۔ اور نہ بے جا مار پیٹ کریں۔ کیونکہ جو کچھ ان کی وسعت سے بڑھ کر ان سے کام لیا جائے گا۔ اللہ ربّ العزت اس کی بابت ان سے ضرور باز پرس کرے گا۔ اور اس کا بدلہ بھی لے گا۔ کیونکہ اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے!

"وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُوانْتِقَام". (عمران: ٤)

"اور اللہ تعالیٰ زبردست بدلہ لینے والا ہے"۔

اور جب ہل چلائے یا کھیتی باڑی کا کوئی کام کرے تو بہتر ہے۔ کہ ساتھ ساتھ قلبی ذکر الٰہی میں بھی مشغول رہے۔ اور جب نماز کا وقت ہو۔ تو فوراً نماز ادا کرے۔ اور اگر باجماعت میسر نہ ہو۔ تو پھر اکیلا ہی ادا کر لے۔ اللہ ربّ العزت کے فضل وکرم سے اسے باجماعت کا ثواب ہی ملے گا۔ اور کسی طرح بھی نماز کو ہاتھ سے ضائع نہ ہونے دے۔ اور دوسری جو شرائط اوپر بیان ہو چکی ہیں۔ ان پر بھی کار بند رہے۔ اور کھیتی باڑی میں اپنے تئیں کچھ بھی خیال نہ کرے۔ بلکہ اللہ ربّ العزت کی طرف کامل توجہ رکھے۔ کیونکہ اللہ ربّ العزت نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے:

"ءَ اَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ○". (الواقعه: ٦٤)

"اس کو تم اگانے والے ہو یا ہم اگانے والے ہیں"۔

لہٰذا ہاتھ پاؤں۔ بینائی۔ شنوائی۔ اور تمام قوت۔ قدرت اللہ ربّ العزت کی عطا کردہ ہیں۔ تا کہ مزارع ان سے کھیتی باڑی کا کام کر سکے۔ اور بیج میں سوائے بونے کے اور کسی قسم کا تصرف نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اسے صرف اللہ ربّ العزت زمین سے دوبارہ اگاتا ہے۔ اور سبز کرتا ہے۔ اور آہستہ آہستہ بیج کو زمین میں نیست کر کے پھر شاخ پر لگاتا ہے۔ اور ایک ایک کے سو سے لے کر سات سات سو تک بلکہ اس سے بھی زیادہ کرتا ہے۔

پس درحقیقت سب سے زیادہ زراعت کرنے والا خود اللہ ربّ العزت ہی ہے۔ اور اسی نے بندوں کے رزق کو زمین کے کونوں میں چھپایا ہے۔ اور اسی لیے حضور اقدس صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّم نے خلقت کو رزق کے طلب کرنے کے لئے فرمایا ہے:

"اطلبوا الرزق فی جنایا الارض".

"رزق کو زمین کی چھپی جگہ میں طلب کرو"۔

پس جو مزارعہ اپنے تئیں کاشتکاری میں اللہ ربّ العزت کا نائب جانے گا۔ اور حقیقی کاشتکار اللہ ربّ العزت کو جانے گا۔ اور اپنا وقت ان اوراد و اوقات سے گزارے گا کہ جس کا ذکر میں ساری کتاب میں فرداً فرداً کرتا آیا ہوں۔ تو اس کی کاشت سے جو چرند پرند اور انسان کو ملے گا۔ تو اللہ ربّ العزت اس کی نیکی اس کے نامۂ اعمال میں درج فرمائے گا۔ اور اسے درجات اور قرب عنایت فرمائے گا۔ جیسا کہ حضور سرکار دو عالم ﷺ نے خوشخبری دی ہے:

من یزرع ذرعًا اویغرس غرسًا فاکل منہ الطیور ودواب یکتب فی دیوان حسناتہ"۔

''جو شخص بیج بوتا ہے یا درخت لگاتا ہے۔ تو اس سے جو چرند پرند کھاتا ہے اس کا ثواب اس کے نامۂ اعمال میں لکھ دیا جاتا ہے''۔

صنعت کار اور سرمایہ دار

القرآن: "یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْفِقُوْ مِنْ طَیِّبٰتِ مَا کَسَبْتُمْ"

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنی پاکیزہ آمدنی کوخرچ کرو۔ جوتم نے کمائی ہے۔

الحدیث: "ان اطیب ما یاکل الرجل من کسب یدہ"۔

ترجمہ: "سب سے پاکیزہ وہ چیز ہے۔ جوانسان کی اپنے ہاتھ کی کمائی ہو"۔

واضح رہے کہ صنعت وحرفت۔ روح کی شناخت قدرت اور علم کا نتیجہ ہے۔ بلکہ یہاں تک کہ اس میں تقویت تھی۔ اور اب جسمانی اوزاروں اور ہتھیاروں کے وسیلے سے عقل کی کارفرمائی ہے۔ جو کہ روح کی وزیر کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور اس کی نائب وہ قوت فعل میں تبدیل ہوتی ہے۔ بلکہ غیب سے ظہور میں آتی ہے۔ لہٰذا صاحبِ بصیرت۔ دانا اس دریچہ میں صنعت الٰہی کو دیکھ سکتا ہے۔ اور اسی طرح روح کی ذات نے اپنے آپ کو ان صفات سے موصوف پا کر جانا۔ کہ اس کی روح تھی۔ اور اگر روح نہ ہوتی۔ تو اس کا فعل صادر نہ ہوتا۔ نیز یہ بھی جان لیا کہ عالم ہے۔ اگر عالم (جہان) نہ ہوتا۔ تو اس قسم کی مناسب اور لطیف صنعتیں اس سے وجود میں نہ آتیں۔

نیز یہ بھی جانا کہ مرید ہے۔ کیونکہ فاعل کے بغیر ارادہ کا فعل صادر نہیں ہو سکتا۔ بالخصوص کسی وقت میں۔ اور کسی زمانہ میں کسی خاص فعل کا صادر ہونا اس بات پر دلالت کرتا

ہے۔ کہ وہ فعل فاعل سے اختیاراً اور ارادۃً صادر ہوا ہے۔ جیسا کہ پوشیدہ عقل۔

فلسفی کہتا ہے۔ کہ جان کے بنانے والے کو ایجاد فعل میں ارادہ یا اختیار نہیں۔ لہٰذا ایسا صریح کفر اس قسم کی جہالت اور اتنی بھاری دلیری اور گستاخی جیسا کہ اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

"لعائن اللّٰه تری وعلٰی محبھم ومتبھھم الی یوم الدین"۔

''تو قیامت تک ان پر اور ان کے پیروؤں پر اللہ تعالیٰ کی لعنتیں دیکھے گا''۔

نیز اسے معلوم ہوا کہ روح سننے والی اور دیکھنے والی اور بات کرنے والی ہے۔ ورنہ ان صفات کا اثر قالب میں ظاہر ہی نہ ہوتا۔

نیز یہ بھی جانا کہ قادر بھی ہے۔ کیونکہ بغیر قدرت کا فعل محال ہے۔

نیز جانا کہ باقی بھی ہے۔ کیونکہ قالب کی بقا روح کی بقا کا نتیجہ ہے۔

اور جب روح کو ان آٹھ ذاتی صفات کی شناخت ہوئی۔ اور اپنی صفات کو اپنے قالب میں دیکھ لیا۔ اور ان صفات کے نتیجہ میں اپنے قالب کو متحرک اور متصرف دیکھا۔ تو تبھی اس قسم کی لطیف حرفتیں اس سے ظہور پذیر ہوئیں۔ اور روح کا علم ہر روز بڑھتا جاتا ہے۔

روح کا کمال

واضح رہے کہ روح کے لیے کمال ہے۔ جس سے اس کا وجود قائم نہیں ہے۔ اور نہ ہی ہوتا ہے۔ پس اس کے لئے کوئی ایسا موجد چاہئے۔ جو کہ اسے عدم سے وجود میں لائے۔ اور اس کا موجد خود اللہ ربّ العزت ہی ہے۔ لہٰذا اب یہ آٹھوں اوصاف اس موجد حقیقی میں ہونے چاہئیں۔ تا کہ موجودات کی ایجاد کر سکے۔ اور اس کی ذات قائم ہونی چاہئے۔ ورنہ تسلسل کی ضرورت پڑے گی۔ اور ان صفات کا اس کی ذات میں قائم اور ازلی و ابدی ہونا بھی ضروری ہے۔ ورنہ یہ بمنزلہ عرض ہوں گی۔ اور اس کی ذات حادث ہو جائے گی۔ اور پھر تباہی لازم آئے گی۔ اور یہ کسی بھی صورت جائز نہیں ہے۔

پس فاعل قادر اور صانع مطلق اللہ ربّ العزت کو جانے۔ اور روح عالم صغریٰ یعنی قالب میں اس کا خلیفہ اور نائب جانے۔

افعالِ باری تعالیٰ

اللہ ربّ العزت کے فعل دو طرح کے ہیں ایک جو انسانی وجود کے وسیلہ سے ظاہر ہوتے ہیں۔ جو کہ اس کا خلیفہ بھی ہے۔ اور ایک بے وسیلہ جو باوسیلہ ہیں۔

ان کی پھر دو مزید اقسام ہیں۔

ایک وہ جو عالم صغریٰ میں ہیں۔

دوسرے وہ جو عالم کبریٰ میں ہیں۔

جو عالم صغریٰ میں ہیں وہ انسانی قالب ہے۔ جو روح کے آلات نفسانی ہیں۔ جیسے نفس نامیہ۔ نفس حیوانی اور قوائے بشری کے وسیلے سے ہوتے ہیں۔ لیکن وہ جو عالم کبریٰ میں ہوتے ہیں۔ کہ جسے جہان کہتے ہیں۔ وہ روح اور نفسانی آلات اور اوزاروں کے ذریعے ہوتا ہے۔ جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے۔

نیز جسمانی آلات کے ذریعے ہوتے ہیں۔ مثلاً پانچوں حواس اور دیگر اعضاء وغیرہ لہٰذا یہ صنعتیں اور حرفتیں جو انسان سے ظاہر ہوتی ہیں۔ وہ انہی افعال کا نتیجہ ہیں۔ لیکن جو کچھ انسان کی کوشش سے ہوتا ہے۔ وہ بھی اللہ ربّ العزت ہی کا فعل ہے۔ جیسا کہ جہان اور نفس میں ظاہر ہوتا ہے۔

جبکہ آسمان میں یہ فعل ہیں کہ اسے انتہائی بلندی پر آراستہ کیا ہے۔ کہ جس میں سورج چاند اور ستارے وغیرہ روشن ہیں۔ جیسا کہ اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

''وَزَيَّنَاهَا لِلنَّاظِرِينَ''۔ (الحجرہ:۱۶)

''دیکھنے والوں کے لئے ہم نے اس کی زینت کی''۔

''اور ان ستاروں کے عکس سے سیاہ مٹی میں طرح طرح کے پھول۔ پودے پانی۔ نباتات۔ حیوان مفرد اور مرکب اشیاء اور ان کی کانیں پیدا کیں۔ جیسا کہ اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

''اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ○

(البقرة: ١٦٤)

''بے شک آسمان سے بارش وغیرہ کا اتارنا۔ کہ جس سے زمین مردہ ہونے کے بعد زندہ ہوتی ہے۔ اور زمین کا پیدا کرنا اور کشتی جو سمندر میں چلتی ہے۔ اور لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اور آسمان سے بارش وغیرہ کا اتارنا۔ کہ جس سے زمین زندہ ہوتی ہے۔ اور زمین میں ہر قسم کے چوپائیوں اور دو پائیوں وغیرہ کا پیدا کرنا۔ اور ہواؤں کا چلانا۔ اور بادل کو زمین اور آسمان کے مابین تسخیر کرنا۔ یہ سب کچھ اس لئے ہے۔ کہ لوگ اسے دیکھ کر سوچیں سمجھیں''۔

نفس میں یہ فعل ہے۔ کہ اس نے پانی کے ایک قطرہ سے ایسا ظریف کہ بولتا۔ سنتا وجود اور ایسے لطیف اعضاء پیدا کئے ہیں۔ جیسا کہ اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِیْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِیْعًا بَصِیْرًا ○

(الدھر:٢)

''ہم نے اس کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا اور اس سے غرض یہ تھی کہ اس کی نیکی اور بدی کو آزمائیں پھر اسی لئے ہم نے اس کو دیکھتا سنتا مخلوق بنا دیا''۔

اللہ تعالیٰ کی نشانیاں

جب صاحب بصیرت صاحب دولت آیات الٰہی کے نور سے کہ اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

"سَنُرِيهِمْ اٰيٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْٓ اَنْفُسِهِمْ"۔ (حم السجدہ: ۵۳)

''ہم عنقریب ان کو اپنی نشانیاں آسمان اور اس کے گردونواح میں بھی دکھائیں گے۔ اور خودان کی ذات میں بھی دکھائیں گے''۔

لہٰذا آیات الٰہی کو جو کہ اس کے افعال کا نتیجہ ہیں۔ اپنے نفس کے آئینہ میں مشاہدہ کرتا ہے۔ اور اس قالب کو جو بجائے خود اور بظاہر ایک چھوٹا سا جہان ہے۔ اور پہلے یہ نہ تھا۔ نہ ہی بعد میں ہو گا۔ اللہ ربّ العزت کا ساختہ پرداختہ جانتا ہے۔ اور روح کو اس کی خلافت میں برسرکار جانتا ہے۔ نیز اس بات کا خیال رکھے کہ جس طرح روح کا تعلق ہٹ جانے سے جسم قائم نہیں رہتا۔ بلکہ گر کر خراب ہو جاتا ہے۔ اسی طرح عالم بزرگ میں جو کہ جہان اکبر ہے۔ کوئی ایسا فاعل چاہئے۔ جو برسرکار ہو۔ تا کہ اس کے افعال کے نتیجہ میں اس قدر مختلف احوال اور آثار ظاہر ہوں۔ اور اس قسم کی لطیف صنعتیں ظاہر ہوں کیونکہ اگر کوئی نادر اور کامل حکیم اس میں کام نہ کرتا۔ تو یہ جہان کبھی بھی نہ رہتا۔ اور جب اس سے قدرت قادر کا تصرف ہٹ جائے گا۔ تو اس کا نشان تک باقی نہ رہے گا۔ اس موقع پر اللہ ربّ العزت حدیث قدسی میں ارشاد فرماتا ہے:

"من عرف نفسه فقد عرف ربه"۔

''جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا۔ اس نے اپنے ربّ کو پہچان لیا''۔

کی حقیقت معلوم ہوتی ہے۔ اور جیسا کہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے: کہ

"وَفِیْٓ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ"۔

''اور خود تمہارے نفوس میں ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے''؟

کا بھید ظاہر ہوتا ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ جب اہل صنعت حرفت کی بصیرت کی آنکھ کھلی ہوتی ہے۔ تو صنعت کے دریچے سے اپنے صانع کو دیکھتا ہے۔ اور حقیقی صنعت اور صانع کا جمال انہیں دکھائی دیتا ہے۔ جیسا کہ ایک بزرگ کا فرمان ہے:

"ما نظرت فی شیء الا ورایت اللّٰہ فیہ"۔

"میں نے کوئی ایسی چیز نہیں دیکھی۔ کہ جس میں اللہ تعالیٰ کو نہ دیکھا ہو"۔

اور اس کی بصیرت کی آنکھ اس وقت کھلتی ہے جب ان کی نفسانی خواہشات کی آنکھ دنیاوی زیب و زینت۔ نفسانی لذات اور حیوانی شہوات کی طرف سے بند ہو جاتی ہے۔

دنیا کی مثال

دنیا کی مثال ایسی ہے۔ جیسے کوئی خانقاہ ہے۔ کہ جس میں اللہ ربّ العزت بمنزلہ شیخ کامل ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ بمنزلہ خادم کے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے:

"سید القوم خادمھم"۔

"قوم کا سرداران کا خدمت گزار ہوتا ہے"۔

اور باقی لوگ دو اقسام کے ہیں"۔

یا تو وہ خانقاہ کے کارکن ہیں۔ کہ جنہیں شیخ نے کوئی خاص کام سپرد کیا ہوا ہے۔

یا پھر محبّ وطن طالبین کی جماعت جو کہ شوق اور محبت کی خواہش اور طلب کی درد کی وجہ سے کسی کام یا شغل وغیرہ کی پرواہ نہیں کرتے۔ اور جنہوں نے نفسانی خواہشات اور خلقت سے منہ پھیر کر ریاضت اور مجاہدہ کا رخ کیا ہے۔

اور ان دونوں گروہوں کو شیخ نے خادم کے سپرد کر دیا ہے۔ تاکہ ہر ایک کو اس کے مقام کے مطابق کام بتائے۔ اور ان کی مدد بھی کر دیا کرے۔ اور اس کے علاوہ ان کی رہنمائی۔ مدد اور ارشاد بھی کرے۔ تاکہ خانقاہ کا عملہ تو خدمت میں مشغول رہے۔ اور طلبا فراغت اور دل جمعی سے طاعت اور عبودیت میں مشغول رہیں۔ لہٰذا اگر خانقاہ میں سب طلباء ہوتے۔ تو ہر

ایک کو اپنی خدمت بھی خود ہی کرنی پڑتی۔ اور سب کے سب اسی میں مشغول رہ کر پھر طلب الٰہی سے غافل ہو جاتے۔ اس لیے کہ طلب عارفین کا کام ہے۔ جیسا کہ اللہ ربّ العزت نے قرآن مجید میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرمایا ہے!

''فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ'' (الم نشرح)

''فارغ ہو کر اللہ تعالیٰ کی یاد میں مشغول ہو''۔

دنیاوی خانقاہ میں خلقت کی اقسام

دنیا کی خانقاہ میں خلقت کی دو اقسام ہیں۔

ایک مجذوب کہ جنہوں نے عالم آخرت اور خدمتِ الٰہی کا رخ کیا ہے۔ اور اللہ ربّ العزت نے جو کہ اس دنیاوی خانقاہ کا شیخ ہے۔ دنیا اور مافیہا کو ان کی خدمت کے لئے مقرر کیا ہے:

''یا دنیائ اخدمی من خدمنی وابقی من خدمتا والتخذ منی خدمك''۔

''اے میری دنیا! اس کی خدمت کرو۔ جس نے میری خدمت کی۔ اور اپنی خدمت کو جاری رکھ۔ اور جس نے تیری خدمت کی۔ اس نے میری خدمت کی''

اور دوسرے دنیا کے طالب ہیں۔ جو کہ بمنزلہ عملہ ہیں۔ اس خانقاہ میں ہر ایک کے متعلق ایک خاص کام ہے۔ یعنی بادشاہ سے لے کر ادنیٰ تک سب کے سپرد ایک ایک خاص کام ہے۔ مگر وہ لوگ عبودیت خاص میں مشغول اور خلاصۂ موجودات ہیں۔ جیسا کہ اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

''وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ''۔ (الذریت: ۵۶)

''اور میں نے جن اور انسان کو اسی لئے پیدا کیا کہ وہ میری عبادت کیا کریں''۔

لہٰذا اس آیت کے یہ معنی ہیں کہ جو کام میں مشغول ہیں وہ محض اس لئے ہیں۔ جن

مخلصوں نے دنیاوی محبت نفسانی خواہش اور شیطانی تصرف سے خلاصی پالی ہے۔ وہ فراخدلی سے اللہ ربّ العزت کی عبودیت اور دین کی پرورش میں مشغول ہوں۔ جیسا کہ اللہ ربّ العزت نے قرآن مجید میں ارشادفرمایا ہے!

"وَمَا اُمِرُوْا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنُ"۔ (البینة:۵)

"ان کو یہی حکم دیا گیا ہے۔ کہ خالص اللہ تعالیٰ ہی کی بندگی کی نیت سے یک رخ ہوکراس کی عبادت کریں"۔

پس جس طرح خانقاہ یا مدارس میں عملہ طلبہ کی خدمت میں پیش پیش رہتا ہے۔ اوراس کو بارگاہ الٰہی میں قرب کا وسیلہ بناتا ہے۔ اور اللہ ربّ العزت جو ان خواص کو عنایت کرتا ہے۔ اس میں سے کچھ حصہ عنایت خداوندی سے اس عملہ کو بھی عنایت کرتا ہے۔ لہٰذا اسی طرح جو بمنزلہ عملہ کے ہیں۔ اگر اپنی صنعت وحرفت میں ہر ایک یہ نیت کرے کہ یہ کام میں اللہ ربّ العزت کے بندوں کی خاطر کرتا ہوں۔ جوکہ اس حرفت کے محتاج ہیں۔ تاکہ اس سے مسلمانی حاجتیں پوری ہوں۔ اور بندگانِ خدا دل جمعی سے یادالٰہی میں مشغول ہوں۔ کیونکہ اگر ہر شخص اپنی ضروریات خود مہیا کرنی چاہے۔ اور بذات خود ہر ایک صنعت وحرفت کرے۔ تو دین اور دنیا کے سارے کام بند ہو جائیں گے۔ اور دنیا بھی خراب ہو جائے گی۔ اور کوئی بھی فراخدلی سے یادالٰہی میں مشغول نہ رہ سکے گا۔ اور نہ ہی اخلاص والوں کی جماعت ہی بچے گی۔

اللہ ربّ العزت نے اپنی حکمت بالغہ اور قدرت کاملہ سے ہر شخص کو ایک خاص حرفت پر لگایا ہوا ہے۔ جس میں وہ تقریباً ایک عرصہ تک لگا رہتا ہے۔ اور اسے اس بات کی جرأت نہیں ہوتی۔ کہ کوئی دوسرا کام کرے۔ اور جب کوئی اہل صنعت وحرفت اس دنیاوی خانقاہ میں کوئی خدمت بجا لاتا ہے۔ تو اسے شیخ کی مرضی کے مطابق کارروائی کرنی پڑتی ہے۔ اور شیخ خود ذات باری تعالیٰ ہے۔ اور یہ سب کچھ اس خادم یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات و ہدایات اور دلالت سے ہورہا ہے۔ اس کام میں امانت اور دیانت استعمال کرنی چاہیے۔ اور

ہر حالت میں شریعت کے طریق پر کاربند اور ثابت قدم رہنا چاہیے۔ اور اپنی کمائی کو حلال بنانا چاہئے اور شک و شبہ والے مال سے محفوظ رہنا چاہئے۔ یعنی زیادہ دے۔ اور نہ ہی کم لے۔ اور جس کے پاس حرام کا مال ہو۔ اس سے بالکل لین دین نہ کرے۔ مگر اس حالت میں جبکہ اس کو معلوم نہ ہو تو پھر جائز ہے۔ لہٰذا اپنی صنعت و حرفت میں کوئی معیوب کام نہیں کرنا چاہئے اور نہ ہی تلخ طبیعت ہونی چاہئے۔ انصاف کو مدنظر رکھنا چاہئے اور جب کوئی انجان گاہک آجائے۔ کہ جسے اس صنعت وحرفت کی کوئی واقفیت نہیں۔ تو اس سے ہرگز زیادہ قیمت نہ لے۔ بلکہ اسی قیمت پر فروخت کرے۔ کہ جس قیمت پر وہ واقف کار اور تجربہ کار تاجر کو دیتا ہے۔ اور کھوٹ و ملاوٹ وغیرہ سے قطعی پرہیز کرے۔ کیونکہ ایک دن جب رسول اللہ ﷺ بازار تشریف لے گئے۔ تو وہاں پر دیکھا۔ کہ کچھ گندم سستے داموں فروخت ہو رہی ہے۔ تو جب حضور اقدس ﷺ نے اپنا دست مبارک گندم کے اندر ڈالا۔ تو آپ ﷺ کا دست مبارک نمی سے تر ہو گیا۔ پوچھا: یہ کیا؟

گندم والے نے عرض کیا: کہ یارسول اللہ ﷺ یہ بارش میں بھیگ گئی تھی۔

تو حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ تو نے بھیگی ہوئی گندم باقی دانوں کے نیچے چھپا کر کیوں رکھی ہے۔ اوپر کیوں نہیں رکھی۔ تاکہ ہر شخص اسے دیکھ سکتا۔ تو اس وقت آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"من غشا فلیس منا"۔

"یعنی جو میری امت سے خیانت کرے گا۔ اور کھوٹ کرے گا وہ میری امت میں سے نہیں"۔

لہٰذا اس بات کی کوشش کرے۔ کہ میری کمائی اور محنت سے اللہ ربّ العزت کے کسی پیارے کو حصہ اور درویش کو آرام پہنچے۔

ایک روایت میں ہے کہ:

''حضرت داؤد علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں عرض کی۔

کہ اے پروردگار! میں اپنے ہم نشین کو جنت میں دیکھنا چاہتا ہوں۔

اللہ ربّ العزت نے فرمایا! کہ کل شہر کے باہر آنا۔ جو پہلا شخص تجھے ملے گا۔ وہ وہی شخص ہو گا۔ لہٰذا جب حضرت داؤد علیہ السلام باہر گئے۔ اور دیکھا کہ ایک شخص لکڑیوں کا گٹھا اٹھائے چلا آرہا ہے۔ اس نے سلام کیا۔ آپ علیہ السلام نے پوچھا! کہ اللہ ربّ العزت سے تیرا معاملہ کیا ہے؟ کہ جس کے وسیلہ سے تو نے جنت میں انبیائے کرام علیہم السلام کی مجالست اور موافقت حاصل کی ہے۔

اس نے عرض کی کہ: میں روزانہ اپنے ہاتھ سے لکڑیوں کا گٹھا جمع کرتا ہوں۔ اور پیٹھ پر اٹھا کر شہر میں لاتا ہوں۔ اور آدھے (۱/۲) درم میں بیچ ڈالتا ہوں۔ اور اس میں سے تیسرا حصہ اپنی والدہ کو دیتا ہوں۔ باقی میں سے کا آدھا (۱/۲) اپنے اہل وعیال کے لئے رکھ لیتا ہوں۔ اور باقی کا درویشوں اور محتاجوں میں ''للہ'' بانٹ دیتا ہوں۔

پس حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا! کہ جا: واقعی تو اسی بات کا مستحق ہے۔ کہ جنت میں انبیاء کرام علیہم السلام کا رفیق بن سکے۔ پھر حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا: کہ اچھا آجا: اب تو مجھ سے روزانہ ایک درم لے لیا کر۔ جس طرح تو جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔ یہاں بھی رہ۔ اس نے عرض کی کہ:

''جنت میں آپ علیہ السلام کی رفاقت مجھے اس محنت اور کسب سے حاصل ہوئی ہے۔

جب میں وہ کام ہی نہ کروں گا تو پھر میرا یہ مرتبہ کیسے قائم رہے گا''۔

لہٰذا میں اسی طریق پر بوجھ اٹھاتا ہوں۔ اور اللہ ربّ العزت کی بندگی اور اس کے بندوں کی خدمت کرتا ہوں۔ یہاں تک کہ مرتے دم تک میں اسی طرح کرتا رہوں۔ اللہ ربّ العزت نے بھی اپنے فضل وکرم سے اسی مرتبہ کی دلالت کی ہے۔ اور یہی وظیفہ ان کو

پیش کیا ہے۔ جیسا کہ اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے! کہ

"یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ"۔ (البقرة:٢٦٧)

''اے ایمان والو! خرچ کیا کرو۔ عمدہ چیز کو اپنی کمائی میں سے''

یہاں پر ''نفقہ'' سے مراد صدقہ جات وغیرہ ہیں۔ یعنی جو کچھ بھی کماؤ۔ اس میں سے خود بھی خرچ کرو۔ اور درویشوں (بزرگانِ دین اور غریب غرباء) کو بھی دو۔ اور اس کی تاکید ایک اور جگہ یوں ارشاد فرمائی ہے۔ کہ: اللہ ربّ العزت فرماتا ہے! کہ

"فَكُلُوْ مِنْهَا وَاطْعِمُو الْبَائِسَ الْفَقِیْرَ"۔ (الحج:٢٨)

''اس میں سے خود بھی کھاؤ اور تنگدست فقیر کو بھی کھلاؤ''۔

کسب حلال

حضور سیّد عالم ﷺ نے کسب کو سب سے حلال مال قرار دیا ہے۔ جیسا کہ:

"ان اطیب ما یاکل الرجل من کسب یدہ"

''سب سے پاکیزہ وہ ہے۔ جو انسان اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتا ہے''

اس سے ظاہر ہے۔ کہ جب اہل حرفہ جو کہ اس دنیاوی خانقاہ میں بمنزلہ عملہ ہیں۔ ان شرائط پر کہ جن کا اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ کار بند ہوں گے۔ تو اللہ ربّ العزت جو ثواب درجہ اور مقام اپنے خواصین، مقربین اور محبوبین کو عنایت کرے گا۔ اس میں سے انہیں بھی حصہ ملے گا۔ جو کہ ان کے خدمتگار رہ چکے ہیں۔ اور قیامت کے دن ان کا حشر بزرگانِ دین کے ساتھ ہوگا۔ جیسا کہ اللہ ربّ العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے کہ:

"فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِیْقًا"۔ (النساء:٦٩)

''یہ ان لوگوں کے ہمراہ ہوں گے۔ جن کو اللہ رب العزت نے نعمت عطاء کی ہے۔ مثلاً نبی، صدیق، شہید اور صالح ازروئے رفاقت یہ کیسے ہی اچھے لوگ

ہیں''

لہٰذا اگر یہ لوگ کہ جن کو میں نے اس باب میں آٹھ اقسام میں تقسیم کیا ہے۔ اور ہر ایک کے احوال کو الگ الگ بیان بھی کر دیا ہے۔ اور اگر یہ چاہیں کہ مردانِ الٰہی کے مشارب سے ذوق اور مقربین کے مقامات سے با بہرہ ہوں۔ تو انہیں چاہیے۔ کہ طاعت کے ورد و وظائف اور ذکر کی مجالس۔ مراقبۂ دل۔ شب بیداری۔ تجرد باطنی۔ کم کھانا۔ کسر نفسی۔ شہوات اور رعونتوں کے ترک کرنے کو ترقی دیں۔ اور تزکیۂ نفس۔ تصفیۂ دل۔ تجلیۂ روح کے بارے میں جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے۔ حتی الوسع اس پر کار بند رہیں۔ اور اس بات کو اچھی طرح سے جان لیں۔ جو بھی زیادہ محنت کرے گا۔ اسے اس کا پھل بھی زیادہ ہی ملے گا۔

لہٰذا اگر اتفاقِ حسنہ سے یہ اقبال ہاتھ لگ جائے۔ کہ کسی ایسے شیخ کے ہاتھ میں یا خدمت میں پہنچ جائے۔ کہ جس نے عنایتِ الٰہی سے اس کا سلوک کیا ہوا ہو۔ اور اپنے زمانے کا طبیب حاذق ہو کر مشرف ہوا ہو اور دینی معالجہ اس کی رائے۔ اور صلاح کے مطابق کیا جاتا ہو۔ تو اس دولت کی پناہ اور اس کی ہمت کے شہپروں کے وسیلے نفس امارہ کے خونخوار جنگل کو طے کر جائے گا۔ جس کی ہر منزل اور ہر مقام پر لاکھوں صادق اور صدیق جب بغیر کسی راہنما کے چلے۔ تو اپنی پیاری جانیں بھی کھو بیٹھے۔ اور انہیں کعبہ مقصود کا جمال بھی نصیب نہ ہوا۔ اور ایسے مشائخ جو کہ بمنزلہ حاذق طبیب کے ہیں۔ اور راہنمائی کے لائق بھی ہیں۔ اگرچہ ہر زمانہ میں خال خال ہوتے ہیں۔ لیکن اس زمانہ میں تو خاص کر سرخ گندھک کی طرح نایاب چیز ہیں۔

لہٰذا اس موضوع میں (راقم الحروف) تو اور بھی خاک در خاک ہو گیا۔ اور عنقا صفت پر پہنچا۔ اور اہل زمانہ کی بے نظری لوگوں کے دنیا میں مستغرق ہونے اور موت۔ کارِ آخرت ۔ حسنات۔ صراط۔ ثواب۔ عذاب۔ مرجع ۔ معاد سے بے خبر ہونے کی وجہ سے۔ جیسا کہ

اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے کہ:

"يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَاج وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ٥

(الروم:۷)

''یہ لوگ صرف دنیاوی زندگی کے ظاہر کو جانتے ہیں۔ اور یہ لوگ آخرت سے غافل ہیں''

کیونکہ اندھے کی آنکھ میں آنکھوں کے سرمہ کی کیا قدر و قیمت ہوسکتی ہے۔ اور سورج یا چاند کے جمال کی کیا وقعت ہوگی۔ علاوہ ازیں اس غیرت کے سبب جو اللہ ربّ العزت کو اپنے خاص بندوں پر ہے۔ اور بارگاہِ الٰہی کے پردے ان جھوٹے مدعیوں کی وجہ سے جو کہ اس وقت اپنے تئیں تریاق کامل اور طبیب حاذق ظاہر کرتے ہیں۔ اپنے خواص کے چہروں پر چھوڑ رکھے ہیں۔ اور مدعی کو بے معنی غیرت کا قبلہ بنا رکھا ہے۔ اس لئے اللہ ربّ العزت کے وہ خاص بندے ان اشخاص کی نظروں سے اوجھل ہو رہے ہیں۔ جیسا کہ اللہ رب العزت حدیثِ قدسی میں ارشاد فرماتا ہے۔ کہ:

"اولیائی تحت قبائی لا یعرفهم غیری"

''میرے دوست میری قبا کے نیچے ہیں۔ انہیں میرے سوا کوئی اورنہیں پہچانتا''

لیکن صاحب سعادت کی جان کی آنکھوں میں عنایت کے سرچو سے ہدایت کی سرمہ دانی میں سے طلب کے درد کا سرمہ لگاتے ہیں۔ اس کے لئے عاطفت کی ہوا مہربانی کی جگہ اور زیدنی (ہوا کا چلنا) سے حاجب کی طرف بھیجتے ہیں۔ تا کہ غیرت کا پردہ عزت کے خیمہ سے اٹھا دے۔

نیز اسے دین کے صادق طبیب اور عالمِ یقین کے راہبر کا جمال با کمال دکھاتے ہیں۔ اس صورت میں اگر صادقِ طالب مشرق میں ہو۔ اور حاذق طبیب مغرب میں ہو۔ تو بھی طالب کو مطلوب تک پہنچا دیتے ہیں۔ اور مطلوب کو طالب کے پاس لے آتے ہیں۔

توفیقِ الٰہی سے نفس کی مخالفت اور تسخیر

میں یہ درج ذیل باب بطور تبرکاً حضور سلطان العارفین حضرت قبلہ سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''عین الفقر'' سے لے رہا ہوں۔

آپ فرماتے ہیں کہ:

جان لے۔ کہ خوشنودیٔ خدا نفس کیخلاف چلنے میں ہے۔ نفس کیا چیز ہے۔ اور اس کے خصائل کیا ہیں؟ نفس سانپ کی مثل ہے۔ اور اس کے خصائل کفار جیسے ہیں۔ پہلے اس پر منتر پڑھا جائے۔ اور پھر اس پر ہاتھ ڈالا جائے تاکہ یہ زیر ہو کر قابو میں آ جائے۔

سانپ سے پوچھا گیا کہ تو اپنے بل (سوراخ) سے باہر کیونکر آتا ہے۔ تو سانپ نے جواب دیا کہ جب کوئی میرے دروازے پر اللہ رب العزت کا نام لیتا ہے۔ تو مجھ پر فرض ہو جاتا ہے۔ کہ میں اللہ رب العزت کے نام پر جان دے دوں۔

نفس سانپ کی مثل ہے۔ اور وجود آدمی سوراخ کی مثل ہے۔ ذکر اللہ منتر کی مثل ہے۔ اور نفس کافر کی یہ عادت و خصلت ہے۔ کہ جب تک اس پر کلمہ طیب ''لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' کا منتر پڑھ کر اسے شریعت کے حصار میں قید نہ کیا جائے یہ اسلام قبول کرتا ہے نہ مسلمان ہوتا ہے۔ اسلام حق ہے۔ اور کفر باطل ہے۔

بیت: ''اگر تو آسودگی چاہتا ہے۔ تو نفس کی گردن مار دے اور اگر تو وصال حق چاہتا ہے۔ تو بیوی بچوں کا خیال دل سے نکال دے''۔

جواب باھو از باھو: ''اگر میں نفس کی گردن مار دوں تو نفس مرد حق بن جاتا ہے۔ نفس کو مارے بغیر کبھی کوئی عشق حق سے بہرہ ور نہیں ہوا''۔

جواب باھو از باھو: ''اگر میں نفس کی گردن مار دوں تو نفس مرشد پیشوا بن جاتا ہے۔ اور مجھے ہر مقام کی سیر کرا کے مقام کبریا تک پہنچا دیتا ہے''۔

جواب باھو از باھو: ''نفس اگر تابعدار بن جائے۔ تو جان سے پیارا یار ثابت ہوتا ہے۔ احمق و بے تمیز لوگ بھلا حقیقت نفس کو کیا جانیں؟''

جواب باھو از باھو: ''اے نفس اگر تو عیش و عشرت چھوڑ دے تو اللہ رب العزت کا یار بن جائیگا اور تیرے سارے کام اللہ رب العزت سرانجام دے گا''۔

جواب باھو از باھو: ''اگر میں نفس کی گردن مار دوں تو یہ ضائع ہو جائے گا اور اگر میں اسے ہوا و ہوس سے پاک کر دوں تو یہ میرا یار اور میں اس کا یار بن جاؤں گا۔ سر وحدت اگر آب ہے۔ تو نفس آبجو (ندی) ہے''۔

جواب باھو از باھو: ''نفس دیو دیوانہ ہے۔ مجھے اس دیو کو مارنا ہے۔ اگر میں خود پر غالب آ جاؤں تو اس کو قتل کر دوں''۔

میں کفر و کافری سے بیزار ہوں کہ میں نے دین اسلام قبول کیا ہے'

''اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له واشهد ان محمدا عبده ورسوله''

اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

''سلامتی ہے اس پر جس نے ہدایت کی راہ اختیار کی''۔

طالب اللہ کیلئے ضروری ہے۔ کہ وہ ہر دم۔ ہر گھڑی اور ہر وقت نفس کی مخالفت کرتا رہے۔ اور کسی وقت بھی اس سے غافل نہ رہے۔ کہ نفس کافر ہے۔ اس سے ہر حال میں دشمنی و جنگ جاری رکھے خواہ حالت خواب میں ہو یا بیداری میں۔ مستی میں ہو یا ہوشیاری میں کہ یہ چور دشمن جان ہے۔ اور راہِ حق کا راہزن زیاں کار ہے۔ اس کو اطمینان سے مت رہنے دے۔

حضور ﷺ کا فرمان ہے:

''ہم چھوٹے جہاد سے لوٹ کر بڑے جہاد کی طرف آئے ہیں''۔

نفس دو قسم کا ہوتا ہے۔ جس طرح کہ آدمی کا وجود دو قسم کا ہوتا ہے یعنی وجود لطیف اور وجود کثیف۔ وجود کثیف ان لوگوں کا ہے جن کا نفس امارہ یا لوامہ یا ملہمہ ہے۔ امارہ راہزن شیطان کا نام ہے۔ اس کے تابع لوامہ ہے۔ اور لوامہ کے تابع ملہمہ ہے۔ ان تینوں کا ایک دوسرے سے اتفاق ہے۔

وجود لطیف ان لوگوں کا ہے جن کا نفس مطمئنہ ہے۔ اور مطمئنہ اسے کہتے ہیں۔ جو ظاہر باطن میں اطاعت گزار ہو۔ اطاعت تابع ہے روح کے اور روح تابع ہے توفیق الٰہی کے اور توفیق الٰہی صاحب ذکر فکر' صاحب اشتغال' صاحب استغراق فقر فنا فی اللہ کو کہتے ہیں۔ تمام انبیاء و اصفیاء و اولیاء مومن مسلمان اہل ایمان کا نفس مطمئنہ ہے۔ اور صاحب نفس مطمئنہ اہل معرفت ہوتا ہے۔ ابیات:

(1) ''اے باہو! جو آدمی صاحب معرفت ہو کر معروف ہو جاتا ہے۔ اس پر وحدت حق کا بھید کھل جاتا ہے''۔

(2) ''اس کے اور اللہ رب العزت کے درمیان کوئی حجاب باقی نہیں رہتا اور پھر یار یار کو دیکھتا ہے۔ اور عین عین کو''۔

اپنے آپ میں گم ہو جا۔ اہل بدعت مت بن اور دونوں جہان سے ہاتھ دھو لے۔

بیت: ''اے باہو! اللہ ایک ہے۔ دل بھی ایک ہے۔ اسی ایک کو ڈھونڈ اور اس کے ساتھ مل کر ایک ہو جا۔ تاکہ عین وہی ایک رہ جائے''۔

کافروں' منافقوں' فاسقوں اور مردود و ملعون شرابیوں کا نفس امارہ ہوتا ہے۔

اللہ رب العزت کا فرمان ہے: ''نماز کے قریب مت جاؤ جب تم حالت سکر میں ہوا کرو''۔

اہل مطمئنہ اہل روح ہوتا ہے۔ اور اہل روح اہل ذکر۔ اہل وجد۔ اہل شوق۔ اہل اشتیاق۔ اہل استغراق۔ اہل غرق اور اہل توحید فنا فی اللہ ہوتا ہے۔ اہل فنا فی اللہ کا نفس

نہیں ہوتا۔ جیسا کہ

"لی مع اللہ وقت"

والی حدیث نبوی ﷺ سے ظاہر ہے۔ چنانچہ رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا سے پوچھا گیا: "نفس وشیطان و دنیا کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟" آپ نے جواب دیا: "میں توحید فنا فی اللہ میں اس قدر غرق ہوں کہ مجھے نفس کی خبر ہے۔ نہ شیطان کی۔ اور نہ دنیا کی"۔

بیت: "اے باہو! لوگوں کو نفس ہی نے محتاج بنا رکھا ہے ورنہ آدمی اگر نفس سے خلاصی پالے۔ تو لایحتاج ہو جاتا ہے"۔

پس اولیاء اللہ لایحتاج ہوتے ہیں۔ اور اولیاء اللہ اہل فقر کو کہتے ہیں۔ فقر خود لایحتاج ہے۔ اور ہر شے اس کی محتاج ہے۔ فقر کا نفس نہیں ہوتا۔ بلکہ نفس ہوتا ہے۔ نفس پاس انفاس کو کہتے ہیں۔ اور پاس انفاس اس ذکر خاص کو کہتے ہیں۔ جو ہر آتی جاتی سانس کے ساتھ اس طرح کیا جاتا ہے۔ کہ کوئی دم بھی ذکر اللہ سے خالی نہیں ہوتا۔ جس کا دل مردہ اور دم افسردہ ہو وہ اہل نفس امارہ ہے۔

بیت: "نفس سے بڑھ کر اہل ہوا اور کوئی نہیں کہ یہ فرعون کی طرح ہر وقت خدائی کا دعویٰ کرتا رہتا ہے"۔

اللہ رب العزت کا فرمان ہے: "اور جو شخص اپنے رب تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہونے سے ڈرا۔ اور اپنے نفس کو ہوا سے روکا تو بے شک جنت ہی اس کا ٹھکانہ ہے"۔

آدمی دو قسم کے ہوتے ہیں:

(1) اہل نفس، بندہ ہوا اور

(2) اہل اللہ۔ اہل طاعت۔ بندہ خدا۔

نفس و دنیا وشیطان، یہ تینوں کافر ہیں۔ اور حرام خور جلاد کی مثل ہیں۔

جس پر اللہ کا قہر نازل ہو جائے وہ اہل نفس۔ شہوت پرست۔ ہوا پرست اور طالب

دنیا ہو جاتا ہے۔ دیو حسن پرست' زینت نما اور موافق شیطان ہو جاتا ہے۔ خورد ونوش اور معصیت و گناہ میں غرق ہو کر سیاہ دل ہو جاتا ہے۔ عشق و محبت و نور الٰہی سے خالی اور علم معرفت سے محروم و مردہ دل ہو کر گور جسد میں دفن رہتا ہے۔

اللہ رب العزت کا فرمان ہے!

''بے شک تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمہارے لیے فتنہ ہیں''۔

نفس کسے کہتے ہیں؟ جو راہ اللہ سے روکے۔ نفس طلب غیر کو کہتے ہیں۔ دنیا و نفس و شیطان لوگوں کی راہ مارنے والے شیطان ہیں۔ بھلا شیطان کی راہ مارنے والا شیطان کون ہے؟ شیطان کی راہ مارنے والا شیطان کبر ہے۔ کبر کس چیز سے پیدا ہوتا ہے؟ قہر جلالیت الٰہی اور شر سے۔

حضرت سلطان العارفین قبلہ سلطان باھو فرماتے ہیں۔ کہ

میرے پیشوا حضور ﷺ ہیں بھلا حضور ﷺ کا پیشوا کون ہے؟ ان کا پیشوا ہدایت الٰہی ہے۔ ہدایت الٰہی کس چیز سے پیدا ہوتی ہے؟

مہر جمالیت الٰہی سے۔ خیر بھی اسی (اللہ) کی طرف سے ہے۔ اور شر بھی اسی کی طرف سے ہے۔

بیت: ''خاک کو میں نے انسان بنا دیا۔ اور آگ کو میں نے شیطان بنا دیا۔ یہ بھی میں نے کیا اور وہ بھی میں نے کیا۔ لیکن اسے سمجھتا کوئی نہیں''۔

زہد و تقویٰ۔ صوم و صلوٰۃ اور ریاضت حج و زکوٰۃ خلاف نفس ہے۔ کیا اس سے نفس مر جاتا ہے؟ میں کہتا ہوں نہیں مرتا۔

ذکر فکر مجاہد و مشاہدہ مراقبہ محاسبہ اور وصال حضور مذکور خلاف نفس ہے۔ کیا اس سے نفس مر جاتا ہے؟ میں کہتا ہوں نہیں مرتا۔

ورد و وظائف۔ ذکر و تسبیح۔ تلاوت قرآن اور علم مسائل فقہ خلاف نفس ہے۔ کیا اس

سے نفس مر جاتا ہے؟ میں کہتا ہوں نہیں مرتا۔

موٹا کھردرا لباس پہننا۔ گدڑی پہننا۔ مخلوق سے علیحدگی اختیار کرنا۔ چپ رہنا۔ نیک وصال وخوب خصال ہونا خلاف نفس ہے۔ کیا اس سے نفس مر جاتا ہے؟ میں کہتا ہوں نہیں مرتا۔

گوشہ تنہائی میں چلہ کشی کرنا اور ہر چیز سے تعلق توڑ کر سرگردان پھرنا خلاف نفس ہے۔ کیا اس سے نفس مر جاتا ہے؟ میں کہتا ہوں نہیں مرتا۔

علم و تعلیم۔ درس و تدریس اور خدا شناسی خلاف نفس ہے۔ کیا اس سے نفس مر جاتا ہے؟ میں کہتا ہوں نہیں مرتا۔

بیت: ''نفس اگر تخت نشین ہو کر بادشاہ بھی بن جائے۔ تو چکی چاٹنے والا کتا ہی رہتا ہے''۔

نفس اگر بھوکا رہے تو اس میں طاعت بجا لانے کی طاقت و قوت نہیں رہتی اور وہ طاعت کرنے سے رہ جاتا ہے۔ اور اگر سیر شکم رہے تو پر شہوت و فتنہ انگیز ہو جاتا ہے۔ آخر اس کا علاج کیا ہے؟

اللہ رب العزت کا فرمان ہے: ''اللہ رب العزت کسی کو اس کی برداشت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا''۔

جو نفس بھوک میں پر سکون رہتا ہے۔ اور ذکر و طاعت میں لذت پاتا ہے۔ اس کیلئے زہد و ریاضت ہی بہتر ہے۔ جو نفس بھوک میں ذکر و طاعت سے خوش نہیں ہوتا۔ بلکہ بے چینی و وسوسہ و کفر و نفاق میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ تو اس کیلئے بسیار خوری مناسب ہے۔ بشرطیکہ بسیار خوری سے اس میں آثار بدی پیدا ہونے کی بجائے طاعت و فرمانبرداری کی طاقت پیدا ہو ورنہ اس کیلئے آدھا بھوکا اور آدھا شکم سیر ہونا ضروری ہے۔ مناسب یہ ہے۔ کہ نفس کو کھانے کیلئے دائمی ذکر اللہ کی خوراک دی جائے۔ رہنے کیلئے زیر زمین قبر کھود کر گھر

بنایا جائے۔ پہننے کیلئے کفن کا لباس دیا جائے۔ اور سیر چشمی کیلئے روز حشر کا تماشا دکھایا جائے تا کہ اس کا دل صاف ہو کر جمعیت پکڑے۔ ہر قسم کی کدورت و آلودگی سے پاک ہو جائے۔ اللہ رب العزت اور اس کے مابین جملہ حجابات اٹھ جائیں۔ لڑائی جھگڑے اور دنگے فساد سے باز آ کر پرسکون ہو جائے۔ اور مرنے سے پہلے مر کر "مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا" کا مصداق بن جائے۔

نفس کیا چیز ہے؟ نفس فربہ خنزیر کی مثل ہے۔ کفار سے دوستی رکھتا ہے۔ اور خودی و خود پرستی میں مبتلا رہتا ہے۔

سن! آدمی کے وجود میں صدہا خنزیر پائے جاتے ہیں۔ انہیں مار دیا جائے یا رسی سے باندھ کر رکھا جائے۔

نفس کبھی وسیلہ خدا ہوتا ہے۔ کبھی فتنہ انگیز و پر ہوا ہوتا ہے۔ کبھی عادل بادشاہ ہوتا ہے۔ کبھی مستی انــا میں گمراہ ہوتا ہے۔ کبھی عالم فاضل مفتی قاضی محتسب صاحب محاسبہ ہوتا ہے۔ کبھی رشوت خور وحرام خور ہوتا ہے۔ کبھی مرشد ہادی صاحب ارشاد ہوتا ہے۔ کبھی خود پرستی وحرص وحسد میں گرفتار ہوتا ہے۔ کبھی سلطان العارفین عاشق معشوق ہوتا ہے۔ اور کبھی گداگر و طامع مخلوق ہوتا ہے۔ مرد فقیر وہ ہے۔ جو اسے مہلت نہ دے اور کسی حال میں بھی طاعت سے غافل نہ ہونے دے۔ اس کی کسی خواہش کو پورا نہ کرے۔ اس کی مخالفت کرتا رہے۔ اور ہمیشہ اس سے جھگڑتا رہے کہ: "اے نفس تو نے کبھی کوئی ایسا عمل نہیں کیا جو تجھے قیامت کے دن بارگاہ خداوندی سے نجات دلا سکے۔ نہ ہی تو نے اللہ رب العزت کو پہچانا جس طرح کہ اسے پہچاننے کا حق ہے۔ انبیاء و اولیاء اللہ کے دل تو خوف خدا میں اس طرح پگھلے رہتے تھے جس طرح کہ سونا کٹھالی میں۔ کئی بزرگ عمر بھر سوئے نہیں۔ نہ انہوں نے زمین سے پہلو ٹکایا اور نہ ہی کوئی دنیاوی لذت نفس کو بہم پہنچائی تا کہ قیامت کے دن خدا اور اس کے رسول کے سامنے شرمندہ نہ ہونا پڑے۔ تیرے لئے ضروری ہے۔ کہ تو ہر حال میں

کارہائے نفس پر نظر رکھ اور اس کی ہر خواہش کو رد کرتا چلا جا۔

حضور ﷺ کا فرمان ہے:

(1) ''ستم رسیدہ کی دعا مقبول ہوتی ہے''۔

(2) ''ستم رسیدہ کی فریاد سے ڈرو کہ اس کے اور اللہ رب العزت کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہوتا''۔

پس ستم رسیدہ اہل اللہ فقراء ہیں۔ جو اپنے نفس کے ہتائے ہوئے ہیں۔ اور ہر وقت ذکر اللہ میں مشغول رہتے ہیں۔

فقراء سے ڈرو کہ وہ حالت شہوت میں بھی باشعور۔ فنا فی اللہ حضور اور بمد نظر اللہ منظور ہوتے ہیں۔

نفس غصے کی حالت میں درندہ بن جاتا ہے۔ گناہ کرتے وقت بچہ بن جاتا ہے۔ فراوانی نعمت کے وقت فرعون بن جاتا ہے۔ سخاوت کے موقع پر قارون بن جاتا ہے۔ بھوک میں دیوانہ کتا بن جاتا ہے۔ اور پر شکم ہو۔ تو اکڑا ہوا مغرور گدھا بن جاتا ہے۔

بیت: ''نفس اگر بھوکا ہو۔ تو کتا بن جاتا ہے۔ اور پر شکم ہو۔ تو گدھا بن جاتا ہے''۔

اگر تو نفس کا پیٹ بھر دے تو یہ نافرمان ہو جائے گا اور اگر اسے بھوکا رکھے تو گھبراہٹ و بے چینی میں مبتلا ہو کر چیخے چلائے گا۔

نفس کو گناہ کرتے وقت اللہ رب العزت اور رسول اور تمام انبیاء و اصفیاء و اولیاء و صلحاء کے واسطے دے ڈالو۔ آیات قرآنی و احادیث سنا دو۔ خوف موت و قبر یاد دلا دو۔ سوال جواب منکر نکیر اور معاملات اعمالنامہ یاد دلا دو۔ مسائل فقہ سنا دو۔ روز قیامت کا عالم نفسی نفسی یاد دلا دو۔ پل صراط و دوزخ و بہشت اور دیدار الٰہی یاد دلا دو۔ یہ گناہ کرنے سے ہرگز باز نہیں آئیگا کہ نفس اس وقت تک نافرمانی و گناہ سے باز نہیں آتا جب تک کہ اسے توفیق الٰہی اور وسیلت دست بیعت مرشد کامل مکمل حاصل نہ ہو جائے۔ کیونکہ جب بھی

طالب گناہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے مرشد کامل مکمل کو ضرور اس کی خبر ہو جاتی ہے۔ اور وہ گناہ و طالب کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ اور الہام و پیغام کے ذریعے دست اندازی کر کے اسے گناہ سے بچا لیتا ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ وسیلت بہتر ہے فضیلت سے۔ فضیلت اہل نفس کی محتاج ہے۔ اور وسیلت کسی کی محتاج نہیں۔ وہ لایحتاج ہے۔ فضیلت پر نفس غالب ہے۔ اور وسیلت نفس پر غالب ہے۔ اور نفس مغلوب ہے۔ فضیلت علم سونے چاندی کی مثل ہے۔ اور وسیلت مرشد فولاد کی مثل ہے۔ چنانچہ تلوار۔

رباعی: ''نفس حریص ہے۔ اس لئے شیر و شکر اور بادشاہی و جہانگیری مانگتا ہے۔
اے باہو! اورنگزیب کی بادشاہی سے فقیری بہتر ہے۔ اس لئے طالب اللہ فقیر سے صرف ''اللہ'' مانگتا ہے''۔

اے باہو! نفس کافر ہے یا جلاد۔ پس کافر کیلئے زنار توڑنا مشکل ہے۔ اور جلاد کیلئے حلال کھانا مشکل ہے۔ نفس جب مسلمان ہو جاتا ہے۔ تو اس کیلئے خنزیر کھانا اور گلے میں زنار ڈالنا مشکل ہو جاتا ہے۔ سیم و زر سے زیب و زینت بنانا اہل دنیا کا کام ہے۔ اور نفس پر فولادی تلوار چلانا اہل دین اہل اللہ کا کام ہے۔ سیم و زر کے لالچ میں نفس کافر سے جہاد کرنا طمع وریا ہے۔ اور نفس کو قتل کرنا طلب خدا ہے۔ زندہ نفس شیطان ہے یا بھوت بیابانی ہے۔

نفس کیا چیز ہے؟ شیطان کیا چیز ہے؟ اور دنیا کیا چیز ہے؟

نفس بادشاہ ہے۔ شیطان اس کا وزیر ہے۔ اور دنیا ان دونوں کی ماں ہے۔ جو ان کی پرورش کرتی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

''بے شک شیطان انسان پر غلبہ پانے کے در پے رہتا ہے''۔

یعنی شیطان اس کے علاوہ اور کچھ نہیں چاہتا کہ وہ انسان پر چھایا رہے۔ جس دل میں

حب دنیا رچ بس جائے وہ شیطان کا گھر ہے۔

فرمان حق تعالیٰ ہے: ''پس جس نے سرکشی اختیار کی اور دنیاوی زندگی کو ترجیح دی۔ بے شک اس کا ٹھکانہ جہنم ہے''۔

جس دل میں شیطان ڈیرہ جما لیتا ہے وہاں چار مؤکل نفس کے قائم مقام بن جاتے ہیں۔

(1) خناس (2) خرطوم (3) وسوسہ اور (4) خطرات۔

صدق خلاف نفس ہے۔ اہل صدق صاحب استغراق کیلئے حضوری و خواب و بیداری برابر ہوتے ہیں۔

اللہ رب العزت کا فرمان ہے: ''کوئی چیز بھی ایسی نہیں جو اللہ کی تسبیح و تعریف میں مشغول نہ ہو''۔

لیکن شرط یہ ہے۔ کہ اس کا محل دل ہو نہ کہ خانۂ دیو۔

جو نفس روح سے مل جاتا ہے وہ روح بن جاتا ہے۔ اور اللہ رب العزت کی عبادت اس کی رضا کیلئے کرتا ہے۔ چنانچہ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا سے پوچھا گیا: ''آپ اللہ رب العزت! کی عبادت کس غرض سے کرتی ہیں؟ جہنم کے خوف سے یا امید بہشت میں؟'' انہوں نے جواب میں التجا کی: ''اے پروردگار! اگر میں تیری عبادت دوزخ کے خوف سے کرتی ہوں۔ تو مجھے دوزخ میں جلا دے۔ اگر میں تیری عبادت امید بہشت میں کرتی ہوں۔ تو مجھ پر بہشت حرام کر دے اور اگر میں تیری عبادت محض تیری طلب میں کرتی ہوں۔ تو مجھ پر اپنا دیدار و جمال بند نہ کر''۔

نقل ہے۔ کہ ایک روز شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ خانقاہ سے نکلے اور ہیجڑوں کے گھر میں جا کر بیٹھ گئے۔ مریدوں نے پوچھا: ''حضرت یہ کیا؟'' فرمایا: ''لوگوں کے تین گروہ ہیں۔ مرد۔ عورتیں اور ہیجڑے۔ مرد بایزید رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ عورت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا تھیں۔ میں ان دونوں

میں سے نہیں ہوں اس لئے یہاں آ بیٹھا ہوں''۔

پس اہل ذکر فکر عورتیں ہیں۔ اہل استغراق مرد ہیں۔ اور اہل دنیا ان دونوں میں سے نہیں اس لئے مخنث ہیں۔

سن! ابلیس نے کہا: ''میں نے طاعت کی''۔

ندا آئی: ''میں نے لعنت کی''

آدم علیہ السلام نے کہا: ''میں نے خطا کی''۔

ندا آئی: ''میں نے بخش دی''۔

عجب وغرور سے کی گئی عبادت بری ہے۔ اس سے بہ عذر گناہ بہتر ہے۔

اگر تو چاہتا ہے۔ کہ منزل پر آسانی سے پہنچ جائے۔ تو خودی کو درمیان سے نکال دے تا کہ نفس شرمندہ ہو۔

نقل ہے۔ کہ ایک دن ایک بزرگ بیٹھے ہوئے تھے کہ ان کا نفس انہی کی ہیت و صورت میں ان کے سامنے آ کر مصلے پر بیٹھ گیا۔ وہ بزرگ فرماتے ہیں۔ کہ جب میں نے اپنی ہی صورت کو اپنے سامنے بیٹھے ہوئے دیکھا تو پوچھا: ''تو کون ہے؟'' اس نے کہا: ''میں تیرا نفس ہوں''۔ میں نے چاہا کہ اس کو مضبوطی سے باندھ کر خوب پیٹوں۔ لیکن نفس کہنے لگا: ''میرا مارنا اس طرح نہیں۔ میرا مارنا اس طرح ہے۔ کہ تو میرے خلاف چل''۔

بیت: ''کیا تو جانتا ہے۔ کہ نفس کیا چیز ہے؟ نفس وجود کے اندر چھپا ہوا کافر ہے جسے صرف کافر یہودی ہی دوست رکھتے ہیں''۔

نفس سے ہوشیار رہو۔ اللہ رب العزت اس کے شر سے بچائے۔

قطعہ: ''تیرا واسطہ نفس کافر سے آن پڑا ہے۔ اسے اپنے دام میں گرفتار کر لے۔ کہ یہ ایک نادر شکار ہے۔ اگر ایک سیاہ ناگ تیری آستین میں گھس جائے۔ تو یہ اس نفس سے کہیں بہتر ہے۔ جو تیرا ہم نشیں بنا ہوا ہے''۔

کیا تو جانتا ہے۔ کہ نفس کیا چیز ہے؟ نفس طمع ہے۔ جب تک تو طمع کو تین طلاق نہیں دے دیتا ہرگز واصل بحق نہیں ہوسکتا۔

بیت: ''طمع میں آ کر پرندہ جان گنوا بیٹھتا ہے۔ کہ وہ نادان دانے پر بچھے ہوئے جال کو نہیں دیکھتا''۔

طمع جال کی مثل ہے۔ اور دنیا دانے کی مثل ہے۔ جس پر اہل حرص طالب دنیا دیوانہ ہے۔ بے طمع آدمی اس میں ہرگز نہیں پھنستا۔ پھنستا ہے۔ تو صرف احمق اور بے عقل نفس کافر یہودی ہی پھنستا ہے۔ کہ وہ ڈرتا نہیں۔ جسے اللہ اور فقر سے پیار ہے وہ بے طمع و بے نیاز ہو کر اپنی گردن بلند رکھتا ہے۔ طمع افسوس و غم کا نام ہے۔ اور فقر اللہ رب العزت سے یگانگی کے باعث، بے غم ہوتا ہے۔ جو نادار (بے طمع) ہے وہ اللہ رب العزت کا یار ہے۔

بیت: ''اے باہو! جو دنیا کی خاطر غمزدہ رہتا ہے وہ کمینہ ہے۔ کہ کمینی دنیا ہی اس کی پرورش کرتی ہے''۔

شیطان دنیا کو کہتے ہیں۔ اور اہل نفس معصیت شیطانی (طلب دنیا) کے رسیا ہوتے ہیں۔

حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

نقل ہے۔ کہ ایک دن حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ اپنے نفس کا محاسبہ کرنے بیٹھے اور اس سے کہنے لگے: ''اے نفس تیری عمر ساٹھ سال ہوگئی ہے۔ اور تیری اس عمر کے دن اکیس ہزار چھ سو (21600) بنتے ہیں۔ اتنا ہی کہا تھا۔ کہ آہ بھری اور بے ہوش ہو گئے۔ جب ہوش میں آئے۔ تو معتقد لوگوں نے پوچھا: ''آپ کس وجہ سے بیہوش ہوئے''۔ فرمایا: ''میں نے اپنی عمر کے تمام دنوں کا حساب کیا اور نفس سے کہا کہ دنیا میں آئے ہوئے تجھے ساٹھ سال ہو گئے ہیں، اگر اس میں سے نابالغی کی عمر کو نکال دیا جائے۔ تو باقی زندگی کے دن سولہ

ہزار دو سو (16,200) بنتے ہیں۔ اے نفس! تو نے ہر روز بیس گناہ تو کئے ہوں گے؟ نفس نے کہا: ''نہیں'' میں نے کہا: ''دس تو کئے ہوں گے؟'' اس نے کہا: ''نہیں'' میں نے کہا: ''ایک تو کیا ہوگا؟'' اس نے کہا: ''ہاں'' میں نے کہا: ''اگر تو ہر گناہ پر ایک ایک پتھر اکٹھا کرتا رہتا تو اب تک پہاڑ بن گیا ہوتا اور اگر ہر گناہ پر ایک ایک مٹھی خاک جمع کرتا رہتا تو ایک بہت بڑا ڈھیر بن گیا ہوتا۔ اے نفس! تو نے آخرت کے خوف کے باوجود اتنے گناہ کیسے کر لئے؟ تو نے اس ہیبت کو کیسے نظر انداز کر دیا کہ تیرے باپ آدم علیہ السلام کو ایک ہی لغزش کی بنا پر سرزنش کر کے دنیا کے زندان میں بھیج دیا گیا؟ تو نے اس فرمان الٰہی کو یاد کیوں نہ رکھا کہ: ''آدم اپنے رب تعالیٰ کا حکم بھول کر راہ سے ہٹ گئے''۔ (جب اللہ رب العزت کی گرفت کا عالم یہ ہے تو) بے چارے آدم زادے کو اتنے گناہوں کی خلاصی کی امید کس طرح ہوسکتی ہے؟ عزازیل (شیطان) کو ایک ہی گناہ کی پاداش میں لعنت کا داغ ملا اور اس کا نام ابلیس رکھ دیا گیا اور تمام عالم میں فرمان الٰہی جاری کر دیا گیا کہ: ''بے شک لعنت ہے تجھ پر قیامت کے دن تک''۔

پس جس آدمی کا نفس کمزور ہے۔ اس کا دین مضبوط ہے۔ جو شخص نفس کو بند کرتا ہے وہ گویا شیطان اور ہوائے نفس کو بند کرتا ہے۔

بیت: ''اے باہو! نفس اگر پلید ہے۔ تو تن پر پاکیزہ لباس پہننے کا کیا فائدہ؟ دل میں شرک ہی شرک ہے۔ تو خاک پر سجدہ ریزی کا کیا فائدہ؟''

جن لوگوں نے اپنے نفس کو آباد کر رکھا ہے وہ شیطان کے پیروکار ہیں۔ وہ اللہ رب العزت کے دشمن ہیں۔ اور اس کے بندوں کے بھی دشمن ہیں۔ یاد رکھ کہ نفس و شیطان ایک دوسرے کے ساتھی ہیں۔ اور دونوں کافر ہیں۔ جو آدمی نفس کو بند کر لیتا ہے شیطان اس سے دور بھاگ جاتا ہے۔

تمثیل: ''اگر دو چور ایک گھر میں چوری کرنے جائیں اور ایک گرفتار ہو جائے۔ اور

دوسرا بھاگ جائے۔تو وہ گرفتاری کے خوف سے دوسرے چور کے نزدیک نہیں جاتا کہ اس کو اس کے نزدیک جانے میں اپنا نقصان نظر آتا ہے۔ جو آدمی نفس چور کو بند نہیں کرتا شیطان اس کے قریب رہتا ہے۔جس کے نتیجے میں وہ اللہ رب العزت سے دور رہتا ہے۔

تمثیل: ''نفس بادشاہ کی مثل ہے۔اور شیطان اس کے وزیر کی مثل ہے۔ اگر بادشاہ گرفتار ہو جائے۔تو وزیر اس سے دور بھاگ جائے گا۔ جو شخص نفس کو بند نہیں کرتا وہ احمق ہے''۔

تمثیل: ''اگر باز اور چڑیا ایک ہی گھر میں ہوں اور باز بندھا ہوا ہو۔تو چڑیا کو اس سے کوئی خطرہ نہیں۔اسی طرح اگر نفس بند ہو۔تو آدمی کو اس سے کوئی خطرہ نہیں''۔

اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

''داخل ہوا جنت میں وہ شخص جس نے اپنے نفس پر غلبہ پایا''۔

دائرہ شریعت میں آدمی کا نفس امارہ ہوتا ہے۔

اور اللہ رب العزت کا فرمان ہے۔کہ یہ تمہارا دشمن ہے۔ اسے ماردو۔ الٰہی! مجھے بصارت دے کہ میں اسے دیکھوں اور قتل کروں۔

دائرہ طریقت میں نفس ''لوامہ'' ہوتا ہے۔اس کی لذات اور چاہتوں کو پامال کرتا ہوا آگے بڑھ جا۔ دائرہ معرفت میں نفس ''ملہمہ'' ہوتا ہے۔اسے عشق و ذکر اللہ کی آگ میں موم کرحتیٰ کہ یہ مرنے سے پہلے مر جائے۔ دائرہ حقیقت میں نفس ''مطمئنہ'' ہوتا ہے۔ جو حقیقی طور پر مطیع۔ بااخلاص۔ موحد خاص الخاص۔محرم اسرار محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور غیر ماسوی اللہ سے بیزار ہوتا ہے۔اور ہمیشہ استغفار کرتا رہتا ہے:۔

''الٰہی ہم تیری مغفرت چاہتے ہیں۔اور تیری ہی طرف رجوع کرتے ہیں''۔

مطمئنہ سے کیا چیز حاصل ہوتی ہے؟ لا مقامِ مشاہدہ فقر فنا فی اللہ تمام۔

بیت: ''نفس (مطمئنہ) جان سے پیارا یار ہے۔ اس کو پہچان۔ اس سے غافل مت

ہو''۔

فقر کو راہ حق میں روز بروز ترقی پذیر اور جان سوز ہونا چاہئے نہ کہ درم اندوز۔

حقیقت نفس جاننا سیکھ

تمثیل: ''نفس آدمی کی مثل ہے۔ اور شیطان دَم آدمی کی مثل۔ اگر آدمی زندہ ہے۔ تو دم اس کے اندر آتا جاتا رہتا ہے۔ اور اگر مر جائے۔ تو دم کی آمدروفت بند ہو جاتی ہے۔ اسی طرح جب کسی کا نفس مر جاتا ہے۔ تو اس پر راہ شیطان بند ہو جاتی ہے۔ شیطان کی راہ میں کوئی فائدہ نہیں۔ دل ایک نرم آبادی ہے۔ اور آبادی سے ہر قسم کا مفاد حاصل ہوتا ہے۔ ہر عبادت آبادی میں ہوتی ہے۔ اور ہر معصیت ویرانی میں۔ آبادی تیرے سامنے ہے۔ تو کیوں ویرانی کی طرف جاتا ہے؟ نفس دشمن ہے۔ اس کی طلب پوری نہ کر۔ تیرے لئے اس کی موت اس کی زندگی سے بہتر ہے۔

خدائے عزوجل کی معرفت و پہچان دل کے نور سے ہوتی ہے نہ کہ دل کی تاریکی سے کہ ایک رات کیلئے بھی تاریکی میں مشغول رہنا بندے کے حق میں مضر ہے۔ جس طرح نابینا کوشش کے باوجود سیدھی راہ نہیں چل سکتا۔ اور اپنے سامنے سانپ یا کانٹے یا کنویں یا گڑھے کو نہیں دیکھ سکتا۔ اور نہ ہی وہ جان سکتا ہے۔ کہ اس کے سامنے کیا ہے؟ اچھا ہے برا ہے؟ جو آدمی نفس کو بند کر لیتا ہے۔ وہ اللہ رب العزت کی رضا و محبت حاصل کر لیتا ہے۔ اور جو آدمی نفس کو بند نہیں کرتا۔ اسے نفس و شیطان کی رضا و محبت حاصل رہتی ہے۔

اے باہو! نفس کو کتا سمجھ۔ اس کتے کو مت پال۔ شیطان کا پیروکار ہو کر شیطانی مت کر۔

اللہ رب العزت کا فرمان ہے: ''اے اولا آدم علیہ السلام! شیطان کی پیروی مت کرو۔ بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے''۔

جس آدمی کے دل کا میلان نفس کی طرف ہو جاتا ہے۔ اس کا دل سیاہ ہو جاتا ہے۔

اوراس میں غفلت پیدا ہو جاتی ہے۔ جب نفس و دل ایک ہو جاتے ہیں۔تو روح کمزور و عاجز ہو جاتی ہے۔اور جب دل و روح ایک ہو جاتے ہیں۔تو نفس کمزور وعاجز ہو کر غریب وتابع ہو جاتا ہے۔

یہ فقیر باہو کہتا ہے۔ کہ ایک ہدایت الٰہی بہتر ہے ہزار دشمن نفس و شیطان سے۔جس دل پر نظر رحمت خدا ہے وہ نفس و شیطان سے جدا ہے۔

اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

''اللہ جسے چاہتا ہے عزت دے دیتا ہے۔اور جسے چاہتا ہے ذلت سے دوچار کر دیتا ہے''۔

پس نفس و شیطان کیا ہے؟ شریک خدا اور راندۂ درگاہ ہے۔نفس و شیطان اس کے ساتھی ہیں۔جو گمراہ ہے۔

حضور ﷺ کا فرمان ہے:''اللہ جسے ہدایت دیتا ہے۔اس کے لئے گمراہی نہیں اور جسے گمراہ کرتا ہے۔اس کیلئے ہدایت نہیں''۔

اللہ رب العزت کا فضل روز ازل سے جاری ہے۔ چنانچہ ایک رعایت قاضی بہتر ہے۔ ہزار گواہ سے اور ایک ہدایت الٰہی بہتر ہے ہزار زہد وتقویٰ ہمراہ سے۔ اللہ بس ماسویٰ اللہ ہوس۔

بیت:''میرے علم و عمل سے تیری ایک ہی عنایت میرے لیے کافی ہے۔ کہ ایک رعایت قاضی ہزار گواہوں سے بہتر ہے''۔

اللہ رب العزت کا فرمان ہے:''اللہ رب العزت غالب ہے۔اپنے امر پر''۔

ہر کوئی اللہ حکیم کے حکم کی قید میں ہے۔خواہ وہ نفس ہے یا شیطان۔ دنیا ہے یا ایسی ہی کوئی اور چیز۔

حضور ﷺ کا فرمان ہے۔''حکیم کا کوئی کام بھی حکمت سے خالی نہیں ہوتا''۔

پس نفس چور کی مثل ہے۔ اور طالب اللہ چوکیدار کی مثل جو خطرات چور سے خبردار کرتا ہے۔ مرشد کامل مکمل اللہ رب العزت کے امر سے صاحب حکم ہے۔ اس لئے اگر کوئی چور اس کی ولایت میں گھس آتا ہے۔ تو بیک مرتبہ قتل کر دیا جاتا ہے۔ اور ولایت وجود دارالسلام بنی رہتی ہے۔

حضور ﷺ کا فرمان ہے۔ ''ملک اسی کا ہوتا ہے۔ جس کا اس پر غلبہ ہوتا ہے''۔

اگر نفس گناہ و معصیت شیطانی میں مشغول ہو جائے۔ اور دل ذکر اللہ کو بھول جائے۔ تو اس سے بڑھ کر کبیرہ گناہ اور کوئی نہیں۔ لہٰذا ضروری ہے۔ کہ تو نفس و شیطان و دنیا کو بھول کر اپنے قلب و روح کو ذکر اللہ میں اس طرح غرق کر دے کہ تو ہر وقت عشق و محبت الٰہی اور اسرار الٰہی کا مشاہدہ کرتا رہے۔ اور تیرے وجود میں حرص و حسد۔ کبر و ہوا اور شہوات کا نام ونشان باقی نہ رہے تو جو کام بھی کرے اللہ رب العزت کیلئے کرے۔ جو پہنے اللہ کیلئے پہنے اور جو پیئے اللہ رب العزت کیلئے پیئے۔ عقلِ جزوی کو چھوڑ کر عقل کلی حاصل کر اور اپنے ہوش وحواس کو درست رکھ کہ عارف باللہ نفس کی تحقیق کرتا ہے۔ اور صاحب نفس اس کو اپنا رفیق بناتا ہے۔

سن! قیامت کے دن جب اہل محبت اہل شوق اشتیاق مشتاق دیدار عاشق قبروں سے اٹھیں گے تو فرمان الٰہی ہوگا: ''ان کے خیمے دوزخ کے کنارے پر لگا دیئے جائیں''۔ جب یہ لوگ ان خیموں میں جا کر بیٹھیں گے اور ان کی نظر آتش دوزخ پر پڑے گی تو نار جہنم سرد ہو جائے گی اور بجھ کر راکھ ہو جائے گی۔ اس میں یہ مجال نہ ہوگی کہ سر اٹھا سکے۔ آتش دوزخ کی یہ پستی خلق خدا کیلئے باعث راحت ہوگی اور مخلوق عذاب دوزخ سے خلاصی پا جائے گی۔ آتش دوزخ کے سامنے ان کے خیمے لگانے کا مقصد بھی یہی ہوگا۔ (کہ خلق خدا سکھ کا سانس لے سکے)

پس دنیا آگ کی مثل ہے۔ اور حرص دوزخ کی مثل ہے۔ جب اہل دنیا پر اہل اللہ

فقراء کا گزر ہوتا ہے۔ اور وہ انہیں نظر رحمت سے دیکھتے ہیں۔ تو ان کے وجود سے حرص ختم ہو جاتی ہے۔ کہ اہل اللہ اگر ایک دم کیلئے بھی ذکر اللہ میں مشغول رہیں تو ان کا یہ شغل اہل دنیا کیلئے راحت جاودانی کا سبب بن جاتا ہے۔ لہٰذا (اہل دنیا کو چاہئے۔ کہ اہل اللہ کے نزدیک آئیں اور) دوزخ حرص دنیا اور آتش دوزخ آخرت سے نجات پائیں۔ کیونکہ اللہ رب العزت کا فرمان ہے! کہ جو شخص میرا اور میرے محبوب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا نام لیتا ہے۔ اور پورے اخلاص و تصدیق دل کے ساتھ زبان سے "لا الٰه الا الله محمد رسول اللّٰـــه" کا اقرار کرتا ہے۔ میں اسے عذاب نہیں دیتا کہ یار یاروں کو اور دوست دوستوں کو عذاب نہیں دیا کرتے۔

چنانچہ حدیث قدسی میں اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

"میں اپنے عبد (بندے) پر اس کے بہن بھائیوں اور والدین سے زیادہ رحم کرتا ہوں۔ پس اگر تو میرا طالب بنے گا تو مجھے پالے گا"۔ (عبد اہل عبادت کو کہتے ہیں۔)

یہ فقیر باھو کہتا ہے۔ کہ کلمہ طیب کے تین درجے ہیں:

(1) لاالٰه (2) الا الله اور (3) محمد رسول الله۔ ہزاروں لاکھوں طالبوں میں سے بعض فقط "لا الٰـــه" تک پہنچتے ہیں۔ بعض "الا اللّٰـــه" تک پہنچتے ہیں۔ اور بعض "محمد رسول الله" تک پہنچتے ہیں۔ "لا الٰہ" نفی ہے۔ فانی ہے۔ "الا اللہ" اثبات ہے باقی ہے۔ مرتے وقت "لا الٰہ" کہنے سے تمام عمر کے گناہ مٹ جاتے ہیں۔ کہ نفی میں آ کر تمام گناہ فنا ہو جاتے ہیں۔ "الا اللہ" کہنے سے بندہ اثبات میں پہنچ جاتا ہے۔ اور "محمد رسول اللہ" کہنے سے مراتب انتہائے پیغمبری پر پہنچ جاتا ہے۔ پس پیغمبروں پر آتش دوزخ حرام ہے۔ یہ کامل محبوبیت کا مقام ہے۔ (یعنی یہ مقام فقر ہے)

اللہ رب العزت کا فرمان ہے۔ "جو شخص اس میں داخل ہو گیا وہ امن پا گیا"۔

حدیث قدسی: اِذَا تَمَّ الْفَقْرُ فَهُوَ اللّٰهُ۔

حضور ﷺ کا فرمان ہے۔ ''جب فقر اپنے کمال کو پہنچتا ہے۔ تو اللہ ہی اللہ ہوتا ہے''۔

پس مخلوق ''لا'' ہے۔ اور اسم ''اللّٰہ'' غیر مخلوق ہے۔ ناسوت مخلوق ہے۔ اور اہل اللہ فقراء ناسوتی نہیں۔ مرد وہ ہے۔ جو شریعت میں کامل اور باطن میں فقر کے اس انتہائی مرتبے کا مالک ہو کہ جس کے متعلق کچھ کہا نہیں جا سکتا۔

فکر کے بغیر ذکر

جو شخص ہر وقت ذکر فکر میں غرق رہتا ہے۔ اس کیلئے حضور ﷺ کا انتباہ ہے کہ: ''فکر کے بغیر ذکر کرنا گویا کتے کا بھونکنا ہے''۔

اور فکر اللہ رب العزت کی محبت میں استغراق کا نام ہے۔ ایسے صاحب استغراق فقرائے کاملین کو اللہ رب العزت قیامت سے پہلے ہی ان کا مقصود ان کے حوالے کر دیتا ہے یا انہیں انوار تجلی سے منور و مشرف کر دیتا ہے۔

ایک روز جبرائیل علیہ السلام حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کی: ''اے اللہ کے رسول ﷺ! میں نے آج ایک ایسا واقعہ دیکھا ہے۔ جو اس سے قبل کبھی نہیں دیکھا تھا' وہ یوں کہ ایک شہر میں ایک بت پرست بت کے سامنے بیٹھ کر کہہ رہا تھا: ''اے میرے رب! اے میرے رب!'' مقام ربوبیت سے آواز آئی: ''لَبَّیْکَ عَبْدِیْ'' (میرے بندے میں حاضر ہوں) میں نے عرض کی: ''اے خداوند کریم! وہ تو بت پرست ہے۔ تو اسے کس لیے جواب دے رہا ہے؟'' فرمایا:

> ''اے جبرائیل (علیہ السلام)! اسے اپنے رب کی پہچان نہیں ہے۔ لیکن میں تو جانتا ہوں کہ اس کا رب کون ہے؟ میں اپنے نام کو کیسے فراموش کر دوں؟ غلطی میری بارگاہ میں نہیں کہ حقیقت میں رب میں ہی ہوں اس لئے جو بھی مجھے پکارتا ہے میں اس کی التجا قبول کرتا ہوں''۔

اب ابوالفضل! اس بے نیاز کے اس رنگ کرم کو دیکھ اور اپنی پاکبازی پر تکبر مت کر۔

اسی طرح کا ایک واقعہ یوں ہے۔ کہ ایک مرتبہ ایک ولی اللہ کی ملاقات ایک فرشتے سے ہو گئی۔ انہوں نے فرشتے سے پوچھا: ''کہاں جا رہے ہو؟'' فرشتے نے جواب دیا: ''ایک یہودی کو مچھلیاں پکڑنے کا شوق ہے۔ اور پانی میں مچھلیاں نہیں ہیں۔ مجھے اللہ رب العزت نے حکم دیا ہے۔ کہ دریا سے مچھلیاں پکڑ کر پانی میں ڈال آؤں تاکہ یہودی کو اپنا مطلوب و مقصود حاصل ہو جائے۔ اور وہ بارگاہ حق سے مایوس نہ ہو''۔

جب اللہ رب العزت کا اپنے دشمنوں سے سلوک کا عالم یہ ہے۔ تو اس کے دوست تو یقیناً اس کے کرم سے محروم نہیں ہو سکتے۔

اللہ رب العزت کا فرمان ہے: ''یہ اس لئے ہے۔ کہ اہل ایمان کا مولیٰ اللہ رب العزت ہے۔ اور کافروں کا مولیٰ کوئی نہیں''۔

یاد رکھ کہ جب اللہ رب العزت نے ابلیس کو مرتبہ رحمت سے معزول کر کے ''اسفل السافلین'' کے مرتبہ لعنت پر بھیجا۔ مقام علیین سے بے دخل کر کے مقام سجین پر پہنچایا تو ابلیس و نفس و دنیا نے آپس میں اولاد آدم علیہ السلام کو مرتبہ ذلت و ہلاکت پر پہنچانے کیلئے معاہدہ کیا اور ایک دوسرے سے بیعت کی۔ ابلیس نے کہا: ''میں اولاد آدم علیہ السلام کو طاعت و عبادت سے ہٹا کر معصیت و گناہ کی طرف راغب کروں گا''۔

دنیا نے کہا: ''میں خود کو ان کی نظروں میں آراستہ کر کے انہیں اپنی طرف مائل کروں گی اور انہیں حرص و بلا میں مبتلا کر کے ہلاک کروں گی اور خدائے عزوجل سے دور کروں گی''۔ اور نفس نے کہا: ''میں انہیں ہوا و شہوات میں دیوانہ کر کے نظر بازی سے گمراہ و خراب کروں گا''۔

طالب اللہ کیلئے ضروری ہے۔ کہ وہ ان تینوں کو ان کے افعال سے پہچانے اور خود کو ناشائستہ افعال سے باز رکھے۔ جب کسی عارف باللہ عابد کے وجود میں توفیق الٰہی سے علم

شریعت وطریقت وحقیقت ومعرفت کا نور آ جاتا ہے۔ اور قلب ذکر اللہ کے ذریعے زندہ ہو کر غرق فنا فی اللہ ہو جاتا ہے۔ اور اس کے وجود میں تعظیم امر معروف۔ توکل۔ حیا۔ صبر۔ خوف۔ رجا۔ عشق محبت۔ توحید۔ وحدانیت اور تجرید وتفرید۔ جیسے اوصاف پیدا ہو جاتے ہیں۔ تو یہ تینوں مردود اس سے دفع ہو جاتے ہیں۔

پیر کا مریدوں کے گھر میں جانا

فقیر کو کسی اہل دنیا کے گھر جانے سے بہتر ہے۔ کہ اسے سولی پر لٹکا دیا جائے۔

اگر کسی کو طاعت وریاضت اور پارسائی سے حق حاصل ہوتا تو ابلیس کو ہوتا کہ وہ زاہد و عابد اور طاعت گزار تھا۔ لیکن زہد وریاضت سے اس کے وجود میں کبر وانا پیدا ہو گئی تھی۔ جس سے وہ مردود ہو گیا۔ اگر کسی کو علم وفضیلت سے حق حاصل ہوتا تو بلعم باعور کو ہوتا کہ اس کی مسجد میں ہر وقت بارہ ہزار قلم دوات اس کے علمی نکات لکھنے میں مصروف رہتی تھیں۔ اور قاف سے قاف تک زیر وزبر کی ہر تحقیق ضبط تحریر میں لائی جاتی تھی۔ اگر کسی کو کثرت مال دنیا سے حق حاصل ہوتا تو قارون کو ہوتا کہ اس کے خزانوں کی حد تحت الثریٰ سے بھی نیچے چلی گئی تھی۔ اگر کسی کو خدائی دعویٰ کرنے سے حق حاصل ہوتا تو فرعون کو ہوتا کہ اس نے خدائی دعویٰ کر ڈالا تھا اور اس کے باعث دریائے نیل میں غرق ہو گیا تھا اور اگر کسی کو جہالت کی بنا پر حق حاصل ہوتا تو ابوجہل کو ہوتا۔ حاصلیت حق تعالیٰ کا راز اس اخلاص و محبت میں ہے۔ جو خالص اللہ رب العزت کے لئے ہو۔ چنانچہ اخلاص ومحبت نے اصحاب کہف کے کتے کو کتوں کی قبیل سے نکال کر آدمیوں کی صف میں لا کھڑا کیا جس کے متعلق قرآن مجید میں اللہ رب العزت کا فرمان ہے: ''چھٹا ان کا کتا ہے۔ یہ ان کا غائبانہ قیاس ہے''۔

اگر تو اولاد آدم علیہ السلام ہے۔ تو اللہ رب العزت کی محبت میں کتے سے تو کمتر نہ ہو۔

فقر کی تین اقسام ہیں۔ اول فقر فنائے ''لا الٰہ'' ہے۔ دوم فقر بقائے ''الا اللہ'' ہے۔

اور سوم فقر انتہائے ''محمد رسول اللہ'' ہے۔ جو رہنما ہے۔ فقر اللہ سے یگانہ اور غیر اللہ سے بیگانہ ہے۔ یگانگی اور بیگانگی کا کوئی جوڑ نہیں۔ جب تک فنا حاصل نہ ہو جائے بقا تک کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ آدمی کے وجود میں چار لذات نفسانی ہیں۔ جو سب کی سب فانی ہیں۔ صرف پانچویں لذت حق تعالیٰ جاودانی ہے جسے بقا حاصل ہے۔ اول کھانے پینے کی لذت' دوم عورت سے مجامعت کی لذت' سوم حکمرانی کی لذت اور چہارم علم وفضیلت کی لذت۔ جب پانچویں لذت حق تعالیٰ طالب اللہ کے وجود میں غلبہ پاتی ہے تو یہ چاروں لذات مغلوب ہو جاتی ہیں۔ اور ہرگز اچھی نہیں لگتیں۔ جیسے کہ بیمار کو کھانا اچھا نہیں لگتا۔

آدمی کے وجود میں دس چیزیں پائی جاتی ہیں جن میں سے نو (9) ایک طرف ہیں۔ اور دسویں ایک طرف ہے۔ چنانچہ ہاتھ۔ پاؤں۔ آنکھیں۔ کان اور زبان ایک طرف ہیں۔ اور پیٹ ایک طرف ہے۔ جب پیٹ کا بھوکا ہو۔ تو یہ نو (9) پرشکم ہوتی ہیں۔ اور جب پیٹ طعام سے پر ہو۔ تو یہ نو (9) بھوکی ہوتی ہیں۔ جس کا نفس تابع ہو کر مطمئنہ بن جائے وہ بھوکا رہے یا سیر شکم اس کی چشم باطن ہر حال میں روشن رہتی ہے۔

ابیات: ''جب چشمان سر اور دل باہم مل کر یکتائی کا تاج پہن لیتے ہیں تو اس وقت واصلین کو معراج نصیب ہوتی ہے۔ پھر وہ پرشکم بھی ہوں۔ تو سراپا نور ہوتے ہیں۔ کہ انہیں حضور حق میں دائمی وصال حاصل ہوتا ہے۔ اور یہ وہ مقام ہے۔ کہ جہاں لاغری ہے نہ جسم و جان ہے۔ ذکر فکر ہے نہ سجدہ و تسبیح ہے۔ اور نہ ہی زینت جبّہ و دستار ہے۔ بس میرا دل ہے۔ کہ سجدہ ریز ہو کر دیدار یار میں غرق ہے''۔

حضور ﷺ کا فرمان ہے: ''نماز مومنوں کی معراج ہے''۔

یہ مقام شریعت ہے۔ اور مقام شریعت چاہ رواں کی مثل ہے۔ مقام طریقت بادل کی مثل ہے۔ مقام حقیقت باران رحمت کی مثل ہے۔ مقام معرفت آبجو کی مثل ہے۔ اور مقام عشق و محبت فنا فی اللہ دریائے عمیق کی مثل ہے۔ دریائے عمیق میں جس قدر بھی بول و براز

ونجاست گرتی رہے وہ ناپاک نہیں ہوتا۔ اگر اس سے ہزارہا نہر و نالے نکال لیے جائیں تو اس میں کمی نہیں آتی۔ اگر ہزار نالہ کسی نہر میں گرا دیا جائے۔ تو وہ دریا بن جاتا ہے۔ شریعت دروازہ اول ہے' طریقت دروازہ دوم ہے۔ معرفت دروازہ سوم ہے۔ حقیقت دروازہ چہارم ہے۔ اور مقام عشق و محبت خانہ یگانہ ہے۔ جو آدمی مقام شریعت و طریقت و معرفت و حقیقت طے کر لیتا ہے وہ محض دربان ہے۔ اور حق سے بیگانہ ہے۔ جب تک کہ وہ عشق و محبت کے خانہ یگانہ کے اندر داخل ہو کر محرم اسرار نہیں ہو جاتا۔ معلوم ہوا کہ اہل مقامات شیخ مخدوم (اسرار الٰہی) سے محروم ہیں۔

بیت: ''حق سے دوری تیرے لئے شرمندگی ہے۔ پریشان دل حضور حق میں ہرگز نہیں پہنچ سکتا''۔

دل بھی دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک اہل قلب کا اور دوسرا اہل سلب کا۔ اہل قلب کا دل ذکر اللہ کے نور سے پُر اہل حیات ہوتا ہے۔ اور مردہ دل اہل سلب کا دل ذکر اللہ سے غافل اور دونوں جہان میں خجل و روسیاہ و شرمندہ ہوتا ہے۔ جس شخص کے وجود میں ذکر قلب ہے جاری آشکارا۔ اس کے سامنے ہے حجاب اکبر پارہ پارہ۔ ذاکر قلب دائم السیر ہوتا ہے۔ اور ہمیشہ بالائے عرش مشاہدہ شوق میں غرق رہتا ہے۔ وہ مینڈک کی طرح سرگردان ہو کر ٹراتا نہیں۔

بیت: ''تجھے ایسے ذکر سے شرم آنی چاہئے۔ کہ جس میں حبس دم تو ہو۔ لیکن حسب ذکر نتیجہ کچھ بھی نہ ہو''۔

ذاکر اسے کہتے ہیں۔ کہ جس پر ذکر اس طرح غالب ہو جائے کہ اس کا رات دن کا سکھ چین ختم ہو جائے۔ اور اسے ذکر فکر کی ہوش نہ رہے۔ اہل ذکر صابر و شاکر ہوتا ہے۔ جس ذاکر کو حضوری حاصل نہ ہو وہ خطرات میں گھرا رہتا ہے۔

حضور ﷺ کا فرمان ہے: ''حضوری قلب کے بغیر نماز نہیں ہوتی''۔

بیت: ''جب معدہ طعام سے خالی ہوتا ہے۔تو معراج کامل نصیب ہوتی ہے''۔

یہ بھی خام مرتبہ ہے۔ کہ صبر وشکر بیوہ عورتوں کا کام ہے۔ جب کسی عورت کا شوہر مر جاتا ہے۔تو دوسری عورتیں اس سے کہتی ہیں۔ کہ گریہ زاری مت کر۔صبر وشکر کر۔

اللہ رب العزت حی قیوم ذات ہے۔ مردہ نہیں۔ صبر شکر یہ ہے۔ کہ بندہ دنیا۔ اہل دنیا۔ حب دنیا اور مال و دولت سے دست بردار ہو کر صابر وشاکر ہو جائے۔ اور شکر کرے کہ الحمدللہ کہ اللہ رب العزت نے مجھے وہ فقر عطا فرمایا ہے۔ جو پیغمبروں کا ورثہ ہے۔

اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

(1) ''بے شک اللہ رب العزت صبر کرنے والوں کا ساتھی ہے''

(2) ''اے آل داؤد شکر گزاری کرو۔ بندے بہت کم ہی شکر گزار ہوتے ہیں''۔

پس غور کر کہ فقر پر صبر شکر کوئی نہیں کرتا سوائے ذاکر حقیقی اور صابر تحقیقی کے۔ دنیا اور دنیا کی کوئی نعمت بھی حقیقت میں نعمت نہیں ہے۔ کہ قیامت کے دن یہ سب نعمتیں کڑوی محسوس ہوں گی۔

اللہ رب العزت کا فرمان ہے: ''کھاؤ پیو اور فضول خرچی مت کرو اللہ رب العزت فضول خرچی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا''۔

اس آیت مبارکہ کا تعلق واجبات سے ہے۔ ابیات:

(1) ''راہ فکر عشق کی راہ ہے نہ کہ دانش و پند کی۔ دانشمند وہ ہے جو عشق میں کامل ہو''۔

(2) ''اگر تجھے ملامت و رسوائی بھی سہنی پڑے تو ایسا علم حاصل کر کہ جو تجھے واصل بحق کر دے''۔

(3) ''جس علم کو تو پڑھتا ہے وہ محض جہالت ہے۔ کہ اس سے صرف عز وجاہ دنیا حاصل ہوتی ہے۔ اور یہ سراسر نادانی ہے''۔

(4) ''اے باہو! دنیاوی شان وشوکت سے نمدے کی گدڑی بہتر ہے۔ کہ اس سے خدائے

بے نیاز کا دائمی قرب حاصل ہوتا ہے''۔

حضور ﷺ کا فرمان ہے: ''نفس کی اصلاح کا طریقہ زاہدوں کا طریقہ ہے۔قلب کی اصلاح کا طریقہ راغبین کا طریقہ ہے۔اور روح کی اصلاح کا طریقہ عارفین کا طریقہ ہے''۔

بیت: ''اے باھو! جب دل میں ذکر اللہ قائم ہو جاتا ہے۔تو نفس و ہوا کا کوئی حجاب باقی نہیں رہتا''۔

اختتام

میری یہ کتاب کہ جس میں پوشیدہ علوم کے حقائق مندرج ہیں۔ اللہ ربّ العزت کی توفیق۔ تائید اور قادر کن فیکون کے فضل و کرم کے فیض سے بادشاہ دین پرور اور سلطان عدل گستر خسرو جو کے خسرو کی روش اور کیقباد کی اصل والہ ہے۔

(اللہ ربّ العزت اس کی سلطنت کے جھنڈے دونوں جہان میں بلند و برتر فرمائے۔ اور مشرق سے لے کر مغرب تک ساری کائنات اس کی قلم رو ہو جائے۔)

اس کی مبارک ہمت کے یمن اور یمن والی دولت کے زیر سایہ فقیر الی اللہ رب العزت حضرت سیّد احمد حسین شاہ گیلانی القادری رحمۃ اللہ علیہ کے فیضان کے وسیلہ سے اس کتاب ''اسرارالحقیقت فی تبیان الطریقت'' کو مکمل کر رہا ہوں۔

اب اللہ ربّ العزت کی عنایت بے علت سے امیدوار ہوں کہ مجھے اس توسل اور تقرب کا اجر ملے گا۔ نہ کہ میں مہجور کیا جاؤں گا۔ اور اللہ رب العزت کے فضل و کرم اور اس کے حبیب سیّد دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل بارگاہ الٰہیہ میں منظور ہو گی۔ نہ کہ دور پھینکی جائے گی۔

کیونکہ حقائق کے اس خزانے کا سرسری مطالعہ نہیں کیا جا سکتا۔ اور بڑی لمبی مدتوں میں بھی اس کے رموز و اسرار اور دقائق پر مطلع نہیں ہو سکتے۔ اگر چہ ان غیبی معانی کو اس سے

زیادہ روشن اور واضح تر بیان نہیں کیا جا سکتا۔

لیکن پھر بھی بعض امور اور اشارات کی مشکلات کو اس طرح سمجھ سکتے ہیں۔ کہ جس طرح حضرت سلیمان علیہ السلام پرندوں کی بولیاں سمجھ لیا کرتے تھے۔

میری التماس ہے۔ کہ اس کتاب ''اسرار الحقیقت فی تبیان الطریقت'' کی تصنیف سے میری ہرگز یہ خواہش نہیں ہے۔ کہ عوام الناس مجھے دنیاوی مال و دولت اور مراتب وغیرہ عنایت کریں۔ یا یہ کہ ایسے خوفناک واقعات کی وجہ سے کہ اپنے ہی شیخ کامل حضور سرکار محبوب ذات کے در اقدس سے دربدر۔ خوشی سے مصیبت۔ کثرت سے قلت۔ اور جمعیت سے تفرقہ میں پڑا ہوں۔

میں یہ بھی نہیں کہتا کہ عزت سے ذلت میں پڑا ہوں۔ کیونکہ جسے فخر کی عزت مل جاتی ہے۔ اور ساتھ ہی دلی تمنا بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ اور اس کے لئے فقر فخر کا باعث ہوتا ہے۔ کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد پاک ہے کہ:

''الفقر فخری''

''فقر میرا فخر ہے''

قصہ مختصر یہ کہ میں اپنا خیال اس ایک شعر میں بند کیئے دیتا ہوں کہ:

ملتمس وما مول من یعرفنا

انا عبد نور پاک ولکنا معالیس

''جو محتاج اور امیدوار ہمیں جانتا ہے۔ اسے معلوم ہے۔ کہ میں نور پاک کا بندہ ہوں۔ گو اس وقت ہمارے پاس کچھ نہیں''

اب میں ملتمس ہوں کہ قاری اور طالبان راہ حق اس کتاب ''اسرار الحقیقت فی تبیان الطریقت'' پر کہ جس کے صفحات حقائق مبین کے انمول اور قیمتی موتیوں سے پُر ہیں۔ لہٰذا نظرِ الطاف اور بصیرت کی آنکھ سے اور پر خلوص عقیدت کے ساتھ نہ کہ غرور اور تکبر سے اس

کا مطالعہ کریں۔اور دعا کریں۔ کہ میں نے جو کچھ بعض مقامات پر لکھا ہے۔ وہ جہان اور اہل جہان کے عادل بادشاہ کو تحقیق ہو جائے۔ اور اس کے جملہ فوائد تمام اہلِ اسلام کو پہنچیں۔ اور یہ بات میرے لئے بارگاہ الٰہی میں بازیاب ہونے کے لئے ایک عمدہ وسیلہ بن جائے۔ اور روزِ آخرت مجھے ندامت اور شرمندگی نہ اُٹھانی پڑے۔

میں کیہ جاناں حال، فقر دے مدعی نفسانی
سنی سنائی لکھ وکھائی پائی نئیں نشانی

(میاں محمد بخش رحمۃ اللہ علیہ)

دُعا

اللھم اجعلنا من عبادِك الصالحین وخواصك المقربین الھادین المھتدین وانزلنا خطیرہ قدسك مع اھل انسك من الانبیاء والمرسلین واختم لنا ولامته محمد علیه الصلوٰۃ والسلام بخاتمته الفایزین، صلی اللّٰہ علٰی محمد واٰلہ واصحابہٖ وعترتہٖ اجمعین"

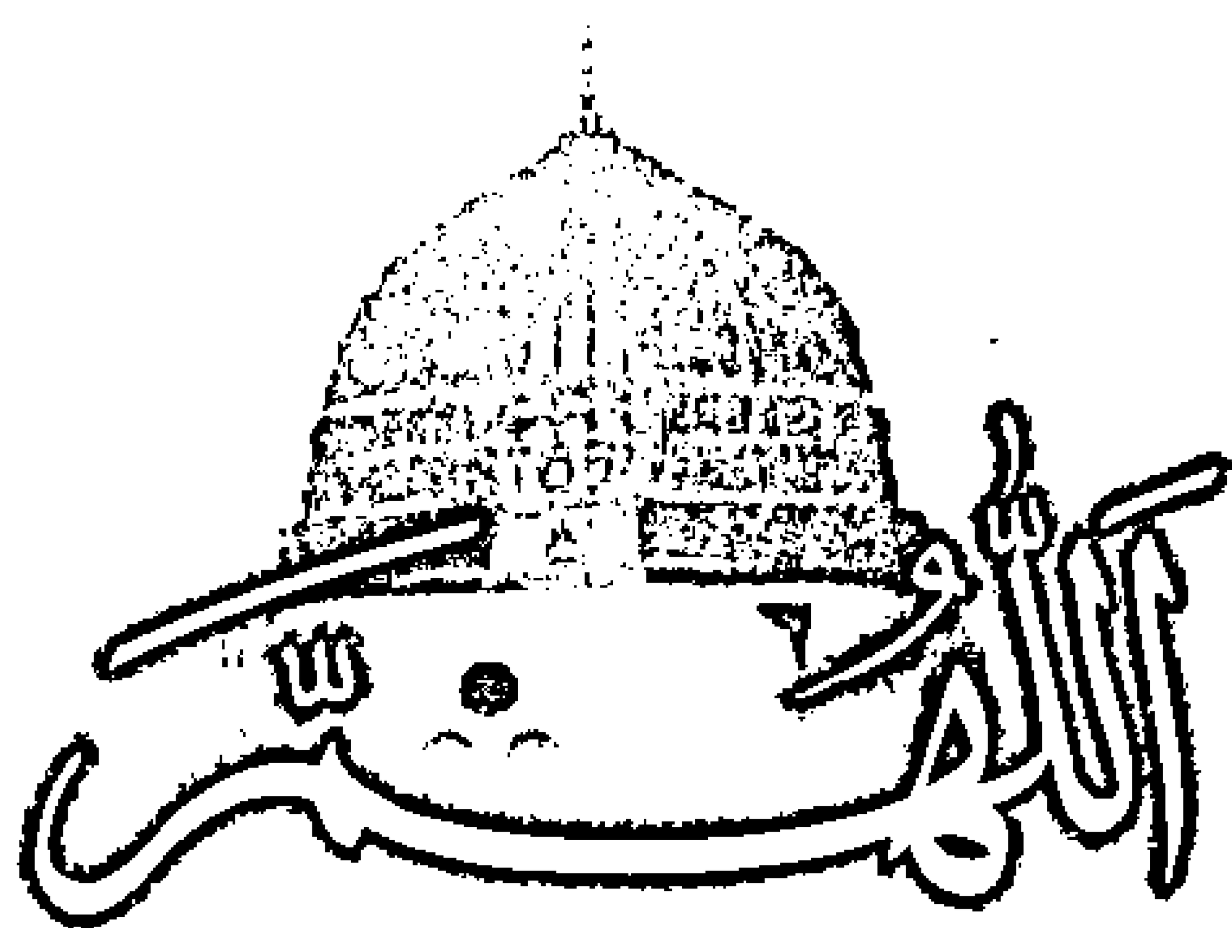
"اے پروردگار! تو ہمیں اپنے نیک بندوں اور اپنے خواص اور مقرب اور راحت پانے والوں سے بنانا۔ اور اپنے انبیاء کرام اور مرسلین علیہم السلام کے ساتھ کہ جن کے دلوں میں تیری محبت ہے اپنے پاک مقام میں اتارنا۔ اور ہمارا اور امت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاتمہ بالخیر کرنا"۔

وصلی اللّٰہ علٰی محمدٍ واٰلہٖ واصحابہٖ وعترتہٖ اجمعین"۔

بندۂ نور پاک

فقیر اعجاز احمد قادری

بسم الله الرحمن الرحيم



صَلِّ على سيّدنا ومولانا محمّدٍ وعلى آله وصحبه وبارك وسلّم

مولاي صلِّ وسلّم دائمًا أبدًا
على حبيبك خير الخلق كلّهم

محمّدٌ سيّد الكونين والثّقلين
والفريقين من عربٍ ومن عجم

الارشاد الحقیقت فی تبیان الطریقت

کی اشاعت

محمد اقبال احمد منڈیروی قادری

کے تعاون سے ہوئی۔ اللہ پاک اُن کے علم و عمل میں

برکت عطا فرمائے۔ آمین۔

لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم ثم رددنٰه اسفل سافلین

الارشاد الحقیقت

فی

تبیان الطریقت

فقیر اعجاز احمد قادری